

مکتوباتِ امامِ ربانی رحمۃ اللہ علیہ

مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ
کے اسرار شریعت و معارف طریقت کے بھرپور گرانقدر مجددانہ مکاتیب

مع رسالہ
مبدأ و معاد

جلد دوم - سوم

مترجم
حضرت مولانا قاضی عالم الدین صاحب نقشبندی مجددی رحمۃ اللہ علیہ

ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور

ادارہ بلاغ الناس

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب	مکتوبات امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ
تالیف	مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی فاروقی رحمۃ اللہ علیہ
مترجم	مولانا قاضی عالم الدین نقشبندی مجددی رحمۃ اللہ علیہ
اشاعت	اپریل 2004ء
تعداد	ایک ہزار
ناشر	ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
کمپیوٹر کوڈ	1Z77

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

ڈاکٹر ہارروڈ، لاہور۔ فون: 7221953 فیکس: 042-7238010
9۔ انگریز مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ فون: 7225085-7247350
14۔ انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی
فون: 021-2210212-2630411۔ فیکس: 021-2210212
e-mail:- zquran@brain.net.pk

طالب دُعا.

سید محمد انور شاہ

0344-5559888

Shahpk82@yahoo.com

ادارہ بلاغ الناس

(شعبہ اشاعت)

اسلام آباد پاکستان

فہرست مضامین دفتر دوم

- 19 **مکتوب ۱۔** مسئلہ وحدت وجود میں شیخ محی الدین ابن عربی کے مذہب کے بیان میں جو حضرت ایشاں سلمہ
اللہ تعالیٰ کے نزدیک مختار ہے شیخ عبدالعزیز جو نیوری کی طرف صادر فرمایا ہے
- 21 **مکتوب ۲۔** اس بیان میں کہ حق تعالیٰ کی ذات و صفات کا مرتبہ وجود اور وجوب کے اعتبار سے برتر ہے۔ میر
شمس الدین غفالی کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 28 **مکتوب ۳۔** اس بیان میں کہ انفس و آفاق کا معاملہ ظلال میں داخل ہے اور والا بیت صغریٰ و کبریٰ اور کمالات
نبوت اور تجلی افعال کی حقیقت کی تحقیق میں جس کو بعض صوفیاء نے بیان کیا ہے کہ وہ تجلی حق تعالیٰ کے فعل کا عکس
ہے۔ فعل و ذات و صفات عین نہیں۔ حقائق و معارف کو جاننے والے فیض الہی کے مظہر مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید
سلمہ اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 29 **مکتوب ۴۔** اس بیان میں کہ علم الیقین اور عین الیقین اور حق الیقین جو بعض صوفیوں نے مقرر کئے ہوئے
ہیں درحقیقت علم الیقین کے تین حصوں میں سے دو حصے ہیں اور علم الیقین کا ایک حصہ ابھی آگے ہے پھر عین الیقین
اور حق الیقین کا کیا ذکر ہے اور اس بیان میں کہ ان علوم کا صاحب اس بزار کا مجدد ہے میر محمد نعمان کی طرف صادر
فرمایا ہے۔
- 35 **مکتوب ۵۔** اس بیان میں کہ حق تعالیٰ کی صفات دو اعتبار رکھتی ہیں اعتبار اول فی نفسہا ان کا حصول ہے اور
دوسرا اعتبار ذات کے ساتھ ان کا قیام ہے اور یہ دونوں اعتبار خارج میں ایک دوسرے سے متمیز ہیں۔ میر شمس الدین
علی غفالی کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 36 **مکتوب ۶۔** بعض پوشیدہ اسرار کے بیان میں جن سے مفہوم ہوتا ہے کہ ہمارے پیغمبر ﷺ کو ملت ابراہیم
علیہ السلام کے اتباع کا کیوں امر ہوا۔ جامع علوم عقلی و نقلی مخدوم زادہ محمد الدین محمد معصوم کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 38 **مکتوب ۷۔** مراتب پنجگانہ محبوبیت اور محسبیت اور محبت اور حب اور رضا اور ان سے ایک اور برتر مرتبہ کے
بیان میں اور اس بیان میں کہ ان مراتب میں سے ہر ایک پیغمبر کے ساتھ مخصوص ہے۔ فقیر حقیر عبدالحی کی طرف جو
ان مکتوبات شریف کا جامع ہے صادر فرمایا ہے۔
- 39 **مکتوب ۸۔** ان خصوصیات اور عوام اور متوجہ طوں کے ایمان بالغیب کے درمیان فرق کے بیان میں۔ خانخاناں
کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 41 **مکتوب ۹۔** کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ کے فضائل اور مقام تنزیہ کی تحقیق اور اس بیان میں کہ ایمان نصیب اس
وقت تک نہیں ہوتا ہے جبکہ معاملہ اقربیت تک پہنچ جائے کیونکہ یہ معاملہ وہم و خیال کے ضبط سے باہر ہے۔ ملا عارف
نقشبندی کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 43 **مکتوب ۱۰۔** اس بیان میں کہ جو ظہور ہوتا ہے ظلیت کی آمیزش کے بغیر نہیں ہوتا۔ برخلاف اس ظہور کے
جو عرش پر واقع ہو اور جب قلب اپنی نہایت کمال تک پہنچ جاتا ہے تو انوار عرش سے نور اقتباس کر لیتا ہے۔ حقائق
آگاہ بردار حقیقی میاں محمد مودود کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 45 **مکتوب ۱۱۔** فوق عرشی کے ظہور کی بعض خصوصیتوں اور آیہ کریمہ اللہ فَوْرُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ کے
تاویلی معنوں اور انسان کے بعض خاص کمالوں اور جزوار ضی کی فضیلتوں کے بیان میں حقائق و معارف آگاہ مظہر فیض
الہی محمد الدین خواجہ محمد معصوم کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 46 **مکتوب ۱۲۔** اس بیان میں کہ فرشتے اگرچہ اصل کا مشاہدہ کر نیوالے ہیں اور انسان کا شہود انفس کے آئینہ میں

- ہے لیکن اس دولت کو انسان میں جزء کی طرح بنایا ہے اور اس کے ساتھ اس کو لقاء بخشا ہے اور اس کے مناسب بیان میں۔ معارف آگاہ برادر حقیقی میاں غلام محمد کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 52 **مکتوب ۱۲۔** اس بیان میں کہ علمائے ظاہر کے نصیب کیا ہے اور صوفیاء عالیہ کے حصہ میں کیا آیا ہے اور علماء راسخین جو انبیاء کے وارث ہیں ان کے نصیب میں کیا ہے مرزا شمس الدین کی طرف اسکے خط کے جواب میں لکھا ہے۔
- 54 **مکتوب ۱۴۔** اس استفسار کے جواب میں کہ صاحب منصب البتہ صاحب علم ہے یا نہیں اور اس استفسار میں کہ فنا فی اللہ اور بقا باللہ اب تک حاصل نہیں ہوئی اور اپنی حالت پر اطلاع نہ ہونے کے بیان میں مولانا احمد برکی کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 55 **مکتوب ۱۵۔** قصبہ سامانہ کے خطیب کی مذمت و نکوہش میں جس نے عید قربان کے خطبہ میں خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ذکر کو ترک کر دیا تھا اور بیان نہ کیا تھا۔ شہر سامانہ کے بزرگ سادات اور قاضیوں اور رئیسوں کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 56 **مکتوب ۱۶۔** چند استفساروں کے جواب اور برزخ صغریٰ کے عجیب و غریب احوال اور مرگ طاعون کی فضیلت کے بیان میں۔ شیخ بدیع الدین سہارنپوری کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 59 **مکتوب ۱۷۔** اس بیان میں کہ اس جہان کی مصیبتیں اگرچہ بظاہر جراحت و زخم ہیں مگر حقیقت میں ترقیوں کا موجب ہیں اور مرہم ہیں اور مرگ طاعون کی فضیلت میں مرزا حسام الدین احمد کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 60 **مکتوب ۱۸۔** اس بیان میں کہ علماء راسخین اور علماء ظواہر اور صوفیاء میں سے ہر ایک کا نصیب کیا کیا ہے۔ شیخ جمال ناگوری کی طرف اس کے التماس کے جواب میں صادر فرمایا ہے۔
- 62 **مکتوب ۱۹۔** سنت سنیہ کی تابعداری کرنے اور بدعت نامر ضیہ سے بچنے اور اس کے مناسب بیان میں۔ میر محبت اللہ کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 63 **مکتوب ۲۰۔** نماز کی فضیلت اور اس امر پر ترغیب دینے کے بیان میں کہ ارکان و شرائط اور تعدیل ارکان کو اچھی طرح بجالانا چاہئے۔ مولانا محمد طاہر بدخشی کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 64 **مکتوب ۲۱۔** اس بیان میں کہ مراد اس قلب سے جو حدیث قدسی لا یسفنی اذنی الخ میں واقع ہے مضغ ہے نہ کہ وہ حقیقت جامعہ جس کی وسعت کی نسبت بعض مشائخ نے خبر دی ہے۔ لیکن وہ مضغ جس نے سلوک و جذبہ اور تصفیہ و تزکیہ اور قلب کی حکمیں اور نفس کے اطمینان کے بعد اجزاء عشرہ کی ترکیب سے صورت حاصل کی ہے اور ہیئت و جدائی پیدا کی ہے اس حقیقت جامعہ پر کئی وجوہ سے زیادتی رکھتا ہے اور اس بیان میں کہ یہ سب کمالات جو مضغ کیلئے ثابت کئے گئے ہیں مقام قاب قوسین میں ہیں اور اذنی کا معاملہ آگے ہے۔ خواجہ محمد صدیق کی طرف جو ہدایہ سے ملقب ہے صادر فرمایا ہے۔
- 65 **مکتوب ۲۲۔** حضرت ایشاں سلمہ اللہ تعالیٰ کے طفیل اکثر شہروں پر سرہند کے فضیلت و شرافت پانے اور اپنی سکونت والی زمین میں ایسے نور کے پانے میں جس کو صفت کی گرد نہیں لگی اور وہ زمین کچھ مدت کے بعد مخدوم زادہ کلاں خواجہ محمد صادق قدس سرہ کا روضہ مقدسہ بن گئی مولانا محمد صادق کشمیری کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 71 **مکتوب ۲۳۔** اس بیان میں کہ سب سے بہتر کام سنت سنیہ کی اتباع اور بدعت نامر ضیہ سے اجتناب ہے اور اس بیان میں کہ طریقہ نقشبندیہ کی فضیلت دوسرے طریقوں پر صاحب شریعت علیہ السلام کی اتباع اور عزیمت پر عمل کرنے کے باعث ہے اور اس طریقہ عالیہ کی تعریف اور اس کے مناسب بیان میں مخدوم زادہ خواجہ محمد عیسیٰ کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 72 **مکتوب ۲۴۔** خط کے جواب میں حاجی محمد دکنی کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 77 **مکتوب ۲۵۔** اس بیان میں کہ جو عمل شریعت کے موافق کیا جائے ذکر میں داخل ہے اگرچہ خرید و فروخت ہو خواجہ شرف الدین حسینی کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 77

مکتوب ۲۶۔ ایک خط کے جواب میں۔ جس سے طرفنداری کی بو آتی تھی اور اس بیان میں کہ ذکر کی تلقین بچوں کو الف و با سکھانے کی طرح ہے۔ عرفان پناہ مرزا احسام الدین احمد کی طرف ارسال فرمایا ہے۔

مکتوب ۲۷۔ شیخ عبدالعزیز جو پوری کے ان تشکیلات و سوالات کے جواب میں جو مکتوب اول میں جو اس کے نام پر ہے۔ کئے گئے تھے۔ مولانا محمد طاہر بدخشی کی طرف ارسال فرمایا ہے۔

مکتوب ۲۸۔ چند استفساروں کے جواب میں مولانا محمد صادق کشمیری کی طرف صادر فرمایا ہے۔

مکتوب ۲۹۔ اس بیان میں کہ اس جہان کے بہتر اسباب حزن و اندوہ ہیں اور اس دسترخوان کی خوشگوار نعمت الم و مصیبت ہے۔ فضیلت پناہ شیخ عبدالحق دہلوی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

مکتوب ۳۰۔ ایک خط اور دو سوالوں کے جواب میں جن میں سے ایک نسبت رابطہ کی ورزش کی نسبت اور دوسرا فتور مشغولی کے بارہ میں کیا گیا تھا۔ خواجہ محمد اشرف اور حاجی محمد فرحتی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

مکتوب ۳۱۔ وعظ و نصیحت کے بیان میں خواجہ محمد شرف الدین حسین کی طرف صادر فرمایا ہے۔

مکتوب ۳۲۔ ایک عریضہ کے جواب میں جس میں باطنی جمعیت کی شکایت لکھی تھی۔ مرزا قلیچ خاں کی طرف صادر فرمایا ہے۔

مکتوب ۳۳۔ اس بیان میں کہ محبوب محبت کی نظر میں ہر حال میں محبوب ہے۔ خواہ انعام فرمائے خواہ درد پہنچائے بلکہ اقل و بعض کے نزدیک رنج کا پہنچانا انعام کی نسبت زیادہ محبت بخشا ہے اور شکر پر حمد کی زیادتی کے بیان میں مولانا محمد صالح کولابی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

مکتوب ۳۴۔ ایک عریضہ کے جواب میں جو توارذ احوال کی نسبت لکھا ہوا تھا۔ نور محمد تہاری کی طرف صادر فرمایا ہے۔

مکتوب ۳۵۔ بعض ان استفساروں کے جواب میں جو توحید و عین الیقین کے بارہ میں کئے گئے تھے۔ پیر زاہد خواجہ محمد عبداللہ سلمہ اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا ہے۔

مکتوب ۳۶۔ امامت کی بحث اور مذہب اہلسنت و جماعت کی حقیقت اور مخالفوں کے مذہب کی حقیقت اور اس بیان میں کہ اہلسنت و جماعت افراط و تفریط کے درمیان جن کو رافضیوں اور خارجیوں نے اختیار کیا ہے توسط اور اعتدال پر ہیں اور اہلبیت کی تعریف میں خواجہ محمد تقی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

مکتوب ۳۷۔ کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ کے فضائل اور اس کے مناسب بیان میں۔ فقیر حقیر عبدالحی کی طرف جو ان مکتوبات شریفہ کا جامع ہے صادر فرمایا ہے۔

مکتوب ۳۸۔ اس بیان میں کہ اہل اللہ کو باطن میں دنیا کے ساتھ رائی کے دانے جتنا تعلق بھی نہیں ہوتا اگرچہ بظاہر دنیا اور دنیا کے اسباب میں مشغول ہوتے ہیں۔ حاجی محمد یوسف کشمیری کی طرف صادر فرمایا ہے۔

مکتوب ۳۹۔ اصحاب یحییٰ اور اصحاب شمال اور سابقین کے بیان میں سید عبدالہادی سارنگپوری کی طرف صادر فرمایا ہے۔

مکتوب ۴۰۔ اس بیان میں کہ حجابوں کا رفع ہونا باعتبار شہود کے ہے نہ باعتبار وجود کے مولانا بدر الدین کی طرف صادر فرمایا ہے۔

مکتوب ۴۱۔ اس بیان میں کہ مراتب نہایت الہیات کے آگے ایک اور مرتبہ آتا ہے جس کا ہر ایک ذرہ تمام دائرہ امکان سے کئی گنا زیادہ ہے۔ شیخ فرید تھانیسری کی طرف صادر فرمایا ہے۔

مکتوب ۴۲۔ اس بیان میں کہ صوفیاء نے سیر کو آفاق و انفس ہی میں منحصر رکھا ہے اور تجلیہ اور تجلیہ اسی سیر میں ثابت کیا ہے اور حضرت ایشاں یعنی حضرت مجدد قدس سرہ اس حصر سے منع فرماتے ہیں اور نہایت الہیات کو آفاق و انفس سے باہر ثابت کرتے ہیں۔ خواجہ جمال الدین ولد مرزا احسام الدین احمد کی طرف صادر فرمایا ہے۔

مکتوب ۴۳۔ اس عبارت کے معنی میں جو بعض صوفیاء نے کہا ہے کہ اس بارگاہ میں یافت کا صرف ذوق ہی ہے

نہ کہ یافت۔ اور اندراج النہایت فی البدایت کی تحقیق میں جو اس طریقہ عالیہ کا خاصہ ہے اور دوسرے طریقوں پر اس طریقہ کی افضلیت کے بیان میں۔ مولانا محمد افضل کی طرف صادر فرمایا ہے۔

130

مکتوب ۴۴۔ ایک استفسار کے جواب میں جو وحدت وجود کی نسبت کیا گیا تھا اور علوم شرعیہ کے ساتھ اس کے مطابق کرنے کے بیان میں اور نیز پوچھا گیا تھا کہ اذا احب اللہ عبدًا الخ کے کیا معنی ہیں اور اس کے مناسب بیان میں محمد صادق ولد حاجی محمد موسیٰ کی طرف صادر فرمایا ہے۔

134

مکتوب ۴۵۔ اس بیان میں کہ عالم سب کا سب حق تعالیٰ کے اسماء و صفات کا مظہر ہے۔ برخلاف ذات کے کہ ممکن اس دولت سے بے نصیب ہے اور اس کو اپنے حق میں قیام بذات خود حاصل نہیں اور سب کا سب عرض ہے۔ اس میں جو ہر ہونے کی بوجہ نہیں اور اس کے مناسب بیان میں۔ حقائق آگاہ معارف دستاویز خواجہ حسام الدین احمد کی طرف صادر فرمایا ہے۔

141

مکتوب ۴۶۔ کلمہ طیبہ کے فضائل میں جو طریقت و حقیقت و شریعت پر مشتمل ہے اور اس بیان میں کہ کمالات نبوت کے مقابلہ میں کمالات ولایت کی کچھ مقدار نہیں اور اس بیان میں کہ صاحب ولایت کو شریعت کے بغیر چارہ نہیں۔ ظاہر ہمیشہ شریعت کے ساتھ مکلف ہے اور باطن اس معاملہ کا گرفتار ہے اور اس کے مناسب بیان میں۔ مولانا حمید الدین بنگالی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

145

مکتوب ۴۷۔ نصیحت و تنبیہ میں محمد قاسم بدخشی کی طرف لکھا ہے۔

151

مکتوب ۴۸۔ ماتم پر سی اور مقام رضا کی ترغیب دینے کے بیان میں خواجہ محمد طالب بدخشی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

152

مکتوب ۴۹۔ اس بیان میں کہ ماسوا کا لسیان اس طریق کا پہلا قدم ہے۔ کوشش کریں تاکہ اس میں کوتاہی نہ ہو۔ خواجہ محمد گدائی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

152

مکتوب ۵۰۔ اس بیان میں کہ شریعت کی ایک صورت ہے ایک حقیقت۔ اور اس بیان میں کہ ابتدا سے انتہا تک شریعت کا ہونا ضروری ہے اور قلب کی تمکین اور نفس کے اطمینان اور اجزاء قالب کے اعتدال میں جو مرتبہ نبوت میں ہے اور اسکے مناسب بیان میں۔ مرزا شمس الدین کی طرف صادر فرمایا ہے۔

153

مکتوب ۵۱۔ حق تعالیٰ کا بعض کا ملین کیساتھ بالمشافہ اور رو برو کام کرنے کے بیان میں، خواجہ محمد صدیقی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

159

مکتوب ۵۲۔ اس گروہ بلند کی محبت کی ترغیب میں خواجہ مہدی علی کشمیری کی طرف صادر فرمایا ہے۔

160

مکتوب ۵۳۔ اس استفسار کے جواب میں کہ اگر عبادت کروں تو نفس کو استغنا حاصل ہو جاتا ہے اور اگر کوئی لغزش اور خلاف شرع کار مجھ سے صادر ہو تو شکستگی اور ندامت پیدا ہوتی ہے۔ گروہ نواح کے مشائخ کی طرف لکھا ہے۔

160

مکتوب ۵۴۔ اس بیان میں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کے بہت سے مرتبے اور درجے ہیں اور وہ سات درجے ہیں اور ہر ایک درجہ کی تفصیل میں سید شاہ محمد کی طرف صادر فرمایا ہے۔

162

مکتوب ۵۵۔ اس بیان میں کہ قرآن مجید تمام احکام شرعیہ کا جامع ہے اور امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مناقب میں اور اس بیان میں کہ اس کام کی اصل شریعت ہے اور صوفیاء عالیہ کی تعریف اور اس امر میں کہ احکام الہامیہ ہر وقت ثابت ہیں اور اس کے مناسب بیان میں۔ مخدوم زلواں یعنی خواجہ محمد سعید اور خواجہ محمد معصوم سلہما اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا ہے۔

167

مکتوب ۵۶۔ اس بیان میں کہ عارف کا معاملہ یہاں تک پہنچ جاتا ہے کہ دوسروں کی برائیاں اس کے حق میں نیکیوں کا حکم پیدا کر لیتی ہیں۔ مولانا عبد القادر اہلوی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

174

مکتوب ۵۷۔ اس بیان میں کہ حق تعالیٰ کا ذکر حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود بھیجنے سے اولیٰ و افضل ہے۔ لیکن وہ ذکر جو قبولیت کا مرتبہ رکھتا ہو۔ وہ ذکر جو شیخ طالب نے مقتدا سے اخذ کیا ہو اور اس کے مناسب

- 175 بیان میں ملا غازی نائب کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- مکتوب ۵۸۔** ایک استفسار کے جواب میں جو عالم مثال کی بابت کیا گیا تھا اور ان دو گروہوں کے درمیان۔ جن میں سے ایک گروہ تاج کا قائل ہے اور دوسرا نقل روح کا قائل ہے اور کون و پروز اور اس کے مناسب بیان میں۔ خواجہ محمد تقی کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 178 **تذیل** بعض ان علوم و معارف کے بیان میں جو عالم مثال سے تعلق رکھتے ہیں۔
- مکتوب ۵۹۔** اس بیان میں کہ معقول و مشہود و مہیوم و مکشوف سب ماسوا میں داخل ہیں۔ پیر زادہ خواجہ عبداللہ سلمہ اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 185 **مکتوب ۶۰۔** اس بیان میں کہ فضولیات سے عنان پھیر کر ضروریات دین میں مشغول ہونا چاہئے محمد تقی کی طرف اس کے خط کے جواب میں لکھا ہے۔
- 186 **مکتوب ۶۱۔** مولانا احمد برکی مرحوم کی ماتم پر سی میں یاروں کو نصیحت پکڑنے اور مولانا حسن کو ان کا سر حلقہ بنانے کے بیان میں بعض یاروں کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 187 **مکتوب ۶۲۔** اس بیان میں کہ انسان مدنی الطبع پیدا کیا گیا ہے اور تمدن اور گزارہ میں اپنے بنی نوع کا محتاج ہے اور اسی احتیاج میں انسان کی خوبی ہے خان خاناں کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 189 **مکتوب ۶۳۔** ایک استفسار کے جواب میں جس میں پوچھا گیا تھا کہ اپنے پیر کے زندہ اور موجود ہونے کے باوجود اگر کوئی طالب دوسرے شخص کے پاس جا کر حق تعالیٰ کی طلب کرے تو جائز ہے یا نہیں؟ نور محمد انبالوی کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 191 **مکتوب ۶۴۔** اس بیان میں کہ احوال کے تغیر و تبدل اور دنیا کمینہ کی امیدوں کے حاصل نہ ہونے سے جنگ دل نہ ہونا چاہئے۔ محمد مومن ولد علی جان مرحوم کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 192 **مکتوب ۶۵۔** یہودہ کاموں سے بچنے کے بارہ میں مولانا محمد ہاشم خادم کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 192 **مکتوب ۶۶۔** توبہ و انابت و دورغ و تقویٰ کے بیان میں خان خاناں کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 193 **مکتوب ۶۷۔** اہل سنت و جماعت کے عقائد اور اسلام کے پانچ ارکان اور اس امر پر ترغیب دینے کے بیان میں کہ کلمہ حق یعنی کلمہ اسلام کو بادشاہ وقت کے کانوں تک پہنچادیں۔ خان خاناں کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 196 **مکتوب ۶۸۔** نورانی ستون اور دم دار ستارہ کے بیان میں جو مشرق کی جانب سے طلوع ہوئے تھے اور قیامت کی علامتوں کے بیان میں۔ خواجہ شرف الدین حسین کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 209 **مکتوب ۶۹۔** نماز میں تعدیل ارکان اور طہائنت اور صفوں کی برابری اور اس بیان میں کہ کفار کے جہاد پر جانے کے لئے نیت کو درست کرنا چاہئے اور نماز تہجد کا حکم کرنے اور لقمہ میں احتیاط کرنے کے بیان میں۔ محمد مراد بدخشی کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 212 **مکتوب ۷۰۔** کعبہ معظمہ کے اسرار و حقائق کے بیان میں کہ جس طرح انسان میں عرش کا نمونہ ہے کعبہ کا نمونہ بھی ہے۔ مولانا عبدالواحد لاہوری کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 216 **مکتوب ۷۱۔** کلمہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ کے اسرار میں علوم عقلی و نقلی کے جامع مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید سلمہ اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 217 **مکتوب ۷۲۔** اس بیان میں کہ بیت اللہ کا معاملہ تمام تجلیات اور ظہورات اور ظہور عرشی سے برتر ہے اور کعبہ کی حقیقت کے ساتھ ملنے اور صورت کعبہ کی طرف شوق زیارت کے بیان میں مخدوم زادہ خواجہ محمد معصوم کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 218 **مکتوب ۷۳۔** انسان کامل کے ظاہر و باطن کے بیان میں۔ مخدوم زادہ محمد الدین محمد معصوم کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 220

- مکتوب ۷۴۔** آیت کریمہ ”فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ“ کی تاویل اور آیہ کریمہ ”إِنَّا غَوَّيْنَا الْأَعْيُنَ“ کے بیان اور انسان کامل کی خلافت کے بیان میں کہ اس کا معاملہ یہاں تک پہنچ جاتا ہے کہ اس کو تمام اشیاء کا قیوم بنادیتے ہیں اور وہ ظالم لنفسہ ہے اور مقصد کو ندیم اور خلیل سے تعبیر کیا ہے اور سابق ”بِالْخَيْرَاتِ“ کو محبت و محبوب کے ساتھ جن کا سر حلقہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ خواجہ ہاشم کی طرف صادر فرمایا ہے۔ 222
- مکتوب ۷۵۔** اس بیان میں کہ مصیبتیں اور تکلیفیں دوستوں کے لئے کفارہ ہیں اور عاجزی اور زاری سے غفرو عافیت طلب کرنی چاہئے۔ مرزا مظفر کی طرف صادر فرمایا ہے۔ 225
- مکتوب ۷۶۔** عرش کی حقیقت کے بیان میں جو عالم خلق اور عالم امر کے درمیان برزخ ہے اور دونوں کا رنگ رکھتا ہے اور زمین و آسمان کی قسم سے نہیں ہے اور کرسی اور اس کی وسعت کے بیان میں۔ مولانا فرخ حسین کی طرف صادر فرمایا ہے۔ 226
- مکتوب ۷۷۔** ایک عریضہ کے جواب میں جس میں کلام صوفیاء پر اعتراض کئے ہوئے تھے اور آخر مکتوب میں لکھا تھا کہ احکام شرعیہ میں سے ہر ایک حکم ایک درپچہ ہے جو شہر مقصود تک پہنچائیوا لہا ہے اور دوسرے استفساروں کے جواب میں مولانا حسن برکی کی طرف صادر فرمایا ہے۔ 228
- مکتوب ۷۸۔** اس طائفہ عالیہ کی محبت و اخلاص کے بیان میں کہ یہ محبت و اخلاص فتاویٰ اللہ اور بقا باللہ کا زینہ ہے اور اس کے مناسب بیان میں۔ داراب خان کی طرف صادر فرمایا ہے۔ 231
- مکتوب ۷۹۔** ایک رسالہ کے جواب میں جو کفر حقیقی سے منہ پھرنے اور اسلام حقیقی کی طرف آنے کے بارہ میں لکھا ہوا تھا۔ شیخ یوسف برکی کی طرف صادر فرمایا ہے۔ 232
- مکتوب ۸۰۔** اس بیان میں کہ آپ سے پوچھا گیا تھا کہ ”تمہیدات عین القصات“ میں لکھا ہے کہ جس کو تم خدا جانتے ہو وہ ہمارے نزدیک محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے اور جس کو تم محمد جانتے ہو ہمارے نزدیک خدا ہے شیخ حامد نہاری کی طرف صادر فرمایا ہے۔ 233
- مکتوب ۸۱۔** پند و نصیحت اور دنیا کی بیہودہ زیب و زینت سے بچنے کے بیان میں۔ محمد مراد تور بیگی کی طرف صادر فرمایا ہے۔ 234
- مکتوب ۸۲۔** دنیا کمینی سے بچنے اور شریعت غرا پر ترغیب دینے کے بیان میں خواجہ شرف الدین حسین کی طرف صادر فرمایا ہے۔ 236
- مکتوب ۸۳۔** اس طائفہ عالیہ کی محبت میں جو تمام سعادتوں کا سرمایہ ہے اور اس کے مناسب بیان میں۔ میر محمود کی طرف صادر فرمایا ہے۔ 236
- مکتوب ۸۴۔** بعض نصیحتوں کے بیان میں شیخ حمید بنگالی کی طرف صادر فرمایا ہے۔ 237
- مکتوب ۸۵۔** شیخ عبدالحی کے بعض کمالات کے بیان میں شیخ نور محمد کی طرف صادر فرمایا ہے۔ 238
- مکتوب ۸۶۔** خط کے جواب میں شیخ طاہر بدخشی کی طرف صادر فرمایا ہے۔ 238
- مکتوب ۸۷۔** نصیحتوں کے بارے میں فتح خان افغان کی طرف صادر فرمایا ہے۔ 239
- مکتوب ۸۸۔** قضا پر راضی ہونے کے بیان میں۔ ملا بدیع الدین کی طرف صادر فرمایا ہے۔ 240
- مکتوب ۸۹۔** نصیحت کے بیان میں سیادت پناہ میر محبت اللہ کی طرف صادر فرمایا ہے۔ 240
- مکتوب ۹۰۔** سفارش میں مرزا عرب خان کی طرف صادر فرمایا ہے۔ 241
- مکتوب ۹۱۔** ایک استفسار کے جواب میں جس میں ”قَابُ فَوْسَنِيْنِ“ اور ”قَابُ فَوْسَنِيْنِ“ کے اسرار دریافت کئے گئے تھے۔ 241
- مکتوب ۹۲۔** اس بیان میں کہ ولایت قرب الہی سے مراد ہے اور خوارق و کمالات ولایت کی شرط نہیں اور اس بیان میں کہ بادشاہوں کے لئے سجدہ تحیت کا کیا حکم ہے۔ میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا ہے۔ 242

تذیل

- مکتوب ۹۳۔** اس بیان میں کہ عالم خلق اور عالم امر کے لطیفوں میں سے ہر ایک لطیفہ ظاہر بھی رکھتا ہے اور باطن بھی اور یہ باطن عارف کے اسم قیوم سے ملا ہوا ہے اور اس بیان میں کہ عارف نزول کے وقت کلی طور ظاہر و باطن کے ساتھ دعوت و عبادت کی طرف متوجہ ہے۔ خواجہ ہاشم بدخشی کشمی کی طرف صادر فرمایا ہے۔ 248
- مکتوب ۹۴۔** تن اور فنا و بقا کی حقیقت اور عارف کی حقیقت و صورت سے عدم کے جدا ہونے اور مجاورت کی نسبت بہم پہنچانے کے بیان میں۔ مولانا عبد القادر انبالوی کی طرف صادر فرمایا ہے۔ 250
- مکتوب ۹۵۔** کفر حقیقی کے سوال کے جواب میں مقصود علی تبریزی کی طرف صادر فرمایا ہے۔ 252
- مکتوب ۹۶۔** اس مضمون کے حل میں کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مرض موت میں کاغذ طلب کیا تاکہ کچھ لکھیں اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مع چند اصحاب کے اس سے منع کیا۔ خواجہ ابوالحسن بدخشی کشمی کی طرف صادر فرمایا ہے۔ 255
- مکتوب ۹۷۔** ایک سوال کے جواب میں جس میں اسی دفتر کے چھٹے مکتوب کا حل طلب کیا گیا تھا۔ خواجہ ہاشم کشمی کی طرف صادر فرمایا ہے۔ 263
- مکتوب ۹۸۔** قرب و معیت الہی کے بیان میں جامع علوم و اسرار محمد و مزاوہ خواجہ محمد سعید و خواجہ محمد معصوم کی طرف صادر فرمایا ہے۔ 265
- مکتوب ۹۹۔** مختلف سوالوں کے جواب میں میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا ہے۔ 270



خدایا بحق بنی فاطمہ

کہ بر قولِ ایمان کنی خاتمہ

اگر دعوتِ رد کنی و قبول

من و دست و دامنِ آلِ رسول

فہرست مضامین دفتر سوم

حمد و صلوٰۃ

- 289 **مکتوب ۱۔** سیادت پناہ میر محمد نعمان کی طرف اس کے اس سوال کے جواب میں جو حق تعالیٰ کی ذات و صفات و افعال کے اقرب ہونے کے بارہ میں کیا تھا صادر فرمایا ہے۔
- 290 **مکتوب ۲۔** نصیحتوں اور خلق سے قطع تعلق کرنے اور حق تعالیٰ کی جناب کے ساتھ وسیلہ پکڑنے کا بیان
- 292 **مکتوب ۳۔** کلمہ طیبہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کے معنی کے بیان میں سیادت مآب میر محبت اللہ مانگپوری کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 296 **مکتوب ۴۔** آیہ کریمہ لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ کی تاویل میں۔ سیادت وار شاد پناہ میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 296 **مکتوب ۵۔** حضرت ایشاں مدظلہ العالی کے بعض خاص خاص احوال و ذوق کے بیان میں۔ سیادت وار شاد پناہ میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 297 **مکتوب ۶۔** اس بیان میں کہ محبوب کا رنج اس کے انعام سے اور اس کا جلال اس کے جمال سے زیادہ محبوب ہوتا ہے۔ معارف آگاہ شیخ بدیع الدین کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 298 **مکتوب ۷۔** خلق کی ایذا برداشت کرنے کے بیان میں۔ سیادت پناہ میر محبت اللہ مانگپوری کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 299 **مکتوب ۸۔** غیب کے اصلی ہونے اور شہود کے ظنی ہونے کے بیان میں حقائق آگاہ مولانا محمد صدیق کی طرف تحریر فرمایا ہے۔
- 299 **مکتوب ۹۔** آیت کریمہ مَا أَتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ الخ کے بیان میں۔ سیادت وار شاد پناہ میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 300 **مکتوب ۱۰۔** آیت کریمہ وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ کی تفسیر میں سیادت وار شاد پناہ میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 301 **مکتوب ۱۱۔** انسان کی جامعیت کے بیان میں جو عالم امر اور عالم خلق کے دس اجزاء سے مرکب ہے اور عرش مجید پر قلب انسان کی ترجیح کے بیان میں۔ سیادت پناہ میر شمس الدین علی خفائی کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 302 **مکتوب ۱۲۔** تفسیر و نیاز اور ذکر اور قرآن پاک کی تلاوت اور نماز میں طول قنوت یعنی قیام کے فائدوں میں سیادت پناہ میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 303 **مکتوب ۱۳۔** صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام اور پیر طریقت کی متابعت کی تشریحات و ترغیب میں سیادت پناہ میر محبت اللہ مانگپوری کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 304 **مکتوب ۱۴۔** ایک سوال کے جواب میں جو واجب تعالیٰ کے وجود کی نسبت کیا گیا تھا۔ میر شمس الدین علی کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 305 **مکتوب ۱۵۔** اس بیان میں کہ محبوب کے رنج و الم کی لذت محبت کی نظر میں محبوب کے انعام سے زیادہ زیبا ہوتی ہے۔ سیادت پناہ میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 306 **مکتوب ۱۶۔** سالک کے اپنے احوال پر اطلاع نہ پانے کے مجید میں اور اس کو مستر شدوں اور مریدوں کے آئینوں میں مشاہدہ کرنے کے بیان میں مولانا احمد زہبی کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- مکتوب ۱۷۔** دینی عقائد اور شرعی عبادت کی ترغیب میں اہل ارادت میں سے ایک صالحہ عورت کی طرف

- 307 صادر فرمایا ہے۔
- 309 **اعتقادات**
- مکتوب ۱۸۔** ماسوا سے بے تعلق ہونے اور طالبان حق کی صحبت پر ترغیب دینے کے بیان میں سیادت پناہ میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 322
- مکتوب ۱۹۔** حق تعالیٰ کی قضا پر صبر و رضا کے بیان میں سیادت پناہ میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 323
- مکتوب ۲۰۔** ہمت کی بلندی اور تمام نعمتوں کے وصول کو اپنے پیر کی طرف راجع کرنے کے بیان میں۔ موالانا امان اللہ کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 324
- مکتوب ۲۱۔** بعض ان سوالوں کے جواب میں جو ضمیروں کے ساتھ حق تعالیٰ کے مشار "الیہ ہونے اور زاہدوں کی فضیلت اور حق تعالیٰ کے اپنی ذات کے علم کی کیفیت میں گئے گئے تھے۔ میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 325
- مکتوب ۲۲۔** اس بیان میں کہ مشرکوں کی نجاست سے مراد ان کا باطنی نجس اور ان کی بد اعتقادی ہے نہ کہ ان کا نجس العین ہونا۔ ملا مقصود علی تبریزی کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 326
- مکتوب ۲۳۔** اس بیان میں کہ حق تعالیٰ نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ذریعے اپنی ذات و صفات اور بندوں کے پسندیدہ اور ناپسندیدہ اعمال کی نسبت خبر دی ہے۔ جن میں عقل کا کچھ دخل نہیں۔ خواجہ ابراہیم قبادیانی کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 328
- مکتوب ۲۴۔** آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب کرام کی بزرگی اور باجم ایک دوسرے کے ساتھ ان کی مہربانی کے بیان میں ملا محمد مراد کاشمی کی طرف جو میر محمد نعمان کے خادموں میں سے ہیں صادر فرمایا ہے۔
- 334
- مکتوب ۲۵۔** ان نتائج اور ترقی مراتب کے بیان میں جو ذکر اور تلاوت قرآن اور نماز سے حاصل ہوتی ہیں۔ ملا طاہر کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 340
- مکتوب ۲۶۔** اس بیان میں کہ حق تعالیٰ جس طرح اپنی ذات کے ساتھ موجود ہے نہ کہ وجود کے ساتھ اسی طرح اپنی ذات کے ساتھ عالم اور صفات ثنائیہ اور صفات زائدہ کے ساتھ موصوف ہے۔ سیادت پناہ میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 341
- مکتوب ۲۷۔** اس بیان میں کہ بندہ کو چاہئے کہ اپنی تمام مرادوں سے نکل کر حق تعالیٰ کی مرادوں کے موافق ہو جائے اور ذاتی اور عارضی بیماری کے بیان میں۔ ملا علی کشمی کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 345
- مکتوب ۲۸۔** اس بیان میں کہ مردوں کے ارواح کو صدقہ کرنے کی کیفیت کیا ہے۔ ملا صالح ترک کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 347
- مکتوب ۲۹۔** قرآن مجید کے بعض کلمات قدسی آیات کے سمجھنے میں۔ سیادت پناہ میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 349
- مکتوب ۳۰۔** مراتب اصول اور مراتب عبادت پر عروج کے بیان میں۔ سیادت و ارشاد پناہ میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 350
- مکتوب ۳۱۔** عالم ارواح اور عالم مثال اور عالم اجساد کی تحقیق میں۔ ملا بدر الدین کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 351
- مکتوب ۳۲۔** اس بیان میں کہ وہ خطرات جن کو وصل کے اسباب کہتے ہیں تجلی صوری کے اندازہ کے موافق ہیں اور کثرت و ہمیع کی حقیقت کی تحقیق اور اس کے مناسب بیان میں۔ مقصود علی کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 354
- مکتوب ۳۳۔** شرف الدین یحییٰٰ ضمیری قدس سرہ کے اس کلام کی تحقیق میں جو انہوں نے کہی ہے کہ جب تک کافر نہ ہو اور بھائی کا سر نہ کاٹنے اور اپنی ماں کے ساتھ جفت نہ ہو جب تک مسلمان نہیں ہوتا۔ ملا عس الدین کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 357

- 361 **مکتوب ۳۴۔** نصیحت کے بارے میں میر محمد امین کی والدہ کی طرف لکھا ہے وہ نصیحتیں جو ضروری ہیں۔
- 362 **مکتوب ۳۵۔** ماتم پر سی اور نصیحت اور جوانی کو غنیمت سمجھنے کے بارے میں مرزا منو چہر کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 363 **مکتوب ۳۶۔** عذاب قبر کے منکروں کے شبہات کو دور کرنے میں میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 365 **مکتوب ۳۷۔** اس بیان میں کہ جمیل مطلق کی طرف سے جو کچھ آئے وہ بھی جمیل ہی ہے۔ مولانا محمد طاہر بد خشی کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 365 **مکتوب ۳۸۔** ایک سوال کے جواب میں جو حدیث سَنَفَتَوْفِ اُفْتٰی الخ کے معنی کے بارے میں کیا گیا تھا اور باب فقر کے درجہ کے بیان میں ملا براہیم کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 367 **مکتوب ۳۹۔** اس بیان میں کہ صوفیاء کے علم الیقین اور معقول والوں کے علم الیقین میں کیا فرق ہے۔ مولانا محمد صادق کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 367 **مکتوب ۴۰۔** خواجہ حسام الدین کی طرف اس کے خط کے جواب میں جس میں اس نے مع توابع کے سرچج کے لئے مشورہ طلب کیا تھا۔
- 368 **مکتوب ۴۱۔** عورتوں کی ان ضروری نصیحتوں کے بیان میں جو آیہ کریمہ یَاٰیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ کی تاویل میں مندرج ہیں۔ ایک صالحہ عورت کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 375 **مکتوب ۴۲۔** خواجہ محمد ہاشم کشمیری کی طرف اس کی بشارت کے بیان میں صادر فرمایا ہے۔
- 376 **مکتوب ۴۳۔** اس گفتگو کے بیان میں جو سلطان وقت مدظلہ کی مجلس میں ہوئی تھی۔ بزرگ مخدوم زادوں خواجہ محمد سعید اور خواجہ محمد معصوم سلمہا اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 377 **مکتوب ۴۴۔** دیدار آخرت کے منکروں کے شبہوں کو دور کرنے کے بیان میں میر عبدالرحمن ولد میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 381 **مکتوب ۴۵۔** مومن کی شان کی بلندی اور اس کی ایذا سے منع کرنے کے بیان میں مولانا سلطان سرہندی کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 382 **مکتوب ۴۶۔** عروج اور نزول کے بیان میں مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید مدظلہ کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 383 **مکتوب ۴۷۔** دعاء کے اسرار اور علماء و صلحاء کی تعریف میں سلطان وقت مدظلہ العالی کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 385 **مکتوب ۴۸۔** حق تعالیٰ کی اقربیت کے بعید اور اس بیان میں کہ کنہ ذات کا انکشاف علم حضوری سے ہے مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید مدظلہ العالی کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 388 **مکتوب ۴۹۔** اس بیان میں کہ وہ علم حضوری جو عارف کو اپنے آپ سے ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ کے ساتھ تعلق پکڑتا ہے۔ جناب حضرت میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 389 **مکتوب ۵۰۔** علماء راہنہ اور علماء ظاہر کے اس استدلال کے فرق میں جو اثر سے موثر پر کرتے ہیں قاضی نصر اللہ کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 390 **مکتوب ۵۱۔** تصدیق قلبی اور یقین قلبی کے درمیان فرق کے بیان میں ملا شیر محمد لاہوری کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 391 **مکتوب ۵۲۔** قلب و نفس کے فنا اور علم حصولی اور حضوری کے زوال میں فقیر محمد ہاشم کشمیری کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 392 **مکتوب ۵۳۔** وجودی اور شہودی طور پر عین اور اثر کے زائل ہونے کے بیان میں مخدوم زادہ خواجہ محمد معصوم کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- مکتوب ۵۴۔** شرع روشن کی تابعداری کرنے اور دین کے دشمنوں کے ساتھ لڑائی کرنے میں خان جہاں کی

- 396 طرف صادر فرمایا ہے۔
- 397 **مکتوب ۵۵۔** فقر سے غنا کی طرف رجوع کرنے کی برائی میں مرز خان افغان کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 398 **مکتوب ۵۶۔** گزشتہ محبت پر افسوس کرنے اور نئے اسرار کی طرف اشارہ کرنے میں جناب پیر زادہ خواجہ محمد عبداللہ اور خواجہ جمال الدین حسین ولد خواجہ حسام الدین احمد کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 399 **مکتوب ۵۷۔** عالم کے حادث ہونے اور عقل فعال کے رد کرنے میں مولانا حمید احمدی کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 401 **مکتوب ۵۸۔** اس بیان میں کہ ممکنات کا خلق اور نمود اور وجود مرتبہ وہم میں ہے جس نے اتقان اور استحکام حاصل کر لیا ہے۔ خواجہ صلاح الدین احراری کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 404 **مکتوب ۵۹۔** روزمرہ کے حوادث کو حق تعالیٰ کے ارادہ کی طرف راجع کرنے اور ان سے لذت پانے کے بیان میں۔ خواجہ شرف الدین حسین کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 404 **مکتوب ۶۰۔** ذات انسان کی عدمیت اور اس بیان میں کہ انسان کی ذات اس کا نفس ناطقہ ہے اور نفس و قلب کے فنا اور علم حصولی کے زوال کے بیان میں پیر زادہ خواجہ محمد عبداللہ کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 407 **مکتوب ۶۱۔** اس بیان میں کہ کبھی عارف کیلئے کسی مظہر کا دیکھنا عروج کا زینہ بن جاتا ہے۔ حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید مدظلہ کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 408 **مکتوب ۶۲۔** انسان کے عدم ذاتی ہونے کے باعث اس کی فنا و جود کی نفی میں مخدوم زادہ خواجہ محمد معصوم مدظلہ العالی کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 409 **مکتوب ۶۳۔** حق تعالیٰ کے قرب و معیت و احاطہ کے سر کے کشف میں اور اس سر عظیم کو کتاب کریم کے مجمل و مشکل کی طرف رجوع کرنے میں میر منصور کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 410 **مکتوب ۶۴۔** اس فنائے اتم کے بیان میں جو عین و اثر کے زوال پر وابستہ ہے اور واجب تعالیٰ کے وجود کی تحقیق اور ممکن سے عدم کے زوال اور اس کے ثبوت کی بقاء اور عروج و جات کے بیان میں علوم و اسرار کے جامع بزرگ مخدوم زادوں خواجہ محمد سعید و خواجہ محمد معصوم سلمہما اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 414 **مکتوب ۶۵۔** اس بیان میں کہ بقا و ذات کے بعد عارف کیلئے صفات میں سے ہر ایک صفت اور لطائف میں سے ہر ایک لطیفہ ذات کی کلیت میں ظہور کرتا ہے مولانا ظفر احمد رومی کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 416 **مکتوب ۶۶۔** اس سوال کے جواب میں کہ الْمَجَازُ قَنْطَرَةُ الْحَقِيقَةِ کے کیا معنی ہیں۔ محمد مقیم قصوری کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 417 **مکتوب ۶۷۔** کائنات کی حقیقت اور حضرت ایشاں قدس سرہ اور صاحب فتوحات کے مکشوف کے درمیان فرق کے بیان میں میر منصور کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 419 **مکتوب ۶۸۔** اس مرتبہ وہم کی تحقیق میں کہ جسم میں عالم وجود و نمود رکھتا ہے فقیر محمد ہاشم کشمیری کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 421 **مکتوب ۶۹۔** شریعت کے التزام اور ارباب جمعیت کی صحبت کی ترغیب میں قاضی موسیٰ شوہین کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 422 **مکتوب ۷۰۔** ارباب جمعیت کی صحبت کی تحریص و ترغیب میں مولانا الخلق ولد قاضی موسیٰ کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 422 **مکتوب ۷۱۔** حقائق و موهوم یعنی عالم اور موجود حقیقی یعنی صانع عالم کے درمیان تمیز کرنے کے بیان میں جناب پیر زادہ خواجہ محمد عبید اللہ کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 422 **مکتوب ۷۲۔** اس بیان میں کہ فکر کی تلویحات ارباب جمعیت کیلئے ممکن ہے اور اس استفسار کے جواب میں جو

- مولود خوانی کے بارہ میں کیا گیا تھا۔ خواجہ حسام الدین کی طرف صادر فرمایا ہے۔
مکتوب ۷۳۔ صفت حیات کے اسرار میں جو علم سے برتر ہے اور اس بیان میں کہ علم جس طرح صفات زائدہ سے ہے اسی طرح شیون غیر زائدہ سے بھی ہے۔ اسی طرح دوسری صفات کا حال ہے مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- مکتوب ۷۴۔** صاحب فصوص کے اس کلام کی شرح جو تجلی ذات کے بارہ میں فرمائی ہے اور اس بارے میں حضرت ایشاں قدس سرہ کی خاص تحقیق و رائے کے بیان میں حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد معصوم قدس سرہ کی طرف لکھا ہے۔
- مکتوب ۷۵۔** تجلی افعال و تجلی ذات کے بیان میں فقیر محمد ہاشم کشمی کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- مکتوب ۷۶۔** شان العلم اور اس سے اوپر کے اس مرتبہ مقدمہ کی بلندی میں جس کو نور محض سے تعبیر کرتے ہیں۔ حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد معصوم کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- مکتوب ۷۷۔** حقیقت کعبہ ربانی کے اسرار اور عجز و معرفت کے دقائق اور صلوات و کلمہ طیبہ کی نفی و اثبات کی حقیقت کے بیان میں مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- مکتوب ۷۸۔** اشتیاق و اشفاق کے اظہار اور لشکر کے ثمرات کے بیان میں عالی مرتبہ مخدوم زادوں خواجہ محمد سعید و خواجہ محمد معصوم کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- مکتوب ۷۹۔** عارف کی ذات مہبوب حقانی کے بیچونی اسرار اور تجلی ذات اور آخرت کی روایت کے ثبوت میں حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد معصوم کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- مکتوب ۸۰۔** عارف کی ذات مہبوب کی طرف اشیاء کے منسوب ہونے کے بیان میں حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد معصوم سلمہ اللہ سبحانہ کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- مکتوب ۸۱۔** ایک معاملہ کے حل اور واقعہ کی تعبیر میں خواجہ جمال الدین حسین کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- مکتوب ۸۲۔** مہاجرت یعنی جدائی کے رنج و الم کے اظہار میں بمع بعض بشارتوں کے مخدوم زادگان خواجہ محمد سعید و خواجہ محمد معصوم کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- مکتوب ۸۳۔** لشکر کی برکات میں کہ جہاں بے اختیار رہنا پڑتا ہے بزرگ مخدوم زادوں کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- مکتوب ۸۴۔** اس طریقہ عالیہ کے آداب میں حافظ عبد الغفور کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- مکتوب ۸۵۔** حفظ اوقات کی نصیحت میں حضرت مخدوم زادہ محمد معصوم کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- مکتوب ۸۶۔** خوارق کے بکثرت اور نقلت ظاہر ہونے کے بیان میں درویش حبیب خادم کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- مکتوب ۸۷۔** حضرت ایشاں کے مرادوی و مریدی کے اسرار میں مولانا محمد صالح کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- مکتوب ۸۸۔** ظلیل کی غلت کے اسرار اور تعین وجودی کے اثبات میں مخدوم زادہ عالی مرتبہ خواجہ محمد سعید سلمہ اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- مکتوب ۸۹۔** شیخ روز بھان بقی قدس سرہ کے کلام کی شرح اور توحید و جود کی بعض دقائق کے بیان میں قاضی اسماعیل فرید آبادی کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- مکتوب ۹۰۔** اس سوال کے جواب میں جو عارفوں کے مشاہدہ کی حقیقت کے بارہ میں کیا گیا تھا۔ فقیر ہاشم کشمی کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- مکتوب ۹۱۔** ان سوالوں کے جواب میں جو معرفت و ایمان حقیقی کے درمیانی فرق کی نسبت کئے گئے تھے۔ مولانا طاہر بدخشی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

- 478 **مکتوب ۹۲۔** اس سوال کے جواب میں کہ صوفیاء حق تعالیٰ کے کلام کو سنتے ہیں اور اس سے ہمکام ہوتے ہیں۔ فقیر محمد ہاشم کشمیری کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 480 **مکتوب ۹۳۔** تعین اول وجودی کی تحقیق اور حبیب و خلیل و کلیم علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مبادی تعینات کے درمیان فرق کے بیان میں حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 483 **مکتوب ۹۴۔** کمال و جمال ذاتی اور اس سے فوق کے مرتبہ مقدمہ کے دقائق میں اور اس بیان میں کہ ان دونوں مرتبوں میں سے حضرت حبیب و خلیل و کلیم علیہم الصلوٰۃ والسلام کے تعینات کا حصہ کیا ہے اور حضرت ایشاں قدس سرہ کے تعین کا بہرہ کون سا ہے۔ حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد معصوم سلمہ اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 487 **مکتوب ۹۵۔** ان اسرار کے بیان میں جو حضرت ایشاں مدظلہ العالی کی ولایت کے ساتھ مخصوص ہیں۔ موانعا محمد صالح کوالابی کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 490 **مکتوب ۹۶۔** ان اسرار کے بیان میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دونوں مبارک اسموں کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ فقیر محمد ہاشم کشمیری کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 492 **مکتوب ۹۷۔** عالم کے مہوہوم ہونے کے سر میں صوفی قربان جدید کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 493 **مکتوب ۹۸۔** احسن صوری یعنی ظاہری حسن سے بکثرت لذت پانے کے شر و برائی کے بیان میں۔ حاجی عبداللطیف خوارزمی کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 493 **مکتوب ۹۹۔** ان ظاہری و باطنی نعمتوں کے شکریہ کے اظہار میں جو ماوراء النہر کے بزرگوں کی برکات سے پہنچی ہیں۔ سیادت مآب ارشاد پناہ میر مومن ٹٹنی کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 495 **مکتوب ۱۰۰۔** اس سر کے کشف میں کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ حضرت یعقوب علیہ السلام کی گرفتاری کی وجہ کیا تھی اور بعض اسرار غریبہ اور علوم عجیبہ کے بیان میں شیخ نورالحق کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 514 **مکتوب ۱۰۱۔** فلاسفہ کے مذاق کے موافق آیات قرآنی کی تاویل و تفسیر کرنے سے منع کرنے کے بیان میں شیخ عبد اللہ کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 515 **مکتوب ۱۰۲۔** مجاہدہ اور گوشہ نشینی اور طالبان حق کی تربیت کی ترغیب میں جناب میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 516 **مکتوب ۱۰۳۔** قصور احوال پر تربیت کرنے اور تکمیل و اکمال کے حاصل ہونے پر ترغیب دینے کے بیان میں شیخ حمید احمدی کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 517 **مکتوب ۱۰۴۔** بعض مراتب تک پہنچنے کی خوشخبری میں حضرات ذوالبرکات حضرت خواجہ محمد سعید و حضرت خواجہ محمد معصوم کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 518 **مکتوب ۱۰۵۔** سنت کے زندہ کرنے اور بدعت سے ڈرانے کے بیان میں شیخ حسن برکی کی طرف اس کے اس خط کے جواب میں جو اس نے اپنے احوال کے بیان میں لکھا تھا صادر فرمایا ہے۔
- 519 **مکتوب ۱۰۶۔** اس واقعہ کے بیان میں کہ جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا تھا اور ان سے بہت اعلیٰ بشارتیں پائی تھیں حضرات مخدوم زادگان سلمہ اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 521 **مکتوب ۱۰۷۔** نسبت رابطہ میں فتور آنے اور طاعات میں لذت نہ پانے کے سبب میں خواجہ محمد اشرف کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 521 **مکتوب ۱۰۸۔** ان معاملات کے بیان میں جو اصل الاصل کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں اور یہ معرفت معنی سے منقول ہیں ملاطہر خادم کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 521 **مکتوب ۱۰۹۔** اس بیان میں کہ عالم کا ایجاد مرتبہ وہم میں ہے لیکن ایجاد کے استقرار و تعلق کے باعث نفس بری ہو گیا ہے اور یہ مرتبہ علم و خارج کے مرتبہ کے مساوی ہے اور اس بیان میں کہ وحدت بھی نفس امری ہے اور

- کثرت بھی اور اس بات کی تحقیق میں کہ باوجود ثبات واستقرار کے سالک کو فنا کیونکر ہے حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد معصوم سلمہ اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 522 **مکتوب ۱۱۰۔** اس بیان میں کہ عارف کا معاملہ یہاں تک پہنچ جاتا ہے کہ کسی معلوم کی صورت اس میں حاصل نہیں ہوتی۔ اس وقت ہر ایک ذرہ اس کیلئے مطلوب کی طرف شاہراہ ہوتا ہے اور اس بیان میں کہ اس عارف کی حب حق تعالیٰ کی حب تک پہنچا دیتی ہے اور اس کا بغض حق تعالیٰ کے بغض کا باعث ہوتا ہے اسی طرح اس کی تعظیم و اہانت کا حال ہوتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کی آل و اصحاب کو بھی آنحضرت ﷺ کے ساتھ یہی نسبت ہے۔ یہ معارف معنی سے نقل کئے گئے ہیں۔ حضرت مخدوم زادہ محمد معصوم سلمہ اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 524 **مکتوب ۱۱۱۔** قَابِ قَوْسَيْنِ اور اَوْ اَذْنَىٰ کے بعض اسرار غریبہ کے بیان میں اور اس سر میں کہ عارف کامل اپنے کاتب شال یعنی بائیں طرف کے علمنامہ لکھنے والے فرشتہ کو نہیں پاتا۔ یہ معارف بھی معنی سے منقول ہیں۔ شیخ نور محمد نہاری کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 526 **مکتوب ۱۱۲۔** اس بیان میں کہ حق تعالیٰ کی صفات حقیقیہ نہ ذات کا عین ہیں نہ ذات کا غیر۔ شریعت پناہ قاضی اسلم کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 527 **مکتوب ۱۱۳۔** اس بیان میں کہ حق تعالیٰ کی صفات حیات اور علم اور تمام کمالات کے ساتھ متصف ہیں اور صفات کے اس قیام کے معنی کی تحقیق میں جو ذات جل شانہ کے ساتھ رکھتی ہیں، ملا سلطان سرہندی کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 528 **مکتوب ۱۱۴۔** صفات واجبی کی تحقیق اور اپنے کمالات کے ساتھ حق تعالیٰ کے علم کے تعلق کی کیفیت میں اور اس بیان میں کہ معنی کو عین کے قیام سے چارہ نہیں لیکن اس کیلئے محل کا ثابت کرنا ضروری نہیں اور تعین وجودی اور انبیاء متوہین اور انبیاء تابعین علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ملائکہ کرام کے مبادی تعینات اور اولیاء و عوام مومنین و کفار اور عالم آخرت کی موجودات کے مبادی تعینات کے بیان میں صادر فرمایا ہے۔
- 529 **مکتوب ۱۱۵۔** بعض استفادوں کے جواب میں عرفان پناہ مرزا احسان الدین احمد کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 537 **مکتوب ۱۱۶۔** خلق اللہ کی خدمتگاری کی ترغیب میں خواجہ ابوالکرام کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 538 **مکتوب ۱۱۷۔** آیت کریمہ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرًا لِّمَنْ كَانَ لَهُ عِلْمٌ کے معنی اور دوسرے اعتراضوں کے بیان میں مولانا شیخ غلام محمد کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 538 **مکتوب ۱۱۸۔** مولانا عبد القادر ابنالوی کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 541 **مکتوب ۱۱۹۔** مولانا مودود محمد کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 547 **مکتوب ۱۲۰۔** عزالت یعنی گوشہ نشینی کے اختیار کرنے کے بیان میں میر منصور کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 548 **مکتوب ۱۲۱۔** ایک مکتوب کی عبارت کے حل میں جو اسرار پر مشتمل ہے۔ مرزا احسان الدین احمد کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 549 **مکتوب ۱۲۲۔** مولانا حسن دہلوی کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 559 **مکتوب ۱۲۳۔** اس بیان میں کہ وہ راہ جو جناب قدس جل شانہ کی طرف پہنچانے والے ہیں دو ہیں۔ نور محمد نہاری کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 575 **مکتوب ۱۲۴۔** شیخ محمد طاہر بدخشی کی طرف صادر فرمایا ہے۔
- 578 **رسالہ مبدأ و معاد**
- 580

مکتوباتِ امامِ ربانی رحمۃ اللہ علیہ

مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ
کے اسرارِ شریعت، معارفِ طریقت، بھرپور گرانقدر مجددانہ مکاتیب

ترجمہ مکتوبات

امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ

دفتر دوم

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

حمد کثیر اور طیب اور مبارک سب اللہ تعالیٰ ہی کیلئے ہے۔ جیسے کہ ہمارا رب پسند کرتا اور چاہتا ہے اور اس کے حبیب پاک حضرت محمد ﷺ اور ان کی آل و اصحاب اور اہل بیت اور کامل و ارثوں اور تمام ہدایت کی راہ پر چلنے والوں اور تمام انبیاء اور مرسلین اور ملائکہ مقررین پر کامل اور تمام صلوٰۃ و سلام ہو جیسے کہ ان کی بلند شان کے لائق اور مناسب ہے۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد واضح ہو کہ امام بزرگ، علماء راسخین کے پیشوا، مرسلین کی خلعتوں سے شرف یافتہ، ولایت اصلیہ کے صاحب، اسرار الہی کے مخزن، متشابہات قرآنیہ کے دقیقوں کو جاننے والے، خدا تعالیٰ کی آیات میں سے آیت عجیبۃ الف ثانی کے مجدد، ہمارے شیخ و امام حضرت شیخ احمد فاروقی (کہ خدا تعالیٰ ان کو تمام اہل جہان کے سر پر سلامت رکھے) کے یہ مکتوبات ایسے علوم غریبہ اور معارف عجیبہ اور اسرار لطیفہ اور دقائق شریفہ پر مشتمل ہیں۔ جن کو آج تک کسی عارف نے بیان نہیں کیا اور نہ ہی کسی ولی نے ان کی طرف اشارہ کیا ہے یہ علوم اور معارف انوار نبوت کے مشکوٰۃ سے مشتہس ہیں۔

جب دفتر اول کے مکتوبات تین سو تیرہ تک پہنچے تو حضرت ایشان سلمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس دفتر کو اسی عدد پر ختم کریں۔ کہ پیغمبران مرسل صلوٰۃ اللہ تعالیٰ علی نبینا و علیہم و علیٰ اصحاب اہل بدر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی تعداد کے موافق ہیں۔ اس لئے دفتر اول تیمنا و تہ کا اسی عدد پر ختم کیا گیا۔

بعد ازاں اور مکتوبات جو صادر ہوتے رہے۔ ان کے جمع کرنے کے لئے معارف کو جاننے والے۔ حقائق کو پہنچانے والے۔ فیض الہی کے مظہر۔ اسرار لامتناہی کے منبع۔ ظاہری باطنی علوم کے جامع حضرت مخدوم زادہ مجدد الدین خواجہ محمد معصوم (کہ اللہ تعالیٰ ان کو سلامت اور باقی رکھے اور ان کو اعلیٰ

کمال تک پہنچائے) نے فرمایا۔ ان کے حکم شریف کے موافق اس درگاہ بلند کے خاکروبوں میں سے
 کمترین اور اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے عاجز بندہ عبدالحی بن خواجہ چاکر حصاری (کہ اللہ تعالیٰ اس کے
 گناہوں کو بخشے اور اس کے عیبوں کو ڈھانپے اور اس کا خاتمہ نیک کرے) ان مکتوبات کے جمع کرنے کے
 درپے ہوا۔ **هُوَ اللَّهُ الْمُوفِّقُ وَ عَلَيْهِ التَّكْلَانُ** (اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے اور اسی پر بھروسہ ہے)

مکتوب ۱

مسئلہ وحدت وجود میں شیخ محی الدین ابن عربیؒ کے مذہب کے بیان میں جو حضرت ایٹان سلمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مختار ہے۔ شیخ عبدالعزیز جو نپوری کی طرف صادر فرمایا:

اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے امکان کو وجوب کا آئینہ اور عدم کو وجوب کا مظہر بنایا وجوب اور وجود اگرچہ حق تعالیٰ کے کمال کی دو صفتیں ہیں۔ لیکن حق تعالیٰ تمام اسماء و صفات اور تمام شیون و اعتبارات اور ظہور و بطون اور بروز و کمون اور تمام تجلیات و ظہورات اور تمام مشاہدات و مکاشفات اور تمام محسوس و معقول اور تمام موہوم و متخیل سے وراء الوراء ثم وراء الوراء ثم وراء الوراء ہے۔

چہ گویم باتواز مرنے نشانہ کہ با عنقا بود ہم آشیانہ
زعنقا ہست نامی پیش مردم ز مرغ من بود آں نام ہم گم

ترجمہ: کیوں کیا مرغ کا تجھ سے نشانہ جو عنقا سے رہے ہم آشیانہ

مگر ہے نام عنقا سب کو معلوم مرے ہے مرغ کا بھی نام معدوم

کسی حمد کرنے والے کا حمد اس کی ذات بلند کی پاک بارگاہ تک نہیں پہنچتا۔ بلکہ اس کی عزت و جلال کے پردوں سے ورے ہی ورے رہ جاتا ہے۔ اس ذات پاک نے اپنی تعریف آپ ہی کہی ہے اور اپنا حمد آپ ہی بیان کیا ہے۔ وہ ذات پاک آپ ہی حامد اور آپ ہی محمود ہے۔ تمام مخلوقات حمد مقصود کے ادا کرنے سے عاجز ہیں۔ کیونکر نہ ہوں۔ جب کہ وہ رسول ﷺ بھی اس کی حمد سے عاجز ہیں۔ جو قیامت کے دن لواء حمد کے اٹھانے والے ہیں۔ جس کے نیچے حضرت آدم اور تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہو گئے۔ وہ رسول ظہور میں تمام مخلوقات میں سے افضل و اکمل اور مرتبہ میں سب سے زیادہ قریب اور سب سے زیادہ حسن و جمال و کمال کے جامع ہیں۔ ان کا قدر سب سے زیادہ بلند اور ان کی شان و شرف سب سے عظیم ان کا دین سب سے مضبوط اور ان کی ملت سب سے زیادہ راست اور درست ہے۔ حسب میں سب سے زیادہ کریم اور نسب میں سب سے زیادہ شریف اور خاندان میں سب سے معزز اور بزرگ۔ اگر اللہ تعالیٰ کو ان کا پیدا کرنا منظور نہ ہوتا تو خلقت کو پیدا نہ کرتا اور نہ ہی اپنی ربوبیت کو ظاہر فرماتا۔ وہ نبی تھے جبکہ آدم علیہ السلام ابھی پانی اور مٹی میں تھے۔ (یعنی پیدا نہ ہوئے تھے) قیامت کے دن وہ تمام نبیوں کے امام اور خطیب اور ان کی شفاعت کرنے والے ہو گئے۔ انہوں نے اپنے حق میں یوں فرمایا ہے کہ قیامت کے دن ہم ہی پیچھے چلنے والے ہوں گے اور ہم ہی آگے جانے والے ہیں۔ میں یہ بات فخر سے نہیں کہتا (بلکہ اظہار حقیقت ہے) اور میں ہی اللہ تعالیٰ کا حبیب اور خاتم النبیین ہوں لیکن مجھے اس پر کوئی فخر نہیں۔ جب قیامت کے دن لوگ قبروں سے نکلیں گے سب سے اول میں ہی

نکلوں گا اور جب وہ گروہ در گروہ جائیں گے تو ان کا ہانکنے والا میں ہی ہوں گا اور جب وہ خاموش کئے جائیں گے تو ان کی طرف سے خطیب اور کلام کرنے والا میں ہی ہوں گا اور جب وہ بند کئے جائیں گے تو ان کی شفاعت میں ہی کروں گا اور جب وہ رحمت و کرامت سے ناامید ہونگے۔ تو میں ہی ان کو خوشخبری دوں گا۔ اس دن تمام کنجیاں میرے ہی ہاتھ میں ہونگی۔ ان پر اور ان کے تمام بھائی نبیوں اور مرسلوں اور ملائکہ مقررین اور تمام اہل اطاعت پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے صلوٰۃ و سلام و تحیہ و برکت نازل ہو جو ان کی شان بلند کے لائق ہے جس قدر کہ ذکر کرنیوالے اس کا ذکر کریں اور غافل اس کے ذکر سے غافل رہیں۔

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد واضح ہو کہ آپ کا صحیفہ شریف جو اس فقیر کے نام لکھا ہوا تھا۔ میرے عزیز بھائی شیخ محمد طاہر نے پہنچایا اور بہت خوش کیا۔ چونکہ آپ کا صحیفہ کشف و شہود والوں کے حقائق و معارف سے بھرا ہوا تھا۔ دو بالا خوشی حاصل ہوئی۔ جزاکم اللہ سُبْحَانَهُ فقیر بھی آپ کے صحیفہ کی موافقت کر کے اس بلند گروہ کے ذوق و مذاق کی چند باتیں ان چند کلموں میں تحریر کر کے آپ کو تکلیف دیتا ہے۔

میرے مخدوم! آپ کو معلوم ہے کہ وجود ہر خیر و کمال کا مبداء اور عدم ہر نقص و شرارت کا منشاء ہے۔ وجود واجب جل شانہ کے لئے ثابت ہے اور عدم ممکن کے نصیب ہے تاکہ تمام خیر و کمال حق تعالیٰ کی طرف عائد ہو اور تمام شر و نقص ممکن کی طرف راجع ہو۔ ممکن کے لئے وجود ثابت کرنا اور تمام خیر و کمال کو اس کی طرف راجع کرنا درحقیقت اللہ تعالیٰ کے ملکہ و ملک میں اس کو شریک بنانا ہے۔ اسی طرح ممکن کو واجب تعالیٰ کا عین کہنا اور ممکن کے صفات و افعال کو حق تعالیٰ کے صفات و افعال کا عین بنانا بڑی بے ادبی اور حق تعالیٰ کے اسماء و صفات میں الحاد و شرک ہے۔ بیچارہ کمینہ خاکروب جو ذاتی نقص و نجس ہے لتھڑا ہوا ہے۔ کیا مجال رکھتا ہے کہ اپنے آپ کو اس عظیم الشان بادشاہ کا عین تصور کرے۔ جو تمام خیرات و کمال کا مبداء ہے یا اپنی بری یا ذمہ صفات و افعال کو اس کی عمدہ اور جمیلہ صفات و افعال کا عین خیال کرے۔

علماء ظاہر نے ممکن کے لئے وجود ثابت کیا ہے اور واجب تعالیٰ کے وجود اور ممکن کے وجود کو وجود کے افراد مطلق سے سمجھا ہے۔ یعنی قاعدہ تشکیک کے موافق واجب تعالیٰ کے وجود کو اولیٰ و اقدم کہا ہے۔ حالانکہ یہ بات ممکن کو واجب تعالیٰ کے ساتھ ان کمالات و فضائل میں جو وجود سے پیدا ہوتے ہیں شریک بنانے کا باعث ہے۔ تَعَالٰی اللّٰهُ عَنْ ذٰلِكَ عَلُوًّا کَبِیْرًا (اللہ تعالیٰ اس بات سے بہت برتر اور بزرگ ہے) حدیث قدسی میں آیا ہے۔ اَلْکِبْرِیَاءُ رِدَانِیْ وَالْعِظْمَةُ اِزَارِیْ (بڑائی میری چادر اور

عظمت میرا (زار ہے)

اگر علما ظاہر اس دقیقہ سے واقف ہوتے تو ہرگز ممکن کے لئے وجود ثابت نہ کرتے اور خیر و کمال جو اس بارگاہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ وجود کے اختصاص کے اعتبار سے ممکن کے لئے ثابت نہ کرتے۔
 رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نُسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا (یا اللہ تو ہماری بھول چوک پر مواخذہ نہ کیجیو)
 اکثر صوفیاء اور خاص کر ان میں سے اکثر متأخرین نے ممکن کو واجب تعالیٰ کا عین جانا ہے اور اس کے صفات و افعال کو حق تعالیٰ کے صفات و افعال کا عین خیال کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں

ہمسایہ و ہمنشین و ہمراہ ہمہ اوست	درد لقا گداؤا طلّس شہ ہمہ اوست
در انجمن فرق و نہا خانہ جمع	باللہ ہمہ اوست ثم باللہ ہمہ اوست
ترجمہ: ہمسایہ و ہمنشین و ہمراہ ہے وہی	گدا و سلطان و فقیر و شہ ہے وہی
انجمن میں فرق و نہا خانہ میں جمع	بخدا سب وہی باللہ ہے وہی

یہ بزرگوار اگرچہ وجود کے شریک کرنے سے پرہیز کرتے ہیں اور دوئی سے بھاگتے ہیں لیکن غیر وجود کو وجود جانتے اور نقائص کو کمالات سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ذاتی نقص و شرارت کسی چیز میں نہیں ہے۔ اگر ہے تو نسبی اور اضافی ہے۔ مثلاً زہر قاتل انسان کی نسبت شرارت رکھتا ہے کیونکہ ان کی زندگی کو دور کرتا ہے۔ لیکن اس حیوان کی نسبت جو اس زہر میں مخلوق ہے۔ آب حیات اور تریاق نافع ہے۔ اس امر میں ان کا مقتداء ان کا اپنا کشف و شہود ہے۔ جس قدر کہ ان کو معلوم ہوا ہے۔ انہوں نے ظاہر کر دیا ہے۔ اَللّٰهُمَّ اَرِنَا حَقَائِقَ الْاَشْيَاءِ كَمَا هِيَ (یا اللہ تو ہم کو اشیاء کی حقیقتیں جیسی کہ وہ ہیں۔ دکھا)

اس بارے میں جو کچھ اس فقیر پر ظاہر کیا گیا ہے۔ مفصل بیان کرتا ہے۔ پہلے شیخ محی الدین ابن عربی کا جو متأخرین صوفیاء کا امام و مقتدا ہے۔ اس مسئلہ میں جو مذہب ہے وہ بیان کرتا ہے۔ بعد ازاں جو کچھ کشف میں آیا ہے۔ تحریر کرتا ہے تاکہ دونوں مذہبوں کے درمیان پورے طور پر فرق ظاہر ہو جائے اور وقت کے باعث ایک دوسرے کے ساتھ ملے جلے نہ رہیں۔

شیخ محی الدین اور اس کے تابعین فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ کے اسماء و صفات حق تعالیٰ کی عین ذات ہیں نیز ایک دوسرے کے عین ہیں۔ مثلاً علم و قدرت جس طرح حق تعالیٰ کی ذات کے عین ہیں اسی طرح ایک دوسرے کے بھی عین ہیں اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ اس مقام میں تعدد و تکثر کا کوئی نام و نشان نہیں ہے اور نہ ہی کسی قسم کا تماز و تباہی ہے۔ حاصل کلام یہ کہ ان اسماء و صفات اور شیون و اعتبارات نے حضرت علم میں اجمالی اور تفصیلی طور پر تماز و تباہی پیدا کیا ہے۔ اگر تمیز اجمالی ہے تو اس کو تعین اول سے تعبیر کرتے ہیں اور اگر تفصیلی ہے تو اس کو تعین ثانی کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

تعیین اول کو وحدت کہتے ہیں اور اسی کو حقیقت محمدی جانتے ہیں اور تعین ثانی کو احدیت کہتے ہیں اور اس کو تمام ممکنات کے حقائق سمجھتے ہیں اور ان حقائق ممکنات کو اعیان ثابتہ جانتے ہیں۔ یہ دو تعین علمی جن کو وحدت اور احدیت کہتے ہیں مرتبہ وجوب میں ثابت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان اعیان نے وجود خارجی کی بوجہ نہیں پائی اور خارج میں احدیت مجردہ کے سوا کچھ موجود نہیں ہے یہ کثرت جو دکھائی دیتی ہے ان اعیان ثابتہ کا عکس ہے۔ جو ظاہر وجود کے آئینہ میں جس کے سوا خارج میں کچھ موجود نہیں منعکس ہوا ہے اور وجود تخیلی پیدا کیا ہے جس طرح کہ آئینہ میں کسی شخص کی صورت منعکس ہو کر آئینہ میں وجود تخیلی پیدا کر لے اس عکس کا وجود خیال کے سوا کچھ ثابت نہیں اور نہ ہی آئینے میں کسی شے نے حلول کیا ہے اور نہ ہی اس آئینے پر کوئی چیز منقش ہوئی ہے اگر کچھ منقش ہے تو تخیل میں ہے جو صرف آئینہ میں وہی طور پر ظاہر ہے۔ یہ تخیل اور متوہم عکس چونکہ صنعت خداوندی ہونے کے باعث بڑا استحکام اور اثبات رکھتا ہے۔ اس لئے وہم و تخیل کے اٹھنے سے اٹھ نہیں سکتا اور ثواب و عذاب ابدی اس پر مرتب ہے یہ کثرت جو خارج میں نمودار ہے۔ تین قسموں میں منقسم ہے۔

قسم اول تعین روحی ہے اور قسم دوم تعین مثالی اور قسم سوم تعین جسدی ہے جو عالم شہادت سے تعلق رکھتا ہے۔

ان تینوں تعینوں کو تعینات خارجیہ کہتے ہیں اور مرتبہ امکان میں ثابت کرتے ہیں۔ تنزلات خمسہ بھی انہی تعینات پنجگانہ سے مراد ہے۔ ان تنزلات خمسہ کو حضرات خمس بھی کہتے ہیں۔ چونکہ حق تعالیٰ کی ذات اور اس کے اسماء و صفات کے سوا جو عین ذات ہیں۔ ان کے نزدیک خارج کا علم ثابت نہیں ہوا اور انہوں نے صورت علمیہ کو اس صورت کا عین سمجھا ہے نہ اس کا شبہ و مثال اور ایسے ہی اعیان ثابتہ کی صورت منعکسہ کو جو ظاہر وجود کے آئینہ میں نمودار ہوئی ہے۔ ان اعیان کا عین تصور کیا ہے نہ اس کی شبہ و مانند۔ اس لئے اتحاد کا حکم کیا ہے اور ہمہ اوست کہا ہے۔

یہ ہے شیخ محی الدین کے مذہب کا بیان مسئلہ وحدت وجود میں اجمالی طور پر اور یہی وہ علوم ہیں جن کو شیخ خاتم الاولایت کے ساتھ مخصوص جانتا ہے اور کہتا ہے کہ خاتم النبوة ان علوم کو خاتم الاولایت سے اخذ کرتا ہے اور جن کی توجیہ میں فصوص کے شمار چین بڑے تکلفات کرتے ہیں۔

حاصل کلام یہ کہ شیخ سے پہلے اس گروہ میں سے کسی نے ان علوم و اسرار کے ساتھ زبان نہیں کھولی اور اس حدیث کو کسی نے اس طرح بیان نہیں کیا۔ اگرچہ توحید و اتحاد کی باتیں سکر کے غلبوں میں ان سے ظاہر ہوئی ہیں اور انا الحق اور سبحانی کہا ہے لیکن اتحاد کی وجہ اور توحید کا موجب کسی نے معلوم نہیں کیا۔

پس شیخ ہی اس گروہ میں سے متقدمین کی برہان اور متاخرین کی حجت ہے لیکن ابھی اس مسئلہ میں بہت سے وقائع پوشیدہ رہ گئے ہیں اور اس بارہ میں کئی قسم کے پوشیدہ اسرار ظاہر نہیں ہوئے جن کے ظاہر کرنے اور لکھنے کی توفیق اس فقیر کو حاصل ہوئی ہے۔ وَاللّٰهُ يُحَقِّقُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيلَ (اللہ تعالیٰ حق ثابت فرماتا ہے اور وہی سیدھے راستہ کی ہدایت دیتا ہے)

میرے مخدوم! واجب الوجود جل شانہ کے صفات ثنائیہ جو اہل حق شکر اللہ تعالیٰ سبہم کے نزدیک خارج میں موجود ہیں۔ حق تعالیٰ کی ذات سے خارج میں متمیز ہیں اور وہ متمیز بھی ذات و صفات کی طرح پتھون و پتھکون ہے۔ اسی طرح صفات بھی متمیز پتھونی کے ساتھ ایک دوسرے سے متمیز ہیں بلکہ متمیز پتھونی حضرت ذات تعالیٰ کے مرتبہ میں بھی ثابت ہے لِأَنَّهُ الْوَاسِعُ بِالْوُسْعِ الْمَجْهُولِ الْكَيْفِيَّةِ (کیونکہ وہ ایسی وسعت کے ساتھ واسع یعنی اشیاء کو گھیرنے والا ہے جس کی کیفیت معلوم نہیں) وہ متمیز جو ہمارے فہم اور ادراک میں آسکے۔ اس جناب پاک سے مسلوب ہے کیونکہ جمع بعض اور تجزی (بعض بعض اور جزو جزو ہونا) اس جگہ متصور نہیں اور تحلیل و ترکیب کا اس بارگاہ میں دخل نہیں اور حال و محل ہونیکی وہاں گنجائش نہیں۔ غرض یہ کہ جو ممکن کے صفات و اعراض ہیں سب اس جناب پاک سے مسلوب ہیں لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ "فِي الذَّاتِ وَلَا فِي الصِّفَاتِ وَلَا فِي الْأَفْعَالِ (ذات و صفات و افعال میں کوئی اس کی مانند نہیں) اس پتھونی متمیز اور بے کیفی وسعت کے باوجود حق تعالیٰ کے اسماء و صفات نے خانہ علم میں بھی تفصیل و متمیز پیدا کی ہے اور منعکس ہوئے ہیں اور ہر صفت و اسم متمیزہ کے لئے مرتبہ علم میں ایک مقابل اور نقیض ہے۔ مثلاً مرتبہ علم میں صفت علم کا مقابل اور نقیض عدم علم ہے جس کو جہل سے تعبیر کیا جاتا ہے اور صفت قدرت کے مقابل عجز ہے جس کو عدم قدرت کہتے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس۔ ان عدمات متقابلہ نے حق تعالیٰ کے حکم میں تفصیل و متمیز پیدا کی ہے اور اپنے متقابلہ اسماء و صفات کے آئینے اور ان کے عکس کے مظہر بن گئی ہیں۔

فقیر کے نزدیک وہ عدمات بمعہ اسماء و صفات کے عکسوں کے حقائق ممکنات ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ وہ عدمات ان ماہیات کے اصول و مواد کی طرح ہیں اور وہ عکس ان مواد میں حلول کی ہوئی صورتوں کی طرح۔ پس شیخ محی الدین کے نزدیک ممکنات کے حقائق وہ اسماء و صفات کی نقیضیں ہیں بمعہ اسماء و صفات کے عکسوں کے جو خانہ علم میں ان عدمات کے آئینوں میں ظاہر ہوئی ہیں اور ایک دوسرے سے باہم مل گئی ہیں۔ قادر مختار جل شانہ نے جب چاہا کہ ان ماہیات ممتازہ میں سے کسی ماہیت کو وجود ظلی کے ساتھ جو حضرت وجود کا پر تو ہے۔ متصف کر کے موجود خارجی بنائے۔ تو اس ماہیت ممتازہ پر حضرت وجود کا پر تو ڈال کر اس کو آثار خارجیہ کا مبدأ بنایا۔ پس ممکن کا وجود علم و خارج میں اس کی باقی

صفات کی طرح حضرت وجود اور اس کی کمالات تابع کا پر تو ہے مثلاً ممکن کا علم واجب الوجود کے علم کا پر تو اور ظل ہے جو اپنے مقابل میں منعکس ہوا ہے اور ممکن کی قدرت بھی ایک ظل ہے۔ جو بحر میں جو اس کے مقابل ہے منعکس ہوئی ہے۔ اسی طرح ممکن کا وجود حضرت وجود کا ظل ہے جو عدم کے آئینہ میں جو اس کے مقابل ہے منعکس ہوا ہے۔

نیا دردم از خانہ چیزے نخست تودادی ہمہ چیز و من چیز تست

ترجمہ: نہیں لایا میں کوئی چیز گھر سے مرا جو کچھ کہ ہے بخشا ہے تو نے

لیکن فقیر کے نزدیک شے کا ظل شے کا عین نہیں بلکہ اس کا شبہ و مثال ہے اور ایک کا دوسرے پر حمل کرنا ممتنع اور محال ہے۔ پس فقیر کے نزدیک ممکن واجب کا عین نہ ہو گا اور ممکن کا واجب پر حمل کرنا ثابت نہیں ہو گا کیونکہ ممکن کی حقیقت عدم ہے اور وہ عکس جو اسماء و صفات سے اس عدم میں منعکس ہوا ہے۔ وہ ان اسماء و صفات کا شبہ و مثال ہے نہ کہ ان کا عین۔ پس ہمہ اوست کہنادرست نہیں ہو گا بلکہ ہمہ از اوست کہنادرست ہو گا کیونکہ ممکن کا ذاتی وجود عدم ہے جو شرارت و نقص و خبث کا مبداء ہے اور جو کمالات از قسم وجود اور اس کی توابع وغیرہ کے ممکن میں پائی جاتی ہیں۔ سب اس بارگاہ جل شانہ سے حاصل کی ہوئی ہیں اور حق تعالیٰ کے کمالات ذاتیہ کا پر تو ہیں۔ پس حق تعالیٰ ہی زمین و آسمان کا نور ہے اور اس کے ماسوا، ظلمت ہی ظلمت ہے کیونکہ نہ ہو۔ جب کہ عدم تمام ظلمتوں سے برتر اور بڑھ کر ہے۔

اس بحث کی تحقیق کا حقہ اس مکتوب میں جو فرزند اعظم مرحوم کے نام وجود کی حقیقت اور مہیات ممکنات کی تحقیق میں لکھا ہے۔ تحریر ہو چکی ہے۔ وہاں سے طلب فرمائیں۔

پس شیخ محی الدین کے نزدیک عالم سب کا سب ان اسماء و صفات سے مراد ہے جنہوں نے خانہ علم میں تمیز پیدا کر کے ظاہر وجود کے آئینہ میں نمود و نمائش حاصل کی ہے اور فقیر کے نزدیک عالم ان عدمات سے مراد ہے جن میں حق تعالیٰ کے اسماء و صفات خانہ علم میں منعکس ہوئی ہیں اور وہ عدمات بمعہ ان عکسوں کے حق تعالیٰ کے ایجاد سے وجود ظلی کے ساتھ خارج میں موجود ہوئی ہیں۔ پس عالم میں خبث ذاتی اور شرارت جبلی ظاہر اور پیدا ہے اور سب خیر و کمال حق تعالیٰ کی پاک بارگاہ کی طرف راجع ہے آیت کریمہ مَا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللَّهِ وَمَا أَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَفْسِكَ (جو تجھے بھلائی پہنچے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور جو تجھے برائی پہنچے وہ تیرے اپنے نفس سے ہے) اس معرفت کی تائید کرتی ہے اللَّهُ سُبْحَانَهُ الْمَلِئُمْ۔

پس اس تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ عالم وجود ظلی کے ساتھ خارج میں موجود ہے جس طرح کہ حق تعالیٰ وجود اصلی کے ساتھ بذات خود خارج میں موجود ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ عالم کا یہ خارج بھی وجود و صفات کی طرح حق تعالیٰ کے وجود کے خارج کا ظل ہے پس عالم کو حق تعالیٰ کا عین نہیں کہہ سکتے اور نہ ہی ایک کو دوسرے پر حمل کر سکتے ہیں۔ شخص کے ظل کو شخص کا عین نہیں کہہ سکتے۔ لَوْ جُودِ التَّغَايُرِ بَيْنَهُمَا فِي الْخَارِجِ لِأَنَّ الْاِثْنَيْنِ مُتَغَايِرَانِ (کیونکہ خارج میں دونوں ایک دوسرے کے متغائر ہیں۔ اس لئے کہ دو چیزیں ایک دوسرے کی متغائر ہوتی ہیں) اور اگر کوئی آدمی شخص کے ظل کو شخص کا عین کہے تو تسامح اور تجوز کے طریق پر ہوگا جو اس بحث سے خارج ہے۔

اگر کہیں کہ شیخ محی الدین اور اس کے تابعین بھی عالم کو حق تعالیٰ کا ظل جانتے ہیں۔ پھر فرق کیا ہوا تو میں کہتا ہوں کہ یہ لوگ اس ظلی وجود کو صرف وہم ہی میں خیال کرتے ہیں اور وجود خارجی کی بوتک بھی اس کے حق میں تجویز نہیں کرتے۔ غرض کثرت موہومہ کو وحدت وجود کے ظل سے تعبیر کرتے ہیں اور خارج میں واحد تعالیٰ ہی کو موجود جانتے ہیں۔ شَتَّانَ مَا بَيْنَهُمَا (ان دونوں میں بہت فرق ہے) پس ظل کے اصل پر حمل کرنے اور نہ کرنے کا باعث ظل کے لئے وجود خارجی کا ثابت کرنا اور نہ کرنا ہے۔ یہ لوگ چونکہ ظل کے لئے وجود خارجی ثابت نہیں کرتے۔ اس لئے اصل پر محمول کرتے ہیں اور یہ فقیر چونکہ ظل کو خارج میں موجود جانتا ہے۔ اس لئے اصل پر حمل کرنے کی جرأت نہیں کرتا۔ ظل سے وجود اصلی کے نفی کرنے میں فقیر اور یہ لوگ شریک ہیں اور وجود ظلی کے ثابت کرنے میں بھی متفق ہیں۔ لیکن یہ فقیر وجود ظلی خارج میں ثابت کرتا ہے اور یہ لوگ وجود ظلی کو وہم و تخیل ہی میں سمجھتے ہیں اور خارج میں احدیت مجردہ کے سوا کچھ موجود نہیں جانتے اور صفات ثمانیہ جن کا وجود اہل سنت و جماعت رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی آراء کے موافق خارج میں ثابت ہوا ہے ان کو بھی علم کے سوا اثبات نہیں کرتے علماء ظاہر اور انہوں نے اعتدال اور میانہ روی کے دو طرفوں یعنی افراط و تفریط کو اختیار فرمایا ہے اور حق متوسط اس فقیر کو نصیب ہوا ہے۔ جس کی توفیق اس فقیر کو دی گئی ہے۔ اگر یہ لوگ بھی اس خارج کا ظل معلوم کرتے تو عالم کے وجود خارجی کا انکار نہ کرتے اور وہم و تخیل پر کفایت نہ فرماتے اور واجب الوجود کی صفات کے وجود خارجی کا انکار نہ کرتے اور اگر علماء ظاہر بھی اس سرے واقف ہوتے تو ہرگز ممکن کے لئے وجود اصلی ثابت نہ کرتے اور وجود ظلی پر کفایت کرتے اور یہ جو فقیر نے بعض مکتوبات میں لکھا ہے کہ ممکن پر وجود کا اطلاق کرنا حقیقت کے طور پر ہے نہ کہ مجاز کے طور پر اس تحقیق کے منافی نہیں کیونکہ ممکن خارج میں وجود ظلی کے ساتھ حقیقت کے طور پر موجود ہے نہ کہ توہم و تخیل کے طور پر جیسے کہ انہوں نے خیال کیا ہے۔

سوال :- صاحب فتوحات مکیہ نے اعیان ثابتہ کو وجود اور عدم کے درمیان برزخ کہا ہے۔ پس عدم

اس کے طور پر بھی حقائق ممکنات میں داخل ہوا۔ پھر اس تحقیق اور اس قول کے درمیان کیا فرق ہوا۔
جواب:- برزخ اس اعتبار سے کہا ہے کہ صور علمیہ کی دو جہتیں ہیں ایک جہت وہ ہے جو ثبوت
عملی کے باعث وجود سے تعلق رکھتی ہے اور دوسری جہت وہ ہے جو عدم خارجی کے سبب عدم سے تعلق
رکھتی ہے کیونکہ اسکے نزدیک اعیان ثابتہ کو وجود خارجی کی بابت تک نہیں پہنچی اور وہ عدم جو اس تحقیق میں
درج ہوا ہے اور ہی حقیقت رکھتا ہے۔ ایسے ہی بعض بزرگوں کی عبارتوں میں ممکن پر عدم کا اطلاق ہوا
ہے اس سے مراد معدوم خارجی ہے نہ وہ عدم جس کی تحقیق اوپر ہو چکی ہے۔ حق تعالیٰ ان اسماء و صفات
سے جنہوں نے علم میں تفصیل و تمیز پائی ہے اور عدمات کے آئینوں میں منعکس ہو کر ممکنات کے
حقائق ہو گئے ہیں۔ وراء الوراہے۔

پس عالم کو حق تعالیٰ کے ساتھ کسی قسم کی مناسبت نہیں۔ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِيْنَ (اللہ تعالیٰ
تمام اہل جہان سے غنی ہے) حق تعالیٰ کو عالم کا عین کہنا اور اس کے ساتھ متحد جاننا بلکہ نسبت دینا بھی اس
فقیر پر بہت گراں اور دشوار ہے۔

آل ایشانند و من چنیم یارب

ترجمہ: وہ ایسے ہیں میں ایسا ہوں خدایا

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (تیرا
رب اس توصیف سے جو یہ لوگ کرتے ہیں پاک اور بزرگ ہے اور مرسلین پر سلام ہو اور اللہ رب
العالمین کی حمد ہے) وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلَىٰ مَنْ لَّدَيْكُمْ

مکتوب ۲

اس بیان میں کہ حق تعالیٰ کی ذات و صفات کا مرتبہ وجود اور وجوب کے اعتبار سے
برتر ہے۔ میرٹھس الدین خلفائی کی طرف صادر فرمایا ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ سَلَامٌ عَلٰی
عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو)
آپ کا مبارک خط جو محبت و اخلاص سے صادر فرمایا تھا۔ پہنچا۔ بڑی خوشی حاصل ہوئی۔ دینی
بھائیوں کا زیادہ ہونا آخرت میں امیدواری کا سبب ہے۔ اَللّٰهُمَّ اَكْبِرْ اِخْوَانَنَا فِي الدِّيْنِ وَ ثَبِّتْنَا وَاَيَّاهُمْ
عَلٰی مُتَابِعَةِ سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمْ مِّنَ الصَّلٰوَاتِ اَفْضَلُهَا وَ مِّنَ التَّسْلِيْمَاتِ اَكْمَلُهَا (یا
اللہ تو ہمارے دینی بھائیوں کو زیادہ کر اور ہم کو اور ان کو حضرت سید المرسلین ﷺ کی متابعت پر ثابت
قدم رکھ)

اے محبت کے نشان والے واجب الوجود تعالیٰ و تقدس کی صفات سبعہ یا ثمانیہ مختلف قول کے

موافق جو صفات حقیقیہ ہیں۔ خارج میں موجود ہیں اور اہل حق شکر اللہ تعالیٰ سعیم کے سوا باقی تمام مخالف فرقوں میں سے کوئی فرقہ بھی حق تعالیٰ کی صفات کے وجود کا قائل نہیں ہوا۔ حتیٰ کہ اہل حق میں سے متاخرین صوفیہ نے بھی وجود صفات کا انکار کیا ہے اور صفات کی زیادتی کو علم کی طرف راجع کرتے اور کہتے ہیں۔

بیت - از روئے تعقل ہمہ غیر اند صفات تو از روئے تحقیق ہمہ عین ذات
ترجمہ بیت: غیر ہیں از روئے تعقل کے صفات ایک تحقیق میں ہیں سب عین ذات
حق یہ ہے کہ اہل حق کی بات برحق ہے مشکوٰۃ نبوت سے مقبض اور کشف و فراست کے نور سے مؤید ہے۔ حاصل کلام یہ کہ وہ اشکال جو مخالف صفات کے وجود میں رکھتی ہیں۔ قوی ہے کیونکہ صفات اگر موجود ہوں۔ تو دوا امر سے خالی نہیں۔ ممکن ہوں گی یا واجب۔ امکان حدوث کو مستلزم ہے کیونکہ ان کے نزدیک جو ممکن ہے حادث ہے اور واجب کے متعدد ہونے کا قائل ہونا توحید کے منافی ہے اور نیز امکان کی صورت میں حق تعالیٰ کی ذات سے صفات کا الگ ہونا لازم آتا ہے اور یہ بات حق تعالیٰ کے لئے جہل و عجز کے جواز کا موجب ہے۔

اس اشکال کا حل جو کچھ اس فقیہ نے ظاہر ہوا ہے یہ ہے کہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ بذات خود موجود ہے نہ کہ وجود کے ساتھ۔ خواہ وہ وجود عین ہو یا زائد اور حق تعالیٰ کی صفات اس کی ذات کے ساتھ موجود ہیں نہ کہ وجود کے ساتھ۔ کیونکہ اس مقام میں وجود کی گنجائش نہیں۔
شیخ علاؤ الدولہ نے اسی مقام کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ فَوْقَ عَالَمِ الْوُجُودِ عَالَمُ الْمَلِكِ الْوُجُودِ
(عالم وجود کے اوپر مالک و دود کا عالم ہے)

پس امکان و جوب کی نسبت بھی اس مقام میں متصور نہیں کیونکہ امکان و جوب ماہیت اور وجود کی درمیانی نسبت کا نام ہے لیکن وہاں نہ وجود ہے نہ امکان اور نہ جوب۔ یہ معرفت نظر و فکر کے طور سے ماوراء ہے۔ دائرہ عقل میں محبوس لوگ اس معرفت کو کیا پا سکتے ہیں اور انکار کے سوا ان کے حصہ میں کیا آ سکتا ہے اِلَّا مَنْ عَصَمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی (مگر جس کو اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے)
عرض دیگر یہ ہے کہ سیادت پناہ میر محبت اللہ کچھ مدت سے یہاں تھے اب ان حدود کی طرف جانا چاہتے ہیں ان کی صحبت و خدمت کو غنیمت جانیں۔ وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَعَلٰی مَنْ لَّدَیْکُمْ۔

مکتوب ۳

اس بیان میں کہ نفس و آفاق کا معاملہ ظلال میں داخل ہے اور ولایت صغریٰ و کبریٰ اور کمالات نبوت اور تجلی افعال کی حقیقت کی تحقیق میں جس کو بعض صوفیہ نے بیان کیا

ہے کہ وہ تجلی حق تعالیٰ کے فعل کا علل ہے نہ کہ عین فعل۔ تو پھر صفات و ذات کا کیا حال ہو گا۔ حقائق و معارف کو جاننے والے فیض الہی کے مظہر مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید سلمہ اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا ہے:

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ (اللہ تعالیٰ کیلئے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو)

جو کچھ انفس و آفاق کے آئینوں میں ظاہر ہوتا ہے۔ اس پر ظلیت کا داغ لگا ہوتا ہے اس واسطے نفی کے لائق ہے تاکہ اصل ثابت ہو جائے جب انفس و آفاق سے معاملہ گزر جاتا ہے تو ظلیت کی قید سے چھوٹ جاتے ہیں اور فعل و صفت کی تجلی کا آغاز ہو جاتا ہے اور معلوم ہو جاتا ہے کہ اس سے پہلے سیر انفسی و آفاقی میں جو تجلی ظاہر ہوئی تھی۔ اگرچہ اس کو تجلی ذات جانتے ہیں لیکن فعل و صفت کے ظلال سے تعلق رکھتی تھی نہ کہ انفس فعل و صفت کے ساتھ تو پھر ذات کا کیا ذکر ہے کیونکہ دائرہ ظلیت انفس کے نہایت تک منتہی ہو جاتا ہے پس جو کچھ انفس و آفاق میں ظہور کرتا ہے۔ سب اس دائرہ میں داخل ہے فعل و صفت بھی اگرچہ حقیقت میں حضرت ذات تعالیٰ و تقدس کے ظلال ہیں لیکن دائرہ اصل میں داخل ہیں۔ اس دائرہ کی ولایت اصلی ہے برخلاف پہلے مرتبہ کی ولایت کے جو انفس و آفاق سے تعلق رکھتی تھی۔ جس کو ولایت ظلی کہتے ہیں۔ دائرہ ظل کے منتهیوں کو تجلی برقی جو مرتبہ اصل سے پیدا ہوتی ہے میسر ہوتی ہے جو ایک ساعت کے لئے ان کو آفاق و انفس کی قید سے رہا کر دیتی ہے اور وہ لوگ جو دائرہ آفاق و انفس سے گزر جاتے ہیں اور ظل سے اصل کے ساتھ جا ملتے ہیں۔ یہ تجلی برقی ان کے حق میں دائمی ہوتی ہے کیونکہ ان بزرگواروں کا مسکن و ماویٰ دائرہ اصل ہے جہاں سے تجلی برقی ظاہر ہوتی ہے بلکہ ان بزرگواروں کا معاملہ تجلیات و ظہورات سے بڑھ کر ہوتا ہے کیونکہ ہر ایک تجلی و ظہور خواہ وہ کسی مرتبہ سے تعلق رکھے۔ ظلیت کی آمیزش سے خالی نہیں ہوتی۔ لیکن ان بزرگواروں کو اصل الاصل کی گرفتاری نے ظل سے فارغ اور زلیغ بصر سے آزاد کر دیا ہوتا ہے۔

ولایت ظلی جس کو ولایت صغریٰ کہتے ہیں اس کا نہایت کمال تجلی برقی کے ظاہر ہونے سے حاصل ہو جاتا ہے۔ یہ تجلی برقی ولایت کبریٰ میں جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ولایت ہے۔ پہلا قدم ہے اور ولایت صغریٰ اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی ولایت ہے۔ اس بیان سے اولیا کی ولایت کا اور انبیاء کی ولایت کا فرق معلوم ہو جاتا ہے کہ اولیا کی ولایت کی انتہا انبیاء کی ولایت کی ابتدا ہے۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کے کمالات کا ذکر کیا جائے جب کہ اس ولایت کی انتہا نبوت کی ابتدا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ولایت سے جمعیت و وراثت کے طور پر

حصہ پایا ہے جس کے سبب انہوں نے فرمایا ہے کہ ہم نہایت کو بدایت میں درج کرتے ہیں۔
یہ فقیر اس قدر جانتا ہے کہ نقشبندیہ نسبت و حضور جب کمال تک پہنچ جاتے ہیں تو ولایت کبریٰ
سے جاملتے ہیں اور اس ولایت کے کمالات سے حظ وافر حاصل کر لیتے ہیں۔ برخلاف دوسرے طریقوں
کے کہ جن کے کمال کی نہایت تجلی برقی تک ہی ہے۔

جاننا چاہئے کہ وہ سیر جو آفاقی و انفسی سیر کے بعد میسر ہوتا ہے وہ حق تعالیٰ کی اقریت میں
سیر ہوتا ہے کیونکہ حق تعالیٰ کا فعل بھی ہم سے ہماری نسبت زیادہ نزدیک ہے اور حق تعالیٰ کی صفت
بھی اس کے اپنے فعل کی اور ہماری نسبت ہم سے زیادہ نزدیک ہے اور حق تعالیٰ کی ذات بھی اس
کے فعل و صفت کی اور ہماری نسبت ہم سے زیادہ نزدیک ہے۔ ان مراتب کا سیر حق تعالیٰ کی
اقریت کا سیر ہے۔ اس مقام میں تجلی فعل اور تجلی صفت اور تجلی ذات متحقق و ثابت ہو جاتی ہیں اور
وہم کی سلطنت اور خیال کے دائرہ سے اس مقام میں نجات حاصل ہو جاتی ہے کیونکہ سلطان وہم و
خیال کا غلبہ دائرہ انفس و آفاق کے باہر میسر نہیں۔ وہم کی نہایت ظل کی نہایت تک ہی ہوتی ہے
جہاں ظل نہ ہو وہاں وہم بھی نہیں ہوتا۔

پس معلوم ہوا کہ ولایت ظلی میں موت کے بعد جب کہ وہم معدوم ہو جائے وہم سے خلاصی
حاصل ہوتی ہے۔ لیکن ولایت اصلی میں جو ولایت کبریٰ ہے۔ اسی جہان میں وہم و خیال کی قید سے
آزادی حاصل ہو جاتی ہے اور وہم کے باوجود وہم کی قید سے آزاد ہوتے ہیں۔ پہلے گروہ کو جو کچھ آخرت
میں جا کر حاصل ہو گا وہ دوسرے گروہ کو اسی جگہ میسر ہوتا ہے ولایت ظلی میں حصول مطلب اس جہان
میں وہم و خیال کا تراشیدہ اور بنایا ہوا ہوتا ہے اور ولایت اصلی میں مطلوب وہم کی تراش و خراش سے منزہ و
مبرا ہوتا ہے۔

شاید حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ وہم و خیال کے احاطہ اور قید سے تنگ آکر موت کی آرزو
کرتے ہیں تاکہ وہم و خیال سے خالی اپنے مطلوب کو پائیں اوائل موت میں ”عَافَاكَ اللَّهُ“ سے منع کر
کے فرماتے ہیں۔

من شوم عریاں ز تن اواز خیال تاخر ام در نہایات الوصال
ترجمہ: دور ہوں مجھ سے یہ سب وہم و خیال تاکہ پاؤں یار کا اعلیٰ وصال

یہ جو میں نے کہا ہے کہ انفس و آفاق میں افعال و صفات کے ظلال کے تجلیات ہیں نہ کہ نفس
افعال و صفات کے تجلیات۔ اس کا بیان یہ ہے کہ تکوین صفات حقیقیہ سے ہے۔ جیسے کہ علماء ماترید یہ شکر
اللہ تعالیٰ سہم کا مذہب ہے نہ کہ صفات اضافیہ سے جیسے کہ اشعر یہ کا گمان ہے۔ اس صفت میں چونکہ

اضافت کارنگ غالب ہے اس واسطے اشعر یہ نے دوسری صفات کی طرف نظر کر کے اس کو بھی صفات اضافیہ سے گمان کیا ہے۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔ بلکہ وہ صفت صفات حقیقیہ سے ہے جس کے ساتھ اضافت کارنگ مل گیا ہے۔ یہ صفت تکوین تمام صفات سے پیچھے ہے اور تمام صفات عالیہ کارنگ رکھتی ہے مثلاً علم و حیوۃ سے بھی حصہ رکھتی ہے اور قدرت و ارادت سے بھی اور اس صفت تکوین کے کئی جزئیات ہیں جو حقیقت میں اس کے ظلال ہیں۔ جیسے کہ تخلیق (پیدا کرنا) اور تزیین (رزق دینا) اور احیاء امات (زندہ اور مردہ کرنا) اور انعام و ایلام وغیرہ وغیرہ۔

یہ جزئیات افعال میں داخل ہیں جو در حقیقت اس صفت کے ظلال ہیں اور صفات حقیقیہ کے دائرہ سے خارج ہیں اور اس فعل کی دو جہتیں ہیں۔ ایک جہت فاعل کی طرف ہے اور دوسری مفعول کی طرف اور یہ دونوں جہتیں نظر کشفی میں ایک دوسرے سے متمیز ہیں۔ پہلی جہت عالی ہے اور دوسری جہت سافل یعنی نیچی نیز جہت اول اصل کی طرح نظر آتی ہے اور جہت دوم اس اصل کے ظل کی طرح دکھائی دیتی ہے اور نیز جہت اول میں وجوب کارنگ ملا ہوا ہوتا ہے اور جہت دوم میں امکان کارنگ یہ دوسری جہت انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے سوا باقی تمام اولیائے کرام اور مخلوقات کے تعینات کی مبادی ہے۔ حق تعالیٰ کا یہ فعل چونکہ دونوں جہتوں کے اعتبار سے وجوب کا اور ممکن کارنگ رکھتا ہے اس لئے ممکن ہے کیونکہ جو واجب اور ممکن سے مرکب ہے وہ ممکن ہے نیز یہ فعل چونکہ اوپر کی جہت کے اعتبار سے قدم کی طرف توجہ رکھتا ہے اور نیچی جہت کے اعتبار سے حدوث میں قدم رکھتا ہے اس لئے حادث ہے کیونکہ قدیم و حادث سے مرکب حادث ہوتا ہے۔

جن لوگوں نے حق تعالیٰ کے فعل کو قدیم کہا ہے انہوں نے جہت اول کی طرف نظر کر کے کہا ہے اور جنہوں نے حق تعالیٰ کے فعل کو حادث کہا ہے انکی منظور نظر دوسری جہت ہے اول گروہ کی نظر بلند ہے اور دوسرے گروہ کی نظر پست۔ لیکن یہ دونوں گروہ حق کو چھوڑ کر افراط و تفریط کی طرف جا پڑے ہیں اور حق متوسط وہی ہے جس کے ساتھ یہ فقیر ممتاز ہوا ہے۔ ذَلِکَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَاءُ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے بخشتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے) صفات حقیقیہ کی اسی قسم کی تحقیق بعض اور مکتوبوں میں بھی لکھی جا چکی ہے وہاں سے طلب فرمائیں۔

جاننا چاہئے کہ فعل کی جہت دوم سے مراد خلق خاص ہے جس کا تعلق زید کے ساتھ ہے اور یہ خلق زید گویا خلق مطلق کی جزئیات میں سے ایک جزئی ہے۔ یہ خلق خاص بھی جو زید سے تعلق رکھتی ہے بہت سی جزئیات رکھتی ہے جیسے کہ زید کی ذات کا خلق اور زید کی صفات کا خلق اور زید کے افعال کا خلق

اور خلق زید کی یہ جزئیات اس خلق زید کے لئے جو کلی کی طرح ہے۔ ظلال کی مانند ہیں اور زید کے فعل کے خلق کا بھی ایک ظل اور مظہر ہے اور وہ زید کا کسب ہے جس کا تعلق فعل سے ہوا ہے۔ اس کسب کو زید اپنے باپ کے گھر سے نہیں لایا بلکہ اس کا کسب حق تعالیٰ کی خلق کا پر تو ہے پس ان معارف سے معلوم ہوا ہے کہ حق تعالیٰ کا فعل تکوین کا ظل ہے۔ اور فعل کی جہت ثانی جہت اول کا ظل ہے جیسے کہ تحقیق پاچکا ہے اور جہت دوم کا بھی ظل ہے۔ جو خلق زید ہے اور خلق زید کا بھی ظل ہے جو فعل زید کی خلق ہے اور اس ظل کا بھی ظل ہے۔ جو زید کا کسب ہے۔

جب یہ علوم معلوم ہو چکے تو پھر جاننا چاہئے کہ سالکوں کی نظر میں سلوک کے وقت جب زید کے کسب کی نسبت زید سے منتهی ہو جاتی ہے اور اس کی وہ اضافت جو زید کی طرف ہے دور ہو جاتی ہے۔ تو اس فعل کا فاعل حق تعالیٰ ہی کو جانتے ہیں بلکہ مخلوقات کے بیشتر اور مختلف افعال کو ایک ہی فاعل کا فعل سمجھتے ہیں اور اس معنی کے ظہور کو تجلی افعال خیال کرتے ہیں۔ ذرا انصاف کرنا چاہئے۔ کہ یہ تجلی حق تعالیٰ کے فعل کی تجلی ہے۔ یا اس فعل کے ظلال میں سے ایک ظل کی تجلی ہے۔ جس نے کئی مراتب میں تنزل کر کے ظلیت کا نام پایا ہے۔ دوسرے تجلیات کو بھی تجلی فعل پر قیاس کرنا چاہئے۔ کہ ظلال میں کسی ظل پر کفایت کر کے اس کو اصل الاصل خیال کر رہے ہیں اور جو زو مویر پر تسلی کئے بیٹھے ہیں۔

جاننا چاہئے کہ وجوب وجود چونکہ نسبت و اضافت ہے۔ اس لئے مرتبہ فعل میں پایا جاتا ہے اور جب یہ نسبت عالم کے ساتھ مناسبت نہیں رکھتی۔ بلکہ صانع عالم کے ساتھ مخصوص ہے۔ تو فعل کی جہت اول سے جو اوپر ذکر ہو چکی ہے۔ مناسب ہو گی۔ اگر کہیں کہ اس بیان سے لازم آتا ہے کہ حق تعالیٰ کی ذات کے مرتبہ میں وجوب ثابت نہیں ہے اور نہ ہی حق تعالیٰ کی ذات و صفات کو واجب کہا جاتا ہے۔ پس وجوب بھی حضرت ذات و صفات سے مسلوب ہو گا۔ جیسے کہ امکان و امتناع اس حضرت جل شانہ سے مسلوب ہیں۔ پس وجوب و امکان و امتناع کے سوا جو تھی قسم پیدا ہو گئی۔ حالانکہ انحصار عقلی انہیں تین چیزوں میں ثابت ہو چکا ہے۔ تو میں کہتا ہوں۔ کہ یہ انحصار اس کے وجود کی نسبت صرف ماہیت کے لئے ہے۔ کیونکہ اس مقام میں ماہیت کو وجود کی طرف کوئی نسبت نہیں اور نہ ہی کوئی انحصار ہے۔ جیسے کہ حق تعالیٰ کی ذات و صفات میں۔ کیونکہ حق تعالیٰ کی ذات بذات خود موجود ہے۔ نہ کہ کسی وجود کے ساتھ۔ خواہ وہ وجود عین ہو یا زاید اور حق تعالیٰ کی صفات اس کی ذات کے ساتھ موجود ہیں۔

سوائے اس کے کہ ان میں وجود کا دخل ہو۔ پس حق تعالیٰ کی ذات و صفات ان تینوں منحصر چیزوں سے برتر اور بلند ہیں۔

حاصل کلام یہ کہ جب وجود اور اعتبارات سے حق تعالیٰ کی ذات کا تصور اور اس کی صفات میں غور

کیا جاتا ہے۔ کیونکہ اسکی کنہ کی طرف کوئی راہ نہیں۔ تو اس کی ذات کے لئے وجود تصوری ظلی میں وجوب کا عارض ہوتا ہے۔ جو حق تعالیٰ کی غنا کے مناسب اور لائق ہے اور اس کی صفات کے لئے وجود ذہنی میں امکان عارض ہوتا ہے۔ جو ان کے لئے مناسب ہے۔ اس لئے کہ ذات کی طرف محتاج ہیں۔ پس حق تعالیٰ کی ذات و صفات فی نفسہا مرتبہ وجوب و امکان بلکہ مرتبہ وجود سے بھی برتر اور بلند ہیں اور وجود تصوری ظلی کے اعتبار سے وجوب ذات کے لئے مناسب ہے اور امکان صفات کے مناسب۔ پس صفات وجود خارجی کے لحاظ سے نہ واجب ہیں نہ ممکن۔ بلکہ واجب و امکان سے برتر ہیں اور وجود ذہنی کے اعتبار سے ممکن ہیں اور اس امکان سے حدوث لازم نہیں آتا۔ کیونکہ امکان ان کی ذات یعنی اصولوں کے لئے نہیں ہے۔ بلکہ ان کے ظلی وجودوں کے لئے ہے۔ یہی معرفت کے مناسب ہے۔ یہ مقولہ جو معقول والوں نے کہا ہے کہ کلیت اور جزئیت دونوں وجود ذہنی کی خصوصیت کے اعتبار سے ماہیت کو عارض ہوتی ہیں۔ لیکن وجود خارجی کی حالت میں ان دونوں کے ساتھ ماہیت موصوف نہیں ہو سکتی۔ مثلاً زید جو خارج میں موجود ہے تعقل سے پہلے جزئی نہیں جیسے کہ کلی بھی نہ تھا۔ بلکہ وجود ذہنی ظلی کے بعد جزئیت اس کو عارض ہو گئی۔ بلکہ ہم کہتے ہیں کہ تمام نسبتیں اور اضافتیں اور احکام و اعتبارات جو حق تعالیٰ پر محمول کئے جاتے ہیں۔ مثلاً الوہیت اور ربوبیت اور اولیت اور ازلیت وغیرہ سب صفات ثمانیہ موجودہ کے ماسوا ہیں جو حق تعالیٰ پر تصور اور تعقل کے اعتبار سے صادق آتی ہیں۔ ورنہ حق تعالیٰ کی ذات اصل میں کسی صفت سے متصف اور کسی اسم سے موسوم اور کسی حکم کے محکوم نہیں ہے صاحب شرع نے جو حق تعالیٰ کی ذات پر اسماء و احکام کا اطلاق کیا ہے۔ تو وہ بالاعتبار تناسب اور تشابہ کے ہے تاکہ مخلوقات کی سمجھ میں آسکے اور ان کے ساتھ ان کی عقول کے موافق گفتگو ہو سکے مثلاً زید کے لئے جو خارج میں موجود ہے۔ اس کے وجود ذہنی کے ملاحظہ کے بغیر تشبیہ اور تنظیر کے طور پر کہا جائے کہ وہ جزئی ہے تو اس کے کلی ہونے کے احکام کی نسبت جزئی ہونے کے احکام زید کیلئے بہت ہی مناسب اور مشابہ ہونگے۔ اسی طرح اس ذات بے نیاز اور بلند پر امکان اور امتناع کے حکم کی نسبت وجوب اور وجود کا حکم بہتر اور مناسب ہے۔ ورنہ اس کی جناب پاک تک نہ وجوب پہنچ سکتا ہے نہ وجود جیسے کہ اس کی پاک بارگاہ کے لئے امکان اور امتناع لائق نہیں۔ اس شریف اور پاکیزہ معرفت کو غور سے سمجھنا چاہئے کیونکہ یہ معرفت دین کی بنیاد اور حق تعالیٰ کی ذات و صفات کے علم کا خلاصہ ہے۔ یہ معرفت کہ جس کے لئے حق تعالیٰ نے اس حقیر بندہ کو برگزیدہ اور مختار کیا ہے۔ آج تک کسی ولی اور بزرگ نے بیان نہیں کی۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اَتْبَعَ الْهُدٰی (سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی)۔

مکتوب ۴

اس بیان میں کہ علم الیقین اور حق الیقین جو بعض صوفیوں نے مقرر کئے ہوئے ہیں درحقیقت علم الیقین کے تین حصوں میں سے دو حصے ہیں اور علم الیقین کا ایک حصہ ابھی آگے ہے پھر عین الیقین اور حق الیقین کا کیا ذکر ہے اور اس بیان میں کہ ان علوم کا صاحب اس ہزار کا مجدد ہے میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا ہے:

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَى (اللہ تعالیٰ کیلئے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو)

مدت گزری ہے کہ آپ نے اپنی خیریت کے احوال سے اطلاع نہیں بخشی۔ آپ کی صحت واستقامت اللہ تعالیٰ سے مطلوب ہے۔

آپ کو واضح ہو کہ علم الیقین ان آیات کے شہود سے مراد ہے۔ جو تعین علمی کا فائدہ دیتی ہیں۔ یہ شہود درحقیقت اثر سے مؤثر کی طرف استدلال کا نام ہے۔ پس جو کچھ تجلیات و ظہورات آفاق و انفس کے آئینوں میں دیکھے جاتے ہیں۔ سب اثر سے مؤثر کی طرف دلالت پانے کی قسم سے ہیں۔ اگرچہ ان تجلیات کو تجلیات ذاتیہ اور ان ظہورات کو بے کیف کہیں۔ کیونکہ آئینے میں کسی شے کا ظہور اس شے کے آثار میں سے ایک اثر ہے نہ کہ اس شے کے عین کا حصول۔

پس سیر آفاقی اور انفسی تمامہ دائرہ علم الیقین سے قدم باہر نہیں لے جاتا اور اثر سے مؤثر کی طرف استدلال کے سوا کچھ اس کے نصیب نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ (ہم ان کو آفاق دنیا میں اور ان کے اپنے نفسوں میں نشان دکھائیں گے تاکہ ان پر ظاہر ہو جائے کہ وہ حق ہے)

دوسروں نے سیر آفاقی کو علم الیقین سے جانا ہے اور عین الیقین اور حق الیقین کو سیر انفسی میں ثابت کیا ہے اور انفس کے سوا اور کوئی سیر بیان نہیں کیا۔ ع

آں ایشانند و من چہینم یارب ترجمہ - وہ ایسے ہیں میں ایسا ہوں یارب

آپ جانتے ہیں کہ حق تعالیٰ بندہ سے بندہ کی نسبت زیادہ نزدیک ہے۔ پس بندہ سے حق تعالیٰ تک اقربیت کی جانب میں ایک اور سیر درمیان ہے۔ جس کے قطع کرنے پر وصول الی اللہ منحصر ہے۔ یہ تیسرا سیر بھی حقیقت میں علم الیقین ہی کو ثابت کرتا ہے اگرچہ دائرہ ظلیت سے باہر ہے۔ لیکن ظلیت کی آمیزش سے پاک و صاف نہیں۔ کیونکہ حق تعالیٰ کے اسماء و صفات درحقیقت حضرت ذات تعالیٰ کے ظلال ہیں اور جس میں ظلیت کی ملاوٹ ہو۔ وہ آثار و آیات میں داخل ہے۔ پس انہوں نے علم الیقین کے

تین سیروں میں سے ایک سیر کو علم الیقین کے ساتھ مخصوص کیا ہے اور علم الیقین کے دوسرے سیر کو عین الیقین حاصل کرنے والا سمجھا ہے اور تیسرے سیر کو بیان ہی نہیں کیا تاکہ علم الیقین کا دائرہ تمام ہو جاتا۔ ابھی عین الیقین اور حق الیقین آگے ہیں۔ ع

قیاس کن زگلستان من بہار مرا ترجمہ - میری بہار تو کر لے قیاس بستان سے
یہ فقیر عین الیقین اور حق الیقین کی نسبت کیا بیان کرے اور اگر کچھ بیان کرے تو کوئی کیا سمجھے گا اور کیا معلوم کرے گا۔ یہ معارف احاطہ ولایت سے خارج ہیں۔ ارباب ولایت علماء ظاہر کی طرح ان کے اور اک سے عاجز اور ان کے سمجھنے سے قاصر ہیں۔ یہ علوم انوار نبوت علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والحدیہ کی مشکوٰۃ سے مقتبس ہیں۔ جو الف ثانی کی تجدید کے بعد تبعیت و وراثت کے طور پر تازہ ہوئے ہیں اور ترو تازہ ہو کر ظاہر ہوئے ہیں ان علوم و معارف کا صاحب اس الف کا مجدد ہے۔ چنانچہ اس کے ان علوم و معارف میں جو ذات و صفات اور افعال اور احوال و مواجید اور تجلیات و ظہورات کے متعلق ہیں نظر و غور کرنے والوں پر پوشیدہ نہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ یہ تمام علوم و معارف علماء کے علوم ہیں اور اولیاء کے معارف وراء الراء ہیں۔ بلکہ یہ علوم ان علوم کے مقابلہ میں پوست کی طرح ہیں اور یہ معارف اس پوست کے مغز کی مانند۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْهَادِي (اللہ ہی ہدایت دینے والا ہے)

جاننا چاہئے کہ ہر سو سال کے بعد ایک مجدد گزرتا ہے لیکن سو سال کا مجدد اور ہے اور ہزار کا مجدد اور جس قدر سو اور ہزار کے درمیان فرق ہے۔ اسی قدر بلکہ اس سے زیادہ دونوں مجددوں کے درمیان فرق ہے اور مجدد وہ ہوتا ہے کہ جو فیض اس مدت میں امتوں کو پہنچاتا ہوتا ہے اسی کے ذریعے پہنچتا ہے خواہ اس وقت کے اقواب و اوتاد ہوں اور خواہ ابدال و نجباء۔

خاص کد بندہ مصلحت عام را

ترجمہ: خاص کر لیتا ہے اک کو تا بھلا ہو عام کا

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اَتْبَعَ الْهُدٰی وَالتَّوْبَةُ الْمُتَابَعَةُ الْمُصْطَفٰی وَ عَلٰی الْاِلٰہِ الصَّلٰوٰتِ
وَالتَّسْلِيْمٰتِ الْعُلٰی وَ عَلٰی جَمِیْعِ اٰخُوْتِهِ مِنَ الْاَنْبِیَآءِ وَ الْمُرْسَلِیْنَ وَ الْمَلَائِکَةِ الْمُقَرَّبِیْنَ وَ عِبَادِ
اللّٰهِ الصَّالِحِیْنَ اَجْمَعِیْنَ

سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی ہے اور حضرت محمد ﷺ کی متابعت کو لازم پکڑا۔

مکتوب ۵

اس بیان میں کہ حق تعالیٰ کی صفات دو اعتبار رکھتی ہیں اعتبار اول فی نفسہا ان کا

حصول ہے اور دوسرا اعتبار ذات کے ساتھ ان کا قیام ہے اور یہ دونوں اعتبار خارج میں ایک

دوسرے سے متمیز ہیں۔ میرٹھس الدین علی خلانی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ سَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى (اللہ تعالیٰ کیلئے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو)

میرے مخدوم حق تعالیٰ کی صفات جو موجود ہیں اور ذات تعالیٰ کے ساتھ قیام رکھتی ہیں دو اعتبار رکھتی ہیں۔ اعتبار اول یہ ہے کہ فِیْ حُدُوْثِهَا ثابت ہیں اور اعتبار دوم یہ ہے کہ واجب تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قیام رکھتی ہیں۔ اعتبار اول کے لحاظ سے عالم کے ساتھ مناسبت رکھتی ہیں اور تعینات کے مبادی ہیں اور اعتبار دوم کے رو سے عالم سے مستغنی ہیں اور اہل عالم کے ساتھ کسی قسم کی توجہ نہیں رکھتیں۔ نیز نظر کشفی میں اعتبار اول پر حق تعالیٰ کی ذات سے الگ معلوم ہوتی ہیں اور حق تعالیٰ کی ذات کا حجاب ہیں اور اعتبار دوم سے حجاب مرفوع ہے جس طرح کہ سفیدی جو کپڑے کے ساتھ قائم ہے۔ کپڑے کا حجاب نہیں۔

حاصل کلام یہ کہ سفیدی حصول نفسی اور حصول قیامی کے دونوں اعتباروں سے ذات جامہ کی حجاب نہیں۔ اگرچہ محسوس وہی سفیدی ہے لیکن حجابیت مرفوع ہے۔ برخلاف واجب تعالیٰ کی صفات کے کہ اعتبار اول سے حجاب ہیں اور اعتبار دوم سے غیر حجاب۔ ان دونوں اعتباروں کے درمیان فرق کو تو تھوڑا خیال نہ کرے۔

اس فقیر نے باوجود جذب قوی اور تیز رفتاری کے ان دونوں کی درمیانی مسافت کو تقریباً پندرہ سال میں قطع کیا ہے۔

علماء متقدمین کو ان دونوں اعتباروں کا درمیانی فرق معلوم نہیں ہوا۔ انہوں نے کہا ہے کہ عرض کافی نفسہ حصول وہی ہے جو اس کا قیامی حصول ہے۔ لیکن علماء متاخرین میں سے بعض نے ان دونوں اعتباروں کا فرق معلوم کیا ہے اور تحقیق کیا ہے کہ عرض کا حصول نفسی اور ہے اور حصول قیامی اور لَآئِ الْعَرَضِ يُقَالُ فِیْ حَقِّهِ اَنَّهُ وَجَدَ فِقَامَ فِی الْوُجُوْدِ غَيْرَ الْقِيَامِ (کیونکہ عرض وہ ہے جس کے حق میں کہا جاتا ہے کہ وہ پایا گیا پھر قیام کے سوا وجود میں قائم ہوا)

متاخرین کی یہ تحقیق جو انہوں نے عرض کے بارہ میں کی ہے۔ اس مستند کے عروج کے لئے اور اس حاجت مند کی معرفت کے لئے زینہ کا کام دے گی۔ بلکہ اس سیر و سلوک میں بہت سی کلامی اور فلسفی تحقیقات نے فقیر کی مدد کی اور حق تعالیٰ کے معرفت کا واسطہ بن گئیں۔

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اَتَّبَعَ الْهُدٰی وَالتَّزَمَ مُتَابِعَةَ الْمُصْطَفٰى عَلَیْهِ وَ عَلٰی اٰلِهِ مِنَ الصَّلٰوةِ اٰمَنَہَا وَ مِنَ التَّسْلِيْمَاتِ اٰكْمَلُہَا (سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی اور حضرت محمد

مکتوب ۶

بعض پوشیدہ اسرار کے بیان میں جن سے مفہوم ہوتا ہے کہ ہمارے پیغمبر ﷺ کو ملت ابراہیم علیہ السلام کے اتباع کا کیوں امر ہوا۔ جامع علوم عقلی و نقلی مخدوم زادہ مجدد الدین محمد معصوم سلمہ اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا ہے۔

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کیلئے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو)

میں سمجھتا ہوں کہ میری پیدائش سے مقصود یہ ہے کہ ولایت محمدی ﷺ ولایت ابراہیمی علیہ السلام کے رنگ میں رنگی جائے اور اس ولایت کا حسن ملاحظت اس ولایت کے جمال صباحت کے ساتھ مل جائے۔ حدیث میں آیا ہے اَخِيْ يُّوسُفُ اُصْبَحْ وَ اَنَا اَمْلَحُ (میرا بھائی یوسف صبح تھا اور میں صبح ہوں) اور اس انصباغ اور امتزاج سے محبوبیت محمدیہ کا مقام درجہ بلند تک پہنچ جائے۔

ملت ابراہیمی علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اتباع کے امر سے یقیناً اسی دولت عظمیٰ کا حاصل ہونا مقصود ہو گا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صلوات و برکات جیسے صلوات و برکات کا طلب کرنا اسی غرض کیلئے ہو گا۔ صباحت و ملاحظت دونوں حق تعالیٰ کے اس حسن ذاتی کا پتہ دیتی ہیں جس میں صفات کی ملاوٹ نہیں لیکن صفات و افعال و آثار کا حسن سب حسن صباحت سے مستفاد ہے جو بڑی برکت والا ہے۔ حسن ملاحظت حضرت اجمال سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے گویا ملاحظت دائرہ حسن کا مرکز ہے اور صباحت اس مرکز کا دائرہ ہے۔

حضرت ذات تعالیٰ میں جس طرح بساطت ہے وسعت بھی ہے لیکن وہ بساطت و وسعت نہیں جو ہمارے فہم میں آسکے اور نہ وہ اجمال و تفصیل جو ہمارے ادراک میں آئے۔ لَا تُذَرِّكُہُ الْاَبْصَارُ وَ هُوَ يُذَرِّكُ الْاَبْصَارَ وَ هُوَ اللّٰطِیْفُ الْخَبِیْرُ (آنکھیں اس کو نہیں پاسکتیں لیکن وہ آنکھوں کو پاسکتا ہے اور وہ باریک بین اور باخبر ہے)

بساطت و وسعت جو حق تعالیٰ کی ذات میں ثابت کرتے ہیں۔ ایک دوسرے سے جدا ہیں نہ کہ ایک دوسرے کا عین ہیں۔ جیسے کہ بعض نے گمان کیا ہے لیکن وہ تمیز جو اس مرتبہ میں ان کے درمیان ثابت ہے۔ ہمارے ادراک کے احاطہ اور ہمارے فہم کے دائرہ سے باہر ہے پس صباحت و ملاحظت بھی ایک دوسرے سے جدا ہیں اور ہر ایک کے احکام الگ الگ ہیں اور وہ کمالات جو ان کے متعلق ہیں وہ بھی ایک دوسرے سے جدا ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ میں اپنی پیدائش سے جو مقصود سمجھتا تھا۔ وہ حاصل ہو گیا

ہے اور ہر سال کی دعا قبول ہو گئی ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ جَعَلَنِیْ صَلَۃً بَیْنَ الْبَحْرِیْنِ وَمُصْلِحًا بَیْنَ الْفِتَنِیْنَ اَعْمَلَ الْحَمْدَ عَلٰی كُلِّ حَالٍ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَیْرِ الْاَنَامِ وَعَلٰی اِخْوَانِهِ الْکِرَامِ مِنَ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمَلٰئِکَةِ الْعِظَامِ (اللہ تعالیٰ کی ہر حال میں کمال حمد ہے جس نے مجھ کو دو دریاؤں کا ملانے والا اور دو گروہوں کے درمیان اصلاح کرنے والا بنایا اور حضرت خیر الانام اور ان کے بھائیوں یعنی انبیاء اور ملائکہ عظام پر صلوٰۃ و سلام ہو)

چونکہ صباحت نے بھی ملاحت کا رنگ اختیار کر لیا ہے۔ اس لئے خلت ابراہیمی کے مقام نے بھی وسعت پیدا کی ہے اور محیط نے مرکز کا حکم حاصل کر لیا ہے۔

جاننا چاہئے کہ مقام محبت مرتبہ ملاحت سے مناسبت رکھتا ہے اور مقام خلت مرتبہ صباحت کے مناسب ہے۔ مقام محبت میں محبوبیت صرف حضرت خاتم الرسل ﷺ کے نصیب ہے۔ اور محسبیت خالص حضرت کلیم اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہے اور حضرت خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام یاری اور ندیمی کی نسبت رکھتے ہیں محبت و محبوب اور ہوتا ہے اور یار و ندیم اور ہر ایک کی نسبت الگ الگ ہے۔

یہ فقیر چونکہ ولایت محمدیہ ﷺ اور ولادت موسویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا تربیت یافتہ ہے۔ اس لئے وطن و سکونت مقام ملاحت میں رکھتا ہے۔ لیکن ولایت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی محبت کے غلبہ کے باعث محبوبیت کی نسبت غالب ہے اور محسبیت کی نسبت مغلوب و مستور۔

اے فرزند باوجود اس معاملہ کے جو میری پیدائش سے مقصود تھا۔ ایک اور کارخانہ عظیم میرے حوالہ فرمایا ہے۔ مجھے پیری و مریدی کے واسطے نہیں لائے اور نہ میری پیدائش سے خلق کی تکمیل و ارشاد مقصود ہے۔ بلکہ معاملہ دیگر اور کارخانہ دیگر مطلوب ہے، اس ضمن میں جس کو مناسبت ہوگی وہ فیض پالے گا ورنہ نہیں۔ معاملہ تکمیل و ارشاد اس کارخانہ کے مقابلہ میں راستہ میں پھینکی ہوئی چیز کی طرح ہے۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی دعوت کو ان کو باطنی معاملات کے ساتھ یہی نسبت تھی۔ اگرچہ منصب نبوت ختم ہو چکا ہے۔ لیکن نبوت کے کمالات اور خصوصیتوں سے تبعیت اور وراثت کے طور پر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے کامل تابعداروں کو حصہ حاصل ہے۔ والسلام

مکتوب ۷

مراتب پنجگانہ محبوبیت اور محسبیت اور محبت اور حب اور رضا اور ان سے ایک اور برتر مرتبہ کے بیان میں اور اس بیان میں کہ ان مراتب میں سے ہر ایک پیغمبر کے ساتھ مخصوص ہے۔ فقیر حقیر عبدالحی کی طرف جو ان مکتوبات شریف کا جامع ہے صادر فرمایا ہے:-

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَنْعَمَ عَلَيْنَا وَهَدَانَا اِلَى الْاِسْلَامِ وَجَعَلَنَا مِنْ اُمَّةٍ حَبِيْبَةٍ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ عَلَىٰ اٰلِهٖ وَسَلَّم (اللہ تعالیٰ کا حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو اور اللہ تعالیٰ کا حمد ہے جس نے ہم پر انعام کیا اور اسلام کی ہدایت دی اور ہم کو اپنے حبیب حضرت محمد ﷺ کی امت میں سے بنایا)

خدا تجھے ہدایت دے۔ تجھے معلوم ہونا چاہئے۔ کہ محبت ذاتیہ میں کہ حق تعالیٰ اپنے آپ کو دوست رکھتا ہے۔ تین اعتبار ہیں۔ محبوبیت اور خُصیت اور محبت۔ محبوبیت ذاتیہ کے کمالات کا ظہور حضرت خاتم الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہے۔

خلاصہ یہ کہ محبوبیت کی جانب میں دو کمال ہیں۔ فعلی اور انفعالی فعلی اصل ہے اور انفعالی اس کی تابع۔ لیکن انفعال فعل کی علت غائی ہے۔ اگرچہ وجود میں متاخر ہے لیکن تصور میں مقدم ہے اور کمالات خُصیت کا ظہور حضرت کلیم اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نصیب ہے اور اعتبار سوم میں جو نفس محبت ہے۔ اول دفعہ ابو البشر حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام اور دوسری دفعہ حضرت ابرہیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام اور تیسری بار حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی مشہود ہوئے۔ وَالْاَمْرُ اِلَى اللّٰهِ سُبْحَانَهُ (حقیقت امر اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے)

جس طرح حق تعالیٰ اپنے آپ کو دوست رکھتا ہے۔ اسی طرح اپنے اسماء و صفات و افعال کے کمالات کو بھی دوست رکھتا ہے۔ حق تعالیٰ کے اپنے اسماء و صفات کی اس محبت کا ظہور حضرت خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام میں کامل طور پر ہے اور اسماء و صفات و افعال کے محبوبیت کا ظہور ان کی خُصیت کے ظہور کی طرح دوسرے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں متحقق ہے۔ چونکہ اسماء و صفات و افعال کے ظلال بھی ہیں۔ اس لئے ان ظلال کے محبوبیت کا ظہور ان کے اصول کے واسطے سے مراد اور محبوب اولیا کا نصیب ہے۔ جس طرح کہ ان ظلال کے خُصیت کا ظہور اولیائے مریدین اور محبین کا حصہ ہے۔

محبت ذاتیہ کے مقام کے اوپر حب کا مقام ہے۔ جو ان تینوں اعتباروں کا جامع اور ان کا اجمال ہے اور مقام رضا مقام محبت و حب کے اوپر ہے۔ کیونکہ محبت میں نسبتیں اجمالی اور تفصیلی طور پر پائی جاتی ہیں اور مقام رضا میں نسبتیں حذف ہوتی ہیں۔ جو حق تعالیٰ کی ذات کے مناسب ہیں۔

مقام رضا کے اوپر حضرت خاتم الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سوا کسی کا قدم نہیں۔ شاید جو اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ لَمْ يَنْفَعِ اللّٰهُ وَفَتْ لَا يَسْعُنِيْ فِيْهِ مَلِكٌ مُّقْرَبٌ وَلَا نَبِيٌّ مُّرْسَلٌ (اللہ تعالیٰ کے ساتھ میرا ایک ایسا وقت ہے۔ جس میں کسی فرشتہ مقرب اور نبی مرسل کو دخل نہیں) اسی مقام کی نسبت خبر دی ہے۔

اور ایک حدیث قدسی میں وارد ہے کہ **يَا مُحَمَّدُ اَنَا وَ اَنْتَ وَمَا سِوَنِكَ خَلَقْتُ لِاجْلِكَ فَقَالَ مُحَمَّدٌ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ وَمَا اَنَا وَمَا سِوَنِكَ تَرَكْتُ لِاجْلِكَ** (اے محمد ﷺ میں اور تو اور تیرے سوا جو کچھ ہے۔ سب تیرے لئے پیدا کیا ہے۔ پھر حضرت محمد ﷺ نے کہا کہ یا اللہ تو ہے اور میں نہیں اور میں نے تیرے سوا سب کچھ تیرے لئے ترک کر دیا) شاید اسی خصوصیت کی طرف اشارہ ہے۔

آج محمد رسول اللہ ﷺ کی شان کو کیا پاسکیں اور ان کی عظمت و بزرگی اس جہان میں کیا پہچان سکیں۔ کیونکہ سچ جھوٹ کے ساتھ اور حق باطل کے ساتھ اس جہان میں ملا ہوا ہے۔ قیامت کے دن ان کی بزرگی معلوم ہوگی۔ جب کہ پیغمبروں کے امام ہوں گے اور ان کی شفاعت کریں گے اور حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ان کے جھنڈے کے نیچے ہونگے۔ اس موطن خاص میں جو مقام رضا کے اوپر ہے اگر ان کے پس خوردہ کھانے والے خادموں میں سے کسی خادم کو وراثت و جمعیت کے طور پر جگہ دیدیں اور ان کے طفیل اس بارگاہ کا محرم بنادیں۔ تو کوئی بڑی بات نہیں۔ ع بر کریمیاں کار ہاد شوار نیست ترجمہ - خدیو پر نہیں یہ کام دشوار

اس بات سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر غیر کی زیادتی اور برتری لازم نہیں آتی۔ خادم اپنے مخدوم کے ساتھ کب برابر ہوتا ہے اور تابع کو اپنے متبوع کے ہمسروں کے ساتھ کیا نسبت۔ اصل مقصود بالذات ہوتا ہے اور تابع طفلی تابع کا معاملہ صرف ایک جزئی فضیلت تک ہی ہوتا ہے جس میں کچھ حرج نہیں۔ کیونکہ ہر ایک جو لاہا اور حجام اپنی صنعت کے اعتبار سے ہر ذی فنون عالم پر فضیلت رکھتا ہے۔ جو اعتبار سے ساقط ہے۔

ہمارا اکھام اشارات اور رموز اور بشارات اور ایسے خزانے ہوتے ہیں کہ جب تک حسن ظن کے ساتھ ان کی تصدیق نہ کریں۔ کسی کو ان کا حصہ نہیں ملتا اور نہ ہی ان سے کوئی ثمرہ اور نفع پاسکتا ہے۔ واللہ سُبْحَانَهُ الْمَوْفِقُ (اللہ تعالیٰ توفیق دینے والا ہے)

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اَتَّبَعَ الْهُدٰی وَالتَّزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی جَمِیْعِ اِخْوَانِهِ مِنَ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَالْمَلَائِكَةِ الْمُقَرَّبِیْنَ مِنَ الصَّلٰوَاتِ اَفْضَلُهَا وَمِنَ التَّسْلِیْمَاتِ اَكْمَلُهَا (سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی متابعت کو لازم پکڑا)

مکتوب ۸

اخص خواص اور عوام اور متوسطوں کے ایمان بالغیب کے درمیان فرق کے بیان میں خانخاناں کی طرف صادر فرمایا ہے:-

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کیلئے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو)۔ ع

از ہر چہ میر و د خن دوست خوشتر است

ترجمہ کلام یار بہتر ہے کلاموں سے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَ اِذَا سَأَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَانِّیْ قَرِيْبٌ (جب میرے بندے تجھ سے میری نسبت سوال کریں تو میں قریب ہوں) اور جگہ فرماتا ہے۔ مَا يَكُوْنُ مِنْ نُّجُوْیِ ثَلَاثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا اَدْنٰی مِنْ ذٰلِكَ وَلَا اَكْثَرُ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَمَا كَانُوْا (جہاں تین آدمی مشورہ کریں وہاں چوتھا اللہ تعالیٰ ہوتا ہے اور اگر پانچ ہوں تو چھٹا خدا ہوتا ہے اور خواہ ان سے زیادہ ہوں یا کم۔ ہر حال میں اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہوتا ہے۔)

حق تعالیٰ کی قرب و معیت اس کی ذات کی طرح پیچون و پیچون ہے۔ کیونکہ چون کو پیچون کی طرف کوئی راہ نہیں اور اس قرب و معیت سے جو ہمارے عقل و فہم یا کشف و شہود میں آسکے حق تعالیٰ منزہ و مبرا ہے کیونکہ یہ بات مذہب مجسمہ میں قدم رکھتی ہے۔

ہم ایمان لاتے ہیں کہ حق تعالیٰ ہمارے قریب اور ساتھ ہے۔ لیکن قرب و معیت کے معنی ہم نہیں جانتے کہ کیا ہیں۔ اس جہان میں کاملوں کا اعلیٰ نصیب حق تعالیٰ کی ذات و صفات سے غیب کے ساتھ ایمان لانا ہے۔ بیت

دور بینان بارگاہ الست پیش ازیں پے نبرہ اند کہ ہست پیش

ترجمہ بارگاہ الست کے محرم ہست سے آگے لے گئے نہ قدم

ایمان بالغیب جو اخص خواص کے نصیب ہے۔ عوام کے ایمان بالغیب کی طرح نہیں ہے عوام نے سماع اور استدلال کے ساتھ ایمان غیب حاصل کیا اور اخص خواص نے جمال و جلال کے ظلال اور تجلیات و ظہورات کے پردوں کے پیچھے غیب الغیب کا مطالعہ کر کے ایمان غیب حاصل کیا ہے اور متوسطہ ظلال کو اصل خیال کر کے اور تجلیات کو عین متجلی جان کر ایمان شہودی کے ساتھ خوش ہیں۔ ان کے حق میں ایمان بالغیب نصیب اعدا ہے۔ کُلُّ جَزْبٍ بَمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ (ہر ایک گروہ اپنے اپنے طریق پر خوش ہے)

دیگر آپ کو تکلیف دی جاتی ہے کہ مولانا عبدالغفور اور مولانا حاجی محمد خاص یاروں میں سے ہیں۔

ان کے ساتھ جس طرح کا احسان و سلوک کریں گے۔ فقیر کی احسان مندی کا موجب ہو گا۔ ع

بر کریمیاں کار ہاد شوار نیست ترجمہ۔ کریموں پر نہیں مشکل کوئی کام

مکتوب ۹

کلمہ طیبہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کے فضائل اور مقام تنزیہ کی تحقیق اور اس بیان میں کہ ایمان بغیب اس وقت متحقق ہوتا ہے جب کہ معاملہ اقربیت تک پہنچ جائے۔ کیونکہ یہ معاملہ وہم و خیال کے ضبط سے باہر ہے۔ ملاعارف حقنی کی طرف صادر فرمایا ہے:-
 الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَى (اللہ تعالیٰ کیلئے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو)

مولانا محمد عارف حقنی کو چاہئے کہ پہلے باطل خداؤں کی نفی کر کے معبود برحق جل شانہ کا اثبات کرے اور جو کچھ چونی اور چندی کے داغ سے موسوم ہو۔ اس کو لا کے نیچے داخل کر کے خدائے نیکون کے ساتھ ایمان لائے۔ سب سے بڑھ کر عبادت کلمہ طیبہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کی نفی و اثبات میں ہے۔ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ تمام ذکروں سے افضل ذکر لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ہے۔ نیز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اس طرح فرمایا ہے کہ اگر میرے سوا سات آسمانوں اور سات زمینوں کو ایک پلہ میں اور کلمہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کو دوسرے پلہ میں رکھا جائے تو کلمہ والا پلہ بھاری ہوگا۔ کیوں افضل و راجح نہ ہو۔ جبکہ اس کا ایک کلمہ تمام ماسوائے حق یعنی آسمانوں زمینوں اور عرش و کرسی و لوح و قلم و عالم و آدم کی نفی کرتا ہے اور اس کا دوسرا کلمہ معبود برحق کا اثبات کرتا ہے۔ جو زمینوں اور آسمانوں کا پیدا کرنے والا ہے حق تعالیٰ کے ماسوا جو کچھ نفس و آفاق میں ہے سب چونی اور چندی کے داغ سے لتھڑا ہوا ہے۔ پس جو کچھ آفاق و انفس کے آئینوں میں جلوہ گر ہو۔ بطریق اولے چند و چون ہوگا۔ جو نفی کے لائق ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو کچھ ہمارے علم و وہم میں آسکے اور جو ہمارا مشہود و محسوس ہو۔ سب چونی اور چگونگی سے متصف اور حدوث و امکان کے عیب سے عیب ناک ہے۔ کیونکہ ہمارا معلوم و محسوس ہمارا اپنا تراشا اور بنایا ہوا ہے۔ وہ تنزیہ جس کا تعلق ہمارے علم سے ہے۔ عین تشبیہ ہے اور وہ کمال جو ہمارے فہم میں آسکے عین نقص ہے۔ پس جو کچھ ہم پر متجلی اور مکشوف اور مشہود ہو۔ وہ سب حق تعالیٰ کا غیر ہے حق تعالیٰ اس سے وراء الراء ہے۔ حضرت خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں اَتَعْبُدُونَ مَا تَنْحِتُونَ وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ (کیا تم ان چیزوں کی عبادت کرتے ہو جو تم اپنے ہاتھ سے بناتے ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تم کو اور تمہارے عملوں کو پیدا کیا ہے۔)

ہمارا اپنا تراشا ہو اور بنایا ہو خواہ ہاتھ کے ذریعے ہو خواہ عقل و وہم کے ساتھ۔ سب حق تعالیٰ کا مخلوق ہے۔ جو عبادت کے لائق نہیں۔ عبادت کے لائق وہی خدائے نیکون و بیچگون ہے۔ جس کے

۱۰۔ امن اور اک سے ہماری عقل و وہم کا ہاتھ کوتاہ ہے اور ہماری کشف و شہود کی آنکھ اس کی عظمت و جلال کے مشاہدے سے خیر و اور تباہ ہے۔ ایسے خدائے بپتون و نیچکون کے ساتھ غیب کے طریق کے سوا ایمان میسر نہیں ہوتا۔ کیونکہ ایمان شہود حق تعالیٰ کے ساتھ ایمان نہیں ہے۔ بلکہ اپنی تراشیدہ اور بنائی ہوئی چیز کے ساتھ ہے۔ کہ وہ بھی حق تعالیٰ کی مخلوق ہے۔ گویا ایمان شہود غیر کے ایمان کو حق تعالیٰ کے ایمان کے ساتھ شریک کرنا ہے بلکہ صرف ایمان بغیر ہے۔ اَعَاذُنَا اللّٰهُ سُبْحَانَهُ عَنْ ذٰلِكَ (اس سے اللہ تعالیٰ ہم کو بچائے)

ایمان بالغیب اس وقت میسر ہوتا ہے۔ جبکہ تیز رفتار و ہم کی جولانی نہ رہے اور وہاں کی کوئی چیز قوت متخیلہ میں منتقل نہ ہو اور یہ بات حق تعالیٰ کی اقریت میں ثابت ہوتی ہے جو وہم و خیال کے احاطہ سے باہر ہے۔ کیونکہ جس قدر زیادہ دور ہوں اسی قدر وہم کا جولان زیادہ ہوتا ہے اور اسی قدر زیادہ خیال کا غلبہ پڑتا ہے۔ یہ دولت انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہے اور ایمان بالغیب بھی انہی بزرگواروں کے نصیب ہے اور جس کسی کو کہ چاہتے ہیں ان کی تبعیت و وراثت کے سبب اس دولت سے مشرف کرتے ہیں اور وہ ایمان غیب جو عوام کو حاصل ہے۔ وہم کے احاطہ سے باہر نہیں کیونکہ وراء الوراہ عوام کے نزدیک بعد اور دوری کی جانب میں ہے جو وہم کا جولانگاہ ہے اور ان بزرگواروں کے نزدیک وراء الوراہ قرب کی جانب میں ہے جہاں وہم کی مجال نہیں۔ جب تک دنیا قائم ہے اور حیات دنیا کے ساتھ زندہ ہیں۔ ایمان غیب سے چارہ نہیں۔ کیونکہ ایمان شہود اس جگہ معلول ہے۔ جب عالم آخرت پر توڑا لے گا اور وہم و خیال کی صورت کو توڑ دے گا تو پھر ایمان شہود مقبول ہو گا اور تراشنے اور بنانے کی علت سے پاک و مبرا ہو گا۔

میرے خیال میں جب حضرت محمد رسول اللہ ﷺ دنیا میں دولت رویت سے مشرف ہوئے۔ تو ان کے حق میں اگر ایمان شہودی ثابت کریں تو زیبا اور محمود ہے اور اپنی طرف سے بنانے اور تراشنے سے صاف آزاد ہے۔ کیونکہ جس چیز کا اوروں کے لئے قیامت کا وعدہ ہے۔ ان کو اسی جگہ میسر ہے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ

جاننے چاہئے کہ کلمہ نفی کو حضرت خلیل علیہ السلام نے پورا کیا تھا اور شرک کے دروازوں میں سے کوئی دروازہ نہ چھوڑا جس کو بند نہ کیا ہو۔ اسی واسطے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے امام اور پیشوا بن گئے۔ کیونکہ اس جہان میں نہایت کمال اس نفی کے کامل کرنے پر وابستہ ہے اور کلمہ طیبہ کے اثبات کے کمالات کا ظہور عالم آخرت پر موقوف ہے۔

حاصل کلام یہ کہ جب حضرت خاتم المرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام اس جہان میں رویت کی دولت

سے مشرف ہوئے۔ تو انہوں نے کلمہ اثبات کے کمالات سے بھی کامل حصہ پایا اس صورت میں کہہ سکتے ہیں۔ کہ کلمہ اثبات اس جہان کے اندازے کے موافق ان کی بعثت سے کامل و تمام ہو گیا۔ یہی وجہ ہے کہ تجلی ذات ان کے حق میں اسی جہان میں ثابت کرتے ہیں اور دوسروں کے حق میں آخرت پر موعود جانتے ہیں۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اَتَّبَعَ الْهُدٰی وَالنَّزَمَ مُتَابِعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ مِنْ الصَّلٰوٰتِ اَفْضَلُہَا وَمِنْ التَّسْلِیْمٰتِ اَكْمَلُہَا (سلام اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی متابعت کو لازم پکڑا)

مکتوب ۱۰

اس بیان میں کہ جو ظہور ہوتا ہے۔ ظلیت کی آمیزش کے بغیر نہیں ہوتا۔ برخلاف اس ظہور کے جو عرش پر واقع ہو اور جب قلب اپنی نہایت کمال تک پہنچ جاتا ہے۔ تو انوار عرش سے نور اقتباس کر لیتا ہے۔ حقائق آگاہ برادر حقیقی میاں محمد مودود کی طرف صادر کیا ہے۔

شیخ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر عرش اور جو کچھ عرش میں ہے سب عارف کے دل کے گوشہ میں رکھ دیں تو عارف کو قلب کی فراخی کے باعث کچھ محسوس نہ ہو۔

شیخ جنید رحمۃ اللہ علیہ اس بات کی تائید کرتے ہیں اور دلیل کے ساتھ ثابت کرتے اور کہتے ہیں کہ جب حادث قدیم کے ساتھ مل جاتا ہے تو اس کا اپنا اثر کچھ باقی نہیں رہتا یعنی عرش و ما فیہا حادث ہے اور عارف کا قلب جو انوار قدم کے ظہور کا محل ہے۔ جب اس حادث کو اس قلب کے ساتھ ملنے کا اتفاق ہوتا ہے۔ تو متضلل اور متلاشی یعنی فانی و ناچیز ہو جاتا ہے۔ پھر کس طرح محسوس ہو سکے۔

بڑے تعجب کی بات ہے کہ جب صوفیہ کے رئیس یعنی سلطان العارفین اور سید الطائفہ اس طرح کہیں اور عرش مجید کا قلب عارف کے مقابلہ میں کچھ اعتبار نہ کریں اور عرش کو انوار قدم کے ظہورات سے خالی جان کر حادث کہہ دیں اور قلب کو انوار قدم کے ظہورات کے باعث قدیم بیان کریں تو پھر اوروں کا کیا ذکر ہے۔

اس فقیر کے نزدیک جو جذبات الہی سے تربیت یافتہ ہے۔ یہ ہے کہ عارف کا قلب جب اپنی خاص استعداد کے موافق نہایت نہایت تک پہنچ جاتا ہے اور وہ کمال حاصل کر لیتا ہے۔ جس سے بڑھ کر اور کمال متصور نہیں۔ تو اس بات کی قابلیت پیدا کر لیتا ہے کہ انوار عرش کے ظہور کے بے نہایت لمعات میں سے ایک لمحہ اس پر فائز ہو۔ اس لمحہ کو ان لمعات کے ساتھ وہ نسبت ہوتی ہے۔ جو قطرے کو دریائے محیط کے ساتھ ہوتی ہے۔ بلکہ اس سے بھی کم ہوتی ہے۔ عرش وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ عظیم فرماتا ہے اور جس پر استواء کا سر ثابت کرتا ہے۔ قلب عارف کو جامعیت کے باعث تشبیہ اور تمثیل کے

طور پر عرش اللہ کہتے ہیں۔ یعنی جس طرح عرش مجید عالم کبیر میں عالم خلق اور عالم امر کے درمیان برزخ ہے اور خلق و امر کی دونوں طرفوں کا جامع ہے۔ اسی طرح قلب بھی عالم صغیر میں عالم خلق اور عالم امر کے درمیان برزخ ہے اور اس عالم کے خلق و امر کی دونوں طرفوں کا جامع ہے۔ پس قلب کو بھی تشبیہ کے طور پر عرش کہہ سکتے ہیں۔

جاننا چاہئے اور غور سے سننا چاہئے کہ انوار قدم کے ظہور کی قابلیت جو ظلیت کی ملاوٹ سے منزہ اور مبرا ہے۔ وہ عرش مجید کے ساتھ مخصوص ہے۔ یہ قابلیت عرش مجید کے سوانہ عالم خلق رکھتا ہے اور نہ عالم امر نہ عالم کبیر نہ عالم صغیر۔

عارف کامل کا قلب بھی جامعیت اور برزخیت کے تعلق کے باعث ان انوار سے نور اقتباس کر لیتا ہے اور دریا سے ایک چلو بھر لیتا ہے۔ عرش اور کامل معرفت والے عارف کے دل کے سوا اور جس قدر ظہور ہیں۔ سب پر ظلیت کا داغ ہے اور کسی میں اصل کی بو نہیں۔ بایزید رحمۃ اللہ علیہ اگر سکر کے باعث اس طرح کہہ دیں۔ تو مناسب ہے لیکن جنیدؒ سے جو صحو کا مدعی ہے۔ اس قسم کی کلام کا صادر ہونا نہایت ہی ناخوش اور نامناسب ہے۔ لیکن کیا کریں۔ وہ حقیقت معاملہ سے واقف ہی نہیں ہوئے اور دریائے ظلیت کے بھنور سے کنارہ تک نہیں پہنچے۔ یہ بات اگرچہ اکثر خلق کی نظر میں آج بعید اور عجیب دکھائی دیتی ہے۔ لیکن آج کے آگے کل نزدیک ہے۔ جلدی نہ کریں۔ اِنِّیْ اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ (اللہ تعالیٰ کا امر آگیا۔ جلدی نہ کرو) سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰی عَمَّا یَشْرُکُوْنَ (اللہ تعالیٰ شرک کی باتوں سے پاک ہے) وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اَتٰتَبَعَ الْهُدٰی وَالتَّوَمُّ مَتَابَعَةُ الْمُصْطَفٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی الْوَسَلَوَاتِ وَالْتَّسْلِیْمَاتِ الْعَلٰی وَ عَلٰی جَمِیْعِ الْاَنْبِیَآءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَ عَلٰی الْمَلَائِکَةِ الْمُقَرَّبِیْنَ وَ عَلٰی سَائِرِ الصَّالِحِیْنَ وَ عَلٰی الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ اَجْمَعِیْنَ (سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی متابعت کو لازم پکڑا۔)

مکتوب ۱۱

فوق عرشی کے ظہور کی بعض خصوصیتوں اور آیت کریمہ اللہ نور السموات والارض کے تاویلی معنوں اور انسان کے بعض خاص کمالوں اور جزوارضی کی فضیلتوں کے بیان میں حقائق و معارف آگاہ مظہر فیض الہی محمد الدین خواجہ محمد معصوم کی طرف صادر فرمایا ہے:-

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی نَبِیِّہٖ وَنُسَلِّمُ عَلَیْہِ وَعَلٰی الْاَلِ الْکَرَامِ (ہم اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے ہیں اور اس کے نبی اور اس کی آل بزرگ پر صلوٰۃ و سلام بھیجتے ہیں)

عالم کبیر باوجود وسعت اور تفصیل کے چونکہ ہیئت وحدانی نہیں رکھتا۔ اس لئے بسیط حقیقی (جو تمام نسبتوں اور اعتباروں سے مجرد اور شیون و صفات کی تفصیلوں سے معرا ہے) کے ظہور کی قابلیت نہیں رکھتا۔ عالم کبیر کے اجزاء میں سے اشرف جزو حضرت رحمن کا عرش ہے جو حضرت ذات جامع صفات جل شانہ کے انوار کے ظہور کا مقام ہے۔ عرش مجید کے سوا باقی جو کچھ کہ عالم کبیر میں سے ہے۔ سب کے ظہورات ظلیت کی آمیزش سے خالی نہیں۔ اسی واسطے رب العالمین نے استواء کے سر کو عالم کبیر کے اجزاء میں سے عرش مجید کے ساتھ جو اس کی اجزائیں سے افضل و اشرف ہے۔ مخصوص کیا ہے۔ کیونکہ ظلال میں سے کسی ظل کا ظہور در حقیقت حق تعالیٰ کا ظہور نہیں تاکہ استواء کی عبارت میں ادا کیا جائے۔ نیز وہ ظہور جو وہاں ہے دائمی ہے اور کوئی پردہ در میان حائل نہیں۔ اگرچہ زمین و آسمان کا نور اللہ تعالیٰ ہی ہے لیکن وہ نور ظلال کے پردوں سے ملا ہوا ہے اور ظلیت کے واسطے کے بغیر ان میں ظہور نہیں فرمایا۔ یہ سب ظہورات ظہور عرشی کے انوار سے مقتبس ہیں۔ جنہوں نے ظلال میں سے کسی ظل کے پردہ میں پوشیدہ ہو کر ظہور فرمایا ہے جس طرح کہ دریائے محیط سے برتنوں کے ذریعے پانی ہر جگہ لے جائیں اور اس سے فائدہ اٹھائیں یا ایک بڑے مشعل سے چھوٹے چھوٹے چراغوں کو جلا کر اطراف و اکناف کو ان چراغوں سے روشن کر لیں۔

آیت کریمہ: اَللّٰهُ نُورُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مِثْلُ نُوْرٍ مِّثْلُ نُوْرٍ كَمِشْكُوْرَةٍ فِیْہَا مِصْبَاحٌ مِّنْ الْمِصْبَاحِ فِیْ رُجَاجٍ ۚ كَاٰنْہَا كَوْكَبٌ دُرِّیٌّ یُّوقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبَارَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَا شَرْقِیَّةٍ وَلَا غَرْبِیَّةٍ یَّكَادُ زَیْتُہَا یُضِیُّ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْہُ نَارٌ نُّوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ (اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک چراغدان ہو اور اس کے اندر چراغ ہو اور چراغ ایک شیشے میں ہو۔ وہ شیشہ گویا ایک چمکدار ستارہ ہے جو زیتون کے مبارک درخت سے روشن کیا گیا ہو۔ نہ شرقی ہو نہ غربی اور اس کا تیل آگ کے بغیر ہی روشنی دیتا ہو اور بہت روشن ہو) میں انہی معارف کی طرف اشارہ ہے۔

کیونکہ آیت کریمہ میں تمثیل کو اسی واسطے اختیار کیا ہے تاکہ ان میں اس نور کے ظہور کو بلا واسطہ نہ سمجھ لیں اور ظل کو اصل سے مشتبہ نہ کریں۔ اور نور ظل کو نور اصل سے مقتبس اور روشن شدہ خیال کریں، یُہْدِی اللّٰهُ لِلنُّوْرِ مَنْ یَّشَآءُ (اپنے نور کی طرف جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے) آیت کریمہ اللہ تعالیٰ کی مراد پر محمول ہے لیکن ہم اس کی تاویل کرتے ہیں جو ہم پر کشف ہوئی ہے۔ جس کو ہم اللہ تعالیٰ کی مدد اور حسن توفیق سے بیان کرتے اور کہتے ہیں۔ اَللّٰهُ نُورُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اللہ تعالیٰ حجاب نہیں ہے۔ صفات کا ذات کیلئے حجاب ہونا ظہورات ظلیہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ کیونکہ ظہورات ظلیہ مرتبہ علم میں ہیں اور ظہور اصل مقام عین میں۔ علم میں صفات ذات کا حجاب ہیں نہ عین

میں۔ مثلاً زید کو جب تو مرتبہ علم میں تعقل و تصور کرے تو اس کا ظہور علم میں صفات کے ساتھ ہوگا۔ یعنی دراز قد ہے یا پست قد۔ عالم ہے یا جاہل۔ چھوٹا ہے یا بڑا۔ شاعر ہے یا کاتب۔ یہ سب صفات جن کا تو نے تصور کیا۔ اس کی ذات کا حجاب ہو گئے۔ اور یہ سب تقیدات کلیہ اس کے تشخص کیلئے مفید نہ ہو گئے لیکن جب زید علم سے عین میں آجائے گا اور باوجود صفات کے مشہود ہو جائیگا اور معاملہ ظلیت سے اصالت تک پہنچ جائے گا۔ کیونکہ زید کی علمی صورت زید موجود خارجی کیلئے جو اس کا اصل ہے ظل کی طرح ہے تو یہاں صفات اس کی ذات کا حجاب نہ ہو گئے۔ صفات کا جامع شخص محسوس ہوگا۔

اسی طرح مراتب ظلال اور تصورات مثال میں حق تعالیٰ کے صفات اس کی ذات سے جدا دکھائی دیتے ہیں لیکن جب اصل تک وصول میسر ہو جائے تو صفات کو ذات سے الگ نہ پائیں گے اور ذات کا شہود صفات کے شہود سے الگ نہ ہوگا۔ تجلی صفات کو جو تجلی ذات سے جدا کرتے ہیں اور تجلی افعال کو الگ جانتے ہیں سب مقامات ظلال میں ہے۔ اصل تک وصول کے بعد ایک ہی تجلی ہے جو تجلیات ثلاثہ کو شامل ہے۔ مثلاً زید کو جب دیکھتے ہیں تو اس کی ذات کا شہود اس کی صفات کے شہود سے جدا نہیں۔ اسی وقت میں کہ جب زید کو دیکھتے ہیں۔ معلوم کرتے ہیں کہ وہ عالم و فاضل ہے۔ علم و فضل جسطرح اس کی رویت کا حجاب نہیں۔ اسی طرح اس سے جدا بھی نہیں۔ ہاں اگر زید کو تصور کریں اور ظلی صورتوں میں اس کا ادراک کریں تو اس صورت میں صفات اس کی ذات سے الگ ہو گئی اور ذات کا حجاب بن جائیگی۔ جیسے کہ گزر چکا۔

کیا نہیں جانتے کہ آخرت میں مرئی وہ ذات ہے جو جامع صفات ہے نہ وہ ذات جو اسماء و صفات سے معرا ہے کیونکہ وہ مجرد اعتبار ہی اعتبار ہے۔ اس لئے کہ ذات ہرگز صفات سے مجرد نہیں اور صفات ذات سے ہرگز الگ نہیں ہیں۔ الگ اس اعتبار سے کہتے ہیں کہ عارف پر جب حق تعالیٰ کی ذات کی گرفتاری غالب آجاتی ہے تو اس کی نظر سے اسماء و صفات کا ملاحظہ ساقط ہو جاتا ہے اور ذات احدیت کے سوا اس کے مشاہدہ میں کچھ نہیں آتا پس ذات کا صفات سے الگ ہونا عارف کی نظر کے اعتبار سے ہے۔ (آسمانوں اور زمین کا نور ہے) نور وہ ہے جس سے چیزیں روشن ہوتی ہیں۔ آسمان اور زمین، حق تعالیٰ کے ساتھ روشن ہوئے ہیں۔ کیونکہ حق تعالیٰ ہی نے ان کو عدم کے اندھیرے سے نکالا ہے اور وجود اور اس کے توابع کے ظلال کے ساتھ متصف کر کے منور کیا ہے۔ آسمانوں اور زمین کو جو اس نور سے روشن ہوئے ہیں مشکوٰۃ کی طرح تصور کرنا چاہئے اور اس نور کو چرائیگی کی مانند جاننا چاہئے۔ جو اس مشکوٰۃ میں رکھا ہوا ہے۔ مشکوٰۃ پر کاف تمثیل کا آنا مصباح پر مشکوٰۃ کے شامل ہونے کیلئے ہے اور زجاجہ سے اسماء و صفات کا پردہ ملاحظہ کرنا چاہئے۔ کیونکہ وہ نور اسماء و صفات کے ساتھ ملا ہوا ہے اور شیون و اعتبارات سے معرا

نہیں اور حق تعالیٰ کی صفات کا زجاجہ حسن و جوب اور جمال قدم میں ستارہ روشن کی طرح ہے اور وہ مصباح جو اس مشکوٰۃ میں رکھا ہے۔ زیتون کے مبارک درخت سے روشن ہوا ہے جو عرش کے اس ظہور جامع سے مراد ہے جس ظہور کی رمزوں میں سے استوا ایک رمز ہے کیونکہ دوسرے ظہورات جو آسمانوں اور زمینوں سے تعلق رکھتے ہیں اس ظہور جامع کے اجزاء کی طرح ہیں وہ ظہور جامع چونکہ لامکانی اور بے جہت ہے اس واسطے اس کو لَا شَرْقِيَّةَ لَا غَرْبِيَّةَ کہہ سکتے ہیں۔ يٰكَادُ زَيْنُهَا يُبْصِرُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ میں اس مبارک درخت کی تعریف اور اس درخت کے تیل کی صفائی اور روشنی کا بیان ہے جس کے ساتھ اس کو تمثیل دی گئی ہے۔ نُورٌ عَلَى نُورٍ یعنی اس پردہ زجاجہ نے اپنی صفائی اور چمک دمک کے باعث اس نور کو زیادہ کر دیا ہے اور اس کے حسن و جمال کو بڑھا دیا ہے۔ کیونکہ کمالات صفات کمالات ذات کے ساتھ جمع ہو گئے ہیں اور صفات کا حسن ذات کے حسن کے ساتھ مل گیا ہے۔ باوجود نور کی زیادتی اور کمال ظہور کے يَهْدِي اللّٰهُ لِنُورِهِ مَنْ يَّشَاءُ (جس کو چاہتا ہے اللہ تعالیٰ اپنے نور کی طرف ہدایت دیتا ہے) ہاں سچ ہے۔ مَنْ لَمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهُ نُورًا فَمَا لَهُ مِنْ نُّورٍ (جس کو اللہ تعالیٰ نے نور نہیں دیا اس کیلئے کوئی نور نہیں)۔

یہ ظہور جامع جو عرش سے منسوب ہے۔ تمام مشاہدات و معائنات و مکاشفات کا مفتی اور تمام تجلیات و ظہورات کا انتہا ہے خواہ تجلی ذاتی ہو اور خواہ تجلی صفاتی۔ اس کے بعد معاملہ جہل کے ساتھ آپڑتا ہے۔ چنانچہ اس کا تھوڑا سا حال بیان کیا جائیگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

یہ ظہور جامع اگرچہ صفات کے ساتھ ملا ہوا ہے لیکن صفات اس مقام میں ذات کے نہ کہ خارج اور نفس الامر کے اعتبار سے۔ جیسے کہ اس کی تحقیق انشاء اللہ تعالیٰ آگے آئیگی۔ نیز یہ ظہور جامع مثال کی تصویروں کا مفتی ہے۔ بعد ازاں جو کمال ظاہر ہوتا ہے۔ مثال کے آئینہ میں اس کی تصویر نہیں پا سکتے۔ کیونکہ مثال میں اس امر کی تصویر دکھاتے ہیں جو خارج کے ساتھ مناسبت و مشابہت رکھتا ہو۔ اگرچہ وہ مشابہت اسم میں ہو لیکن وہ امر جو خارج میں کسی چیز کیساتھ کسی طرح مشابہت نہیں رکھتا۔ اس کی تصویر مثال میں محال ہے۔ اس سے اوپر کے کمالات سب اسی قسم کے ہیں کہ وہ کسی چیز کے ساتھ کسی طرح بھی مشابہ نہیں۔ تاکہ مثال میں ان کی تصویر ظاہر کی جائے۔

یہی وجہ ہے کہ اس مقام میں ہر وقت جہل دا من گیر ہے اور ادراک کا نہ ہونا ادراک کا نشان ہے۔ اگرچہ اس جہان میں اس مقام سے سوائے جہل با علم کے اور کوئی امر حاصل نہیں ہوا۔ لیکن امید ہے کہ آخرت میں ایسی قوت بخشیں گے اور ایسا دل دینگے جو نور کی چمک میں متلاشی اور ناچیز نہ ہو گا اور معاملہ کی اصلیت سے آگاہ ہوگا۔ بیت

ترجمہ: دل مجھے دے کے پھر دلیری دیکھ اپنی رو بہ بنا کے شیریں دیکھ
تو مرادل دہ و دلیری بہ ہیں رو بہ خویش خوان و شیریں ہیں

آگاہ ہو کہ فوق العرش کا ظہور تجھے وہم میں نہ ڈالے کہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ کا مقام و قرار عرش کے اوپر ہے۔ اور جہت و مکان اس کیلئے ثابت ہے۔ تَعَالٰی اللّٰہُ عَنْ ذٰلِكَ وَعَمَّا لَا يَلِیْقُ بِجَنَابِ قُدْسِہِ تَعَالٰی (اللہ تعالیٰ کی پاک جناب ایسی باتوں سے جو اس کے لائق نہیں ہیں برتر اور بلند ہے)۔

آئینہ میں زید کی صورت کے ظاہر ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ زید آئینے میں ٹھہرا ہوا ہے ایسا وہم شاید کسی بے وقوف ہی کو ہو گا۔ وَلِلّٰہِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی (اعلیٰ مثال اللہ ہی کیلئے ہے)۔

مومن آخرت میں حق تعالیٰ کو بہشت میں دیکھیں گے حالانکہ بہشت اور غیر بہشت سب اللہ تعالیٰ کے نزدیک برابر اور اسی کی مخلوق ہیں اور وہ تجلی جو کوہ طور پر واقع ہوئی تھی۔ حالت و محلیت کی آمیزش سے پاک تھی۔

حاصل کلام یہ کہ بعض جگہیں ظہور کی قابلیت رکھتی ہیں اور بعض میں یہ قابلیت نہیں ہوتی۔ آئینہ صورتوں کے ظہور کی قابلیت رکھتا ہے۔ اور گھوڑوں کی فعل میں یہ قابلیت نہیں۔ حالانکہ یہ دونوں لوہے سے بنے ہیں۔ پس فرق مظہر میں ہے نہ ظاہر میں۔ ظاہر یعنی ظہور کر نیوالے کی نسبت سب مظہر برابر ہیں۔ قابل بھی اور ناقابل بھی اور ایسے ہی وہ الفاظ جن سے کلیت یا جزئیت اور حالت و محلیت کا وہم پیدا جاتا ہے۔ وہ ظاہر سے مصروف اور تاویل کے لائق ہیں۔ ایسے الفاظ حق تعالیٰ کی بارگاہ کے مناسب نہیں۔ عبارت کی تنگی کے باعث اس قسم کے الفاظ کو اختیار کیا جاتا ہے۔ بیت

ایں قاعدہ یا ددار کا نجا کہ خداست نہ جزو نہ کل نہ ظرف نہ مظروف است

ترجمہ: یاد رکھو جس جاوہ خداوند زمیں ہے ظرف و مظروف و کل و جزو نہیں ہے
چونکہ قلب عالم صغیر کا عرش ہے اور عالم کبیر کے عرش کے مشابہ ہے۔ جہان کی تجلی میں ظلیت کی آمیزش نہیں۔ اس لئے اس ظلیت کی آمیزش سے خالی تجلی کا ایک لمحہ اس قلب کا حصہ ہے اگرچہ آسمانوں اور زمین کو بھی اسی تجلی کی چمک پہنچی ہے لیکن ظلال میں سے کسی ظل کے پردہ میں ہے۔ سوائے قلب کے جو عرش کی طرح ظلیت کی ملاوٹ سے پاک ہے اگرچہ ظہور چھوٹا بڑا ہونے کے اعتبار سے متفاوت ہے۔

بقدر آئینہ حسن تو سے نماید او

ترجمہ: بقدر آئینہ پاتا ہے تیرا حسن ظہور

پس ظلیت کی آمیزش سے خالی تجلی عرش مجید کے بعد کالمین کے قلب کا حصہ ہے دوسروں کیلئے

ظلیت دامن گیر ہے۔

جاننا چاہئے کہ ظہور عرشی اگرچہ ظلیت کی آمیزش سے پاک ہے لیکن وہاں صفات ذات کے ساتھ ملی ہوئی ہیں اور شیون و اعتبارات ذات میں ثابت ہیں۔ اگرچہ صفات و شیون اس مرتبہ میں ذات کا حجاب نہیں ہیں۔ لیکن دید و دانش میں مشارکت اور محبت و گرفتاری میں برابر مشترک ہیں۔ احدیت مجردہ کی محبت کے گرفتار کسی امر کی شرکت پر راضی نہیں ہیں۔ **اَلَا لِلّٰهِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ** (دین خالص اللہ تعالیٰ ہی کیلئے ہے) کے موافق دین خالص کو چاہتے ہیں۔ صفات کا شریک نہ کرنا انسان کے قلب کی ہیئت وحدانی اور انسان کے جزء ارضی کے نصیب ہے۔ ان سب سے بڑھ کر ایک اور انسان کی ہیئت وحدانی ہے جس نے اس کی جزء ارضی کا رنگ اور اسی کا حکم اختیار کر لیا ہے۔ غرض اس معاملہ میں عمدہ اور بہتر جزء ارضی ہے دوسرے امور زائدہ تحسین و خوبی کی طرح ہیں۔

انسان میں دو چیزیں ایسی ہیں جو عرش میں نہیں ہیں اور نہ ہی عالم کبیر کو ان کا کچھ حصہ ملا ہے۔ انسان میں ایک جزء ارضی ہے جو عرش میں نہیں۔ اور دوسری ہیئت وحدانی ہے جو عالم کبیر میں نہیں اور وہ شعور جو ہیئت وحدانی سے تعلق رکھتا ہے۔ ”نُور“ علیٰ نُور“ ہے۔ جو عالم اصغر کے ساتھ مخصوص ہے۔ پس انسان ایک عجوبہ ہے جس نے خلافت کی لیاقت پیدا کر لی ہے اور بار امانت کو اٹھالیا ہے۔

انسان کی عجیب و غریب خصوصیتوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس کا معاملہ یہاں تک پہنچ جاتا ہے کہ حضرت احدیت مجردہ کے آئینہ بننے کی قابلیت پیدا کر لیتا ہے اور صفات و شیون کے ملنے کے بغیر ذات احد کا مظہر بن جاتا ہے۔ حالانکہ حضرت ذات تعالیٰ ہر وقت صفات و شیونات کی جامع ہے۔ اور صفات و شیونات کسی وقت بھی ذات تعالیٰ سے الگ نہیں ہیں۔

اس کا بیان یہ ہے کہ جب انسان کامل ذات احدیت کے ماسوا کی گرفتاری سے آزاد ہو کر ذات احد سے گرفتاری حاصل کر لیتا ہے اور صفات و شیونات سے کچھ بھی اس کے ملحوظ اور منظور اور مقصود و مطلوب نہیں ہوتا۔ تو **الْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ** کے موافق اس کو حضرت احدیت مجردہ کے ساتھ ایک قسم کا مجہول الکلیفیت اتصال پیدا ہو جاتا ہے اور وہ گرفتاری جو ذات احد کے ساتھ اس کو حاصل ہوتی ہے۔ ذات بچون کے ساتھ قریب چون کی نسبت اس میں ثابت کر دیتی ہے۔ اس وقت انسان کامل ذات احد کا اس قسم کا آئینہ بن جاتا ہے کہ اس میں صفات و شیون کچھ مشہود اور مری نہیں ہوتیں۔ بلکہ احدیت مجردہ اس میں ظاہر اور جلوہ گر ہوتی ہے۔ **سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِیْمِ** وہ ذات جو صفات سے ہرگز جدا نہ تھی۔ اس انسان کامل کے آئینہ میں مجرد اور تنہا طور پر ظاہر اور متجلی ہو گئی اور حسن ذاتی حسن صفاتی سے الگ ہو گیا۔ اس قسم کا آئینہ اور مظہر بننا انسان کامل کے سوا کسی اور کو میسر نہیں ہو اور

حضرت ذات صفات وشیون کی آمیزش کے بغیر انسان کے سوا اور کسی چیز میں جلوہ گر نہیں ہوئی۔ عالم کبیر میں عرش مجید حضرت ذات مکتبہ الصفات کا مظہر ہے اور عالم صغیر میں انسان کامل ذات احد کا مظہر ہے۔ جو اعتبارات سے مجرد ہے۔ اس قسم کا آئینہ اور مظہر بننا انسان کی نہایت عجوبہ باتوں میں سے ہے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْمُعْطٰی لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَاہُ وَلَا مُعْطٰی لِمَا مَنَعَهُ (اللہ تعالیٰ عطا کرنا والا ہے جس کو وہ جو کچھ عطا کرے اس کو کوئی روک نہیں سکتا اور جس سے وہ روک لے اس کو کوئی دے نہیں سکتا) وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اَتْبَعَ الْهُدٰی وَالتَّزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ الصَّلٰوٰتِ وَالتَّحِيَّاتِ الْعُلٰی (سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی متابعت کو لازم پکڑا)۔

مکتوب ۱۲

اس بیان میں کہ فرشتے اگرچہ اصل کا مشاہدہ کرنے والے ہیں اور انسان کا شہود انفس کے آئینہ میں ہے لیکن اس دولت کو انسان میں جزی کی طرح بنایا ہے اور اس کے ساتھ اس کو بقا بخشی ہے اور اس کے مناسب بیان میں معارف آگاہ برادر حقیقی میاں غلام محمد کی طرف صادر فرمایا ہے:-

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو)۔

ملائکہ کرام اصل کا مشاہدہ کرتے اور اسی کی طرف متوجہ ہوتے اور اسی کے ساتھ گرفتاری رکھتے ہیں۔ ظلیت کی آمیزش ان کے حق میں مفقود ہے۔ انسان بیچارہ اس جہان میں دائرہ ظلیت سے بمشکل قدم باہر نکال سکتا ہے اور انفسی اور آفاقی آئینوں کے وسیلوں کے بغیر شہود دائمی بمشکل حاصل کر سکتا ہے۔ اصل تک پہنچنے کے بعد اصل کے انوار کی شعاعوں کا پرتو اس کے قلب کے آئینہ میں جلوہ گر کر کے پھر اس کو عالم کی طرف لوٹا دیتے ہیں۔ اور ناقصوں کی تربیت اس کے حوالہ کرتے ہیں۔ اس رجوع میں اس کی اپنی بھی تربیت ہے اور دوسروں کی بھی۔ کیونکہ اصلی انوار کا وہ پرتو جو اس کی جزی کی طرح بنایا گیا ہے۔ رجوع کی مدت میں دوسرے اجزاء کو بھی اپنے رنگ پر لے آتا اور اپنے رنگ میں رنگ دیتا ہے۔ جس طرح کہ دوسروں کو نقص سے کمال تک لے آتا ہے اور غیب سے شہادت کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور جب اس کی دعوت اور رجوع کی مدت تمام ہو جاتی ہے اور کتاب وقت مقررہ تک پہنچ جاتی ہے تو اس کو اپنے اصل کا شوق پیدا ہو جاتا ہے اور رفیق اعلیٰ کی ندا اس سے نکلتی ہے اور مختلف تعلقات سے آزاد ہو کر غیب سے شہادت کی طرف اسباب لے جاتا ہے اور گوش سے آغوش تک معاملہ آ جاتا ہے۔ اَلْمَوْتُ

جَسْرٌ يُوصِلُ الْحَبِيبَ إِلَى الْحَبِيبِ (موت ایک پل ہے جو یار کو یار سے ملاتا ہے) اس وقت صادق آتا ہے۔

جاننا چاہئے کہ فرشتہ اگرچہ اصل کا مشاہد ہے اور انسان کا شہود انفس کے آئینہ میں ہے۔ لیکن اس دولت کو انسان میں جز کی طرح بنایا ہوا ہے اور اس کے ساتھ اس کو بقا بخشی ہے اور اس کے ساتھ متحقق ہوا ہے۔ برخلاف فرشتہ کے کہ اس دولت کو اس میں جزء کی طرح نہیں بنایا۔ باہر ہی میں نظارہ کرتا ہے اور بقاء و تحقق اس کے ساتھ حاصل نہیں کرتا۔ یہ انصبغ و تلوّن جو انسان کو اصلی رنگ سے میسر ہوا ہے۔ فرشتہ نہیں رکھتا اور وہ خصوصیت جو خاکیوں کو حاصل ہوئی ہے۔ قدسیوں کو حاصل نہیں۔ کیونکہ اندر سے باہر تک بہت فرق ہے۔ اگرچہ اندرونی دولت جزو کی طرح ہوتی ہے اور بیرونی دولت کل کی طرح۔ لیکن اندر اندر ہے اور باہر باہر۔ كَلَّا هُنَا اِشَارَةٌ وَبَشَارَةٌ (ہماری کلام اشارہ اور بشارت ہوتی ہے) اسی واسطے خواص بشر خواص ملک سے افضل ہو گئے اور ان کے ہوتے ہوئے خلافت کے مستحق بن گئے۔ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ (اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت سے خاص کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے)۔ بیت

زمین زادہ بر آسمان تاختہ زمین وزماں را پس انداختہ
ترجمہ زمین زادہ گیا چڑھ آسمان پر زمین و آسمانوں سے گزر کر

یہ دولت انسان کو جزء ارضی کے باعث میسر ہوئی ہے اور قلب کو جو عرش اللہ کہتے ہیں۔ عنصر خاک ہی کی بدولت ہے جو کل کا جامع اور دائرہ امکان کا مرکز ہے۔ ہاں زمین کو اس کی پستی اور عاجزی کے باعث یہ سب رفعت و بلندی حاصل ہوئی ہے اور اس فروتنی نے اس کو بلند کر دیا ہے۔ مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ تَعَالٰی رَفَعَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی (جو اللہ تعالیٰ کیلئے تواضع کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو بلند کرتا ہے) جب انسان رجوع اور دعوت کی مدت کے تمام ہونے اور اصلی رنگ میں رنگے جانے کے بعد اصل کی طرف رجوع کرتا ہے اور جناب پاک کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اس وقت جو خصوصیت اور انبساط جو اس کو میسر ہوتا ہے۔ یقین نہیں کہ دوسروں کو بھی حاصل ہو اور وہ قرب و مرتبہ جو اس کو حاصل ہوتا ہے کسی اور کو حاصل نہیں ہوتا کیونکہ وہ اصل میں ثانی ہو کر اس کے ساتھ بقاء پیدا کر لیتا ہے اور اصل کے رنگ میں رنگا جاتا ہے۔ کسی اور کی کیا مجال ہے کہ اس کے ساتھ برابری کرے۔ کیونکہ دوسروں کا انصبغ یعنی اصل کے رنگ میں رنگا جانا اگرچہ تجرّد و تنزہ کے اعتبار سے اتم و اکمل ہوتا ہے لیکن چونکہ خارج سے آیا ہے اس لئے عارضی کا حکم رکھتا ہے اور انسان کا انصبغ چونکہ درونی ہے۔ اس لئے ذاتی حکم رکھتا ہے مَا بَيْنَهُمَا (ان دونوں میں بہت فرق ہے)۔

یہ کمال انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ کہ جن کو خواص بشر کہتے ہیں مخصوص ہے اور جس کسی کو چاہیں اپنی وراثت اور تبعیت کے طور پر اس دولت سے مشرف کرتے ہیں۔
یہ دولت انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب کو ان کی صحبت کی برکت سے زیادہ تر حاصل تھی۔
اصحاب کرام کے سوا اور لوگ جن کو اس دولت سے مشرف فرماتے ہیں بہت کم بلکہ اس سے بھی کمتر ہیں۔ بیت

اگر پادشہ برادر پیر زن بیاید تو اے خواجہ سیت مکن
ترجمہ اگر بڑھیا کے در پر آئے سلطان تو اے خواجہ نہ ہو ہر گز پریشان
رَبَّنَا اَتِمِّمْ لَنَا نُورَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ "بُحْرَمَةِ سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ عَلَيْهِ
الصَّلَوَاتُ وَالتَّحِيَّاتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ اَكْمَلُهَا وَاتَمُّهَا (ياالله تو حضرت سید المرسلین ﷺ کے طفیل
ہمارے لئے ہمارا نور پورا کر اور ہم کو بخش تو سب چیزوں پر قادر ہے)۔

مکتوب ۱۲

اس بیان میں کہ علماء ظاہر کے نصیب کیا ہے اور صوفیہ علیہ کے حصہ میں کیا آیا ہے
اور علماء راسخین جو انبیاء کے وارث ہیں ان کے نصیب میں کیا ہے مرزا شمس الدین کی
طرف اس کے خط کے جواب میں لکھا ہے:-
حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد واضح ہو کہ آپ کا مبارک خط جو از روئے کرم صادر فرمایا تھا۔
برادر عزیز شیخ محمد طاہر نے پہنچایا اور خودش وقت کیا۔ آپ نے لکھا تھا کہ ملاقات کے حاصل ہونے تک
ایسے مکتوبات کے ساتھ جو نصیحتوں سے پر ہوں یاد فرماتے رہیں۔
میرے مخدوم مکرم النَّصِيْحَةُ هِيَ الدِّينُ وَمَتَابَعَةُ سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ عَلَيْهِ مِنَ الصَّلَوَاتِ
أَفْضَلُهَا وَمِنِ التَّحِيَّاتِ أَكْمَلُهَا (یعنی سب سے اعلیٰ نصیحت یہی ہے کہ حضرت سید المرسلین ﷺ کا
دین اور متابعت اختیار کریں)۔

سید المرسلین کے دین اور متابعت سے علماء ظاہر کا نصیب عقائد درست کرنے کے بعد شرائع و
احکام کا علم اور اس کے موافق عمل ہے اور صوفیہ علیہ کا نصیب بمعہ اس چیز کے جو علماء رکھتے ہیں احوال و
مواجید اور علوم و معارف ہیں اور علماء راسخین کا نصیب جو انبیاء کے وارث ہیں۔ بمعہ اس چیز کے جو عالم
رکھتے ہیں اور بمعہ اس چیز کے جس کے ساتھ صوفیہ ممتاز ہیں وہ اسرار و دقائق ہیں جن کی نسبت
مشابہات قرآنی میں رمز و اشارہ ہو چکا ہے اور تاویل کے طور پر درج ہو چکے ہیں یہی لوگ متابعت میں
کامل اور وراثت کے مستحق ہیں۔ یہ لوگ وراثت و تبعیت کے طور پر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی خاص

دولت میں شریک اور بارگاہ کے محرم ہیں۔

اسی واسطے عَلَمَاءُ اُمْتِیْ كَا نَبِیَّاءُ بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ (میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے پیغمبروں کی طرح ہیں) کی شرف کرامت سے مشرف ہوئے ہیں۔ پس آپ کو بھی لازم ہے کہ علم و عمل و حال و وجد کی رو سے حضرت سید المرسلین اور حبیب رب العالمین علیہ وعلیٰ جمیع الانبیاء والمرسلین والملائکۃ المقربین والہل طاعۃ الجمعین کی متابعت بجالائیں۔ تاکہ اس وراثت کے حاصل ہونے کا ذریعہ ہو۔ جو نہایت اعلیٰ درجہ کی سعادت ہے۔ والسلام۔

مکتوب ۱۴

اس استفسار کے جواب میں کہ صاحب منصب البتہ صاحب علم ہے یا نہیں اور اس استفسار میں کہ فنا فی اللہ اور بقاء باللہ اب تک حاصل نہیں ہوئی اور اپنی حالت پر اطلاع نہ ہونے کے بیان میں مولانا احمد برکی کی طرف صادر فرمایا ہے:-

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کیلئے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو)۔

آپ کے دو مبارک خط پے در پے پہنچے۔ آپ نے مصائب کی ماتم پر سی کی بابت لکھا ہوا تھا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ یاروں اور دوستوں کو فرمائیں۔ کہ ستر ستر ہزار بار کلمہ طیبہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھ کر خواجہ محمد صادق مرحوم اور ان کی ہمیشہ ام کلثوم مرحومہ کی روح کو بخشیں۔ یعنی ستر ہزار بار پڑھ کر ایک کی روح کو بخشیں اور ستر ہزار بار دوسرے کی روح کو۔ دوستوں سے دعاء فاتحہ مسئول و مطلوب ہے۔ آپ نے لکھا تھا کہ مکتوبات میں درج ہو چکا ہے کہ صاحب منصب صاحب علم ہے۔ میرے مخدوم قطب الاقطاب صاحب علم ہے اور شہروں کے اقطاب اس کے اجزاء اور ہاتھ پاؤں کی طرح ہیں۔ بعض کو اپنے مدار ہونے کا علم ہوتا ہے اور بعض کو نہیں ہوتا۔

آپ نے لکھا تھا کہ فنا فی اللہ اور بقاء باللہ ابھی تک حاصل نہیں ہوا۔ میرے مکرم کیا کیا جائے آپ صحبت میں کم رہے ہیں۔ آپ اس قدر بھی نہیں ٹھہرے کہ آپ کو آپ کے بعض حاصل شدہ احوال سے اطلاع دی جاتی۔ اب ہندوستان سے آپ کی فنا و بقاء کا مشاہدہ کرتا ہوں اور یہ دونوں کمال جو آپ نے فرمائے ہیں آپ میں محسوس کرتا ہوں۔ اور آپ ان سے انکار کرتے ہیں۔ دور دراز فاصلہ درمیان ہے جب تک ظاہری ملاقات حاصل نہ ہو۔ پوشیدہ احوال پر اطلاع پانا مشکل ہے۔

مشائخ رحمۃ اللہ علیہ نے فنا و بقاء کے بارے میں مختلف باتیں کہی ہیں۔ جو سب کی سب رمز و اشارہ کے طور پر ہیں۔ کوئی شخص اپنی نسبت کیا معلوم کر سکتا ہے۔ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ سب کو احوال کا علم

نہیں بخشے۔ بعض کو احوال کا علم عطا فرما کر پیشوا بنادیتے ہیں اور بعض کو اس کے حوالہ کر کے کمال و تکمیل کے مرتبہ تک پہنچاتے ہیں۔ ع

خاص کد بندہ مصلحت عام را ترجمہ: خاص کر لیتا ہے ایک کو تا بھلا ہو عام کا کیا اچھا ہوتا اگر ہم شیخ حسن کو چند روز اور اپنے پاس رکھ کر بعض ظاہر شدہ احوال پر اطلاع دے کر آپ کی طرف بھیجتے۔ آپ کا آنا مشکل ہے اور اگر آپ کے قابل اور رشید دوستوں میں سے کوئی آجاتا اور چند روز ہمارے پاس رہتا اور ہماری بات کو سمجھتا۔ تو کیا اچھا ہوتا تاکہ ضروری باتیں اس پر ظاہر کی جاتیں۔ اصل مقصود یہی ہے کہ احوال حاصل ہو جائیں اور احوال پر اطلاع پانا امر دیگر ہے۔ وَالْبَاقِي عِنْدَ التَّلَاقِي اِنْشَاءَ اللّٰهِ الْبَاقِي وَالسَّلَام سب سے زیادہ ضروری نصیحت یہ ہے کہ علوم کے درس میں کسی طرح کوتاہی نہ کریں۔ اگر آپ کا سارا وقت درس ہی میں لگ جائے تو اچھا ہے ذکر و فکر کی ہوس نہ کریں۔ رات کے ساعات ذکر و فکر کیلئے فراخ ہیں۔

شیخ حسن کو بھی سبق پڑھاتے رہیں اور اس کو بیکار نہ رہنے دیں ان حدود میں چونکہ علم بہت کم ہے اس لئے ضروری علوم شریعہ کو تازہ اور زندہ کریں۔ زیادہ کیا مبالغہ کیا جائے۔ خواجہ اولیس کے واقعات کے اور اق پینچے اکثر جگہ سے دیکھے گئے۔ مبشرات ہیں۔ حق تعالیٰ کی بارگاہ سے امیدوار ہیں تاکہ قوت اور پوشیدگی سے فعل و ظہور میں آجائیں۔ والسلام۔

مکتوب ۱۵

قصبہ سامانہ کے خطیب کی مذمت و نکوہش میں جس نے عید قربان کے خطبہ میں خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ذکر کو ترک کر دیا تھا۔ اور بیان نہ کیا تھا۔ شہر سامانہ کے بزرگ سادات اور قاضیوں اور ریمسوں کی طرف صادر فرمایا ہے:-
الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کیلئے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو)۔

شہر سامانہ کے سادات عظام اور قاضیوں اور بزرگ ریمسوں کے معزز خادموں کو تکلیف دینے کا باعث یہ ہے کہ سنا گیا ہے کہ اس جگہ کے خطیب نے عید قربان کے خطبہ میں خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ذکر کو ترک کیا ہے۔ اور ان کے مبارک ناموں کو نہیں لیا اور یہ بھی سنا گیا ہے کہ جب لوگوں نے اس سے تعرض کیا تو بجائے اس کے کہ اپنی سہو و نسیان کا عذر کرتا۔ سرکشی سے پیش آیا اور یوں کہہ اٹھا کہ اگر خلفاء راشدین کے ناموں کا ذکر نہیں ہوا تو کیا ہوا اور یہ بھی سنا گیا ہے کہ اس مقام کے ریمسوں اور معزز لوگوں نے اس بارہ میں بہت سستی کی ہے اور اس بے انصاف خطیب

کے ساتھ سختی اور درشتی سے پیش نہیں آئے۔ ع

وائے نہ یکبار کہ صد بار وائے ترجمہ: ایک افسوس نہیں صد ہا افسوس

خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ذکر اگرچہ خطبہ کے شرائط میں سے نہیں۔ لیکن اہلسنت کا شعار تو ضرور ہے۔ عمد اور ہیکٹر پن کے سوائے اس شخص کے کہ جس کا دل مریض اور باطن پلید ہو اور کوئی شخص اس کو ترک نہیں کرتا۔ ہم نے مانا کہ اس نے تعصب اور عناد سے ترک نہیں کیا۔ مگر مَنْ تَشَبَهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ (جس نے کسی قوم کی مشابہت کی وہ انہی میں سے ہے) کا کیا جواب دے گا۔ اور اِتَّقُوا مَوَاضِعَ التُّهْمِ (تہمت کی جگہوں سے بچو) کے موافق تہمت کے ظن سے کس طرح خلاصی پائے گا۔ اگر شیخین کی تقدیم و تفضیل میں متوقف ہے تو طریق اہل سنت کے مخالف ہے اور اگر حضرت ختمین کی محبت میں متردد ہے تو بھی اہل حق سے خارج ہے۔ عجب نہیں کہ وہ بے حقیقت جو کشمیریہ کی طرف منسوب ہے اس بحث کو کشمیر کے بدعتیوں یعنی رافضیوں سے لیکر آیا ہو۔ اس کو سمجھانا چاہئے کہ حضرات شیخین کی افضلیت صحابہ اور تابعین کی اجماع سے ثابت ہو چکی ہے۔ چنانچہ اس کو بزرگ اماموں کی ایک جماعت نے نقل کیا ہے۔

جن میں سے ایک امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ شیخ امام ابوالحسن اشعری نے کہا ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت باقی امت پر قطعی اور یقینی ہے۔ امام ذہبی فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اپنی خلافت اور مملکت کے زمانہ میں ان کے تابعداروں کے جم غفیر کے تواتر سے ثابت ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمام امت سے افضل ہیں۔

پھر امام ذہبی نے کہا ہے کہ اس حدیث کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے (۸۰) آدمیوں سے زیادہ نے روایت کیا ہے اور ایک جماعت کو گن کر بتلایا ہے۔ پھر فرمایا ہے کہ خدا رافضیوں کا برا کرے۔ یہ کیسے جاہل ہیں اور امام بخاری نے اپنی کتاب میں جو کتاب اللہ کے بعد تمام کتابوں سے صحیح ہے۔ حضرت علی سے اس طرح روایت کی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد تمام لوگوں سے بہتر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ۔ پھر فرمایا کہ ایک اور شخص تو ان کے بیٹے محمد بن حنفیہ نے عرض کیا کہ پھر آپ۔ تو حضرت علی نے فرمایا کہ میں تو ایک مسلمان آدمی ہوں اس قسم کی اور بھی بہت سے روایتیں حضرت علی اور اکابر صحابہ اور تابعین سے مشہور ہیں۔ جن سے سوائے جاہل یا متعصب کے اور کوئی انکار نہیں کرتا۔

اس بے انصاف کو کہنا چاہئے کہ ہم کو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تمام اصحاب کے ساتھ محبت

رکھنے کا امر ہے۔ اور ان کے ساتھ بغض رکھنے و ایذا دینے کی ممانعت ہے۔ حضرات تختین آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بزرگ صحابہ اور قریبوں میں سے ہیں۔ ان کے ساتھ محبت و مودت اور بھی زیادہ بہتر و مناسب ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ (کہ یا رسول اللہ ﷺ کہ تم سے میں قریبوں کی محبت کے سوا اور کوئی اجر نہیں مانگتا) اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔ اَللّٰهُ اَللّٰهُ فِيْ اَصْحَابِيْ لَا تَتَّخِذُوْهُمُ عَرَضًا مِنْ بَعْدِيْ فَمَنْ اَحْبَبَهُمْ فَبِحَبِيْ اَحْبَبَهُمْ وَمَنْ اَبْغَضَهُمْ فَبِغَضِيْ اَبْغَضَهُمْ وَمَنْ اَآذَا هُمْ فَقَدْ اَآذَانِيْ وَمَنْ اَآذَانِيْ فَقَدْ اَآذَى اللّٰهَ وَمَنْ اَآذَى اللّٰهَ فَيُوشِكُ اَنْ يَّآخُذَ (میرے اصحاب کے بارہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ اور میرے بعد میرے اصحاب کو نشانہ نہ بناؤ۔ جس نے ان کو دوست رکھا اس نے میری دوستی کے سبب ان کو دوست رکھا اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے میرے بغض کے باعث ان سے بغض رکھا جس نے ان کو ایذا دی۔ اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ تعالیٰ کو ایذا دی اور جس نے اللہ تعالیٰ کو ایذا دی وہ ضرور اس کا مواخذہ کرے گا) اس قسم کا بدبودار پھول ابتدائے اسلام سے لیکر آج تک معلوم نہیں کہ ہندوستان میں کھلا ہو عجب نہیں کہ اس معاملہ سے تمام شہر متہم ہو جائے۔ بلکہ تمام ہندوستان سے اعتماد دور ہو جائے۔ سلطان وقت کہ خدا اس کو اسلام کے دشمنوں پر مدد اور غلبہ دے۔ اہل سنت اور حنفی المذہب ہے اس کے زمانہ میں اس قسم کی بدعت کا ظاہر کرنا بڑی جرأت اور دلیری کا کام ہے بلکہ درحقیقت بادشاہ کے ساتھ مقابلہ کرنا اور اولی الامر کی اطاعت سے ٹکنا ہے۔ پھر بڑی تعجب کی بات ہے کہ اس مقام کے بزرگ اور رئیس لوگ اس واقعہ میں خاموش رہیں اور سستی اختیار کریں۔ اللہ تعالیٰ اہل کتاب کی مذمت میں فرماتا ہے۔ لَوْلَا يَنْهَاهُمْ الرَّبُّانِيُّوْنَ وَالْاَخْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَالتَّكْلِيْمُ السَّخْتُ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ان کے علماء اور خدا پرست لوگ ان کو ان کی بری باتوں و رشوت و سود کھانے سے منع کیوں نہیں کرتے۔ واقعی بہت بری بات ہے اللہ تعالیٰ اور فرماتا ہے کہ كَانُوْا لَا يَتَنَبَّاهُوْنَ عَنْ مُنْكَرٍ فَعَلُوْهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ایک دوسرے کو برے فعل کے کرنے سے منع نہ کرتے تھے۔ واقعی بہت برا کرتے تھے۔ اس قسم کے واقعات میں تغافل و سستی کرنا گویا بدعتیوں کو دلیر کرنا اور دین میں رخنہ ڈالنا ہے۔ یہ سستی اور غفلت ہی کا نتیجہ ہے کہ مہدو (1) یہ جماعت کے لوگ کھلم کھلا اہل حق کو اپنے باطل طریق کی طرف دعوت کرتے اور موقعہ پا کر بھیڑیے کی طرح ریوڑ سے ایک دو کو لے جاتے ہیں۔ اس سے زیادہ کیا تکلیف دی جائے اس وحشت انگیز خبر کو سن کر مجھ میں ایک شورش سی پیدا ہو گئی اور میری فاروقی رگ بھڑک اٹھی اس لئے چند کلمے لکھے گئے امید ہے کہ معاف فرمائیں

۱۔ یعنی سید محمد جونپوری کے تابعدار جو ملک دکن میں اب تک موجود ہیں۔ سید محمد جونپوری ۸۳۷ھ میں پیدا ہوئے تھے اور اس نے مہدی موعود ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ نعوذ باللہ منہ ۱۲ مترجم

گے وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلَىٰ سَائِرِ مَنْ اتَّبَعَ الْهُدَىٰ وَالنَّزَمَ مُتَابِعَةً الْمُصْطَفَىٰ عَلَيْهِ وَعَلَىٰ آلِهِ الصَّلَواتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ وَالتَّحِيَّاتُ وَالتَّبَرِكَاتُ (سلام ہو آپ پر اور ان بزرگواروں پر جنہوں نے ہدایت اختیار کی اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی متابعت کو لازم پکڑا)۔

مکتوب ۱۶

چند استفاروں کے جواب اور بزرخ صغریٰ کے عجیب و غریب احوال اور مرگ طاعون کی فضیلت کے بیان میں شیخ بدیع الدین سہارنپوری کی طرف صادر فرمایا ہے:-
الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفَىٰ (اللہ تعالیٰ کیلئے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو)۔

آپ کا مبارک نامہ پہنچا جس میں لکھا تھا کہ اس طرف دو قومی حادثے واقع ہوئے ہیں۔ اول طاعون کا حادثہ، دوسرے قحط کا حادثہ اَعَاذَنَا اللّٰهُ سُبْحَانَهُ وَاَيُّاكُمْ عَنِ الْبَلِيَّاتِ (اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو بلیات سے بچائے)۔

آپ نے لکھا تھا کہ ان فتنوں کے باوجود رات دن عبادت و مراقبہ میں گزر جاتا ہے اور باطن معمور ہے اس بات پر اللہ تعالیٰ کا حمد اور اس کا احسان ہے۔

اب ان سوالوں کا جواب لکھا جاتا ہے۔ جو آپ نے دریافت کئے تھے۔ سنتوں میں اکثر اوقات چار قل کی قراءت کی جاتی ہے اور مردوں کیلئے کفن مسنون تین کپڑے ہیں۔ دستار زائد ہے۔ ہم قدر مسنون پر کفایت کرتے ہیں اور جواب نامہ بھی نہیں لکھتے۔ کیونکہ نجاست اور پلیدی کے ساتھ اس کے آلودہ ہو جانے کا احتمال ہے اور سند صحیح سے بھی ثابت نہیں ہوا۔ علماء ماوراء النہر کا عمل اسی پر ہے اور اگر کفن میں قمیص کے بجائے پیراہن ترکی کو استعمال کر لیں تو مضائقہ نہیں۔ شہداء کے کفن ان کے اپنے کپڑے ہیں۔

حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ نے وصیت کی تھی۔ كَفِّنُونِيْ فِيْ ثَوْبِيْ هَذِيْنِ (مجھے میرے ان دو کپڑوں میں کفنا دینا)۔

برزخ صغریٰ چونکہ ایک جہت سے دنیاوی وطنوں میں سے ہے اس لئے ترقی کی گنجائش رکھتا ہے۔ اس مقام کے احوال مختلف اشخاص کے حالات پر نظر کرنے کے باعث باہم بہت فرق رکھتے ہیں۔ الْاَنْبِيَاءُ يُصَلُّوْنَ فِي الْقَبْرِ (انبیاء قبر میں نماز پڑھتے ہیں) آپ نے سنا ہو گا اور ہمارے حضرت پیغمبر علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام معراج کی رات جب حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر پر گزرے تو دیکھا کہ قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں اور جب اسی وقت آسمان پر پہنچے تو حضرت کلیم اللہ علیہ

السلام کو وہاں پایا۔

اس مقام کے معاملات نہایت عجیب و غریب ہیں۔ آج کل چونکہ فرزند اعظم مرحوم کی تقریب پر اس مقام کی طرف بہت نظر کی جاتی ہے۔ اس لئے نہایت ہی عجیب و غریب اسرار ظاہر ہوتے ہیں۔ اگر ان کا تھوڑا سا حال بھی بیان کیا جائے تو بڑے فتنے پیدا ہو جائیں اگرچہ جنت کا چھت عرش مجید ہے۔ لیکن قبر بھی جنت کے باغوں میں سے اک باغیچہ ہے عقل کو تاہ اندیش ان باتوں کے تصور سے عاجز ہے وہ اور ہی آنکھ ہے جو اس قسم کی عجوبہ باتوں کو دیکھتی ہے۔

مجر دایمان اگرچہ چننا و چنیں کے بعد نجات دینے والا ہے۔ مگر کلمہ طیبہ کا بلند ہونا عمل صالح پر موقوف ہے اور موت و ہاسے بھاگنا یوم زحف یعنی کفار کے مقابلہ سے بھاگنے کی طرح گناہ کبیرہ ہے جو کوئی و باولی زمین میں صبر کے ساتھ رہے اور مر جائے شہدائے ملے اور قبر کے فتنے سے محفوظ ہے اور جو کوئی صبر کرتا ہے اور نہیں مرتا وہ غازیوں سے ہے۔

اِنْ قَالَ لِيْ مُّتْ مُّتْ سَمْعًا وَّطَاعَةً

وَقُلْتُ لِدَاعِي الْمَوْتِ اَهْلًا وَّ مَرْحَبًا

ترجمہ: ”وہ کہے کہ مر جاؤں میں خوشی سے

پیک اجل کو کہدوں آ جا میں تیرے صدقے

چند روز سے بلفم و کھانسی نے تنگ کیا ہوا ہے اور بدن کمزور ہو رہا ہے اس لئے جواب مختصر طور پر دیئے گئے ہیں۔ والسلام۔

مکتوب ۱۷

اس بیان میں کہ اس جہان کی مصیبتیں اگرچہ بظاہر جراحت و زخم ہیں مگر حقیقت میں ترقیوں کا موجب ہیں اور مرہم ہیں اور مرگ طاعون کی فضیلت میں مرزا حسام الدین احمد کی طرف صادر فرمایا ہے:-

حمد و صلوة اور تبلیغ دعوات کے بعد واضح ہو کہ آپ کا صحیفہ شریفہ جو مصائب کی ماتم پر سی کے بارہ میں شیخ مصطفیٰ کے ہاتھ ارسال کیا تھا۔ اس کے مضمون سے مشرف ہوا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ یہ مصیبتیں بظاہر جراحت نظر آتی ہیں مگر حقیقت میں ترقیات اور مرہم ہیں۔ وہ (1) ثمرات و نتائج جن کے ملنے کی امید و توقع آخرت میں ہے ان نتائج و ثمرات کا سوال (۱۰۰) حصہ ہیں جو حق تعالیٰ کی عنایت سے اس جہان میں ان مصیبتوں پر مترتب ہوئی ہیں۔ فرزندوں کا وجود عین رحمت ہے۔ زندگی میں بھی ان سے فائدے اور نفعے ہیں اور مرنے پر بھی ثمرات و نتائج مترتب ہیں۔

امام اجل مکی السنۃ (2) حلیۃ الابرار میں لکھتے ہیں کہ عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں تین دن طاعون واقع ہوئی۔ اس طاعون میں حضرت انس کے (۸۳) بیٹے جو سب کے سب ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خادم تھے۔ اور حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے حق میں برکت کی دعا فرمائی تھی۔ سب فوت ہو گئے اور چالیس (۴۰) بیٹے حضرت عبدالرحمن بن ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فوت ہو گئے۔ جب حضرت خیر الانام علیہ السلام کے اصحاب کرام کے ساتھ ایسا معاملہ فرمائیں تو پھر ہم گنہگار کس حساب میں ہیں۔

حدیث میں آیا ہے کہ طاعون پہلی امتوں کے حق میں عذاب تھا اور اس امت کیلئے شہادت ہے۔ واقعی وہ لوگ جو اس وباء میں مرتے ہیں۔ عجب حضور و توجہ سے مرتے ہیں۔ ہوس آتی ہے کہ کوئی شخص ان دنوں میں اس بلا والے لوگوں کے ساتھ ملحق ہو جائے اور دنیا سے آخرت کی طرف کوچ کر جائے یہ بلا اس امت میں بظاہر غضب ہے اور باطن میں رحمت۔

میاں شیخ طاہر بیان کرتے تھے کہ لاہور میں طاعون کے دنوں میں ایک شخص نے خواب میں دیکھا تھا کہ فرشتے کہہ رہے ہیں کہ جو کوئی ان دنوں میں نہ مرے گا حسرت اٹھائے گا۔ ہاں جب ان گزشتہ لوگوں کے حالات پر نظر کی جاتی ہے تو احوال غریبہ اور معاملات عجیبہ مشاہدہ میں آتے ہیں۔ شاید شہداء فی سبیل اللہ ان خصوصیتوں سے ممتاز ہوں۔

میرے مخدوم فرزند عزیز قدس سرہ کی مفارقت بڑی بھاری مصیبت ہے۔ معلوم نہیں کہ کسی کو اس قسم کی مصیبت پہنچی ہو۔ لیکن وہ صبر و شکر جو حق تعالیٰ نے اس مصیبت میں اس ضعیف القلب کو کرامت فرمایا ہے۔ بڑی اعلیٰ نعمت اور اعظم انعام ہے۔ یہ فقیر حق تعالیٰ سے سوال کرتا ہے کہ اس مصیبت کی جزاء آخرت پر موقوف رکھے۔ اور دنیا میں اس کی جزا کچھ بھی ظاہر نہ ہو۔ حالانکہ جانتا ہے کہ یہ سوال بھی سینہ کی تنگی کے باعث ہے۔ ورنہ حق تعالیٰ بڑی وسیع رحمت والا ہے۔ فَلِّلْهُ الْآخِرَةُ وَالْأُولَى (دنیا و آخرت اللہ ہی کیلئے ہے)۔

دوستوں سے التجا ہے کہ دعا کے ساتھ امداد و اعانت فرمائیں۔ کہ اللہ تعالیٰ خاتمہ سلامتی کے ساتھ کرے اور لغزشوں کو جو انسان کیلئے لازم ہیں۔ معاف فرمائے اور ان تقصیروں سے جو بشریت کے باعث صادر ہوتی ہیں درگزر کرے۔ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَ اِسْرَافَنَا فِيْ اَمْرِنَا وَ ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَ انصُرْنَا عَلٰی الْكُفْرٰیْنَ (یا اللہ ہمارے گناہوں کو اور جو کچھ ہم نے کاموں میں اسراف ہوا ہے

1۔ وہ نتائج و ثمرات جو حق تعالیٰ کی عنایت سے اس جہان میں ان مصیبتوں پر مرتب ہوئے ہیں۔ ان نتائج و ثمرات کا سوال حصہ ہیں جن کے ملنے کی امید و توقع عالم آخرت میں ہے۔

2۔ یعنی امام نووی

بخش۔ اور ہمارے قدموں کو ثابت رکھ اور کافروں پر ہماری مدد کر) وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَعَلٰی سَابِرٍ مِّنْ
اَتْبَعُ الْهُدٰی (سلام ہو آپ پر اور ان لوگوں پر جنہوں نے ہدایت اختیار کی)۔

مکتوب ۱۸

اس بیان میں کہ علماء راہنہ اور علماء ظواہر اور صوفیہ میں سے ہر ایک کا نصیب کیا گیا
ہے شیخ جمال ناگوری کی طرف اس کی التماس کے جواب میں صادر فرمایا ہے:-
اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کا حمد ہے اور اس کے برگزیدہ
بندوں پر سلام ہو)۔

اَلْعُلَمَاءُ وَرَفَئَةُ الْاَنْبِیَاءِ (علماء انبیاء کے وارث ہیں) علماء عظام کی تعریف میں کافی ہے۔ علم
وراثت علم شریعت ہے۔ جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے باقی رہا ہے۔ علم شریعت کی ایک صورت ہے
ایک حقیقت۔ صورت وہ ہے جو علماء ظاہر کے نصیب ہے جو کتاب و سنت کے محکمت سے تعلق رکھتی
ہے اور حقیقت یہ ہے جو علماء راہنہ کے نصیب ہے جو کتاب و سنت کی مشابہات سے متعلق ہے۔
محکمت اگرچہ کتاب کے امہات یعنی اصول ہیں لیکن ان کے نتائج و ثمرات مشابہات ہیں جو کتاب کا
اصلی مقصد ہیں۔ اور نتائج و ثمرات کے حاصل ہونے کیلئے امہات وسیلہ ہیں۔ گویا کتاب کا مغز مشابہات
ہیں اور اس کا پوست محکمت۔ وہ مشابہات ہی ہیں جو رمز و اشارہ کے ساتھ اصل کو ظاہر کرتی ہیں اور
معاملہ کی حقیقت کا پتہ بتاتی ہیں۔ علماء راہنہ نے پوست کو مغز کے ساتھ جمع کیا ہے۔ اور شریعت کی
صورت و حقیقت کے مجموعہ کو پالیا ہے۔ ان بزرگواروں نے شریعت کو ایک شخص تصور کیا ہے جس کا
پوست صورت شریعت اور اس کا مغز حقیقت شریعت ہو۔ شرائع و احکام کے علم کو شریعت کی صورت
اور حقائق و اسرار کے علم کو شریعت کی حقیقت سمجھا ہے۔

بعض لوگوں نے شریعت کی صورت میں گرفتار ہو کر اس کی حقیقت سے انکار کیا ہے اور صرف
ہدایہ اور بزدوی کو اپنا پیر و مقتدا سمجھا ہے۔

بعض لوگ اگرچہ حقیقت کے گرفتار ہوئے۔ لیکن چونکہ انہوں نے اس حقیقت کو شریعت کی
حقیقت نہ جانا۔ بلکہ شریعت کو صورت پر موقوف رکھا اور اس کو صرف پوست ہی خیال کیا اور مغز کو اس
کے سوا کچھ اور تصور کیا۔ اس لئے اس حقیقت کی حقیقت سے سب واقف نہ ہوئے اور مشابہات کا کچھ
حصہ حاصل نہ کیا۔ پس علماء راہنہ ہی اور حقیقت وارث ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو ان کے محبین اور
تابعداروں میں سے بنائے۔

دیگر یہ عرض ہے کہ شیخ نور محمد نے آپ کی طرف سے ظاہر کیا کہ آپ فرماتے تھے کہ ہم کو

دوسرے سلسلوں کے مشائخ سے اجازت ہے۔ نقشبندیہ کی طرف سے بھی اجازت چاہتے ہیں۔
میرے مخدوم مکرم! طریقہ علیا نقشبندیہ میں پیری و مریدی طریقہ کے سیکھنے اور سکھانے پر
موقوف ہے۔ نہ کہ کلاہ و شجرہ پر جیسے کہ دوسرے سلسلوں میں متعارف اور مشہور ہے ان بزرگواروں کا
طریق صحبت ہی صحبت ہے۔ اور ان کی تربیت انعکاسی ہے اسی واسطے ان کی ابتداء میں دوسروں کی نہایت
مندرج ہے اور سب راستوں سے زیادہ قریب راستہ یہی ہے۔ ان کی نظر دلی امراض کو شفا بخشتی ہے اور
ان کی توجہ باطنی بیماریوں کو دور کرتی ہے۔

نقشبندیہ عجب قافلہ سالار اند کہ برنداز رہ پنہاں بحر م قافلہ را

ترجمہ عجب ہی قافلہ سالار ہیں یہ نقشبندی

کہ لیجاتے ہیں پوشیدہ حرم تک قافلے کو

امید ہے کہ معذور و معاف فرمائیں گے۔ ع

وَالْعُذْرُ عِنْدَ بَرَامِ النَّاسِ مَقْبُولٌ

ترجمہ بزرگ لوگوں کے ہاں عذر ہے مقبول والسلام

مکتوب ۱۹

سنت سنیہ کی تابعداری کرنے اور بدعت نامر ضیہ سے بچنے اور اس کے مناسب

بیان میں میر محبت اللہ کی طرف صادر فرمایا ہے:-

حمد و مصلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد برادر عزیز میر محبت اللہ کی خدمت میں یہ فقیر عرض کرتا ہے
کہ اس طرف کے فقراء کے احوال و اوضاع حمد کے لائق ہیں اور آپ کی سلامتی اور استقامت اللہ تعالیٰ
سے مطلوب و مسئول ہے۔ سب سے اعلیٰ نصیحت یہی ہے کہ حضرت سید المرسلین ﷺ کا دین اور
متابعت اختیار کریں۔ سنت سنیہ کو بجالائیں اور بدعت نامر ضیہ سے پرہیز کریں۔ اگرچہ بدعت صبح کی
سفیدی کی مانند روشن ہو لیکن در حقیقت اس میں کوئی روشنی اور نور نہیں ہے اور نہ ہی اس میں کسی بیماری
کی دوا اور بیمار کی شفاء ہے۔ کیونکہ بدعت دو حال سے خالی نہیں یا سنت کی رافع ہوگی یا رفع سنت سے
ساکت ہوگی۔ ساکت ہونے کی صورت میں بالضرور سنت پر زائد ہوگی۔ جو در حقیقت اس کو منسوخ
کرنے والی ہے کیونکہ نص پر زیادتی نص کی ناسخ ہے۔

پس معلوم ہوا کہ بدعت خواہ کسی قسم کی ہو۔ سنت کی رافع اور اس کی نقیض ہوتی ہے اور اس میں
کسی قسم کی خیر اور حسن نہیں۔ ہائے افسوس انہوں نے دین کامل اور اسلام پسندیدہ میں جب کہ نعمت
تمام ہو چکی۔ بدعت محدثہ کے حسن ہونے کا کس طرح حکم دیا یہ نہیں جانتے کہ اکمال و اتمام اور رضا

کے حاصل ہونے کے بعد دین میں کوئی نیا کام پیدا کرنا حسن سے کوسوں دور ہے فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلَالُ (حق کے بعد گمراہی ہی ہے) اگر یہ لوگ جانتے کہ دین میں محدث امر کو حسن کہنا دین کے کامل نہ ہونے کو مستلزم ہے اور نعمت کے ناقص رہنے پر دلالت کرتا ہے تو ہرگز اس قسم کے حکم پر دلیری نہ کرتے۔ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا (یا اللہ تو ہماری بھوک چوک پر ہمارا مواخذہ نہ فرما) وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلَىٰ مَنْ لَّدَيْكُمْ۔

مکتوب ۲۰

نماز کی فضیلت اور اس امر پر ترغیب دینے کے بیان میں کہ ارکان و شرائط اور تعدیل ارکان کو اچھی طرح بجالانا چاہئے۔ مولانا محمد طاہر بدخشی کی طرف صادر فرمایا ہے:

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَ السَّلَامُ "عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ" (اللہ تعالیٰ کیلئے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو)

آپ کا مکتوب شریف جو جوہنپور کی اطراف سے آپ نے لکھا تھا پہنچا۔ آپ کی کمزوری اور ضعف کا حال پڑھ کر بڑی بے آرامی ہوئی۔ آپ کی صحت و تندرستی کا بڑا انتظار ہے۔ کسی آنے والے کے ہمراہ صحت کی خبر اور کیفیت احوال لکھ کر ارسال فرمائیں۔ اے محبت کے نشان والے چونکہ یہ دار یعنی دنیا دار عمل ہے اور دار جزا دار آخرت ہے۔ اس لئے اعمال صالح کے بجالانے میں بڑی کوشش کرنی چاہئے۔ سب اعمال سے بہترین اور سب عبادات سے فاضل ترین نماز کا قائم کرنا ہے۔ جو دین کا ستون اور مومن کی معراج ہے۔

پس اس کے ادا کرنے میں بڑی کوشش بجالانی چاہئے اور احتیاط کرنی چاہئے کہ اس کے ارکان و شرائط و سنن و آداب کما حقہ ادا ہوں۔ تعدیل اور طہانیت کے بارہ میں بار بار مبالغہ کیا جاتا ہے۔ اس کی اچھی طرح محافظت کریں۔ اکثر لوگ نماز کو ضائع کر دیتے ہیں اور طہانیت اور تعدیل ارکان کو درہم برہم کر دیتے ہیں۔ ان لوگوں کے حق میں بہت سی وعید آئی ہیں۔ جب نماز درست ہو جائے۔ نجات کی بڑی بھاری امید ہے کیونکہ نماز کے قائم ہونے سے دین قائم ہو جاتا ہے اور مراتب کی بلندی کی معراج پوری ہو جاتی ہے۔

بر شکر غلطید اے صفرائیاں از برائے کورئے سودائیاں

ترجمہ: پل پڑو شکر پہ تم صفرائیو کور سودائی ہیں سارے مت ڈرو

وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَ عَلَىٰ سَائِرِ مَنْ اتَّبَعَ الْهُدَىٰ وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفَىٰ عَلَيْهِ وَ عَلَىٰ آلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيمَاتُ الْعُلَىٰ (سلام ہو آپ پر اور ان لوگوں پر جنہوں نے ہدایت اختیار کی اور

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی متابعت کو لازم پکڑا

مکتوب ۲۱

اس بیان میں کہ مراد اس قلب سے جو حدیث قدسی لَا یَسْغُنِیْ اَرْضُیْ الخ میں واقع ہے مضغہ ہے۔ نہ کہ وہ حقیقت جامعہ جس کی وسعت کی نسبت بعض مشائخ نے خبر دی ہے۔ لیکن وہ مضغہ جس نے سلوک و جذبہ اور تصفیہ و تزکیہ اور قلب کی تمکین اور نفس کے اطمینان کے بعد اجزاء عشرہ کی ترکیب سے صورت حاصل کی ہے اور ہیئت وحدانی پیدا کی ہے۔ اس حقیقت جامعہ پر کئی وجوہ سے زیادتی رکھتا ہے اور اس بیان میں کہ یہ سب کمالات جو مضغہ کے لئے ثابت کئے گئے ہیں۔ مقام قَابِ قَوْسَیْنِ میں ہیں اور اُوْ اَذْنٰی کا معاملہ آگے ہے۔ خواجہ محمد صدیق کی طرف جو ہدایہ سے ملقب ہے صادر فرمایا:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کیلئے

حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو)

آپ نے دریافت کیا تھا کہ آپ نے اپنے مکتوبات و رسائل میں لکھا ہے کہ ظہور قلبی ظہور عرشی کا ایک لمحہ ہے اور کلی فضیلت ظہور عرشی کے لئے ہے اور حدیث شریف میں یوں آیا ہے۔ لَا یَسْغُنِیْ اَرْضُیْ وَلَا سَمَانِیْ وَلٰكِنْ یَسْغُنِیْ قَلْبُ عَبْدِ الْمُؤْمِنِ میں نہ اپنی زمین میں سما سکتا ہوں نہ آسمانوں میں لیکن مومن آدمی کے دل میں سما سکتا ہوں) اس حدیث سے یہ لازم آتا ہے کہ ظہور قلبی زیادہ کامل ہے اور فضیلت اسی کے لئے ہے۔ اے میری محبت کے نشان والے۔ اس سوال کا حل ایک مقدمہ پر مبنی ہے۔

جاننا چاہئے کہ ارباب ولایت لفظ قلب بولتے ہیں اور اس سے انسان کی وہ جامعہ حقیقت مراد لیتے ہیں جو عالم امر سے ہے اور نبوت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی زبان میں اس سے وہ مضغہ مراد ہے جس کی درستی پر تمام بدن کی درستی وابستہ ہے اور جس کے بگڑنے پر تمام جسم کا بگاڑ موقوف ہے۔ جیسا کہ حدیث نبوی ﷺ میں وارد ہے۔ اِنَّ فِیْ جَسَدِ الْاِنْسَانِ لُمُضْغَةٌ اِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ اَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ (انسان کے جسم میں ایک ایسا مضغہ ہے کہ جس وقت وہ درست ہو جائے تمام جسم درست ہو جاتا ہے اور جب وہ بگڑ جائے تمام جسم بگڑ جاتا ہے خبردار اور وہ قلب ہے)

قلب کی وسعت اطلاق اول کو لازم ہے جس کے باعث بایزید و جنید قدس سرہما نے قلب کی اس قدر وسعت بیان کی ہے کہ عرش و مافیہ کو قلب کی عظمت کے مقابلہ میں بہت ہی حقیر خیال کیا ہے اور

قلب کی تنگی دوسری اطلاق کو لازم ہے اس مقام میں قلب کی تنگی اس طرح پر ہے کہ جزا تجزی کو جو تمام اشیاء سے حقیر و صغیر ہے اس میں کچھ گنجائش نہیں۔ بعض اوقات کہ تنگی قلب کو جزء لا تجزی کے ساتھ نسبت دی جاتی ہے۔ وہ جزو حقیر نظر میں آسمانوں اور زمین کے طبقات کی مانند دکھائی دیتی ہے۔ یہ معاملہ نظر عقلی سے برتر ہے (فَلَا تَكُنْ مِنَ الْمُمْتَرِينَ کچھ شک نہ کر)

جب یہ مقدمہ معلوم ہو چکا تو پھر جاننا چاہئے کہ وہ ظہور جو حقیقت جامعہ سے وابستہ ہے۔ بیشک عرش کے ظہور تامہ کے مقابلہ میں ایک لمحہ ہے اور کلی فضیلت اس مقام میں عرش ہی کو ہے اور شیخ بایزید اور شیخ جنید رحمہما اللہ تعالیٰ نے جو قلب کو سب سے وسیع فرمایا ہے اور عرش و مافیہ کو اس کے پہلو میں بہت ہی حقیر خیال کیا ہے۔ یہ بات شے کو اس کے اپنے نمونہ کی مانند جاننے کی قسم ہے۔ انہوں نے عرش و مافیہ کے نمونہ کو جامعیت قلب کے پہلو میں حقیر دیکھ کر اس کا حکم عرش و مافیہ کے حقائق پر کیا ہے۔ اس اشتباہ کا باعث فقیر نے اپنی کتابوں میں اور رسالوں میں کئی جگہ لکھا ہے اور وہ جو حدیث قدسی میں آیا ہے۔ وہ انبیاء علیہ السلام کی زبان کے موافق ہے اور مراد اس قلب سے مضغہ ہے اس میں کچھ شک نہیں کہ ظہور اتم اسی جگہ ہے اور ذات مجرہ کی احدیت کے مراتب اسی کے لئے مسلم ہیں۔ عرش کو اگرچہ ظہور تمام سے جو ظہور اصلی ہے کامل حصہ حاصل ہے۔ لیکن اس مقام میں صفات کی آمیزش ہے اور صفات چونکہ حقیقت میں حضرت ذات کے ظلال ہیں۔ اس لئے وہ ظہور ظلال کی آمیزش سے پاک و صاف نہیں ہے۔ یہی باعث ہے کہ عرش کو اس ظہور انسانی سے جو اصل محض کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ کئی طرح امیدیں ہیں۔ اس معاملہ کا مرکز وہی مضغہ ہے۔

سوال:- حدیث قدسی سے اس قلب کی وسعت مفہوم ہوتی ہے اور تو اس کو تنگ کہتا ہے۔
جواب:- تنگ اس اعتبار سے کہتے ہیں کہ اس میں ماسوا کی گنجائش نہیں اور وسیع اس اعتبار سے کہتے ہیں کہ اس پر انوار قدم کا ظہور ہوتا ہے۔ پس کوئی منافات و تناقض نہیں۔ اس فقیر نے اپنے بعض رسالوں میں اس قلب کی تعبیر اس عبارت سے کی ہے۔ الْضَّيْقُ الْأَوْسَعُ وَالْبَسِيطُ الْأَبْسَطُ وَالْأَقْلُ الْأَكْثَرُ۔

سوال:- فضیلت کے لائق حقیقت جامعہ ہے جو عالم امر سے ہے نہ کہ مضغہ جو عالم خلق سے ہے اس عناصر کے مرکب نے یہ فضیلت کہاں سے پائی ہے۔

جواب:- عالم خلق کو عالم امر پر وہ فضیلت ہے جس کو عوام کیا خواص بھی نہیں سمجھ سکتے اس مضمون کو فقیر نے اس مکتوب میں جو فرزند اعظم مرحوم کے نام طریق کے بیان میں لکھا ہے۔ بخوبی واضح کیا ہے۔ اگر کچھ تردد رہ جائے تو وہاں سے اطمینان کر لیں۔

اب ہم اس مضعہ کی حقیقت بیان کرتے ہیں ذرا غور سے سنیں عوام کا وہ مضعہ ہے جو اربعہ عناصر کی ترکیب سے حاصل ہے اور خواص اور اخص خواص کا مضعہ اس قسم کا ہے جس نے سلوک و جذبہ اور تصفیہ و تزکیہ اور قلب کے تمکین اور نفس کے اطمینان کے بعد بلکہ اللہ تعالیٰ کے محض فضل و کرم سے اجزاء عشرہ کی ترکیب سے صورت حاصل کی ہے یعنی چار جزو عناصر کے ہیں اور ایک جزو نفس مطمئنہ کا اور پانچ جزو عالم امر کے۔ دونوں طرفوں کے اجزاء حالانکہ ایک دوسرے کی ضد اور ایک دوسرے کے مخالف ہیں لیکن حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ سے ان کی ضدیت اور مخالفت دور ہو گئی اور باہم جمع ہو گئے ہیں اور ہیئت وحدانی پیدا کر کے اس عجوبہ کو حاصل کیا ہے۔ جزو اعظم اس معاملہ میں عنصر خاک ہے اس ہیئت وحدانی نے بھی جزوارضی کا رنگ اختیار کر کے خاک کے ساتھ قرار پکڑا ہے۔ بیت

خاک شو خاک تا بر و ند گل کہ بجز خاک نیست مظہر گل

ترجمہ: خاک ہو خاک تا آگیں سب پھول خاک مظہر ہے گل کا مت بھول

اے برادر ارباب ولایت کا ہاتھ ان علوم و معارف کے دامن تک نہیں پہنچ سکتا۔ کیونکہ یہ انوار نبوت علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی مشکوٰۃ سے مقتبس ہیں۔ ذَلِکَ فَضْلُ اللّٰهِ یُوْنِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے) وہ قلب جس کے اطمینان کے لئے حضرت خلیل الرحمن علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے سوال کیا تھا۔ یہی مضعہ ہے کیونکہ ان کی حقیقت جامعہ تمکین تک پہنچ چکی تھی اور نفس مطمئنہ ہو چکا تھا اور یہ تمکین و اطمینان مرتبہ ولایت میں متصور ہے۔ جو نبوت کا زینہ ہے شان نبوت کے مناسب مضعہ کی بیقرااری اور اضطراب ہے نہ حقیقت جامعہ کی بیقرااری و بے آرائی کہ یہ عوام کو بھی نصیب ہے اور حضرت رسالت خاتمیت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو قلب کی ثابقی طلب فرمائی ہے اور کہا ہے۔ اَللّٰهُمَّ یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِیْ عَلٰی طَاعَتِکَ (اے دلوں کے پھیرنے والے میرے دل کو اپنی طاعت پر ثابت رکھ) اس سے مقصود مضعہ کا ثابت ہے اور بعض احادیث میں جو امتوں کے احوال پر نظر کرنے کے باعث دل کی بیقرااری کے بارہ میں وارد ہوئی ہیں۔ اگر قلب کے وہ معنی مراد لئے جائیں جو حقیقت جامعہ اور مضعہ دونوں کو شامل ہوں تو بھی ہو سکتا ہے۔

سوال:- یہ مضعہ جب ”یَسْعٰی قَلْبُ عَبْدٍ مُّؤْمِنٍ“ کے شرف سے مشرف ہو چکا ہو اور حضرت ذات تعالیٰ کا آئینہ بننے کے لائق ہو چکا ہو تو پھر اس میں اضطراب و بیقرااری کیوں ہو اور اطمینان کا محتاج کیوں ہو۔

جواب:- ظہور جس قدر اتم و اکمل ہوتا جاتا ہے اور شیون و صفات کی آمیزش سے صاف ہوتا جاتا

ہے اسی قدر جہل و حیرت پیدا کرتا جاتا ہے اور بیگانگی اور نایافت زیادہ تر حاصل ہوتی جاتی ہے بسا اوقات اس ظہور اور اس گنجائش کے باوجود کمال جہل و حیرت سے صانع کے وجود پر دلیل طلب کرتا ہے اور عوام کی طرح استدلال و تقلید کے بغیر اس کو وجود صانع کا یقین حاصل نہیں ہوتا۔ اس صورت میں اضطراب و بیقراری اس کے حال کے مناسب ہے اور اطمینان کا طلب کرنا اس کے لئے ضروری ہے۔

اس فقیر نے اپنے بعض رسالوں میں لکھا ہے کہ عارف صاحب یقین کو رجوع کے بعد استدلال کی حاجت ہوتی ہے اس مقام میں معلوم ہوا ہے کہ عین وصول اور حصول میں دلیل کی احتیاج ہے۔ یہ مقام مرتبہ نبوت کے کمالات کے موافق ہے اور وہ مقام مرتبہ ولایت کے حال کے مناسب۔ جب اس قلب کا صاحب دعوت کی طرف رجوع کرتا ہے تو اس کے دل کا قلق و اضطراب اور تغیر و تبدل زیادہ ہو جاتا ہے۔ جب عین وصل میں جہل و حیرت کے باعث دلیل کا محتاج ہے تو جدائی کے زمانہ میں بطریق اولیٰ استدلال کا محتاج ہو گا تاکہ استدلال کے ذریعے کچھ اطمینان حاصل کرے بلکہ ہم کہتے ہیں کہ وہ دولت جس کو چند روز کے لئے اپنے دوست سے پوشیدہ رکھا ہے اور داغِ فرقت میں مبتلا کیا ہے۔ اس کے واسطے مناسب ہے کہ ہمیشہ قلب و اضطراب اور دائمی غم و اندوہ میں رہے۔ سُبْحَانَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ مُتَوَاصِلُ الْحُزْنِ دَائِمُ الْفِکْرِ (رسول اللہ ﷺ ہمیشہ غمناک اور متفکر رہتے تھے) اب وہ وجوہ جو قلب کے ان دونوں اطلاقوں کے درمیان فرق ظاہر کرتے ہیں بیان کئے جاتے ہیں۔ گوش ہوش سے سننے چاہئیں۔

وجہ اول: حقیقت جامعہ جو عالم امر سے ہے تصفیہ اور تزکیہ کے بعد اس کو تمکین تام دائمی طور پر میسر ہے برخلاف مضغہ کے کہ اس کا اطمینان حواس کے ادراک پر وابستہ ہے۔ جب تک کسی شے کو حواس کے ساتھ ادراک نہ کر لے اس کا قلق نہیں جاتا۔ اسی واسطے حضرت خلیل الرحمن علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام وعلیٰ جمیع الانبیاء والمرسلین والملائکۃ المقربین نے اپنے قلب کے اطمینان کے لئے سوال کیا اور کہا۔ رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُخْرِی الْمَوْتِی (یا اللہ تو مجھے دکھا کہ کس طرح مردوں کو زندہ کرتا ہے)

وجہ دوم: حقیقت جامعہ ذکر کے ساتھ متاثر ہو جاتی ہے اور جب کمال ذکر تک پہنچ جاتی ہے تو ذکر سے متحد اور اس کی ہم جنس ہو جاتی ہے اس مقام کو صاحب عوارف قدس سرہ نے مقصد اسنی کہا ہے اور ذکر ذات کے ساتھ قلب کے اس ہم رنگ ہونے کو اس سے تعبیر کیا ہے۔ برخلاف مضغہ کے کہ ذکر کو اس کی طرف راہ نہیں۔ پھر اس کا متاثر ہونا کجا اور ہم جنس ہونا کجا۔ مضغہ میں مذکور کا ظہور اصالت کے طور پر ہے نہ کہ ظلیت کے طور پر اور ذکر کا عروج مذکور کی دہلیز تک ہی ہے۔

وجہ سوم: حقیقت جامعہ جب نہایت انتہایت تک پہنچ جاتی ہے اور مراۃیت سے حظ وافر حاصل کر

لیتی ہے تو اس وقت اگر مطلوب کو نمایاں کرنا چاہے تو اس میں مطلوب کا ظل ظاہر ہو گا نہ کہ اس کا عین۔ جیسے کہ آئینہ میں شخص کا نمونہ ظاہر ہے نہ کہ شخص کا عین۔ برخلاف مضغہ کے کہ آئینہ کے برعکس اس میں مطلوب کا عین ظاہر ہے۔ نہ کہ اس کا ظل۔ اسی واسطے فرمایا یَسْغُنِي قَلْبُ عَبْدِي الْمُؤْمِنُ۔ یہ معاملہ نظر و فکر کے طور سے وراء البور ہے۔ اس بیان سے کہیں حلول و تمکین نہ سمجھ لینا کہ یہ کفر زندقہ ہے۔ اگرچہ عقل معاش باور نہیں کرتی کہ ایک شے کا عین دوسری شے میں ظاہر ہو اور حلول و تمکین نہ ہو۔ یہ عقل کا قصور ہے اور حاضر پر غائب کا قیاس ہے فَلَا تَكُنْ مِنَ الْمُمْتَرِينَ (پس کچھ شک نہ کر)

وجہ چہارم: حقیقت جامعہ عالم امر سے ہے اور مضغہ عالم خلق سے بلکہ عالم خلق اور عالم امر دونوں اسی کے اجزاء ہیں خلق اس کا بڑا جزو ہے اور امر اس کا چھوٹا جزو۔ ان دونوں اجزاء کے ملنے سے ایک ایسی ہیئت وحدانی موجود ہو گئی ہے جو عجوبہ روزگار بن گئی ہے یہ عجوبہ اگرچہ عالم امر و عالم خلق سے ہے۔ لیکن ہیئت ترکیبی کے باعث ان میں سے کسی کے ساتھ مناسبت و مشابہت نہیں رکھتا۔ مگر اس کو عالم خلق ہی گنتے ہیں۔ کیونکہ اس معاملہ میں سب سے عمدہ اور بہتر جزو امر ضی ہے اور خاک کی پستی اس کی بلندی کا باعث ہے۔

وجہ پنجم: حقیقت جامعہ کی وسعت اس اعتبار سے ہے کہ اس میں اشیاء کی صورتوں کا ظہور ہے اور مضغہ کی وسعت جو اس کی تنگی کے بعد مکشوف ہوتی ہے۔ اس اعتبار سے ہے کہ نامحدود اور نامتناہی مطلوب کی اس میں گنجائش ہے اور وہ تنگی اس کی دبلیزنگ کی ہے جو ماسوا کو وہاں داخل ہونے نہیں دیتی۔ حتیٰ کہ ذکر کو بھی مذکور کے خیموں کے گرد نہیں آنے دیتی اور ظلیت کی آمیزش کو اس حریم مقدس کے گرد پھٹکنے نہیں دیتی۔

وجہ ششم: حقیقت جامعہ کی فراخی چونکہ چون کی آمیزش رکھتی ہے اس لئے اس میں بے چون کی گنجائش نہیں اور مضغہ کی فراخی نے چونکہ بے چونی سے حصہ پایا ہے۔ اس لئے اس میں چون کی گنجائش نہیں۔ عجب معاملہ ہے اسی قلب پر دعوت کیلئے رجوع کرنے کے بعد ظلمت و غین طاری ہو جاتی ہے۔ اسی واسطے حضرت سید البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ لِيَغَا عَلَى قَلْبِي (یعنی میرے قلب پر بھی پردہ ڈالا جاتا ہے) اس سے زیادہ کس قدر فرق بیان کیا جائے مَا لِلتُّرَابِ وَ رَبِّ الْأَرْبَابِ چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔

اے برادر! تو اس مضغہ کو ایک بے اعتبار گوشت کا ٹکڑا نہ خیال کر لے بلکہ یہ وہ جوہر نفیس ہے جس میں عالم خلق کے خزائن و اسرار پوشیدہ ہیں اور عالم امر کے دھننے اور خفیہ دقائق مدفون ہیں۔ معاملات خاصہ کی زیادتی جو اس ہیئت وحدانی سے وابستہ ہے۔ یہ ہے کہ اول اس کے اجزاء عشرہ کو تصفیہ و تزکیہ اور

جذبہ و سلوک اور فناء بقا کے ساتھ پاک و صاف کیا ہے اور ماسوا کے تعلقات کی آلودگی سے آزاد کیا ہے۔ مثلاً قلب کو تقلب یعنی تغیر سے گزار کر تمکین تک اور نفس کو امارگی سے اطمینان تک لے آئے اور جزو آتشی سے سرکشی اور نافرمانی کو دور کیا اور خاک کو پستی اور پست فطرتی سے بلند کیا۔ علیٰ ہذا القیاس اس کے تمام اجزاء کو افراط و تفریط سے ہٹا کر حد اعتدال و توسط پر لائے ہیں بعد ازاں محض فضل و کرم کے ساتھ ان اجزاء کو مرکب کر کے شخص معین بنایا ہے اور اس کا نام انسان کامل رکھا ہے اور اس کے قلب کو جو اس کا خلاصہ اور اس کے وجود کا مرکز ہے۔ مضغہ کے ساتھ تعبیر کیا ہے یہ ہے مضغہ کی حقیقت جو عبارت کے اندازہ کے موافق بیان کی گئی ہے وَالْأَمْرُ إِلَى اللَّهِ سُبْحَانَهُ (حقیقت حال اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے)

اگر کوئی ناقص کہے کہ ہر ایک انسان ان اجزاء عشرہ سے مرکب ہے اور انہی کی ترکیب سے ہیئت و حدانی رکھتا ہے۔ تو میں کہتا ہوں کہ ہاں انہی اجزاء سے مرکب ہے لیکن وہ اجزاء پاک و صاف نہیں ہوئے اور جذبہ و سلوک کے ساتھ ماسوا کے تعلقات کی آلائش سے آزاد نہیں ہوئے۔ برخلاف انسان کامل کے اجزاء کے جو فناء و بقا سے پاک و صاف ہو گئے ہوتے ہیں جیسے کہ اوپر گزر چکا ہے۔

چونکہ ہر ایک انسان میں یہ اجزاء ایک دوسرے سے علیحدہ علیحدہ ہیں اور ہر جزو کے احکام و احوال الگ ہیں۔ اس لئے ہیئت و حدانی ان کے نصیب نہیں اور اگر کچھ ہیئت پیدا کی ہے تو وہ اعتباری ہے حقیقی نہیں۔ برخلاف انسان کامل کے اجزاء کے جو تماثر اور تباہی سے نکل کر ایک دوسرے سے مل جل گئے ہیں اور ان کے مختلف احکام و احوال زائل ہو کر ایک ہی حکم میں پا گئے ہیں۔ پس ناچار اس میں ہیئت و حدانی حقیقی ہو گی نہ کہ اعتباری جس طرح معجون کو مختلف ادویہ سے درست کرتے ہیں اور سب اجزاء کو باریک پس کر ایک دوسرے کے ساتھ ملا کر ہیئت و حدانی ثابت کرتے ہیں اور اس کے مختلف احکام کو ایک ہی حکم میں لے آتے ہیں۔ فَافْهَمْ وَاللَّهُ سُبْحَانَهُ اَعْلَمُ

اے برادر! یہ سب کمالات جو مضغہ کے لئے ثابت ہیں مقام قاب قوسین میں ہیں۔ جہاں ظاہر میں مظہر کے رنگ کا وہم پایا جاتا ہے۔ اگرچہ ظاہر اس جگہ اصل ہے۔ اس کا ظل یا صورت نہیں۔ لیکن شخص ظاہر آئینہ کے رنگ سے پاک و مبرا نہیں۔ پس قوسین ثابت ہو گئے۔ اس مقام سے اعلیٰ مقام اُوْذُنِی ہے۔ جہاں ظاہر نے مظہر کا رنگ اختیار نہیں کیا اور کوئی امر زائد خیال میں نہیں آتا۔ پس قوسین اس جگہ مفقود ہو گئے۔ یہاں سوائے یک رنگی کے جو مقام اُوْذُنِی کے مناسب ہے۔ کچھ متصور نہیں اس مقام کا معاملہ علیحدہ ہے۔ اگر تمام ورق کو الٹائیں تو پھر قوسین سے اُوْذُنِی تک رخت اٹھا کر لے جا سکتے ہیں۔ کَلَامُنَا اِشَارَاتٌ وَرَمُوزٌ وَبَشَارَاتٌ وَكُنُوزٌ (ہماری کلام اشارات و رموز و بشارات و

کنوز ہوتی ہے) وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْمَلِيْهُمُ (اللہ تعالیٰ ہی الہام کرنے والا ہے) وَ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَ اٰلِهٖ وَ صَحْبِهٖ وَسَلَّم وَ بَارَكَ ۔

مکتوب ۲۲

حضرت ایشان سلمہ اللہ تعالیٰ کے طفیل اکثر شہروں پر سرہند کی فضیلت و شرافت پانے اور اپنی سکونت والی زمین میں ایسے نور کے پانے میں جس کو صفت کی گرد نہیں لگی اور وہ زمین کچھ مدت کے بعد مخدوم زادہ کلاں خواجہ محمد صادق قدس سرہ کا روضہ مقدسہ بن گئی۔ مولانا محمد صادق کشمیری کی طرف صادر فرمایا ہے۔

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کیلئے حمد ہے اور اسکے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو)

اللہ تعالیٰ کی عنایت اور اس کے حبیب ﷺ کے صدقہ سے شہر سرہند گویا میری جائے پیدائش ہے کہ میرے لئے ایک تاریک گہرے کنوئیں کو پر کر کے صفہ بلند بنایا ہے اور اکثر شہروں اور قصبوں پر اس کو بلندی بخشی ہے۔ اس زمین میں اس قسم کا نور امانت کے طور پر رکھا گیا ہے جو بے صفتی اور بے کیفی کے نور سے متجسس ہے اور وہ نور اس نور کی طرح ہے جو بیت اللہ کی پاک زمین سے ظاہر اور روشن ہے۔

فرزند اعظم مرحوم کے ارتحال سے چند ماہ اول اس نور کو اس درویش پر ظاہر کیا گیا تھا اور فقیر کی تنگ زمین میں اس کا نشان دیا تھا وہ نور اس قسم کا ظاہر ہوا تھا کہ صفت و شان کی گرد اس کو نہ لگی تھی اور کیفیات سے منزہ و مبرا تھا۔ اس وقت یہ خواہش پیدا ہوئی کہ میں اس زمین میں مدفون ہوں اور وہ میری قبر پر چمکتا ہے۔ اس بات کو میں نے فرزند اعظم کے آگے ظاہر کیا اور اس نور اور اس خواہش سے مطلع کیا اتفاقاً فرزند مرحوم اس دولت میں سبقت لے گیا اور خاک کے پردہ میں اس نور کے دریا میں مستغرق ہو گیا۔ بیت

هٰنِیْاً لِاَزْبَابِ النَّعِيْمِ نَعِيْمَهَا

وَ لِلْعَاشِقِ الْمُسْكِيْنِ مَا يَنْجَرُ عْ

ترجمہ: مبارک منعموں کو اپنی دولت مبارک عاشقوں کو درد و کلفت

اس شہر بزرگ کیلئے یہ بڑی عظیم شرافت کا موجب ہے کہ میرے فرزند اعظم جیسا شخص جو اللہ تعالیٰ کے بزرگ اولیاء میں سے ہے۔ اس جگہ آسودہ ہے کچھ مدت کے بعد معلوم ہوا کہ وہ نور امانت اس فقیر کے قلبی انوار کا لمحہ ہے جس کو وہاں سے اقتباس کر کے اس زمین میں روشن کیا ہوا ہے۔ جس طرح کہ مشعل سے چراغ روشن کر لیں۔ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ (کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے)

نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ (نور ہے آسمانوں کا اور زمین کا) سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ
وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (تیرا رب اس وصف سے جو لوگ کرتے ہیں
پاک و برتر ہے اور مرسلین پر سلام ہو اور اللہ رب العالمین کیلئے حمد ہے)

مکتوب ۲۲

اس بیان میں کہ سب سے بہتر کام سنت سنہ کی اتباع اور بدعت نامر ضیہ سے
اجتناب ہے اور اس بیان میں کہ طریقہ نقشبندیہ کی فضیلت دوسرے طریقوں پر صاحب
شریعت علیہ السلام کی اتباع اور عزیمت پر عمل کرنے کے باعث ہے اور اس طریقہ علیا کی
تعریف اور اس کے مناسب بیان میں مخدوم زادہ خواجہ محمد عیسیٰ کی طرف صادر فرمایا ہے
(کہ خدا تعالیٰ اس کو سلامت و باقی رکھے اور اعلیٰ مقصد تک پہنچائے)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَ سَلَامٌ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَى (اللہ تعالیٰ کیلئے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ

بندوں پر سلام ہو)

سب سے اعلیٰ نصیحت جو فرزند عزیز سلمہ اللہ تعالیٰ اور تمام دوستوں کو کی جاتی ہے وہ یہی ہے کہ
سنت سنہ کی تابعداری کریں اور بدعت ناپسندیدہ سے بچیں۔ اسلام دن بدن غربت پیدا کرتا جاتا ہے اور
مسلمان غریب ہوتے جاتے ہیں اور جوں جوں مرتے جائیں گے زیادہ تر غریب ہوتے جائیں گے۔ حتیٰ
کہ زمین پر کوئی اللہ اللہ کہنے والا نہ رہے گا۔ وَ تَقُومُ الْقِيَامَةُ عَلَىٰ شَرَارِ النَّاسِ اور قیامت برے لوگوں
پر قائم ہوگی۔ سعادت مند وہ شخص ہے جو اس غربت میں متروک سنتوں میں سے کسی سنت کو زندہ
کرے اور مستعملہ بدعتوں میں سے کسی بدعت کو مارے۔

اب وہ وقت ہے کہ حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے ہزار سال گزر چکے ہیں اور
قیامت کی علامتوں نے پرتو ڈالا ہے۔ سنت عہد نبوت کے بعد کے باعث پوشیدہ ہو گئی ہے اور بدعت
جھوٹ کے ظاہر ہونے کے باعث جلوہ گر ہو گئی ہے۔ اب ایک ایسے بہادر جوان مرد کی ضرورت ہے جو
سنت کی مدد کرے اور بدعت کو شکست دے بدعت کا جاری کرنا دین کی بربادی کا موجب ہے اور بدعتی
کی تعظیم کرنا اسلام کے گرانے کا باعث ہے۔ مَنْ وَفَّرَ صَاحِبَ الْبِدْعَةِ فَقَدْ أَغَاوَى عَلَىٰ هَدْمِ الْإِسْلَامِ
(جس نے کسی بدعتی کی تعظیم کی اس نے اسلام کے گرانے میں مدد دی) آپ نے سنا ہو گا پورے ارادہ اور
کامل ہمت سے اس طرف متوجہ ہونا چاہئے کہ سنتوں میں سے کوئی سنت جاری ہو جائے اور بدعتوں میں
سے کوئی بدعت دور ہو جائے۔ خصوصاً ان دنوں میں کہ اسلام ضعیف ہو رہا ہے اسلام کی رسمیں جیسی

قائم رہ سکتی ہیں جب کہ سنت کو جاری کیا جائے اور بدعت کو دور کیا جائے۔ گزشتہ لوگوں نے شاید بدعت میں کچھ حسن دیکھا ہو گا جو بدعت کے بعض افراد کو مستحسن اور پسندیدہ سمجھا ہے۔ لیکن یہ فقیر اس مسئلہ میں ان کے ساتھ موافق نہیں ہے اور بدعت کے کسی فرد کو حسنه نہیں جانتا بلکہ سوائے ظلمت و کدورت کے اس میں کچھ محسوس نہیں کرتا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ، ہر ایک بدعت گمراہی ہے۔

اسلام کے اس ضعف و غربت کے زمانہ میں کہ سلامتی سنت کے بجالانے پر موقوف ہے اور خرابی بدعت کے حاصل کرنے پر وابستہ ہے ہر بدعت کو کلہاڑی کی طرح جانتا ہے جو بنیاد اسلام کو گرا رہی ہے اور سنت کو چمکنے والے ستارہ کی طرح دیکھتا ہے۔ جو گمراہی کی سیاہ رات میں ہدایت فرما رہا ہے حق تعالیٰ علماء و وقت کو توفیق دے کہ کسی بدعت کو حسن کہنے کی جرأت نہ کریں اور کسی بدعت پر عمل کرنے کا فتویٰ نہ دیں خواہ وہ بدعت ان کی نظروں میں صبح کی سفیدی کی طرح روشن ہو کیونکہ سنت کے ماسوا میں شیطان کے مکر کو بڑا دخل ہے۔

گزشتہ زمانہ میں چونکہ اسلام قوی تھا اس لئے بدعت کے ظلمات کو اٹھا سکتا تھا اور ہو سکتا ہے کہ بعض بدعتوں کے ظلمات نور اسلام کی چمک میں نورانی معلوم ہوتے ہوئے اور حسن کا حکم پالیتے ہوئے۔ اگرچہ درحقیقت ان میں کسی قسم کا حسن اور نورانیت نہ تھی مگر اس وقت کہ اسلام ضعیف ہے بدعتوں کے ظلمات کو نہیں اٹھا سکتا۔ اس وقت متقدمین و متاخرین کا فتویٰ جاری نہ کرنا چاہئے کیونکہ ہر وقت کے احکام جدا ہیں۔ اس وقت تمام جہان بدعتوں کے بکثرت ظاہر ہونے کے باعث دریائے ظلمات کی طرح نظر آ رہا ہے اور سنت کا نور بسبب غربت اور ندرت کے اس دریائے ظلمانی میں کرم شب افروز یعنی جگنو کی طرح محسوس ہو رہا ہے اور بدعت کا عمل اس ظلمت کو اور بھی زیادہ کرتا جاتا ہے اور سنت کے نور کو کم کرتا جاتا ہے۔ سنت پر عمل کرنا اس ظلمت کے کم ہونے اور اس نور کے زیادہ ہونے کا باعث ہے۔

اب اختیار ہے کہ کوئی خواہ بدعتوں کی ظلمت کو زیادہ کرے یا سنت کے نور کو بڑھائے اور اللہ تعالیٰ کا گروہ زیادہ کرے یا شیطان کا گروہ۔ اَلَا اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ اِلَّا اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطَانِ هُمُ الْخَاسِرُونَ خبر دار اللہ تعالیٰ کا گروہ خلاصی یافتہ ہے اور شیطان کا گروہ خسارہ پائی والا ہے۔

صوفیہ وقت بھی اگر کچھ انصاف کریں اور اسلام کے ضعف اور جھوٹ کی کثرت کا ملاحظہ کریں تو چاہئے کہ سنت کے ماسوا میں اپنے پیروں کی تقلید نہ کریں اور اپنے شیوخ کا بہانہ کر کے امور مختصرہ پر عمل نہ کریں۔ اتباع سنت بیشک نجات دینے والی اور خیرات و برکات بخشنے والی ہے اور غیر سنت کی تقلید

میں خطر در خطر ہیں۔ وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ قاصد پر حکم پہنچا دینا ہے۔

ہمارے پیروں کو اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے جزاء خیر دے کہ انہوں نے اپنے تابعداروں کو امور مبتدعہ کے بجالانے کی ہدایت نہ کی اور اپنی تقلید سے ہلاک کر نیوالے اندھیروں میں نہ ڈالا اور سنت کی متابعت کے سوا اور کوئی راستہ نہ بتایا اور صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اتباع اور عزیمت پر عمل کرنے کے سوا کچھ ہدایت نہ فرمائی۔ اس واسطے ان بزرگواروں کا کارخانہ بلند ہو گیا اور ان کے وصول کا ایوان سب سے اعلیٰ بن گیا۔

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے سماع و رقص پر پشت پاماری ہے اور وجد و تواجد کو انگشت شہادت سے دو پارہ کر دیا ہے۔ دوسروں کا مکشوف و مشہود ان بزرگواروں کے نزدیک ماسوا میں داخل ہے اور انہوں کا متخیل و معلوم نفی کے قابل ہے۔

ان بزرگواروں کا معاملہ دید و دانش اور معلوم و متخیل اور تجلیات اور ظہورات اور مکاشفات و معاینات سے وراء الوریاء ہے۔

دوسروں کا اہتمام اثبات میں ہے اور ان بزرگواروں کی ہمت ماسوا کی نفی میں۔

دوسرے لوگ کلمہ نفی اثبات کا تکرار اس واسطے کرتے ہیں کہ دائرہ اثبات وسعت پیدا کرے اور تمام عالم جو غیریت کے طریق پر ظاہر و پیدا ہے۔ کلمہ توحید کے تکرار سے حقیقت کے طور پر منکشف ہو جائے اور سب کو حق دیکھیں اور حق معلوم کریں۔

برخلاف ان بزرگواروں کے کہ ان کا مقصود کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ کے تکرار سے دائرہ نفی کی وسعت ہے تاکہ جو کچھ مکشوف و مشہود اور معلوم و متخیل ہوا ہے سب لا کے تحت میں داخل ہو جائے اور اثبات کی جانب میں کچھ بھی ملحوظ و منظور نہ ہو۔ اگر فرضاً اثبات کی جانب میں کوئی امر ظاہر ہو بھی جائے تو اس کو بھی نفی کی طرف راجع کرتے ہیں اور مقام اثبات میں کلمہ مستثنیٰ کے تکلم کے سوا غیر کچھ دخل نہیں رہنے دیتے۔ پس دوسرے طریقوں میں نفی اثبات مبتدیوں کے حال کے مناسب ہے اور ذکر اللہ جو محض اثبات کا کلمہ ہے۔ اس کے بعد مناسب ہے تاکہ مثبت مکشوف اس کلمہ اثبات کے تکرار سے استقرار و استمرار پیدا کر لے۔ برخلاف ان بزرگواروں کے طریق کے جو اس کے برعکس ہے۔ یعنی اول اثبات ہے پھر اس اثبات کی نفی۔ پس اس طریق میں ذکر اسم اللہ ابتدا میں مناسب ہے اور ذکر نفی اثبات اس کے بعد۔

اگر کوئی ناقص سوال کرے اور کہے کہ اس صورت میں اس طریق کے بزرگواروں کو مقام اثبات سے کچھ حصہ نہ ہو گا اور نفی کے سوا ان کے ہاتھ کچھ نہ ہو گا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ دوسروں کا اثبات

ابتدائی حال میں ان بزرگواروں کو حاصل ہوتا ہے۔ لیکن بلند ہمتی کے باعث اس کی طرف التفات نہیں کرتے۔ بلکہ نفی کے لائق سمجھ کر اس کی بھی نفی کر دیتے ہیں اور مطلوب کو اس کے ماوراء میں جانتے ہیں۔ پس دوسروں کا اثبات بھی ان کو میسر ہے اور اس اثبات کی نفی بھی جو مقام کبریا کے مناسب ہے انہی کو مسلم ہے۔ ہر ایک ناقص و بے سرانجام ان کے کام کا پتہ نہیں لگا سکتا اور ہر ایک بواہوس ان کے معاملہ کی حقیقت سے آگاہ نہیں ہو سکتا۔ ان بزرگواروں کے عدم حصول کا تھوڑا سا بیان جو اس مقام میں نفس حصول ہے کہا گیا ہے۔ اگر ان کے بزرگان بزرگ کے حصول کا بیان کیا جائے تو خواص عوام سے مل جائیں اور مفتی مبتدیوں کی طرح الف و با کا سبق اختیار کریں۔ بیت

فریاد حافظ ایں ہمہ آخر بہرہ نیست ہم قصہ غریب و حدیث عجیب ہست

ترجمہ: نہیں بے فائدہ حافظ کی فریاد بہت دلچسپ اس کا ماجرا ہے

حق تعالیٰ کی ذات کا وہ مراقبہ جو دوسروں نے اختیار کیا ہوا ہے ان کے نزدیک اعتبار سے ساقط اور بے اصل ہے یہ مراقبہ حق تعالیٰ کے ظلال میں کسی ظل کا ہے اور کچھ نہیں۔ تَعَالٰی اللّٰهُ عَمَّا يَقُولُونَ عَلُّوا كَبِيرًا (اللہ تعالیٰ بہت برتر ہے اس بات سے جو لوگ کہتے ہیں) حق تعالیٰ کی ذات بلکہ اس کے اسماء و صفات بھی ہمارے فکر و مراقبہ کے احاطہ سے باہر ہیں۔

اس مقام سے سوائے جبل اور حیرت کے کچھ نصیب نہیں۔ نہ وہ جہل و حیرت کہ جس کو لوگ جہل و حیرت جانتے ہیں کیونکہ یہ مذموم ہے بلکہ اس مقام کی جہل و حیرت عین معرفت و اطمینان ہے نہ وہ معرفت و اطمینان جو لوگوں کی سمجھ میں آسکے کیونکہ یہ چون کی قسم سے ہے اور بیچونی سے بے نصیب ہے۔ اس مقام میں جو کچھ ہم ثابت کریں بیچون ہو گا۔ خواہ اس کی تعبیر جہل سے کریں خواہ معرفت سے۔ مَنْ لَمْ يَذُقْهُ لَمْ يَذُرْ جس نے مزہ پکھا ہی نہیں وہ کیا جانے۔

نیز ان بزرگواروں کی توجہ احدیت ذات کی طرف ہے اور اسم و صفت سے سوائے ذات کے کچھ نہیں چاہتے اور دوسروں کی طرح ذات سے صفات کی طرف نہیں اترتے اور بلندی سے پستی کی طرف نہیں آتے۔ عجب معاملہ ہے۔ اس گروہ میں سے بعض لوگ اسم اللہ کا ذکر اختیار کرتے ہیں اور اس پر کفایت نہ کر کے صفات کی طرف اتر آتے ہیں۔ اور سمیع و علیم و بصیر کا ملاحظہ کرتے ہیں اور پھر عروج کے طور پر علیم و بصیر و سمیع سے اسم اللہ کی طرف جاتے ہیں۔ صرف اسم اللہ پر کیوں کفایت نہیں کرتے اور احدیت ذات کو توجہ کا قبلہ کیوں نہیں بناتے۔ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَه (کیا اللہ اپنے بندہ کو کافی نہیں ہے) نص قاطع ہے اور آیت کریمہ قُلِ اللّٰهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ (کہہ دو اللہ پھر ان کو چھوڑ دے) اس مضمون کی تائید کرتی ہے۔

غرض اس طریقہ علیا کے بزرگواروں کی نظر ہمت بہت بلند ہے ہر رزاق اور رقا ص یعنی مکار اور ناپنے والے سے نسبت نہیں رکھتے اسی واسطے دوسروں کی نہایت انکی ہدایت میں مندرج ہے۔ اور اس طریقہ کا مبتدی دوسرے طریقوں کے منتہی کا حکم رکھتا ہے ابتدا ہی سے ان کا سفر وطن میں مقرر ہوا ہے اور خلوت در انجمن حاصل ہو چکی ہے اور دوام حضور ان کا نقد وقت ہے۔

یہ وہ لوگ ہیں کہ طالبوں کی تربیت ان کی صحبت علیہ پر موقوف ہے اور ناقصوں کی تکمیل ان کی شریف توجہ پر منحصر ہے ان کی نظر امراض قلبی کو شفا بخشی ہے اور ان کی توجہ باطنی بیماریوں کو دور کرتی ہے ان کی ایک توجہ سوچوں کا کام کر جاتی ہے اور ان کی ایک التفات کئی سالوں کی ریاضتوں اور مجاہدوں کے برابر ہے۔ بیت

نقشبندیہ عجب قافلہ سالار اند کہ برندازہ پنہاں بحر م قافلہ را
ترجمہ: عجب ہی قافلہ سالار ہیں نقشبندی کہ لے جاتے ہیں پوشیدہ حرم تک قافلے کو
اے سعادت کے نشان والے۔ اس بیان سے کوئی یہ وہم نہ کرے کہ یہ اوصاف و طریقہ علیہ نقشبندیہ کے تمام استادوں اور شاگردوں کو حاصل ہوتے ہیں۔ ہر گز نہیں۔ بلکہ یہ شامل و خصال اس طریقہ علیہ کے ان بزرگواروں کے ساتھ مخصوص ہیں جنہوں نے کام کو نہایت نہایت تک پہنچایا ہے اور وہ مبتدی رشید جنہوں نے ان بزرگوں کے ساتھ نسبت ارادت درست کی ہے اور آداب کو مد نظر رکھا ہے ان کے حق میں اندراج نہایت در ہدایت ثابت ہے۔ برخلاف اس طریق کے اسی مبتدی کے جو اس طریق کے شیخ ناقص کا مرید ہو۔ اندراج نہایت در ہدایت کے حق میں متصور نہیں کیونکہ جب اس کا شیخ نہایت تک نہیں پہنچا تو مبتدی کے حق میں نہایت کیونکر متصور ہو سکتا ہے۔

از کوزہ بروں ہماں تراود کہ در دست

ترجمہ: نکلتا ہے وہی برتن سے جو کچھ اس میں ہوتا ہے

اے نجات و شرافت کے نشان والے۔ ان بزرگوں کا طریق بعینہ اصحاب کرام علیہم الرضوان کا طریق ہے اور یہ اندراج نہایت در ہدایت اس اندراج نہایت در ہدایت کا اثر ہے۔ جو حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت میں میسر ہو جاتا تھا۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ کی پہلی ہی صحبت میں وہ کچھ میسر ہو جاتا تھا جو دوسروں کو انتہا میں بھی جا کر بمشکل حاصل ہو سکے اور یہ فیوض و برکات وہی فیوض و برکات ہیں۔ جو قرن اول میں ظاہر ہوتے تھے۔ اگرچہ ظاہر میں آخر اول سے وسط کی نسبت دور ہے لیکن حقیقت میں آخر وسط کی نسبت اول کے زیادہ نزدیک ہے اور اسی رنگ میں رنگا ہوا ہے۔ متوسطن اس کو یاد رکھیں یا نہ رکھیں۔ بلکہ متاخرین میں سے آخر کو بھی معلوم نہیں کہ اس معاملہ کی حقیقت کو پاسکیں۔

وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلَىٰ مَنْ اتَّبَعَ أُسْدِي وَالتَّوْبَةُ مُتَابَعَةُ الْمُصْطَفَىٰ عَلَيْهِ وَعَلَىٰ آلِهِ الصَّلَوٰتُ
وَالتَّسْلِيْمَاتُ الْعُلَى (سلام ہو آپ پر اور ان لوگوں پر جنہوں نے ہدایت اختیار کی اور حضرت محمد
مصطفیٰ ﷺ کی متابعت کو لازم پکڑا)

مکتوب ۲۴

حاجی محمد فرحتی کی طرف اس کے اس خط کے جواب میں جس میں اس نے یہ آرزو ظاہر کی
تھی کہ مجھے تمام ذرات میں جمال لایزال کا مشاہدہ میسر ہو جائے۔ صادر فرمایا ہے:
الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ السَّلَامُ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَى (اللہ تعالیٰ کیلئے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ
بندوں پر سلام ہو)

آپ کا مراسلہ شریفہ جو کمال محبت و اخلاص سے ارسال فرمایا تھا۔ بڑی خوشی کا باعث ہوا۔ رابطہ
کی نسبت ہمیشہ آپ کو صاحب رابطہ کے ساتھ رکھتی ہے اور انعکاسی فیوض کا وسیلہ ہوتی ہے۔ اس بڑی
نعمت کا شکر بجالانا چاہئے۔ قبض وسط دونوں اس راہ میں اڑنے کے لئے بازو ہیں۔ قبض سے دلگیر اور وسط
سے خوش دل نہ ہونا چاہئے۔ آپ نے یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ تمام ذرات میں جمال لایزال کا مشاہدہ
میسر ہو جائے۔

اے میرے محبت کے طور والے بندہ کو آرزو سے کیا کام اس کی آرزو اس کے فہم قاصر کے اندازہ
کے موافق ہوگی۔ جمال لایزال کو ذرات کے آئینوں میں مشاہدہ کرنا قصور نظر سے ہے۔ ذرات کی کیا
جمال ہے کہ اس جمال کا آئینہ بن سکیں۔ جو کچھ ذرات کے آئینوں میں مشہود ہوتا ہے۔ اس جمال کے
بے نہایت ظلال میں سے ایک ظل ہے۔ حق تعالیٰ وراء الوراء ہے۔ اس کو انفس و آفاق کے باہر طلب
کرنا چاہئے۔ وہ نسبت جواب آپ کو حاصل ہے آپ کی آرزو سے بڑھ کر ہے۔ ہر گز ہر گز لوگوں کی تقلید
سے پستی کی خواہش نہ کریں اور بلندی سے پستی کی طرف اترنے کی تمنا نہ کریں۔ ان بزرگوں کا
کارخانہ بلند ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی يُحِبُّ مَعَآلِی الْهَمَمِ (اللہ تعالیٰ بلند ہمت والوں کو دوست رکھتا ہے) دعا
ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ظاہری باطنی جمعیت عطا فرمائے۔ والسلام

مکتوب ۲۵

اس بیان میں کہ جو عمل شریعت غرا کے موافق کیا جائے ذکر میں داخل ہے۔ اگرچہ خرید و
فروخت ہو خواجہ شرف الدین حسین کی طرف صادر فرمایا ہے۔
الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ السَّلَامُ "عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَى (اللہ تعالیٰ کیلئے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ
بندوں پر سلام ہو)

وہ مبارک خط جو میرے فرزند عزیز نے مولانا عبدالرشید اور مولانا جان محمد کے ہاتھ ار سال کیا تھا پہنچا اور نذرانہ کے مبلغات بھی پہنچ گئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزا خیر دے تمہاری صحت کی خبر سن کر بڑی خوشی ہوئی۔

اے فرزند۔ فرصت اور صحت اور فراغت کو غنیمت جاننا چاہئے اور تمام اوقات ذکر الہی میں مشغول رہنا چاہئے۔ جو عمل شریعت غرا کے موافق کیا جائے ذکر ہی میں داخل ہے اگرچہ خرید و فروخت ہو۔ پس تمام حرکات و سکون میں احکام شریعہ کی رعایت کرنی چاہئے تاکہ سب کچھ ذکر ہو جائے کیونکہ ذکر سے مراد یہ ہے کہ غفلت دور ہو جائے جب تمام افعال میں اوامر و نواہی کو مد نظر رکھا جائے تو اس صورت میں بھی امر و نہی کی غفلت دور ہو جاتی ہے اور دوام ذکر الہی حاصل ہو جاتا ہے۔ یہ دوام ذکر حضرت خواجگان کی یادداشت سے جدا ہے وہ یادداشت صرف باطن تک ہی ہے اور اس دوام ذکر کا اثر ظاہر میں بھی ہے اگرچہ دشوار ہے۔ وَلَقَدْ نَافَقْنَا اللَّهَ سُبْحَانَهُ وَآيَاتُكُمْ بِمُتَابَعَةِ صَاحِبِ الشَّرِيعَةِ عَلَيْهِ وَعَلَى إِلَهِ الصَّلَاةِ وَالسَّلَامِ وَالنَّجِيَّةِ۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کی توفیق بخشے۔

مکتوب ۲۶

ایک خط کے جواب میں جس سے طرف داری کی بو آتی تھی اور اس بیان میں کہ ذکر کی تلقین بچوں کو الف و با سکھانے کی طرح ہے۔ عرفان پناہ مرزا احسام الدین احمد کی طرف ار سال کیا ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَى اللہ تعالیٰ کیلئے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔

آپ کا مبارک خط جو کشمیر کے قاصد کے ہاتھ ار سال کیا تھا، پہنچا اور اس کے مطالعہ سے مشرف ہوا۔ اس طرف کے حضرات کی خیریت کا حال پڑھ کر بڑی خوشی ہوئی اللہ تعالیٰ آپ کو جزاء خیر دے۔ آپ نے لکھا تھا کہ مخدوم زادہ کلاں اور جمال الدین حسین میاں الہ داد کی تلقین سے شرم کے مارے وہاں نہیں پہنچ سکے۔

میرے مخدوم! اس قسم کی باتوں سے ابھی طرف داری کی بو آتی ہے اور اس طرز و وضع سے بیگانگی اور مخالفت مفہوم ہوتی ہے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔

مخدوم زادہ کلاں کو چاہئے تھا کہ اپنے والد بزرگوار کی وصیت کی شرم کرتے یا اس توجہ اور افادہ کی

شرم کرتے جو حضرات ایشاں قدس سرہ کے حضور میں ان کے امر کے بموجب ہر دو مخدوم زادہ کی نسبت واقع ہوئی تھی اور میاں شیخ الہ داد باوجود عموں پر پرستی کے اتنی جرات نہ کرتے اور وصیت اور سبقت افادہ کی ملاحظہ کرتے جو کچھ آپ نے لکھا ہے حق و صواب ہو گا لیکن وہ مکتوب جو مخدوم زادہ کلاں نے اپنے برادر عزیز کے ہاتھ ارسال کیا تھا۔ کمال تواضع اور بڑی طلب و شوق سے بھرا ہوا تھا۔ اور اس میں اس قسم کی عبارتیں درج تھیں جن کا لکھنا بغیر جنون کے متصور نہیں۔ شائد یہ خط ارسال کر چکنے کے بعد طبیعت بدل گئی ہوگی۔ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ (یا اللہ تو ہدایت دیکر پھر ہمارے دلوں کو میڑھانہ کیجؤ اور اپنی جناب سے ہم پر رحمت نازل فرما تو سب کچھ بہت زیادہ بخشنے والا ہے)۔

فقیر جانتا ہے کہ حضرات ایشاں قدس سرہ کی وصیت بے حکمت نہ ہوگی، امید ہے کہ اس کا انجام اچھا ہو گا لیکن افسوس ہے کہ وہ طلب جو ان کے مکتوب سے کچھ کچھ مفہوم ہوتی تھی برباد ہو جائیگی اور اس کی جگہ ضد آجائیگی۔ دوستوں اور خیر خواہوں کو یہ بات بہت ناگوار اور گراں معلوم ہوتی ہے۔ مناسب یہ ہے کہ اس کا اہتمام اور انتظام کریں۔

میرے مکرم۔ اگر کام صرف تلقین ہی سے تمام ہو جاتا ہے تو مبارک ہو۔ فقیر کے نزدیک ذکر کا تلقین کرنا بچوں کو الف با کے پڑھانے کی طرح ہے اگر اسی تعلیم سے مولویت کا ملکہ حاصل ہو جاتا ہے تو مضائقہ نہیں۔ آپ کی مہربانی اور توجہ سے امید ہے کہ آپ طرفداری کو چھوڑ کر سب یاروں کے ساتھ یکساں محبت و آشنائی کرینگے زیادہ کیا مبالغہ کیا جائے۔ والسلام۔

مکتوب ۲۷

شیخ عبدالعزیز جو نیوری کے ان تشکیکات و سوالات کے جواب میں جو مکتوب اول میں جو اس کے نام پر ہے کئے گئے تھے۔ مولانا محمد طاہر بدخشی کی طرف ارسال فرمایا ہے:-
حمد و صلوة اور تبلیغ دعوات کے بعد واضح ہو کہ آپ کا مکتوب شریف جو آپ نے بڑی مدت کے بعد ارسال کیا تھا پہنچا بڑی خوشی ہوئی حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ آپ کو ظاہری باطنی جمعیت کے ساتھ آراستہ پیراستہ رکھے۔ فقیر نے اس مدت میں تین مکتوب آپ کی طرف بھیجے ہیں جن میں سے صرف ایک مکتوب آپ کو ملا ہے دور دراز فاصلہ کے باعث امید ہے کہ معذور فرمائیں گے۔

مشینٹ مآب شیخ عبدالعزیز کا مکتوب بھی آپ کے مکتوب کے ساتھ پہنچا اور جو کچھ اس میں لکھا ہوا تھا واضح ہوا۔

سوال: وہاں درج تھا کہ اگر ممکنات کے حقائق جو صورت علمیہ ہیں۔ عدمات ہوں جو صفات کے

اضداد ہیں تو لازم آتا ہے کہ حق تعالیٰ کی ذات میں عدمات حاصل ہیں۔ حالانکہ حق تعالیٰ ان باتوں سے منزہ و برتر ہے۔

جواب: عجب شبہ و اعتراض ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ تمام شریف اور کثیف اشیاء کو جانتا ہے مگر حق تعالیٰ کی ذات میں ان میں سے کسی کا حصول نہیں اور ان میں سے کسی کے ساتھ متصف نہیں تو اس صورت میں حصول کہاں سے پیدا ہو جائیگا۔

سوال دوم: وہاں درج تھا کہ ممکنات کے حقائق وجودی اور ثبوتی ہونے چاہئیں نہ کہ عدمی، کیونکہ حقائق سے مراد ممکنات کے ارواح و نفوس ہیں۔

جواب: ہاں وجود و ثبوت علمی رکھتے ہیں جو حقائق میں درکار ہیں۔ یہ اعتراض پہلے شیخ محی الدین پر کرنا چاہئے تھا جس نے کہا ہے کہ الْأَعْيَانُ مَا شَمَّتْ رَانِحَةُ الْوُجُودِ (اعیان نے وجود کی بو بھی نہیں سونگھی) عجب معاملہ ہے کہ یہاں حقائق سے ارواح و نفوس مراد لئے ہیں اور اعیان ثابتہ اور معلومات اللہ پر چھوڑ دیا ہے۔

سوال سوم: اس میں درج تھا کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اولیاء علیہم الرضوان اور تمام افراد انسان جو ممکنات سے ہیں اگر ان سب کے حقائق عدمات ہوں تو اس گروہ بلند سے شرف و کرامت مسلوب و معدوم ہوگی۔

جواب: کیوں مسلوب و معدوم ہوگی۔ جب کہ حق تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ اور قدرت کاملہ سے ان عدمات کو اپنے حسن تربیت کے ساتھ اپنے اسماء و صفات کے عکسوں کا آئینہ بنا کر نبوت و ولایت کے شرف سے مشرف کیا ہے۔ اور اپنے کمالات کے ظلال سے آراستہ کر کے معزز و مکرم فرمایا ہے جس طرح کہ انسان کو ماء مبین یعنی ناپاک پانی سے پیدا کر کے اعلیٰ درجہ تک پہنچایا۔ بڑے تعجب کی بات ہے کہ آپ انسان کی شرف و کرامت کو نظر میں لے آئے ہیں اور حق تعالیٰ کی تنزیہ و تقدیس کو ہاتھ سے دیکر کہتے ہیں کہ ہمہ اوست اشیاء ذلیلہ و خسیہ کو حق تعالیٰ کا عین کہنے سے کنارہ نہیں کرتے اور انسان کیلئے حقائق عدمیہ کے تجویز کرنے سے ڈرتے ہیں۔ حق تعالیٰ آپ کو انصاف دے۔

سوال چہارم: لکھا تھا کہ خن اجماعی یعنی ہمہ اوست کو خن ابداع یعنی ہمہ ازوست سے رفع نہیں کر سکتے۔

جواب: خن مبدع یعنی نئی بات ہم مقولہ ہمہ اوست کو جانتے ہیں۔ مقولہ ہمہ ازوست پر تمام علماء کا اتفاق و اجماع ہے۔ اب تک جو ملامت و شاعت جو صاحب فصوص پر ہوتی چلی آئی ہے۔ صرف اسی ایک مقولہ ہمہ اوست کے باعث ہے اور فقیر نے جس قدر معارف لکھے ہیں ان کا حاصل ہمہ ازوست

ہے جو شرع و عقل کے نزدیک مقبول ہے بھلا کیونکر مقبول نہ ہو جب کہ کشف والہام سے بھی اس کی تائید ہوتی ہو۔

شیخ مشار الیہ نے اعتراضات کو ذکر کر کے شفقت کے مقام میں آکر لکھا ہے کہ اگر ممکنات کے حقائق سے مراد ارواح انسانی ہوں تو جمہور کے موافق ہے۔ معلوم نہیں جمہور سے کونسا گروہ مراد ہے اور نہ آج تک سنا گیا ہے کہ حقائق ممکنات کو کسی نے ارواح انسانی کہا ہو۔ افسوس صد افسوس۔ شیخ نے کیا خیال کیا ہے کہ ہر ایک شخص صرف قیاس و تخمینہ سے بات کہتا ہے اور اس کے تفکر و تخیل میں جو کچھ آئے ہو اس کو دیتا ہے ہر گز ہر گز ایسا نہیں۔

وہ معارف جو کشف والہام کے بغیر کہے اور لکھے جائیں یا شہود و مشاہدہ کے بغیر تحریر میں آئیں سر اسر بہتان و افتراء ہیں۔ خاص کر جبکہ قوم کے مخالف ہوں۔ معلوم نہیں شیخ مشار الیہ کا کیا اعتقاد ہے۔ اور ان معارف کو کیا سمجھتے ہیں۔ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِي أَمْرِنَا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ يَا اللہ تو ہمارے گناہوں کو اور امور میں ہمارے اسراف کو معاف فرما اور ہمارے قدموں کو ثابت رکھ اور کافروں پر ہمیں مدد دے۔

مکتوب ۲۸

چند استفساروں کے جواب میں مولانا محمد صادق کشمیری کی طرف صادر فرمایا ہے:-
حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد واضح ہو کہ آپ کا مکتوب شریف پہنچا۔ چونکہ اس میں پسندیدہ احوال لکھے تھے۔ اس لئے بڑی خوشی کا موجب ہوا۔

آپ نے لکھا تھا کہ وراثت میں معاملہ یہاں تک پہنچ گیا ہے۔ کہ صفات کو حق تعالیٰ پر بڑی تکلف سے حمل کرتا ہے اور حق تعالیٰ کو وراء الراء اور اہل جانتا ہے آپ کو شش کریں تاکہ یہ حمل کرنا تکلف سے بھی میسر نہ ہو اور صرف حیرت تک معاملہ پہنچ جائے۔

آپ نے دریافت فرمایا تھا کہ ریشحات میں باباء آبریز کی نسبت منقول ہے کہ اس نے کہا ہے کہ جب حق تعالیٰ نے روز اول میں آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مٹی گوندھی تھی تو میں اس مٹی پر پانی گراتا تھا اس کی تاویل کیا ہے۔

آپ کو جاننا چاہئے کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ظلیہ خدمات میں جس طرح ملائکہ کرام کو دخل دیا ہوا تھا شاید اس کی روح کو بھی دخل دیا ہو۔ اور اس کی عنصری پیدائش اور اس کے کمال کے بعد اس امر سے اس کو اطلاع دی گئی ہو۔ جائز ہے کہ حق تعالیٰ ارواح مجردہ کو وہ طاقت و قدرت دے۔ کہ ان سے اجسام کے سے افعال صادر ہوں اور اسی قسم کی ہیں وہ باتیں بھی جو بعض کبراء نے اپنے افعال شاقہ

سے خبر دی ہے جو ان سے ان کے وجود غصری سے کئی قرن پہلے صادر ہوئے تھے۔ وہ افعال ان کے ارواح مجردہ سے صادر ہوئے اور وجود غصری کے بعد ان کو ان افعال پر اطلاع دی گئی بعض لوگ اس قسم کے افعال صادر ہونے سے تنازع کے وہم میں پڑ جاتے ہیں۔ حاشا وکلا کہ کسی دوسرے بدن کا اس سے تعلق ہوا ہو۔ روح مجرد ہے جو حق تعالیٰ کی طاقت بخشے سے بدن کا کام کرتا ہے اور ارباب زلیغ یعنی کجروؤں کو خلاف میں ڈالتا ہے اس مقام میں سخن کی بہت مجال ہے اور بہت سی عجیب و غریب تحقیقات فائض ہوئے ہیں اگر توفیق شامل حال ہوئی تو کسی جگہ انشاء اللہ لکھی جائیں گی اب وقت نے مساعدت اور یادی نہیں کی۔

نیز آپ نے پوچھا تھا کہ رشحات میں لکھا ہے کہ جب خواجہ علاؤ الدین قدس سرہ مولانا نظام الدین خاموش سے رنجیدہ خاطر اور ناراض ہوئے تو چاہا کہ ان سے نسبت کو سلب کر لیں۔ مولانا نے اس وقت آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روحانیت سے التجا کی اور آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام سے خواجہ قدس سرہ کو خطاب ہوا کہ نظام الدین ہمارا ہے اس پر کسی کا تصرف نہیں ہو گا اور دوسری جگہ اسی کتاب میں لکھا ہے کہ بڑھاپے میں حضرت خواجہ احرار قدس سرہ نے مولانا سے نسبت کو سلب کر لیا۔ مولانا کہا کرتے تھے کہ خواجہ نے ہم کو بوڑھا جانا۔ اس لئے جو کچھ میرے پاس تھا سب لے گئے اور آخر کار مفلس بنا دیا یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ حضرت رسالت خاتمیت علیہ الصلوٰۃ والسلام جس شخص کو اپنا کہیں اور فرمائیں کہ اس پر کسی کو تصرف کی مجال نہیں۔ اس پر حضرت خواجہ احرار قدس سرہ تصرف کر جائیں۔

جاننا چاہئے کہ ہمارے حضرت خواجہ قدس سرہ اس نقل کو پسند نہ کرتے تھے اور مولانا کی نسبت کے سلب ہونے میں توقف فرماتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ مولانا سعد الدین کا شغری (جو مولانا نظام الدین کے مرید ہیں) کے مریدوں میں سے مولانا عبدالرحمن اور دوسرے ان کے بیشمار مریدوں میں سے کسی نے اس نقل کو بیان نہیں کیا اور نہ اس کے رد و قبول کا ذکر کیا ہے۔ معلوم نہیں مولانا فخر الدین علی نے کہاں سے لکھا ہے۔ اگر یہ خبر سچی ہوتی تو تواتر کے ساتھ نقل ہوتی چلی آتی کیونکہ تواتر کے طور پر اس کی نقل ہونے کے بہت سے اسباب تھے اور جب تواتر کے ساتھ منقول نہیں اور خبر واحد کے ساتھ قرار پائی ہے تو معلوم ہوا کہ اس کے صدق میں تردد ہے۔ رشحات کی اور اس قسم کی بہت سی نقلیں صدق سے دور ہیں۔ اور اس سلسلہ عالیہ کے لوگ ان نقلوں میں تردد رکھتے ہیں۔ وَهُوَ سُبْحَانَهُ اَعْلَمُ (اللہ تعالیٰ زیادہ جانتا ہے) اور حضرت خواجہ قدس سرہ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ مفلس کرنا سلب ایمان پر دلالت کرتا ہے۔ اَعَاذَنَا اللّٰهُ سُبْحَانَهُ (اللہ تعالیٰ اس سے بچائے) اور یہ بات بہت مشکل ہے۔ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ یا اللہ ہدایت دے کر تو

ہمارے دلوں کو میزہانہ کر اور اپنی جناب سے ہم پر رحمت نازل فرما بیشک تو بہت بخشے والا ہے۔

مکتوب ۲۹

اس بیان میں کہ اس جہان کے بہتر اسباب حزن و اندوہ ہیں۔ اور اس دسترخوان کی خوشگوار نعمت الم و مصیبت ہے۔ فضیلت پناہ شیخ عبدالحق دہلوی کی طرف صادر فرمایا ہے:-
الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰی اللہ تعالیٰ کیلئے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔

میرے مخدوم مکرم مصائب میں اگرچہ بڑی تکلیف و ایذا برداشت کرنا پڑتی ہے لیکن ان پر بڑی کرامت اور مہربانی کی امید ہے اس جہان کا بہتر اسباب حزن و اندوہ ہے اور اس دسترخوان کی خوشگوار نعمت الم و مصیبت ہے۔ ان شکرپاروں پر داروئے تلخ کا رقیق غلاف چڑھایا ہوا ہے اور اس حیلہ سے ابتلاء و آزمائش کا راستہ کھولا ہے سعادت مند لوگ ان کی شیرینی پر نظر کر کے تلخی کو شکر کی طرح چبا جاتے ہیں۔ اور کڑواہٹ کو صغرا کے برعکس شیریں معلوم کرتے ہیں کیوں شیریں معلوم نہ کریں جب کہ محبوب کے افعال سب شیریں ہوتے ہیں۔ علقی اور بیمار شائد ان کو کڑوا معلوم کرے تو کرے جو ماسوا میں گرفتار ہے مگر دولت مند محبوب کے ایلام و رنج میں اس قدر حلاوت و لذت پاتے ہیں جو اس کے انعام میں ہرگز متصور نہیں۔ اگرچہ دونوں محبوب کی طرف سے ہیں لیکن ایلام میں محبت کے نفس کا دخل نہیں ہوتا اور انعام میں اپنے نفس کی مراد پر قیام ہوتا ہے۔

هَبْنَا لِارْبَابِ النِّعَمِ نَعِيمَهَا
وَلِلْعَاشِقِ الْمُسْكِينِ مَا يَتَجَرَّعُ

ترجمہ مبارک منعموں کو اپنی دولت مبارک عاشقوں کو درد و کلفت

اللَّهُمَّ لَا تُحَرِّمْنَا أَجْرَهُمْ وَلَا تَقْبَلْنَا بَعْدَهُمْ (یا اللہ تو ہم کو ان کے اجر سے محروم نہ رکھ اور ان کے بعد ہم کو فتنہ میں نہ ڈال) اس غربت اسلام کے زمانہ میں آپ کا وجود شریف اہل اسلام کیلئے غنیمت ہے۔ سَلِّمُکُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی وَابْقَاکُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی آپ کو سلامت و باقی رکھے۔ والسلام۔

مکتوب ۳۰

ایک خط اور دو سوالوں کے جواب میں جن میں سے ایک نسبت رابطہ کی ورزش کی نسبت اور دوسرا فتور مشغولی کے بارہ میں کیا گیا تھا خواجہ محمد اشرف اور حاجی محمد فرحتی کی طرف صادر فرمایا ہے:-

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کیلئے حمد ہے اور اسکے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو)۔

صحیفہ شریفہ جو دونوں معزز بھائیوں نے ار سال کیا تھا پہنچا اور کیفیات احوال جو اس میں درج تھیں واضح ہوئیں۔

خواجہ محمد اشرف نے لکھا تھا کہ نسبت رابطہ کی ورزش یہاں تک غالب ہو گئی ہے کہ نمازوں میں اس کو اپنا مسجود جانتا اور دیکھتا ہے اور اگر بالفرض اس کو دور بھی کرنا چاہوں تو نہیں ہو سکتا۔

اے محبت کے نشان والے۔ طالب اسی دولت کی تمنا کرتے ہیں اور ہزاروں میں سے ایک کو ملتی ہے۔ ایسے حال والا شخص کامل مناسبت کی استعداد رکھتا ہے اور شیخ مقتدا کی تھوڑی صحبت سے اس کے تمام کمالات کو جذب کر لیتا ہے۔ رابطہ کی نفی کیوں کرتے ہیں رابطہ مسجود الیہ ہے نہ مسجود لہ۔ محرابوں اور مسجدوں کی نفی کیوں نہیں کرتے اس قسم کی دولت سعادت مندوں کو میسر ہوتی ہے۔ تاکہ تمام احوال میں صاحب رابطہ کو اپنا وسیلہ جانیں اور تمام اوقات اسی کی طرف متوجہ رہیں نہ ان بد بخت لوگوں کی طرح جو اپنے آپ کو مستغنی جانتے ہیں اور توجہ کے قبلہ کو اپنے شیخ کی طرف سے پھیر لیتے ہیں اور اپنے معاملہ کو درہم برہم کر لیتے ہیں۔

دیگر یہ کہ آپ نے اپنے فرزندوں کی والدہ کے فوت ہونے کی خبر لکھی تھی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھ کر فاتحہ کیا اور پڑھنے کے وقت قبولیت کا اثر مفہوم ہوا۔ مولانا حاجی محمد نے ظاہر کیا تھا کہ تقریباً دو ماہ گزرے ہونگے کہ مشغولی میں فتور پڑا ہوا ہے اور وہ ذوق و حلاوت جو پہلے حاصل تھی اب نہیں رہی۔

اے میرے دوست! اگر دو چیزوں میں فتور نہیں آیا تو کچھ غم نہیں۔ ان میں سے ایک صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت ہے۔ دوسرے اپنے شیخ کی محبت و اخلاص ان دو چیزوں کے ہوتے۔ اگر ہزار باظلمات طاری ہو جائیں تو کچھ غم نہیں آخر اس کو ضائع نہ چھوڑیں گے اور اگر نعوذ باللہ ان چیزوں میں سے ایک میں نقصان پیدا ہو جائے تو پھر خرابی ہی خرابی ہے اگرچہ حضور و جمعیت سے رہیں۔ کیونکہ یہ استاد راج ہے جس کا انجام خراب ہے۔ بڑی عاجزی اور زاری کے ساتھ حق تعالیٰ سے دعا مانگتے رہیں کہ ان دو امروں پر ثبات و استقامت عطا فرمائے کیونکہ یہی دونوں اصل مقصود اور نجات کا مدار ہیں۔

آپ کو اور تمام دوستوں کو اور خاص کر ہمارے پرانے دوست مولانا عبد الغفور سمرقندی کو سلام پہنچے۔

مکتوب ۳۱

و عظمیٰ نصیحت کے بیان میں خواجہ محمد شرف الدین حسین کی صرف صادر فرمایا ہے:-
 الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کیلئے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ
 بندوں پر سلام ہو)۔

میرے فرزند عزیز فرصت کو غنیمت جانیں اور خیال رکھیں کہ عمر بیہودہ امور میں صرف نہ ہو۔
 بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی میں بسر ہو۔ نماز، ہجگاہ، جمعیت و جماعت اور تعدیل اربکان کے ساتھ ادا
 کریں۔ نماز تہجد کو ترک نہ کریں اور صبح کے استغفار کو رائیگاں نہ چھوڑیں اور خواب خرگوش سے محفوظ نہ
 ہوں اور دنیا کی فانی لذتوں پر فریفتہ و حریص نہ ہوں۔ موت کو یاد رکھیں اور آخرت کے احوال کو مد نظر
 رکھیں۔ غرض دنیا کی طرف سے منہ پھیر لیں اور آخرت کی طرف متوجہ ہو جائیں بقدر ضرورت دنیا
 کے کاموں میں مشغول ہوں اور باقی اوقات کو امور آخرت کے اشتغال میں بسر کریں۔ حاصل کلام یہ
 کہ دل کو ماسوی اللہ کی گرفتاری سے آزاد کریں۔ اور ظاہر کو احکام شرعیہ سے آراستہ پیراستہ رکھیں۔ ع

کار این است و غیر این ہمہ بیج

ترجمہ اصل مطلب ہے یہی باقی ہے بیج

باقی احوال بخیریت ہیں۔ والسلام۔

مکتوب ۳۲

ایک عریضہ کے جواب میں جس میں باطنی جمعیت کی شکایت لکھی تھی مرزا قلیچ خان

کی طرف صادر فرمایا ہے:-

حمد و صلوة اور تبلیغ و دعوات کے بعد گزارش ہے کہ صحیفہ شریفہ جو آپ نے ماتم پر سی کے بارہ میں
 لکھا تھا پہنچا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاٰجِعُوْنَ ہم بھی اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اس کی قضا پر راضی ہیں۔ آپ
 بھی راضی ہو کر دعا و فاتحہ کے ساتھ مدد و اعانت فرمائیں۔

دیگریہ کہ آپ کی خلاصی کی خبر سن کر بڑی مسرت و خوشی حاصل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کا حمد اور احسان
 ہے کہ دو غموں میں سے ایک کی طرف سے تسلی و تسکین ہوئی۔

آپ نے باطنی جمعیت کی نسبت شکایت لکھی تھی۔ ہاں ظاہر کی پراگندگی باطنی تفرقہ میں بڑی
 تاثیر رکھتی ہے۔ جب باطن میں کدورت معلوم کریں تو توبہ و استغفار سے اس کا مدارک کریں اور جب
 کوئی خوفناک صورت ظاہر ہو تو کلمہ تمجید لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ سے اس کو دفع
 کریں۔ مَعُوْذٌ یُّنِیْ کا تکرار بھی اس وقت غنیمت ہے۔ باقی احوال حمد کے لائق ہیں۔ لِلّٰهِ سُبْحَانَہُ الْحَمْدُ

وَالْمِنَّةُ دَائِمًا وَعَلَى كُلِّ حَالٍ وَاعُوذُ بِاللَّهِ سُبْحَانَهُ مَنْ حَالِ أَهْلِ النَّارِ (ہمیشہ اور ہر حال پر اللہ تعالیٰ کا حمد ہے اور اس کا احسان ہے اور دوزخیوں کے حال پر اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتا ہوں) فقیر ضعیف و کمزوری کے باعث مفصل حال نہیں لکھ سکا۔ حق تعالیٰ ہم کو اور آپ کو شریعت مصطفویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے سیدھے راستہ پر استقامت عطا فرمائے۔ والسلام۔

مکتوب ۲۲

اس بیان میں کہ محبوب محبت کی نظر میں ہر حال میں محبوب ہے۔ خواہ انعام فرمائے خواہ درد پہنچائے۔ بلکہ اقل و بعض کے نزدیک رنج کا پہنچانا انعام کی نسبت زیادہ محبت بخشا ہے اور شکر پر حمد کی زیادتی کے بیان میں مولانا محمد صالح کولابی کی طرف صادر فرمایا ہے:-
الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَى (اللہ تعالیٰ کیلئے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو)۔

برادر عزیز مولانا محمد صالح کو واضح ہو کہ محبوب محبت کی نظر میں ہر حال میں بلکہ نفس الامر میں ہر وقت و ہر حال میں محبوب ہے۔ خواہ رنج پہنچائے اور خواہ انعام فرمائے اکثر لوگوں کے نزدیک جو دولت محبت سے مشرف ہوئے ہیں۔ ایلام کی نسبت انعام میں محبوب کی زیادہ محبت ہے یا دونوں حالتوں میں محبت برابر و یکساں ہے اور اقل و بعض کے نزدیک اس کے برعکس ہے۔ اور ایلام انعام کی نسبت زیادہ محبت بخش ہیں اس دولت عظمیٰ کا مقدمہ محبوب پر حسن ظن ہے۔ حتیٰ کہ اگر محبوب محبت کے حلقوم پر خنجر چلا دے اور اس کے اعضا کو ایک دوسرے سے الگ کر دے تو محبت اس کو اپنی عین صلاح جانے اور اپنی بہتری تصور کرے۔ جب اس حسن ظن کے حاصل ہونے سے محبوب کے فعل کی کراہت محبت کی نظر سے دور ہو جائے تو محبت ذاتی کی دولت سے جو حبیب رب العالمین ﷺ کے ساتھ مخصوص ہے اور تمام نسبتوں اور اعتباروں سے معرا ہے۔ مشرف ہو جاتا ہے اور محبوب کے ایلام میں اس کے انعام کی نسبت زیادہ لذت و خوشی پاتا ہے۔ میرے خیال میں یہ مقام مقام رضا سے برتر و بلند ہے۔ کیونکہ رضا میں محبوب کے فعل ایلام کی کراہت کا دفع کرنا مقصود ہوتا ہے اور یہاں اس فعل سے لذت حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ محبوب کی جانب سے جس قدر جفا زیادہ ہوتی جاتی ہے اسی قدر محبت کی جانب سے فرج و سرور زیادہ ہوتا جاتا ہے۔ شَتَّانَ مَا بَيْنَهُمَا (ان دونوں میں بہت فرق ہے) چونکہ محبوب محبت کی نظر میں بلکہ نفس الامر میں ہر وقت و ہر حال میں محبوب ہے۔ اس لئے محبوب ہر وقت و ہر حال میں بلکہ نفس الامر میں محمود اور مدوح بھی ہو گا اور محبت اس کے ایلام و انعام کے وقت اس کی ثناء و مدح کریگا۔ اس وقت اس محبت کو واجب ہے کہ صادق و صدوق ہو کر کہے۔ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ عَلَى كُلِّ حَالٍ اور

اس وقت یہ محبت حقیقی طور پر رنج و خوشی میں اللہ تعالیٰ کا حمد کرنا ہوتا ہے۔
 معلوم ہوتا ہے کہ شکر پر حمد کی زیادتی اسی سبب سے ہے کہ شکر میں منعم کا انعام ملحوظ ہوتا ہے جو
 صفت بلکہ فعل کی طرف راجع ہے اور حمد میں محمود کا حسن و جمال ملحوظ ہوتا ہے۔ خواہ ذاتی ہو یا فعلی اور خواہ
 انعام ہو یا ایلام کیونکہ حق تعالیٰ کا ایلام اس کے انعام کی طرح حسن ہے۔
 پس حمد ثنائیں زیادہ بلیغ اور حسن و جمال کے مرتبوں کا زیادہ جامع اور رنج و خوشی کی دونوں حالتوں
 میں دیر تک باقی رہنے والا ہے۔ برخلاف شکر کے کہ بسبب اپنے قصور کے سرلیج الزوال ہے اور انعام
 و احسان کے دور ہونے سے دور ہو جاتا ہے۔

سوال:- تو نے اپنے بعض مکتوبات میں لکھا ہے کہ مقام رضا مقام محبت و مقام حب کے اوپر ہے اور
 یہاں تو لکھتا ہے کہ یہ مقام محبت مقام رضا سے برتر ہے۔ ان دونوں باتوں کے درمیان موافقت کس
 طرح ہے؟

جواب:- یہ مقام محبت اس مقام محبت و حب کے ماسوا ہے۔ کیونکہ وہ مقام اجمالی اور تفصیلی طور پر
 نسبتوں اور اعتباروں پر مشتمل ہے۔ اگرچہ محبت کو محبت ذاتیہ کہتے ہیں اور اس حب کو حب ذاتی تصور
 کرتے ہیں۔ کیونکہ وہاں شیون و اعتبارات کے ملاحظہ سے نظر قطع نہیں ہوتی برخلاف اس مقام کے جو
 تمام نسبتوں اور اعتباروں سے معرا ہے۔ جیسے کہ گزر چکا اور یہ جو بعض مکتوبات میں درج ہو چکا ہے کہ
 مقام رضا سے اوپر حضرت خاتم الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سوا اور کسی کو رسائی نہیں۔ شاید اسی مقام
 سے مراد ہے جو آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ اَعْلَمُ بِحَقَائِقِ
 الْاُمُورِ امور کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

جاننا چاہئے کہ ظاہر کی کراہت باطنی رضا کے منافی نہیں اور ظاہری کزواہٹ حقیقی حلاوت کے
 برخلاف نہیں۔ کیونکہ عارف کامل کے ظاہر و صورت کو صفات بشریت پر مقرر کیا ہے تاکہ اس کے
 کمالات کا پردہ ہوں اور آزمائش و امتحان کا محل بنے اور حق باطل کے ساتھ ملا رہے۔ عارف کامل کے
 اس ظاہر و صورت کو اس کے باطن و حقیقت کے ساتھ وی نسبت ہے۔ جو کپڑے کو پہننے والے شخص
 کے ساتھ نسبت ہے اور معلوم ہے۔ کہ کپڑے کو شخص کے ساتھ کیا نسبت ہے۔ یہی حال عارف کی
 صورت کا اس کی حقیقت کے مقابلہ میں ہے۔ عارف کی اس صورت کو نادان اور بے بصیر لوگ اپنی
 طرح خیال کرتے ہیں اور اپنی بے حقیقت صورتوں کی مانند سمجھتے ہیں۔ اس لئے ان کا انکار کر دیتے ہیں
 اور ان کے کمالات سے محروم رہ جاتے ہیں۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اَتَّبَعَ الْهُدٰی وَالنَّزَمَ مُتَابِعَةً
 الْمُصْطَفٰی سَلَامٌ هُوَ اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی متابعت کو

مکتوب ۳۴

ایک عریضہ کے جواب میں جو توارد احوال کی نسبت لکھا ہوا تھا۔ نور محمد تہاری کی طرف صادر فرمایا ہے:-

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کیلئے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ

بندوں پر سلام ہو) آپ کا مکتوب شریف پہنچا۔ توارد احوال کا مضمون واضح ہوا۔

جاننا چاہئے کہ جس طرح حق تعالیٰ عالم میں داخل نہیں ہے اس سے خارج بھی نہیں اور جس طرح عالم سے منفصل نہیں ہے اس کے ساتھ متصل بھی نہیں۔ حق تعالیٰ ہے مگر یہ دخول و خروج و اتصال و انفعال کی سب صفتیں اس سے مملو ہیں۔ حق تعالیٰ کو ان چاروں صفات سے خالی ڈھونڈنا چاہئے اور ان صفات سے باہر اس کو تلاش کرنا چاہئے۔ اگر ان صفات میں سے کسی صفت کا رنگ مل جائے تو ظلال و مثال کی گرفتاری حاصل ہے۔ بلکہ حق تعالیٰ کو بیچونی اور بچگوگی کی صفت سے جس میں ظلیت کی گرد نہیں۔ طلب کرنا چاہئے اور اس مرتبہ کے ساتھ بیچونی اتصال پیدا کرنا چاہئے۔ یہ دولت صحبت کا نتیجہ ہے۔ کہنے اور لکھنے میں نہیں آسکتی اور اگر لکھی جائے تو کون اس کو سمجھے گا اور کون اس کو پائے گا۔ آپ اپنے کام میں سرگرم رہیں اور ملاقات کے وقت تک کیفیات احوال کو لکھتے رہیں۔ والسلام۔

مکتوب ۳۵

بعض ان استفساروں کے جواب میں جو توحید و عین الیقین کے بارہ میں کئے گئے تھے۔

پیرزادہ خواجہ محمد عبداللہ سلمہ اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا ہے:-

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد مخدوم زادہ کی خدمت میں عرض کرتا ہے۔ کہ آپ کا صحیفہ شریفہ پہنچا اس کے مطالعہ سے بڑی خوشی ہوئی۔ نسبت حضور کے شمول اور غلبہ کے بارہ میں لکھا ہوا تھا۔ نیک و مبارک ہے۔ یہ دولت جو آپ کو تین مہینوں میں میسر ہوئی ہے۔ دوسرے سلسلوں میں اگر دس سالوں میں بھی میسر ہو جائے۔ تو بڑی نعمت گنتے ہیں اور امر عظیم تصور کرتے ہیں۔ اس قسم کے احوال کی تعریف و تحسین کرنے سے عجب و تکبر کے پیدا ہونے کا گمان نہیں ہے۔ اس لئے اس نعمت کا اظہار کیا گیا۔ لَیْنِ شُکْرُکُمْ لَا زَبَدٌ لَّکُمْ (اگر تم شکر کرو گے تو تم کو زیادہ نعمت دوں گا) نص قاطع ہے۔

آپ نے لکھا تھا کہ پیش گاہ توحید کا ظہور شروع ہو گیا ہے۔ یہ دولت بھی مبارک ہو۔ ادب کے ساتھ اس واردہ کو قبول کریں۔ لیکن اس حال کے غلبہ میں آداب شرعی کو بخوبی مد نظر رکھیں اور بندگی

کے حقوق کو کا حقہ بجالائیں۔

جاننا چاہئے کہ یہ شعبہ صدق و صحت کی تقدیر پر محبوب کی محبت کے غلبہ کے باعث ہے۔ کہ محبت جو کچھ دیکھتا اور جانتا ہے۔ محبوب کے سوانہ کچھ دیکھتا ہے نہ جانتا ہے اور جو لذت و ذوق حاصل کرتا ہے اس کو محبوب کی طرف منسوب کرتا ہے۔ اس صورت میں کثرت وحدت کے طور پر محبت کا مشہود ہوتی ہے۔ پس فنا اس مقام میں متحقق نہیں ہوتا۔ کیونکہ فنا میں واحد کے مشاہدہ کے غلبہ کے باعث کثرت کا مشاہدہ بالکل رفع ہوتا ہے۔ کثرت ممکنات کے اس عدم شہود کو بھی فنا کہتے ہیں مگر فنا کی حقیقت اس وقت متحقق ہوتی ہے جب کہ اسماء و صفات و شیون و اعتبارات کی کثرت بھی سب کی سب نظر سے مخفی ہو جائے اور ذات مجردہ کی احدیت کے سوا کچھ ملحوظ و منظور نہ ہو۔ سیر الی اللہ کے تمام ہونے کی حقیقت اس جگہ جلوہ گر ہوتی ہے اور ظلال کی گرفتاری سے پوری پوری خلاصی اس مقام میں حاصل ہوتی ہے اس وقت معاملہ اصل اصول سے پڑتا ہے اور دال سے مدلول تک پہنچ جاتا ہے اور علم سے عین تک اور گوش سے آغوش تک عروج حاصل ہوتا ہے اور وصل عریانی متحقق ہوتا ہے۔ اس کے آگے وہ مقام ہے جس کو کسی رمز و اشارہ سے بیان نہیں کر سکتے۔ بلکہ سراسر مبہم اور سر مکتوم ہے۔ اس مقام کی نسبت لب نہیں ہلا سکتے۔

حضرت مخدوم زادہ ہم سے اس عین الیقین کا بیان طلب کرتے ہیں اور چاہتے ہیں۔ کہ وہ عین الیقین علم میں سما سکے مشکل کام ہے۔ فقیر کیا کرے اور کیا کہے اور کس طرح آپ کو سمجھائے۔ امید ہے کہ مخدوم زادہ مہربانی سے معذور فرمائیں گے اور طلب علم سے طلب حال کی طرف میلان کریں گے۔ دونوں سوال جو مخدوم زادہ نے کئے ہیں۔ بلند فطرتی کی خبر دیتے ہیں۔

ایک سوال تو خاص طرز پر عین الیقین کے بارہ میں تھا۔ جو گزر چکا۔

دوسرا سوال تشابہات قرآنی کی تاویل کے بیان میں تھا۔ جن کا علم علماء راہنہ کے نصیب ہے۔ دوسرے سوال کا جواب پہلے سوال کے جواب سے بھی زیادہ دقیق اور پوشیدہ اور چھپانے کے لائق اور ظہور و اظہار کے منافی ہے۔ تاویل تشابہات کا علم ان معاملات سے مراد ہے جو پیغمبروں کے ساتھ مخصوص ہیں۔ امتوں میں سے بہت ہی کم کسی کو جمعیت و وراثت کے طور پر اس علم کا حصہ بخشے ہیں اور اس جہان میں ان کے جمال کا برقعہ ان پر کھولتے ہیں مگر امید ہے کہ عالم آخرت میں امتیوں سے بکثرت لوگ جمعیت کے طور پر اس دولت سے فائدہ اٹھائیں گے اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ ممکن ہے کہ اس جہان میں بھی ان اقل اور بعض کے سوا اور وروں کو بھی اس دولت سے مشرف فرمائیں۔ لیکن معاملہ کی حقیقت کا علم نہ دیں اور تاویل کو منکشف نہ کریں۔ غرض جائز ہے کہ تشابہات کی تاویل بعض کو حاصل

ہو۔ لیکن نہ جانے کہ کیا حاصل ہے۔ کیونکہ متشابہات معاملات سے مراد ہیں۔ تو روا ہے کہ معاملہ حاصل ہو اور اس کا عمل میسر نہ ہو۔ یہ بات میں نے اپنے قبیحین اور متعلقین میں سے ایک فرد میں مشاہدہ کی ہے۔ پھر دوسروں کا کیا حال ہے آپ کے سوال نے اس معاملہ سے امیدوار کر دیا ہے۔ رَبَّنَا أَنْتُمْ لَنَا نُورُنَا وَاغْفِرْ لَنَا إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ يَا اللَّهُ ہمارے نور کو پورا کر اور ہم کو بخش تو سب چیزوں پر قادر ہے۔

مکتوب ۳۶

امامت کی بحث اور مذہب اہل سنت و جماعت اور مخالفوں کے مذہب کی حقیقت اور اس بیان میں کہ اہل سنت و جماعت افراط و تفریط کے درمیان جن کو رافضیوں اور خارجیوں نے اختیار کیا ہے۔ توسط اور اعتدال پر ہیں اور اہل بیت کی تعریف میں خواجہ محمد تقی کی طرف صادر فرمایا ہے:-

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد واضح ہو کہ درویشوں کی محبت اور ان کے ساتھ الفت و ارتباط رکھنا اور اس طائفہ علیا کی باتوں کو سننا اور ان کے اوضاع و اطوار کی خواہش رکھنا حق تعالیٰ کی اعلیٰ نعمت اور بڑی دولت ہے۔

حضرت مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے الْمَوءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ یعنی آدمی اسی کے ساتھ ہو گا جس کے ساتھ اس کی محبت ہو گی۔ پس ان کا محبت ان کے ساتھ ہے اور قرب کی بلند بارگاہ میں ان کا طفیلی ہے۔

توفیق آثار سعادت اطوار فرزندِ خواجہ شرف الدین حسین نے بیان کیا ہے۔ کہ باوجود مختلف تعلقات کے یہ تمام اوصاف حمیدہ آپ میں جمع ہیں اور باوجود بیہودہ گرفتاریوں کے یہ معانی پسندیدہ آپ میں موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا حمد اور اس کا احسان ہے۔ آپ کی بہتری بہت سی خلقت کی بہتری کا موجب ہے اور آپ کی فلاح و بہبود پر بہت مخلوق کی فلاح و بہبود موقوف ہے۔

مشار الیہ نے یہ بھی بیان کیا۔ کہ آپ اس فقیر کی باتوں سے آشنا ہیں اور فقیر کے علوم کے سننے کی رغبت رکھتے ہیں۔ اگر چند کلمے آپ کی خدمت میں لکھے جائیں۔ تو بہتر ہو گا۔ ان کے التماس کو قبول کر کے چند کلمے لکھے جاتے ہیں۔

چونکہ اس زمانہ میں امامت کی بحث بہت ہو رہی ہے اور ہر ایک اس بارہ میں اپنے ظن و تخمین کے بموجب گفتگو کرتا ہے۔ اس لئے اس بحث کے متعلق چند سطریں لکھی جاتی ہیں اور اہل سنت و جماعت

اور مخالفوں کے مذہب کی حقیقت بیان کی جاتی ہے۔

اے شرافت و نجابت کے نشان والے۔ شیخین کی فضیلت اور ختنین کی محبت اہل سنت و جماعت کی علامتوں میں سے ہے۔ یعنی شیخین کی فضیلت جب ختنین کی محبت کے ساتھ جمع ہو جائے تو یہ امر اہل سنت و جماعت کے خاصوں میں سے ہے۔ شیخین کی فضیلت صحابہ اور تابعین کے اجماع سے ثابت ہو چکی ہے۔ چنانچہ اس کو اکابر آئمہ نے کہ ان میں سے ایک امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ نقل کیا ہے اور شیخ ابوالحسن اشعری فرماتا ہے کہ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی فضیلت باقی امت پر قطعی ہے اور حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ اپنی خلافت اور مملکت کے زمانہ میں جم غفیر یعنی بڑی کثیر جماعت کے سامنے فرمایا کرتے تھے کہ ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس امت میں سب سے بہتر ہیں۔ جیسے کہ امام ذہبی نے کہا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی ہے کہ حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد تمام لوگوں سے بہتر حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پھر ایک اور آدمی۔ پس ان کے بیٹے محمد بن حنفیہ نے کہا کہ پھر آپ۔ فرمایا کہ میں تو ایک مسلمان آدمی ہوں۔

غرض شیخین کی فضیلت ثقہ اور معتبر راویوں کی کثرت کے باعث شہرت اور تواتر کی حد تک پہنچ چکی ہے۔ اس کا انکار کرنا سر جہالت ہے یا تعصب۔

عبدالرزاق نے جو اکابر شیعہ میں سے ہے۔ جب انکار کی مجال نہ دیکھی۔ تو بے اختیار شیخین کی فضیلت کا قائل ہو گیا اور کہنے لگا کہ جب حضرت علی شیخین کو اپنے اوپر فضیلت دیتے ہیں تو میں بھی حضرت علی کے فرمانے کے بموجب شیخین کو حضرت علی پر فضیلت دیتا ہوں۔ اگر وہ فضیلت نہ دیتے تو میں بھی نہ دیتا۔ یہ بڑا گناہ ہے کہ میں حضرت علی کی محبت کا دعویٰ کروں اور پھر ان کی مخالفت کروں۔ چونکہ حضرت ختنین کی خلافت کے زمانہ میں لوگوں کے درمیان بہت فتنہ اور فساد برپا ہو گیا تھا اور لوگوں کے دلوں میں کدورت پیدا ہو گئی تھی اور مسلمانوں کے دلوں میں عداوت و کینہ غالب آ گیا تھا۔ اس لئے ختنین کی محبت کو بھی اہل سنت و جماعت کے شرائط میں سے شمار کیا گیا۔ تاکہ کوئی جاہل اس سبب سے حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب پر بدظنی نہ کرے اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جانشینوں کے ساتھ بغض و عداوت حاصل نہ کرے۔ پس حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی محبت اہل سنت و جماعت کی شرط ہے اور جو شخص یہ محبت نہیں رکھتا۔ اہلسنت سے خارج ہے اس کا نام خارجی ہے اور جس شخص نے حضرت امیر کی محبت میں افراط کی طرف کو اختیار کیا ہے اور جس قدر کہ محبت مناسب ہے،

اس سے زیادہ اس سے وقوع میں آتی ہے اور محبت میں غلو کرتا ہے اور حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب کو سب و طعن کرتا ہے اور صحابہ اور تابعین اور سلف صالحین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے طریق کے برخلاف چلتا ہے وہ رافضی ہے۔

پس حضرت امیر المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محبت میں افراط و تفریط کے درمیان جن کو رافضیوں اور خارجیوں نے اختیار کیا ہے۔ اہل سنت و جماعت متوسط ہیں اور شک نہیں کہ حق وسط میں ہے اور افراط و تفریط دونوں مذموم ہیں۔

چنانچہ امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے۔ کہ حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ حضرت پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ اے علی تجھ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثال ہے جس کو یہودیوں نے یہاں تک دشمن سمجھا کہ اس کی ماں پر بہتان لگایا اور نصاریٰ نے اس قدر دوست رکھا اور اس کو اس مرتبہ تک لے گئے جس کے وہ لائق نہیں تھا۔ یعنی ابن اللہ کہا۔

پس حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ دو شخص میرے حق میں ہلاک ہوں گے ایک وہ جو میری محبت میں افراط کریگا اور جو کچھ مجھ میں نہیں۔ میرے لئے ثابت کرے گا اور دوسرا وہ شخص جو میرے ساتھ دشمنی کرے گا اور عداوت سے مجھ پر بہتان لگائے گا۔

پس خارجیوں کا حال یہودیوں کے حال کے موافق ہے اور رافضیوں کا حال نصاریٰ کے حال کے موافق۔ کہ دونوں حق وسط سے برطرف جا پڑے ہیں۔ وہ شخص بہت ہی جاہل ہے جو اہلسنت و جماعت کو حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے محبوں سے نہیں جانتا اور حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محبت کو رافضیوں کے ساتھ مخصوص کرتا ہے۔ حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محبت رافض نہیں ہے بلکہ خلفاء ثلاثہ سے تہری اور بیزاری رافض ہے اور اصحاب کرام سے بیزار ہونا مذموم اور ملامت کے لائق ہے۔

امام شافعی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ بیت

لَوْ كَانَ رِفْضًا حُبُّ آلِ مُحَمَّدٍ

فَلْيَشْهَدِ الثَّقَلَيْنِ إِنِّي رَافِضٌ

ترجمہ بیت: اگر محبت آل محمدی ہے رافض تو جن وانس گواہ ہیں کہ رافضی ہوں میں

یعنی آل محمد کی محبت رافض نہیں ہے۔ جیسے کہ جاہل لوگ گمان کرتے ہیں اگر اس محبت کو رافض کہتے تو پھر رافض مذموم نہیں کیونکہ رافض کی مذمت دوسروں کے تہری کے باعث ہوتی ہے۔ نہ کہ ان

کی محبت کے باعث۔

پس رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اہل بیت کے محبت اہل سنت و جماعت ہیں اور حقیقت میں اہل بیت کا گروہ بھی یہی لوگ ہیں نہ کہ شیعہ جو اہل بیت رسول اللہ کی محبت کا دعویٰ کرتے ہیں اور اپنے آپ کو گروہ اہل بیت کا خیال کرتے ہیں۔ اگر یہ لوگ یعنی شیعہ اہلبیت کی محبت پر کفایت کریں اور دوسروں سے تبرائے نہ کریں اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تمام اصحاب کی عزت و توقیر بجالائیں۔ اور ان کے لڑائی جھگڑوں کو نیک وجہ پر محمول کریں تو اہل سنت و جماعت میں داخل ہونگے اور خارجیوں اور رافضیوں سے باہر ہو جائینگے۔ کیونکہ اہلبیت کی محبت اور تمام اصحاب کرام کی تعظیم و توقیر تسنن یعنی اہلسنت و جماعت بنتا ہے۔

غرض خروج و رخصت کی بناء پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب کے بغض پر ہے اور تسنن کی بنیاد آنحضرت ﷺ کے اصحاب کی محبت پر ہے۔ عاقل منصف ہر گز اصحاب کے بغض کو ان کی محبت پر اختیار نہیں کریگا۔ بلکہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دوستی کے باعث سب کو دوست رکھے گا۔

رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے مَنْ أَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّي أَحَبَّهُمْ وَمَنْ أَبْغَضَهُمْ فَبِغْضِي أَبْغَضَهُمْ جس نے ان کو دوست رکھا اس نے میری محبت کے باعث ان کو دوست رکھا۔ اور جس نے ان سے بغض کیا اس نے میرے بغض کے باعث ان سے بغض رکھا۔

اب ہم اصل بات کو بیان کرتے اور کہتے ہیں کہ اہلبیت کی محبت کا نہ ہونا اہل سنت کے حق میں کس طرح گمان کیا جاتا ہے۔ جب کہ یہ محبت ان بزرگواروں کے نزدیک ایمان کی جزو ہے۔ اور خاتمہ کی سلامتی اس محبت کے راسخ ہونے پر وابستہ ہے۔ اس فقیر کے والد بزرگوار جو ظاہری باطنی عالم تھے۔ اکثر اوقات اہلبیت کی محبت پر ترغیب فرمایا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ اس محبت کو خاتمہ کی سلامتی میں بڑا دخل ہے۔ اس کی بڑی رعایت کرنی چاہئے۔ ان کی مرض موت میں فقیر حاضر تھا۔ جب ان کا معاملہ آخر تک پہنچا اور اس جہان کا شعور کم ہو گیا تو اس وقت فقیر نے ان کی بات کو انہیں یاد دلایا اور محبت کی نسبت پوچھا تو اس بخود ہی میں آپ نے فرمایا کہ میں اہلبیت کی محبت میں غرق ہوں۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

اہلبیت کی محبت اہلسنت و جماعت کا سرمایہ ہے۔ مخالف لوگ اس معنی سے غافل اور ان کی محبت متوسط سے جاہل ہیں۔ مخالفوں نے اپنی افراط کی جانب کو اختیار کیا ہے اور افراط کے ماسوا کو تفریط خیال کر کے خروج کا حکم کیا ہے اور خوارج کا مذہب سمجھا ہے نہیں جانتے کہ افراط و تفریط کے درمیان حد وسط ہے۔ جو حق کامرکز اور صدق کا متوطن ہے جو اہلسنت و جماعت شکر اللہ تعالیٰ سعیم کو نصیب ہوا ہے۔

تجربہ ہے کہ خوارج کو اہل سنت ہی نے قتل کیا ہے اور اہلیت کے دشمنوں کو جڑ سے اکھیڑا ہے۔ اس وقت رافضیوں کا نام و نشان تک نہ تھا۔ اگر تھا بھی تو عدم کا حکم رکھتا تھا شاید اپنے گمان فاسد ہیں کہ اہلیت کے محبوں کو رافضی تصور کرتے ہیں اور اہلسنت کو روافض کہتے ہیں۔

عجب معاملہ ہے کبھی اہلسنت کو خارجیوں سے گنتے ہیں اس لئے کہ افراط محبت نہیں رکھتے کبھی نفس محبت کو ان سے محسوس کر کے ان کو رافضی جانتے ہیں۔ اسی واسطے یہ لوگ اپنی جہالت کے باعث اہل سنت کے اولیاء عظام کو جو اہل بیت کی محبت کا دم مارتے ہیں اور آل محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حب کا اظہار کرتے ہیں۔ رافضی خیال کرتے ہیں اور اہلسنت و جماعت کے بہت سے علماء کو جو اس محبت کی افراط سے منع کرتے ہیں اور حضرات خلفاء ثلاثہ کی تنظیم و توقیر میں کوشش کرتے ہیں۔ خارجی جانتے ہیں ان لوگوں کی ان نامناسب جراتوں پر ہزار ہا فسوس ہے۔ اَعَاذُ نَا اللّٰهُ سُبْحَانَهُ مِنْ اِفْرَاطٍ يَلِكُ الْمَحْبِبِ وَتَفَرُّطِهَا (اللہ تعالیٰ اس محبت کی افراط و تفریط سے ہم کو بچائے) یہ افراط محبت ہی کا باعث ہے کہ اصحاب ثلاثہ وغیرہ کے تبرائے کو حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی محبت کی شرط جانتے ہیں۔

انصاف کرنا چاہئے کہ یہ کونسی محبت ہے کہ جس کا حاصل ہونا پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جانشینوں کی بیزاری اور حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب کے سب و طعن پر موقوف ہو۔ اہلسنت کا گناہ یہی ہے کہ اہلیت کی محبت کے ساتھ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تمام اصحاب کی تعظیم و توقیر کرتے ہیں اور باوجود لڑائی جھگڑوں کے جو ان کے درمیان واقع ہوئی۔ ان میں سے کسی کو برائی سے یاد نہیں کرتے۔ اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت کی تعظیم اور اس عزت و تکریم کے باعث جو نبی ﷺ اپنے اصحاب کی کیا کرتے تھے سب کو ہوا و تعصب سے دور جانتے ہیں اور اس کے علاوہ اہل حق کو حق پر اور اہل باطل کو باطل پر کہتے ہیں لیکن اس کے بطلان کو ہوا و ہوس سے دور سمجھتے ہیں اور رائے و اجتہاد کے حوالہ کرتے ہیں۔

رافضی اس وقت اہل سنت سے خوش ہو گئے جب کہ اہل سنت بھی ان کی طرح دوسرے اصحاب کرام سے تبرائے کریں اور ان دین کے بزرگواروں کے حق میں بدظن ہو جائیں جس طرح خارجیوں کی خوشنودی اہل بیت کی عداوت اور آل نبی کے بغض پر وابستہ ہے۔ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ (یا اللہ تو ہدایت دیکر پھر ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کر اور اپنی جناب سے ہم پر رحمت نازل فرما۔ تو بڑا ہی بخشنے والا ہے)۔

اہل سنت شکر اللہ تعالیٰ سبہم کے بزرگواروں کے نزدیک پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب ایک دوسرے کی لڑائی جھگڑوں کے وقت تین گروہ تھے ایک گروہ نے دلیل و اجتہاد کے ساتھ حضرت

امیر رضی اللہ عنہ کی جانب کی حقیقت کو معلوم کر لیا تھا اور دوسرے گروہ نے بھی دلیل و اجتہاد کے ساتھ دوسری طرف حقیقت کو دریافت کر لیا تھا اور تیسرا گروہ متوقف رہا۔ اور کسی طرف کو دلیل کے ساتھ ترجیح نہ دی۔ پس پہلے گروہ نے اپنے اجتہاد کے موافق حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی مدد کی اور دوسرے گروہ نے اپنے اجتہاد کے باعث جانب مخالف کی امداد کی۔ اور تیسرا گروہ توقف میں رہا۔ اس نے ایک کو دوسرے پر ترجیح دینا خطا سمجھا۔ پس تینوں گروہوں نے اپنے اپنے اجتہاد کے موافق عمل کیا اور جو کچھ ان پر واجب لازم تھا بجالائے پھر ملامت کی کیا گنجائش ہے اور طعن کی کیا مناسبت ہے۔

امام شافعی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں اور عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے۔ تِلْكَ دِمَاءٌ طَهَّرَ اللَّهُ عَنْهَا أَيْدِيَنَا فَلْنُطَهِّرْ عَنْهَا أَلْسِنَتَنَا یہ وہ خون ہیں جن سے ہمارے ہاتھوں کو اللہ تعالیٰ نے پاک رکھا۔ ہمیں چاہئے کہ اپنی زبانوں کو ان سے پاک رکھیں۔ اس عبارت سے مفہوم ہوتا ہے کہ ایک کو حق پر اور دوسرے کو خطا پر بھی نہ کہنا چاہئے اور سب کو نیکی سے یاد کرنا چاہئے۔

اسی طرح حدیث نبوی میں آیا ہے۔ إِذَا ذُكِرَ أَصْحَابِي فَأَمْسِكُوا کہ جب میرے اصحاب کا ذکر ہو اور ان کی لڑائی جھگڑوں کا تذکرہ آجائے تو تم اپنے آپ کو سنبھال رکھو اور ایک کو دوسرے پر اختیار نہ کرو۔

لیکن جمہور اہلسنت اس دلیل سے جو ان پر ظاہر ہوئی ہوگی اس بات پر ہیں کہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ حق پر تھے اور ان کے مخالف خطا پر۔ لیکن یہ خطا خطا اجتہادی کی طرح طعن و ملامت سے دور اور تشنیع و تحقیر سے مبرا و پاک ہے۔

حضرت امیر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا ہے کہ ہمارے بھائی ہمارے باغی ہو گئے۔ یہ لوگ نہ کافر ہیں نہ فاسق۔ کیونکہ ان کے پاس تاویل ہے جو کفر و فسق سے روکتی ہے۔ اہل سنت و رافضی دونوں حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ لڑائی کرنے والوں کو خطا پر سمجھتے ہیں اور دونوں حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی حقیقت کے قائل ہیں لیکن اہلسنت حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے محاربین کے حق میں لفظ خطا سے جو تاویل سے پیدا ہے۔ زیادہ اور کچھ اطلاق پسند نہیں کرتے اور زبان کو ان کے طعن و تشنیع سے نگاہ رکھتے ہیں اور حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حق صحبت کی محافظت کرتے ہیں۔

آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے اللّٰهُ اللّٰهُ فِي أَصْحَابِي لَا تَتَّخِذُوا هُمْ عَرَضًا یعنی میرے اصحاب کے حق میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ تاکید کے واسطے اس کلمہ کو دوبار فرمایا ہے اور میرے اصحاب کو اپنی ملامت کے تیر کا نشان نہ بناؤ۔

اور نیز فرماتا ہے۔ اَصْحَابِيْ سَمَا لَسُجُوْمٌ بَابِهِمْ اِفْتَدَيْتُمْ اِهْتَدَيْتُمْ میرے اصحاب ستاروں کی مانند ہیں۔ ان میں سے جس کی پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے اور بھی بہت حدیثیں تمام اصحاب کی تعظیم و توقیر کے بارے میں آئی ہیں۔ پس سب کو معزز و مکرم جاننا چاہئے اور ان کی لغزشوں کو نیک وجہ پر معمول کرنا چاہئے اس مسئلہ میں اہل سنت کا مذہب یہی ہے رافضی اس بارہ میں غلو کرتے ہیں۔ اور حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے محاربوں کی تکفیر کرتے ہیں اور ہر طرح کے طعن اور ہر قسم کی گالیوں سے اپنی زبان کو آلودہ کرتے ہیں۔ اگر ان کا مقصود حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی جانب کی حقیقت اور ان کے محاربوں کی خطا کا اظہار ہے تو جو کچھ اہلسنت نے اختیار کیا ہے۔ کافی اور حد اعتدال پر ہے اور دین کے بزرگواروں پر طعن لگانا جو رافضیوں نے اختیار کیا ہے اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب کو گالی نکالنا اپنا دین و ایمان تصور کیا ہے۔ دیانت و دینداری سے دور ہے۔ یہ عجب دین ہے جس کا جزو اعظم پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جانشینوں کو گالی نکالنا ہے۔ تمام بدعتی گروہوں میں سے جو بدعتیں اختیار کر کے اہل سنت سے جدا ہو گئے ہیں۔ رافضیوں اور خارجیوں کے فرقے اصل معاملہ اور حق سے دور جا پڑے ہیں۔ بھلا یہ لوگ جو دین کے بزرگواروں کے سب و طعن کو اپنے دین کا جزو اعظم تصور کرتے ہیں۔ حق ان کے نصیب کیا ہو گا۔ رافضیوں کے بارہ فرقے ہیں۔ سب کے سب اصحاب پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کافر کہتے ہیں اور خلفاء راشدین کو گالیاں نکالنا عبادت جانتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے اوپر لفظ رخص کے اطلاق کرنے سے کنارہ کرتے ہیں اور اپنے سوا اور لوگوں کو رافضی جانتے ہیں کیونکہ احادیث میں رافضیوں کے حق میں بہت وعید آئی ہے۔ کیا اچھا ہوتا اگر یہ لوگ رخص کے معنی سے بھی اجتناب کرتے اور اصحاب کرام رضی اللہ عنہ سے تبرے اختیار نہ کرتے۔

ہندوستان کے ہندو بھی اپنے آپ کو ہندو کہلواتے ہیں اور لفظ کفر کے اطلاق سے کنارہ کرتے ہیں اور اپنے آپ کو کافر نہیں جانتے۔ بلکہ دار حرب کے رہنے والوں کو کافر سمجھتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ دونوں کافر ہیں۔ اور کفر کی حقیقت سے متحقق ہیں ان لوگوں نے شائد پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اہلبیت کو اپنی طرح تصور کیا ہے اور ان کو بھی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ و حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دشمن خیال کیا ہے۔ ان لوگوں نے تقیہ کے باعث جو خود کیا کرتے ہیں۔ اہلبیت کے بزرگواروں کو منافق اور مکار خیال کیا ہے اور حکم کیا ہے کہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ تقیہ کے طور پر خلفاء ثلاثہ کے ساتھ تیس سال تک منافقانہ صحبت رکھتے رہے اور ناحق ان کی تعظیم و تکریم کرتے رہے۔

عجب معاملہ ہے اگر رسول اللہ ﷺ کے اہلبیت کی محبت رسول اللہ کی محبت کے باعث ہے۔ تو چاہئے کہ رسول اللہ ﷺ کے دشمنوں کو بھی دشمن جانیں اور اہلبیت کے دشمنوں کی نسبت ان کو زیادہ

سب و لعن کریں۔ ابو جہل جو رسول اللہ ﷺ کا دشمن ہے، جس نے طرح طرح کی اذیتیں اور تکلیفیں رسول اللہ کو پہنچائی ہیں کبھی نہیں سنا کہ اس گروہ میں سے کسی نے اس کو سب و طعن کیا ہو۔ یا اس کو برا کہا ہو۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جو رسول اللہ ﷺ کے نزدیک سب مردوں سے پیارے ہیں۔ اپنے خیال فاسدین میں اہلبیت کا دشمن تصور کر کے ان کے سب و طعن میں زبان دراز کرتے ہیں۔ اور نامناسب امور کو ان کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ یہ کونسی دیانت اور دینداری ہے۔ خدا تعالیٰ نہ کرے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ اور تمام صحابہ کرام رسول اللہ ﷺ کے اہلبیت سے دشمنی کریں اور نبی ﷺ کی آل کے ساتھ بغض و عداوت رکھیں کیا اچھا ہوتا اگر یہ لوگ اہلبیت کے دشمنوں کو سب کرتے اور اصحاب کرام کے نام مقرر نہ کرتے اور بزرگان دین پر بد ظن نہ ہوتے۔ تاکہ ان کی مخالفت جو اہل سنت کے ساتھ ہے۔ دور ہو جاتی۔ کیونکہ اہلسنت کی خوبی ہے کہ شخص معین کو جو طرح طرح کے کفر میں مبتلا ہو۔ اسلام و توبہ کے احتمال پر جہنمی نہیں کہتے اور لعن کا اطلاق اس پر پسند نہیں کرتے۔ عام طور پر کافروں پر لعنت کرتے ہیں لیکن کافر معین پر بھی لعنت پسند نہیں کرتے جب تک اس کے خاتمہ کی برائی قطعی دلیل سے معلوم نہ ہو۔ لیکن رافضی بے تحاشا حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو لعنت اور اکابر صحابہ کو سب و طعن کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو سیدھے راستہ کی ہدایت دے۔

اس بحث میں دو مقام ہیں جن میں اہلسنت اور مخالفوں کے درمیان بڑا اختلاف ہے۔ مقام اول یہ کہ اہل سنت خلفاء اربعہ کی خلافت کی حقیقت کے قائل ہیں اور چاروں کو برحق خلیفے جانتے ہیں کیونکہ حدیث صحیح جن میں مغیبات یعنی امور غائبانہ کی نسبت خبر دی گئی ہے۔ آیا ہے کہ الْخِلَافَةُ مِنْ بَعْدِي ثَلَاثُونَ سَنَةً خلافت میرے بعد تیس برس تک ہے اور یہ مدت حضرت امیر کرم اللہ وجہہ کی خلافت پر تمام ہو جاتی ہے۔ (حضرت حسن کی خلافت بھی اس میں شامل ہے) پس اس حدیث کے مصداق چاروں خلیفے ہیں اور خلافت اور خلافت کی ترتیب برحق ہے اور مخالف لوگ خلفاء ثلاثہ کی خلافت کی حقیقت کا انکار کرتے ہیں اور ان کی خلافت کو تعصب اور تغلب کی طرف منسوب کرتے ہیں اور حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے سوا امام برحق کسی کو نہیں جانتے اور اس بیعت کو جو حضرت امیر رضی اللہ عنہ سے خلفاء ثلاثہ کے ہاتھ پر واقع ہوئی تھی۔ تقیہ پر حمل کرتے ہیں اور اصحاب کرام کے درمیان منافقانہ صحبت خیال کرتے ہیں۔ اور مدارات میں ایک دوسرے کو مکار تصور کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کے زعم میں حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے موافق لوگ ان کے مخالفوں کے ساتھ تقیہ کے طور پر منافقانہ صحبت رکھتے تھے اور جو

کچھ ان کے دلوں میں ہوتا تھا اس کے برخلاف اپنی زبان پر ظاہر کرتے تھے اور مخالف بھی چونکہ ان کے زعم میں حضرت امیر رضی اللہ عنہ اور ان کے دوستوں کے دشمن تھے۔ اس لئے ان کے ساتھ منافقانہ محبت کرتے تھے اور دشمنی کو دوستی کے لباس میں ظاہر کرتے تھے۔ پس ان کے خیال میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تمام اصحاب منافق اور مکار تھے اور جو ان کے باطن میں ہوتا تھا اس کے برخلاف ظاہر کرتے تھے پس چاہئے کہ ان کے نزدیک اس امت میں سے بدترین اصحاب کرام ہوں اور تمام صحبتوں میں سے بدتر صحبت حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت ہو۔ جہاں سے یہ اخلاق ذمیرہ پیدا ہوئے ہیں اور تمام قرونوں میں سے برا اصحاب کرام کا قرن ہو۔ جو نفاق و عداوت و بغض و کینہ سے پر تھا۔ حالانکہ حق تعالیٰ اپنی کلام مجید میں ان کو رَحْمَاءُ بَيْنَهُمْ فرماتا ہے اَعَاذَ نَا اللّٰهُ سُبْحَانَهُ عَنْ مُّعْتَقِدَاتِهِمُ الشُّوْءَ (اللہ تعالیٰ ہم کو ان کے برے عقائد سے بچائے) یہ لوگ جب اس امت کے سابقین کو اس قسم کے اخلاق ذمیرہ سے موصوف کرتے ہیں تو لواحقین میں کیا خیریت پائیں گے۔ ان لوگوں نے شاید ان آیات قرآنی اور ان احادیث نبوی کو جو حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت کی فضیلت اور اصحاب کرام کی فضیلت اور اس امت کی خیریت کے بارہ میں وارد ہوئی ہیں۔ نہیں دیکھا یا دیکھا ہے مگر ان کے ساتھ ایمان نہیں رکھتے۔ قرآن و احادیث اصحاب کرام کی تبلیغ سے ہم تک پہنچا ہے۔ جب اصحاب مطعون ہو گئے تو وہ دین جو ان کے ذریعے ہم تک پہنچا ہے۔ نیز مطعون ہو گا۔ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ۔

ان لوگوں کا مقصود دین کا ابطال اور شریعت غرا کا انکار ہے۔ ظاہر میں اہلبیت رسول کی محبت کا اظہار کرتے ہیں۔ مگر حقیقت میں رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شریعت کا انکار کرتے ہیں۔ کاش کہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ اور ان کے دوستوں کو مسلم رکھتے اور تقیہ کے ساتھ جو اہل مکر اور نفاق کی صفت ہے۔ متصف نہ کرتے وہ لوگ جو حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے دوست ہوں یا دشمن جب تمیں سال تک ایک دوسرے کے ساتھ نفاق و مکر و فریب کے ساتھ زندگی بسر کرتے رہے ہوں تو ان میں کیا خیریت ہوگی اور وہ کس طرح اعتماد کے لائق ہوں گے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو جو طعن کرتے ہیں۔ نہیں جانتے کہ اس کی طعن میں نصف احکام شرعیہ پر طعن آتا ہے کیونکہ علماء مجتہدین نے فرمایا ہے کہ احکام والی تین ہزار حدیث وارد ہوئی ہے۔ یعنی تین ہزار احکام شرعیہ ان احادیث سے ثابت ہوئے ہیں جن میں سے ایک ہزار پانچ سو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ثابت ہوئی ہیں۔ پس اس کا طعن نصف احکام شرعیہ کا طعن ہے اور امام بخاری کہتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے راوی آٹھ سو صحابہ کرام اور تابعین سے زیادہ ہیں۔ جن میں سے ایک ابن عباس ہے اور ابن عمر بھی اسی سے روایت کرتا ہے اور جابر بن عبد اللہ اور انس بن

مالک بھی اسی کے راویوں میں سے ہیں اور وہ حدیث جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے طعن میں حضرت امیر رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں۔ وہ جھوٹی حدیث ہے جیسے کہ علماء نے اس کی تحقیق کی ہے۔ اور وہ حدیث کہ جس میں آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حق میں فہم کیلئے دعا کی ہے۔ علماء میں مشہور و معروف ہے۔

قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ حَضَرْتُ مَجْلِسًا لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَنْ يَسْطُ مِنْكُمْ رِذَاءً هُ حَتَّى أُفِضَ فِيهِ مَقَالَتِي فَيَضُمُّهَا إِلَيْهِ ثُمَّ لَا يَنْسَاهَا فَبَسَطْتُ بُرْدَةً كَانَتْ عَلَيَّ فَأَضْرَسَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَقَالَتَهُ فَضَمَمْتُهَا إِلَى صَدْرِي فَمَا نَسِيتُ بَعْدَ ذَلِكَ شَيْئًا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں حاضر ہوا۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ تم میں سے کوئی اپنی چادر بچھائے تاکہ میں اس میں اپنی کلام گراؤں اور پھر وہ اس کو اپنے بدن سے لگائے تو اس کو کوئی چیز نہ بھولے گی۔ پس میں نے اپنی چادر کو بچھا دیا اور رسول اللہ ﷺ نے اپنی کلام اس میں گرائی اور میں نے چادر کو اٹھا کر اپنے سینے سے لگایا اس کے بعد مجھے کچھ نہ بھولا۔

پس صرف اپنے ظن ہی سے دین کے ایک بزرگ شخص کو حضرت امیر رضی اللہ عنہ کا دشمن جاننا اور اس کے حق میں سب و طعن و لعن جائز رکھنا انصاف سے دور ہے۔ یہ سب افراط محبت کی باتیں ہیں جن سے ایمان کے دور ہو جانے کا اندیشہ ہے۔

اگر بالفرض حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے حق میں تقیہ جائز بھی سمجھا جائے تو حضرت امیر کے ان اقوال میں کیا کہیں گے جو بطریق تواتر شیخین کی افضلیت میں منقول ہیں اور ایسے ہی حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے ان کلمات قدسیہ کا کیا جواب دیں گے جو ان کی خلافت و مملکت کے وقت خلفاء ثلاثہ کی خلافت کے حق ہونے میں صادر ہوئے ہیں۔ کیونکہ تقیہ اسی قدر ہے کہ اپنی خلافت کی حقیقت کو چھپا لے اور خلفاء ثلاثہ کی خلافت کا باطل ہونا ظاہر نہ کرے۔ لیکن خلفاء ثلاثہ کی خلافت کے حق ہونے کا اظہار کرنا اور شیخین کی افضلیت کا بیان کرنا اس تقیہ کے سوا ایک علیحدہ امر ہے جو صدق و ثواب کے سوا کوئی تاویل نہیں رکھتا اور تقیہ کے ساتھ اس کا دور کرنا ناممکن ہے۔

نیز وہ صحیح حدیثیں حدیث شہرت کو پہنچ چکی ہیں۔ بلکہ مُتَوَاتِرُ الْمَعْنَى ہو گئی ہیں۔ جو حضرات خلفاء ثلاثہ کی فضیلت میں وارد ہوئی ہیں اور ان میں اکثر کو جنت کی بشارت دی گئی ہے ان حدیثوں کا جواب کیا کہیں گے۔ کیونکہ تقیہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حق میں جائز نہیں اس لئے تبلیغ پیغمبروں پر لازم ہے۔

نیز وہ آیات قرآنی جو اس بارہ میں نازل ہوئی ہیں۔ ان میں بھی تقیہ متصور نہیں اللہ تعالیٰ ان کو

انصاف دے۔

دانا لوگ جانتے ہیں کہ تقیہ جہانت یعنی بزدلی اور نامردی کی صفت ہے۔ اسد اللہ کے ساتھ اس کو نسبت دینا نامناسب ہے۔ بشریت کی رو سے ایک ساعت یا دو ساعت یا ایک یا دو دن کیلئے اگر تقیہ جائز سمجھا جائے تو ہو سکتا ہے۔ اسد اللہ میں تیس سال تک اس بزرگی کی صفت کا ثابت کرنا اور تقیہ پر مصر سمجھنا بہت برا ہے اور جب صغیرہ پر اصرار کرنا کبیرہ ہے تو پھر بھلا دشمنوں اور منافقوں کی صفات میں سے کسی صفت پر اصرار کرنا کیسا ہو گا۔ کاش کہ یہ لوگ اس امر کی برائی سمجھتے۔ شیخین رضی اللہ عنہما کی تقدیم و تعظیم سے اس لئے بھاگے ہیں کہ اس میں حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی اہانت ہے اور تقیہ اختیار کر لیا ہے اگر تقیہ کی برائی جو اباب نفاق کی صفت ہے۔ سمجھتے تو ہرگز تقیہ کو جائز قرار نہ دیتے اور دو بلاؤں میں سے آسان کو اختیار کرتے۔ بلکہ ہم کہتے ہیں کہ شیخین کی تقدیم و تعظیم میں حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی کچھ اہانت نہیں۔ حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی خلافت کی حقیقت بھی بجائے خود ہے اور ان کی ولایت کا درجہ اور ہدایت و ارشاد کا رتبہ بھی اپنے حال پر ہے۔ اور تقیہ کے ثابت کرنے میں نقص و توجہ لازم ہے کیونکہ یہ صفت اباب نفاق کے خاصوں اور مکاروں اور فریبیوں کے لوازم سے ہے۔

مقام دوم: یہ کہ اہلسنت و جماعت شکر اللہ تعالیٰ سببہم حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب کی لڑائی جھگڑوں کو نیک وجہ پر محمول کرتے ہیں اور ہوا و تعصب سے دور جانتے ہیں۔ کیونکہ ان کے نفوس حضرت خیر البشر ﷺ کی صحبت میں پاک ہو چکے تھے اور ان کے روشن سینے عداوت و کینہ سے صاف ہو گئے تھے۔ حاصل کلام یہ کہ جب ہر ایک صاحب رائے اور صاحب اجتہاد تھا اور ہر مجتہد کو اپنی رائے کے موافق عمل کرنا واجب ہے۔ اس لئے بعض امور میں راؤں کے اختلاف کے باعث ایک دوسرے کے ساتھ مخالفت و منازعت واقع ہوئی اور ہر ایک کیلئے اپنی رائے کی تقلید بہتر تھی۔ پس ان کی مخالفت موافقت کی طرح حق کیلئے تھی۔ نہ کہ نفس امارہ کی ہوا ہو س کیلئے۔

اہلسنت کے مخالف لوگ حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ لڑنے والوں کو کافر کہتے ہیں اور طرح طرح کے طعن و تشنیع ان کے حق میں جائز سمجھتے ہیں جب اصحاب کرام بعض امور اجتہادیہ میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ مخالفت کر لیا کرتے تھے اور آنحضرت ﷺ کی رائے کے برخلاف حکم کیا کرتے تھے۔ اور ان کا یہ اختلاف مذموم اور قابل ملامت نہ ہوتا تھا اور باوجود نزول وحی کے ممنوع نہ سمجھا جاتا تھا تو حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ بعض امور اجتہادیہ میں مخالفت کرنا کیوں کفر ہو اور ان کے مخالف کیوں اسلام سے خارج اور مطعون ہوں۔ حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ لڑائی کرنے والے مسلمان ایک جم غفیر ہیں جو سب کے سب اصحاب کبار ہیں۔ جن میں سے بعض کو جنت کی بشارت

دی گئی ہے ان کو کافر اور برا کہنا آسان نہیں۔ کَبُرَتْ کَلِمَةُ تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ (چھوٹا منہ بڑی بات) قریبا نصف دین اور شریعت کو انہی نے تبلیغ کیا ہے۔ اگر ان پر طعن آیا تو نصف دین سے اعتماد دور ہو جاتا ہے یہ بزرگوار کس طرح قابل طعن ہو سکتے ہیں جب کہ ان میں سے کسی کی روایت کو کسی امیر اور وزیر نے رد نہیں کیا۔ صحیح بخاری جو کتاب اللہ کے بعد تمام کتابوں سے صحیح ہے اور شیعہ بھی اس کو مانتے ہیں۔

(فقیر نے احمد تبی کی نسبت جو اکابر شیعہ میں سے تھا۔ سنا ہے کہ وہ کہا کرتا تھا کہ کتاب بخاری کتاب اللہ کے بعد صحیح کتاب ہے) اس میں حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے دوستوں کی بھی روایتیں ہیں۔ اور مخالفوں کی بھی اور موافقت و مخالفت کے باعث کسی کو راجح و مرجوح نہیں جانا۔ جس طرح حضرت امیر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتا ہے اسی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بھی۔ اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور اس کی روایت میں کسی قسم کا طعن ہو تا تو ہر گز اس کی روایت اپنی کتاب میں درج نہ کرتا۔ اسی طرح سلف میں جو حدیث کے نقاد اور صراف گزرے ہیں۔ کسی نے اس وجہ سے حدیث کی روایت میں فرق نہیں کیا اور حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی مخالفت کو طعن کا باعث نہیں بنایا۔

جاننا چاہئے کہ یہ بات ضروری نہیں کہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ تمام امور خلاfiہ میں حق پر ہوں۔ اور ان کے مخالف خطا پر۔ اگرچہ محاربہ میں حق بجانب امیر تھا۔ کیونکہ اکثر ایسا ہوا ہے کہ صدر اول کے احکام خلاfiہ میں علماء و تابعین اور ائمہ مجتہدین نے حضرت امیر کے غیر کا مذہب اختیار کیا ہے۔ اور ان کے مذہب پر حکم نہیں کیا۔ اگر حضرت امیر کی جانب ہی حق مقرر ہوتا تو ان کے برخلاف حکم نہ کرتے۔

قاضی شریح نے جو تابعین میں سے ہے اور صاحب اجتہاد ہوا ہے۔ حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے مذہب پر حکم نہیں کیا اور حضرت امام حسن علیہ الرضوان کی شہادت کو نسبت بنوت یعنی فرزند بنی نسبت کے باعث منظور نہیں کیا اور مجتہدین نے قاضی شریح کے قول پر عمل کیا اور باپ کے واسطے بیٹے کی شہادت جائز نہیں سمجھتے۔

اس قسم کے اور بھی بہت سے مسائل ہیں جن میں حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے برخلاف اقوال جو حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی رائے کے مخالف ہیں۔ اختیار کئے گئے ہیں جو منصف تا بعد ار پر مخفی نہیں ہیں۔ ان کی تفصیل دراز ہے پس حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی مخالفت پر اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں اور ان کے مخالف طعن و ملامت کے لائق نہیں ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو حبیب رب العالمین کی محبوبہ تھیں۔ اور لب گور تک

حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مقبولہ و منظورہ رہیں اور مرض موت کے ایام بھی انہی کے حجرے میں بسر کئے اور انہی کی گود میں جان دی۔ اور انہی کے پاک حجرے میں مدفون ہوئے۔ اس شرف و فضیلت کے علاوہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا مجتہدہ بھی تھیں۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آدھا دین ان کے حوالہ کیا تھا۔ اور اصحاب کرام مشکلات میں ان کی طرف رجوع کیا کرتے تھے اور ان سے مشکلات کا حل طلب کیا کرتے تھے۔ اس قسم کی صدیقہ مجتہدہ کو حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی مخالفت کے باعث طعن کرنا اور ناشائستہ حرکات کو ان کی طرف منسوب کرنا بہت نامناسب اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لانے سے دور ہے۔ حضرت امیر اگر پیغمبر علیہ السلام کے داماد اور چچا کے بیٹے ہیں تو حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زوجہ مطہرہ اور محبوبہ مقبولہ ہیں۔

اس سے چند سال پہلے فقیر کا طریق تھا۔ کہ اگر طعام پکا تا تھا تو اہل عبا کی ارواح پاک کو بخش دیا کرتا تھا۔ اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ حضرت امیر رضی اللہ عنہ و حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا اور حضرات امامین رضی اللہ عنہما کو ملا لیتا تھا۔ ایک رات فقیر نے خواب میں دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما ہیں فقیر نے سلام عرض کی۔ فقیر کی طرف متوجہ نہ ہوئے۔ اور فقیر کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ پھر فقیر کو فرمایا کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں کھانا کھاتا ہوں۔ جس کسی نے مجھے طعام بھیجنا ہو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں بھیج دیا کرے۔ اس وقت فقیر نے معلوم کیا کہ حضور علیہ السلام کی توجہ شریف نہ فرمانے کا باعث یہ ہے۔ کہ فقیر اس طعام میں حضرت صدیقہ کو شریک نہ کرتا تھا۔ بعد ازاں حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کو بلکہ تمام ازواج مطہرات کو جو سب اہلبیت ہیں شریک کر لیا کرتا تھا اور تمام اہلبیت کو اپنا وسیلہ بناتا تھا۔

پس وہ آزار و ایذا جو حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے سبب پہنچتی ہے۔ وہ اس آزار و ایذا سے زیادہ ہے جو حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی طرف سے پہنچتی ہے۔ منصف عقلمندوں پر یہ بات پوشیدہ نہیں ہے۔ لیکن یہ بات اس صورت میں ہے جب کہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی محبت اور تعظیم پیغمبر علیہ السلام کی محبت و تعظیم اور قرابت کے باعث ہو اور اگر کوئی حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی محبت کو مستقل طور پر اختیار کرے اور حضرت پیغمبر علیہ السلام کی محبت کو اس میں دخل نہ دے تو ایسا شخص محبت سے خارج ہے اور گفگو کے لائق نہیں اس کی غرض دین کا باطل کرنا اور شریعت کا گرانا ہے۔ ایسا شخص چاہتا ہے کہ حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واسطے کے بغیر کوئی اور راستہ اختیار کرے اور حضرت محمد ﷺ کو چھوڑ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف آجائے یہ سراسر کفر اور زندقہ ہے۔ حضرت علی اس سے بیزار اور اس کے کردار سے آزار میں ہیں۔ پیغمبر علیہ

الصلوة والسلام کے اصحاب (اصحاب و سر) اور ختمین (دامادوں) کی دوستی بعینہ حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دوستی ہے اور ان کی عزت و تکریم پیغمبر ﷺ کی تعظیم و تکریم کے باعث ہے۔

رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے فَمَنْ أَحْتَنَهُمْ فَيَحْبِي أَحَبَّهُمْ (جس نے ان کو دوست رکھا اس نے میری محبت کے باعث ان کو دوست رکھا) ایسے ہی جو شخص ان کا دشمن ہے۔ وہ پیغمبر ﷺ کی دشمنی کے باعث ان کو دشمن جانتا ہے۔ جیسے کہ رسول ﷺ نے فرمایا ہے فَمَنْ أَبْغَضَهُمْ فَيَبْغِضِي أَبْغَضَهُمْ (جس نے ان سے بغض رکھا اس نے میرے بغض کے باعث ان سے بغض رکھا) یعنی وہ محبت جو میرے اصحاب سے متعلق ہے۔ وہ وہی محبت ہے جو مجھ سے تعلق رکھتی ہے اسی طرح ان کا بغض بھی بعینہ میرا بغض ہے۔

حضرات طلحہ و زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اصحاب کبار اور عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ ان پر طعن و تشنیع کرنا نامناسب ہے اور ان کی لعن و طرد لعنت کرنے والے پر لوٹ آتی ہے۔ طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما وہ صحابہ ہیں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد خلافت کو چھ شخصوں کے مشورہ پر چھوڑا اور ان میں حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما کو داخل کیا۔ اور ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے کیلئے کوئی دلیل واضح نہ پائی۔ تو طلحہ و زبیر نے اپنے اختیار سے خلافت کا حصہ چھوڑ دیا اور ہر ایک نے قَرْنَتْ حِطْيٰ (میں نے اپنا حصہ ترک کیا) کہہ دیا۔ اور یہ وہی طلحہ ہے جس نے اپنے باپ کو اس بے ادبی کے باعث جو آنحضرت ﷺ کی نسبت اس سے صادر ہوئی تھی۔ قتل کر کے اس کے سر کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لے آیا تھا۔ قرآن مجید میں اس فعل پر اس کی تعریف و ثناء بیان کی گئی ہے اور یہ وہی زبیر ہے جس کے قاتل کیلئے منجر صادق علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے دوزخ کی وعید فرمائی ہے اور یوں فرمایا ہے قَاتِلُ زُبَيْرٍ فِي النَّارِ کہ زبیر کا قاتل دوزخ میں ہے۔ حضرت زبیر پر لعن و طعن کرنے والے قاتل سے کم نہیں ہیں۔ پس اکابر دین اور بزرگوار ان اسلام کی طعن و مذمت سے ڈرنا چاہئے۔ یہ وہ لوگ ہیں۔ جنہوں نے اسلام کے بول بالا کرنے اور حضرت سید الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امداد میں سر توڑ کوششیں کی ہیں اور رات دن ظاہر و باطن میں دین کی تائید میں مال و جان کی پرواہ نہیں کی اور رسول اللہ ﷺ کی محبت میں اپنے خویش و اقارب اور مال و اولاد، گھریا، وطن، کھیتی باڑی، باغ و درخت و نہروں کو چھوڑ دیا اور رسول اللہ ﷺ کی جان کو اپنی جانوں پر اور رسول اللہ ﷺ کی محبت کو اپنے اموال و اولاد اور اپنی جانوں کی محبت پر اختیار کیا۔

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے شرف محبت حاصل کیا اور رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں برکات نبوت سے مالا مال ہوئے۔ وحی کا مشاہدہ کیا اور فرشتہ کے حضور سے مشرف ہوئے۔ اور خوارق و معجزات کو

دیکھا۔ حتیٰ کہ ان کا غیب شہادت اور ان کا علم عین ہو گیا اور ان کو اس قسم کا یقین نصیب ہوا جو آج تک کسی کو نصیب نہیں ہوا حتیٰ کہ دوسروں کا احد جتنا سونا اللہ تعالیٰ کے راہ میں خرچ کرنا ان کے ایک آدھ مد جو خرچ کرنے کے برابر نہیں ہوتا۔

یہ وہ لوگ ہیں جن کی اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں بایں الفاظ تعریف کرتا ہے۔ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ (یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے راضی ہیں اور اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے)۔

ذَلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ (توریت اور انجیل میں ان کی مثال اس بیج کی طرح ہے جس کی بیشمار شاخیں نکل کر مضبوط ہو جائیں اور اس کے تنے خوب موٹے ٹکڑے مضبوط ہو جائیں جن کو دیکھ کر زراعت کرنے والے خوش ہوں اور کفار غیظ و غضب میں آئیں) ان پر غصہ اور غضب کرنے والوں کو کفار فرمایا ہے۔ پس جس طرح کفر سے ڈرتے ہیں۔ اس طرح ان کے غیظ و غضب سے بھی ڈرنا چاہئے۔ وَاللَّهُ سُبْحَانَهُ الْمَوْفِقُ۔

وہ لوگ جنہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس قسم کی نسبت درست کی ہو۔ اور رسول اللہ ﷺ کے منظور اور مقبول ہوں تو اگر بعض امور میں ایک دوسرے کے ساتھ مخالفت اور لڑائی جھگڑا کریں اور اپنی اپنی رائے واجتہاد کے موافق عمل کریں تو طعن و اعتراض کی مجال نہیں۔ بلکہ اس وقت اختلاف اور اپنی اپنی رائے کے سوا غیر کی تقلید نہ کرنا ہی حق و صواب ہے۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کیلئے درجہ اجتہاد تک پہنچنے کے بعد امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی تقلید خطا ہے۔ اس کیلئے بہتری اپنی اپنی رائے کی تقلید میں ہے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کسی اصحابی کے قول کو خواہ صدیق رضی اللہ عنہ خواہ امیر رضی اللہ عنہ اپنی رائے پر مقدم نہیں کرتے اور اپنی رائے کے موافق اگرچہ قول صحابی کے مخالف ہو۔ عمل کرنا بہتر جانتے ہیں۔

جب امت کے مجتہد اصحاب کی آراء کی مخالفت کر سکتے ہیں تو اگر اصحاب ایک دوسرے کی مخالفت کریں تو کیوں مطعون ہوں۔ حالانکہ اصحاب کرام نے امور اجتہادیہ میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ خلاف کیا ہے۔ اور آنحضرت ﷺ کی رائے کے برخلاف حکم کیا ہے اور باوجود نزول وحی کے ان کے خلاف پر مذمت نہیں آئی اور ان کے اختلاف پر منع وارد نہیں ہوا جیسے کے گزر چکا۔ اگر یہ اختلاف حق تعالیٰ کے نزدیک ناپسند اور نامقبول ہوتا تو البتہ منع ہوتا اور اختلاف کرنے والوں پر وعید نازل ہوتی۔

کیا نہیں جانتے کہ وہ لوگ جو آنحضرت ﷺ کے ساتھ گفتگو کرنے میں بلند آواز کیا کرتے تھے۔

ان کے اس بلند آواز سے کو کس طرح منع کیا گیا اور اس پر کیسی وعید مترتب ہوئی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔
 يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ
 بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَن تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنتُمْ لَا تَشْعُرُونَ (اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو نبی ﷺ کی
 آواز پر بلند نہ کرو اور ان کو بلند آواز سے اس طرح نہ پکارو جس طرح تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔ ورنہ
 تمہارے اعمال نیست و نابود ہو جائیں گے اور تم کو معلوم نہ ہوگا)۔

بدر کے قیدیوں کے بارے میں اختلاف عظیم پڑ گیا تھا۔ حضرت فاروق اور سعد بن معاذ نے ان
 قیدیوں کو قتل کرنے کا مشورہ دیا تھا اور دوسروں نے ان کو چھوڑ دینے اور فدیہ لینے کا مشورہ دیا تھا۔ اور
 آنحضرت ﷺ کے نزدیک بھی یہی رائے مقبول تھی کہ ان کو چھوڑ دیا جائے اور فدیہ لے لیا جائے۔
 اس قسم کے اختلاف کے مقام اور بھی بہت سے ہیں اور وہ اختلاف بھی اس قسم کا تھا جو کاغذ کے لانے
 میں کیا گیا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے مرض موت میں کاغذ طلب فرمایا تھا تاکہ ان کیلئے کچھ لکھیں۔ بعض
 نے کہا کہ کاغذ لانا چاہئے اور بعض نے کاغذ لانے سے منع کیا۔ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ بھی انہی
 لوگوں میں سے تھے جو کاغذ نہ لانے میں راضی نہ تھے۔ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا حَسْبُنَا
 كِتَابُ اللَّهِ ہمارے لئے اللہ کی کتاب کافی ہے۔ اس سبب سے طعن لگانے والوں نے حضرت فاروق پر
 عیب لگایا ہے اور طعن و تشنیع کیساتھ زبان دراز کی ہے۔ حالانکہ درحقیقت کوئی محل طعن نہیں کیونکہ
 حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے معلوم کر لیا تھا کہ وحی کا زمانہ ختم ہو گیا ہے اور آسمانی احکام تمام ہو چکے
 ہیں۔ اور احکام کے ثبوت میں رائے واجتہاد کے سوا کسی امر کی گنجائش نہیں رہی اب آنحضرت ﷺ جو کچھ
 لکھیں گے۔ امور اجتہادیہ میں سے ہو گا جس میں دوسرے بھی شریک ہیں بحکم فَاغْتَبِرُوا يَا أُولِي
 الْأَبْصَارِ داناؤں کو عبرت حاصل کرنی چاہئے۔

پس بہتری اسی بات میں دیکھی کہ اس قسم کے سخت درد میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تکلیف نہ
 دینی چاہئے اور دوسروں کی رائے واجتہاد پر کفایت کرنی چاہئے۔ حَسْبُنَا كِتَابُ اللَّهِ یعنی قرآن مجید جو
 قیاس واجتہاد کا ماخذ ہے۔ احکام کے نکالنے والوں کیلئے کافی ہے احکام وہاں سے نکال لیں گے۔ کتاب اللہ
 کے ذکر کی خصوصیت اسی واسطے ہو سکتی ہے۔ جب کہ قرآن سے معلوم کیا ہو کہ یہ احکام جن کے لکھنے
 کے درپے ہیں۔ ان کا ماخذ کتاب میں ہے نہ کہ سنت میں۔ تاکہ سنت کا ذکر کیا جاتا۔

پس حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کا منع کرنا شفقت و مہربانی کا باعث تھا۔ تاکہ آنحضرت ﷺ
 شدت درد میں کسی امر کی تکلیف نہ اٹھائیں۔ جس طرح کہ آنحضرت ﷺ کا کاغذ لانے کیلئے فرمانا بھی
 استحسان کیلئے تھا نہ کہ وجوب کیلئے۔ تاکہ دوسرے لوگ استنباط کے رنج سے آسودہ ہو جائیں اور اگر امر

اِيتُونِيْ وجوب کیلئے ہوتا۔ تو اس کی تبلیغ میں مبالغہ فرمانے اور صرف اختلاف ہی سے اس سے روگردانی نہ کرتے۔

سوال: حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے جو اس وقت کہا تھا۔ اَهْجَرًا اِسْتَفْهِمُوْهُ اس سے کیا مراد ہے۔

جواب: حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے شاید اس وقت سمجھا ہو کہ یہ کلام آپ سے درد کے باعث بلا قصد و اختیار نکل گئی ہے جیسے کہ لفظ اَلْكُتُبُ سے مفہوم ہوتا ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے کبھی کچھ نہیں لکھا تھا اور نیز آپ نے فرمایا۔ لَنْ نُّصَلِّوْا بَعْدِي (تم میرے بعد گمراہ نہ ہو گے)۔

جب دین کامل ہو چکا تھا اور نعمت پوری ہو گئی تھی اور رضاء مولیٰ حاصل ہو چکی تھی تو پھر گمراہی کے کیا معنی اور ایک ساعت میں کیا لکھیں گے جو گمراہی کو دور کریگا کیا جو کچھ تئیس سال کے عرصہ میں لکھا گیا ہے۔ کافی نہیں اور وہ گمراہی کو دور نہیں کر سکتا۔ اور جو ایک ساعت میں باوجود شدت درد کے لکھیں گے۔ وہ گمراہی کو دور کریگا۔ اسی سبب سے حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے جان لیا ہو گا کہ یہ کلام آپ سے بشریت کے لحاظ سے بلا قصد نکل گئی ہے اس بات کی تحقیق کرو اور از سر نو دریافت کرو۔ اسی اثناء میں مختلف باتیں شروع ہو گئیں۔ حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اٹھ جاؤ اور مخالفت نہ کرو۔ کیونکہ پیغمبر ﷺ کے حضور میں نزاع و جھگڑا اچھا نہیں۔ پھر اس امر کی نسبت کوئی کلام نہ کی اور نہ دوات و کاغذ کو یاد کیا۔

جاننا چاہئے کہ وہ اختلاف جو اصحاب کرام امور اجتہاد یہ میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ کیا کرتے تھے۔ اگر اس میں نعوذ باللہ ہوا تو عصب کی بو ہوتی۔ تو یہ اختلاف سب کو مرتدوں میں داخل کر دیتا اور اسلام سے باہر نکال دیتا۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ بے ادبی اور بد معاملگی کرنا کفر ہے۔ اَعَاذَنَا اللّٰهُ سُبْحَانَهُ (اللہ تعالیٰ ہم کو اس سے بچائے) بلکہ یہ اختلاف امر فاعْتَبِرُوا کے بجالانے کے باعث ہوا ہے۔ کیونکہ وہ شخص جو اجتہاد کا درجہ حاصل کر چکا ہو۔ احکام اجتہاد یہ میں اس کیلئے دوسرے کی رائے و اجتہاد کی تقلید کرنا خطا اور منہی عنہ ہے۔ ہاں احکام منزلہ میں کہ جن میں اجتہاد کو دخل نہیں ہے۔ تقلید کے سوا کچھ گنجائش نہیں۔ ان پر ایمان لانا اور ان کی فرمانبرداری کرنا واجب ہے۔

حاصل کلام یہ کہ قرن اول کے اصحاب تکلفات سے بری اور عبارتوں کی آرائش سے مستغنی تھے۔ ان کی کوشش ہمہ تن باطن کے درست کرنے میں ہوتی تھی۔ اور ظاہر کی طرف سے نظر ہٹا رکھی تھی۔ اس زمانہ میں حقیقت و معنی کے طور آداب بجالاتے تھے۔ نہ فقط صورت و لفظ کے اعتبار پر۔ رسول اللہ ﷺ کے امر کا بجالانا ان کا کام اور آنحضرت ﷺ کی مخالفت سے بچنا ان کا معاملہ تھا۔ ان لوگوں نے

اپنے ماں باپ اور اولاد و ازدواج کو رسول اللہ ﷺ پر فدا کر دیا تھا۔ اور کمال اعتقاد و اخلاص کے باعث آنحضرت ﷺ کی لعاب مبارک کو زمین پر نہ گرنے دیتے تھے۔ بلکہ آب حیات کی طرح اس کو پی جاتے تھے۔ اور فصد کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خون مبارک کو کمال اخلاص سے پی جانا مشہور و معروف ہے۔ اگر اس قسم کی عبادت جو اس زمانہ کے لوگوں کے نزدیک کہ کذب و مکر سے پر ہے۔ بے ادبی کا موجب ہو ان بزرگواروں سے آنحضرت ﷺ کی نسبت صادر ہوئی ہو تو اس پر نیک ظن کرنا چاہئے اور عبارت کے مطلب کو دیکھنا چاہئے اور الفاظ خواہ کسی قسم کے ہوں ان سے قطع نظر کرنی چاہئے۔ سلامتی کا طریق یہی ہے۔

سوال: جب احکام اجتہاد یہ میں خطا کا احتمال ہے تو ان تمام احکام شرعیہ میں جو آنحضرت ﷺ سے منقول ہیں۔ کس طرح وثوق و اعتبار کیا جائے۔

جواب: احکام اجتہاد یہ ثانی الحال میں احکام منزلہ آسمانی کی طرح ہو گئے ہیں۔ کیونکہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو خطا پر برقرار رکھنا جائز نہیں۔ پس احکام اجتہاد یہ میں مجتہدوں کے اجتہاد اور ان کی آراء کے اختلاف کے ثابت ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم نازل ہو جاتا ہے جو صواب کو خطا سے اور حق کو باطل سے جدا کر دیتا ہے۔ پس احکام اجتہاد یہ بھی آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں نزول وحی کے بعد کہ صواب و خطا میں تمیز ہو چکی تھی۔ قطعی الثبوت ہو گئے تھے اور ان میں خطا کا احتمال نہ رہ گیا تھا۔ پس تمام احکام جو آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں ثابت ہو چکے ہیں قطعی ہیں اور خطا کے احتمال سے محفوظ ہیں۔ کیونکہ ابتداء و انتہا میں وحی قطعی سے ثابت ہوئے ہیں۔ ان احکام کے اجتہاد اور استنباط سے مقصود یہ تھا کہ مجتہدین اور مستنبطین کیلئے حق تعالیٰ کی طرف سے حکم نازل ہو۔ جو صواب کو خطا سے جدا کر دے اور درجات و کرامت کی امتیاز حاصل ہو۔ اور مُخْطِئ (خطا کرنے والا) اور مُصِیْب (صواب کو پہنچنے والا) اپنے اپنے درجوں کے موافق ثواب پائیں۔ پس احکام اجتہاد یہ میں مجتہدین کے درجے بھی بلند ہو گئے اور نزول وحی کے بعد ان کی قطعیت بھی ثابت ہو گئی۔

ہاں زمانہ نبوت کے ختم ہو جانے کے بعد احکام اجتہاد یہ ظنی ہیں۔ جو مفید عمل ہیں۔ نہ کہ مثبت اعتقاد کہ ان کا منکر کافر ہو۔ مگر جب ان احکام پر مجتہدوں کا اجماع منعقد ہو جائے تو اس صورت میں وہ احکام مثبت اعتقاد بھی ہو گئے۔

ہم اس مکتوب کو ایک عمدہ خاتمہ پر ختم کرتے ہیں۔ جس میں رسول اللہ ﷺ کے اہلبیت کے فضائل درج ہیں۔ ابن عبد اللہ المعروف بابن عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔ مَنْ أَحَبَّ عَلِيًّا فَقَدْ أَحَبَّنِي وَمَنْ أَبْغَضَ عَلِيًّا فَقَدْ أَبْغَضَنِي وَمَنْ أَذَى عَلِيًّا

فَقَدْ اَذَانِي وَمَنْ اَذَانِي فَقَدْ اَذَى اللّٰهُ (جس نے علی کو دوست رکھا اس نے مجھے دوست رکھا اور جس نے اس سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا اور جس نے علی کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ تعالیٰ کو ایذا دی)۔

اور ترمذی اور حاکم نے بیان کیا ہے اور بریدہ نے اس کو صحیح کہا ہے۔ بریدہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ اَمَرَنِيْ بِحُبِّ اَرْبَعَةٍ وَاَخْبَرَنِيْ اَنْهُ يُحِبُّهُمْ قَبْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ سَمِعْتُمْ لَنَا قَالَ عَلِيٌّ " مِنْهُمْ يَقُوْلُ ذَلِكَ ثَلَاثًا وَاَبُوْذَرٍّ وَالمِقْدَادُ وَسَلْمَانُ (اللہ تعالیٰ نے مجھے چار آدمیوں کے ساتھ محبت کرنے کا امر کیا ہے اور یہ بھی بتلایا کہ اللہ تعالیٰ خود بھی ان سے محبت رکھتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ ان کے نام کیا ہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ ایک ان میں سے علی ہے۔ اس بات کو تین بار کہا۔ دوسرے ابوذر تیسرے مقداد اور چوتھے سلمان ہیں) اور طبرانی اور حاکم نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔ اَلنَّظَرُ اِلَى عَلِيٍّ عِبَادَةٌ عَلٰی كِي طَرَفٍ نَظَرٌ كَرَمًا عِبَادَتٌ هِيَ۔

اور شیخین نے براء سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ امام حسن رضی اللہ عنہ آپ کے کندھوں پر ہیں اور آپ فرما رہے ہیں۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اُحِبُّهُ فَاجِبْهُ (یا اللہ میں اس کو دوست رکھتا ہوں تو بھی اس کو دوست رکھ)۔

اور بخاری نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ میں نے سنا کہ رسول اللہ ﷺ منبر پر تھے اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ آپ کے پہلو میں تھے۔ اور کبھی آپ لوگوں کی طرف دیکھتے اور کبھی اس کی طرف اور فرماتے اِنَّ اِبْنِيْ هَذَا سَيِّدٌ وَلَعَلَّ اللّٰهَ اَنْ يُّصْلِحَ بَه بَيْنَ فِتْنَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ (یہ میرا بیٹا سردار ہے یقیناً اللہ تعالیٰ اس کے سبب مسلمانوں کے دو گروہوں کے درمیان صلح کر دیگا)۔

اور ترمذی نے اسامہ بن زید سے روایت کیا ہے کہ اسامہ بن زید نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ امام حسن و حسین رضی اللہ عنہما آپ کی ران پر ہیں اور فرما رہے ہیں۔ هٰذَا اِنْسَانٌ وَاِنَّا بَنِيْ اَللّٰهِمَّ اِنِّیْ اُحِبُّهُمَا فَاجِبْهُمَا وَاُحِبُّ مَنْ يُحِبُّهُمَا (یہ دونوں میرے بیٹے اور میری بیٹی کے بیٹے ہیں یا اللہ میں ان کو دوست رکھتا ہوں۔ تو ان کو دوست رکھ اور جو لوگ ان سے محبت رکھیں ان کو بھی دوست رکھ)۔

اور ترمذی نے انس رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ اہلبیت میں سے کون کون آپ کو زیادہ عزیز ہیں تو آپ نے فرمایا کہ الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا۔

اور مسور بن مخرمہ نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا الْفَاطِمَةُ بِضْعَةٌ مِنِّي فَمَنْ أَبْغَضَهَا أَبْغَضَنِي وَفِي رِوَايَةٍ يُرِيئُنِي مَا آرَا بِهَا وَيُوْذِنُنِي مَا آذَاهَا (فاطمہ میرا جگر گوشہ ہے جس نے اس سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ جو چیز اس کو متردد کرے وہ مجھے بھی متردد کرتی ہے اور جس چیز سے اس کو ایذا پہنچے مجھے بھی پہنچتی ہے)۔

اور حاکم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا فَاطِمَةُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْكَ وَأَنْتَ أَعَزُّ عَلَيَّ مِنْهَا (فاطمہ مجھے تجھ سے زیادہ پیاری ہے اور تو میرے نزدیک اس سے زیادہ عزیز ہے)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا ہے کہ لوگ حضرت عائشہ کے دن اپنے تحائف و ہدایا لے آتے تھے۔ اور اس سبب سے رسول اللہ ﷺ کی رضامندی طلب کرتے تھے۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے ازواج و گروہ تھیں۔ ایک وہ گروہ تھا جس میں حضرت عائشہ و حفصہ و سودہ و صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن تھیں۔ اور دوسرے گروہ میں حضرت ام سلمہ اور باقی ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن۔ تو ام سلمہ والے گروہ نے ام سلمہ کو کہا کہ تو رسول اللہ ﷺ کو کہہ دے کہ وہ لوگوں کو کہہ دیں کہ جہاں میں ہو اکروں وہیں تحائف لایا کریں۔ پس ام سلمہ نے رسول اللہ ﷺ سے یہ بات کہہ دی تو رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اے ام سلمہ اس بارے میں مجھے ایذا نہ دے۔ کیونکہ عائشہ کے کپڑے کے سوا اور کسی عورت کے کپڑے میں میرے پاس وحی نہیں آئی۔

ام سلمہ نے اس بات کو سن کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں اس بات سے توبہ کرتی ہوں پھر ام سلمہ کے گروہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بلایا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجا تا کہ وہ یہی بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کہیں۔ جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے میری بیٹی۔ کیا تو اس چیز کو دوست نہیں رکھتی جس کو میں دوست رکھتا ہوں۔ عرض کیا کہ کیوں نہیں پھر فرمایا کہ اس کو یعنی عائشہ رضی اللہ عنہا کو دوست رکھ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ فرمایا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی عورتوں میں سے کسی پر اتنی غیرت نہیں کی جتنی کہ خدیجہ رضی اللہ عنہا پر کی۔ حالانکہ میں نے اس کو دیکھا نہیں۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کا اکثر ذکر کیا کرتے تھے۔ اور بسا اوقات بکری ذبح کر کے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سہیلیوں کو

بھیج دیا کرتے تھے۔ اور جب کبھی میں کہتی کہ کیا خدیجہ جیسی عورت دنیا میں نہیں ہوئی۔ تو رسول اللہ ﷺ فرماتے کہ وہ تھی جیسی کہ تھی۔ اور اسی سے میری اولاد تھی۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اَلْعَبَّاسُ مِنِّي وَاَنَا مِنْهُ (عباس میرا ہے اور میں عباس کا ہوں)۔

اور دیلمی نے ابوسعید سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اِشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰهِ عَلٰی مَنْ اَذَانِيْ فِيْ عِتْرَتِيْ اللّٰهُ تَعَالٰی اس شخص پر سخت غضب فرماتا ہے جس نے مجھے میری اولاد کے حق میں ایذا دی۔

اور حاکم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لَا اَهْلِيْ مِنْ بَعْدِيْ تم میں سے اچھا وہ شخص ہے جو میرے بعد میرے اہلیت کے ساتھ بھلائی کرے۔

اور ابن عساکر نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مَنْ صَنَعَ لِاهْلِ بَيْتِيْ بَرًا كَمَا فَاتُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَيْهَا جس نے میرے اہلیت کے ساتھ احسان کیا۔ میں اس کو قیامت کے دن اس کا بدلہ دوں گا۔

اور ابن عدی اور دیلمی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اَتَّبِعْكُمْ عَلَى الصِّرَاطِ اَشَدُّكُمْ حُبًّا لِاهْلِ بَيْتِيْ وَلَا صَحَابِيْ تم میں سے پل صراط پر وہ شخص زیادہ ثابت قدم ہوگا جس کی میرے اہلیت اور اصحاب کے ساتھ زیادہ محبت ہوگی۔

خدا یا بحق بنی فاطمہ کہ بر قول ایماں کنی خاتمہ

اگر دعوتم رد کنی در قبول من و دست و دامن آل رسول

ترجمہ خدا یا بحق بنی فاطمہ کہ ایمان پر ہو میرا خاتمہ

دعا کو میری رد کر یا قبول مجھے بس ہے دامن آل رسول

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰیہُمْ وَعَلٰی جَمِیْعِ اِخْوَانِہِ مِنَ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَالْمَلَائِکَةِ الْمُقَرَّبِیْنَ وَعَلٰی سَائِرِ عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِیْنَ اَجْمَعِیْنَ - آمین -

مکتوب ۳۷

کلمہ طیبہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے فضائل اور اس کے مناسب بیان میں فقیر حقیر عبدالحی کی طرف جو ان مکتوبات شریفہ کا جامع ہے۔ صادر فرمایا ہے:-

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ حق تعالیٰ کے غضب کو دور کرنے کیلئے اس کلمہ طیبہ سے بڑھ کر زیادہ فائدہ مند اور کوئی چیز نہیں ہے۔ جب یہ کلمہ طیبہ دوزخ کے غضب کو تسکین کر دیتا ہے تو اور غضب جو اس سے کم درجہ کے ہیں۔ ان کی بطریق اولیٰ تسکین کر دیتا ہے۔ کیوں تسکین نہ کرے جب کہ بندے نے اس کلمہ طیبہ کے تکرار سے ماسویٰ کی نفی کر کے سب کی طرف سے منہ پھیر لیا ہے اور اپنی توجہ کا قبلہ معبود برحق کو بنایا ہے۔ غضب کا باعث مختلف تعلقات اور توجہات ہی تھیں۔ جن میں بندہ مبتلا ہو رہا تھا جب وہ نہ رہیں تو غضب بھی نہ رہا۔ اس بات کو عالم مجاز میں بھی مشاہدہ کر سکتے ہیں۔

جب مالک اپنے غلام پر ناراض اور غضبناک ہو۔ تو بندہ اپنے حسن فطرت سے جو اس کو حاصل ہے۔ اپنی توجہ کو اپنے مالک کے ماسوا سے پھیر کر اپنے آپ کو پورے طور پر مالک کی طرف متوجہ کر لے تو اس وقت مالک کو اپنے غلام پر ضرور شفقت و رحمت آ جائیگی اور غضب و آزار دور ہو جائیگا۔

فقیر اس کلمہ طیبہ کو رحمت کے ان ننانوے حصوں کے خزانہ کی کنجی سمجھتا ہے جو آخرت کیلئے ذخیرہ فرمائے ہیں اور جانتا ہے کہ کفر کی ظلمتوں اور شرک کی کدورتوں کو دفع کرنے کیلئے اس کلمہ طیبہ سے بڑھ کر زیادہ شفیق اور کوئی کلمہ نہیں ہے۔ جس شخص نے اس کلمہ طیبہ کی تصدیق کی ہو اور ذرہ بھر ایمان حاصل کر لیا ہو اور پھر کفر و شرک کی رسموں میں بھی مبتلا ہو تو امید ہے کہ اس کلمہ کی شفاعت سے اس کا عذاب دور ہو جائیگا۔ اور دوزخ کے دائمی عذاب سے نجات پا جائیگا۔ جس طرح کہ اس امت کے تمام کبیرہ گناہوں کے عذاب دور کرنے میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی شفاعت نافع اور فائدہ مند ہے۔

اور یہ جو میں نے کہا ہے کہ اس امت کے کبیرہ گناہ۔ تو اس لئے کہا ہے کہ سابقہ امتوں میں کبیرہ گناہوں کا ارتکاب بہت کم ہے بلکہ کفر و شرک کی رسمیں بھی بہت کم پائی جاتی ہیں۔ شفاعت کی زیادہ محتاج یہی امت ہے۔ گزشتہ امتوں میں بعض لوگ کفر پر اڑے رہتے تھے اور بعض اخلاص کے ساتھ ایمان لاتے تھے اور امر بجالاتے تھے۔ اگر کلمہ طیبہ ان کا شفیق نہ ہو تا اور حضرت خاتم الرسل ﷺ جیسا شفیق ان کی شفاعت نہ کرتا تو یہ امت پُر گناہ ہلاک ہو جاتی۔ اُمّةٌ مُذْنِبَةٌ وَ رَبٌّ غَفُورٌ (امت گنہگار ہے اور رب بخشنے والا ہے) حق تعالیٰ کی عفو و بخشش جس قدر کہ اس امت کے حق میں کام آئے گی۔ معلوم نہیں کہ گزشتہ امتوں کے حق میں اس قدر کام آئے۔ گویا رحمت کے ننانوے حصوں کو اسی پُر گناہ امت کیلئے ذخیرہ کیا ہوا ہے۔ ع

کہ مستحق کرامت گناہ گار اند

کہ ہیں گناہ گار لائق بخشش

ترجمہ

چونکہ حق تعالیٰ غفوء مغفرت کو دوست رکھتا ہے اور غفوء معرفت کیلئے اس پر تقصیر امت کے برابر اور کوئی محل نہیں۔ اس لئے یہ امت خیر الامم ہو گئی۔ اور کلمہ طیبہ جو ان کی شفاعت کرنے والا ہے۔ افضل الذکر بن گیا اور ان کی شفاعت کرنے والے پیغمبر ﷺ نے سید الانبیاء کا خطاب پایا اُولَئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا (یہ وہ لوگ ہیں جن کی برائیوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں سے بدل دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا مہربان ہے) ہاں ارحم الراحمین اور اکرم الاکرمین ایسا ہی ہونا چاہئے۔ ع

بر کریمیاں کار ہا دشوار نیست

ترجمہ کریموں پر نہیں یہ کام دشوار

وَكَانَ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا (اللہ تعالیٰ پر یہ بات بہت آسان ہے) رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَاسْرَفَانَا فِي أَمْرِنَا وَقَبَلْتَ أَفْئِدًا مِنَّا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ (یا اللہ ہمارے گناہوں اور کاموں میں زیادتی کو بخش اور ہمارے قدموں کو ثابت رکھ اور کافروں پر ہمیں مدد دے)۔

اب اس کلمہ کے فضائل سنو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ جس نے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہا جنت میں داخل ہوا۔ کوتاہ نظر لوگ تعجب کرتے ہیں کہ ایک بار کلمہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہنے سے جنت میں داخل ہونا کیسے حاصل ہو سکتا ہے یہ لوگ اس کلمہ طیبہ کے برکات سے واقف نہیں ہیں۔ اس فقیر کو محسوس ہوا ہے کہ اگر تمام جہان کو اس کلمہ طیبہ کے ایک بار کہنے سے بخش دیں تو بھی ہو سکتا ہے اور یہ بھی مشہود ہوتا ہے کہ اگر اس کلمہ پاک کے برکات کو تمام جہان میں تقسیم کریں تو ہمیشہ کیلئے سب کو کفایت کرے اور سب کو سیراب کر دے۔ خاص کر جب کہ اس کلمہ طیبہ کے ساتھ کلمہ مقدسہ محمد رسول اللہ ﷺ جمع ہو جائے اور تبلیغ توحید کے ساتھ منتظم ہو جائے اور رسالت ولایت کے ساتھ مل جائے ان دو کلموں کا مجموعہ نبوت و ولایت کے کمالات کا جامع اور ان دونوں سعادتوں کے راستوں کی ہدایت کرنے والا ہے۔ جو ولایت کو ظلال کے ظلمات سے پاک کرتا ہے اور نبوت کو درجہ بلند تک پہنچاتا ہے۔

اللَّهُمَّ لَا تُحَرِّمْنَا مِنْ بَرَكَاتِ هَذِهِ الْكَلِمَةِ الطَّيِّبَةِ وَثَبِّتْنَا عَلَيْهَا وَآمِنَّا عَلَى تَصْدِيقِهَا وَاحْشُرْنَا مَعَ الْمُصْذِقِينَ لَهَا وَأَدْخِلْنَا الْجَنَّةَ بِحُرْمَتِهَا وَحُرْمَةِ مُبَلِّغِهَا عَلَيْهِمُ الصَّلَاةُ وَالْطَّحَاتُ وَالْتَّسْلِيمَاتُ وَالْبَرَكَاتُ (یا اللہ تو ہم کو اس کلمہ طیبہ کی برکات سے محروم نہ رکھ اور ہم کو اس پر ثابت قدم رکھ اور اس کی تصدیق پر مار اور ہم کو اس کی تصدیق کرنے والوں کے ساتھ اٹھا اور اس کلمہ اور اس کے پچانے والوں کے طفیل ہم کو جنت میں داخل کر)۔

جب نظر و قدم واپس رہ جاتے ہیں اور ہمت کے پروبال گر جاتے ہیں اور غیب محض کے ساتھ معاملہ پڑتا ہے تو اس مقام میں کلمہ طیبہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ کے پاؤں کے سوا نہیں چل سکتے۔ اور اس کلمہ مقدسہ کی مدد کے سوا اس مسافت کو قطع نہیں کر سکتے اس مقام کا چلنے والا کلمہ طیبہ کے ایک بار کہنے سے اس کلمہ مقدسہ کی حقیقت کی مدد و اعانت سے اس مسافت سے ایک قدم راستہ قطع کر لیتا ہے۔ اور اپنے آپ سے دور اور حق تعالیٰ کے نزدیک ہو جاتا ہے اس مسافت کا ہر ایک جزو اور قدم عالم امکان کے تمام دائرہ سے کئی گنا زیادہ ہے۔ اس بیان سے اس ذکر کی فضیلت کو معلوم کرنا چاہئے کہ تمام دنیا کا اس کے مقابلہ میں کچھ مقدار و احساس نہیں کاش کہ ان کے درمیان وہی نسبت ہوتی جو قطرہ کو دریائے محیط کے ساتھ ہے۔ اس کلمہ طیبہ کی عظمت کہنے والے کے درجات کے اعتبار سے ہے جس قدر کہنے والے کا درجہ زیادہ ہوگا۔ اسی قدر یہ عظمت زیادہ ظاہر ہوگی۔ بیت

بُرَيْدُكَ وَجْهَهُ حُسْنًا إِذَا مَازَ ذَتَهُ نَظْرًا

چہرے پہ اس کے جوں جوں تیری نظر پڑیگی
تیری نظر میں اس کی خوبی بہت بڑھے گی

دنیا میں اس آرزو کے برابر اور کوئی آرزو نہیں۔ کہ گوشہ میں بیٹھ کر اس کلمہ کے تکرار سے محفوظ و متلذذ ہوں۔ مگر کیا کیا جائے سب خواہشیں میسر نہیں ہو سکتیں۔ اور خلقت کی غفلت اور خلط ملط سے چارہ نہیں۔ رَبَّنَا أَنْتُمْ لَنَا نُورٌ نَا وَاعْفِرْ لَنَا إِنَّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (یارب ہمارے نور کو کامل اور ہمارے گناہوں کو بخش تو سب چیز پر قادر ہے) سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ پاک ہے رب تیرا جو بڑی عزت والا ہے۔ اس وصف سے جو لوگ کرتے ہیں بہت برتر ہے اور مرسلین پر سلام ہو۔ اللہ تعالیٰ کیلئے حمد ہے جو تمام جہان کا پالنے والا ہے۔

مکتوب ۳۸

اس بیان میں کہ اہل اللہ کو باطن میں دنیا کے ساتھ رائی کے دانہ جتنا تعلق بھی نہیں ہوتا۔ اگرچہ بظاہر دنیا اور دنیا کے اسباب میں مشغول ہوتے ہیں۔ حاجی محمد یوسف کشمیری کی طرف صادر فرمایا ہے:-

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَى (اللہ تعالیٰ کیلئے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو)۔

خدا کی معرفت اس شخص پر حرام ہے جس کے باطن میں دنیا کی محبت رائی کے دانہ جتنی بھی ہو۔ یا

اس کے باطن کو دنیا کے ساتھ اس قدر تعلق ہو یا دنیا کی اتنی مقدار اس کے باطن میں گزرتی ہو۔ باقی رہا ظاہر۔ اس کا ظاہر جو باطن سے کئی منزلیں دور پڑا ہے اور آخرت سے دنیا میں آیا ہے اور اس کے لوگوں کے ساتھ اختلاط پیدا کیا ہے تاکہ وہ مناسبت حاصل ہو جو افادہ اور استفادہ میں مشروط ہے اگر دنیا کی کلام کرے اور دنیاوی اسباب میں مشغول رہے تو گنجائش رکھتا ہے اور کچھ مذموم نہیں بلکہ محمود ہوتا ہے تاکہ بندوں کے حقوق ضائع نہ ہوں۔ اور استفادہ و افادہ کا طریق بند نہ ہو جائے۔ پس اس شخص کا باطن اس کے ظاہر سے بہتر ہوتا ہے اور جو نمائندہ فروش کا حکم رکھتا ہے ظاہر بین لوگ اس کو اپنی طرح گندم نما جو فروش تصور کرتے ہیں اور اس کے ظاہر کو اس کے باطن سے بہتر جانتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ بظاہر بے تعلق دکھائی دیتا ہے مگر باطن میں گرفتار ہے۔ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَأَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِينَ (یا اللہ تو ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر۔ تو سب سے اچھا فیصلہ کرنے والا ہے) وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالنَّزَمَ مُتَابِعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْهِ وَعلٰی اٰلِہٖ الصَّلٰوۃُ وَالتَّسْلِیْمٰتِ (سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت کا راستہ اختیار کیا اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی متابعت کو لازم پکڑا)۔

مکتوب ۳۹

اصحاب یمین اور اصحاب شمال اور سابقین کے بیان میں سید عبدالباقی سارنگپوری کی طرف صادر فرمایا ہے:-

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اللّٰہُ تَعَالٰی کِلِیْلَہٗ حَمْدٌ ہُوَ اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔

خدا تجھے ہدایت دے۔ تجھے واضح ہو کہ اصحاب شمال ظلمانی حجابوں والے لوگ ہیں اور اصحاب یمین نورانی حجابوں والے۔ سابقین وہ لوگ ہیں۔ جو ان حجابوں اور ان حجابوں سے نکل گئے ہیں اور ایک قدم شمال پر اور ایک قدم یمین پر رکھ کر سبقت کا گیند اصل کے میدان میں لئے گئے ہیں اور ظلال امکانی اور ظلال وجوبی سے اوپر گزر گئے ہیں اور اسم و صفت اور شان و اعتبار سے سوائے ذات کے اور کچھ نہیں چاہتے۔

اصحاب شمال ارباب کفر و شقاوت ہیں اور اصحاب یمین اہل اسلام اور ارباب ولایت ہیں اور سابقین بالاصالت انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات ہیں۔ یا وہ لوگ جن کو تبعیت و وراثت کے طور پر اس دولت سے مشرف فرمائیں۔ یہ دولت تبعیت کے طور پر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بزرگوار اصحاب میں زیادہ

ترپائی جاتی ہے اور اصحاب کے سوا دوسرے لوگوں میں بھی شاذ و نادر طور پر متحقق و ثابت ہے۔ حقیقت میں یہ شخص بھی زمرہ اصحاب میں سے ہے اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے کمالات سے ملنے والا ہے اس شخص کے حق میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔ لَا يُذْرَى أَوْلَهُمْ خَيْرٌ أَمْ آخِرُهُمْ (نہیں معلوم ان میں سے اول اچھا ہے یا آخر کا) اگرچہ رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے۔ کہ خَيْرُ الْقُرُونِ قُرْنِي (میرا زمانہ سب زمانوں سے بہتر زمانہ ہے) لیکن اس کو باعتبار قرون کے فرمایا ہے اور اسکو باعتبار اشخاص کے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ اَعْلَمُ

لیکن اہل سنت کا اجماع انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد شخصین کی فضیلت پر ہے کوئی ایسا شخص نہیں۔ جو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ پر سبقت لے گیا ہو۔ اس امت کے سابقوں کے سابق اور اس ملت کے پہلوں کے پہلے وہی ہیں۔ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ انہی کے ذریعے افضلیت و اسبقیت کی دولت سے مشرف ہوئے ہیں اور انہی کے واسطے سے دوسروں سے بڑھ گئے ہیں۔ یہی باعث ہے کہ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ خود کو خلیفہ صدیق رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے اور خطبہ میں خَلِيفَةُ خَلِيفَةِ رَسُولِ اللّٰهِ یعنی رسول اللہ کے خلیفہ کا خلیفہ پڑھا کرتے تھے اس معاملہ کے شہسوار حضرت صدیق رضی اللہ عنہ ہیں اور حضرت فاروق اس کے ردیف ہیں۔ کیا ہی عمدہ ردیف ہے۔ جو شہسوار کے ساتھ ہمراہی اختیار کرے اور خاص خاص اوصاف میں اس کے ساتھ شریک ہو۔

اب ہم اصل بات کو بیان کرتے اور کہتے ہیں۔ کہ سابقین یمن اور شمال کے احکام سے خارج ہیں اور ظلمانی اور نورانی معاملات سے برتر ہیں۔ ان کی کتاب یمن و شمال کی کتاب کے سوا ہے اور ان کا محاسبہ اصحاب یمن اور اصحاب شمال کے محاسبہ سے وراء الراء ہے۔ ان کا کاروبار علیحدہ ہے اور ان کے ناز و ادا الگ ہیں۔ اصحاب یمن اصحاب شمال کی طرح ان کے کمالات سے کیا پا سکتے ہیں اور ارباب ولایت عام مومنوں کی طرح ان کے اسرار سے کیا حاصل کر سکتے ہیں۔ قرآن کے حروف مقطعات ان کے اسرار کی رمزیں ہیں اور فرقانی مشابہات ان کے درجات و وصول کے خزانے ہیں۔ اصل کے وصول نے ان کو ظل سے فارغ کر دیا ہے اور ارباب ظلال کو ان کی خاص حریم سے دور کر دیا ہے یہی لوگ مقرب ہیں۔ اور رَوْحٌ وَرَيْحَانٌ انہی کے نصیب ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو فزع اکبر یعنی قیامت سے غمناک نہیں ہوتے اور دوسروں کی طرح قیامت کے ڈر سے بیقرار نہیں ہوتے۔

اللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْ مُّجِبِّهِمْ فَإِنَّ الْمَرْءَ مَعَ مَنْ أَحَبَّ بِصَدَقَةِ سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ عَلَيْهِ وَعَلَىٰ آلِهِ وَعَلَيْهِمُ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيمَاتُ وَالتَّحِيَّاتُ وَالْبَرَكَاتُ يَا اللّٰهُ تَوْسِيْدَ الْمُرْسَلِينَ ﷺ کے طفیل ہم کو ان لوگوں کے محبوں میں سے بنا۔ کیونکہ آدمی اسی کے ساتھ ہوگا۔ جس کے ساتھ اس کو محبت ہوگی۔

مکتوب ۴۰

اس بیان میں کہ حجابوں کا رفع ہونا باعتبار شہود کے ہے نہ باعتبار وجود کے مولانا بدر الدین کی طرف صادر فرمایا ہے:-

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اللّٰهُ تَعَالٰى كَيْلَےْ حَمْدِہٖ اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔

حق تعالیٰ کی ذات سے اسماء و صفات و شیون و اعتبارات کے پردوں کا دور ہونا دو قسم پر ہے۔ ایک وہ خرق ہے جو باعتبار شہود کے ہے اور دوسرے وہ خرق ہے جو باعتبار وجود کے ہے۔ خرق وجودی ممتنع اور محال ہے اور خرق شہودی ممکن بلکہ واقع ہے۔ گواقل قلیل اور اخص خواص کے نصیب ہو اور یہ جو حدیث میں آیا ہے۔ اِنَّ لِلّٰہِ سَبْعِیْنَ اَلْفَ حِجَابٍ مِنْ نُورٍ وَظُلْمَۃٍ لَوْ كَشَفْتُ لِاٰخِرَتِ سُبْحٰتٍ وَجْہِہٖ مَا اَنْتَہٰی اِلَیْہِ بَصَرُہٗ مِنْ خَلْقِہٖ کہ اللہ تعالیٰ کے لئے ستر ہزار ظلمت و نور کے پردے ہیں۔ اگر وہ دور ہوں تو اس کی ذات کے تجلیات ہر ایک چیز کو جو اس کی خلق میں سے اس تک پہنچے جلا دیں۔

اس کشف و خرق سے مراد خرق وجودی ہے جو ممتنع اور محال ہے اور وہ جو اس فقیر نے اپنے بعض رسالوں میں حق تعالیٰ کی ذات سے تمام حجابوں کے خرق کی نسبت لکھا ہے۔ مراد اس خرق سے خرق شہودی ہے۔ جس طرح کہ اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس قسم کی بینائی عطا کرے کہ حجابوں اور پردوں کے باہر سے پوشیدہ اشیاء کو دیکھ لے تو جس طرح یہاں حجابوں اور پردوں کا دور ہونا باعتبار شہود کے ہے۔ اسی طرح وہاں ہے۔

پس معلوم ہوا کہ یہ جو فقیر نے جواز خرق کی نسبت لکھا ہے۔ خرق کے عدم جواز کے منافی نہیں وہ خرق اور ہے یہ خرق اور۔ فَلَا تَكُنْ مِنَ الْمُفْتَزِیْنَ (پس کچھ شک نہ کر) وَالسَّلَامُ عَلٰی اَتْبَعِ الْہٰدِیِّ وَالتَّزَمْ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰى عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ الصَّلٰوٰتِ وَالتَّسْلِیْمٰتِ الْعُلٰی سَلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی متابعت کو لازم پکڑا۔

مکتوب ۴۱

اس بیان میں کہ مراتب نہایت نہایت کے آگے ایک اور مرتبہ آتا ہے جس کا ہر ایک ذرہ تمام دائرہ امکان سے کئی گنا زیادہ ہے۔ شیخ فرید تھامیری کی طرف صادر فرمایا ہے:-

اللہ تعالیٰ کی عنایت اور اس کے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل عروج کے وقت نہایت نہایت کے مرتبوں کے آگے ایک اور مرتبہ آتا ہے۔ جس مقام کا ہر ایک ذرہ تمام دائرہ امکان سے کئی گنا زیادہ ہے۔ پس اگر اس مقام کا ایک ذرہ سلوک کر کے قطع کیا جائے تو گویا تمام دائرہ امکان سے کئی گنا

زیادہ مسافت طے ہو جائے گی۔ خاص کر جب کہ اس مرتبہ سے لمبی مسافت طے کی جائے۔
پس معلوم ہوا کہ مراتب و جوب فوافوقہا کے مقابلہ میں دائرہ امکان کی کچھ مقدار نہیں۔ کاش کہ
ان میں قطرہ اور دریائی کی نسبت ہوتی۔ اس سے ثابت ہوا کہ اپنے پاؤں کی قوت سے دوست کے کوچہ
میں نہیں پہنچ سکتے اور اپنی آنکھوں سے اس کو نہیں دیکھ سکتے۔ لَا يَحْمِلُ عَطَا يَا الْمَلِكِ إِلَّا مَطَايَاہ
پادشاہ کے عطیوں کو اسی کے اونٹ اٹھا سکتے ہیں۔

مکتوب ۴۲

اس بیان میں کہ صوفیہ نے سیر کو آفاق و انفس ہی میں منحصر رکھا ہے اور تجلیہ اور
تجلیہ اسی سیر میں ثابت کیا ہے اور حضرت ایشان یعنی حضرت مجدد قدس سرہ اس حصر سے
منع فرماتے ہیں اور نہایت النہایت کو آفاق و انفس سے باہر ثابت کرتے ہیں۔ خواجہ جمال
الدین ولد مرزا حسام الدین احمد کی طرف صادر فرمایا ہے:-

الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی اٰلِہِ الْکِرَامِ
وَاَصْحَابِہِ الْعِظَامِ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامِ

فرزند عزیز! خدا تجھے سعادت بخشے۔ گوش ہوش سے سنو کہ جب سالک نیت کو درست اور خالص
کر کے۔ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہوتا ہے اور سخت ریاضتیں اور مجاہدے اختیار کرتا ہے اور تزکیہ پا کر
اس کے اوصاف و ذیلہ اخلاق حسنہ سے بدل جاتے ہیں اور توبہ و انابت اس کو میسر ہو جاتی ہے اور دنیا کی
محبت اس کے دل سے نکل جاتی ہے اور صبر و توکل و رضا حاصل ہو جاتے ہیں اور اپنی حاصل شدہ معافی کو
درجہ بدرجہ اور ترتیب وار عالم مثال میں مشاہدہ کرتا ہے اور اپنے آپ کو بشریت کی کدورتوں اور کمینہ
صفتوں سے پاک و صاف دیکھتا ہے۔ تو اس وقت اس کا سیر آفاقی تمام ہو جاتا ہے۔

اس مقام میں اس گروہ میں سے بعض نے احتیاط اختیار کی ہے اور انسان کے ساتوں لطیفوں میں
سے ہر ایک لطیفہ کے لئے عالم مثال میں اس کے مناسب انوار میں سے ایک نور مقرر کیا ہے اور اس نور
مثالی میں سے نور کے ظاہر ہونے کو اس لطیفہ کی صفائی کی علامت مقرر کی ہے اور اس سیر کو لطیفہ قلب
سے شروع کر کے بتدریج و ترتیب لطیفہ اخفی تک جو تمام لطائف کا منتہا ہے۔ پہنچایا ہے۔

مثلاً صفائی قلب کی علامت قلب کے نور کا ظہور مقرر کی ہے اور عالم مثال میں وہ نور نور سرخ کی
صورت میں ہے اور صفائی روح کی علامت اس کے نور کا ظہور ہے۔ جو نور زرد کی صورت میں مقرر ہے۔
اسی طرح دوسرے لطائف کا حال ہے۔ پس سیر آفاقی کا حال یہ ہے۔ کہ سالک اپنے اوصاف کی تبدیلی
اور اخلاق کے تغیر کو عالم مثال کے آئینے میں مشاہدہ کرتا ہے اور اپنی کدورتوں اور ظلمتوں کا دور ہونا اس

جہان میں محسوس کرتا ہے۔ تاکہ اس کو اپنی صفائی کا یقین اور اپنے تزکیہ کا علم ہو جائے۔ جب سالک اس سیر میں دمہدم اپنے احوال و اطوار کو عالم مثال میں جو من جملہ آفاق کے ہے۔ مشاہدہ کرتا ہے اور اس عالم میں ایک حالت سے دوسری حالت میں اپنی تبدیلی کو دیکھتا ہے۔ تو گویا اس کا یہ سیر آفاق ہی میں ہے اگرچہ درحقیقت یہ سیر سالک کے اپنے نفس کا سیر ہے اور اس کے اپنے اوصاف و اخلاق میں حرکت کیفی ہے۔ لیکن چونکہ دور بینی کے باعث اس کے مد نظر آفاق ہے نہ کہ انفس۔ اس لئے یہ سیر بھی آفاق کی طرف منسوب ہے۔ اس سیر کے تمام ہونے کو جو آفاق کی طرف منسوب ہے۔ سیر الی اللہ کا تمام ہونا مقرر کیا ہے اور فنا کو اس سیر پر موقوف رکھا ہے اور اس سیر کو سلوک سے تعبیر کیا ہے۔

اس کے بعد جو سیر واقع ہوتا ہے۔ اس کو سیر انفسی کہتے ہیں اور سیر فی اللہ بھی بولتے ہیں اور بقابلہ اللہ اس مقام میں ثابت کرتے ہیں اور اس مقام میں سلوک کے بعد جذبہ کا حاصل ہونا جانتے ہیں۔ چونکہ سالک کے لطائف سیر اول میں تزکیہ پاچکتے ہیں اور بشریت کی کدورتوں سے صاف ہو جاتے ہیں۔ اس لئے یہ قابلیت پیدا کر لیتے ہیں کہ اسم جامع (جو اس کا رب ہے) کے ظلال و عکس ان لطائف کے آئینوں میں ظاہر ہوں اور یہ لطائف اس اسم جامع کی جزئیات کے تجلیات و ظہورات کے مظہر اور مورد ہوں۔

اس سیر کو سیر انفسی اس لئے کہتے ہیں۔ کہ انفس اسماء کے ظلال و عکس کے آئینے ہیں۔ نہ یہ کہ سالک کا سیر نفس میں ہے۔ جیسے کہ سیر آفاقی میں گزرا۔ کہ باعتبار آئینہ ہونے کے اس کو سیر آفاقی کہا ہے۔ نہ یہ کہ سیر آفاق میں ہے۔ اس سیر میں درحقیقت انفس کے آئینوں میں اسماء کے ظلال کا سیر ہے۔ اسی واسطے اس سیر کو سیر معشوق فی العاشق کہتے ہیں۔

آئینہ صورت از سفر دور است کان پذیراے صورت از نور است

ترجمہ سفر سے صورت کا آئینہ ہے دور

قبول کرتا ہے صورت کو وہ باعث نور

اس سیر کو سیر فی اللہ اس اعتبار سے کہہ سکتے ہیں۔ کہ صوفیاء نے کہا کہ سالک اس سیر میں اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے متخلق و متصف ہو جاتا ہے اور ایک خلق سے دوسری خلق میں انتقال کرتا ہے۔ کیونکہ مظہر کو ظاہر کے بعض اوصاف سے حصہ حاصل ہوتا ہے اگرچہ اجمالی طور پر ہو۔ گویا حق تعالیٰ کے اسماء میں سیر متحقق ہو گیا۔ اس مقام کی نہایت تحقیق اور اس کلام کی تصحیح یہی ہے۔ جو بیان ہو چکی۔ دیکھیں صاحب مقام کا کیا حال ہو گا اور کلام کے متکلم کی کیا مراد ہو گی۔ ہر ایک شخص سے اس کی سمجھ کے مطابق کلام کرتا ہے۔ کہنے والا اپنی کلام سے خواہ کچھ معنی مراد رکھے۔ سننے والا اسی کلام سے کچھ اور معنی بھی سمجھ

لیتا ہے۔

یہ لوگ سیرِ انفسی کو بے تکلف سیرِ فی اللہ اور بے تحاشا اس کو بقا باللہ کہتے ہیں اور مقام وصال و اتصال خیال کرتے ہیں۔ یہ اطلاق اس فقیر پر بہت گراں گزرتے ہیں۔ اسی واسطے اس کی توجیہ اور نصیح میں حیلہ و تکلف کیا جاتا ہے۔ جس کا کچھ حصہ ان کی کلام سے ماخوذ ہے اور کچھ افاضہ اور الہام کی راہ سے حاصل ہے۔ سیرِ آفاقی میں رذائل یعنی بری صفتوں سے تخلیہ حاصل ہو چکا ہوتا ہے اور سیرِ انفسی میں اخلاق حمیدہ سے آراستہ ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ تخلیہ یعنی بری صفات سے خالی ہونا مقام فنا کے مناسب ہے اور تخلیہ یعنی نیک صفات سے آراستہ ہونا مقام بقا کے لائق۔ ان کے نزدیک اس سیرِ انفسی کی نہایت نہیں اور عمر ابدی کے ساتھ بھی اس کے منقطع نہ ہونے کا حکم کیا ہے اور کہا ہے۔ کہ محبوب کے اوصاف اور خصلتوں کی کوئی نہایت نہیں۔

پس ہمیشہ کے لئے سالک متخلق کے آئینہ میں اس کی صفات میں سے کسی صفت کی تجلی ہوگی اور اس کے کمالات میں سے کسی کمال کا نظہور ہوگا۔ پھر انقطاع کہاں ہوگا اور نہایت کس طرح جائز ہوگی اور انہوں نے کہا ہے۔

ذرہ گر بس نیک و ر بس بد بود گر چہ عمرے تنگ زندر خود بود

ترجمہ ذرہ گر ہو نیک یا ہو بد عیاں

عمر بھر دوڑے تو پھر بھی ہے یہاں

اور اس فنا و بقا پر جو سیرِ آفاقی اور انفسی سے حاصل ہوا ہے۔ ولایت اطلاق کرتے ہیں اور نہایت کمال اسی جگہ تک جانتے ہیں۔ اس کے بعد اگر سیرِ میسر ہو۔ تو وہ سیر ان کے نزدیک رجوعی ہے۔ جس کو سیر عن اللہ باللہ سے تعبیر کرتے ہیں۔

اسی طرح سیرِ چہارم کو بھی جس کو سیرِ فی الاشیاء باللہ کہتے ہیں۔ نزول کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ ان دو سیروں کو تکمیل و ارشاد کیلئے مقرر کیا ہے۔ جس طرح کہ پہلے دو سیروں کو نفس ولایت و کمال کے حاصل ہونے کے لئے مقرر کیا ہے اور بعض نے یوں کہا ہے۔ کہ وہ ستر ہزار پردے جن کا ذکر حدیث میں آیا ہے۔ اِنَّ لِلّٰہِ لَسَبْعِیْنَ اَلْفَ حِجَابٍ مِّنْ نُورٍ وَظَلَمَہُ (اللہ تعالیٰ کے لئے نور و ظلمت کے ستر ہزار پردے ہیں) سب کے سب سیرِ آفاقی میں دور ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ ساتوں لطائف میں سے ہر ایک لطیفہ دس دس ہزار پردوں کو دور کر دیتا ہے اور جب یہ سیر تمام ہو جاتا ہے۔ پردے بھی سب کے سب دور ہو جاتے ہیں اور سالک سیرِ فی اللہ سے متحقق ہو جاتا ہے اور مقام وصال میں پہنچ جاتا ہے۔ یہ ہے ارباب ولایت کے سیر و سلوک کا حاصل اور ان کے کمال و تکمیل کا نسخہ جامعہ۔

اس بارہ میں جو کچھ اس فقیر پر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ظاہر کیا گیا ہے اور جس راستے پر اس فقیر کو چلایا ہے۔ اس نعمت کے ظاہر اور عطیہ کے شکر ادا کرنے کی خاطر اس کو لکھتا اور بیان کرتا ہے۔
فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِيَ الْأَبْصَارِ

اے عزیز خدا تجھے سیدھے راستہ کی ہدایت دے۔ تجھے جاننا چاہئے کہ حق تعالیٰ جو بے چون و چگون ہے۔ جس طرح آفاق سے وراء الوراء ہے۔ اسی طرح انفس سے بھی وراء الوراء ہے۔ پس سیر آفاقی کو سیر الی اللہ اور سیر انفسی کو سیر فی اللہ کہنا فضول ہے۔ بلکہ سیر آفاقی اور سیر انفسی دونوں سیر الی اللہ میں داخل ہیں اور سیر فی اللہ وہ سیر ہے۔ جو آفاق و انفس سے کئی منزلیں دور اور ان سے وراء الوراء ہے۔ عجب معاملہ ہے۔ کہ انہوں نے سیر فی اللہ کو سیر انفسی مقرر کیا ہے اور اس کو بے نہایت کہا ہے اور عمر ابدی سے بھی اس کا طے ہونا جائز نہیں سمجھا۔ جیسے کہ گزر چکا ہے۔ جب انفس بھی آفاق کی طرح دائرہ امکان میں داخل ہے۔ تو اس صورت میں دائرہ امکان کا قطع کرنا ممکن ہو گا۔ پس اس سے دائمی مایوسی اور خسارہ کے سوا کچھ حاصل نہ ہو گا۔ نہ کبھی فنا متحقق ہو گی نہ بقا متصور ہو گا۔ پھر وصال و اتصال کیسے ہو گا اور قرب و کمال کیا حاصل ہو گا۔

سبحان اللہ! جب بزرگ لوگ پانی کو چھوڑ کر سراب پر کفایت کریں اور الی اللہ کو فی اللہ خیال کریں اور امکان کو وجوب تصور کریں اور چون کو یقین تعبیر کریں۔ تو پھر چھوٹوں اور پست فطر توں کا کیا گلہ اور کیا شکایت ہے۔ ان لوگوں کو کیا ہو گیا۔ انہوں نے انفس کو کس اعتبار سے حق تعالیٰ کہا ہے۔ کہ اس کے سیر کو باوجود حد و نہایت کے بے نہایت کہا ہے۔ سالک آئینہ میں حق تعالیٰ کے اسماء و صفات کا وہ ظہور جو انہوں نے سیر انفسی میں مقرر کیا ہے۔ وہ اسماء و صفات کے ظلال میں سے کسی خل کا ظہور ہے۔ نہ عین اسماء و صفات کا ظہور۔ اس مضمون کی تحقیق اس مکتوب کے آخر میں انشاء اللہ تعالیٰ لکھی جائے گی۔

میں کیا کروں اور باوجود علم و تمیز کے حق تعالیٰ کی پاک جناب میں یہ بے ادبی کس طرح جائز رکھوں اور حق تعالیٰ کے ملک میں غیر کو کیسے شریک کروں۔ اگرچہ ان بزرگوں کے حقوق مجھ پر لازم ہیں۔ کیونکہ انہوں نے مجھے طرح طرح کی تربیت سے پرورش کیا ہے۔ لیکن حق تعالیٰ کے حقوق ان تمام کے حقوق سے بڑھ کر ہیں اور اس کی تربیت دوسروں کی تربیت سے برتر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حسن تربیت کے سبب میں نے اس بھنور سے نجات پائی ہے اور اس کے ملک مقدس میں غیر کو شریک نہیں کیا۔ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا أَنْ هَدَانَا اللَّهُ (اللہ تعالیٰ کیلئے حمد ہے جس نے ہم کو اس کی ہدایت دی اور اگر وہ ہدایت نہ دیتا تو ہم کبھی ہدایت نہ پاتے) حق تعالیٰ یقین و بے چگون ہے اور جو چیز چونی اور چندی کے داغ سے لتھڑی ہوئی ہے۔ سب اس کی بارگاہ سے مسلوب اور دور

ہے۔ پس آفاق کے آئینوں میں اور انفس کی جلوہ گاہوں میں حق تعالیٰ کی کچھ گنجائش نہیں اور جو کچھ ان میں ظاہر ہوتا ہے وہ بھی چند و چون کا مظہر ہے۔ پس انفس و آفاق سے آگے گزرنا چاہئے اور حق تعالیٰ کو انفس و آفاق سے ماوراء و ہونڈنا چاہئے۔ جس طرح دائرہ امکان یعنی انفس و آفاق میں حق تعالیٰ کی ذات کی گنجائش نہیں۔ اس کے اسماء و صفات کی بھی گنجائش نہیں۔ کیونکہ جو کچھ وہاں ظاہر ہے۔ اسماء و صفات کے ظلال و عکس اور ان کی شبہ و مثال ہیں۔ بلکہ اسماء و صفات کی ظلیت اور مثالیت بھی آفاق و انفس سے باہر ہے۔ اس جگہ تعبیر اور نقش قدرت کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ ورنہ ظہور کس کا اور تجلی کہاں۔ کیونکہ حق تعالیٰ کے اسماء و صفات بھی اس کی ذات کی طرح بیچون و بے جگہ اور بے شبہ و بے نمونہ ہیں۔ جب تک انفس و آفاق سے باہر نہ نکلیں حق تعالیٰ کے اسماء و صفات کی ظلیت کے معنی سمجھ میں نہیں آتے۔ تو پھر اسماء و صفات تک وصول کیسے حاصل ہوگا۔

عجب معاملہ ہے کہ اگر میں اپنے یقینی مکشوفات و معلومات کو بیان کروں۔ تو مشائخ کے مذاق اور ان کے مکشوفات کے موافق و مطابق نہ ہوں گے۔ تو پھر مجھ پر کون اعتبار کرے گا اور کون قبول کرے گا اور اگر کچھ نہ کہوں پوشیدہ ہی رہنے دوں۔ تو حق باطل کے ساتھ ملا رہے گا اور حق تعالیٰ کے حق میں ان امور کا اطلاق جائز سمجھا جائے گا جو اس کی بارگاہ کے لائق نہیں۔ اس لئے جو کچھ حق تعالیٰ کی پاک جناب کے نامناسب ہے۔ اس کو سلب اور دفع کرتا ہوں اور دوسروں کے خلاف سے نہیں ڈرتا ہوں۔ ان کی مخالفت کا خوف تب ہو سکتا ہے۔ جب کہ میرے معاملہ میں تذبذب اور میرے مکشوف میں شبہ ہو۔ جب اصل حقیقت کو صبح کی سفیدی کی طرح ظاہر کر دیں اور اصل معاملہ کو چودہویں رات کے چاند کی طرح واضح کر دیں اور تمام ظلال و شبہ و مثال سے گزار کر بالاتر لے جائیں تو پھر شبہ کہاں ہو گا اور تردد و تذبذب کس کو پیدا ہوگا۔

ہمارے حضرت خواجہ قدس سرہ فرمایا کرتے تھے۔ کہ احوال کے درست ہونے کی علامت اپنے کمال پر یقین کا حاصل ہونا ہے۔ نیز تذبذب و اشتباہ کیسے متصور ہو سکتا ہے۔ جب کہ اللہ تعالیٰ کی عنایت بے غایت سے ان بزرگواروں کے مقرر احوال کی تفصیل پر اطلاع ہو چکی ہے اور معارف توحید و اتحاد و احاطہ و سریان مکشوف ہو گئے ہیں اور ان کے مکشوف و مشہود کی حقیقت حاصل ہو چکی ہے اور ان کے علوم و معارف کے دقائق واضح ہو گئے ہیں۔

فقیر مدتوں تک اس مقام میں ٹھہرا ہوا اور ان کے قلیل و کثیر پر خوب غور کیا۔ آخر کار فضل خداوندی جل شانہ سے ظاہر ہوا۔ کہ یہ سب ظلال کے شعبہ اور شبہ و مثال کی گرفتاری ہے مطلوب ان سب سے وراء الوریاء اور مقصود ان سے سواء السواء ہے۔ ناچار ان سب سے منہ پھیر کر بیچون کی بارگاہ

پاک کی طرف متوجہ ہوا اور جو کچھ چند و چون کے داغ سے موسوم تھا۔ اس سے بیزار ہوا۔ اِنِّیْ وَجْهْتُ وَجْهَیْ لِلذِّیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ (سب طرف سے ہٹ کر میں نے اپنے آپ کو اس ذات پاک کی طرف متوجہ کیا۔ جس نے تمام آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں) اگر معاملہ ایسا نہ ہوتا تو مشائخ کے برخلاف ہرگز نہ کہتا اور ظن و تخمین سے ان کی مخالفت نہ کرتا۔ نیز اگر یہ خلاف حق تعالیٰ کی ذات و صفات کے متعلق نہ ہوتا اور اس کی تقدیس و تزیین کی نسبت گفتگو نہ ہوتی۔ تو پھر بھی ان بزرگوں کے مکشوف کے برخلاف وقوع میں نہ آتا اور ان کے علوم کی مخالفت میں کلام نہ کرتا۔ کیونکہ میں انہی کی دولتوں کے خرمینوں کا کمینہ خوشہ چلین ہوں اور انہی کی نعمتوں کے دسترخوان سے پس خوردہ کھانے والا فقیر ہوں بار بار یہی ظاہر کرتا ہوں۔ کہ انہی لوگوں نے مجھے طرح طرح کی تربیت سے پرورش کیا ہے اور طرح طرح کے کرم و احسان سے مجھے فائدہ پہنچایا ہے۔

لیکن کیا کروں حقوق خداوندی ان کے حقوق سے برتر ہیں۔ جب حق تعالیٰ کی ذات و صفات کی بحث درمیان میں آئی اور معصوم ہوا کہ بعض امور کا اطلاق حق تعالیٰ کی پاک جناب کے لائق نہیں۔ تو اس مقام میں خاموش رہنا اور دوسروں کے خلاف سے ڈرنا دین و دیانت سے دور ہے بندگی اور اطاعت کا مقام اس کی تاب نہیں لاسکتا۔ علماء کا خلاف مشائخ کے ساتھ مسئلہ توحید و غیرہ امور خلافیہ میں نظر واستدال کی وجہ سے ہے اور فقیر کا خلاف ان کے ساتھ ان امور میں کشف و شہود کی وجہ سے ہے۔ علماء ان امور کی قباحت کے قائل ہیں اور فقیر بشرط عبور ان امور کے حسن کا۔ مسئلہ وحدت وجود میں شیخ علاؤ الدول کا خلاف علماء کے طور پر مفہوم ہوتا ہے اور اس کی نظر امور کی قباحت پر ہے۔ اگرچہ اس کا خلاف کشف کی راہ سے بھی ہے۔ کیونکہ صاحب کشف ان کو قبیح نہیں جانتا۔ اس لئے کہ یہ مسئلہ احوال غریبہ اور معارف عجیبہ پر مشتمل ہے۔ ہاں اس مقام میں ٹھہرا ہوا چھان نہیں اور انہی احوال و معارف پر کفایت کرنا مناسب نہیں۔

سوال۔ اس صورت میں مشائخ باطل ہوں گے اور حق ان کے مکشوف و مشہود کے برخلاف ہوگا۔

جواب۔ باطل وہ ہوتا ہے جس میں صدق کی بونہ ہو اور جس کا ہم ذکر کر رہے ہیں۔ ان احوال و معارف کا باعث حق تعالیٰ کی محبت کا غلبہ ہے۔ یعنی حق تعالیٰ کی محبت یہاں تک غالب آجاتی ہیں۔ کہ ان کی نظر بصیرت میں ماسوا کا نام و نشان نہیں چھوڑتی اور غیر و غیریت کا اسم و رسم محو و لاشے کر دیتی ہے۔ اس وقت سکر و غلبہ حال کے باعث ماسوا کو معدوم جانتے ہیں اور حق تعالیٰ کے سوا کچھ موجود نہیں دیکھتے۔

یہاں باطل کیا ہے اور بطلان کہاں ہے۔ اس مقام میں حق کا غلبہ اور باطل کا بطلان ہے بزرگواروں نے حق تعالیٰ کی محبت میں اپنے آپ کو اور اپنے غیر کو قربان کر دیا ہے اور اپنا اور اپنے غیر کا نام و نشان نہیں چھوڑا۔ باطل تو ان کے سایہ سے بھاگتا ہے۔ یہاں سب حق ہی حق ہے اور حق ہی کے لئے ہے۔ علمائے ظاہر بین ان کی حقیقت کو کیا پاسکیں اور ظاہری مخالفت کے سوا اور کیا سمجھیں اور ان کے کمالات کو کیسے حاصل کر سکیں۔

گفتگو اس امر میں ہے کہ ان احوال و معارف کے سوا اور بھی اس قسم کے کمالات ہیں۔ جن کے ساتھ یہ احوال و معارف وہ نسبت رکھتے ہیں۔ جو قطرے کو دریائے محیط کے ساتھ ہے
آسمان نسبت بعرش آمد فرود ورنہ بس عالیت پیش خاک تود

ترجمہ عرش سے نیچے ہے گرچہ آسمان لیک اونچا ہے زمیں سے اے جواں
اب ہم اصل بات کو بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں۔ کہ یہ جو انہوں نے خرقِ جب یعنی پردوں کے دور ہونے کی نسبت کہا ہے۔ کہ سیرِ آفاقی میں سب ظلمانی اور نورانی پردے دور ہو جاتے ہیں۔ جیسے کہ گزر چکا۔

فقیر کے نزدیک اس کلام میں خدشہ ہے بلکہ اس کے برخلاف ثابت ہے اور مشہود ہوا ہے۔ کہ ظلمانی پردوں کا دور ہونا امکان کے تمام مراتب طے کرنے یعنی سیرِ آفاقی اور سیرِ انفسی کے تمام ہونے پر وابستہ ہے اور نورانی پردوں کا دور ہونا حق تعالیٰ کے اسماء و صفات کے سیر پر موقوف ہے۔ حتیٰ کہ نظر میں نہ اسم ہے نہ صفت اور نہ شان اور نہ اعتبار۔ اس وقت تمام نورانی پردے دور ہو جاتے ہیں اور وصلِ عریانی حاصل ہوتا ہے یہ وصل بہت ہی کم کسی کو حاصل ہوتا ہے اور ایسے وصل والا نہایت ہی عزیز الوجود ہے۔

پس سیرِ آفاقی میں معلوم نہیں کہ نصف ظلمانی پردے بھی دور ہوتے ہوں۔ پھر نورانی پردوں کے دور ہونے کا کیا حال ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ ظلمانی پردوں میں مختلف اور متفاوت مرتبے ہیں۔ جو اشتباہ کا سبب ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ نفسانی پردے ظلمت میں قلبی پردوں کے اوپر ہیں۔ جس طرح کہ تھوڑی سی ظلمت والی چیز بہت سی ظلمت والی چیز کی نسبت اپنے آپ کو زیادہ نورانی ظاہر کرے اور ظلمانی نورانی متخیل ہو۔ ورنہ درحقیقت ظلمانی ظلمانی ہے اور نورانی نورانی۔ تیز نظر والا شخص ایک کو دوسرے کے ساتھ نہیں ملاتا اور اشتباہ کا باعث معلوم کر کے ظلمت پر نور کا حکم نہیں کرتا۔ ذَلِكْ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يُّشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ

بڑے فضل والا ہے۔

وہ طریق کہ جس کے سلوک سے اس فقیر کو مشرف فرمایا ہے۔ ایسا طریق ہے جو جذبہ و سلوک کا جامع ہے۔ وہاں تخلیہ اور تجلیہ باہم جمع ہیں اور تصفیہ و تزکیہ ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں۔ اس مقام میں سیر انفسی سیر آفاقی کو شامل ہے۔ عین تصفیہ میں تزکیہ ہے اور عین تجلیہ میں تخلیہ۔ جذبہ سے سلوک حاصل ہوتا ہے اور انفس کو آفاق شامل ہے۔ لیکن تقدم ذاتی تجلیہ اور جذبہ کے لئے ہے اور تزکیہ پر تصفیہ کو ذاتی سبقت ہے اور مد نظر و ملحوظ انفس ہے نہ کہ آفاق۔

یہی وجہ ہے کہ یہ راستہ سب راستوں سے اقرب اور وصل کے نزدیک تر ہے۔ بلکہ میں یہ کہتا ہوں کہ یہ طریقہ البتہ موصل ہے۔ یہاں عدم وصول کا احتمال مفقود ہے۔ حق تعالیٰ سے استقامت اور فرصت طلب کرنی چاہئے اور یہ جو میں نے کہا ہے کہ یہ طریق البتہ موصل ہے۔ اس لئے ہے کہ اس راہ کا پہلا قدم جذبہ ہے۔ جو وصول کی دہلیز ہے اور توقعات کی جگہیں یا سلوک کی منزلیں ہیں۔ یا وہ مقامات جذبات جو سلوک پر شامل نہ ہوں اور اس طرق میں یہ دونوں مانع مرتفع ہیں۔ کیونکہ یہ سلوک طفیلی ہے۔ جو جذبہ کے ضمن میں حاصل ہو جاتا ہے۔ یہاں نہ سلوک خاص ہے اور نہ جذبہ ناقص تاکہ سدا رہوں۔

یہ وہ طریق ہے جو انبیاء علیہم السلام کی شاہراہ ہے۔ یہ بزرگوار اس راہ سے اپنے اپنے درجوں کے موافق وصول کی منزلوں تک پہنچے ہیں اور آفاق و انفس کو ایک قدم سے قطع کر کے دوسرا قدم آفاق و انفس کے آگے رکھا ہے اور اپنا معاملہ سلوک و جذبہ سے آگے لے گئے ہیں۔ کیونکہ سلوک کی نہایت سیر آفاقی کی نہایت تک ہے اور جذبہ کی نہایت سیر انفسی کی نہایت تک۔ جب سیر آفاقی و انفسی ختم ہوا۔ سلوک و جذبہ کا معاملہ بھی تمام ہوا۔ بعد ازاں نہ سلوک ہے نہ جذبہ۔ یہ بات ہر مجذوب سالک اور سالک مجذوب کی سمجھ میں نہیں آتی۔ کیونکہ ان کے نزدیک آفاق و انفس کے آگے کوئی مرتبہ نہیں۔ اگر بالفرض ابدی اور دائمی عمر پائیں اور اس کو سیر انفسی میں لگائیں۔ تو بھی اس کو تمام نہ کر سکیں ایک بزرگ فرماتا ہے۔ بیت

ذره گر بس نیک و ر بس بد بود گر چہ عمرے تک زندر خود بود

ترجمہ ذرہ گر ہو نیک یا ہو گر برا عمر بھر دوڑے رہے اس جاڑا

ایک اور بزرگ فرماتا ہے۔ کہ تجلی ذاتی متجلی لہ کی صورت کے سوا نہیں ہوتی۔ کیونکہ متجلی لہ نے حق کے آئینہ میں اپنی صورت کے سوا نہیں دیکھا اور حق کو نہیں دیکھا اور نہ ہی ممکن ہے۔ کہ اس کو دیکھ سکے۔

جاننا چاہئے کہ میرے پیروں اور خدا کی طرف مجھے راہنمائی کرنے والوں نے جن کے وسیلہ سے میں نے اس راہ میں آنکھ کھولی ہے اور جن کے ذریعے یہ گفتگو کر رہا ہوں میں نے طریقت میں الف باکا سبق انہی سے لیا ہے اور مولویت کا ملکہ انہی کی توجہ شریف سے حاصل کیا ہے۔ اگر مجھے علم ہے۔ تو انہی کے طفیل ہے اور اگر معرفت ہے تو انہی کی توجہ کا اثر ہے۔ اندراج النہایت فی البدایت کا طریق میں نے انہی سے سیکھا ہے اور قومیت کی طرف انجذاب کی نسبت انہی سے اخذ کی ہے اور ان کی ایک نظر سے وہ کچھ دیکھا ہے۔ جو لوگ چلوں میں بھی نہیں دیکھتے اور ان کے ایک کلام سے وہ کچھ پایا ہے جو دوسرے سالوں میں نہیں پاسکتے۔ بیت

آنکہ بہ تبریز یافت یک نظر شمس دین طعنہ زند بردہ و سحرہ کند بر چلہ
ترجمہ ایک نظر میں شمس تبریزی نے وہ کچھ پایا
جو چلوں میں اور لوگوں کو نہیں حاصل ہوا
کسی نے کیا اچھا کہا ہے۔ بیت

نقشبندیہ عجب قافلہ سالار اند کہ برند از رہ پنہاں بحر م قافلہ را
ترجمہ بیت عجب ہی قافلہ سالار ہیں یہ نقشبندی
کہ لے جاتے ہیں پوشیدہ حرم تک قافلے کو

اپنی بلند فطرتی اور عالی ہمتی سے طریقت کی ابتدا سیر انفسی سے مقرر کی ہے اور سیر آفاقی کو اس کے ضمن میں قطع کر لیتے ہیں۔ ان کی عبارت میں سفر در وطن سے مراد یہی ہے۔ ان بزرگواروں کا طریق سب طریقوں سے اقرب اور وصول کے نزدیک تر ہے اور دوسروں کے سیر کی نہایت ان کے سیر کی ابتدا ہے۔ اسی واسطے انہوں نے فرمایا ہے۔ کہ ہم نہایت کو بدایت میں درج کرتے ہیں۔
غرض ان بزرگواروں کا طریق مشائخ کے تمام طریقوں سے بہت بلند ہے اور ان کی حضور و آگاہی ان میں سے اکثر کی حضور و آگاہی سے برتر ہے۔ اسی واسطے انہوں نے فرمایا ہے کہ ہماری نسبت تمام نسبتوں سے برتر ہے اور نسبت سے ان کی مراد حضور و آگاہی ہے۔ لیکن چونکہ انفس و آفاق اور جذبہ و سلوک کے آگے اولیاء کی ولایت کا گزر نہیں۔ اس لئے ان بزرگواروں نے بھی آفاق و انفس کے سوا کوئی خبر نہیں دی اور جذبہ اور سلوک کے سوا کوئی کلام نہیں کی اور کمالات و ولایت کے اندازہ کے موافق فرماتے ہیں۔ کہ اہل اللہ فنا بقا کے بعد جو کچھ دیکھتے ہیں اپنے آپ میں دیکھتے ہیں اور جو کچھ پہچانتے ہیں اپنے آپ میں پہچانتے ہیں اور ان کی حیرت ان کے اپنے وجود میں ہے وَفِي أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ اور تمہاری جانوں میں نشان ہیں۔ کیا تم نہیں دیکھتے۔

اللہ تعالیٰ کا حمد اور احسان ہے۔ کہ ان بزرگواروں نے اگرچہ انفس کے سوا کوئی اور خبر نہیں دی لیکن انفس میں گرفتاری بھی نہیں چاہتے ہیں۔ کہ انفس کو بھی آفاق کی طرح لا کے نیچے لائیں اور غیریت کے باعث اس کی نفی کریں۔

حضرت خواجہ بزرگ قدس سرہ فرماتے ہیں کہ جو کچھ دیکھا اور سنا اور جانا گیا۔ سب کچھ غیر ہے۔ کلمہ لا سے اس کی نفی کرنی چاہئے۔

نقشبندوں نے بند بہر نقش نیند ہر دم از بوالعجبی نقش دگر پیش آرند ترجمہ نقشبند ہیں پر ہر نقش کے پابند نہیں ہیں

نقش نیا دیکھتے ہیں ایک پہ فرسندہ نہیں ہیں نقشبندانے والے از نقش پاک نقش راہم کرد و پاک از لوح خاک ترجمہ نقشبندی ہیں مگر نقشوں سے پاک

ان کے نقشوں پر نہیں ہے ذرہ خاک

یہاں ایک سر ہے جو جاننے کے لائق ہے اور وہ یہ ہے کہ غیریت کی نفی اور ہے اور غیریت کا انقضا اور شتائ ما بینہما (ان دونوں میں بہت فرق ہے) اور یہ جو میں نے کہا ہے کہ جذبہ و سلوک و آفاق و انفس کے باہر ولایت کا قدمگاہ نہیں ہے۔ وہ اس لئے ہے کہ ولایت کے ان چاروں ارکان کے آگے کمالات نبوت کے مہادی اور مقدمات ہیں۔ جس کے بلند درخت تک ولایت کا ہاتھ نہیں پہنچ سکتا۔

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب میں سے اکثر لوگ اور باقی تمام امتوں میں سے کمتر لوگ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی وراثت اور جمعیت کے طور پر اس دولت سے مشرف ہوئے ہیں اور جذبہ و سلوک کی اس جامع راہ سے بعد کی منازل کو قطع کر کے جذبہ و سلوک کے آگے قدم رکھا ہے اور دائرہ ظلال سے باہر نکل کر انفس کو آفاق کی طرح پیچھے چھوڑ گئے ہیں۔ اس مقام میں وہ تجلے ذاتی برقی جو دوسروں کے لئے برق خائف کی طرح ہوتی ہے۔ ان کے لئے دائمی ہے۔ بلکہ ان بزرگواروں کا معاملہ تجلی سے خواہ برقی ہو یا غیر برقی اعلیٰ و برتر ہے۔ کیونکہ تجلی کچھ نہ کچھ ظلیت چاہتی ہے اور ظلیت کا ایک نقطہ ان بزرگواروں کو کوہ عظیم نظر آتا ہے۔ ان بزرگواروں کے کام کی ابتدا جذب و محبت الہی جل شانہ پر ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کی عنایت بیغایت سے یہ محبت دمبدم غالب آتی جاتی ہے اور قوت و غلبہ پکڑتی جاتی ہے تو آہستہ آہستہ ماسوا کی محبت زائل ہوتی جاتی ہے اور اغیار کی گرفتاری کا تعلق بتدریج دور ہوتا جاتا ہے اور جب کسی صاحب دولت پر حق تعالیٰ کی محبت غالب آ جاتی ہے اور ماسوا کی محبت بالکل زائل ہو کر ان کی بجائے حق تعالیٰ کی محبت و گرفتاری آ جاتی ہے۔ تو اس کے برے اوصاف اور ردی اخلاق سب دور

ہو جاتے ہیں اور اخلاق حمیدہ سے آراستہ ہو کر مقامات عشرہ کے ساتھ متحقق ہو جاتا ہے اور جو کچھ سیر آفاقی سے تعلق رکھتا ہے۔ سلوک اور ریاضتوں اور مجاہدوں کی تکلیف کے بغیر اس کو میسر ہو جاتا ہے۔ کیونکہ محبت محبوب کی اطاعت چاہتی ہے۔ جب محبت کامل ہو جائے۔ تو اطاعت بھی کامل طور پر حاصل ہو جاتی ہے اور جب محبوب کی اطاعت قوت بشری کے انداز کے موافق پورے طور پر حاصل ہو جائے۔ تو مقامات عشرہ حاصل ہو جاتے ہیں اور اسی سیر محبوبی سے جس طرح سیر آفاقی تمام ہو جاتا ہے۔ سیر انفسی بھی ختم ہو جاتا ہے کیونکہ مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے۔ **الْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ** (آدمی اس کے ساتھ ہو گا جس کے ساتھ اس کی محبت ہو گی)

اور جب محبوب آفاق و انفس سے باہر ہے۔ محبت بھی معیت کے حکم سے آفاق و انفس سے گزر جائے گا۔ یعنی سیر انفسی کو بھی پیچھے چھوڑ کر معیت کی دولت حاصل کر لے گا۔ یہ بزرگوار محبت کی دولت کے باعث نہ آفاق سے تعلق رکھتے ہیں۔ انفس کے ساتھ۔ بلکہ انفس و آفاق ان کے کام کے تابع ہیں اور جذبہ و سلوک ان کے معاملہ کا طفیلی ہے۔ ان بزرگواروں کا سرمایہ محبت ہے۔ جس کو محبوب کی اطاعت لازم ہے اور محبوب کی اطاعت شریعت کی تابعداری پر موقوف ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ دین ہے۔

پس کمال محبت کی علامت شریعت کی کمال اطاعت ہے اور شریعت کی کمال اطاعت علم و عمل و اخلاص پر منحصر ہے۔ وہ اخلاص جو تمام اقوال و اعمال اور تمام حرکات و سکنات میں متصور ہو سکے وہ مخلص (بفتح لام) کا حصہ ہے۔ مخلص (بکسر لام) اس معما کو کیا پا سکتے ہیں۔ **وَالْمُخْلِصُونَ عَلَىٰ خَطَرٍ عَظِيمٍ** (مخلص خطرہ عظیم پر ہیں) آپ نے سنائی ہو گا۔

اب ہم پھر اصل بات کو بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں۔ کہ سلوک و جذبہ کے سیر سے مقصود یہ ہے۔ کہ انفس ان اخلاق ردیہ اور اوصاف رذیلہ سے جن کا رئیس انفس کی گرفتاری اور انفس کی مرادوں اور خواہشوں کا حاصل ہونا ہے۔ پاک صاف ہو جائے۔ پس سیر انفسی بڑا ضروری ہے کیونکہ اس کے سوا صفات رذیلہ سے صفات حمیدہ تک جانے کا اور کوئی راستہ نہیں اور سیر آفاقی مقصود سے خارج ہے کوئی غرض معتد بہ اس کے متعلق نہیں کیونکہ آفاق کی گرفتاری انفس کی گرفتاری کے باعث ہے۔ کیونکہ جس چیز کو کوئی شخص دوست رکھتا ہے۔ اپنی دوستی کے باعث دوست رکھتا ہے۔ اگر مال و فرزند کو دوست رکھتا ہے تو اپنے نفع اور فائدے کے لئے دوست رکھتا ہے۔ جب سیر انفسی میں حق تعالیٰ کی محبت کے غلبہ کے باعث اپنی دوستی زائل ہو جاتی ہے۔ تو اس کے ضمن میں مال و اولاد کی محبت بھی دور ہو جاتی ہے۔ پس اسیر انفسی ضروری ہے اور سیر آفاقی اس کے ضمن میں اس کے طفیل میسر ہو جاتا ہے یہی

وجد ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا سیر نفس پر موقوف ہے اور آفاقی اس کے طفیل اسی کے ضمن میں طے ہو جاتا ہے۔ ہاں سیر آفاقی بھی نیک ہے۔ بشرطیکہ اس کے قطع کرنے کی فرصت دیں اور توقفات کے خلل کے بغیر انجام تک پہنچادیں اور اگر اس کے قطع کرنے کی فرصت نہ دیں اور توقفات میں ہی مبتلا رکھیں۔ تو پھر سیر آفاقی مالا یعنی میں داخل ہے اور مطلب حاصل ہونے سے مانع گنا جاتا ہے۔ سیر انفسی جس قدر قطع کیا جائے غنیمت ہے کیونکہ برائی سے نیکی کی طرف جانا جس قدر ہو سکے۔ بہتر ہے اس سیر کو انجام تک پہنچانا اور دائرہ نفس سے باہر نکلنا بڑی نعمت ہے اس کے ہوتے کچھ ضروری نہیں کہ انفس کی تلونیات کو آفاق کے آئینہ میں مشاہدہ کریں اور اپنے تغیرات کو آفاق میں معائنہ کریں یعنی اپنی صفاء قلب کو مثال کے آئینہ میں معلوم کریں اور اس صفا کو نور سرخ کی صورت میں دیکھیں کیوں اپنی وجدان پر عمل نہ کریں اور اس صفاء کو اپنی فراست کے حوالہ کیوں نہ کریں۔

مثال مشہور ہے کہ دوازدہ سالہ یعنی بارہ سال کے آدمی کو طبیب کی کیا حاجت ہے اپنے وجدان صحیح سے اپنے احوال کے تلونیات معلوم کر لے گا اور فراست کے ساتھ اپنی صحت و بیماری کا پتہ لگا لیگا۔ ہاں سیر آفاقی میں بہت سے علوم و معارف اور تجلیات اور ظہورات ہیں۔ جو سب کے سب ظلال کی طرف راجع اور شبہ و مثال کے متعلق ہیں۔ جب سیر انفسی ظلال سے تعلق رکھتا ہو جیسے کہ اپنے مکتوبات و رسالوں میں اس کی تحقیق ہو چکی ہے تو پھر آفاقی ظل کے ظل کے ساتھ متعلق ہونا چاہئے۔ کیونکہ آفاق انفس کے ظل کی طرح ہے اور اس کے ظہور کا آئینہ ہے۔

جاننا چاہئے کہ انفس کے احوال جو آفاق کے آئینہ میں مشاہدہ کرتے ہیں اور صفاء تجلیہ وہاں سے معلوم کرتے ہیں۔ ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص خواب یا واقعہ یا عالم مثال میں اپنے آپ کو بادشاہ دیکھے یا قطب وقت مشاہدہ کرے۔ حقیقت میں وہ نہ بادشاہ ہے نہ قطب۔ بادشاہ تب ہے جب خارج میں اس مرتبہ سے مشرف ہو۔ ہاں اتنا ہو جاتا ہے کہ اس خواب اور واقعہ سے بادشاہ ہونے کی استعداد اور قطب بننے کی قابلیت معلوم ہو جاتی ہے۔ بڑی کوشش اور محنت کرنی پڑتی ہے تاکہ معاملہ قوت سے فعل میں آئے اور گوش سے آغوش تک پہنچے اور جس کا ہم ذکر کر رہے ہیں اس میں بھی تزکیہ اور تجلیہ سیر انفسی پرواہستہ ہے جو کچھ سیر آفاقی میں دیکھا ہے وہ تزکیہ اور تجلیہ کی استعداد اور قابلیت ہے۔

پس جب تک خارج میں سیر انفسی کے ساتھ اپنے آپ کو پاک و صاف نہ دیکھیں اور وجدان سے اپنے آپ کو مصفا معلوم نہ کریں تب تک حقیقت میں فنا سے بے نصیب اور مقامات کے حاصل ہونے سے بے بہرہ ہیں اور اطوار سب سے سوائے پوست کے کچھ ہاتھ نہیں آیا۔ اس اعتبار سے سیر انفسی سیر الی اللہ میں داخل ہے اور سیر الی اللہ کا تمام ہونا جو مقام فنا ہے۔ سیر انفسی پرواہستہ ہے اور سیر فی اللہ سیر

انفسی سے کئی منزلیں آگے ہے۔ بیت

كَيْفَ الْوُصُولُ إِلَى سَعَادَ وَدُونَهَا
قَلَّلَ الْجِبَالِ وَ دُونَهُنَّ خَبُوقُ

ترجمہ: ہائے جاؤں کس طرح میں یاں تک راہ میں ہیں پر خطر غار اور کوہ
اے سعادت کے نشان والے۔ جب سیر انفسی میں وہ تعلق علمی و جہی جو سالک کی ذات کی طرف
منسوب ہوتا ہے۔ زائل ہو جاتا ہے اور وہ گرفتاری جو اپنے آپ کے ساتھ رکھتا ہے۔ دور ہو جاتی ہے تو
دوسروں کی گرفتاری اس کی ذات کی گرفتاری کے ضمن میں زائل ہو جاتی ہے کیونکہ دوسروں کی
گرفتاری اپنی گرفتاری کے باعث ہے جیسا کہ اس کی تحقیق اوپر گزر چکی ہے۔

پس ثابت ہوا کہ سیر آفاقی سیر انفسی میں قطع ہو جاتا ہے اور سالک اسی ایک سیر سے اپنی گرفتاری
اور دوسروں کی گرفتاری سے بھی نجات پا جاتا ہے۔ پس اس تحقیق کے اندازہ کے موافق سیر انفسی اور
آفاقی کا مطلب بے تکلف حاصل ہو جاتا ہے کیونکہ سیر در انفس بھی ہے اور سیر در آفاق بھی۔ کیونکہ
نفس کا قطع تعلقات بتدریج سیر در انفس ہے اور آفاق کا قطع تعلقات جو سیر انفسی کے ضمن میں ہو جاتا
ہے سیر در آفاق ہے۔ برخلاف دوسروں کے سیر آفاقی اور سیر انفسی کے جو تکلف کے محتاج ہیں جیسے
کہ گزر چکا۔

ہاں جس جگہ حقیقت ہے وہاں تکلف نہیں۔ وَاللّٰهُ الْمُؤَفِّقُ ذرا غور سے سنو کہ سالک کے آمینہ
میں اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کا ظہور جو سیر انفسی میں انہوں نے کہا ہے اور اس کو تجلیہ بعد تجلیہ سمجھا
ہیں۔ در حقیقت وہ ظہور اسماء و صفات کا ظہور ہے جس سے تجلیہ اور تزکیہ حاصل ہوتا ہے۔

اس کا بیان یہ ہے کہ سبقت اسی طرف سے ہے جو مبداء بننے کے مناسب ہے۔ پہلے طالب کے
آمینہ میں مطلوب کے ظلال میں سے کسی ظل کا ظہور ہوتا ہے تاکہ طالب کی ظلمتوں اور کہ درتوں کو
دور کرے اور اس کو تعفّر اور تزکیہ حاصل ہو۔ ظلمتوں کے دور ہونے اور تصفیہ و تزکیہ کے حاصل
ہونے کے بعد جو سیر انفسی کے تمام ہونے پر وابستہ ہے۔ تجلیہ حاصل ہوتا ہے اور تجلیہ کی استعداد
پیدا ہوتی ہے اور حق تعالیٰ کے اسماء و صفات کے ظہور کے لائق ہوتا ہے پس سیر انفسی میں وہ تجلیہ
حاصل ہوتا ہے جو تزکیہ اور تصفیہ پر وابستہ ہے اور وہ تجلیہ جو سیر آفاقی میں متوہم ہوا تھا وہ تجلیہ کی
صورت تھی نہ کہ تجلیہ کی حقیقت تاکہ سیر انفسی میں تجلیہ کا حصول اور اسماء و صفات کا ظہور متصور
ہوتا ہے جیسے کہ صوفیہ نے کہا ہے۔

اس بیان سے لازم آتا ہے کہ ظل کا پیوستن (جوڑنا و ملنا) گسستن (توڑنے) پر مقدم ہے یعنی

جب تک مطلوب کے ظلال میں سے کوئی ظل سالک کے آئینہ میں منعکس نہ ہو۔ مطلوب کے غیر سے گسستن (توڑنا) متصور نہیں ہو سکتا لیکن اصل کا پوِستن گسستن کے حاصل ہونے کے بعد ہے۔ پس مشائخ میں سے جنہوں نے پوِستن کو مقدم رکھا ہے اس سے مراد ظل کا پوِستن ہے اور جنہوں نے گسستن کو پوِستن پر مقدم کیا ہے اس سے مراد اصل کا پوِستن سمجھنا چاہئے تاکہ فریقین کا نزاع لفظ کی طرف راجع ہو۔

شیخ ابو سعید خراز قدس سرہ اس مقام میں متوقف ہے وہ کہتا ہے۔ ”تاثر ہی نیابی تا نیابی نہ ہی ندانم کدام پیش بود“ (یعنی جب تک تو آزاد نہ ہو گا نہ پایگا اور جب تک تو نہ پایگا آزاد نہ ہو گا میں نہیں جانتا پہلے کون ہے)

پہلی تحقیق سے معلوم ہوا کہ ظل کا پانا آزاد ہونے سے پہلے ہے اور اصل کا پانا آزاد ہونے کے بعد۔ پس کوئی اشتباہ نہ رہا۔ جیسے کہ صبح کے وقت طلوع آفتاب سے پہلے آفتاب کی شعاعوں کے ظلال کا ظہور ہوتا ہے تاکہ جہان کو اندھیرے سے خالی کر کے صاف کر دے اور اندھیروں کے دور ہونے اور صفائی کے حاصل ہونے کے بعد نفس آفتاب طلوع ہوتا ہے پس آفتاب کے ظل کا ظہور ظلمات کے زوال سے پہلے ہے اور نفس آفتاب کا طلوع ظلمات کے زائل ہونے کے بعد ہاں بادشاہوں کا طلوع کرنا تخلیہ اور تصفیہ کے حاصل ہونے کے بعد اچھا ہے اگرچہ تخلیہ اور تصفیہ ان کے طلوع کے مقدمہ کے بغیر متصور نہیں۔ پس حق ظاہر ہو گیا اور نزاع دور ہو گیا اور اشتباہ زائل ہو گیا۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْمُلْهِم۔ اللہ تعالیٰ ہی بہتری کا الہام کرنے والا ہے۔

مکتوب ۴۳

اس عبارت کے معنی میں جو بعض صوفیہ نے کہا ہے کہ اس بارگاہ میں یافت کا صرف ذوق ہی ہے نہ کہ یافت اور اندراج النہایت فی البدایت کی تحقیق میں جو اس طریقہ علیا کا خاصہ ہے اور دوسرے طریقوں پر اس طریقہ کی افضلیت کے بیان میں مولانا محمد افضل کی طرف صادر فرمایا ہے:

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اللّٰهُ تَعَالٰی کِلَیْلَہٗ حَمْدَہٗ اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔

اس طریقہ علیہ کے مشائخ کی عبارت میں آیا ہے کہ اس بارگاہ جل شانہ میں یافت کا ذوق ہے نہ یافت۔ یہ بات اندراج النہایت فی البدایت کے مناسب ہے۔ جو ان بزرگواروں کے جذبہ خاص کا مقام ہے اس مقام میں یافت کی حقیقت نہیں کیونکہ وہ انتہا کے ساتھ مخصوص ہے۔ لیکن چونکہ نہایت کی

چاشنی ہدایت میں درج کی ہوئی ہے اس لئے یافت کا ذوق اس مقام میں بھی میسر ہے اور جب معاملہ جذبہ سے آگے بڑھ جائے اور ابتداء سے توسط تک پہنچ جائے۔ یافت کا ذوق بھی یافت کی طرح معدوم ہو جاتا ہے نہ یافت رہتی ہے نہ یافت کا ذوق اور جب کام نہایت تک پہنچ جاتا ہے یافت میسر ہو جاتی ہے اور یافت کا ذوق مفقود ہو جاتا ہے اور جب یافت کا ذوق منتهی میں مفقود ہے تولذت و حلاوت بھی اس کے حق میں کمتر ہوگی۔ منتهی ذوق و حلاوت کو پہلے قدم میں ہی چھوڑ جاتا ہے اور آخر میں بے لذتی اور بے مزگی کے گوشہ میں گمنام پڑا رہتا ہے۔ **كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَوَاصِلَ الْحَزَنِ ذَانِمَ الْفَكْرِ** رسول اللہ ﷺ ہمیشہ غم ناک اور متفکر رہا کرتے تھے۔

سوال: جب منتهی کو مطلوب کی یافت میسر ہو گئی تو پھر یافت کا ذوق کیوں مفقود ہو گا اور جب مبتدی یافت سے بے نصیب ہے تو یافت کا ذوق کہاں سے پائے گا۔

جواب: یافت کی دولت منتهی کے باطن کا حصہ ہے جو اپنے ظاہری تعلق کے منقطع ہونے کے بعد اس دولت سے مشرف ہوا ہے۔ جب اس کے باطن کو اس کے ظاہر کے ساتھ تعلق نہیں رہا اس لئے باطنی نسبت اس کے ظاہر میں اثر نہیں کرتی اور باطنی یافت سے ظاہر ذوق ولذت نہیں لے سکتا۔ پس منتهی کے باطن کو مطلوب کی یافت حاصل ہوتی ہے اور اس کے ظاہر کو اس یافت کا ذوق نہیں ہوتا۔ باقی رہا باطن کا ذوق جس کا حصہ یافت ہے جب باطن نے نیچونی کا حصہ پالیا ہے اس کا وہ ذوق بھی عالم نیچونی سے ہو گا اور ظاہر کے ادراک میں جو سر اسر چون ہے نہ آئے گا بلکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ظاہر باطن سے ذوق کی نفی کر دیتا ہے باطن کو بھی اپنی طرح بے حلاوت جانتا ہے کیونکہ چون کا ذوق اور ہے اور نیچون کا ذوق اور جب منتهی کا ظاہر اس کے ذوق کی خبر نہیں رکھتا۔ تو پھر عوام ظاہر بین منتهی کے باطن کی کیا خبر پائیں گے اور سوائے انکار کے ان کے حصہ میں کیا آئے گا۔ وہ ذوق جو ان کے فہم میں آتا ہے ظاہر کا ذوق ہے جو عالم چون سے ہے۔

یہی وجہ ہے کہ سماع اور رقص اور نعرہ اور اضطراب وغیرہ جو ظاہری احوال و اذواق ہیں۔ ان کے نزدیک بڑے نایاب اور عظیم القدر ہیں بلکہ اکثر اوقات اذواق و مواجید کو انہی امور میں منحصر جانتے ہیں اور ولایت کے کمالات انہی امور کو سمجھتے ہیں۔ خدا تعالیٰ ان کو سیدھے راستہ کی ہدایت دے۔ ظاہری احوال باطنی احوال کے ساتھ وہی نسبت رکھتے ہیں جو چون کو نیچون کے ساتھ ہے۔ پس ثابت ہوا کہ منتهی کا باطن یافت بھی رکھتا ہے اور یافت کا ذوق بھی۔ لیکن چونکہ وہ ذوق عالم بے چونی سے حصہ رکھتا ہے۔ اس لئے ظاہر کے ادراک میں نہیں آ سکتا۔ بلکہ ظاہر اس ذوق کی نفی کا حکم کرتا ہے اگرچہ ظاہر باطن کی یافت پر اطلاع رکھتا ہے لیکن اس یافت کے ذوق کو نہیں پاسکتا۔ پس کہہ سکتے ہیں کہ منتهی کو ظاہر

میں ذوق میسر ہے لیکن یافت کا ذوق مفقود ہے۔

اور اس طریقہ عالیہ کے مبتدی رشید میں جو باوجود یافت کے مفقود ہونے کے یافت کا ذوق ثابت کرتے ہیں۔ وہ اس سبب سے ہے کہ یہ بزرگوار ابتدا میں انتہائی چاشنی درج کر دیتے ہیں اور انعکاس کے طور پر نہایت کا پر تو مبتدی رشید کے باطن میں ڈالتے ہیں چونکہ مبتدی کا ظاہر اس کے باطن سے ملا ہوا ہوتا ہے اور اس کے ظاہر و باطن میں قوی تعلق ثابت ہوتا ہے اس لئے نہایت کا وہ پر تو اور ولایت کی وہ چاشنی مبتدی کے باطن سے اس کے ظاہر میں بھی آ جاتی ہے اور اس کا ظاہر باطن کے رنگ میں رنگا جاتا ہے اور یافت کا ذوق بے اختیار اس کے ظاہر میں پیدا ہو جاتا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ مبتدی میں یافت کی حقیقت مفقود ہے اور یافت کا ذوق حاصل ہے اس بیان سے طریقہ علیا نقشبند یہ کی بلندی اور ان کی نسبت علیا کی رفعت معلوم ہوتی ہے اور مریدوں اور طالبوں کے حق میں ان بزرگواروں کا کمال اہتمام اور حسن تربیت مفہوم ہوتا ہے پہلے ہی قدم میں جو کچھ خود رکھتے ہیں مرید رشید اور طالب صادق کے حوصلہ کے موافق عطا فرماتے ہیں اور جس تعلق اور ارتباط کے باعث توجہ اور انعکاس سے اس کی تربیت کرتے ہیں۔ دوسرے سلسلوں کے بعض مشائخ ان بزرگواروں کی کلام اندراج النہایت فی البدایت میں شبہ کرتے ہیں اور اس کلام کی حقیقت میں متردد ہیں۔ وہ پسند نہیں کرتے کہ اس طریق کا مبتدی دوسرے طریقوں کے منتہی کے برابر ہو۔

بڑے تعجب کی بات ہے کہ انہوں نے اس طریق کے مبتدی کا دوسرے طریقوں کے منتہی کے ساتھ برابر ہونا کہاں سے سمجھ لیا ہے۔ ان بزرگواروں سے اندراج نہایت در ہدایت سے زیادہ کچھ سرزد نہیں ہوا اور یہ عبارت مساوات پر دلالت نہیں کرتی اس عبارت سے ان کا مقصود یہ ہے کہ اس طریق میں شیخ منتہی اپنی توجہ اور تصرف سے اپنی نہایت کی دولت کی چاشنی انعکاس کے طور پر مبتدی رشید کو عطا فرماتا ہے اور ہدایت میں اپنی نہایت کا نمک ملا دیتا ہے۔ اس میں کون سی مساوات ہے اور کون سا اس میں شبہ ہے اور اس کی حقیقت میں کیا تردد ہے یہ اندراج بڑی دولت ہے اس طریق کا مبتدی اگرچہ منتہی کا حکم نہیں رکھتا لیکن نہایت کی دولت سے بے نصیب نہیں رہتا۔ بالفرض اگر اس مبتدی کو طریق وصول کو قطع کرنے اور اس کے منازل کو طے کرنے کی فرصت نہ بھی دیں تو پھر نہایت کی دولت سے بے نصیب نہ رہیگا اور وہ ذرہ نمک اس کے کلیت کو ملیج و نمکین بنا دے گا برخلاف دوسرے طریقوں کے مبتدیوں کے جو نہایت سے بہت دور ہیں اور منزلوں کا قطع کرنا اور مسافتوں کا طے کرنا ان کے حق میں مشکل کا سامنا ہے۔ اگر ان کو اس قطع کی فرصت نہ ملی اور مسافت کو طے کرنے کا موقع نہ ملا تو پھر ان کی حالت نہایت ہی قابل افسوس ہے جب اس طریق کے مبتدی اور دوسرے طریقوں کے مبتدیوں کے

درمیان فرق واضح ہو چکا اور اس مبتدی کی زیادتی دوسرے مبتدی پر ثابت ہو چکی تو پھر جاننا چاہئے کہ اس طریق کے منتہی اور دوسرے طریقوں کے منتہیوں کے درمیان اسی قدر فرق ہے اور اس منتہی کی زیادتی دوسرے طریقوں کے منتہیوں پر اسی قدر ثابت ہے۔ بلکہ اس طریقہ علیا کی نہایت دوسرے مشائخ کے تمام طریقوں کی نہایت سے وراء الوراہ ہے۔

خواہ میری اس بات کا یقین کریں یا نہ کریں۔ ہاں اگر انصاف کی نظر سے دیکھیں۔ تو شاید اعتبار کر لیں۔ وہ نہایت جس کی ہدایت میں نہایت ملی ہوئی ہو دوسروں کی نہایتوں سے ممتاز ہوگی بلکہ ان نہایتوں کی نہایت ہوگی۔

سالے کہ نکو است از بہار ش پیداست

ترجمہ: سال اچھا بہارا چھی

دوسروں سلسلوں کے بعض متعصب لوگ ہمیں کہتے ہیں کہ ہماری نہایت وصول بحق تعالیٰ ہے اور اس کو تم اپنی ہدایت کہتے ہو پس حق کے آگے کہاں جاؤ گے اور حق کے آگے تمہاری نہایت کیا ہوگی۔

ہم کہتے ہیں کہ ہم حق سے حق کی طرف جاتے ہیں اور ظلیت کی آمیزش سے نکل کر اصل الاصل کی طرف دوڑتے ہیں اور تجلیات سے منہ پھیر کر متجلی کو ڈھونڈتے ہیں اور ظہورات کو واپس چھوڑ کر ظاہر کو باطنوں میں طلب کرتے ہیں اور چونکہ لطیفیت میں مراتب مختلف ہیں۔ اس لئے ایک لطیفیت سے دوسری لطیفیت میں جاتے ہیں اور دوسری سے تیسری میں قدم رکھتے ہیں۔ الی ماشاء اللہ تعالیٰ۔

حق تعالیٰ اگرچہ بسیط حقیقی ہے لیکن واسع بھی ہے نہ یہ وسعت جس کا طول و عرض ہوتا ہے کہ یہ امکان و حدوث کے نشانات و علامات میں سے ہے بلکہ حق تعالیٰ کی وسعت بھی اس کی ذات کی طرح بیپن و بے چگون ہے اور وہ سیر بھی جو اس وسعت میں واقع ہوتا ہے بیپن و بیچگون ہے اور سیر کرنے والا بھی باوجود چندی اور چونی کے بیپنی اور بے چگونی کی قوت سے ان بیپنی منزلوں کو قطع کرتا ہے اور چون سے بیپن کی طرف جاتا ہے بیچارے بے سروسامان اس معاملہ کی حقیقت کو کیا پائیں اور عالم چون کے گرفتار بیپن کی خبر کیا جانیں۔ اپنی نارسائی کو اعتراف سمجھتے ہیں اور اپنی نادانی پر فخر کرتے ہیں۔

نتر وے چند ز خود بے خبر عیب پسند نہ بر غم ہنر

ترجمہ: وہ بے وقوف جن کو نہیں اپنی بھی خبر

پسند عیب کو کرتے ہیں برخلاف ہنر

اس قدر نہیں جانتے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نہایت بلکہ حضرت خاتم الرسل علیہ وعلیہم

الصلوة والتسليمات کی نہایت بھی حق ہے اور ان کی نہایت انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نہایت کے ساتھ متحد نہیں بلکہ آپس میں ایک کو دوسرے کے ساتھ کچھ مناسبت نہیں۔

پس ہو سکتا ہے کہ بعض کو وہ نہایت میسر ہو جو ان کی نہایت سے برتر ہو اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نہایت سے نیچے اس بیان سے ثابت ہوا کہ سب کی نہایت حق تعالیٰ ہے اور صوفیاء کے گروہوں کے درمیان ان کے مرتبوں کے اختلاف کے بموجب تفاوت ثابت ہے یا ہم یہ کہتے ہیں کہ سب اپنی اپنی نہایت کو وصول بحق جانتے ہیں۔ لیکن اکثر ایسے ہیں جو حق تعالیٰ کے ظلال اور ظہورات کو حق تعالیٰ جانتے ہیں حالانکہ ظلال اور ظہورات کے مرتبوں میں بہت فرق ہے پس تمام ارباب نہایت کی نہایت نفس الامر میں وصول بحق نہ ہوئی بلکہ ہر ایک کی نہایت اس کے اپنے خیال میں حق سبحانہ ہے۔ پس اگر ایک گروہ کی ابتدا حق تعالیٰ کے ظلال و ظہورات ہوں جو حقانیت کے خیال سے دوسرے گروہ کی نہایت ہے اور اس پہلے گروہ کی نہایت وہ وصول بحق ہو جو ظلال و ظہورات سے ماوراء ہے تو پھر یہ بات کیوں بعید معلوم ہوتی ہے اور اس میں کون سا انکار اور شبہ کا مقام ہے۔ بیت

قاصرے گر کندایں طائفہ راطعن و قصور حاشا للہ کہ برآرم بر زبان ایں گلہ را
ہمہ شیران جہان بستہ ایں سلسلہ اند رو بہ از حیلہ چساں بکسلد ایں سلسلہ را

ترجمہ: گر کوئی قاصر لگائے طعن ان کے حال پر

تو بہ تو بہ گر زبان پر لاؤں میں اس کا گلہ

شیر ہیں جکڑے ہوئے اس سلسلہ میں سب کے سب

لو مڑی حیلہ سے توڑے کس طرح یہ سلسلہ

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَاسْرَفْنَا فِيْ اَمْرِنَا وَ ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْكَافِرِيْنَ ۔ یا

رب ہمارے گناہوں اور ہمارے کاموں میں زیادتی کو معاف کر اور ہمارے قدموں کو ثابت رکھ اور کافروں پر ہمیں مدد دے۔

مکتوب ۴۴

ایک استفسار کے جواب میں جو وحدت کی نسبت کیا گیا تھا اور علوم شریعہ کے ساتھ

اس کے مطابق کرنے کے بیان میں اور نیز پوچھا گیا تھا کہ اِذَا أَحَبَّ اللّٰهُ مُسْلِمًا غَبَدًا

الخ کے کیا معنی ہیں اور اس کے مناسب بیان میں محمد صادق ولد حاجی محمد مومن کی طرف

صادر فرمایا:-

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ سَلَامٌ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰی۔ اللہ تعالیٰ کیلئے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ

بندوں پر سلام ہو۔

آپ نے پوچھا تھا کہ صوفیاء وحدت وجود کے قائل ہیں اور علماء اس کو کفر و زندقہ جانتے ہیں اور دونوں گروہ فرقہ ناجیہ سے ہیں اس معاملہ کی حقیقت کیا ہے۔

اے محبت کے نشان والے اس بحث کی تحقیق فقیر نے اپنے مکتوبات اور رسالوں میں مفصل لکھی ہے اور فریقین کے نزاع کو لفظ کی طرف راجع کیا ہے لیکن چونکہ آپ نے پوچھا ہے اس لئے سوال کا جواب دینا ضروری ہے ناچار چند کلمات لکھے جاتے ہیں۔

جاننا چاہئے کہ صوفیاء علیا میں سے جو لوگ وحدت وجود کے قائل ہیں اور اشیاء کو عین حق جانتے ہیں اور ہمہ اوست کا حکم کرتے ہیں ان کی یہ مراد نہیں کہ اشیاء حق تعالیٰ کے ساتھ متحد ہیں اور تنزیہ تنزل کر کے تشبیہ بن گئی ہے اور واجب ممکن ہو گیا ہے اور بچون چون میں آ گیا ہے کہ یہ سب کفر والحاد اور گمراہی و زندقہ ہے۔ وہاں نہ اتحاد ہے نہ غیبت نہ تنزل نہ تشبیہ۔ فَهُوَ سُبْحَانَهُ، اَلَا اِنَّ كَمَا سَمَّاهُ سُبْحَانَهُ، مِنْ لَا يَتَغَيَّرُ بِذَاتِهِ وَ لَا فِيْ صِفَاتِهِ وَ لَا فِيْ اَسْمَائِهِ بِحُدُوْثِ الْاَلْوَانِ۔ اللہ تعالیٰ اب بھی ویسا ہی ہے جیسے کہ پہلے تھا پاک ہے وہ مالک جو موجودات کے حدوث سے ذات و صفات و اسماء میں متغیر نہیں ہوتا۔

حق تعالیٰ اپنی اسی صرافت اطلاق پر ہے وجوب کی بلندی سے امکان کی پستی کی طرف نہیں آیا بلکہ ہمہ اوست کے معنی یہ ہیں کہ اشیاء نہیں ہیں اور حق تعالیٰ موجود ہے منصور نے جو انا الحق کہا اس کی مراد یہ نہیں کہ میں حق ہوں اور حق کے ساتھ متحد ہوں۔ کہ یہ کفر ہے اور اس کے قتل کا موجب ہے بلکہ اس کے قول کے یہ معنی ہیں کہ میں نہیں ہوں اور حق تعالیٰ موجود ہے۔

حاصل کلام یہ کہ صوفیاء اشیاء کو حق تعالیٰ کے ظہورات جانتے ہیں اور حق تعالیٰ کے اسماء و صفات کے آئینے خیال کرتے ہیں بغیر اس بات کے کہ ان میں کسی قسم کا تنزل اور تغیر و تبدل ہو جس طرح کسی شخص کا سایہ دراز ہو جائے تو نہیں کہہ سکتے کہ وہ سایہ اس شخص کے ساتھ متحد ہے اور عینیت کی نسبت رکھتا ہے یا وہ شخص تنزل کر کے ظل کی صورت میں ظاہر ہوا ہے بلکہ وہ شخص اپنی صرافت و اصالت پر ہے اور تنزل و تغیر کی آمیزش کے بغیر ظل اس سے وجود میں آیا ہے ہاں بعض اوقات ان لوگوں کی نظر میں جن کو اس شخص سے محبت ہوتی ہے کمال محبت کے باعث سایہ کا وجود مخفی ہو جاتا ہے اور شخص کے بغیر ان کو کچھ مشہود نہیں ہوتا اس وقت اگر یہ کہ دیں کہ ظل عین شخص ہے یعنی ظل معدوم ہے اور موجود وہی شخص ہے تو ہو سکتا ہے اس تحقیق سے ثابت ہوا کہ اشیاء صوفیاء کے نزدیک حق تعالیٰ کے ظہورات ہیں نہ حق تعالیٰ کا عین پس اشیاء حق تعالیٰ سے ہو گئے۔

پس ان کی کلام ہمہ اوست کے معنی ہمہ ازوست ہو گئے جو علماء کرام کے نزدیک مختار ہیں اور در حقیقت علماء کرام اور صوفیہ عظام کے درمیان کوئی نزاع ثابت نہ ہوگی اور دونوں قولوں کا مال ایک ہی ہو گا البتہ اس قدر فرق ہے کہ صوفیاء اشیاء کو حق تعالیٰ کے ظہورات کہتے ہیں اور علماء اس لفظ سے بھی کنارہ کرتے ہیں تاکہ حلول و اتحاد کا وہم نہ پایا جائے۔

سوال: صوفیاء اشیاء کو باوجود ظہورات کے معدوم خارجی جانتے ہیں اور خارج میں حق تعالیٰ کے سوا کچھ موجود نہیں دیکھتے اور علماء اشیاء کو موجودات خارجیہ کہتے ہیں پس معنی میں فریقین کا نزاع ثابت ہو گیا۔

جواب: صوفیاء اگرچہ عالم کو معدوم خارجی جانتے ہیں لیکن خارج میں اس کا وجود وہی ثابت کرتے ہیں اور نمود و ظہور خارجی کہتے ہیں اور کثرت و ہمیہ خارجیہ سے انکار نہیں کرتے اس کے علاوہ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ وجود وہی جو خارج میں نمایاں ہے ان وجودات و ہمیہ کی قسم سے نہیں ہے۔ جو وہم کے اٹھ جانے سے اٹھ جاتے ہیں اور کچھ ثبات و استقرار نہیں رکھتے بلکہ یہ وہی وجود اور خیالی نمائش چونکہ حق تعالیٰ کی صنعت اور اس کی قدرت کاملہ کا نقش ہے اس لئے زوال و خلل سے محفوظ ہے اور اس جہان اور اس جہان کا معاملہ انہی وجودوں پر وابستہ ہے۔

سوفسطائی جو عالم کو وہم و خیالات جانتا ہے اس کے نزدیک وہم و خیال کے اٹھ جانے سے اشیاء بھی اٹھ جاتی ہیں اور کہتا ہے کہ اشیاء کا وجود ہمارے اعتقاد کے تابع ہے بذات خود کچھ ثبوت و حقیقت نہیں رکھتیں۔ اگر ہم آسمان کو زمین اعتقاد کریں تو زمین ہے اور زمین ہمارے اعتقاد میں آسمان۔ اگر ہم شیریں کو تلخ جانیں تو تلخ ہے اور تلخ ہمارے اعتقاد میں شیریں ہے۔

غرض یہ بیوقوف۔ صانع مختار جل شانہ کی ایجاد کا انکار کرتے ہیں اور اشیاء کو حق تعالیٰ کی طرف منسوب نہیں کرتے۔ ضَلُّوا فَاَضَلُّوا۔ (یہ لوگ خود بھی گمراہ ہیں اور اوروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں)

پس صوفیاء اشیاء کیلئے خارج میں وجود وہی جو ثبات و استقرار رکھتا ہے اور وہم کے اٹھ جانے سے اٹھ نہیں جاتا۔ ثابت کرتے ہیں اور اس جہان اور اس جہان کا معاملہ جو دائمی اور ابدی ہے اسی وجود پر موقوف جانتے ہیں اور علماء اشیاء کو خارج میں موجود جانتے ہیں اور خارجی ابدی کے احکام کو اشیاء پر مترتب جانتے ہیں۔ اس کے علاوہ وجود اشیاء کو حق تعالیٰ کے وجود کے مقابلہ میں ضعیف و نحیف تصور کرتے ہیں اور ممکن کے وجود کو حق تعالیٰ کے وجود کی نسبت فانی و نیست جانتے ہیں۔

پس فریقین کے نزدیک اشیاء کا وجود خارج میں ثابت ہو گیا جس پر اس جہان اور اس جہان کے احکام وابستہ ہیں اور وہم و خیال کے دور ہونے سے دور نہیں ہو سکتا پس نزاع فیما بین رفع ہو گیا اور خلاف

جاتا رہا۔ خلاصہ یہ کہ صوفیاء اس وجود کو وہی کہتے ہیں اس لئے کہ عروج کے وقت اشیاء کا وجود ان کی نظر سے پوشیدہ ہو جاتا ہے اور حق تعالیٰ کے وجود کے سوا ان کی نظر میں کچھ نہیں رہتا اور علماء اس وجود پر وہم کا لفظ بولنے سے کنارہ کرتے ہیں اور وجود وہی نہیں کہتے تاکہ کوئی کوتاہ نظر اس کے رفع ہونے کا حکم نہ کرے اور اس کے ابدی ثواب و عذاب سے انکار نہ کرے۔

سوال: صوفیاء جو اشیاء کے لئے وجود وہی ثابت کرتے ہیں ان کا مقصود یہ ہے کہ یہ وجود باوجود ثبات و استقرار کے دراصل کچھ نہیں صرف وہم میں وجود رکھتا ہے اور نمود و ظہور کے سوا اس کو کچھ نصیب نہیں اور علماء اشیاء کو باوجود نفس الامری کے خارج میں موجود جانتے ہیں پس نزاع باقی رہا۔

جواب: وجود وہی اور نمود خیالی جب وہم و خیال کے اٹھنے سے اٹھ نہیں سکتا۔ تو نفس الامری ہے کیونکہ اگر ہم تمام وہمیوں کے وہم کا زائل ہونا فرض کریں تو یہ وجود ثابت رہے گا اور ان کے زائل ہونے سے زائل نہ ہو گا۔ واقع اور نفس الامری کے یہی معنی ہیں اس قدر ہے کہ یہ نفس الامری جو وجود ممکن میں ثابت کی جاتی ہے اس نفس امری کے مقابلہ میں جو واجب تعالیٰ کے وجود میں ثابت ہے لاشے کا حکم رکھتی ہے اور نزدیک ہے کہ اس کو موهومات اور تخیلات میں شمار کیا جائے جس طرح کلی مشکل کے افراد جو ایک دوسرے کے ساتھ بڑا تفاوت رکھتے ہیں یا جس طرح ممکن کا وجود جو واجب تعالیٰ کے وجود کی نسبت لاشے کا حکم رکھتا ہے نزدیک ہے کہ اس کو عدمات میں شمار کیا جائے پس حقیقت میں کوئی نزاع نہ رہا۔

سوال: تمام اشیاء کا وجود جب نفس الامری ہے تو لازم آتا ہے کہ نفس امر میں موجودات متعدد ہوں اور نفس الامر میں ایک موجود نہ ہو اور یہ امر وحدت وجود کے منافی ہے جو صوفیاء وجود یہ کے نزدیک مقرر ہے۔

جواب: وہ تو نفس امری ہیں وحدت وجود بھی نفس امری ہے اور تعدد وجود بھی نفس امری جب جہت و اعتبار مختلف ہیں تو اجتماع تقيضین کا وہم مرفوع ہے۔

یہ بحث اس مثال سے روشن ہوتی ہے مثلاً زید کی صورت جو آئینہ میں دکھائی دیتی ہے نفس الامر آئینہ میں کوئی صورت موجود نہیں ہے کیونکہ وہ صورت نہ آئینہ کی موتائی میں ہے نہ آئینہ کے منہ میں۔ بلکہ اس صورت کا وجود آئینہ میں وہم کے اعتبار سے ہے اور خیالی دکھاوٹ کے سوا آئینہ میں کچھ حاصل نہیں اور یہ وہی وجود اور خیالی نمود بھی جو صورت کیلئے آئینہ میں پیدا ہوئی ہے نفس امری ہے پس اگر کوئی کہ دے کہ میں نے زید کی صورت آئینہ میں دیکھی ہے۔ عقل و عرف میں اس کو اس کلام میں سچا جانتے ہیں اور حق پر سمجھتے ہیں اور جب قسموں کی بنا عرف پر ہے اگر کوئی شخص قسم کھائے کہ واللہ

میں نے زید کی صورت کو آئینہ میں دیکھا ہے تو حادث نہ ہو گا پس اس صورت میں آئینہ میں زید کی اس صورت کا عدم حصول بھی نفس امری ہے لیکن پہلا نفس امر مطلق نفس امر ہے اور پچھلا نفس امر وہم و خیال کے ذریعے ہے۔

عجب معاملہ ہے کہ وہم و خیال کا اعتبار جو نفس امری کے منافی ہے اس جگہ یہی اعتبار نفس امر کے حاصل ہونے کا باعث ہے۔ اِذْلُوْا لَهُ لَمَّا حَصَلَ ثَمَّهٗ نَفْسُ الْاَمْرِ۔ اگر وہ نہ ہوتا تو نفس الامر حاصل نہ ہوتا۔

دوسری مثال نقطہ جوالہ ہے جس نے وہم و خیال کے اعتبار سے دائرہ کی صورت میں خارج میں ثبوت پیدا کیا ہے یہاں بھی خارج میں دائرہ کا عدم حصول نفس امری ہے اور وہم و خیال کے اعتبار سے خارج میں اس دائرہ کا حصول بھی نفس امری ہے لیکن دائرہ کا عدم حصول مطلق نفس امری ہے اور اس دائرہ کا حصول وہم و خیال کے ملاحظہ سے نفس امری ہے پس اول مطلق ہے۔ دوسرا مقید۔

پس مذکور بالا صورت میں وحدت وجود مطلقاً نفس امری ہے اور تعدد وجود باعتبار وہم و خیال کے نفس امری ہے پس اطلاق و تقید کے ملاحظہ سے ان دونوں نفس امر کے درمیان تناقض نہ رہا اور اجتماع تقيضین ثابت نہ ہوا۔

سوال: جب تمام وہمیوں کے وہم کا زوال فرض کیا جائے تو وجود وہمی اور نمود خیالی کس طرح ثابت ہو گا۔

جواب: یہ وجود صرف وہم کے اختراع سے حاصل نہیں ہوا۔ جو وہم کے زوال سے زائل ہو جائے بلکہ حق تعالیٰ کی صنعت سے مرتبہ وہم میں حاصل ہوا ہے اور ثبات و قرار حاصل کیا ہے اس لئے وہم کے زوال سے خلل پذیر نہیں ہوتا اور وجود وہمی اس اعتبار سے کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے اس کو مرتبہ حس وہم میں خلق فرمایا ہے اور چونکہ اسی کی خلق ہے خواہ کسی مرتبہ میں ہو زوال و خلل سے محفوظ ہے اور چونکہ حق تعالیٰ نے اس کو خلق فرمایا ہے اس لئے نفس امری ہو گیا ہے۔ اگرچہ وہ مرتبہ کہ جس میں پیدا کیا ہو نفس امری نہیں ہوتا اور مجرد اعتبار ہوتا ہے لیکن مخلوق اس مرتبہ میں نفس امری ہے۔

اور یہ جو میں نے کہا ہے کہ حق تعالیٰ نے اس کو مرتبہ حس وہم میں پیدا کیا ہے یعنی اشیاء کو اس مرتبہ میں ایجاد فرمایا ہے کہ اس مرتبہ کے لئے حس وہم کے سوا کوئی حصول و ثبوت نہیں۔ جس طرح کہ شعبہ باز غیر واقع چیزوں کو واقع ظاہر کرے اور ایک چیز کی دس چیزیں دکھائے ان دس چیزوں کا حصول و ثبوت وہم و حس کے سوا نہیں اور نفس امر میں ایک چیز کے سوا موجود نہیں ان دس چیزوں کو جو اس نے ظاہر کی ہیں اگر حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ سے ثبات و استقرار بخشیں اور سرعت زوال اور خلل

سے محفوظ ہو جائیں تو نفس امری ہو جائیں گے۔

پس وہ دس چیزیں نفس امری میں ہیں بھی اور نہیں بھی لیکن دو اعتبار سے۔ اگر مرتبہ حس و وہم سے قطع نظر کی جائے تو نہیں ہیں اور حس و وہم کے ملاحظہ سے ہیں۔

قصہ مشہور ہے کہ ہندوستان کے کسی شہر میں شعبہ بازوں نے بادشاہ کے حضور میں شعبہ بازی شروع کی اور طلسم و شعبہ سے آدموں کے درختوں کا باغ ظاہر کیا حتیٰ کہ وہ درخت اسی اثناء میں بڑے بڑے درخت ہو گئے اور ان کو پھل لگ گیا اور اہل مجلس نے ان پھلوں کو کھایا بھی اس وقت بادشاہ نے حکم دیا کہ شعبہ بازوں کو قتل کر دیں کیونکہ اس نے سنا ہوا تھا کہ شعبہ بازوں کے ظاہر ہونے کے بعد اگر شعبہ بازوں کو قتل کر دیں تو وہ شعبہ حق تعالیٰ کی قدرت سے اپنے حال پر رہتا ہے۔ اتفاقاً جب ان شعبہ بازوں کو قتل کر دیا گیا تو وہ آم کے درخت حق تعالیٰ کی قدرت سے اسی طرح موجود رہے۔

میں نے سنا ہے کہ وہ درخت اب تک بھی موجود ہیں اور لوگ ان کے میوؤں کو کھاتے ہیں۔ وَ مَا ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ بِعَزِيزٍ اللہ تعالیٰ پر یہ بات مشکل نہیں۔

پس صورت متنازع فیہ میں حق تعالیٰ نے کہ جس کے سوا خارج اور نفس الامر میں کوئی موجود نہیں۔ اپنی قدرت کاملہ سے اپنے اسماء و صفات کے کمالات کو ممکنات کی صورتوں کے پردہ میں مرتبہ حس و وہم میں ظاہر کیا اور ان کمالات کو وجود وہمی اور ثبوت خیالی کے ساتھ اشیاء کے مظہروں میں جلوہ گر کیا۔ یعنی اشیاء کو ان کمالات کے مطابق مرتبہ حس و وہم میں ایجاد فرمایا ہے اور انہوں نے نمود وہمی اور ثبوت خیالی حاصل کیا ہے پس اشیاء کا وجود نمود کے اعتبار سے خیالی ہے لیکن حق تعالیٰ نے اس نمود کو ثبات و استقرار کرامت فرمایا ہے اور اشیاء کی صنعت میں استحکام کو مد نظر رکھا ہے اور ابدی معاملہ انہی پر وابستہ کیا ہے ناچار اشیاء کا وجود وہمی اور ثبوت خیالی بھی نفس الامر ہو گیا ہے اور خلل سے محفوظ ہے۔

پس کہہ سکتے ہیں کہ اشیاء خارج میں باعتبار نفس الامر کے وجود رکھتی بھی ہیں اور نہیں بھی رکھتی لیکن دو اعتبار سے جیسے کہ اوپر گزر چکا۔

اس فقیر کے والد بزرگوار قدس سرہ جو علماء محققین میں سے تھے فرمایا کرتے تھے کہ قاضی جلال الدین آگری نے جو بڑے بزرگ عالموں میں سے تھے مجھ سے پوچھا کہ نفس الامر وحدت ہے یا کثرت اگر وحدت ہے تو شریعت جس کی بنیاد مختلف اور جدا جدا احکام پر ہے باطل ہو جاتی ہے اور اگر نفس الامر کثرت ہے تو صوفیاء کا قول جو وحدت وجود کے قائل ہیں باطل ہوتا ہے۔

والد بزرگوار قدس سرہ نے جواب میں فرمایا کہ دونوں نفس امری ہیں اور مفصل طور پر بیان کر دیا فقیر کو یاد نہیں رہا کہ اس وقت والد بزرگوار قدس سرہ نے کیا کچھ بیان فرمایا تھا اس وقت جو کچھ فقیر کے

دل میں ڈالا گیا ہے لکھا گیا ہے وَالْأَمْرُ إِلَى اللَّهِ سُبْحَانَهُ حقیقت امر کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

پس صوفیاء جو وحدت وجود کے قائل ہیں حق پر ہیں اور علماء بھی جو کثرت وجود کا حکم کرتے ہیں حق پر ہیں صوفیاء کے احوال کے مناسب وحدت ہے اور علماء کے حال کے مناسب کثرت ہے کیونکہ شرائع کی بنا کثرت پر ہے اور احکام کا جدا جدا ہونا کثرت پر موقوف ہے اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی دعوت اور آخرت کا ثواب و عذاب اسی کثرت سے تعلق رکھتا ہے اور جب حق تعالیٰ فَاحْبِیْتُ اَنْ اَعْرِفَ (میں چاہتا ہوں کہ پہچانا جاؤں) کے موافق کثرت کو چاہتا اور ظہور کو دوست رکھتا ہے تو اس مرتبہ کا باقی رکھنا بھی ضروری ہے کیونکہ اس مرتبہ کی ترتیب حق تعالیٰ کو محبوب اور پسندیدہ ہے سلطان ذی شان کے لئے نوکروں چاکروں کا ہونا ضروری ہے اور اس کی عظمت و کبریا کے لئے ذلت اور احتیاج اور انکسار درکار ہے۔ وحدت وجود کا معاملہ اگرچہ حقیقت کی طرح ہے اور کثرت کا معاملہ اس کے مقابلہ میں مجاز کی طرح اسی واسطے اُس عالم کو عالم حقیقت کہتے ہیں اور اس عالم کو عالم مجاز۔ لیکن چونکہ ظہورات حق تعالیٰ کی محبوب اور پسندیدہ ہیں اور دائمی اور ابدی بقا اشیاء کو عطا فرمائی ہے اور قدرت کو حکمت کے لباس میں ظاہر کیا ہے اور اسباب کو اپنے فعل کار و پوش بنایا ہے اس لئے وہ حقیقت گویا متروک ہے اور یہ مجاز متعارف و مشہور ہے۔ نقطہ جوالہ اگرچہ حقیقت کی طرح ہے اور وہ دائرہ جو اس نقطہ سے پیدا ہوا ہے مجاز کی مانند ہے لیکن اس کی حقیقت متروک ہے اور جو متعارف ہے وہ مجازی ہے۔

نیز آپ نے اس قول کے معنی پوچھے تھے کہ اِذَا أَحَبَّ اللَّهُ عَبْدًا لَا يَضُرُّهُ ذَنْبٌ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو دوست رکھتا ہے تو اس کو کوئی گناہ ضرر نہیں دیتا۔

جاننا چاہئے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو دوست رکھتا ہے تو کوئی گناہ اس سے صادر نہیں ہوتا کیونکہ اولیاء اللہ گناہوں کے ارتکاب سے محفوظ ہیں۔ اگرچہ ان سے گناہ کا صادر ہونا جائز ہے برخلاف انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے جو گناہوں سے معصوم ہیں۔ ان کے حق میں گناہ صادر ہونے کا جواز بھی مسلوب ہے اور جب اولیاء اللہ سے گناہ صادر نہ ہوں تو یقین ہے کہ گناہ کا ضرر بھی نہ ہوگا۔ پس گناہ کے صادر ہونے کی صورت میں لَا يَضُرُّهُ ذَنْبٌ درست ہے۔ جیسے کہ صاحبان علم پر پوشیدہ نہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ گناہ سے مراد وہ گناہ ہوں جو درجہ ولایت تک پہنچنے سے پہلے صادر ہوئے ہوں۔ فَإِنَّ الْإِسْلَامَ يَجُوبُ مَا كَانَ قَبْلَهُ (کیونکہ اسلام پہلی باتوں کو قطع کر دیتا ہے) وَحَقِيقَةُ الْأَمْرِ عِنْدَ اللَّهِ سُبْحَانَهُ حقیقت حال کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا (یا اللہ تو بھول چوک پر ہمارا مواخذہ نہ کر) وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَ عَلَى سَائِرِ مَنْ اتَّبَعَ الْهُدَى وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفَى عَلَيْهِ وَ عَلَى إِلِهِ الصَّلَوَاتُ

والتَّسْلِيمَاتِ سلام ہو آپ پر اور ان لوگوں پر جنہوں نے ہدایت اختیار کی اور حضرت محمد ﷺ کی متابعت کو لازم پکڑا۔

مکتوب ۴۵

اس بیان میں کہ عالم سب کا سب حق تعالیٰ کے اسماء و صفات کا مظہر ہے۔ برخلاف ذات کے کہ ممکن اس دولت سے بے نصیب ہے اور اس کو اپنے حق میں قیام بذات خود حاصل نہیں اور سب کا سب عرض ہے اس میں جو ہر ہونے کی بو بھی نہیں اور اس کے مناسب بیان میں حقائق آگاہ معارف دستگاہ خواجہ حسام الدین احمد کی طرف صادر فرمایا ہے:

الْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ اللہ تعالیٰ کیلئے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو میرے مخدوم و مکرّم۔

ازہرچہ میرود بخن دوست خوش تراست
ترجمہ: تمام باتوں سے بہتر ہیں یار کی باتیں

عجیب و غریب معرفتیں بیان کی جاتی ہیں غور سے سنیں اور اخص خواص کے مراقبہ کا طریق بتایا جاتا ہے بڑی توجہ فرمائیں۔

جاننا چاہئے کہ عالم سب کا سب حق تعالیٰ کے اسماء و صفات کا مظہر ہے اگر ممکن میں حیات ہے تو اسی واجب تعالیٰ کی حیات کا آئینہ ہے اور اگر علم ہے تو اسی کے علم کا آئینہ ہے اور اگر قدرت ہے تو اسی کی قدرت کا آئینہ ہے علیٰ ہذا القیاس۔ لیکن اس کی ذات کا عالم میں نہ کوئی آئینہ ہے نہ کوئی مظہر۔ بلکہ حق تعالیٰ کی ذات کو عالم کے ساتھ کچھ مناسبت نہیں اور کسی چیز میں شراکت نہیں۔ اگرچہ وہ مناسبت اسم میں ہو یا وہ مشارکت صورت میں ہو۔ اِنَّ اللّٰہَ لَغَنِیٌّ عَنِ الْعَالَمِیْنَ (اللہ تعالیٰ سب جہان سے غنی ہے) برخلاف اسماء و صفات کے کہ عالم کے ساتھ اسی مناسبت رکھتے ہیں اور صوری مشارکت ان کے درمیان ثابت ہے یعنی جس طرح واجب تعالیٰ میں علم ہے ممکن میں بھی اس علم کی صورت ثابت ہے اور جس طرح وہاں قدرت ہے یہاں بھی اسی قدرت کی صورت ہے برخلاف ذات کے کہ ممکن اس دولت سے بے نصیب ہے اور اس کو اپنے حق میں قیام بذات خود حاصل نہیں بلکہ ممکن چونکہ حق تعالیٰ کے اسماء و صفات کی صورتوں پر مخلوق ہے اس لئے سب کا سب عرض ہے اور اس میں جو ہریت کی بو نہیں۔ اس کا قیام حق تعالیٰ کی ذات کے ساتھ ہے اور معقول والوں نے جو ممکن جو ہر و عرضی میں تقسیم کیا ہے ظاہر ہے ظاہر بینی کے سبب ہے اور بعض ممکن کا بعض کے ساتھ قیام جو ثابت ہے وہ عرض کا عرض کے ساتھ قائم ہونے کی قسم سے ہے۔ نہ عرض کا جو ہر کے ساتھ قائم ہونے کی قسم سے بلکہ در

حقیقت وہ دونوں عرض حق تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قیام رکھتے ہیں ان کے درمیان کوئی جوہریت ثابت نہیں تمام ممکنات کا قیوم حق تعالیٰ ہی ہے۔

پس ممکن کی حقیقت میں کوئی ذات نہیں جس کے ساتھ اس کی صفات قائم ہوں بلکہ ذات صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے جس کے ساتھ حق تعالیٰ کی صفات اور تمام ممکنات قائم ہیں اور وہ اشارہ جوہر ایک اپنی ذات کی طرف لفظ انا سے کرتا ہے وہ درحقیقت اسی ایک ذات کی طرف راجع ہے جس کے ساتھ سب کا قیام ہے۔ اشارہ کرنے والا جانے یا نہ جانے اگرچہ حق تعالیٰ کی ذات کسی اشارہ کے ساتھ مشارالہ نہیں ہے اور کسی چیز کے ساتھ متحد نہیں کو تاہ نظر ان پوشیدہ معارف کو توحید وجودی کے معارف کے ساتھ نہ ملائیں اور ایک دوسرے کا دست و گریبان نہ جائیں۔ کیونکہ توحید وجودی والے ایک ذات کے سوا کچھ موجود نہیں جانتے اور حق تعالیٰ کے اسماء و صفات کو بھی اعتبارات علمی خیال کرتے ہیں اور کہتے ہیں۔ کہ حقائق ممکنات کو وجود کی بو بھی نہیں پہنچی۔ اَلْاَعْيَانُ مَا شَمَّتْ رَاحَةَ الْوُجُودِ (اعیان نے وجود کی بو بھی نہیں سونگھی) ان کا کلام ہے۔

یہ فقیر حق تعالیٰ کی صفات کو بھی وجود زائد کے ساتھ موجود جانتا ہے۔ جیسے کہ علماء اہل حق نے فرمایا ہے اور ممکنات کے لئے بھی جو حق تعالیٰ کے اسماء و صفات کے مظہر ہیں۔ وجود ثابت کرتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ ممکنات کو اعراض ہی سے جانتا ہے جو خود بخود قیام نہیں رکھتے اور جوہریت کو جو خود بخود قیام رکھتا ہے۔ ممکنات میں ثابت نہیں کرتا اور سب کا قیام حق تعالیٰ کی ذات کے ساتھ جانتا ہے۔

سوال:- اس تحقیق سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ممکن کی ذات واجب تعالیٰ کی عین ذات ہے اور ممکن واجب کے ساتھ متحد ہے اور یہ محال ہے۔ کیونکہ اس سے قلب حقائق یعنی حقیقتوں کا تغیر لازم آتا ہے۔ جواب:- ممکن کی ذات یعنی اس کی ماہیت و حقیقت انہی اغراض متعددہ مخصوصہ میں سے ہے۔ جو حق تعالیٰ کے اسماء و صفات کا مظہر ہیں۔ ان اغراض کو حق تعالیٰ کی ذات کے ساتھ کوئی عینیت نہیں اور کسی قسم کا اتحاد نہیں ہے۔ تاکہ قلب حقائق لازم آئے۔ صرف اس قدر تعلق ہے۔ کہ ان اغراض کا قیام حق تعالیٰ کی ذات کے ساتھ ہے اور تمام اشیاء کا قیوم وہی حق تعالیٰ ہے۔

سوال:- جب ہر ایک کا اشارہ جو اپنی ذات کی طرف لفظ انا سے ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ کی طرف راجع ہے۔ تو لازم آتا ہے کہ ممکن کی ذات یعنی اس کی ماہیت و حقیقت حق تعالیٰ کی عین ذات ہو۔ کیونکہ ہر ایک کا اشارہ لفظ انا کے ساتھ اپنی ماہیت و حقیقت کی طرف ہے۔ اس سے قلب حقیقت لازم آتا ہے اور یہ بات بعینہ توحید وجودی والوں کی ہے۔

جواب:- ہاں ہر ایک کا اشارہ لفظ انا کے ساتھ اگرچہ اپنی حقیقت کی طرف ہے۔ لیکن جب اس

کی حقیقت اعراض مجمعہ سے ہے۔ اس اشارہ کی قابلیت نہیں رکھتے کیونکہ اعراض اصلی اور مستقل طور پر حسی اشارہ کے قابل نہیں۔ جب اس کی حقیقت نے اس اشارہ کو قبول نہ کیا۔ تو ضرور وہ اشارہ اس حقیقت کے مقوم (جس کے ساتھ اس کا قیام ہے) کی طرف راجع ہو گا۔ پس ممکن کی ماہیت وہی اعراض مجمعہ ہے اور اس کا انکا اشارہ اس کی حقیقت کی قابلیت کے نہ ہونے کے باعث اس کے مقوم کی طرف راجع ہے۔ جو حق تعالیٰ کی ذات سے مراد ہے۔ پس حقیقت کا تغیر لازم نہ آیا اور ممکن واجب نہ ہوا اور یہ بات توحید وجودی والوں کی بات سے جدا رہی۔

عجب معاملہ ہے کہ ممکن کا انا واجب تعالیٰ کی طرف رجوع کرے اور ممکن اپنے حال میں ممکن ہی رہے اور سبحانی اور انا الحق نہ پکارے۔ ہاں اس قسم کی بات کر سکتا ہی نہیں کیونکہ صاحب تمیز ہے۔ سوال :- واجب تعالیٰ کی ذات سے ممکن کا قیام واجب تعالیٰ کی ذات کے ساتھ حوادث کے قیام کو مستلزم ہے اور یہ ممنوع اور محال ہے۔

جواب :- حوادث کا قیام اس صورت میں ممنوع ہے۔ جب کہ حق تعالیٰ کی ذات میں حوادث کا حلول سمجھا جائے۔ جو محال ہے۔ لیکن اس جگہ قیام کے معنی حلول نہیں بلکہ اس کے معنی ثبوت اور تقرر کے ہیں۔ یعنی ممکن کا ثبوت اور تقرر واجب تعالیٰ کی ذات کے ساتھ ہے۔

سوال :- جب ممکن سب کا سب عرض ہے۔ تو عرض کے لئے محل کی ضرورت ہے تاکہ اس کے ساتھ قائم ہو۔ وہ محل کون ہے۔ واجب کی ذات نہیں۔ اسی طرح ممنوع اس کا محل نہیں ہو سکتا۔

جواب :- عرض وہ ہے۔ جس کو بذات خود قیام نہ ہو۔ بلکہ غیر کے ساتھ قائم ہو۔ چونکہ معقول والوں نے عرض کے قیام میں حلول کے معنی سمجھے ہیں۔ اس لئے عرض کے لئے محل ثابت کیا ہے اور محل کے بغیر اس کا ثابت رہنا محال سمجھا ہے۔ لیکن جب قیام کے معنی اور لئے جائیں جیسے کہ گزر چکا۔ تو پھر محل کی کچھ ضرورت نہیں۔

ہمارے مشاہدہ میں آپکا ہے۔ کہ تمام اشیاء کا قیام واجب تعالیٰ کی ذات کے ساتھ ہے اور کوئی حلول و محل درمیان نہیں۔ معقولی اس کا اعتبار کریں یا نہ کریں۔ ان کی تشکیک ہماری بداہت کا مقابلہ نہیں کر سکتی اور ہمارا یقین ان کے شک سے دور نہیں ہوتا۔

اس بحث کو ایک مثال سے واضح کرتے ہیں۔ کہ ارباب طلسم اور اصحاب سیما ایسی ایسی چیزیں دکھاتے ہیں۔ جو اجسام غریبہ اور اعراض عجیبہ کی قسم سے ہوتی ہیں۔ اس صورت میں سب لوگ جانتے ہیں۔ کہ ان اجسام کا اعراض کی طرح خود بخود قیام نہیں ہے۔ بلکہ ان دونوں کا قیام صاحب طلسم کی ذات کے ساتھ ہے اور ان کا کوئی محل ثابت نہیں اور یہ بھی جانتے ہیں۔ کہ اس قیام میں حالت و محلیت کی

آمیزش نہیں۔ بلکہ ان سب کا ثبوت و تقرر صاحب طلسم کی ذات کے ساتھ ہے بغیر اس کے کہ حلول کا وہم پایا جائے۔

مذکورہ بالا صورت میں بھی یہی تصور ہے۔ کیونکہ حق تعالیٰ نے اشیاء کو مرتبہ حس و وہم میں خلق فرمایا ہے اور ان کی صنعت میں اتقان و احکام کو مد نظر رکھا ہے اور دائمی رنج و راحت و ثواب و عذاب کا معاملہ انہی پر وابستہ کیا ہے۔ پس ان اشیاء کا خود بخود قیام نہیں ہے۔ بلکہ حق تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہیں۔ بغیر اس کے کہ حلول اور حال و محل کا وہم و خیال پایا جائے۔

دوسری مثال پہاڑ یا آسمان کی صورت جو آئینہ میں ظاہر ہوتی ہے۔ کوئی بیوقوف ہی ہو گا جو ان صورتوں کو اجسام خیال کرے گا اور جو ہر سمجھ کر قائم بذات خود جانے گا اور اگر بالفرض کوئی شخص ان صورتوں کو اعراض جانے اور قائم بغیر تصور کرے اور عرض ہونے کے باعث ان کے لئے محل تلاش کرے اور محل کے بغیر ان کا ثبوت محال جانے۔ وہ شخص بھی بیوقوف ہے۔ جو لوگوں کی تقلید پر بدایت کا انکار کرتا ہے۔ کیونکہ جو شخص تمیز رکھتا ہے بدایت سے معلوم کر لیتا ہے۔ کہ ان صورتوں کے لئے ہر گز محل ثابت نہیں ہیں۔ بلکہ ان کو محلوں کی کچھ احتیاج نہیں۔ اسی طرح ارباب کشف و شہود کے نزدیک تمام ممکنات ان صورتوں کی طرح ہیں اور تماثل سے زیادہ کچھ نہیں۔

خلاصہ یہ کہ حق تعالیٰ نے ان صورتوں اور تماثل کو اپنی کامل صنعت سے اس طرح کی مضبوطی اور استحکام بخشا ہے۔ کہ خلل اور زوال سے محفوظ ہیں اور آخرت کا دائمی معاملہ ان پر منحصر کیا ہے۔ جیسے کہ کئی دفعہ گزر چکا ہے۔ متکلمین میں سے نظام جو علماء معتزلہ سے ہے رُمیۃ "مِنْ غَیْرِ رَام" (تیر مارنا بغیر تیر انداز کے) کے موافق یعنی انکل بچو سے عالم کو اعراض کا مجموعہ جانتا ہے اور جو اہر سے خالی سمجھتا ہے۔ ہاں اِنَّ الْکَذُوْبَ قَدْ یَصْدُقُ جھوٹا آدمی کبھی سچ بھی بول جاتا ہے۔ چونکہ کو تاہ نظری سے ان اعراض کا قیام واجب الوجود کی ذات کے ساتھ نہیں جانتا۔ اس لئے داناؤں کے طعن و تشنیع کا محل ہوا ہے کیونکہ عرض کو غیر کے قیام سے چارہ نہیں اور وہ جو ہر کے وجود کا قائل نہیں۔ تاکہ قیام کو اس کی طرف منسوب کرے اور صوفیاء میں سے صاحب فتوحات مکیہ عالم کو اعراض مجتمعه عین واحد میں جانتا ہے اور عین واحد سے مراد ذات احدیت رکھتا ہے۔ لیکن دونوں زمانوں میں ان اعراض کے باقی نہ رہنے کا حکم کرتا ہے اور کہتا ہے کہ عالم ہر آن میں معدوم ہو جاتا ہے اور اس جیسا اور موجود ہوتا ہے۔

اس فقیر کے نزدیک یہ معاملہ شہودی ہے نہ وجودی۔ جیسے کہ شرح رباعیات کے حاشیوں میں اس کی تحقیق کی گئی ہے۔ سالک احوال کے درمیان پیشتر اس کے کہ ماسوا اس کی نظر سے بالکل دور ہو جائے۔ ایک آن میں ایسا دیکھتا ہے۔ کہ عالم معدوم ہو گیا ہے اور دوسری آن میں پاتا ہے۔ کہ عالم موجود

ہے اور تیسری آن میں پھر معدوم سمجھتا ہے اور چوتھی آن میں موجود سمجھتا ہے۔ یہاں تک کہ فنائے مطلق کے ساتھ مشرف ہو جاتا ہے اور ہمیشہ ماسوا کو معدوم پاتا ہے۔ اس وقت اس کی شہود میں عالم ہمیشہ کے لئے معدوم ہے۔ اسی طرح بقا کے حاصل ہونے اور عالم کی طرف رجوع کرنے کے درمیان عالم کبھی نظر میں آ جاتا ہے اور کبھی پوشیدہ ہو جاتا ہے۔ اس وقت بھی تجدد امثال کی حالت کا وہم گزرتا ہے۔ اسی عارف کے لئے جب بقا اور عالم کی طرف رجوع کرنے کا معاملہ انجام تک پہنچ جاتا ہے اور تکمیل وار شاد کے مقام میں قرار پکڑتا ہے۔ تو پھر عالم اس کی نظر میں آتا ہے اور اس وقت عالم کو دائمی طور پر موجود پاتا ہے۔

پس یہ معاملہ سالک کے شہود کی طرف راجع ہے۔ نہ کہ عالم کے وجود کی طرف۔ کیونکہ عالم کا وجود ہمیشہ ایک وضع پر ہے۔ اگر تذبذب ہے۔ تو شہود میں ہے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْمُلْهِمُ لِلصَّوَابِ (اللہ تعالیٰ بہتری کی طرف ہدایت دینے والا ہے) اور وہ زمانوں میں اعراض کے باقی نہ رہنے کا حکم جو بعض متکلمین نے کہا ہے۔ ممنوع اور مدخول فیہ ہے اس کا کوئی ثبوت نہیں اور وہ لیلیں جو اعراض کے باقی نہ رہنے پر لائے ہیں۔ ناقص ہیں۔ یہ پوشیدہ معارف گویا وہاں کے اکثر یاروں کے لئے ایک سبق ہے۔ جس جس دوست کو ان کے دیکھنے کا شوق ہو۔ مہربانی فرما کر ان کی نقل کر کے بھیج دیں۔ چونکہ فقیر پر سستی غالب تھی۔ اس واسطے ہر ایک یار کی طرف الگ الگ مکتوب نہیں لکھا گیا۔ صرف اسی پر کفایت کی گئی ہے۔ وَالسَّلَامُ عَلَیْكُمْ وَعَلٰی مَنْ لَدٰیْكُمْ

مکتوب ۴۶

کلمہ طیبہ کے فضائل میں جو طریقت و حقیقت و شریعت پر مشتمل ہے اور اس بیان میں کہ کمالات نبوت کے مقابلہ میں کمالات ولایت کی کچھ مقدار نہیں اور اس بیان میں کہ صاحب ولایت کو شریعت کے بغیر چارہ نہیں۔ ظاہر ہمیشہ شریعت کے ساتھ مکلف ہے اور باطن اس معاملہ کا گرفتار ہے اور اس کے مناسب بیان میں مولانا حمید الدین بنگالی کی طرف صادر فرمایا ہے:-

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ یہ کلمہ طیبہ طریقت و حقیقت و شریعت کا جامع ہے۔ جب تک سالک نفی کے مقام میں ہے۔ طریقت میں ہے۔ اور جب نفی سے پورے طور پر فارغ ہو جاتا ہے اور تمام ماسوا اس کی نظر سے منقش ہو جاتا ہے۔ تو طریقت کا معاملہ ختم ہو جاتا ہے اور مقام فنا میں پہنچ جاتا ہے۔ جب نفی کے بعد مقام اثبات میں آتا ہے اور سلوک سے جذبہ کی طرف رغبت کرتا ہے۔ تو مرتبہ حقیقت کے ساتھ متحقق اور بقا کے ساتھ موصوف ہو جاتا ہے۔ اس نفی و اثبات اور اس طریقت و

حقیقت اور اس فناء و بقا اور اس سلوک و جذبہ سے اس پر ولایت کا اسم صادق آتا ہے اور نفس امارہ پن کو چھوڑ کر مطمئن ہو جاتا ہے اور پاک و صاف بن جاتا ہے۔ پس ولایت کے کمالات اس کلمہ طیبہ کی جزو اول کے ساتھ جو نفی و اثبات ہے۔ وابستہ ہیں۔

باقی رہا اس کلمہ مقدسہ کا دوسرا جزو جو حضرت خاتم الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رسالت کو ثابت کرتا ہے۔ یہ دوسرا جزو شریعت کا کامل اور تمام کرنے والا ہے۔ جو کچھ ابتداء اور وسط میں شریعت سے حاصل ہوا تھا۔ وہ شریعت کی صورت تھی اور اس کا اسم و رسم تھا۔ شریعت کی اصل حقیقت اس مقام میں حاصل ہوتی ہے۔ جو مرتبہ ولایت کے حاصل ہونے کے بعد ہوتا ہے اور کمالات نبوت جو کامل تابعداروں کو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی وراثت اور تبعیت کے طور پر حاصل ہوتے ہیں۔ وہ بھی اس مقام میں حاصل ہوتے ہیں طریقت و حقیقت جس سے ولایت حاصل ہوتی ہے۔ شریعت کی حقیقت اور کمالات نبوت کے حاصل ہونے کے لئے گویا شرائط ہیں۔ ولایت کو طہارت یعنی وضو کی طرح سمجھنا چاہئے اور شریعت کو نماز کی طرح۔ طریقت میں حقیقی نجاستیں دور ہوتی ہیں اور حقیقت میں حکمی نجاستیں رفع ہوتی ہیں۔ تاکہ کامل طہارت کے بعد احکام شرعیہ کے بجالانے کے لائق ہو جائیں اور اس کے نماز ادا کرنے کی قابلیت حاصل ہو جائے۔ جو مراتب قرب کی نہایت اور دین کا ستون اور مومن کی معراج ہے۔

مجھے اس کلمہ کا دوسرا جزو دریائے ناپید اکنار کی طرح معلوم ہوا۔ جس کے مقابلہ میں پہلا جزو قطرہ کی طرف دکھائی دیتا تھا۔ ہاں کمالات نبوت کے مقابلہ میں کمالات ولایت کی کچھ مقدار نہیں۔ آفتاب کے مقابلہ میں ذرہ کی کیا مقدار ہے۔ سبحان اللہ۔ بعض لوگ کج بینی سے ولایت کو نبوت سے افضل جانتے ہیں اور شریعت کو جو لب لباب ہے۔ پوست بکھتے ہیں۔ بچارے کیا کریں۔ ان کی نظر شریعت کی صورت تک ہی محدود ہے اور مغز سے پوست کے سوا ان کے ہاتھ میں کچھ نہیں آیا۔ نبوت کو خلق کی طرف توجہ ہونے کے باعث قاصر جانتے ہیں اور اس توجہ کو عوام کی توجہ کی طرح ناقص سمجھ کر ولایت کو جو حق تعالیٰ کی طرف توجہ رکھتی ہے۔ اس توجہ پر ترجیح دیتے ہیں اور ولایت کو نبوت سے افضل جانتے ہیں۔ یہ نہیں جانتے ہیں۔ کہ کمالات نبوت میں بھی عروج کے وقت حق تعالیٰ کی طرف توجہ ہوتی ہے جس طرح کہ مرتبہ ولایت میں۔ بلکہ مرتبہ ولایت میں ان عروجی کمالات کی صورت ہے۔ جو مقام نبوت میں حاصل ہے۔ چنانچہ اس کا ذکر آگے کیا جائے گا۔

نبوت میں نزول کے وقت ولایت کی طرح خلق کی طرف توجہ ہوتی ہے۔ البتہ اس قدر فرق ہے۔ کہ ولایت میں بظاہر خلق کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور باطن میں حق کی طرف اور نبوت کے

نزول میں ظاہر و باطن خلق کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور کلی طور پر ان کو حق تعالیٰ کی طرف دعوت کرتے ہیں۔ یہ نزول ولایت کے نزول سے اتم و اکمل ہے۔ جیسے کہ کتابوں اور رسالوں میں اس کی تحقیق ہو چکی ہے۔ خلق کی طرف ان کی یہ توجہ عوام کی توجہ کی طرح نہیں ہے۔ جیسے کہ انہوں نے گمان کیا ہے۔ بلکہ عوام کی توجہ خلق کی طرف ان کی اس گرفتاری کے باعث ہوتی ہے۔ جو ماسوا کے ساتھ رکھتے ہیں اور اخص خواص کی توجہ خلق کی طرف ماسوا کی گرفتاری کے باعث نہیں ہے۔ کیونکہ یہ بزرگوار ماسوا کی گرفتاری کو پہلے ہی قدم میں چھوڑ جاتے ہیں اور اس کی جگہ خلق کے خالق کی گرفتاری اختیار کر لیتے ہیں۔ بلکہ ان بزرگوں کی توجہ بہ خلق ہدایت و ارشاد کے لئے ہے۔ تاکہ خلق کی خالق کی طرف رہنمائی کریں اور مولے کی رضا جوئی کی طرف ان کی دلالت کریں اور شک نہیں۔ کہ اس قسم کی توجہ بخلق جس کا مقصود خلق کو ماسوا کی غلامی سے آزاد کرنا ہو۔ اس توجہ بحق سے کئی درجے فضیلت والی ہے۔ جو اپنے نفس کے لئے ہے۔

مثلاً ایک شخص ذکر الہی میں مشغول ہے۔ اسی اثناء میں ایک نابینا آگیا۔ جس کے آگے کنواں ہے۔ کہ اگر ایک قدم اور اٹھائے تو کنویں میں جا پڑے۔ تو اس صورت میں ذکر کرنا بہتر ہے۔ یا نابینا کو کنویں سے بچانا۔ شک نہیں کہ اس صورت میں نابینا کو کنویں سے بچانا ذکر کرنے سے بہتر ہے۔ کیونکہ حق تعالیٰ اس سے اور اس کے ذکر سے غنی ہے اور نابینا ایک محتاج بندہ ہے۔ جس کے ضرر کا دفع کرنا ضروری ہے۔ خاص کر جب کہ اس کو خلاص کرنے پر مامور ہو۔ اس وقت اس کی یہ تخلص بھی ذکر ہے۔ کیونکہ امر کی بجا آوری ہے۔ ذکر میں ایک ہی حق کا ادا کرنا ہے۔ جو مولا کا حق ہے اور تخلص میں جو امر کے ساتھ واقع ہو۔ دو حق ادا ہوتے ہیں۔ بندہ کا حق بھی اور مولے کا حق بھی بلکہ نزدیک ہے کہ اس وقت ذکر کرنا گناہ میں داخل ہو۔ کیونکہ تمام وقت ذکر کرنا پسندیدہ نہیں۔ بعض اوقات ذکر نہ کرنا بھی مستحسن اور پسندیدہ ہے۔ ایام منہی عنہا اور اوقات مکروہہ میں روزہ نہ رکھنا اور نماز کا ادا نہ کرنا۔ روزہ رکھنے اور نماز ادا کرنے سے بہتر ہے۔

جاننا چاہئے کہ ذکر سے مراد یہ ہے کہ غفلت دور ہو جائے خواہ کسی طرح ہو نہ یہ کہ ذکر نفی اثبات یا اسم ذات کے تکرار پر ہی منحصر ہے۔ جیسے کہ گمان کیا جاتا ہے پس اوامر کا بجالانا اور نواہی سے ہٹ جانا ذکر ہی میں داخل ہے۔ حدود شرعی کو مد نظر رکھ کر خرید و فروخت کرنا بھی ذکر ہے۔ اسی طرح اس رعایت کے ہوتے ہوئے نکاح و طلاق بھی ذکر ہے۔ رعایت شرعی کے ساتھ ان امور میں مشغول ہونے کے وقت آمر و ناهی یعنی حق تعالیٰ ان امور کے کرنے والے کی آنکھوں کے سامنے ہوتا ہے۔ پھر غفلت کی کہاں گنجائش ہوتی ہے لیکن وہ ذکر جو مذکور کی اسم و صفت کے ساتھ واقع ہو۔ وہ سرلیج التاثر ہوتا ہے

اور مذکور کی زیادہ محبت بخشے والا اور مذکور تک جلدی پہنچانے والا ہوتا ہے۔ برخلاف اس ذکر کے جو اوامر کے بجالانے اور نواہی سے ہٹ جانے پر واقع ہو۔ جو ان صفات سے بے نصیب ہے۔ اگرچہ یہ صفات بعض افراد میں جن کا ذکر اوامر کے بجالانے اور شرعی منہیات سے ہٹ جانے پر ہے۔ شاذ و نادر طور پر پائے جاتے ہیں۔

حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ فرمایا کرتے تھے۔ حضرت مولائین الدین تائبادی قدس سرہ علم کی راہ سے خدا تک پہنچے ہیں۔ اور نیز وہ ذکر جو اسم و صفت سے واقع ہو اس ذکر کا وسیلہ ہے۔ جو شرعی حدود کو مد نظر رکھنے سے حاصل ہوتا ہے۔ کیونکہ تمام امور میں شرعی احکام کا مد نظر رکھنا شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کامل محبت کے بغیر میسر نہیں ہوتا۔ اور یہ کامل محبت حق تعالیٰ کے اسم و صفت کے ذکر پر موقوف ہے۔ پس پہلے ذکر چاہیئے تاکہ اس ذکر کی دولت سے مشرف ہوں۔ لیکن عنایت کا معاملہ جدا ہے۔ وہاں نہ کوئی شرط ہے نہ کوئی وسیلہ۔ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَاءُ اللّٰهُ تَعَالٰی جس کو چاہتا ہے برگزیدہ کر لیتا ہے۔

اب ہم اصل بات کو بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان تینوں معاملوں یعنی طریقت و حقیقت و شریعت کے آگے ایک اور معاملہ ہے جس کے آگے ان معاملوں کا کچھ اعتبار و شمار نہیں۔ جو کچھ مرتبہ حقیقت میں حاصل ہوا تھا۔ اور اثبات سے تعلق رکھتا تھا وہ اس معاملہ کی صورت تھی۔ اور یہ معاملہ اس صورت کی حقیقت ہے۔ جس طرح کہ شریعت کی صورت جو ابتدا میں عوام کے مرتبہ میں حاصل ہوئی تھی۔ اور حقیقت و طریقت کے حاصل ہونے کے بعد اس صورت کی حقیقت حاصل ہوتی ہے۔ تو پھر خیال کرنا چاہیئے کہ وہ معاملہ کہ جس کی صورت حقیقت ہو۔ اور اس کا مقدمہ ولایت ہو گفتگو میں کس طرح آسکتا ہے۔ اور اگر بالفرض بیان کیا جائے۔ تو کوئی اس کی حقیقت کو کیا معلوم کرے گا یہ معاملہ اولوالعزم پیغمبروں کی وراثت ہے جو اقل قلیل کے نصیب ہوتا ہے۔ جب اس معاملہ میں اصول قلیل ہوں تو فروع ضرور ہی اقل و کمتر ہوں گے۔

سوال: ان معارف سے لازم آتا ہے۔ کہ عارف بعض مراتب میں شریعت سے قدم باہر نکال لیتا ہے اور شریعت کے سوا عروج کرتا ہے۔

جواب: شریعت ظاہری اعمال کا نام ہے اور یہ معاملہ اس جہان میں باطن سے تعلق رکھتا ہے ظاہر ہمیشہ شریعت کے ساتھ مکلف ہے اور باطن اس معاملہ میں گرفتار ہے چونکہ یہ جہان دار عمل ہے باطن کو ظاہری اعمال سے بڑی مدد ملتی ہے اور باطن کی ترقیات شریعت کے بجالانے پر جو ظاہر سے تعلق رکھتی ہے منحصر اور موقوف ہیں۔ پس اس جہان میں ہر وقت ظاہر و باطن کے لئے شریعت کا ہونا

ضروری ہے ظاہر کا کام شریعت پر عمل کرنا ہے اور اس کے نتائج و ثمرات باطن کے نصیب ہیں۔ پس شریعت تمام کمالات کی ماں اور تمام مقامات کا اصل ہے۔ شریعت کے نتائج و ثمرات صرف اسی دنیاوی جہان پر موقوف نہیں ہیں بلکہ آخرت کے کمالات اور دائمی ناز و نعمت بھی شریعت کے نتائج و ثمرات میں سے ہیں۔ گویا شریعت شجرہ طیبہ ہے۔ جس کے پھلوں اور میوؤں سے لوگ اس جہان میں بھی اور اس جہان میں بھی فائدہ اٹھا رہے ہیں اور بہت سے فائدے اس سے حاصل کر رہے ہیں۔

سوال: اس بیان سے لازم آتا ہے کہ کمالات نبوت میں بھی باطن حق کی طرف اور ظاہر خلق کی طرف ہوتا ہے اور آپ نے اپنے رسالوں اور مکتوبات میں لکھا ہے اور اوپر بھی گزر چکا ہے کہ مقام نبوت میں جود عوت کا مقام ہے کلی طور پر خلق کی طرف توجہ ہوتی ہے اس میں تطبیق کی وجہ کیا ہے۔

جواب: وہ معاملہ عروج سے تعلق رکھتا ہے اور مقام دعوت، ہبوط و نزول سے وابستہ ہے پس عروج کے وقت باطن حق تعالیٰ کی طرف ہوتا ہے اور ظاہر خلق کی طرف تاکہ شریعت غرا کے موافق ان کے حقوق ادا ہوں اور ہبوط و نزول کے وقت کلی طور پر خلق کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تاکہ خلق کو پورے طور پر خالق کی طرف دعوت کریں اس میں کوئی منافات نہیں۔ اس مقام کی تحقیق یہ ہے کہ توجہ بخلق عین توجہ بحق ہے۔ فَإِنَّمَا تَوَلَّوْا فَنَّمَّ وَجْهَ اللَّهِ (جس طرف منہ پھیرا اسی طرف اللہ کی ذات ہے) اس کے یہ معنی نہیں کہ ممکن عین واجب ہے یا واجب کا آئینہ ہے ممکن حقیر کی کیا طاقت ہے کہ واجب کا عین یا اس کا آئینہ بننے کے قابل ہو سکے بلکہ یوں کہہ سکتے ہیں کہ واجب تعالیٰ ممکن کا آئینہ ہے اور اشیاء واجب کے آئینہ میں اس طرح معلوم ہوتی ہیں جس طرح اشیاء کی صورتیں صورت کے آئینہ میں جس طرح ان صورتوں کے لئے صورت کے آئینہ میں حلول و سریان نہیں اسی طرح ان اشیاء کا واجب کے آئینہ میں کوئی حلول و سریان نہیں۔ کس طرح حلول متصور ہو سکے۔ جب کہ آئینہ کے مرتبہ میں صورتوں کا وجود ہی نہیں۔ صورتوں کا وجود صرف مرتبہ وہم و خیال میں ہے۔

پس جس جگہ آئینہ ہے وہاں صورتیں نہیں اور جہان صورت ہے وہاں آئینہ کو ہزار عار ہے کیونکہ خیالی نمود کے سوا صورتوں کا کچھ ثبوت نہیں اور وہی صورت کے تحقق کے سوا ان کا کوئی وجود نہیں۔ اگر مکان رکھتے ہیں مرتبہ وہم میں رکھتے ہیں اور اگر زمان رکھتے ہیں مرتبہ تخیل میں رکھتے ہیں لیکن چونکہ اشیاء کی نمود اور ہستی حق تعالیٰ کی صنعت سے ہے اس لئے خلل اور سرعت زوال سے محفوظ ہے اور معاملہ ابدی اور آخرت کا ثواب و عذاب ان پر موقوف ہے۔

جاننا چاہئے کہ صورت کے آئینہ میں اول صورتیں ملحوظ ہوتی ہیں۔ پھر آئینہ کے شہود کے لئے دوسری التفات درکار ہے اور حق تعالیٰ کے آئینہ میں اول وہی آئینہ ملحوظ ہے پھر اشیاء کے شہود کے لئے

دوسری التفات درکار ہے اور نیز صورت کے آئینہ میں صورتیں بھی آئینہ کے احکام و آثار کے آئینے ہیں یعنی اگر آئینہ لمبا ہے تو صورتیں بھی لمبی ظاہر ہوتی ہیں اور آئینہ کی لمبائی کا مظہر ہوتی ہیں۔ اسی طرح اگر آئینہ چھوٹا ہے تو چھوٹا پن صورتوں کے آئینوں میں ظاہر ہوتی ہے۔ برخلاف واجب تعالیٰ کی ذات کے آئینہ کے کہ اشیاء اس کے احکام و آثار کے آئینے نہیں ہو سکتیں۔ کیونکہ اس مرتبہ علیہ میں کوئی حکم و اثر نہیں بلکہ تمام نسبتیں وہاں مسلوب ہیں پھر اشیاء کس چیز کا آئینہ ہوں اور کیا چیز دکھائیں۔

ہاں مراتب تنزل میں جو اسماء و صفات کے ثبوت کا مقام ہے۔ اگر اشیاء واجب کے احکام کی صورتوں کے آئینے ہوں تو ہو سکتا ہے سمع و بصر و علم و قدرت جو اشیاء کے آئینوں میں ظاہر ہیں مرتبہ وجوب کے سمع و بصر و علم و قدرت کی صورتیں ہیں۔ جو ان اشیاء کا آئینہ ہے یہ سب آئینہ کے احکام ہیں جو اشیاء ظاہری کے آئینوں میں ظاہر ہوئے ہیں اور یہ جو میں نے کہا ہے کہ واجب کے آئینہ میں اول وہی آئینہ ملحوظ ہے پھر آئینہ میں ان اشیاء کے شہود کے لئے جو صورتوں کی طرح ہیں۔ دوسری التفات درکار ہے یہ رجوع کے ابتداء حال میں ہے جب کہ وہ صورتیں نظر میں آتی ہیں جو پہلے پورے طور پر نظر سے دور ہو چکی تھیں جب رجوع کا معاملہ تمام ہو جاتا ہے اور اشیاء میں دور دراز سیر واقع ہوتا ہے اور دائرہ امکان میں استقرار حاصل ہو جاتا ہے تو اس وقت شہود غیب سے بدل جاتا ہے اور ایمان شہودی ایمان غیبی ہو جاتا ہے حتیٰ کہ جب دعوت کا معاملہ تمام ہو جاتا ہے اور الرَّحِيلُ یعنی کوچ کا آوازہ اس کو سنا دیتے ہیں اس وقت یہ غیب بھی دور ہو جاتا ہے اور سوائے شہود کے کچھ نہیں رہتا لیکن یہ شہود اس شہود سے جو رجوع سے اول حاصل ہوتا ہے اتم و اکمل ہوتا ہے کیونکہ وہ شہود جو آخرت کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اس شہود کی نسبت جو دنیا سے تعلق رکھتا ہے زیادہ کامل ہے۔

هَبَاءُ لِرَبَابِ النَّعِيمِ نَعِيمُهَا وَ لِلْعَاشِقِ الْمُسْكِينِ مَا يَتَجَرَّعُ

ترجمہ: مبارک معنوں کو اپنی نعمت مبارک عاشقوں کو درد و کلفت

جاننا چاہئے کہ تحقیق سابق سے واضح ہوا ہے کہ شے کی صورت جو آئینہ میں دکھائی دیتی ہے اس کا ثبوت صرف خیال ہی میں ہے آئینہ اس صورت کے حاصل ہونے سے اپنے محض و صرف تجر پر ہے ہاں کہہ سکتے ہیں کہ آئینہ اس صورت کے قریب ہے یا اس کو محیط ہے یا اس کے ساتھ ہے۔ یہ قرب و احاطہ معیت اس قسم کا نہیں جیسے جسم کو جسم کے ساتھ یا جوہر کو عرض کے ساتھ ہوتا ہے بلکہ یہ قرب و احاطہ اس قسم کا ہے جس کے تصور و ادراک سے عقل و فہم عاجز و کوتاہ ہیں پس اس صورت میں قرب و معیت و احاطہ ثابت ہے لیکن کیفیت معلوم نہیں۔ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْأَعْلٰی اَعْلٰی مثال اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔

اسی طرح وہ قرب و احاطہ و معیت جو حق تعالیٰ کو عالم کے ساتھ ہے۔ وہ معلومُ الایۃ جبکہ مَجْهُوْلُ الْکَیْفِیَّتْ ہے ہم ایمان لاتے ہیں کہ حق تعالیٰ عالم کے قریب اور محیط اور اس کے ساتھ ہے لیکن اس کے قرب و احاطہ و معیت کی حقیقت نہیں جاننے کہ کیا ہے کیونکہ یہ صفات اشیاء کی صفات سے جدا ہیں اور امکان و حدوث کے نشانات سے علیحدہ ہیں صرف ان کی تشبیہ و تمثیل عالم مجاز میں جو حقیقت کا پل ہے ظاہر کی گئی ہے اور آئینہ و صورت کے طور پر ان کا اظہار کیا گیا ہے تاکہ باریک بین اور دانالوگ حق تعالیٰ کی عنایت سے مجاز سے حقیقت کا پتہ لگائیں اور صورت سے معنی کی طرف آئیں۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اَتَّبَعَ الْهُدٰی۔ سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی۔

مکتوب ۴۷

نصیحت و تنبیہ میں محمد قاسم بدخشی کی طرف لکھا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد واضح ہو کہ اس بھائی کے کلمہ کلام سے طلب کی حرارت مفہوم ہوتی ہے اور جمعیت کی بو آ رہی ہے یاد رکھیں کہ یہ دولت قرب صحبت ہی کا نتیجہ ہے مگر بیہودہ تعلقات نے آپ کو ایک ہفتہ تک بھی صحبت میں رہنے نہ دیا آپ کی صحبت کے سارے دن شاید ہی دس ہوں تو ہوں۔ آپ کو خدا تعالیٰ سے شرم کرنی چاہئے کہ ہزار دنوں میں سے ایک دن بھی خدا تعالیٰ کے لئے نہیں نکال سکتے اور مختلف تعلقات سے ایک دن کے لئے بھی الگ نہیں ہو سکتے آپ پر حجت درست ہو چکی ہے اور آپ نے اپنے وجدان سے معلوم کر لیا ہے کہ اس صحبت میں ایک ساعت رہنا مجاہدوں کے کئی چلوں سے بہتر ہے پھر آپ اس صحبت سے بھاگتے ہیں اور حیلہ و بہانہ سے ٹال دیتے ہیں آپ کی استعداد کا جو ہر قیمتی ہے لیکن کیا فائدہ جب کہ قوت سے فعل میں نہیں آیا۔ آپ کی استعداد بلند ہے لیکن ہمت پست ہے بچوں کی طرح قیمتی جوہروں کو چھوڑ کر نکلے ٹھیکروں پر خوش ہو رہے ہو۔

بوقت صبح شود ہمچو روز معلومت کہ باکہ باختہ عشق در شب و بچور

ترجمہ: بوقت صبح ہو گا تجھ کو معلوم کئی کس کی محبت میں تری رات

اب بھی کچھ نہیں گیا آپ اپنے اصل کا فکر کریں اس غرض کے لئے سب سے بہتر جمعیت والے لوگوں کی صحبت ہے اگر یہ دولت میسر نہ ہو سکے تو ہر وقت ذکر الہی میں جو کسی صاحب دولت سے اخذ کیا ہے مشغول رہیں اور جو کچھ ذکر کے منافی ہے اس سے بچیں شرعی حل و حرمت میں بڑی احتیاط رکھیں اس میں ہرگز سستی نہ کریں پنج وقتہ نماز کو جماعت سے ادا کریں اور تعدیل ارکان میں بڑی کوشش کریں اور اس امر کی بڑی حفاظت کریں کہ نماز مستحب اوقات میں ادا ہو جائے۔ رَبَّنَا اٰتِنِمْ لَنَا نُورًا وَاغْفِرْ لَنَا

إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ"۔ یا اللہ تو ہمارے نور کو کامل کر اور ہم کو بخش تو سب شے پر قادر ہے۔

مکتوب ۴۸

ماتم پر سی میں اور مقام رضا کی ترغیب دینے کے بیان میں خواجہ محمد طالب بدخشی کی طرف صادر فرمایا ہے:

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَ سَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ۔ اللہ تعالیٰ کیلئے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔

خواجہ محمد طالب! آپ ہمیشہ مطلوب کے طالب رہے آپ نے قرۃ العین محمد صدیق کے فوت ہونے کی خبر لکھی تھی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ۔

میرے برادر عزیز! حق تعالیٰ مومنوں کے نزدیک ان کے مالوں جانوں، اور تمام اشیاء سے زیادہ عزیز اور محبوب ہے زندہ کرنا اور مارنا اسی کا فعل ہے۔ اس میں کسی اور کا دخل نہیں۔ اس لئے اس کا فعل بھی زیادہ عزیز اور محبوب ہو گا۔ محبت اپنے محبوب کے فعل سے لذت پاتے اور اس پر خوش ہوتے ہیں۔ ان کو صبر کی ترغیب دینی مکروہ اور نامناسب ہے۔ مقام رضا اگرچہ رغبت و سرور کی خبر دیتا ہے لیکن التذاذ کا مرتبہ امر دیگر ہے۔

عشق آں شعلہ است کو چوں بر فروخت

ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

تغ لا در قتل غیر حق براند

در نگرزاں پس کہ بعد از لاچہ ماند

ماند اِلَّا اللّٰہُ و باقی جملہ رفت

شاد باش اے عشق شرکت سوز و رفت

ترجمہ: عشق وہ شعلہ ہے جب روشن ہوا

ماسوا معشوق کے سب جل گیا

تغ لا سے قتل غیر حق کیا

دیکھ اس کے بعد پھر کیا رہ گیا

رہ گیا اللہ باقی سب گیا

مرحبا اے عشق تجھ کو مر حبا

وَالسَّلَامُ عَلَىٰ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدَىٰ۔ سلام اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی۔

مکتوب ۴۹

اس بیان میں کہ ماسوا کا نسیان اس طریق کا پہلا قدم ہے کوشش کریں تاکہ اس میں

کو تاہی نہ ہو۔ خواجہ محمد گدا کی طرف صادر فرمایا ہے:

نَعْمَدُهُ وَ نُصَلِّي عَلَىٰ نَبِيِّهِ وَ نُسَلِّمُ عَلَيْهِ وَ عَلَىٰ اٰلِہِ الْکِرَامِ اللہ تعالیٰ کیلئے حمد ہے اور اس کے

نبی اور ان کی آل بزرگ پر صلوة و سلام ہو۔

سب سے بہتر نصیحت جو افی خواجہ محمد گدا کو کی جاتی ہے یہ ہے کہ عقائد کلامیہ کے درست کرنے اور فقہیہ احکام کے بجالانے کے بعد ہمیشہ ذکر الہی جل شانہ میں مشغول رہیں جس طرح کہ آپ نے سیکھا ہے یہ ذکر اس قدر غالب آجائے کہ باطن میں مذکور کے سوا کچھ نہ چھوڑے اور مذکور کے سوا تمام چیزوں کا علمی اور حسی تعلق دور ہو جائے اس وقت دل کو ماسوی کالسیان حاصل ہو جاتا ہے اور غیر کی دید و دانش سے فارغ ہو جاتا ہے اگر تکلف و بناوٹ سے بھی اس کو اشیاء یاد دلائیں تو اس کو یاد نہیں آتیں اور ان کو پہچان نہیں سکتا ہمیشہ مطلوب میں فانی اور مستغرق رہتا ہے جب معاملہ یہاں تک پہنچ جاتا ہے اس راستہ میں ایک قدم طے ہوتا ہے کوشش کریں کہ اس ایک قدم میں بھی کوتاہی واقع نہ ہو اور غیر کی دید و دانش ہی میں گرفتار نہ رہیں۔ شعر

گوئے توفیق و سعادت در میان افکندہ اند کس بمیدان در نے آید سواراں را چہ شد

ترجمہ: گوئے توفیق و سعادت در میاں میں ہے پڑا

کوئی میدان میں نہیں آتا کہاں ہیں اب سوار

آپ کے تعلقات بظاہر کم نظر آتے ہیں۔ مگر آپ شوق سے تعلق والوں کے ساتھ تعلق پالیتے ہیں۔ الرّاضی بِالضّرِّ لَا یَسْتَحِقُّ النّظَرَ (ضرر کاراضی نظر کا مستحق نہیں) مسئلہ مقررہ ہے۔ والسلام

مکتوب ۵۰

اس بیان میں کہ شریعت کی ایک صورت ہے ایک حقیقت اور اس بیان میں کہ ابتدا سے انتہا تک شریعت کا ہونا ضروری ہے اور قلب کی تمکین اور نفس کے اطمینان اور اجزاء قالب کے اعتدال میں جو مرتبہ نبوت میں ہے اور اس کے مناسب بیان میں مرزا شمس الدین کی طرف صادر فرمایا ہے۔

الْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الذِّہْنِ اصْطَفٰی۔ اللہ تعالیٰ کیلئے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ

بندوں پر سلام ہو۔

شریعت کی ایک صورت ہے اور ایک حقیقت، صورت شریعت سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ اور ان تمام چیزوں پر جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہیں ایمان لانے کے بعد نفس امارہ کی منازعت اور سرکشی اور طغیان کے باوجود جو اس کی طبیعت میں رکھا گیا ہے احکام شریعہ کا بجا لانا ہے۔ اس مقام میں اگر ایمان ہے تو ایمان کی صورت ہے اور اگر نماز روزہ ہے تو نماز روزہ کی صورت ہے۔ تمام احکام شریعہ اسی قیاس پر ہیں کیونکہ نفس جو وجود انسان میں سے عمدہ اور انا کے قول سے ہر ایک کا مشار الیہ ہے۔ اپنے کفر و انکار پر اڑا ہوا ہے ایمان اور اعمال صالحہ کی حقیقت کس طرح متصور ہو سکے۔ یہ

اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ صرف صورت کو قبول فرما کر جنت کی خوشخبری دی ہے جو اس کی رضا کا مقام ہے اور یہ اس کا احسان ہے کہ نفس ایمان میں تصدیق قلبی پر کفایت فرمائی ہے اور نفس کے مان لینے کی تکلیف نہیں فرمائی۔

ہاں جنت کی بھی صورت اور حقیقت ہے۔ اصحاب صورت جنت کی صورت سے محفوظ ہوں گے اور صاحبان حقیقت جنت کی حقیقت سے۔ اصحاب صورت اور ارباب حقیقت جنت کے ایک ہی میوہ کو کھائیں گے مگر صورت والوں کو اور لذت آئیگی اور حقیقت والوں کو اور۔

آنحضرت ﷺ کی ازواج مطہرات امہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن نبی ﷺ کے ساتھ ایک جنت میں ہوں گی اور ایک ہی میوہ کو کھائیں گی۔ لیکن ہر ایک کا مزہ ولذت جدا جدا ہو گا۔ اگر علیحدہ نہ ہو تو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سوا تمام بنی آدم پر امہات المؤمنین کی فضیلت لازم آتی ہے۔

اور نیز لازم آتا ہے کہ جو شخص دوسرے شخص سے افضل ہو اس کی عورت بھی اس دوسرے شخص سے افضل ہو کیونکہ عورت مرد کے ساتھ ملی جلی ہے۔ شریعت کی یہ صورت بشرط استقامت آخرت کی فلاح و نجات اور جنت میں داخل ہونے کا موجب ہے جب شریعت کی صورت درست ہو گئی تو گویا ولایت عامہ حاصل ہو گئی۔ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا دوست ہے۔

اس وقت سالک اللہ تعالیٰ کی عنایت سے اس بات کے لائق ہو جاتا ہے کہ طریقت میں قدم رکھے اور ولایت خاصہ کی طرف توجہ کرے اور نفس کو لمارہ پن سے اطمینان کے درجے تک لیجائے۔ لیکن یاد رہے کہ اس ولایت تک پہنچنے کی منزلوں کا طے کرنا بھی شریعت کے اعمال پر وابستہ ہے۔ ذکر الہی جل شانہ جو اس راہ میں سب سے بہتر و عمدہ ہے۔ شرعی امور میں سے ہے اور منہیات سے بچنا بھی اس راہ کی ضروریات میں سے ہے اور فرائض کا ادا کرنا مقربات سے ہے اور راہ بین رہنما پیر کا طلب کرنا بھی تاکہ وسیلہ ہو سکے شرعی امور ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ (اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو) غرض شریعت سے چارہ نہیں۔ خواہ شریعت کی صورت ہو خواہ شریعت کی حقیقت۔ کیونکہ ولایت و نبوت کے تمام کمالات کی جز احکام شرعی ہیں۔ کمالات ولایت صورت شریعت کا نتیجہ ہیں اور کمالات نبوت حقیقت شریعت کا ثمرہ۔ جیسے کہ آگے بیان کیا جائیگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

ولایت کا مقدمہ طریقت ہے جہاں ماسوا کی نفی مطلوب ہے اور غیر و غیریت کا رفع مقصود ہے جب اللہ تعالیٰ کے فضل سے ماسوا بالکل نظر سے دور ہو جاتا ہے اور دید میں اغیار کا نام و نشان نہیں رہتا تو فنا حاصل ہو جاتی ہے اور مقام طریقت ختم ہو جاتا ہے اور سیر الی اللہ تمام ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد مقام اثبات میں سیر شروع ہوتا ہے جس کو سیر فی اللہ سے تعبیر کرتے ہیں اور یہی مقام بقا ہے جو حقیقت کا

موطن ہے جو ولایت سے اعلیٰ مقصد ہے اس طریقت و حقیقت پر جو فنا و بقا ہے۔ ولایت کا اسم صادق آتا ہے اور لہارہ مطمئنہ ہو جاتا ہے اور کفر و انکار سے ہٹ جاتا ہے اور اپنے مولیٰ سے راضی ہو جاتا ہے اور مولیٰ اس سے راضی ہو جاتا ہے اور اس کی پیدائشی کراہت دور ہو جاتی ہے اگرچہ کہتے ہیں کہ نفس مقام اطمینان میں بھی آکر اپنی سرکشی سے باز نہیں آتا۔

ہر چند کہ نفس مطمئنہ گردد ہر گز صفات خود نگردد

ترجمہ: نفس اگرچہ مطمئنہ ہو جائے پر اپنی صفات سے نہ باز آئے

جہاد اکبر جو اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْأَصْغَرِ إِلَى الْجِهَادِ الْأَكْبَرِ۔ ہم جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف آئے ہیں۔

اس سے مراد نفس کا جہاد ہے مگر جو کچھ فقیر کے کشف میں آیا ہے اور اپنے وجدان سے معلوم کیا ہے اس حکم متعارف و مشہور کے برخلاف ہے۔ اطمینان کے حاصل ہونے کے بعد یہ فقیر نفس میں کسی قسم کی سرکشی اور نا فرمانی معلوم نہیں کرتا بلکہ اس کو تابعداری کے مقام میں برابر دیکھتا ہے اور قلب متمکن کی طرح جس سے ماسوا کا لسیان ہو چکا ہے معلوم کرتا ہے کیونکہ نفس اس وقت غیر و غیریت کی دید و دانش سے گیا گزرا ہوتا ہے اور حب جاہ و ریاست اور لذت و الم سے آزاد ہوا ہوتا ہے پھر مخالف و سرکشی کہاں۔ ہاں اطمینان کے حاصل ہونے کے بعد مخالف و سرکشی کی مجال نہیں۔ فقیر نے ہر چند اس بارہ میں غور کی نظر سے دیکھا اور اس معما کے حل میں اور دور تک فکر کیا لیکن اللہ تعالیٰ کی عنایت سے ان لوگوں کی مقررہ بات کے برخلاف ہی نظر آیا یعنی نفس مطمئنہ میں کسی قسم کی سرکشی اور مخالفت نہ پائی اور فانی اور ناچیز ہونے کے سوا اس میں کچھ نہ دیکھا۔ جب نفس اپنے آپ کو مولا جل شانہ پر فدا کر دے۔ پھر مخالفت کہاں ہو سکتی ہے اور جب نفس اللہ تعالیٰ سے راضی ہو گیا اور اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو گیا تو طغیان و سرکشی جو رضا کے منافی ہے کس طرح ہو سکتی ہے۔ حق تعالیٰ کی مرضی ہر گز نامرضی نہیں ہو سکتی اور جہاد اکبر سے مراد فقیر کے نزدیک وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ اَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْحَالِ ہو سکتا ہے کہ قالب کا جہاد ہو جو مختلف طبیعتوں سے مرکب ہے اور اس کی ہر ایک طبیعت ایک امر کو چاہتی ہے اور دوسرے سے بھاگتی ہے اگر قوت شہوی ہے تو وہ بھی قالب سے پیدا ہے اور اگر غضبی ہے تو وہ بھی وہیں سے ظاہر ہے کیا نہیں دیکھتے کہ تمام حیوانات جن میں نفس ناطقہ نہیں ہے ان میں یہ تمام صفات رذیلہ موجود ہیں اور شہوت و غضب و شرہ و حرص سے متصف ہیں یہ جہاد ہمیشہ تک قائم ہے نفس کا اطمینان اس جہاد کو کم نہیں کر سکتا اور قلب کی حکمیں اس لڑائی کو رفع نہیں کر سکتی اس جہاد کے باقی رکھنے میں بہت سے فائدے ہیں۔ جو قالب کے پاک و صاف کرنے میں کام آتے ہیں۔ حتیٰ کہ اس جہان کے کمالات اور

آخرت کا معاملہ اصل میں اسی پر وابستہ ہے کیونکہ اس جان کے کمالات میں قالب تابع ہے اور قلب متبوع۔ وہاں کام برعکس ہے۔ قلب تابع ہے اور قالب متبوع۔ جب یہ جہان درہم برہم ہو جائیگا اور وہ جہان پر تو ڈالے گا یہ جہاد و قتال بھی ختم ہو جائے گا۔

جب اللہ تعالیٰ کے فضل سے نفس مقام اطمینان میں آجاتا ہے اور حکم الہی کے تابع ہو جاتا ہے تو اسلام حقیقی میسر ہوتا ہے اور ایمان کی حقیقت حاصل ہوتی ہے بعد ازاں جو کچھ عمل میں آئے گا شریعت کی حقیقت ہوگی اگر نماز ادا کرے گا تو نماز کی حقیقت ہوگی اور اگر روزہ یا حج ہے تو روزہ و حج کی حقیقت ہوگی۔ دوسرے احکام شرعیہ کا بجالانا بھی اسی قیاس پر ہوگا پس طریقت و حقیقت دونوں شریعت کی صورت اور اس کی حقیقت کے درمیان متوسط ہیں۔ جب تک ولایت خاصہ سے مشرف نہ ہوں اسلام مجازی سے اسلام حقیقی تک نہیں پہنچ سکتے۔ جب سالک محض فضل خداوندی سے شریعت کی حقیقت کے ساتھ آراستہ ہو جاتا ہے اور اس کو اسلام حقیقی میسر ہو جاتا ہے تو اس بات کے لائق ہو جاتا ہے کہ کمالات نبوت سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی وراثت اور تبعیت کے طور پر کامل حصہ پائے جس طرح شریعت کی صورت کمالات ولایت کے لئے شجرہ طیبہ یعنی پاک درخت کی طرح ہے۔ گویا کمالات ولایت صورت شریعت کے ثمرات ہیں۔ اسی طرح شریعت کی حقیقت بھی کمالات نبوت کے لئے شجرہ طیبہ کی طرح ہے اور کمالات نبوت گویا حقیقت شریعت کے ثمرات ہیں۔ جب ولایت کے کمالات صورت کا ثمرہ ہیں اور کمالات نبوت حقیقت کا ثمرہ۔ تو اس لحاظ سے کمالات نبوت حقائق کی طرح ہونگے اور کمالات ولایت ان کی صورتوں کی طرح۔

جاننا چاہئے کہ جس طرح صورت شریعت اور حقیقت شریعت کے درمیان فرق نفس کی جہت سے پیدا ہوا تھا یعنی صورت شریعت میں نفس امارہ نافرمان اور اپنے انکار پر تھا اور حقیقت شریعت میں نفس مطمئنہ اور مسلمان ہو گیا ہے اسی طرح کمالات ولایت میں جو صورتوں کی طرح ہیں اور کمالات نبوت میں جو حقیقتوں کی مانند ہیں۔ قالب کی جہت سے فرق ہے۔ مقام ولایت میں قالب کے اجزاء اپنی سرکشی اور نافرمانی سے باز نہیں آتے۔ مثلاً اس کا جزو ناری نفس کے اطمینان کے باوجود اپنی بہتری اور تکبر کا دعویٰ نہیں چھوڑتا اور جزو خاکی اپنی حسرت اور کمینہ پن سے پشیمان نہیں ہوتا۔ دوسرے اجزاء کا بھی یہی حال ہوتا ہے مگر کمالات نبوت کے مقام پر قالب کے اجزاء بھی اعتدال پر آجاتے ہیں اور افراط و تفریط سے ہٹ جاتے ہیں۔

ممکن ہے کہ اسی سبب سے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہو کہ اَسْلَمَ شَيْطَانِي۔ یعنی میرا شیطان بھی مسلمان ہو گیا ہے جس طرح شیطان آفاق میں ہے۔ نفس میں بھی ہے اور وہ جزو ناری ہے۔ جو

خیریت و بہتری کا مدئی اور تکبر و رفعت کا خواہاں ہے۔ جو تمام صفات رذیلہ میں سے بدتر صفات ہیں اور اس کے اسلام لانے سے مراد یہ ہے کہ یہ صفات رذیلہ اس سے دور ہو جائیں پس کمالات نبوت میں قلب کی تمکین بھی ہے اور نفس کا اطمینان بھی اور قالب کے اجزاء کا اعتدال بھی اور ولایت میں صرف قلب کی تمکین ہے یا کچھ کچھ نفس کا اطمینان اور یہ جو میں نے کہا ہے کہ کچھ کچھ نفس کا اطمینان۔ اس لئے کہا ہے کہ نفس کو کامل اور بے تکلف اطمینان اجزاء قالب کے اعتدال کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ارباب ولایت اجزاء قالب کے معتدل نہ ہونے کے باعث مطمئنہ کا صفات بشریت کی طرف رجوع کرنا جائز سمجھتے ہیں۔ جیسے کہ اوپر گزر چکا مگر وہ اطمینان جو نفس کو اجزاء قالب کے اعتدال کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ صفات رذیلہ کی طرف رجوع کرنے سے پاک و مبرا ہے۔

پس نفس کے رذائل کی طرف رجوع کرنے یا نہ کرنے کا اختلاف نظروں اور مقامات کے اختلاف پر مبنی ہے۔ ہر ایک نے اپنے اپنے مقام کی نسبت خبر دی ہے اور جو کچھ کسی کو حاصل ہوا ہے اسی کی نسبت گفتگو کی ہے۔

سوال: جب قالب کے اجزاء بھی حد اعتدال پر آجائیں اور سرکشی اور نافرمانی سے ہٹ جائیں پھر ان کے ساتھ جہاد کی کیا ضرورت ہے۔ نفس مطمئنہ کے جہاد کی کیا صورت ہے۔ نفس مطمئنہ کے جہاد کی طرح ان کا جہاد بھی مرتفع ہے۔

جواب: مطمئنہ اور ان اجزاء کے درمیان فرق ہے کیونکہ مطمئنہ فانی اور ناچیز ہے اور عالم امر سے ملا ہوا ہے۔ جو کمال فنا اور سکر سے متصف ہے اور یہ اجزاء احکام شریعہ کے بجالانے کے باعث جن کی بنیاد صحو پر ہے فنا و سکر کے ساتھ مناسبت نہیں کرتے اور جو فانی اور مستہلک ہو اس میں مخالفت کی گنجائش نہیں رہتی اور وہ جو صحو رکھتا ہے اگر بعض مصلحتوں اور منافع کے واسطے بعض امور میں مخالفت کی صورت ظاہر کرے تو ہو سکتا ہے امید ہے کہ یہ مخالفت اللہ تعالیٰ کے فضل سے ترک مستحب سے اوپر نہ جائیگی اور مکروہ تنزیہی کے ارتکاب سے بچے نہ آئیگی پس قالب کے مرتبہ میں اس کے اجزاء کے اعتدال کے باوجود جہاد متصور ہو گا اور مطمئنہ میں جہاد نا جائز ہو گا۔

اس بحث کی تحقیق مکتوبات کی جلد اول میں اس مکتوب میں جو طریق کے بیان میں اپنے فرزند اعظم مرحوم کے نام لکھا ہے مفصل طور پر درج ہو چکی ہے۔ اگر کوئی امر پوشیدہ رہ گیا ہو تو وہاں سے معلوم کر لیں۔

مگر محض فضل خداوندی جل شانہ سے کمالات نبوت بھی جو حقیقت شریعت کے نتائج و ثمرات ہیں انجام تک پہنچ جائیں تو آگے ترقیات و باا اعمال پر موقوف نہیں۔ اس مقام کا معاملہ حق تعالیٰ کے

محض فضل و احسان پر موقوف ہے وہاں اعتقاد کا کچھ اثر نہیں علم و عمل کی کچھ حقیقت نہیں۔ فضل در فضل و کرم در کرم ہے۔ یہ مقام پہلے تمام مقامات کی نسبت بہت بلند اور وسیع ہے اور اس قسم کی نورانیت رکھتا ہے جس کا پہلے مقامات میں کچھ اثر نہ تھا۔ یہ مقام اصلی طور پر اولو العزم انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہے یا کچھ جمہور لوگوں کے ساتھ جن کو وراثت و تبعیت کے طور پر اس مقام سے شرف فرمائیں۔

بہر گریہاں کا رہا دشوار نیست

نہ کریموں پر نہیں مشکل کوئی کام

اس مقام میں وہی یہ غلطی نہ کھا جائے اور یہ نہ کہے کہ اس مقام میں شریعت کی صورت و حقیقت سے استغنا حاصل ہو جاتی ہے اور احکام شریعہ کے بجالانے کی کچھ حاجت نہیں رہتی کیونکہ میں کہتا ہوں کہ شریعت ہی اس مقام میں اصل اور اس معاملہ کی بنیاد ہے۔ درخت جس قدر بلند اور سر فراز ہوتا جائے اور دیوار جس قدر بلند ہوتی جائے۔ اس پر بلند مکان بننے جائیں اصل و بنیاد سے مستغنی نہیں ہوتے اور ذاتی احتیاج ان سے زائل نہیں ہوتی۔ مثلاً خانہ بلند خواہ کس قدر اونچا ہو جائے اور پستی سے بہت دور تک بلند ہو جائے نیچے کے گھر کے سوا اس کا چارہ نہیں اور نیچے کے گھر سے اس کی احتیاج دور نہیں ہوتی اگر بالفرض نچلے گھر میں کسی قسم کا خلل پڑ جائے تو اوپر کے خانہ میں بھی وہ خلل اثر کر جائیگا اور نچلے گھر کا زوال اوپر کے گھر کو زائل کر دے گا۔

پس شریعت ہر وقت و ہر حال میں درکار ہے اور ہر شخص اس کے احکام بجالانے کا محتاج ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کی عنایت سے معاملہ اس مقام سے بھی بلند ہو جائے اور تفضل سے محبت کی نوبت آجائے تو اس سے آگے ایک اور نہایت بلند مقام آتا ہے جو اصلی طور پر خاتم الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ہی مخصوص ہے اور وراثت و تبعیت کے طور دیکھیں کس کو اس دولت سے مشرف فرماتے ہیں۔ اس بلند محل میں جو نہایت بلندی کے باعث اچھی طرح نظر نہیں آ سکتا۔ یہ فقیر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو وراثت کے طور پر ناف تک داخل شدہ معلوم کرتا ہے اور حضرت فاروق رضی اللہ عنہ بھی اسی دولت سے سر فراز ہیں اور امہات المؤمنین میں سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کو بھی ازدواج کے علاقہ کے باعث آنحضرت ﷺ کے پاس دیکھتا ہے وَالْأَمْرُ إِلَى اللَّهِ مُبْتَحَانٌ۔ پوری حقیقت اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ رَبَّنَا إِنَّا مِن لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَهِيَ لَنَا مِنْ أَمْرٍ نَارِشَدًا (یا اللہ تو اپنے پاس سے ہم پر رحمت نازل فرما اور ہمارے کام سے بہتری ہمارے نصیب کر) برادر م عزیز معارف آگاہ شیخ عبدالحی جو مدتوں اور سالوں تک فقیر کی صحبت میں رہے ہیں اب چونکہ اپنے وطن کی

طرف جانے والے تھے اور وہ مقام بھی انہی کی جناب سے تعلق رکھتا تھا اس لئے چند سطریں لکھی گئی ہیں اور مشارالہ کے احوال پر اطلاع دی گئی ہے۔ اہل اللہ کا وجود جہاں کہیں ہو غنیمت ہے اور وہاں کے رہنے والوں کے لئے موجب بشارت ہے۔ فَطُونِي مِنْ عَرَفُهُمْ (مبارک ہیں وہ لوگ جو ان کو پہچان لیں) اسی جگہ برادر محمد عزیز شیخ نور محمد بھی اقامت رکھتے ہیں اور فقر و نامرادی میں زندگی بسر کر رہے ہیں اس جگہ پر رشک آتا ہے جہاں اس قسم کے دو اہل اللہ جمع ہیں اور قرآن المسعدین یعنی دو نیک ستاروں کا اجتماع متحقق و ثابت ہے۔ والسلام

مکتوب ۵۱

حق تعالیٰ کا بعض کالمین کے ساتھ بالمشافہ و روبرو کلام کرنے کے بیان میں۔ خواجہ محمد صدیق کی طرف صادر فرمایا ہے۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَ سَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ - اللہ تعالیٰ کیلئے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔

برادر محمد صدیق کو واضح ہو کہ حق تعالیٰ کی کلام بندے کے ساتھ کبھی روبرو بلا واسطہ ہوتی ہے اس قسم کی کلام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں سے بعض افراد کے لئے ثابت ہے اور کبھی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے کامل تابعداروں کے لئے بھی ہوتی ہے جو دراشت و تبعیت کے طور پر ان کے کمالات سے مشرف ہوتے ہیں۔ جب اس قسم کی کلام ان میں سے کسی ایک کے ساتھ بکثرت ہو تو ایسے شخص کو محدث کہتے ہیں۔ جیسے کہ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے یہ کلام الہام اور القاء روحانی اور قلبی اور اس کلام سے جو فرشتہ کے ساتھ ہوتی ہے الگ ہے۔ اس قسم کی کلام کے ساتھ انسان کامل مخاطب ہوتا ہے۔ جو عالم امر و عالم خلق اور روح و نفس اور عقل و خیال کا جامع ہو۔ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ - اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے برگزیدہ کر لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔

روبرو کلام کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ کلام کرنے والا سننے والے کو دکھائی دیتا ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ سننے والے کی آنکھیں کمزور و ضعیف ہوں۔ جو متکلم کے انوار کی چمک برداشت نہ کر سکتی ہوں جیسے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سوال کے جواب میں جو رویت کی بابت آپ سے پوچھا گیا تھا۔ فرمایا کہ نُوْرٌ "اُنّی اَرَاهُ۔ وہ نور ہے میں اس کو کیسے دیکھ سکوں نہ کہ وجودی، فافہم، یہ معرفت شریفہ اس قسم کی ہے کہ آج تک کسی نے بیان نہیں کی۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اتَّبَعَ الْهُدٰی - سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی۔

مکتوب ۵۲

اس گروہ بلند کی محبت کی ترغیب میں خواجہ مہدی علی کشمیری کی طرف صادر فرمایا ہے۔
 اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ سَلَامٌ " عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ اللہ تعالیٰ کیلئے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔

آپ کا صحفیہ شریفہ جو کمال محبت و اخلاص سے صادر فرمایا تھا مع ہدیوں اور تحفوں کے پہنچا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس گروہ کی محبت پر استقامت عطا فرمائے اور قیامت کو انہی کے ساتھ اٹھائے یہ وہ لوگ ہیں جن کا ہم نشین بد بخت نہیں ہوتا اور ان کا انیس و حبیب محروم نہیں ہوتا۔ هُمْ جُلَسَاءُ اللّٰہِ اِذَا رُوُوْا ذُکِرَ اللّٰہُ۔ (یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ایسے ہم نشین ہیں کہ ان کے دیکھنے سے خدا یاد آ جاتا ہے) یہ وہ لوگ ہیں جس نے ان کو پہچانا اس نے اللہ تعالیٰ کو پایا ان کی نظر دوا ہے اور انکی کلام شفا اور ان کی صحبت سراپا نور و ضیاء ہے یہ وہ لوگ ہیں جس نے ان کے ظاہر کو دیکھا محروم و ناامید ہوا اور جس نے ان کے باطن کو دیکھا بزرگ ہو گیا۔

کسی نے کیا اچھا کہا ہے کہ الہی یہ کیا ہے جو تو نے اپنے دوستوں کو عطا کیا ہے کہ جس نے ان کو پہچانا اس نے تجھے پایا اور جب تک تجھے نہ پایا ان کو نہ پہچانا یعنی ان کا پہچانا اور تیرا پانا ایک دوسرے سے الگ نہیں۔

تقدم ذاتی ایک اعتبار سے شناخت کو ہے اور ایک اعتبار سے یافت کو اور کہنے والے کے نزدیک مختار اس طرف کی تقدیم ہے کیونکہ وہ مبداء ہے اور اسی کی طرف سے ہدایت بہتر اور مناسب ہے۔ وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَعَلٰی مِنْ لَدٰیْکُمْ

مکتوب ۵۳

اس استفسار کے جواب میں کہ اگر عبادت کروں تو نفس کو استغنا حاصل ہو جاتا ہے اور اگر کوئی لغزش اور خلاف شرع کار مجھ سے صادر ہو تو شکستگی اور ندامت پیدا ہوتی ہے گرد و نواح کے مشائخ کی طرف لکھا ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ سَلَامٌ " عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ اللہ تعالیٰ کیلئے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔

آپ نے پوچھا تھا کہ اگر میں اپنے آپ کو ریاضت و عبادت میں مشغول کرتا ہوں تو نفس میں استغنا پیدا ہوتی ہے اور جانتا ہے کہ میرے جیسا کوئی نیک نہیں اور اگر کوئی خلاف شرع امر صادر ہوتا ہے تو اپنے آپ کو عاجز و محتاج خیال کرتا ہے اس کا علاج کیا ہے۔

اے توفیق کے نشان والے شق ثانی میں احتیاج و فروتنی کا پیدا ہونا جو ندامت کی خبر دیتا ہے نعمت عظیم ہے اور اگر خلاف شرع کر چکنے کے بعد ندامت بھی جو توبہ کی شاخ ہے پیدا نہ ہو اور گناہ کر لینے سے متلذذ و محفوظ ہو تو اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ کیونکہ گناہ سے لذت حاصل کرنا گناہ پر اصرار کرنا ہے اور گناہ صغیرہ پر اصرار کرنا کبیرہ تک پہنچا دیتا ہے اور کبیرہ پر اصرار کرنا کفر کی دہلیز ہے۔ اس نعمت کا شکر ادا کرنا چاہئے تاکہ زیادہ زیادہ ندامت پیدا ہو اور خلاف شریعت کرنے سے ہٹا دے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَا زِيدَنَّكُمْ۔ اگر تم شکر کرو گے تو زیادہ دوں گا۔

شق اول کا حاصل اعمال صالحہ کے بجالانے سے عجب و تکبر کا حاصل ہونا ہے۔ یہ ایسا ہر قاتل اور مرض مہلک ہے جو عمل صالحہ کو نیست و نابود کر دیتا ہے جیسے کہ آگ ایندھن کو جلا کر رکھ بنا دیتی ہے۔ عجب و تکبر کا باعث یہ ہے کہ اعمال صالحہ عامل کی نظر میں زیبا و پسندیدہ دکھائی دیتے ہیں۔ فَاَلَمْ يَعْلَمُوا بِالْأَضْدَادِ (علاج ضد کے ساتھ ہوتا ہے) یعنی اپنی نیکیوں کو متہم یعنی تہمت زدہ معلوم کرے اور نیکیوں کی پوشیدہ قباحتوں کو نظر میں لائے تاکہ اپنے آپ کو اور اپنے اعمال کو قاصد کو تباہ جانے بلکہ لعنت اور رد ہونے کے لائق خیال کرے۔

رسول خدا ﷺ نے فرمایا ہے۔ رَبُّ نَابٍ لِلْفَقْرَانِ وَالْفَقْرَانِ يَلْعَنُهُ وَكَمْ مِنْ صَائِمٍ لَيْسَ لَهُ مِنْ صِيَامِهِ إِلَّا الظُّلُمَاءُ وَالْجُوعُ۔ بہت سے قرآن پڑھنے والے ایسے ہیں کہ قرآن ان کو لعنت کرتا ہے اور بہت سے روزہ دار ایسے ہیں کہ روزہ سے سوائے بھوک پیاس کے ان کو کچھ حاصل نہیں۔

یہ خیال نہ کریں کہ آپ کی نیکیوں میں کوئی برائی نہیں۔ اگر آپ تھوڑی سی توجہ سے بھی کام لیں گے تو آپ کو اللہ تعالیٰ کی عنایت سے معلوم ہو جائیگا کہ آپ کی تمام نیکیاں برائیاں ہی برائیاں ہیں اور ان میں کسی قسم کی حسن و خوبی نہیں۔ پھر عجب و استغنا کہاں۔ بلکہ اپنے اعمال کو قاصد دیکھنا اس قدر غالب آئیگا کہ آپ نیکیوں کے بجالانے سے شرمندہ اور نادام ہو گئے نہ کہ متکبر و مغرور جب اعمال میں دید قصور پیدا ہو جائے تاکہ عجب و تکبر دور ہو جائے۔ وَبَدُوهُ خَرَطُ الْقِتَادِ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ رَبِّي شَيْئًا (ورنہ بے فائدہ رنج ہے ہاں اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو مشکل نہیں) بعض لوگ جن کو یہ دید قصور کامل طور پر حاصل ہو جاتی ہے ایسا خیال کرتے ہیں کہ وائیں ہاتھ یعنی نیکیوں کا لکھنے والا معطل اور بیکار ہے اور کوئی نیکی نہیں جو اس کے لکھنے کے لائق ہو اور بائیں ہاتھ یعنی برائیوں کا لکھنے والا ہمیشہ اپنے کام میں ہے کیونکہ جو کچھ اس سے سرزد ہوتا ہے اس کی نظر میں برائی دکھائی دیتا ہے جب عارف کا معاملہ یہاں تک پہنچ جاتا ہے تو اس کے ساتھ ہوتا ہے جو ہوتا ہے۔

قلم ایں جا رسید و سر بشکست
ترجمہ: یہاں آکر قلم کا کٹ گیا سر
وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اَتْبَعَ الْهُدٰی - سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی۔

مکتوب ۵۴

اس بیان میں کہ آنحضرت ﷺ کی متابعت کے بہت سے مرتبے اور درجے ہیں اور وہ سات درجے ہیں اور ہر ایک درجہ کی تفصیل میں سید شاہ محمد کی طرف صادر فرمایا ہے:
الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی - اللہ تعالیٰ کیلئے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔

آنحضرت ﷺ کی متابعت جو دینی اور دنیاوی سعادتوں کا سرمایہ ہے کئی درجے اور مرتبے رکھتی ہے۔

پہلا درجہ عوام اہل اسلام کے لئے ہے یعنی تصدیق قلبی کے بعد اور اطمینان نفس سے پہلے جو درجہ ولایت سے وابستہ ہے احکام شریعہ کا بجالانا اور سنت سنیہ کی متابعت ہے اور علماء ظاہر اور عابد زاہد جن کا معاملہ ابھی تک اطمینان نفس تک نہیں پہنچا۔ سب متابعت کے اس درجہ میں شریک ہیں اور اتباع کی صورت کے حاصل ہونے میں برابر ہیں چونکہ اس مقام میں نفس ابھی کفر و انکار ہی پر اڑا ہوا ہوتا ہے اس لئے یہ درجہ متابعت کی صورت پر مخصوص ہے۔ متابعت کی یہ صورت متابعت کی حقیقت کی طرح آخرت کی نجات اور خلاصی کا موجب ہے اور دوزخ کے عذاب سے بچانے والی اور جنت میں داخل ہونے کی خوشخبری دینے والی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کمال کرم سے نفس کے انکار کا اعتبار نہ کر کے تصدیق قلبی پر کفایت فرمائی ہے اور نجات کو اس تصدیق پر وابستہ کیا ہے۔ بیت

مے توانی کہ دہی اشک مرا حسن قبول اے کہ دُر ساختہ قطرہ بارانی را

ترجمہ بیت: بنایا قطرہ باران کو جس نے ہے گوہر

عجب نہیں میرا رونا کرے قبول نظر

متابعت کا دوسرا درجہ۔ آنحضرت ﷺ کے اقوال و اعمال کا اتباع ہے جو باطن سے تعلق رکھتی ہے۔ مثلاً تہذیب اخلاق اور بری صفتوں کا دور کرنا اور باطنی امراض اور اندرونی بیماریوں کا رفع کرنا وغیرہ جو مقام طریقت کے متعلق ہیں۔ اتباع کا یہ درجہ ارباب سلوک کے ساتھ مخصوص ہے۔ جو طریقہ صوفیہ کو شیخ مقتدا سے اخذ کر کے سیر الی اللہ کی وادیوں اور جنگلوں کو قطع کرتے ہیں۔

متابعت کا تیسرا درجہ۔ آنحضرت ﷺ کے ان احوال و اذواق و مواجید کی اتباع ہے۔ جو مقام

ولایت خاصہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ درجہ ان ارباب ولایت کے ساتھ مخصوص ہے۔ جو مجذوب سالک یا سالک مجذوب ہیں۔ جب مرتبہ ولایت ختم ہو جاتا ہے اور طغیان و سرکشی سے ہٹ جاتا ہے۔ تو اس وقت جو کچھ متابعت کرتا ہے۔ متابعت کی حقیقت ہوتی ہے اگر نماز ادا کرتا ہے۔ تو متابعت کی حقیقت بجالاتا ہے اور اگر روزہ ہے یا زکوٰۃ اس کا بھی یہی حال ہے۔ غرض تمام احکام شریعت کے بجالانے میں متابعت کی حقیقت حامل ہوتی ہے۔

سوال:- نماز و روزوں کی حقیقت کے کیا معنی ہیں۔ نماز و روزہ افعال مخصوصہ ہیں۔ اگر یہ افعال فرمان کے بموجب ادا ہو جائیں۔ تو حقیقت پائی جائے گی۔ پھر صورت و حقیقت کے کیا معنی؟
جواب:- مبتدی چونکہ نفس امارہ رکھتا ہے جو ذاتی طور پر آسمانی احکام کا منکر ہے۔ اس لئے احکام شرعی کا بجالانا اس کے حق میں باعتبار صورت کے ہے اور منتہی کا نفس چونکہ مطمئن ہو جاتا ہے اور رضا و رغبت سے احکام شرعی کو قبول کر لیتا ہے۔ اس سے احکام شرعی کا صادر ہونا باعتبار حقیقت کے ہے۔ مثلاً منافق و مسلم دونوں نماز کو ادا کرتے ہیں۔ منافق چونکہ باطن کا انکار رکھتا ہے۔ اس لئے نماز کی صورت بجالاتا ہے اور مسلمان باطنی اتباع کے باعث نماز کی حقیقت سے آراستہ ہے پس صورت و حقیقت باعتبار اقرار اور انکار باطن کے ہے۔

مذکورہ بالا درجہ یعنی کمالات ولایت خاصہ کے حاصل ہونے کے بعد (جو اتباع کا تیسرا مرتبہ ہے) نفس کے مطمئن ہونے اور اعمال صالحہ کی حقیقت کے بجالانے کا درجہ۔ متابعت کا چوتھا درجہ ہے۔ پہلے درجہ میں اس متابعت کی صورت تھی اور یہاں اتباع کی حقیقت ہے۔ اتباع کا یہ چوتھا درجہ علماء راسخین شکر اللہ تعالیٰ عظیم کے ساتھ مخصوص ہے۔ جو اطمینان نفس کے بعد متابعت کی حقیقت کی دولت سے متحقق ہیں۔ اگرچہ اولیاء اللہ کو بھی قلب کی تمکین کے بعد تھوڑا سا اطمینان نفس حاصل ہوتا ہے۔ لیکن کمال اطمینان نفس کو کمالات نبوت کے حاصل کرنے میں ہوتا ہے۔ جن کمالات سے علماء راسخین کو وراثت کے طور پر حصہ حاصل ہوتا ہے۔ پس علماء راسخین نفس کے کمال اطمینان کے باعث شریعت کی حقیقت سے جو اتباع کی حقیقت ہے۔ متحقق ہوتے ہیں اور دوسروں کو چونکہ یہ کمالات حاصل نہیں ہوتے۔ اس لئے کبھی شریعت کی صورت سے اور کبھی اس کی حقیقت سے متحقق ہوتے ہیں۔ علماء راسخین کا میں ایک نشان بتاتا ہوں تاکہ کوئی ظاہر دان رسوخ کا دعویٰ نہ کرے اور اپنے نفس امارہ کو مطمئن خیال نہ کرے۔

عالم راسخ وہ شخص ہے جس کو کتاب و سنت کی مشابہات کی تاویلات سے بہت سا حصہ حاصل ہو اور حروف مقطعات کے اسرار کو جو قرآنی سورتوں کے اول ہیں بخوبی جانتا ہو۔ مشابہات کی تاویل

پوشیدہ اسرار میں سے ہے تو خیال نہ کرے کہ یہ تاویل بھی اسی طرح ہے جس طرح ید کی تاویل قدرت سے اور وجہ کی تاویل ذات سے کرتے ہیں کیونکہ اس کا تعلق علم ظاہر سے ہے اسرار کے ساتھ اس کا کچھ واسطہ نہیں۔ ان اسرار کے مالک انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں اور ان رموز و اشارات سے انہی بزرگوں کے ساتھ معاملہ کیا جاتا ہے یا وہ لوگ جن کو وراثت و تبعیت کے طور پر اس دولت سے مشرف فرمائیں۔ متابعت کا یہ درجہ جو نفس کے اطمینان اور صاحب شریعت کی متابعت کی حقیقت تک پہنچنے پر موقوف ہے کبھی فناء اور سلوک و جذبہ کے وسیلہ کے بغیر حاصل ہو جاتا ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ احوال و مواجید اور تجلیات و ظہورات میں سے کچھ بھی درمیان نہیں آتا اور یہ دولت حاصل ہو جاتی ہے لیکن دوسرے راستہ کی نسبت ولایت کے راستہ سے اس دولت تک پہنچنا آسان اور اقرب ہے اور وہ دوسرا راستہ اس فقیر کے خیال میں سنت سنیہ کی متابعت اور بدعت کے اسم و رسم سے اجتناب کرنا ہے جب تک بدعت حسنہ سے بدعت سیدہ کی طرح پرہیز نہ کریں تب تک اس دولت کی بوروج کے دماغ میں نہیں پہنچتی۔ آج یہ بات مشکل معلوم ہوتی ہے کیونکہ تمام جہان دریائے بدعت میں غرق ہے اور بدعت کے اندھیرے میں پھنسا ہوا ہے کس کی مجال ہے کہ بدعت کو دور کرنے کا دم مارے اور سنت کے زندہ کرنے کا دعویٰ کرے۔

اس زمانہ کے اکثر علماء بدعتوں کو رواج دیتے اور سنتوں کو محو کرتے ہیں شائع اور پھیلی ہوئی بدعتوں کو تعامل جان کر جواز بلکہ استحسان کا فتویٰ دیتے ہیں اور لوگوں کی بدعت کی طرف رہنمائی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر گمراہی شائع ہو جائے اور باطل متعارف و مشہور ہو جائے تو تعامل ہو جاتا ہے مگر یہ نہیں جانتے کہ یہ تعامل استحسان کی دلیل نہیں۔ جو تعامل معتبر ہے وہ وہ ہے جو صدر اول سے آیا ہے یا تمام لوگوں کے اجماع سے حاصل ہوا ہے۔ جیسے کہ فتاویٰ غیاثیہ میں مذکور ہے۔

شیخ الاسلام شہید رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم بلغ کے مشائخ کے استحسان پر فتویٰ نہیں دیتے بلکہ ہم اپنے متقدمین اصحاب کے استحسان کے موافق فتویٰ دیتے ہیں کیونکہ ایک شہر کا تعامل جواز پر دلالت نہیں کرتا بلکہ وہ تعامل جواز پر دلالت کرتا ہے جو صدر اول سے استمرار کے طور پر ہوتا چلا آیا ہے تاکہ نبی ﷺ کی تقریر پر دلیل ہو اور لوگوں کا فعل حجت نہیں ہو سکتا۔ ہاں جب تمام شہروں میں بہت لوگوں سے بطریق اجماع ثابت ہو تو اس وقت جائز ہو گا کیونکہ اجماع حجت ہے کیا نہیں جانتے کہ اگر وہ شراب کی بیع اور سود پر تعامل کریں تو اس کے حلال ہونے کا فتویٰ نہ دیا جائیگا اور اس بات میں کچھ شک نہیں کہ تمام مخلوقات کے تعامل اور تمام شہروں اور قصبوں کے عمل کا علم انسان کی طاقت سے خارج ہے۔

باقی رہا تعامل صدر اول کا جو در حقیقت رسول اللہ ﷺ کی تقریر ہے اور سنت سنیہ کی طرف راجع ہے۔ اس میں بدعت کہاں اور بدعت حسنہ کہاں۔ اصحاب کرام کے لئے تمام کمالات کے حاصل ہونے میں حضرت خیر البشر ﷺ کی صحبت کافی تھی اور علماء سلف میں سے جو لوگ اس رسوخ کی دولت سے مشرف ہوئے ہیں بغیر اس بات کے کہ طریقہ صوفیا کو اختیار کریں اور سلوک و جذبہ سے مسافت کو قطع کریں وہ لوگ سنت سنیہ کی متابعت اور بدعت نامرضیہ سے پورے طور پر بچنے کی بدولت اس رسوخ فی العلم کی دولت سے سرفراز ہوئے ہیں۔ اَللّٰهُمَّ ثَبِّتْنَا عَلَىٰ مُتَابَعَةِ السُّنَّةِ وَاجْنُبْنَا عَنْ اِرْتِكَابِ الْبُذْعَةِ بِحُرْمَةِ صَاحِبِ السُّنَّةِ عَلَيْهِ وَ عَلَىٰ اِلٰهِ الصَّلٰوةِ وَالسَّلَام۔ (یا اللہ تو صاحب السنّت ﷺ کے طفیل ہم کو سنت کی متابعت پر ثابت رکھ اور بدعت کے بجالانے سے بچا)

متابعت کا پانچواں درجہ آنحضرت ﷺ کے ان کمالات کا اتباع ہے جن کے حاصل ہونے میں علم و عمل کا دخل نہیں۔ بلکہ ان کا حاصل ہونا اللہ تعالیٰ کے محض فضل و کرم پر موقوف ہے یہ درجہ نہایت ہی بلند ہے اس درجہ کے مقابلہ میں پہلے درجوں کی کچھ حقیقت نہیں یہ کمالات اصل میں اولوالعزم پیغمبروں کے ساتھ مخصوص ہیں۔ یا ان لوگوں کے ساتھ جن کو تبعیت و وراثت کے طور پر اس دولت سے مشرف فرمائیں۔

متابعت کا چھٹا درجہ آنحضرت ﷺ کے ان کمالات کا اتباع ہے جو آنحضرت ﷺ کے مقام محبوبیت کی ساتھ مخصوص ہیں جس طرح پانچویں درجہ میں کمالات کا فیضان محض فضل و احسان پر تھا۔ اس چھٹے درجہ میں ان کمالات کا فیضان محض محبت پر موقوف ہے جو تفضل و احسان سے برتر ہے متابعت کا یہ درجہ بھی بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے پہلے درجہ کے سوا متابعت کے یہ پانچ درجے مقامات عروج کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں ان کا حاصل ہونا صعود پر وابستہ ہے۔

متابعت کا ساتواں درجہ وہ ہے جو نزول و ہبوط سے تعلق رکھتا ہے متابعت کا یہ ساتواں درجہ پہلے تمام درجات کا جامع ہے کیونکہ اس مقام نزول میں تصدیق قلبی بھی ہے تمکین قلبی بھی ہے اور نفس کا اطمینان بھی اور اجزاء قالب کا اعتدال بھی جو طغیان و سرکشی سے باز آگئے ہوتے ہیں پہلے درجے گویا اس متابعت کے اجزاء ہیں اور یہ درجہ ان اجزاء کا کل ہے اس مقام میں تابع اپنے متبوع کے ساتھ اس قسم کی مشابہت پیدا کر لیتا ہے کہ تبعیت کا نام ہی درمیان سے اٹھ جاتا ہے اور تابع و متبوع کی تمیز دور ہو جاتی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا تابع متبوع کی طرح جو کچھ لیتا ہے اصل سے لیتا ہے گویا دونوں ایک چشمہ سے پانی پیتے ہیں اور دونوں ایک دوسرے کے ہم آغوش و ہمکنار اور ایک بستر پر ہیں اور شیر و شکر کی طرح ہیں معلوم نہیں ہوتا کہ تابع کون ہے اور متبوع کون اور تبعیت کس کے لئے ہے نسبت کے

اتحاد میں تغاّر کی نسبت کچھ گنجائش نہیں۔

عجب معاملہ ہے اس مقام میں جہاں تک غور کی نظر سے مطالعہ کیا جاتا ہے تبعیت کی نسبت کچھ نظر نہیں آتی اور تابعیت و متبوعیت کی امتیاز ہر گز مشہود نہیں ہوتی البتہ اس قدر فرق ہے کہ اپنے آپ کو اپنے نبی ﷺ کا طفیلی اور وارث جانتا ہے اس میں کچھ شک نہیں کہ تابع اور ہوتا ہے اور طفیلی وارث اور اگرچہ تبعیت کی قطار میں سب برابر ہیں لیکن تابع میں بظاہر متبوع کا پردہ درکار ہے اور طفیلی وارث میں کوئی پردہ درکار نہیں۔ تابع پس خوردہ کھانیوالا ہے اور طفیلی ضمنی ہمنشین غرض جو دولت آئی ہے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے واسطے سے آئی ہے اور یہ امتوں کی سعادت ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے طفیل اس دولت سے حصہ پاتے ہیں اور ان کا پس خوردہ تناول کرتے ہیں۔ بیت

در قافلہ کہ اوست دامنم نرم ایں بس کہ رسد ز دور بانگ جرم

ترجمہ بیت

جس قافلہ میں یار ہے جاسکتا نہیں میں

بس دور سے آواز جس سنتا ہوں یہیں میں

کامل تابع دار وہ شخص ہے جو متابعت کے ان ساتوں درجوں سے آراستہ ہو اور وہ شخص جس میں متابعت کے بعض درجے ہیں اور بعض نہیں درجوں کے اختلاف کے بموجب مجمل طور پر تابع ہے علماء ظاہر پہلے درجہ پر ہی خوش ہیں کاش یہ لوگ درجہ اول کو ہی سرانجام کر لیں انہوں نے متابعت کو صورت شریعت پر موقوف رکھا ہے اس کے سوا کوئی اور امر خیال نہیں کرتے اور طریقہ صوفیاء کو جو درجات متابعت کے حاصل ہونے کا واسطہ ہے۔ بیکار تصور کرتے ہیں اور ان میں سے اکثر علماء ہدایہ اور یزدوی کے سوا کسی اور امر کو اپنا پیر و مقتدا نہیں جانتے۔

چو آں کرے کہ در سگے نہاں است زمین و آسمان او ہماں است

ترجمہ بیت

وہ کیزا جو کہ پتھر میں نہاں ہے

وہیں اس کا زمین و آسمان ہے

حَقَّقْنَا اللَّهُ سُبْحَانَهُ وَ إِيَّاكُمْ بِحَقِيقَةِ الْمُتَابَعَةِ الْمَرْضِيَّةِ الْمُصْطَفَوِيَّةِ عَلَى صَاحِبِهَا الصَّلَاةِ وَالسَّلَامِ وَالْبَرَكَةِ وَالْثَنِّهِ وَعَلَى جَمِيعِ إِخْوَتِهِ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ الْكِرَامِ وَالْمَلِكَةِ الْعِظَامِ وَ جَمِيعِ أَتْبَاعِهِمْ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامِ۔ (اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی پسندیدہ متابعت کی حقیقت سے واقف کرے۔ رسول اللہ ﷺ اور ان کے بھائی تمام پیغمبروں اور فرشتوں اور تمام

تابعداروں پر قیامت تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے صلوٰۃ و سلام و برکت و تحفے نازل ہوں)

مکتوب ۵۵

اس بیان میں کہ قرآن مجید تمام احکام شرعیہ کا جامع ہے اور امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مناقب اور اس بیان میں کہ اس کام کی اصل شریعت ہے اور صوفیاء علیا کی تعریف اور اس امر میں کہ احکام الہامیہ ہر وقت ثابت ہیں اور اس کے مناسب بیان میں مخدوم زادوں یعنی خواجہ محمد سعید و خواجہ محمد معصوم سلمہما اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا ہے:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ اللہ تعالیٰ کیلئے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ

بندوں پر سلام ہو۔

قرآن مجید تمام احکام شرعیہ بلکہ تمام گزشتہ شریعتوں کا جامع ہے اس شریعت کے بعض احکام شریف اس قسم کے ہیں جو نص کی عبارت اور اشارت اور دلالت اور اقتضا سے مفہوم ہوتے ہیں اس قسم کے احکام کے فہم میں تمام خاص و عام اہل لغت برابر ہیں۔ دوسری قسم کے احکام وہ ہیں جو اجتہاد اور استنباط سے مفہوم ہوتے ہیں۔ یہ فہم ائمہ مجتہدین کے ساتھ مخصوص ہے۔ جن میں سے اول آنحضرت ﷺ کی امت کے تمام مجتہد ہیں۔ لیکن آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں جو وحی کا زمانہ تھا احکام اجتہادیہ خطاب و صواب کے درمیان متردد نہ تھے بلکہ وحی قطعی کے ساتھ حق باطل سے اور صواب خطا سے الگ اور متمیز ہو جاتا تھا کیونکہ پیغمبر کو خطاب پر ثابت و برقرار رکھنا جائز نہیں۔ برخلاف ان احکام کے جو زمانہ وحی کے ختم ہو جانے کے بعد مجتہدوں کے استنباط کے طریق پر حاصل ہوئے ہیں اور جو صواب و خطا میں متردد ہیں اسی واسطے وہ احکام اجتہادیہ جو وحی کے زمانہ میں مقرر ہوئے ہیں یقین کے کافائدہ دیتے ہیں۔ جن سے عمل و اعتقاد کافائدہ حاصل ہوتا ہے اور زمانہ وحی کے بعد کے احکام ظن کا موجب ہیں جو مفید عمل ہیں لیکن اعتقاد کا موجب نہیں۔

قرآن مجید کے تیسری قسم کے احکام اس قسم کے ہیں جن کے سمجھنے سے انسان کی طاقت عاجز ہے جب تک احکام کے نازل کرنے والے جل شانہ کی طرف سے اطلاع نہ ملے۔ ان احکام کو سمجھ نہیں سکتے اس اعلام و اطلاع کا حاصل ہونا پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہے۔ پیغمبر کے سوا کسی اور کو یہ اطلاع نہیں دیتے۔ یہ احکام اگرچہ کتاب ہی سے ماخوذ ہیں۔ لیکن چونکہ ان احکام کا مظہر پیغمبر ہے اس لئے یہ احکام سنت کی طرف منسوب ہوئے ہیں۔ کیونکہ ان کا مظہر سنت ہے جس طرح احکام اجتہادیہ کو قیاس کی طرف منسوب کرتے ہیں اس اعتبار سے کہ قیاس ان احکام کا مظہر ہے پس سنت

وقیاس دونوں احکام کے مظہر ہیں اگرچہ ان دونوں مظہروں کے درمیان بہت فرق ہے۔ ایک آراء کی طرف منسوب ہے جس میں خطا کی مجال ہے اور دوسرا حق تعالیٰ کے اعلام سے مؤید ہے جس میں خطا کی گنجائش نہیں۔ قسم اخیر اپنی اصل کے ساتھ بہت مشابہت رکھتی ہے۔ گویا احکام کو ثابت کرنے والی ہے اگرچہ تمام احکام کو ثابت کرنے والی فقط وہی کتاب عزیز ہے۔

جاننا چاہئے کہ احکام اجتہادیہ میں پیغمبر کے غیر کو پیغمبر کے ساتھ خلاف کی مجال ہے بشرطیکہ وہ غیر شخص مرتبہ اجتہاد تک پہنچ چکا ہو لیکن ان احکام میں جو نص کی عبارت و دلالت و اشارت سے ثابت ہیں اور ایسے ہی ان احکام میں جن کا مظہر سنت ہے۔ کسی کو مخالفت کی مجال نہیں بلکہ تمام امت پر ان احکام کی اتباع لازم ہے۔ پس امت کے مجتہدوں کو لازم نہیں کہ احکام اجتہادیہ میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رائے کی متابعت کریں بلکہ اس مقام میں ان کے لئے اپنی رائے کی متابعت بہتر اور صواب ہے۔

یہاں ایک دقیقہ ہے جس کا جاننا ضروری ہے وہ پیغمبر جو اولوالعزم پیغمبروں کی متابعت کرتے تھے ان پر انہی احکام کا اتباع واجب ہوتا تھا۔ جو ان کتابوں اور صحیفوں میں نص کی عبارت و اشارت و دلالت سے ثابت تھے۔ نہ ان احکام میں جو ان کے اجتہاد اور سنتوں سے ظاہر ہوئے تھے کیونکہ احکام اجتہادیہ میں جب امت کے مجتہد کو متابعت لازم نہیں جیسے کہ گزر چکا۔ تو پیغمبر متابعت کرنے والے کو کس طرح متابعت لازم ہوگی اور وہ احکام جن کا مظہر سنت ہے جس طرح پیغمبر اولوالعزم کو یہ احکام اعلام کے ساتھ حاصل ہیں۔ اسی طرح غیر اولوالعزم پیغمبر کو وہ احکام اللہ تعالیٰ کے اعلام سے حاصل ہیں پھر ان میں متابعت کی کیا گنجائش ہے کیونکہ ہر وقت و ہر گروہ کے مناسب جدا جدا احکام ہیں۔ کبھی حل مناسب ہوتی ہے کبھی حرمت اولوالعزم پیغمبر کو ایک امر کے حلال ہونے کا حکم ہوا تھا اور غیر اولوالعزم پیغمبر کو اسی امر کے حرام ہونے کا اعلام۔ یہ حل و حرمت دونوں صحیفہ منزلہ سے ماخوذ ہیں۔ جس طرح کہ دو مجتہد ایک ماخذ سے دو مختلف حکم اخذ کر لیتے ہیں ایک حل سمجھ لیتا ہے دوسرا اسی سے حرمت نکال لیتا ہے۔

سوال: یہ اختلاف اس اجتہاد میں گنجائش رکھتا ہے جس کا مدار رائے پر ہے جو صواب کا بھی اور خطا کا بھی احتمال رکھتا ہے۔ لیکن یہ معنی حق تعالیٰ کے اعلام میں گنجائش نہیں رکھتے کیونکہ وہاں صواب و خطا میں تردد جائز نہیں۔ بلکہ حق تعالیٰ کے نزدیک یقیناً ایک ہی حکم ہے یعنی اگر حل ہے اس میں حرمت کی گنجائش نہیں اور اگر حرمت ہے اس میں حل کی مجال نہیں۔

جواب: ہو سکتا ہے کہ ایک قوم کی نسبت حل ہو اور دوسری قوم کی نسبت حرمت پس اللہ تعالیٰ کا حکم ایک واقعہ میں قوم کے متعدد ہونے کے اعتبار سے متعدد ہو گا اور اس میں کچھ ڈر نہیں۔ ہاں حضرت

خاتم الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت میں یہ بات درست نہیں۔ کیونکہ اس شریعت میں تمام لوگ ایک ہی حکم کے محکوم ہیں۔ یہاں ایک واقعہ میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک دو حکم نہیں ہیں۔

سوال: جب کسی اولوالعزم پیغمبر نے ایک امر کے حل ہونے کا حکم کیا ہو اور دوسرے اس کے تابعدار پیغمبر نے اس امر کی حرمت کا حکم دیا ہو تو اس سے لازم آتا ہے کہ دوسرا حکم پہلے حکم کا نسخہ ہو اور یہ جائز نہیں کیونکہ نسخہ اولوالعزم پیغمبر کے ساتھ مخصوص ہے اس کے سوا اور کوئی نسخہ نہیں ہو سکتا۔

جواب: نسخہ اس وقت لازم آتا ہے جب کہ دوسرا حکم تمام مخلوقات کے لئے عام ہو تا کہ پہلے حکم کو جو ایک گروہ کی نسبت واقع ہوا تھا رفع کرے لیکن دوسرا حکم عام نہیں ہے بلکہ ایک گروہ کی نسبت حرمت کا حکم کیا ہے اس لئے پہلے حکم کی مخالفت نہیں رکھتا کیا نہیں دیکھتے کہ ایک واقعہ میں ایک مجتہد حل کا حکم کرتا ہے اور دوسرا مجتہد اسی واقعہ میں حرمت کا حکم اور اس میں کوئی نسخہ نہیں۔ اگرچہ حکم مجتہد اور حکم پیغمبر کے درمیان بڑا فرق ہے کہ ایک میں رائے ہے اور دوسرے میں اعلام۔ رائے میں حکم کا تعدد گنجائش رکھتا ہے اور اعلام میں اس کی کچھ گنجائش نہیں لیکن قوم کا تعدد اس کا علاج کر دیتا ہے جیسے کہ گزر چکا۔

پس گزشتہ شریعتوں میں وہ احکام جو اولوالعزم پیغمبروں کی کتابوں اور صحیفوں سے لغت کے اعتبار سے مفہوم ہوتے تھے ان کے تابعدار پیغمبروں کو بھی ان میں مخالفت کی مجال نہ تھی۔ کیونکہ وہ احکام تمام مخلوقات کے حق میں وارد ہوتے تھے۔ کوئی پیغمبر جو کسی قوم کو دعوت کر دیتا تھا۔ ان احکام کے خلاف تبلیغ نہ کرتا تھا اگر حل تھی تو سب کے لئے حل تھی اور اگر حرمت تھی تو سب کے لئے تاوقتیکہ دوسرا اولوالعزم پیغمبر آتا اور اس حکم کو رفع فرماتا اس وقت نسخہ متصور ہوتا تھا۔

پس نسخہ انہی احکام کے اعتبار سے ہے جو لغت کے موافق صحیفہ منزلہ سے ماخوذ ہیں۔ لیکن وہ احکام جو اجتہاد اور اعلام سے ثابت ہوئے ہیں اور سنت و اجتہاد کی طرف منسوب ہیں۔ ان میں نسخہ متصور نہیں کیونکہ یہ احکام بعض کے لئے ہیں بعض کے لئے نہیں پس ایک پیغمبر کا اجتہاد اور سنت دوسرے پیغمبر کے اجتہاد و سنت کو رفع نہیں کر سکتے کیونکہ یہ ایک قوم کے لئے ہے اور وہ دوسری قوم کے لئے اور اگر یہ اختلاف تمام لوگوں کی نسبت ہو یا فقط ایک ہی گروہ کی نسبت ہو تو پھر البتہ نسخہ ہے جس طرح اس شریعت میں کہ سب لوگوں کے لئے یکساں حکم ہے حکم ثانی حکم اول کا نسخہ ہے۔

پس ہمارے پیغمبر ﷺ کی بچھلی سنت پہلی سنت کی نسخہ ہو گی۔ حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام جو نزول کے بعد اس شریعت کی متابعت کریں گے۔ آنحضرت ﷺ کی سنت کی اتباع بھی کریں گے۔ کیونکہ اس شریعت کا نسخہ جائز نہیں عجب نہیں کہ علماء ظاہر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مجتہدات

سے ان کے ماخذ کے کمال دقیق اور پوشیدہ ہونے کے باعث انکار کر جائیں اور ان کو کتاب و سنت کے مخالف جانیں۔ حضرت عیسیٰ روح اللہ کی مثال حضرت امام اعظم کو فی رحمۃ اللہ علیہ کی سی مثال ہے۔ جنہوں نے ورع و تقویٰ کی برکت اور سنت کی متابعت کی دولت سے اجتہاد اور استنباط میں وہ درجہ بلند حاصل کیا ہے جس کو دوسرے لوگ سمجھ نہیں سکتے اور ان کے مجتہدات کو وقت معانی کے باعث کتاب و سنت کے مخالف جانتے ہیں اور ان کو اور ان کے اصحاب کو اصحاب رائے خیال کرتے ہیں یہ سب کچھ ان کی حقیقت و روایت تک نہ پہنچنے اور ان کے فہم و فراست پر اطلاع نہ پانے کا نتیجہ ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہ جس نے ان کی فتاہت کی باریکی سے تھوڑا سا حصہ حاصل کیا ہے۔ فرمایا ہے کہ اَلْفَقْهَاءُ كُلُّهُمْ عِيَالُ اَبْنِي حَنِيفَةَ (فقہا سب ابو حنیفہ کے عیال ہیں) ان کم ہمتوں کی جرأت پر افسوس ہے کہ اپنا قصور دوسروں کے ذمے لگاتے ہیں۔ بیت

قاصرے گر کندایں طائفہ را طعن و قصور حاشا للہ کہ برز آرم بزبان ایں گلہ را
ہمہ شیران جہاں بستہ ایں سلسلہ اند روبہ از حیلہ چساں بکسلد ایں سلسلہ را

ترجمہ بیت

گر کوئی قاصر لگائے طعن ان کے حال پر
توبہ توبہ گر زبان پر لاؤں میں اس کا گلہ
شیر ہیں باندھے ہوئے اس سلسلہ میں سب کے سب
لوٹری حیلہ سے توڑے کس طرح یہ سلسلہ

اور یہ جو خواجہ محمد پار سار رحمۃ اللہ علیہ نے فصول ستہ میں لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول کے بعد امام ابو حنیفہ کے مذہب کے موافق عمل کریں گے۔ ممکن ہے کہ اسی مناسبت کے باعث جو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت عیسیٰ کے ساتھ ہے لکھا ہو۔ یعنی حضرت روح اللہ کا اجتہاد حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے اجتہاد کے موافق ہو گا نہ یہ کہ ان کے مذہب کی تقلید کریں گے کیونکہ حضرت روح اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان اس سے برتر ہے کہ علماء امت کی تقلید کریں۔ بلا تکلف و تعصب کہا جاتا ہے کہ اس مذہب حنفی کی نورانیت کشفی نظر میں دریائے عظیم کی طرح دکھائی دیتی ہے اور دوسرے تمام مذہب حوضوں اور نہروں کی طرح نظر آتے ہیں اور ظاہر میں بھی جب ملاحظہ کیا جاتا ہے تو اہل اسلام سے سوا امام اعظم یعنی بہت سے لوگ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے تابعدار ہیں۔ یہ مذہب باوجود بہت سے تابعداروں کے اصول و فروع میں تمام مذہبوں سے الگ ہے اور استنباط میں اس کا طریق علیحدہ ہے اور یہ معنی اس کی حقیقت یعنی حق ہونے کا پتا بتاتے ہیں۔

بڑے تعجب کی بات ہے کہ امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ سنت کی پیروی میں سب سے آگے ہیں۔ حتیٰ کہ احادیث مرسل کو احادیث مسند کی طرح متابعت کے لائق جانتے اور اپنے طور پر مقدم سمجھتے ہیں اور ایسے ہی صحابہ کے قول کو حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شرف صحبت کے باعث اپنی رائے پر مقدم جانتے ہیں دوسروں کا ایسا حال نہیں۔ پھر بھی مخالفان کو صاحب رائے کہتے ہیں اور بہت بے ادبی کے لفظ ان کی طرف منسوب کرتے ہیں حق تعالیٰ ان لوگوں کو توفیق دے کہ دین کے سردار اور اہل اسلام کے رئیس کو بیزار نہ کریں اور اسلام کے سواد اعظم کو ایذا نہ دیں۔ یُرِيدُونَ أَنْ يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ (یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نور کو بجھانا چاہتے ہیں)

وہ لوگ جو دین کے اندر ان بزرگواروں کو صاحب رائے جانتے ہیں۔ اگر یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ یہ بزرگوار صرف اپنی رائے پر ہی حکم کرتے تھے اور کتاب و سنت کی متابعت چھوڑ دیتے تھے تو ان کے فاسد خیال کے مطابق اسلام کا ایک سواد اعظم گمراہ اور بدعتی بلکہ گروہ اسلام سے باہر ہے۔ اس قسم کا اعتقاد وہ بیوقوف جاہل کرتا ہے جو اپنی جہالت سے بے خبر ہے یا وہ زندیق جس کا مقصود یہ ہے کہ اسلام کا نصف حصہ باطل ہو جائے ان چند ناقصوں نے چند حدیثوں کو یاد کر لیا ہے اور شریعت کے احکام کو انہی پر موقوف رکھا ہے اور اپنے معلوم کے ماسوا سب کی نفی کرتے ہیں اور جو کچھ ان کے نزدیک ثابت نہیں ہوا اس کا انکار کر دیتے ہیں۔ بیت

چو آں کرے کہ در سگے نہان است زمین و آسمان او همان است

ترجمہ بیت: وہ کیڑا جو کہ پتھر میں نہاں ہے

وہی اس کا زمین و آسمان ہے

ان کے بیہودہ تعصوب اور فاسد نظروں پر ہزار ہا فوسوس ہے۔ فقہ کے بانی حضرت ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں اور فقہ کے تین حصے آپ کو مسلم ہیں اور باقی چوتھے حصہ میں سب شریک ہیں فقہ میں صاحب خانہ آپ ہی ہیں اور دوسرے سب آپ کے عیال ہیں۔ باوجود اس مذہب کے التزام کے مجھے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے محبت ذاتی ہے اور میں اس کو بزرگ جانتا ہوں۔ اسی واسطے بعض اعمال نافلہ میں اس مذہب کی تقلید کرتا ہوں۔ لیکن کیا کروں کہ دوسرے لوگ باوجود کمال علم و تقویٰ کے امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کے مقابلہ میں بچوں کی طرح نظر آتے ہیں۔ وَالْأَمْرُ إِلَى اللَّهِ سُبْحَانَهُ (پوری حقیقت تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے)

اب ہم اصلی بات کو بیان کرتے اور کہتے ہیں کہ اوپر گزر چکا ہے کہ احکام اجتہاد یہ کا اختلاف اگرچہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے صادر ہو۔ صحیح کو مستلزم نہیں برخلاف کتاب و سنت کے احکام کے اختلاف

کے جو نسخہ کا موجب ہے۔ جیسے کہ اس کی تحقیق گزر چکی ہے۔

پس ثابت ہوا کہ احکام شرعیہ کے ثابت کرنے میں معتبر کتاب و سنت ہے اور مجتہدوں کا قیاس اور اجماع امت بھی حقیقت میں احکام کے مثبت ہیں ان چار شرعی دلیلوں کے سوا اور کوئی ایسی دلیل نہیں جو احکام شرعیہ کو ثابت کر سکے الہام حل و حرمت کو ثابت نہیں کرتا اور باطن والوں کا کشف فرض و سنت کو ثابت نہیں کرتا ولایت خاصہ والے لوگ اور عام مومنین مجتہدوں کی تقلید میں برابر ہیں ان کے کشف والہام ان کو زیادتی نہیں بخشتے اور تقلید سے باہر نہیں نکالتے۔

حضرت ذوالنونؒ اور حضرت بسطامیؒ اور حضرت جنیدؒ و شبلیؒ رحمۃ اللہ علیہم زید و بکر و عمر و خالد کے ساتھ جو عوام مومنوں میں سے ہیں احکام اجتہادیہ میں مجتہدوں کی تقلید کرنے میں مساوی و برابر ہیں۔ ہاں ان بزرگواروں کی زیادتی اور امور میں ہے۔ کشف و مشاہدات کے صاحب اور تجلیات و ظہورات کے مالک یہی لوگ ہیں۔ جنہوں نے محبوب حقیقی کی محبت کے غلبہ کے باعث ماسوی اللہ سے تعلق دور کر لیا ہے اور غیر و غیریت کی دید و دانش سے آزاد ہو گئے ہیں اگر ان کو کچھ حاصل ہے تو وہی حق تعالیٰ حاصل ہے اور اگر واصل ہیں تو اسی حق تعالیٰ کے ساتھ واصل ہیں عالم میں رہ کر بے عالم ہیں اور باخود ہو کر بے خود ہیں۔ اگر جیتے ہیں تو اسی کے لئے اور اگر مرتے ہیں تو اسی کے لئے انکے مبتدی محبت کے غلبہ کے باعث عالم کے ہر ایک ذرہ کے آئینہ میں محبوب و مطلوب کا مشاہدہ کرتے ہیں اور ہر ذرہ کو اس کے تمام اسمائی و صفاتی کمالات کا جامع معلوم کرتے ہیں۔ ان کے مقصیوں کا کیا حال بیان کیا جائے جو بے نشان ہیں۔ ان کا پہلا قدم ماسوی کا نسیان ہے انکے دوسرے قدم کی نسبت کیا کہا جائے کہ انفس و آفاق سے باہر ہے ان کا الہام سچا اور ان کا کلام راست ہے ان کے اکابر علوم و اسرار کو بلا واسطہ اصل سے اخذ کرتے ہیں جس طرح مجتہد اپنی رائے و اجتہاد کا تابع ہوتا ہے۔ یہ لوگ بھی معارف و توحید میں اپنی فراست و الہام کے تابع ہیں۔

حضرت خواجہ محمد پار ساقدس سرہ نے لکھا ہے کہ علم لدنی کے فیضان میں حضرت خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روحانیت درمیانی واسطہ ہے۔ بظاہر یہ بات ابتدا و توسط کے حال کے مناسب ہوگی کیونکہ منتہی کا معاملہ اور ہے۔ جیسے کہ کشف صریح اس پر شاہد ہے اور اسی تحقیق کی تائید کرتی ہے وہ کلام جو حضرت شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہ سے منقول ہے کہ ایک دن منبر پر چڑھ کر علوم و معارف بیان فرما رہے تھے کہ اسی اثناء میں حضرت خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گزرنے کا اتفاق ہوا۔ تو آپ نے فرمایا۔ ”اے اسرائیلی! آؤ محمدی ﷺ کا کلام سن۔“ شیخ کی اس عبارت سے مفہوم ہوتا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام محمدیوں میں سے نہیں ہیں۔ گزشتہ ملتوں میں سے ہیں۔ جب یہ حال ہے تو محمدیوں کا واسطہ کس طرح ہو

سکتا ہے۔

پس معلوم ہوا کہ علوم و معارف احکام شرعیہ کے ماسواہیں۔ جن کے ساتھ اہل اللہ مخصوص ہیں۔ اگرچہ یہ معارف انہی احکام کے ثمرات و نتائج ہیں۔ درخت لگانے سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ اس کا پھل حاصل ہو۔ تو جب تک درخت قائم رہے تب تک پھل کی امید رہتی ہے جب درخت کی جڑ میں خلل آجاتا ہے ثمرات بھی دور ہو جاتے ہیں۔ وہ بہت ہی بے عقل ہے جو درخت کو کاٹ ڈالے اور پھل کی امید رکھے۔ درخت کی جس قدر اچھی تربیت کریں اسی قدر زیادہ پھل دیتا ہے۔ پھل اگرچہ مقصود ہے لیکن درخت کی فرع اور شاخ ہے۔

شریعت کو لازم پکڑنے والے اور شریعت میں سستی کرنے والے کو اسی پر قیاس کرنا چاہئے جو شخص شریعت کا التزام رکھتا ہے وہ صاحب معرفت ہے۔ جس قدر یہ التزام زیادہ ہو گا اسی قدر معرفت زیادہ ہوگی۔ جو شخص شریعت میں سست ہے معرفت میں بے نصیب ہے۔ اور جو کچھ وہ اپنے خیال فاسد میں رکھتا ہے۔ اگرچہ سچ ہے۔ استدراج کی قسم سے ہے۔ جس میں جوگی اور برہمن اس کے ساتھ شریک ہیں۔ کُلُّ حَقِيقَةٍ زَنْدَقُهُ الشَّرِيعَةُ فَهُوَ زَنْدَقٌ وَالْحَادُّ۔ جس حقیقت کو شریعت نے رد کر دیا وہ زندقہ اور الحاد ہے۔

پس ہو سکتا ہے کہ خواص اہل اللہ حق تعالیٰ کی ذات و صفات و افعال کے معارف میں بعض ایسے اسرار و دقائق کو سمجھ لیں۔ جن سے ظاہر شریعت ساکت ہے اور حرکات و سکنات میں حق تعالیٰ کا اذن یا عدم اذن معلوم کر لیں اور مرضی یعنی پسندیدہ اور غیر مرضی یعنی ناپسندیدہ کو جان لیں۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بعض نفلوں کا ادا کرنا ناپسند معلوم کرتے ہیں اور ان کے ترک کرنے کا اذن پالیتے ہیں کبھی نیند کو بیداری سے بہتر سمجھتے ہیں۔

احکام شرعیہ اپنے اپنے وقتوں پر موقوف اور موقوف ہیں اور احکام الہامیہ ہر وقت ثابت ہیں جب ان بزرگواروں کے حرکات و سکنات اذن پر موقوف ہیں تو بیشک دوسروں کے نفل بھی ان کیلئے فرض ہوں گے۔ مثلاً ایک فعل شریعت کے حکم سے ایک شخص کی نسبت نفل ہو اور وہی فعل دوسرے شخص کیلئے الہامی حکم سے فرض ہے۔ دوسرے لوگ کبھی نوافل کو ادا کرتے ہیں کبھی امور مباحہ کے مرتکب ہوتے ہیں لیکن یہ بزرگوار جب کام کو اللہ تعالیٰ کے اذن و امر سے کرتے ہیں سب کچھ فرائض ادا کرتے ہیں دوسرے کے مستحب و مباح ان کے فرائض ہیں۔ اس مضمون سے ان بزرگواروں کی شان بلند کو معلوم کرنا چاہئے علماء ظاہر دین کے علوم و امور میں غیبی خبروں کو پیغمبروں کی خبروں کے ساتھ مخصوص کرتے ہیں اور دوسروں کو ان اخبار میں شریک نہیں جانتے۔ یہ بات وراثت کے منافی ہے اور

اس میں بہت سے ایسے علوم و معارف صحیحہ کی نفی ہے جو دین متین سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہاں احکام شرعیہ اولہ اربعہ یعنی چار دلیلوں پر موقوف ہیں جن میں الہام کی گنجائش نہیں۔ لیکن احکام شرعیہ کے ماسوا بہت سے امور دینی ایسے ہیں جن میں پانچواں اصل الہام ہے بلکہ کہہ سکتے ہیں کہ کتاب و سنت کے بعد تیسرا اصل الہام ہے یہ اصل جہان کے فنا ہونے تک قائم ہے۔ پس دوسروں کو ان بزرگواروں سے کیا نسبت ہے بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ دوسرے لوگ عبادت کرتے ہیں لیکن وہ عبادت ناپسند ہوتی ہے اور یہ بزرگوار بعض اوقات عبادت کو ترک کر دیتے ہیں اور وہ ترک پسند ہوتا ہے۔ اس صورت میں ان کا ترک دوسروں کے فعل سے بہتر ہے۔ لیکن عام لوگ اس کے برخلاف حکم کرتے ہیں۔ یعنی اس عبادت کرنے والے کو عابد جانتے ہیں اور ترک کرنے والے کو مکار سمجھتے ہیں۔

سوال: جب دین کتاب و سنت سے کامل ہو گیا پھر کمال کے بعد الہام کی کیا حاجت ہے اور وہ کونسی کمی ہے جو الہام سے پوری ہوتی ہے۔

جواب: الہام دین کے پوشیدہ کمالات کا ظاہر کرنے والا ہے نہ کہ دین میں زیادہ کمالات کا ثابت کرنے والا۔ جس طرح اجتہاد احکام کا مظہر ہے۔ اسی طرح الہام ان دقائق و اسرار کا مظہر ہے۔ جو اکثر لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتے۔ اگرچہ اجتہاد اور الہام میں واضح فرق ہے کہ وہ رائے کی طرف منسوب ہے اور یہ رائے کے پیدا کرنے والے جل شانہ کی طرف۔

پس الہام میں ایک قسم کی اصالت پیدا ہو گئی جو اجتہاد میں نہیں۔ الہام نبی علیہ السلام کے اس اعلام کی مانند ہے جو سنت کا ماخذ ہے جیسے کہ اوپر گزر چکا۔ اگرچہ الہام ظنی ہے اور وہ اعلام قطعی رَبَّنَا اِنَّا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً وَهِيَ لَنَا مِنْ اَمْرٍ نَا رَشْدًا (یا اللہ تو اپنے پاس سے ہم پر رحمت نازل فرما۔ اور ہمارے کاموں میں ہماری بہتری اور بھلائی نصیب کر) وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اَتَّبَعَ الْهُدٰی (سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی)۔

مکتوب ۵۶

اس بیان میں کہ عارف کا معاملہ یہاں تک پہنچ جاتا ہے۔ کہ دوسروں کی برائیاں اس کے حق میں نیکیوں کا حکم پیدا کر لیتی ہیں۔ مولانا عبدالقادر انبالوی کی طرف صادر فرمایا ہے:-

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ؕ

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ (یہ وہ لوگ ہیں جن کی برائیوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں سے بدل دیتا ہے) اللہ تعالیٰ کی عنایت اور اس حبیب پاک ﷺ کے طفیل سے عارف کا معاملہ یہاں تک پہنچ جاتا ہے کہ دوسروں کی برائیاں اس کی نیکیاں ہو جاتی ہیں۔ اور دوسروں کی بری

صفیئیں اس کی اچھی صفیئیں بن جاتی ہیں۔ مثلاً ریاضِ سمیعہ جو برائیوں اور بری صفتوں میں سے ہیں۔ اس کے حق میں حسن و خوبی پیدا کر لیتے ہیں۔ اور حمد و شکر کا حکم حاصل کر لیتے ہیں۔ کیونکہ اس درویش نے تمام قسم کی عظمت و کبریائی کو اپنے سے مسلوب کر کے حق تعالیٰ کی پاک بارگاہ کی طرف منسوب کیا ہے اور تمام قسم کے حسن و جمال اور خیر و کمال کو اپنے آپ سے دور کر کے حق تعالیٰ کے ساتھ مخصوص کیا ہے۔ اپنے آپ کو شر و نقص کے سوا کچھ نہیں جانتا اور اپنے آپ میں سوائے ذلت و محتاجی اور عجز و انکسار کے کچھ نہیں دیکھتا اور اگر بالفرض عظمت و کبریائی کا کوئی حصہ بظاہر اس کی طرف متوجہ ہو تو اس کو زیہ معلوم کرتا ہے جس کے ذریعہ سے اوپر کی طرف جاتا ہے اور اس جناب پاک تک جو عظمت و کبریائی کے لائق ہے پہنچ جاتا ہے۔ اسی طرح اس کے حسن و جمال اور خیر و کمال کا حال یہ ہے کہ زینہ ہونے سے زیادہ اس کے نصیب نہیں۔ امانتیں امانت والوں کی طرف راجع ہوتی ہیں۔ پس ریاضِ سمیعہ کی صورت میں اس کا مقصود شہرت و فخر و بلندی و عظمت نہیں ہوتا۔ بلکہ حق تعالیٰ کی اس نعمت کا اظہار اور اس احسان کا اعلام ہے جو اس کی نسبت واقع ہوا ہے۔ پس اس کا ریاضِ سمیعہ حق تعالیٰ کا عین حمد و شکر ہے جو برائی سے نکل کر نیکی کی صورت میں آگیا ہے اس کی دوسری صفات کا بھی یہی حال ہوتا ہے۔ اُولَئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا یہ وہ لوگ ہیں جن کی برائیوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں سے بدل دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑا غفور و رحیم ہے۔

مکتوب ۵۷

اس بیان میں کہ حق تعالیٰ کا ذکر حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود بھیجنے سے اولیٰ و افضل ہے لیکن وہ ذکر جو قبولیت کا مرتبہ رکھتا ہو یا وہ ذکر جو شیخ طالب نے مقتدا سے اخذ کیا ہو اور اس کے مناسب بیان میں ملا غازی نائب کی صرف صادر فرمایا ہے۔

کچھ مدت تک میں حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صلوٰۃ میں مشغول رہا اور قسم قسم کے درود و صلوٰۃ بھیجتا رہا اور بہت سے دنیاوی فائدے اور نتیجے پاتا رہا اور ولایت خاصہ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے اسرار و قائل کا مجھ پر فیضان ہوتا رہا۔ کچھ مدت تک اسی طرح کرتا رہا۔ اتفاقاً اس التزام میں فرق آگیا اور اس اشتغال کی توفیق نہ رہی۔ صرف صلوات موقتہ پر کفایت کی اس وقت بھی یہی اچھا معلوم ہوتا تھا کہ صلوٰۃ کی بجائے تسبیح و تہلیل و تقدیس میں مشغول رہوں میں نے اپنے دل میں سوچا کہ شاید اس میں کوئی حکمت ہوگی۔ دیکھیں کیا ظاہر ہوتا ہے۔

پس اللہ تعالیٰ کی عنایت سے معلوم ہوا کہ اس وقت ذکر کرنا صلوٰۃ و درود بھیجنے سے بہتر ہے۔ درود بھیجنے والے کیلئے بھی اور جس کی طرف درود بھیجا جاتا ہے اس کیلئے بھی دو وجہ سے:-

وجہ اول: یہ ہے کہ حدیث قدسی میں آیا ہے۔ مَنْ شَغَلَهُ ذِكْرِي عَنْ مَسْئَلَتِي أُعْطِيَهُ أَفْضَلَ مَا أُعْطِيَ السَّائِلِينَ جس کو میرے ذکر کرنے مجھ سے سوال کرنے سے روک رکھا تو میں اس کو تمام سالکین سے بڑھ کر دیتا ہوں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ جب ذکر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ماخوذ ہے تو اس کا ثواب جس قدر ذکر کو پہنچتا ہے اسی قدر ثواب آنحضرت ﷺ کو بھی پہنچتا ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔ مَنْ سَنَّ سُنَّةَ فَلَهُ أَجْرُهَا وَأَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا جس شخص نے کسی نیک سنت کو جاری کیا اس کو اس کا اپنا اجر بھی ملے گا اور اس شخص کا بھی جو اس پر عمل کرے گا۔

اسی طرح جو نیک عمل امتوں سے وجود میں آتا ہے اس عمل کا اجر جس طرح عامل کو پہنچتا ہے۔ اس طرح پیغمبر کو بھی جو اس عمل کا واضح ہے پہنچتا ہے بغیر اس کے کہ عامل کے اجر کو کچھ کم کریں۔ اس بات کی ضرورت نہیں کہ عمل کرنے والا پیغمبر علیہ السلام کی نیت پر عمل کرے۔ کیونکہ وہ حق تعالیٰ کا عطیہ ہے۔ عامل کا اس میں کچھ دخل نہیں۔ ہاں اگر عامل سے پیغمبر علیہ السلام کی نیت بھی ظاہر ہو جائے تو عامل کیلئے زیادہ اجر کا باعث ہے اور یہ زیادتی بھی پیغمبر کی طرف عائد ہوگی۔ ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔

کچھ شک نہیں کہ ذکر سے اصلی مقصود حق تعالیٰ کی یاد ہے اور اس پر اجر کا طلب کرنا اس کا طفیلی اور تابع ہے اور درود میں اصلی مقصد طلب حاجت ہے۔ مَثَانُ مَا يَنْتَهَمَا (ان دونوں میں بہت فرق ہے) پس وہ فیض جو ذکر قلبی کی راہ سے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پہنچتے ہیں۔ ان برکات سے کئی گنا زیادہ ہیں۔ جو درود کی راہ سے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پہنچتے ہیں۔

جاننا چاہئے کہ ہر ذکر یہ مرتبہ نہیں رکھتا۔ وہ ذکر جو قبولیت کے لائق ہے وہی اس زیادتی کے ساتھ مخصوص ہے لیکن جو ذکر ایسا نہیں درود کو اس پر زیادتی اور فضیلت ہے اور درود سے زیادہ برکتیں حاصل ہونے کی امید ہے ہاں وہ ذکر جو طالب کسی شیخ کامل مکمل سے اخذ کرتا ہے اور طریقت کے آداب و شرائط کو مد نظر رکھ کر اس پر مداومت کرتا ہے۔ درود پڑھنے سے افضل ہے کیونکہ یہ ذکر اس ذکر کا وسیلہ ہے جب تک یہ ذکر نہ ہو اس ذکر تک نہیں پہنچ سکتے۔

یہی باعث ہے کہ مشائخ طریقت قدس سرہم مبتدی کیلئے سوائے ذکر کرنے کے اور کچھ جائز نہیں سمجھتے اور اس کے حق میں صرف فرضوں اور سنتوں پر کفایت کرتے ہیں اور امور نافلہ سے منع کرتے ہیں۔ اس بیان سے ظاہر ہوا کہ امت میں سے کوئی شخص خواہ وہ کمالات میں کتنا ہی بلند درجہ

حاصل کر لے۔ اپنے پیغمبر علیہ السلام کے ساتھ برابری نہیں کر سکتا۔ کیونکہ یہ سب کمالات اس کو اس پیغمبر کی شریعت کی متابعت کے باعث حاصل ہوئے ہیں۔ پس اس پیغمبر کو یہ سب کمالات بھی اور دوسرے تابعداروں کے کمالات بھی اور اپنے مخصوصہ کمالات بھی ثابت و حاصل ہوں گے۔ اسی طرح وہ شخص کامل اپنے پیغمبر کے سوا کسی دوسرے پیغمبر کے مرتبہ کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔ اگرچہ کسی نے اس پیغمبر کی متابعت نہ کی ہو اور اس کی دعوت کو کسی نے قبول نہ کیا ہو۔ کیونکہ ہر ایک پیغمبر اصلی اور مستقل طور پر صاحب دعوت و شریعت کی تبلیغ پر مامور ہے۔ امتوں کا انکار اس کی دعوت و تبلیغ میں قصور پیدا نہیں کرتا اور ظاہر ہے کہ کوئی کمال دعوت و تبلیغ کے مرتبہ تک نہیں پہنچتا۔ فَإِنَّ أَحَبَّ عِبَادِ اللَّهِ إِلَى اللَّهِ مَنْ حَبَّبَ اللَّهُ إِلَى عِبَادِهِ وَحَبَّبَ عِبَادَ اللَّهِ إِلَى اللَّهِ وَهُوَ الدَّاعِي وَالْمُبْلَغُ (کیونکہ اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک پیارا وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کے نزدیک اور بندوں کو اللہ تعالیٰ کے نزدیک پیارا اور محبوب بنائے اور وہ شخص دعوت و تبلیغ کرنے والا ہے)۔

آپ نے سنا ہو گا کہ خبر میں آیا ہے کہ قیامت کے دن علماء کی سیاہی کو فی سبیل اللہ شہیدوں کے خون کے ساتھ وزن کریں گے اور اس سیاہی والا پلہ اس خون والے پلے پر راجح اور غالب آجائے گا۔ باقی امت کے لوگوں کو یہ دولت میسر نہیں ہوئی جو کچھ رکھتے ہیں۔ طفیلی اور ضمنی ہے۔ اصل اصل سے ہے اور فرع اصل سے مستط ہے اس بیان سے اس امت کے داعیان اور مبلغین کی فضیلت معلوم کرنی چاہئے اگرچہ دعوت و تبلیغ میں بہت سے درجات ہیں اور اعیان و مبلغین اپنے اپنے درجات میں متفاوت ہیں۔ علماء تبلیغ ظاہری کے ساتھ مخصوص ہیں اور صوفیاء باطن کے ساتھ اہتمام کرتے ہیں اور جو کوئی عالم صوفی ہے وہ کبریت احمر یعنی اکسیر ہے اور ظاہری و باطنی دعوت و تبلیغ کے لائق ہے اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نائب و وارث ہے اور بعض لوگ اس امت کے محدثین کو جو احادیث نبوی ﷺ کی تبلیغ کرتے ہیں۔ تمام امت سے افضل جانتے ہیں اگر مطلق اور عام طور پر افضل جانتے ہیں تو محل خدشہ ہے اور اگر ظاہری مبلغین کی نسبت کہا ہے تو ہو سکتا ہے۔ کیونکہ مطلق فضیلت اس جامع مبلغ کیلئے ہے جو ظاہری باطنی تبلیغ کرتا ہے یعنی ظاہر میں بھی دعوت کرتا ہے اور باطن میں بھی۔ لِأَنَّ فِي الْإِقْبَصَارِ قُصُورًا إِنَّا فِي إِطْلَاقِ الْفَضْلِ فَافْتَهُمُ فَلَا تَكُنْ مِنَ الْفَاقِصِينَ (کیونکہ اقتصار میں قصور ہے جو فضل کے اطلاق کرنے کے منافی ہے پس سمجھ اور کوتاہ نظروں میں سے نہ ہو) ہاں ظاہر یقیناً عمدہ اور نجات کا مدار اور بڑی برکت والا اور عام نفع والا ہے۔ لیکن اس کا کمال باطن پر موقوف ہے۔ ظاہر بغیر باطن کے ناقص ہے۔ اور باطن بغیر ظاہر کے نافر جام اور وہ شخص جو باطن کو ظاہر کے ساتھ جمع کرے۔ کبریت احمر یعنی سرخ گندک (کیمیاداکسیر) ہے۔ رَبَّنَا آتِنَا لَنَا نُورًا وَاغْفِرْ لَنَا إِنَّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (یا

اللہ تو ہمارے نور کو پورا کر اور ہمیں بخش۔ تو تمام چیزوں پر قادر ہے) وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اَتَّبَعَ الْهُدٰی سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی۔

مکتوب ۵۸

ایک استفسار کے جواب میں جو عالم مثال کی بابت کیا گیا تھا اور ان دو گروہوں کے رد میں جن میں سے ایک گروہ تنازع کا قائل ہے اور دوسرا نقل روح کا قائل ہے اور کمون و بروز اور اس کے مناسب بیان میں خواجہ محمد تقی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ وَالِیْهِ الطَّاهِرِينَ

آپ کا صحیفہ شریفہ جو از روئے حسن خلق اور بلندی فطرت کے ارسال فرمایا تھا۔ پہنچا اس کے مطالعہ سے مشرف ہوا۔ خدا تعالیٰ آپ کو سلامت رکھے۔ آپ نے لکھا تھا کہ شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہ نے فتوحات مکیہ میں ایک حدیث نقل کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی خَلَقَ مِائَةَ اَلْفِ اَدَمَ (کہ اللہ تعالیٰ نے ایک لاکھ آدم پیدا کیا ہے) اور عالم مثال کے بعض مشاہدات کے بارہ میں ایک حکایت بیان کرتے ہیں کہ کعبہ معظمہ کے طواف کے وقت ایسا ظاہر ہوا۔ کہ میرے ہمراہ اس قسم کے لوگوں کی جماعت طواف کر رہی ہے جن کو میں نہیں پہچانتا۔ اثناء طواف میں انہوں نے دو عربی بیت پڑھے۔ جن میں سے ایک یہ ہے۔ بیت

لَقَدْ طُغْنَا كَمَا طُفْتُمْ سَيْنَا بِهَذَا النَّيْبِ طُرًا اَجْمَعِنَا

ترجمہ طواف ہم نے بھی اس گھر کا ہے کیا دیا

بہت سے سالوں تک تم نے ہے کیا جیسا

میں نے جب یہ بیت سنا۔ دل میں گزرا کہ یہ سب عالم مثال کے بدن ہیں۔ یہ بات میرے دل میں گزرنے نہ پائی تھی کہ ان میں سے ایک نے میری طرف نگاہ کی اور کہا کہ میں تیرے اجداد میں سے ہوں۔ میں نے پوچھا کہ تجھے فوت ہوئے کتنے سال ہوئے ہیں۔ فرمایا کہ مجھے فوت ہوئے چالیس ہزار سال سے زیادہ عرصہ گزرا ہے۔ میں نے تعجب سے کہا کہ حضرت ابوالبشر حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش سے لیکر آج تک سات ہزار سال سے زیادہ عرصہ نہیں ہوا۔ اس نے فرمایا کہ تو کس آدم کا ذکر کرتا ہے۔ کیا تو اس آدم کا ذکر کرتا ہے جو اس سات ہزار سال کے دورہ کے اول میں پیدا ہوا ہے۔ شیخ نے فرمایا کہ اس وقت وہ حدیث جو اوپر لکھی جا چکی ہے دل میں گزری جو اس قول کی تائید کرتی ہے۔

میرے مخدوم مکرم: اس مسئلہ میں اللہ تعالیٰ کی عنایت سے جو کچھ اس فقیر پر ظاہر ہوا ہے وہ یہ ہے

کہ یہ سب آدم جو حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وجود سے پہلے گزرے ہیں ان کا وجود عالم مثال میں ہوا ہے نہ عالم شہادت میں۔ حضرت آدم علیہ السلام یہی ہیں جو عالم شہادت میں موجود ہوئے ہیں اور زمین میں خلافت پا کر مجبور ملائکہ ہوئے ہیں۔

حاصل کلام یہ کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام چونکہ جامعیت کی صفت پر مخلوق ہوئے ہیں۔ اپنی حقیقت میں بہت سے لطائف اور اوصاف رکھتے ہیں۔ ان کے وجود سے بیسٹار قرن پہلے ہر وقت ان کی صفات میں سے کوئی صفت یا ان کے لطائف میں سے کوئی لطیفہ حق تعالیٰ کی ایجاد سے عالم مثال میں موجود ہوا ہے اور آدم کی صورت میں ظاہر ہوا ہے اور اسی کے نام کا مسمیٰ ہوا ہے اور منتظر آدم کے کاروبار اس سے وقوع میں آئے ہیں۔ حتیٰ کہ توالد و تناسل بھی جو اس عالم مثال کے مناسب ہے ظاہر ہوا ہے اور اس عالم کے مناسب ظاہری، باطنی کمالات بھی حاصل ہوئے اور ثواب و عذاب کا مستحق ہو کر بلکہ اس کے حق میں قیامت قائم ہو کر بہشتی بہشت میں اور دوزخی دوزخ میں گئے ہیں۔

بعد ازاں پھر کسی وقت اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے کوئی صفت یا لطیفہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اس عالم میں ظاہر ہوا اور وہ کاروبار جو ظہور اول سے وجود میں آئے تھے۔ ظہور ثانی سے بھی وہی کاروبار ظاہر ہوئے۔ جب یہ دورہ بھی تمام ہو گیا۔ صفات و لطائف کا تیسرا ظہور حاصل ہوا جب اس ظہور نے بھی اپنا دورہ ختم کیا، چوتھا ظہور ثابت ہوا اِلٰی مَا شَاءَ اللّٰہُ جب ان کے مثالیہ ظہورات کے دورے جو ان کے لطائف و صفات کے ساتھ تعلق رکھتے تھے، تمام ہو گئے آخر کار وہ نسخہ جامعہ عالم شہادت میں حق تعالیٰ کی ایجاد سے وجود میں آیا اور فضل خداوندی سے معزز و مکرم ہوا اگر لاکھ آدم بھی ہوں۔ سب اسی آدم کے اجزاء اور اسی کے ہاتھ پاؤں اور اسی کے وجود کے مبادی و مقدمات ہیں۔

شیخ بزرگوار کا جد جس کو فوت ہوئے چالیس ہزار سال گزرے ہیں۔ عالم مثال میں شیخ کے اس جد کے لطائف میں سے ایک لطیفہ تھا جو عالم شہادت میں وجود رکھتا تھا اور یہ بیت اللہ کا طواف جو اس نے کیا ہے۔ عالم مثال میں طواف کیا ہے۔ کیونکہ کعبہ معظمہ کی بھی عالم مثال میں صورت و شبیہ ہے جو اس عالم والوں کا قبلہ ہے۔

اس فقیر نے اس بارہ میں بہت دور تک نظر دوڑائی ہے اور بڑا غور کیا ہے لیکن عالم شہادت میں دوسرا آدم کوئی نظر نہیں آیا اور عالم مثال کے شعبدوں کے سوا کچھ نہ پایا اور یہ جو بدن مثالی نے کہا ہے کہ میں تیرا جد ہوں اور مجھے فوت ہوئے چالیس ہزار سال سے زیادہ گزرے ہیں۔

اس بات پر پختہ دلیل ہے کہ پہلے آدم اس آدم کے صفات و لطائف کے ظہورات تھے نہ یہ کہ علیحدہ خلقت رکھتے تھے۔ اور اس آدم کے برخلاف اور الگ تھے کیونکہ مخالفت اور مبائن کو اس آدم سے

کیا نسبت اور کیونکر جد ہو سکتے حالانکہ اس آدم کی پیدائش کو ابھی سات ہزار سال تمام نہیں ہوئے۔ پھر چالیس ہزار سال کی کہاں گنجائش ہے۔ وہ لوگ جن کے دل بیمار ہیں۔ ان حکایات سے تنازع سمجھتے ہیں اور عجب نہیں کہ قدم عالم کے قائل ہو جائیں اور قیامت کبریٰ کا انکار کر دیں۔ بعض ملحد لوگ جو باطل کے ساتھ یعنی جھوٹ موٹ شیخی کی مسند پر بیٹھے ہیں۔ تنازع کے جواز کا حکم دیتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ نفس جب تک حد کمال تک نہ پہنچے۔ بدنوں کے تقلب یعنی بدلنے سے اس کو چارہ نہیں اور کہتے ہیں کہ جب نفس حد کمال تک پہنچ جائے۔ بدنوں کی تبدیلی بلکہ بدنوں کے متعلق سے فارغ ہو جاتا ہے اور اس کی پیدائش سے مقصود یہی اس کا کمال ہے جو میسر ہو گیا یہ بات صریح کفر ہے اور ان تمام باتوں کا انکار ہے جو دین میں تواتر کے ساتھ ثابت ہیں۔ کیونکہ آخر کار جب تمام نفوس حد کمال کو پہنچ جائیں پھر دوزخ کس کیلئے ہوگی اور عذاب کس کو ہوگا اس میں دوزخ اور آخرت کے عذاب اور جسموں کے ساتھ اٹھنے کا انکار ہے۔ کیونکہ ان کے خیال میں نفس کو اب جسم کی جو اس کے کمال کا آلہ ہے کوئی حاجت نہیں رہی۔ تاکہ جسم کے ساتھ اٹھایا جائے۔ ان لوگوں کا اعتقاد بعینہ فلاسفہ کے اعتقاد کے مطابق ہے جو حشر اجساد سے انکار کرتے ہیں اور عذاب و ثواب روحانی جانتے ہیں۔ بلکہ ان کا اعتقاد فلاسفہ کے اعتقاد سے بھی بدتر ہے کیونکہ وہ تنازع کو رد کرتے ہیں اور روحانی عذاب و ثواب ثابت کرتے ہیں اور یہ لوگ تنازع کو بھی ثابت کرتے ہیں اور عذاب آخرت سے بھی انکار کرتے ہیں۔ عذاب ان کے نزدیک دنیا ہی کا عذاب ہے جو نفوس کی تہذیب کیلئے ثابت کرتے ہیں۔

سوال: حضرت امیر کرم اللہ وجہہ اور بعض اولیاء اللہ سے بھی منقول ہے کہ ان کے وجود خاکی سے بہت زمانہ پہلے ان سے عجیب و غریب اعمال و افعال عالم شہادت میں واقع ہوئے ہیں۔ تنازع کے جواز کے بغیر یہ بات کس طرح درست ہو سکتی ہے۔

جواب: وہ اعمال و افعال ان بزرگواروں کے ارواح سے صادر ہوئے ہیں جو حق تعالیٰ کے ارادہ سے خود اجساد کے ساتھ مجسم ہو کر عجیب و غریب افعال کے مرتکب ہوئے ہیں کوئی اور جسد نہیں جس کے ساتھ ان کا تعلق ہو۔ تنازع کے یہ معنی ہیں کہ روح کا اس جسد کے تعلق سے پہلے کسی اور جسد کے ساتھ جو اس جسد کے مخالف اور مغائر ہے تعلق ہوا ہو اور جب خود ہی جسد کے ساتھ مجسم ہو جائے پھر تنازع کہاں ہوگا۔

جن جو مختلف شکلیں بن جاتے ہیں اور مختلف جسدوں میں مجسم ہو جاتے ہیں اس وقت ان سے اعمال عجیبہ جو ان شکلوں اور جسدوں کے مناسب ہیں۔ ظہور میں آتے ہیں۔ ان میں کوئی تنازع اور حلول نہیں۔ جب جنوں کو اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے اس قسم کی طاقت حاصل ہے کہ مختلف شکلوں میں ظاہر ہو کر

عجیب و غریب کام کریں۔ تو اگر کالمین کی ارواح کو یہ طاقت بخش دیں تو کونسی تعجب کی بات ہے اور دوسرے بدن کی ان کو کیا حاجت ہے۔ اسی قسم کی ہیں وہ بعض حکایتیں جو بعض اولیاء اللہ سے نقل کرتے ہیں۔ کہ ایک ساعت میں مختلف مکانوں میں حاضر ہوتے ہیں۔ اور مختلف کام ان سے وقوع میں آتے ہیں یہاں بھی ان کے لطائف مختلف جسدوں میں مجتہد ہو کر اور مختلف شکلوں میں متشکل ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح اسی عزیز (1) کا حال ہے۔ جو ہندوستان میں وطن رکھتا ہے اور کبھی اپنے ملک سے باہر نہیں نکلا۔ بعض لوگ عظیم البرکت مکہ معظمہ سے آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے اس عزیز کو حرم کعبہ میں دیکھا ہے اور ہمارے اور اس عزیز کے درمیان ایسی ایسی باتیں ہوئی ہیں۔ بعض نقل کرتے ہیں کہ ہم نے اس کو روم میں دیکھا ہے اور بعض بغداد میں دیکھ کر آئے ہیں یہ سب اس عزیز کے لطائف ہیں جو مختلف شکلوں میں ظاہر ہوئے ہیں اور اس عزیز کو ان شکلوں کی نسبت اطلاع نہیں ہوتی۔ اسی واسطے لوگوں کے جواب میں کہتا ہے کہ یہ سب مجھ پر تہمت ہے میں اپنے گھر سے باہر نہیں گیا نہ میں نے حرم کعبہ کو دیکھا ہے اور میں روم بغداد کو نہیں جانتا اور نہیں پہچانتا کہ تم کون ہو۔ اسی طرح حاجتمند لوگ زندہ اور مردہ بزرگوں سے خوف و ہلاکت کے وقت مدد طلب کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ ان بزرگوں کی صورتوں نے حاضر ہو کر ان کی بلا کو دفع کیا ہے اور ان بزرگوں کو اس بلیہ کے دفع کرنے کی اطلاع کبھی ہوتی ہے اور کبھی نہیں ہوتی۔ ع

از ما و شما بہانہ ساختہ اند

ترجمہ ع

ہمارا اور تمہارا ہے بہانہ

یہ بھی ان بزرگوں کے لطائف کی شکلیں ہیں۔ یہ شکلیں کبھی عالم شہادت میں ہوتی ہیں کبھی عالم مثال میں جس طرح ایک ہی رات میں ہزار آدمی رسول اللہ ﷺ کو خواب میں مختلف صورتوں میں دیکھتے ہیں اور استفادہ کرتے ہیں یہ سب رسول اللہ ﷺ کی صفات و لطائف کی مثالی صورتیں ہیں۔ اسی طرح مرید اپنے پیروں کی مثالی صورتوں سے استفادہ کرتے ہیں اور مشکلات کو حل کرتے ہیں۔ کمون و بروز جو بعض مشائخ نے کہا ہے۔ تناخ سے کچھ تعلق نہیں رکھتا کیونکہ تناخ میں نفس کا دوسرے بدن کے ساتھ اس غرض کے لئے تعلق ہوتا ہے تاکہ اس کے لئے حیات و زندگی ثابت ہو اور اس کو حس و حرکت حاصل ہو اور بروز میں نفس کا دوسرے بدن کے ساتھ تعلق اس غرض کے لئے نہیں ہوتا۔ بلکہ اس سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ اس بدن کو کمالات حاصل ہوں اور اپنے درجات تک واصل ہو جائے جس طرح کہ جن انسان کے ساتھ تعلق پیدا کر لے اور اس کے وجود میں بروز کرے۔

یہ تعلق بھی انسان کی زندگی کے واسطے نہیں ہے کیونکہ آدمی اس تعلق سے پہلے حس و حرکت والا ہے وہ چیز جو اس تعلق سے اس میں پیدا ہو گئی ہے وہ اس جن کے صفات و حرکات و سکنات کا ظہور ہے لیکن مشائخِ مستقیمۃ الاحوال کمون و بروز کا ہر گز بیان نہیں کرتے اور ناقصوں کو بلاؤفتہ میں نہیں ڈالتے۔

فقیر کے نزدیک کمون و بروز کی کچھ ضرورت نہیں۔ کامل اگر کسی ناقص کی تربیت کرنا چاہے تو بغیر اس بات کے کہ اس میں بروز کرے۔ اللہ تعالیٰ کے اقتدار سے اپنی صفات کاملہ کو مرید ناقص میں منعکس کر دیتا ہے اور توجہ و التفات کے ساتھ اس انعکاس کو ثابت و برقرار رکھتا ہے تاکہ مرید ناقص نقص سے کمال تک آجائے اور صفاتِ رذیلہ کو چھوڑ کر صفاتِ حمیدہ کو اختیار کرے اور کچھ کمون و بروز درمیان نہ ہو۔ ذَلِكْ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔

بعض لوگ نقل ارواح کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ روح کو کمال کے بعد اس قسم کی قدرت حاصل ہو جاتی ہے کہ اپنے بدن کو چھوڑ کر دوسرے بدن میں داخل ہو سکتا ہے۔

نقل کرتے ہیں کہ ایک بزرگ میں یہ کمال اور قدرت تھی کہ اس کے پڑوس میں ایک جوان مر گیا۔ اس بزرگ نے اپنے بدن کو جو بڑھا پے تک پہنچ چکا تھا چھوڑ دیا اور اس جوان کے بدن میں داخل ہو گیا۔ حتیٰ کہ بدن اول مردہ ہو گیا اور دوسرا بدن زندہ۔ اس بات سے تنازع لازم آتا ہے کیونکہ بدن ثانی کا تعلق اس بدن کی حیات کیلئے ہے۔ ہاں اس قدر فرق ہے کہ تنازع کے قائل لوگ نفس کے نقص کا حکم کرتے ہیں اور تنازع کو نفس کی تکمیل کے لئے ثابت کرتے ہیں اور وہ لوگ جو نقل روح کے قائل ہیں روح کو کامل خیال کرتے ہیں اور کمال روح کے بعد نقل کو ثابت کرتے ہیں۔

فقیر کے نزدیک نقل روح کا قول تنازع کے قول سے بھی گزرا ہے کیونکہ تنازع کا نفس کی تکمیل کے لئے اعتبار کرتے ہیں اگرچہ یہ اعتبار باطل ہے اور نقل روح کمال کے حاصل ہونے کے بعد خیال کرتے ہیں حالانکہ کچھ کمال نہیں۔ جب بدنوں کا تبدل کمالات کے حاصل ہونے کے لئے مقرر کیا ہو۔ تو پھر کمال حاصل ہونے کے بعد دوسرے بدن میں نقل کرنا کس لئے ہے۔ اہل کمال تماشائی نہیں ہیں ان کا مقصود کمال کے حاصل ہونے کے بعد بدنوں سے الگ ہونا ہے نہ کہ بدنوں کے ساتھ تعلق اختیار کرنا کیونکہ بدنوں کے تعلق سے جو کچھ مقصود تھا وہ حاصل ہو چکا ہے۔

نیز نقل روح میں بدن اول کا مارتا اور دوسرے بدن کا زندہ کرنا ہے۔ پس بدن اول کو احکامِ برزخ کے حاصل ہونے سے چارہ نہیں اور قبر کے عذاب و ثواب سے خلاصی نہیں اور دوسرے بدن کے لئے جب دوسری حیات ثابت کرتے ہیں اس کے لئے گویا دنیا میں حشر ثابت ہو گیا۔ یا شاید نقل روح کا قائل

قبر کے عذاب و ثواب کا قائل نہیں اور حشر و نشر کا معتقد نہیں۔ افسوس صد افسوس۔ اس قسم کے مکار اور جھوٹے لوگ شیخی کی مسند پر بیٹھے ہیں اور اہل اسلام کے مقتدا بنے ہوئے ہیں۔ ضَلُّوا فَأَضَلُّوا یہ لوگ خود بھی گمراہ ہیں اوروں کو بھی گمراہ کر رہے ہیں۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ۔ (یا اللہ تو ہدایت دے کر پھر ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کر اور اپنے پاس سے ہم پر رحمت نازل فرما تو سب کچھ بہت زیادہ بخشنے والا ہے) بِحَرَمَةِ سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمُ الصَّلَاةُ وَالتَّسْلِيمَاتُ۔

تذنیل

بعض ان علوم و معارف کے بیان میں جو عالم مثال سے تعلق رکھتے ہیں

واضح ہو کہ عالم مثال تمام عالموں سے زیادہ فراخ ہے جو کچھ تمام عالموں میں ہے اس کی صورت عالم مثال میں ہے۔ معقولات و معانی سب وہاں صورت رکھتے ہیں بزرگوں نے کہا ہے کہ حق تعالیٰ کے لئے مثل نہیں لیکن مثال ہے۔ وَ لِلّٰهِ الْمَثَلُ الْأَعْلٰی۔ مثال اعلیٰ اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔

اس فقیر نے اپنے مکتوبات میں لکھا ہے کہ تنزیہ محض کے مرتبہ میں جس طرح مثل نہیں مثال بھی نہیں۔ فَلَا تَضَرُّوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ (اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی مثال نہ بیان کرو) عالم صغیر میں عالم مثال کا نمونہ خیال ہے۔ کیونکہ تمام اشیاء کی صورت خیال میں متصور ہے۔ خیال ہی سالک کے احوال و مقامات کی کیفیات کو مختلف صورتوں میں سالک کے سامنے ظاہر کرتا ہے اور صاحب علم بتا دیتا ہے اور اگر خیال نہ ہو یا جس جگہ خیال پہنچ نہ سکتا ہو وہاں جہل لازم ہے یہی وجہ ہے کہ مرتبہ ظلال کے اوپر جہل و حیرت ہے کیونکہ خیالی کی دوڑ مراتب ظلال تک ہی ہے۔ جہاں ظل نہیں۔ خیال کی بھی وہاں گنجائش نہیں۔ جب صورت تنزیہی عالم مثال میں نہیں آ سکتی جیسے کہ گزر چکا ہے تو خیال میں جو مثال کا پر تو ہے صورت تنزیہی کس طرح متصور ہو سکتی ہے فَلَا جَرَمَ لَا يَكُوْنُ ثَمَّةُ اِلَّا الْجَهْلُ وَالْحَيْرَةُ (پس وہاں جہل و حیرت کے سوا کچھ نہ ہوگا) اور جہاں علم نہیں وہاں گفتگو بھی نہیں۔ مَنْ عَرَفَ اللّٰهَ كَلَّ لِسَانُهُ (جس نے اللہ تعالیٰ کو پہچانا اس کی زبان گنگ ہو گئی) اس کا نشان ہے اور جہاں علم ہے وہاں گفتگو بھی ہے مَنْ عَرَفَ اللّٰهَ طَالَ لِسَانُهُ (جس نے اللہ تعالیٰ کو پہچانا اس کی زبان دراز ہو گئی) اس کا بیان ہے پس زبان کی درازی ظلال ہوتی ہے اور زبان کی گنگی مراتب ظلال سے اوپر ہوتی ہے۔ خواہ فعل ہو یا صفت۔ اسم ہو یا مسمیٰ۔

پس جو کچھ خیالات کا اپنا بنایا ہوا ہے چونکہ وہ ظلال سے ہے اس لئے وہ معلول اور جعلی طور سے بنایا ہوا ہے لیکن چونکہ مطلوب کے علامات و آثار سے ہے اس لئے علم الیقین کا فائدہ دیتا ہے اس سے زیادہ

کچھ فائدہ نہیں دیتا۔ عین یقین اور حق یقین ظلال و خیال سے وراء الراء ہیں۔ خیال کی لخت یعنی تراش سے تب نجات ملتی ہے جب کہ سیر انفسی کو بھی سیر آفاقی کی طرح پیچھے چھوڑ دیں اور آفاق و انفس سے آگے جولان کریں یہ بات اکثر اولیاء اللہ کو مرنے کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ جب تک زندہ رہتے ہیں خیال ان کا دامن گیر رہتا ہے اور بزرگوار ان اولیاء میں سے بہت کم لوگوں کو یہ دولت اس جہان میں بھی میسر ہو جاتی ہے اور باوجود دنیاوی حیات کے خیال کے تصرف سے نکل جاتے ہیں اور مطلوب کو خیال کی تراش اور ایجاد کے بغیر پالیتے ہیں اس وقت تجلی ذاتی برقی ان بزرگواروں کے حق میں دائمی ہو جاتی ہے اور وصل عریانی پر تو ڈالتا ہے۔ شعر

هَيِّنَا لِأَرْبَابِ النِّعَمِ نَعِيمَهَا

وَلِلْعَاشِقِ الْمُسْكِينِ مَا يَتَجَرَّعُ

ترجمہ شعر: مبارک منعموں کو اپنی نعمت مبارک عاشقوں کو درد و کلفت

سوال: بعض لوگ واقعات و منامات میں اور مثال و خیال میں دیکھتے ہیں کہ ہم بادشاہ بن گئے ہیں اور اپنے نوکروں چاکروں کو دیکھتے ہیں اور نیز یہ بھی دیکھتے ہیں کہ ہم قطب بن گئے ہیں اور تمام جہان ہماری طرف متوجہ ہے اور بیداری اور آفاقہ کے وقت میں جو عالم شہادت ہے ان کمالات کا کچھ ظہور نہیں ہوتا یہ رویت سچی ہے یا جھوٹی۔

جواب: یہ رویت کچھ نہ کچھ صدق رکھتی ہے اس کا بیان یہ ہے کہ بادشاہ اور قطب بننے کے معنی اور استعداد ان لوگوں میں پائی جاتی ہے لیکن ضعیف ہے اس لائق نہیں کہ عالم شہادت میں ظہور پائے بعد ازاں یہ امر دو حال سے خالی نہیں۔ اگر یہ معنی اللہ تعالیٰ کی قدرت سے قوت پا جائیں تو اس بات کے لائق ہو جائیں گے کہ عالم شہادت میں ظہور پیدا کریں اور اللہ تعالیٰ کی عنایت سے بادشاہ اور قطب وقت بن جائیں۔ اگر اس معنی نے اس قدر قوت نہ پائی کہ عالم شہادت میں ظاہر ہوں تو وہی مثالی ظہور جو تمام ظہورات میں سے کمزور اور ضعیف ہے کفایت کرتا ہے اور قوت کے بموجب ظہور پاتا ہے۔

اسی قسم کے ہیں وہ واقعات جو اس راہ کے طالب دیکھتے ہیں اور اپنے آپ کو مقامات عالیہ میں پاتے ہیں اور اپنے آپ کو ارباب ولایت کے مرتبوں سے سرفراز ہو پاتے ہیں اگر یہ معنی عالم شہادت میں ظہور پیدا کریں تو بڑی اعلیٰ دولت ہے اور اگر ظہور مثالی پر ہی کفایت کریں تو لا حاصل ہے اور جائے مصیبت ہے۔ ہر جلاہا اور حجام خواب میں اپنے آپ کو بادشاہ دیکھتا ہے لیکن کچھ حاصل نہیں اور سوائے خسارہ کے ان کے ہاتھ میں کچھ نہیں آتا۔ پس واقعات پر اعتبار نہ کرنا چاہئے عالم شہادت میں جو کچھ حاصل ہو جائے اس کو اپنا سمجھنا چاہئے۔ بیت

چو غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم نہ شہم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم
ترجمہ: بیاں سورج کا کرتا ہوں کہ ہوں میں بس غلام اس کا
نہیں بندہ میں شب کا تاکروں خوابوں کا کچھ چرچا

یہی وجہ ہے کہ مشائخ نقشبندیہ قدس سرہم واقعات کا اعتبار نہیں کرتے اور طالبوں کے واقعات کی تعبیر کی طرف توجہ نہیں کرتے کہ اس میں کچھ فائدہ نہیں۔ معتبر وہی ہے جو افاقہ اور بیداری میں حاصل ہو۔ اسی واسطے دوام شہود کا اعتبار کرتے ہیں اور دائمی حضور کو اعلیٰ دولت سمجھتے ہیں۔ وہ حضور جس کے پیچھے غیبت ہو ان بزرگواروں کے نزدیک معتبر نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نسیان ماسوا ان کے حق میں دائمی ہے اور کسی وقت بھی ان کے دل پر غیر کا گزر نہیں ہوتا۔ ہاں جس شخص کی ہدایت میں نہایت مندرج ہو۔ اس سے ان کمالات کا ظہور بعید اور عجیب نہیں ہے۔ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَ اِسْرَافَنَا فِيْ اَمْرِنَا وَ ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَ انْصُرْنَا عَلٰی الْقَوْمِ الْكَافِرِيْنَ۔ یارب ہمارے گناہوں کو اور کاموں میں ہماری زیادتی کو بخش اور ہمارے قدموں کو ثابت رکھ اور کافروں پر ہمیں مدد دے۔ والسلام

مکتوب ۵۹

اس بیان میں کہ معقول و مشہود و موہوم و مکشوف سب ماسوا میں داخل ہیں پیر زادہ خواجہ عبداللہ سلمہ اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا ہے:-
اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ اللہ تعالیٰ کیلئے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔

صحیفہ شریف جو اس قرۃ العین (آنکھوں کی ٹھنڈک) نے لکھا تھا۔ پہنچا۔ اس میں لکھا تھا کہ حق تعالیٰ کے کرم سے وہ شعبدے برطرف ہو گئے ہیں اور اس مقولہ سے کچھ نہیں رہا ارادہ اس بات پر لگا ہوا ہے کہ اثبات سے کوئی چیز ہاتھ نہ آئے معقول و موہوم سب لا کے نیچے داخل ہے۔ وغیرہ وغیرہ اور یہ بھی لکھا تھا کہ یہ بات تکلف سے حاصل ہے امید ہے کہ بے تکلف بھی نصیب ہوگی۔

اے نجات و شرافت کے نشان والے معقول اور موہوم بلکہ مشہود و مکشوف خواہ آفاقی ہو خواہ انفسی سب دائرۃ ماسوا میں داخل ہیں اور محض کھیل کود اور شعبدہ بازی کی گرفتاری ہے اس گرفتاری کا زوال اگر تکلف کے ساتھ ہے۔ تو طریقہ میں داخل ہے اور علم الیقین کی قسم سے ہے اور اگر یہ دولت بے تکلف میسر ہو جائے اور نفی کے تکلف سے ماسوا کے انتفاء تک پہنچ جائے تو طریقت کی تنگی سے آزاد ہو جائیگا اور علم کے کوچہ سے نکل جائیگا اور فنا کے ساتھ مشرف ہو جائیگا یہ بات کہنے میں آسان ہے مگر حاصل کرنے اور وہاں تک پہنچنے میں دشوار ہے۔ اِلَّا مَنْ یَسْرُوْہُ اللّٰہُ تَعَالٰی۔ مگر جس کے لئے اللہ

تعالیٰ آسان کرے۔

وہ کاروبار جو حقیقت سے تعلق رکھتا ہے آگے ہے اور نفی بلکہ انتقاء سے گزر کر آگے مقام اثبات ہے اور علم کے آگے عین ہے۔

جاننا چاہئے کہ حقیقت کے مقابلہ میں طریقت کسی گنتی میں نہیں اور نفی کا اثبات کے مقابلہ میں کچھ اعتبار نہیں۔ کیونکہ نفی کا متعلق ممکنات ہیں اور اثبات کا متعلق واجب تعالیٰ۔ نفی اثبات کے مقابلہ میں ایسی ہے جیسے قطرہ دریا کے مقابلہ میں۔ اس نفی و اثبات کے حاصل ہونے سے ولایت خاصہ تک پہنچ جاتے ہیں اور ولایت خاصہ کے حاصل ہونے کے بعد یا عروج ہے یا نزول۔ اگرچہ اس عروج کیلئے بھی خاصہ کے حاصل ہونے کے بعد یا عروج ہے یا نزول۔ اگرچہ اس عروج کے لئے بھی نزول لازم ہے۔

رَبَّنَا آتِنَا نُورَنَا وَاعْفِرْ لَنَا إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔ "یا اللہ تو ہمارے نور کو تمام کر اور ہم کو بخش۔ تو ہر شے پر قادر ہے۔"

وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَ عَلَىٰ سَائِرِ مَنْ اتَّبَعَ الْهُدَىٰ وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفَىٰ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ
وَالسَّلَامُ۔ سلام ہو آپ پر اور ان لوگوں پر جنہوں نے ہدایت اختیار کی اور حضرت محمد ﷺ کی متابعت کو لازم پکڑا۔

مکتوب ۶۰

اس بیان میں کہ فضولیات سے عنان پھیر کر ضروریات دین میں مشغول ہونا

چاہئے۔ محمد تقی کی طرف اس کے خط کے جواب میں لکھا ہے:

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَ سَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ۔ اللہ تعالیٰ کیلئے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ

بندوں پر سلام ہو۔

آپ کے صحیفہ شریفہ کے مطالعہ سے مشرف ہوا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت کی حقیقت میں جو صدر اول یعنی خیر القرون کے معتبر اجماع سے ثابت ہے اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی افضلیت کے بارہ میں جو ان کی خلافت کی ترتیب پر مترتب ہے اور حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب کی لڑائی جھگڑوں میں خاموشی اختیار کرنے کے باب میں جو دلائل آپ نے لکھے ہیں۔ ان کو پڑھ کر بہت ہی خوشی ہوئی بحث امامت میں یہی اعتقاد کافی ہے اور اہل سنت و جماعت شکر اللہ سعیم کے موافق ہے۔

اے شفقت کے نشان والے مخدوم۔ امامت کی بحث دین کے فروغ میں سے ہے نہ شریعت کے اصول سے۔ ضروریات دینی اور ہیں جو اعتقاد و عمل کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں جن کا متکفل علم کلام اور

علم فقہ ہے۔ ضروریات کو چھوڑ کر فضولیات میں مشغول ہونا اپنی عمر کو بیہودہ باتوں میں صرف کرنا ہے اور اعراض کی علامت میں آیا ہے کہ عَلَامَةُ اغْوَا ضِهِ تَعَالٰی مِنَ الْعَبْدِ اِسْتِغَالَهُ بِمَا لَا يَنْبَغِيْهِ بِنْدِهِ کہ بیہودہ باتوں میں مشغول ہونا بندہ کی طرف سے حق تعالیٰ کے منہ پھیرنے کی علامت ہے۔

اگر امامت کی بحث دین کی ضروریات اور شریعت کے اصول سے ہوتی جیسے کہ شیعہ نے گمان کیا ہے تو چاہئے تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب مجید میں استخلاف کا تعین فرما کر خلیفہ کی تشخیص فرماتا اور حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی کسی ایک کی خلافت کا امر فرما جاتے اور تنصیص اور تصریح کے طور پر ایک کو خلیفہ کرتے جب کتاب و سنت میں اس امر کا اہتمام مفہوم نہیں ہوتا۔ تو معلوم ہوا کہ امامت کی بحث دین کے فضول سے ہے نہ کہ دین کے اصول سے۔ وہ شخص فضول ہی ہو گا جو اس قسم کی فضول باتوں میں مشغول ہو گا۔ دین کی ضروریات اس قدر درپیش ہیں کہ فضول تک نوبت ہی نہیں پہنچتی۔

اول اس اعتقاد کا درست کرنا ضروری ہے۔ جو حق تعالیٰ کی ذات و صفات و افعال سے تعلق رکھتا ہے اور پھر اعتقاد کرنا چاہئے کہ جو کچھ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام حق تعالیٰ کی طرف سے لائے ہیں اور ضرورت و تواتر کے طور پر دین سے معلوم ہوا ہے یعنی حشر و نشر و آخرت کا دائمی عذاب و ثواب اور سب سنی سنائی باتیں حق ہیں۔ ان میں خلاف کا احتمال نہیں۔ اگر یہ اعتقاد نہ ہو گا نجات بھی نہ ہو گی۔

دوسرے احکام فقہیہ یعنی فرض و واجب و سنت و مستحب وغیرہ کا بجالانا ضروری ہے۔ شرعی حل و حرمت کو اچھی طرح مد نظر رکھنا چاہئے اور حد و شرعی میں بڑی احتیاط کرنی چاہئے تاکہ آخرت کے عذاب سے نجات و فلاح حاصل ہو سکے۔ جب یہ اعتقاد و عمل درست ہو جائیں پھر طریق صوفیاء کی نوبت آتی ہے اور کمالات و ولایت کے امیدوار ہو جاتے ہیں۔ امامت کی بحث ضروریات دین کے مقابلہ میں کالمطروح فی الطريق یعنی راستہ میں پھینکے ہوئے کوڑے کرکٹ کی طرح ہے۔ چونکہ مخالفوں نے اس بارہ میں بواغلو و مبالغہ کیا ہوا ہے اور حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب پر زبان طعن و راز کی ہے اس لئے ان کے رد میں طول طویل مقدمات لکھے جاتے ہیں کیونکہ دین متین سے فساد کو رفع کرنا بھی دین کی ضروریات سے ہے۔ والسلام

مکتوب ۶۱

مولانا احمد برکی مرحوم کی ماتم پر سی میں اور یاروں کو نصیحت کرنے اور مولانا حسن کو

ان کا سر حلقہ بنانے کے بیان میں بعض دوستوں کی طرف صادر فرمایا ہے:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ و دعوات کے بعد عرض کرتا ہے اور مغفرت پناہ مولانا احمد علیہ الرحمۃ کی ماتم

پر سی بجالاتا ہے۔ مولانا کا وجود شریف اس وقت کے مسلمانوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی آیات میں سے ایک آیت اور اس کی رحمتوں میں سے ایک رحمت تھا۔ اَللّٰهُمَّ لَا تُحَرِّمْنَا اَجْرَهُ وَلَا تَفْتِنَا بَعْدَهُ (یا اللہ تو اس کے اجر سے ہم کو محروم نہ کر اور اس کے بعد ہم کو فتنہ میں نہ ڈال)۔

اس کے بعد دوستوں اور یاروں سے التجا ہے کہ گزشتہ لوگوں کی امداد و اعانت کریں اور مولانا مرحوم کے فرزندوں اور متعلقین کی خدمت اور دلجوئی محبوں اور مخلصوں پر لازم ہے۔

خاص کر اس امر میں بہت کوشش کریں کہ مولانا مرحوم کے فرزندوں کو پڑھائیں اور علوم شرعیہ سے آراستہ کریں اور مولانا مرحوم کے احسان کا بدلہ ان کے بیٹوں پر احسان کر کے ادا کریں۔ هَلْ جَزَاءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانِ احسان کا بدلہ احسان ہی ہے۔

مولانا مرحوم کے اوضاع و اطوار اور احوال و مقامات کو مد نظر رکھیں اور طریقہ ذکر اور حلقہ مشغولی میں کسی قسم کا قصور واقع نہ ہو اور سب یار جمع ہو کر بیٹھیں اور ایک دوسرے میں فانی ہوں تاکہ صحبت کا اثر ظاہر ہو۔

اس فقیر نے اس سے پہلے اتفاق کے طور پر لکھا تھا کہ اگر مولانا سفر اختیار کریں تو ان کو چاہئے کہ شیخ حسن کو اپنی جگہ پر مقرر کریں شاید یہی سفر مراد ہو گا اب بھی جو بار بار ملاحظہ کرتا ہوں تو شیخ حسن کو اس امر پر متعین اور مقرر پاتا ہوں یہ بات کسی کو ناگوار معلوم نہ ہو کیونکہ ہمارا اور تمہارا اختیار نہیں۔ بہر صورت انقیاد اور فرمانبرداری لازم ہے۔ شیخ حسن کا طریق مولانا کے طریق کے ساتھ زیادہ مناسبت رکھتا ہے اور مولانا نے آخر میں جو نسبت اس طرف سے حاصل کی تھی شیخ حسن سے نسبت میں شریک ہے اور دوسرے یار اس مطلب سے بے بہرہ ہیں۔ اگرچہ کشف و شہود حاصل کر لیں اور توحید و اتحاد سے متحد ہو جائیں لیکن یہ دولت اور ہے اور یہ کاروبار الگ ہے۔ کشف کو یہاں جو کے برابر بھی نہیں لیتے اور اس توحید و اتحاد سے پناہ مانگتے ہیں۔

غرض یاروں کو لازم ہے کہ شیخ کی تقدیم میں توقف نہ کریں اور اس کو سر حلقہ بنا کر اپنے کام میں مشغول ہو جائیں برادر م خواجہ اولیں یہ بات یاروں کو سمجھا کر حلقہ مشغولی کی طرف رہنمائی کرے اور شیخ حسن ترغیب و تربیت فرمائے۔ حسن کو بھی چاہئے کہ پیر بھائیوں کے دل کی محافظت کرے اور برادری کے حقوق بجالائے اور فقہ کی کتابوں کا مطالعہ نہ چھوڑے۔ احکام شریعت کو پھیلانے اور سنت سنیہ کی متابعت کی ترغیب دے اور بدعت سے ڈرائے اور ہٹائے اور ہمیشہ التجا و تضرع و زاری کرتا رہے ایسا نہ ہو کہ نفس امارہ دوستوں پر پیشوائی اور ریاست حاصل ہونے کے باعث ہلاکت میں ڈال دے اور خراب و اتر کر دے۔ ہر وقت اپنے آپ کو قاصر و ناقص جان کر کمال کا طالب رہے نفس و شیطان

دو بڑے زبردست دشمن گھات میں لگے رہتے ہیں ایسا نہ ہو کہ راستہ سے بہکادیں اور محروم و ناامید کر دیں۔ بیت

ہمہ اندرز من بتو این است کہ تو طفلی و خانہ رنگین است
ترجمہ بیت: نصیحت میری تجھ سے ہے بس یہی
کہ رنگین ہے گھر تو ابھی طفل ہی

ہندوستان تم سے دور ہے دو سال میں ایک قافلہ آتا ہے اور خبر لاتا ہے اور لے جاتا ہے احوال کو لکھتے رہا کرو اگر تم نہیں پہنچ سکتے تو حال لکھنے میں غفلت نہ کرنی چاہئے۔ میاں شیخ یوسف ہمارے نزدیک ہے مدت تک یہاں رہا اور اس نے بہت سے فائدے حاصل کئے اور حقیقت فنا پر اطلاع پالی۔ اب واپس آنے کا وعدہ کر کے گھر کو گیا ہے۔ مستعد اور صادق الاخلاص آدمی ہے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْمُؤَفَّقُ (اللہ تعالیٰ توفیق دینے والا ہے) چونکہ تم دور ہو۔ اس لئے نصیحت میں مبالغہ کیا جاتا ہے اور ریاست کو اپنی بلاء جان کر ڈرتے اور کانپتے رہو۔ ایسا نہ ہو کہ اس ریاست میں لذت پیدا ہو جائے اور ہلاکت ابدی اور دائمی موت تک لیجائے۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِي أَمْرِنَا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ۔
سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔ یا اللہ تو ہمارے گناہوں اور فضول کارگزاریوں کو معاف کر اور ہم کو ثابت قدم رکھ اور کافروں پر ہم کو غلبہ دے تیرا رب پاک ہے اس وصف سے جو لوگ کرتے ہیں برتر ہے اور مرسلوں پر سلام ہو اور اللہ رب العالمین کیلئے حمد ہے۔

مکتوب ۶۲

اس بیان میں کہ انسان مدنی الطبع پیدا کیا گیا ہے اور تمدن اور گزراہ میں اپنے بنی نوع کا محتاج ہے اور اسی احتیاج میں انسان کی خوبی ہے۔ خانخاناں کی طرف صادر فرمایا ہے:-
الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ سَلَامٌ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَى۔ اللہ تعالیٰ کیلئے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔

فقیر دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ظاہری باطنی ترقیاں عطا فرمائے کیونکہ آپ کی خیریت و بہتری میں عام مسلمانوں کی جمعیت اور آرام ہے اور آپ کے لئے دعا کرنا گویا تمام مسلمانوں کے لئے دعا کرنا ہے۔ سَلَامُكُمْ اللّٰهُ تَعَالٰی عَمَّا لَا يَلِيقُ بِجَنَابِكُمْ بِحُرْمَةِ سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ عَلَيْهِ وَ عَلَىٰ آلِهِ مِنَ الصَّلَاةِ أَفْضَلُهَا وَ مِنَ التَّسْلِيمَاتِ أَكْمَلُهَا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ان باتوں سے جو آپ کی جناب کے

لائق نہیں سلامت رکھے۔ بحر مت سید المرسلین ﷺ۔

فقیر کو چونکہ معلوم ہے کہ آپ کی محبت و ارادت و اخلاص کی نسبت سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے بزرگواروں کے ساتھ کامل اور پورے طور پر ہے۔ اس لئے تکلیف دیتا ہے۔

میرے مخدوم و مکرم۔ اس سلسلہ عالیہ کے لوگ اس ملک میں بہت غریب ہیں اور اس ملک کے رہنے والوں کو بدعتوں کے پھیلنے کے باعث ان بزرگواروں کے طریقہ کے ساتھ جس میں سنت کا التزام ہے۔ بہت کم مناسبت ہے۔ یہی سبب ہے کہ اس سلسلہ والے لوگوں میں سے بعض نے قصور نظر کے باعث اس طریقہ عالیہ میں بھی بدعتیں جاری کی ہیں اور اس عمل کو اپنے خیال میں اس طریقہ عالیہ کی تکمیل گمان کرتے ہیں۔ حاشا دکلا۔ بلکہ یہ لوگ اس طریقہ کے خراب و برباد کرنے میں کوشش کر رہے ہیں۔ ان کو اس طریقہ کا اصل معاملہ معلوم ہی نہیں۔ هَذَاهُمْ۔ اللَّهُ مُبْحَاثُهُ إِلَى سَوَاءِ الصِّرَاطِ۔ اللہ تعالیٰ ان کو سیدھے راستہ کی ہدایت دے۔

چونکہ اس ملک میں اس سلسلہ عالیہ کے لوگ عزیز الوجود اور کمیاب ہیں۔ اس لئے اس سلسلہ کے مریدوں اور محبوبوں پر واجب ہے کہ اس سلسلہ کے بزرگوں اور طالبوں کی امداد و اعانت کریں جو کچھ آدمی مدنی الطبع پیدا کیا گیا ہے اور تمدن اور بود و باش میں اپنے بنی نوع کا محتاج ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللَّهُ وَ مَنْ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ (اے نبی ﷺ تجھے اللہ اور تابعدار مومن کافی ہیں) جب حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ضروری امور کی کفایت میں مومنوں کو دخل دیا گیا ہو تو پھر اوروں کی ضروریات میں کیا مضائقہ ہے۔ اکثر اس زمانہ کے دولت مند لوگ درویشی اس بات کو جانتے ہیں کہ کوئی حاجت نہ ہو۔ ہر گز ہر گز ایسا نہیں ہے۔ احتیاج انسان کیا تمام ممکنات کا ذاتی خاصہ ہے اور اسی احتیاج میں انسان کی خوبی ہے اور ذلت و بندگی اسی احتیاج سے پیدا ہوتی ہے کیونکہ اگر بالفرض انسان سے احتیاج زائل ہو جائے اور استغنا پیدا ہو جائے۔ تو سوائے طغیان و سرکشی اور عصیان و نافرمانی کے اس سے کچھ صادر نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهِۦٓ اَكْفَرٌۭ اَنْۢ يَّرٰٓهُۙ اَسْتَغْنٰی۔ انسان جب اپنے آپ میں استغنا پاتا ہے تو نافرمانی کرتا ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ وہ فقر و مملکت کی گرفتاری سے آزاد ہیں اپنے اسباب کی احتیاج کو مسبب الاسباب کے حوالہ کرتے ہیں اور عام پھیلی ہوئی دولت کو اس کی نعمتوں کے دستر خوانوں سے جانتے ہیں اور معطیٰ (دینے والا) اور مانع (نہ دینے والا) در حقیقت حق تعالیٰ ہی کو تصور کرتے ہیں لیکن چونکہ حکمتوں اور مصلحتوں کے لئے اسباب کو پیدا کیا گیا ہے اور خوبی اور برائی اسباب ہی کی طرف منسوب کی گئی ہے اس لئے یہ بزرگوار بھی شکر و شکایت کو اسباب کی طرف راجع کرتے ہیں اور نیک و بد کو بظاہر انہی سے

جانتے ہیں کیونکہ اگر اسباب کو دخل نہ دیں تو کارخانہ عظیم باطل ہو جاتا ہے رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا
مُسْبِحًاكَ۔ یارب تو نے یہ سب کچھ باطل نہیں بنایا تو پاک ہے۔

سیادت پناہ حقائق و معارف آگاہ برادر عزیز میر محمد نعمان کا وجود شریف ان اطراف میں غنیمت
ہے ان کی دعا و توجہ اکسیر کا کام دیتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ آپ کی دولت کا قوام و قیام انہی کے فیض اور
توجہ کی برکت سے ہے۔ میں حضور و غیبت میں ان کو آپ کا مدد و معاون پاتا ہوں۔ ایک سال سے زیادہ
عرصہ گزرا ہے کہ انہوں نے آپ کی خوبیاں غائبانہ اس فقیر کی طرف لکھی تھیں اور آپ کا محبت و
اخلاص جو فقراء کے ساتھ ہے وہ بھی لکھا تھا اور ظاہر کیا تھا کہ یہاں کی صوبہ داری کسی اور کے حوالہ کی
ہے اب توجہ اور دیکھری کا وقت ہے۔

فقیر کو اس خط کے مطالعہ کے وقت توجہ حاصل ہوئی اور آپ کو اس وقت رفیع القدر اور بلند مرتبہ
معلوم کیا۔ ظاہر اسی وقت ایک شخص جانے والا تھا۔ اس کے جواب میں یہ عبارت لکھنی تھی کہ خانخاناں
رفیع القدر نظر آتا ہے۔ وَالْأَمْرُ عِنْدَ اللَّهِ مُبَحَّانَةٌ سب کام اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہیں۔ والسلام

مکتوب ۶۳

ایک استفسار کے جواب میں جس میں پوچھا گیا تھا کہ اپنے پیر کے زندہ اور موجود
ہونے کے باوجود اگر کوئی طالب دوسرے شخص کے پاس جا کر حق تعالیٰ کی طلب کرے تو
جائز ہے یا نہیں۔ نور محمد انبالوی کی طرف صادر فرمایا ہے:-

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد گزارش ہے کہ آپ کا خط و مراسلہ پہنچا۔ جس میں آپ نے
لکھا تھا کہ اپنے پیر کے زندہ اور موجود ہونے کے باوجود اگر کوئی طالب دوسرے شیخ کے پاس جائے اور
طلب حق کرے تو جائز ہے یا نہیں۔

جاننا چاہئے کہ مقصود حق تعالیٰ ہے اور پیر حق تعالیٰ کی جناب تک پہنچنے کا وسیلہ ہے۔ اگر طالب
رشید اپنے آپ کو کسی اور شیخ کے پاس لیجائے اور اس کی صحبت میں اپنے دل کو جمع پائے تو جائز ہے کہ پیر
کی زندگی میں پیر کے اذن کے بغیر طالب اس شیخ کے پاس جائے اور اس سے رشد و ہدایت طلب کرے
لیکن چاہئے کہ پیر اول کا انکار نہ کرے اور نیکی کے ساتھ اس کو یاد رکھے۔ خاص کر اس وقت کی پیری
مریدی جو محض رسم و عادات کے طور پر ہے جب اس وقت کے پیروں کو اپنی خبر نہیں اور کفر و ایمان کا پتہ
نہیں تو پھر خدا تعالیٰ کی کیا خبر بتلائیں گے اور مریدوں کو کونسا راستہ دکھلائیں گے۔ بیت

اگر از خود یمن چون نیست جنین کے خبر دارد از چنناں و چنن

ترجمہ بیت: جنین کو جب کہ خبر اپنی کچھ بھی نہیں

کیا بتائے گا پھر وہ چناں و چنیں

ایسے مرید پر ہزار افسوس ہے کہ اس طرح کے پیر پر اعتقاد کر کے بیٹھ رہے اور دوسرے کی طرف رجوع نہ کرے اور خدا تعالیٰ کا راستہ تلاش نہ کرے۔ یہ شیطانی خطرات ہیں جو پیر ناقص کی زندگی کے باعث طالب کو حق تعالیٰ سے ہٹا رکھتے ہیں۔ جہاں دل کی جمعیت اور ہدایت ہو بے توقف ادھر رجوع کرنا چاہئے اور شیطانی وسوسہ سے پناہ مانگنی چاہئے۔

مکتوب ۶۴

اس بیان میں کہ احوال کے تغیر و تبدل اور دنیا کمینی کی امیدوں کے حاصل نہ ہونے سے دل تنگ نہ ہونا چاہئے۔ محمد مومن ولد علی جان مرحوم کی طرف صادر فرمایا ہے:-

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

سَلَمْتُكُمْ اللّٰهُ تَعَالٰی عَمَّا لَا یَلِیْقُ بِجَنَابِكُمْ۔ (اللہ تعالیٰ آپ کو ان باتوں سے سلامت رکھے جو آپ کی جناب کے لائق نہیں ہیں) الدُّنْیَا سَجْنُ الْمُؤْمِنِ دُنْیَا مومن کا قید خانہ ہے اور قید خانہ کے مناسب حال درد و اندوہ و مصیبت و رنج ہوتا ہے۔ احوال کے تغیر و تبدل سے دل تنگ اور امیدوں کے حاصل نہ ہونے سے دلگیر نہ ہونا چاہئے۔ فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا۔ (کیونکہ تنگی کے ساتھ فراخی ہے) ایک تنگی کے ساتھ دو فراخی کو ملا دیا ہے۔ شاید اس سے دنیا اور آخرت کی فراخی مراد ہو۔ ع

با کریمیاں کار ہا دشوار نیست

ترجمہ ع کریموں پر نہیں مشکل کوئی کام

باقی احوال کو سیادت مآب توفیق آثار میر سید عبدالباقی روبرو بیان کر دیئے میر صاحب موصوف آپ کی شفقتوں اور حقوق کو مد نظر رکھ کر آپ کی ملاقات گرامی کیلئے حاضر ہوتے ہیں۔ وَالسَّلَام۔

مکتوب ۶۵

بیہودہ کاموں سے بچنے کے بارہ میں مولانا محمد ہاشم خادم کی طرف صادر فرمایا ہے:-

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

حمد و صلوٰۃ اور دعا کے بعد واضح ہو کہ آپ نے اتنی مدت سے اپنے باطنی احوال کی پختہ خبر کوئی نہیں لکھی۔ تاکہ خوشی کا باعث ہوتی۔ دنیا و مافیہا بیفائدہ اور بیہودہ امور ہیں۔ اس لائق نہیں ہیں کہ انسان آخرت کے احوال کا تذکرہ چھوڑ کر اپنے بیہودہ کاروباروں میں مشغول رہے۔ اگرچہ آپ کی نیت

نیک ہوگی۔ مگر آپ نے سنا ہی ہوگا کہ حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَيِّئَاتُ الْمُقَرَّبِينَ (ابرار کی نیکیاں مقربوں کے گناہ ہیں) بہر صورت اپنے احوال کی طرف متوجہ ہونا چاہئے اور طفیلی کو ضروری نہ جاننا چاہئے۔
الْضَّرُورَةُ تُقَدَّرُ بِقَدْرِهَا۔ (ضرورت بقدر ضرورت ہونی چاہئے)۔

اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا احسان ہے کہ یہاں کے فقراء اگرچہ رزق فراخ نہیں رکھتے۔ لیکن سعی و کوشش کے بغیر فراغت و وسعت سے گزارہ کر رہے ہیں۔ قدر کفاف یعنی کفایت سے زیادہ رزق پہنچ رہا ہے۔ ہر روز نئی روزی آ جاتی ہے اس طرف کے باقی احوال حمد کے لائق ہیں۔ پچھلے چند مہینوں میں پھر و باکا غلبہ ہو گیا تھا۔ جس جس کی اجل آپکی تھی۔ مر گئے اب و بادور ہو گئی ہے ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر اس کا شکر اور احسان ہے۔ وَالسَّلَامُ۔

مکتوب ۶۶

توبہ و انابت و ورع و تقویٰ کے بیان میں خانخاناں کی طرف صادر فرمایا ہے:-

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اللّٰهُ تَعَالٰی کیلئے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ

بندوں پر سلام ہو۔

چونکہ تمام عمر معصیت اور لغزش اور تقصیر اور بیہودہ کارروائیوں میں گزر گئی ہے اس لئے مناسب ہے کہ توبہ و انابت کی نسبت کلام کی جائے اور ورع و تقویٰ کا بیان کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ تَوْبُوا اِلَى اللّٰهِ جَمِیْعًا اِنَّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ اے مومنو سب کے سب اللہ کی طرف توبہ کرو۔ تاکہ تم نجات پا جاؤ۔

اور فرماتا ہے۔ یٰۤاَيُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تَوْبُوْا اِلَی اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا - عَسٰی رَبُّكُمْ اَنْ یُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَیِّئَاتِكُمْ وَیُدْخِلَکُمْ جَنَّتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ اے ایمان والو۔ اللہ تعالیٰ کی طرف خالص توبہ کرو۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری برائیوں کو دور کر کے تمہیں ان جنتوں میں داخل کرے گا۔ جن میں نہریں بہتی ہیں۔

اور فرماتا ہے۔ وَذَرُوا ظٰهَرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَہٗ ظاہری اور باطنی گناہوں کو چھوڑ دو۔ گناہوں سے توبہ کرنا ہر شخص کیلئے واجب اور فرض عین ہے۔ کوئی بشر اس سے مستغنی نہیں ہو سکتا۔ جب انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام توبہ سے مستغنی نہیں ہیں۔ تو پھر اوروں کا کیا ذکر ہے۔ حضرت سید المرسلین خاتم الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔ اِنَّهُ لَیْغَانُ (۱) عَلٰی قَلْبِیْ وَاِنِّیْ لَاَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ

فِي الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ سَبْعِينَ مَرَّةً۔ میرے دل پر پردہ آجاتا ہے۔ اس لئے رات دن میں ستر بار اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگتا ہوں۔

پس اگر گناہ اس قسم کے ہیں کہ جن کا تعلق اللہ تعالیٰ کے حقوق کے ساتھ ہے جیسے کہ زنا اور شراب کا پینا اور سرود اور لماہی کا سننا اور غیر محرم کی طرف بنظر شہوت دیکھنا اور بغیر وضو کے قرآن مجید کو ہاتھ لگانا اور بدعت پر اعتقاد رکھنا وغیرہ وغیرہ۔ تو ان کی توبہ ندامت اور استغفار اور حسرت و افسوس اور بارگاہ الہی میں عذر خواہی کرنے سے ہے اور اگر گناہ اس قسم کے ہیں جو بندوں کے مظالم اور حقوق سے تعلق رکھتے ہیں تو ان سے توبہ کا طریق یہ ہے کہ بندوں کے حقوق اور مظالم ادا کئے جائیں اور ان سے معافی مانگیں اور ان پر احسان کریں اور ان کے حق میں دعا کریں اور اگر مال و اسباب والا شخص مر گیا ہو تو اس کیلئے استغفار کریں اور اس کا مال اس کے وارثوں اور اولاد کو دیدیں اور اگر اس کا وارث معلوم نہ ہو تو مال و جنایت کے برابر صاحب مال اور اس شخص کی نیت کر کے جس کو ناحق ایذا دی ہو فقراء و مساکین پر صدقہ و خیرات کر دیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جو صادق ہیں سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔ مَا مِنْ عَبْدٍ أَذْنَبَ ذَنْبًا فَقَامَ قَنَوصًا وَصَلَّى وَاسْتَغْفَرَ اللَّهَ مِنْ ذَنْبِهِ إِلَّا كَانَ حَقًّا عَلَى اللَّهِ أَنْ يَغْفِرَ لَهُ (جب کسی بندہ سے گناہ سرزد ہو تو وضو کرے اور نماز پڑھے اور اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہ کی بخشش چاہے تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کے گناہ کو بخش دیتا ہے)۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَمَنْ يَعْمَلْ سُوءًا أَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهُ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللَّهَ يَجِدِ اللَّهَ غَفُورًا رَحِيمًا (جو شخص برائی کرے یا اپنی جان پر ظلم کرے پھر اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگے تو اللہ تعالیٰ کو غفور و رحیم پائے گا)۔

رسول اللہ ﷺ نے ایک اور حدیث میں فرمایا ہے۔ مَنْ أَذْنَبَ ثُمَّ نَدِمَ عَلَيْهِ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَهُ جو شخص گناہ کر کے نادم ہوا۔ تو یہ ندامت اس کے گناہ کا کفارہ ہے۔

اور حدیث میں ہے۔ إِنَّ الرَّجُلَ إِذَا قَالَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ ثُمَّ عَادَ ثُمَّ قَالَهَا ثُمَّ عَادَ ذَلِكَ مَرَّاتٍ كُتِبَ فِي الرَّابِعَةِ مِنَ الْكِتَابِ۔ کہ جب آدمی نے کہا میں بخشش مانگتا ہوں اور تیری طرف رجوع کرتا ہوں پھر اس نے گناہ کیا پھر اسی طرح کہا پھر گناہ کیا تین بار چوتھی بار کبیرہ گناہ لکھا جائے گا۔

ایک اور حدیث میں رسول خدا ﷺ نے فرمایا ہے۔ هَلَكَ (1) الْمُسُوفُونَ آج کل کرنے والے

ہلاک ہو گئے۔

لقمان حکیم نے اپنے بیٹے کو نصیحت کے طور پر فرمایا کہ اے بیٹا توبہ میں کل تک تاخیر نہ کر۔ کیونکہ موت ناگاہ آ جاتی ہے۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص صبح شام توبہ نہ کرے وہ ظالم ہے۔ عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حرام کے ایک پیسے کا پھیر دینا سو پیسوں کے صدقہ کرنے سے افضل ہے۔ بعض بزرگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ ایک رتی چاندی کا پھیر دینا اللہ تعالیٰ کے نزدیک چھ سو حج قبول سے افضل ہے۔ رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِنْ لَمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ يَا اللَّهُ ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اگر تو نے ہم پر بخشش اور رحمت نہ کی تو ہم زیاں کار ہو گئے۔

نبی ﷺ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ عَبْدِي أَدِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَيْكَ تَكُنْ مِنَ الْعَبْدِ النَّاسِ وَإِنَّهُ عَمَّا نَهَيْتُكَ عَنْهُ تَكُنْ مِنْ أَوْرَعِ النَّاسِ وَاقْنَعْ بِمَا رَزَقْنَاكَ تَكُنْ أَغْنَى النَّاسِ میرے بندے جو کچھ میں نے تجھ پر فرض کیا ہے ادا کر۔ تو سب لوگوں میں سے زیادہ عابد ہو جائیگا اور جن باتوں سے میں نے تجھے منع کیا ہے ہٹ جا تو سب سے پرہیزگار ہو جائیگا اور جو کچھ میں نے تجھے رزق دیا ہے۔ اس پر قناعت کر تو سب سے غنی بن جائیگا۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ کُنْ وَرِعًا تَكُنْ أَعْبَدَ النَّاسِ تو پرہیزگار بن، تمام لوگوں سے زیادہ عابد بن جائیگا۔

حضرت حسن بھری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مشقال ورع ہزار مشقال نماز روزہ سے بہتر ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قیامت کو پرہیزگار اور زاہد اللہ تعالیٰ کے ہم نشین ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کی طرف وحی کی کہ میرا تقرب حاصل کرنے کیلئے جتنا ورع (پرہیزگاری) کام دیتا ہے۔ ویسے کوئی اور شے نہیں۔

بعض علماء ربانی فرماتے ہیں کہ جب تک انسان ان دس چیزوں کو اپنے اوپر فرض نہ کر لے تب تک کامل ورع حاصل نہیں ہوتی۔

(۱) زبان کو غیبت سے بچائے، (۲) بدظنی سے بچے، (۳) مسخرہ پن یعنی ہنسی ٹھنھے سے پرہیز کرے، (۴) حرام سے آنکھ بند رکھے، (۵) سچ بولے، (۶) ہر حال میں اللہ تعالیٰ ہی کا احسان جانے، تاکہ اس کا نفس مغرور نہ ہو، (۷) اپنا مال راہ حق میں خرچ کرے اور راہ باطل میں خرچ کرنے سے بچے، (۸) اپنے نفس کیلئے بلندی اور بڑائی طلب نہ کرے، (۹) نماز کی محافظت کرے، (۱۰) سنت و جماعت پر

استقامت اختیار کرے۔

رَبَّنَا اَنْجِمْنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّكَ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ "یا اللہ تو ہمارے لئے نور کو کامل کر اور ہم کو بخش تو تمام باتوں پر قادر ہے۔

اے میرے مخدوم و مکرم اور اے شفقت و مکرمت کے نشان والے۔ اگر تمام گناہوں سے توبہ میسر ہو جائے اور تمام محرمات اور مشتبہات سے ورع و تقویٰ حاصل ہو جائے تو بڑی اعلیٰ دولت اور نعمت ہے۔ ورنہ بعض گناہوں سے توبہ کرنا اور بعض محرمات سے بچنا بھی غنیمت ہے۔ شائد ان بعض کی برکات و انوار بعض دوسروں میں بھی اثر کر جائیں اور تمام گناہوں سے توبہ و ورع کی توفیق نصیب ہو جائے۔ مَا لَا يُدْرِكُ كَلْمَهُ لَا يُتْرَكُ كَلْمُهُ جو چیز ساری حاصل نہ ہو اس کو بالکل ہی ترک نہ کرنا چاہئے۔

اَللّٰهُمَّ وَفَّقْنَا لِمَرْضَاتِكَ وَثَبَّتْنَا عَلٰی دِيْنِكَ وَعَلٰی طَاعَتِكَ بِصَدَقَةِ سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَقَانِدِ الْغَرِّ الْمُحْجَلِيْنَ عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمْ وَعَلٰی اِلْ كُلِّ مِّنَ الصَّلٰوٰتِ اَفْضَلُهَا وَمِنَ التَّسْلِيْمٰتِ اَكْمَلُهَا يَا اللّٰهُ تو ہم کو اپنی رضامندی کی توفیق دے اور اپنے دین اور طاعت پر ثابت رکھ۔ بحر مہ سید المرسلین ﷺ۔

مکتوب ۶۷

اہل سنت و جماعت کے عقائد اور اسلام کے پانچ ارکان اور اس امر پر ترغیب دینے کے بیان میں کہ کلمہ حق یعنی کلمہ اسلام کو بادشاہ وقت کے کانوں تک پہنچادیں۔ خان جہاں کی طرف صادر فرمایا ہے:-

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰی اللّٰهُ تَعَالٰی کیلئے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ

بندوں پر سلام ہو۔

آپ کا صحیفہ شریفہ جواز روئے کرم و التفات کے فقراء نامراد کے نام پر لکھا تھا، پہنچا۔ اللہ تعالیٰ کی حمد ہے کہ اس شبہ و اشتباہ سے بھرے ہوئے زمانہ میں سعادت مند غنی اپنے حسن خلق کے باعث باوجود بے مناسبتی کے فقراء دور از کار کے ساتھ عجز و نیاز سے پیش آتے ہیں اور اس طائفہ کے ساتھ ایمان و تصدیق رکھتے ہیں یہ کس قدر اعلیٰ دولت ہے کہ مختلف تعلقات اس دولت کے مانع نہ ہوں اور پرانگندہ توجہات ان کی محبت سے ہٹانے رکھیں۔ اس نعمت عظمیٰ کا شکر بجالانا چاہئے اور امیدوار رہنا چاہئے کہ الْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ (آدمی اسی کے ساتھ ہو گا جس کے ساتھ اس کی محبت ہوگی) حدیث نبوی ﷺ ہے۔

اے سعادت و نجات کے نشان والے، آدمی کیلئے ضروری ہے کہ اپنے عقائد کو فرقہ ناجیہ اہل سنت و جماعت (جو سواد اعظم اور جم غفیر ہیں یعنی بڑا بھاری گروہ ہیں) کے عقائد کے موافق درست

کرے تاکہ آخرت کی نجات اور خلاصی متصور ہو سکے۔ جب اعتقاد یعنی بد اعتقادی جو اہل سنت و جماعت کے مخالف ہے۔ زہر قاتل ہے جو دائمی موت اور ہمیشہ کے عذاب و عتاب تک پہنچا دیتی ہے۔ عمل کی سستی اور غفلت پر مغفرت کی امید ہے لیکن اعتقادی سستی میں مغفرت کی گنجائش نہیں۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ (اللہ تعالیٰ شرک کو نہیں بخشتا اور شرک کے سوا اور سب کچھ بخش دیتا ہے جس کیلئے چاہتا ہے)۔

اہل سنت و جماعت کے معتقدات مختصر طور پر بیان کئے جاتے ہیں۔ ان کے موافق اپنے اعتقاد کو درست کر لیں اور بڑی عاجزی اور زاری سے بارگاہ الہی میں دعا مانگنی چاہئے کہ اس دولت پر استقامت عطا فرمائے۔

واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدیم ذات کے ساتھ موجود ہے اور تمام اشیاء اسی کی ایجاد سے موجود ہوئی ہیں اور اسی کے پیدا کرنے سے عدم سے وجود میں آئی ہیں۔ حق تعالیٰ قدیم و ازلی ہے اور تمام اشیاء حادث اور نوپدید ہیں اور جو قدیم و ازلی ہے وہ باقی ابدی ہے اور جو حادث اور نوپدید ہے وہ فانی اور نیست و نابود ہے اور زائل ہونے والا ہے۔

حق تعالیٰ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ نہ وجوب وجود میں اور نہ عبادت کے استحقاق میں، وجوب وجود اس کے سوا کسی اور کیلئے مناسب نہیں اور اس کے سوا عبادت کا مستحق کوئی نہیں۔

حق تعالیٰ کی صفات کاملہ ہیں۔ جن میں سے حیات و علم و قدرت و ارادت و سمع و بصر و کلام و تکوین ہیں جو قدم و ازلیت کے ساتھ متصف ہیں اور حق تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہیں۔ حوادث کا تعلق صفات کے قدم میں خلل نہیں ڈالتا اور متعلق کا حدوث ان کے ازلیت کا مانع نہیں ہوتا فلاسفہ اپنی بیوقوفی کے باعث اور معتزلہ نابینائی کے سبب متعلق کے حدوث سے متعلق کے حدوث کے قائل ہیں اور صفات کاملہ کی نفی کرتے ہیں اور حق تعالیٰ کو جزئیات کا عالم نہیں جانتے۔ جس سے تغیر لازم آتا ہے۔ جو حدوث کا نشان ہے یہ نہیں جانتے کہ صفات ازلی ہیں اور صفات کے وہ تعلقات جو اپنے حادث متعلقات کے ساتھ ہیں حادث ہیں۔

تمام ناقص صفات حق تعالیٰ کی بارگاہ سے مسلوب ہیں۔ حق تعالیٰ جو اہر و اجسام و اعراض کے صفات و لوازم سے منزہ و مبرہ ہے اس کی درگاہ میں مکان و زمان و جہت کی گنجائش نہیں۔ یہ سب اسی کے مخلوق ہیں اور یہ بھی مناسب نہیں کہ حق تعالیٰ کو عرش کے اوپر جانیں اور فوق کی طرف ثابت کریں۔ کیونکہ عرش اور اس کے ماسوا سب کچھ حادث اور اسی کا پیدا کیا ہوا ہے۔ مخلوق و حادث کی کیا مجال ہے کہ خالق قدیم کا مکان اور جائے قرار بن سکے۔ البتہ اس قدر ہے کہ عرش اس کی تمام مخلوقات سے اشرف

ہے اور تمام ممکنات سے بڑھ کر اس میں صفا و نورانیت ہے۔ اس لئے آئینہ بننے کا حکم رکھتا ہے جس سے حق تعالیٰ کی عظمت و کبریا کا ظہور ظاہر ہوتا ہے۔ اس ظہور کے علاقہ کے باعث اس کو عرش الہی کہتے ہیں۔ ورنہ عرش وغیرہ سب اشیاء اس کی مخلوق ہونے میں برابر ہیں لیکن عرش میں ظہور کی قابلیت ہے جو دوسروں میں نہیں۔ آئینہ جو شخص کی صورت کو ظاہر کرتا ہے نہیں کہہ سکتے کہ وہ شخص آئینہ میں ہے بلکہ شخص کی نسبت آئینے اور تمام اشیاء متقابلہ کے ساتھ برابر ہے۔ تفاوت قابل کی طرف سے ہے آئینہ صورت شخص کو قبول کرتا ہے اور دوسروں میں قابلیت نہیں۔

حق تعالیٰ نہ جسم ہے نہ جسمانی نہ جوہر نہ عرض نہ محد و نہ متناہی نہ طویل نہ عریض نہ دراز نہ کوتاہ نہ فراخ نہ تنگ ہے۔ بلکہ واسع ہے نہ اس وسعت کے ساتھ جو ہمارے فہم میں آسکے اور محیط ہے نہ اس احاطہ سے جو ہمارے ادراک میں آسکے اور قریب ہے نہ اس قرب سے جو ہماری عقل میں آسکے اور وہ ہمارے ساتھ ہے نہ اس معیت سے جو مشہور و معروف ہے ہم ایمان لاتے ہیں کہ حق تعالیٰ واسع اور محیط اور قریب اور ہمارے ساتھ ہے لیکن ان صفات کی کیفیت ہم نہیں جانتے کہ کیا ہے اور جو کچھ ہم جانتے ہیں، جانتے ہیں کہ مذہب مجسمہ میں قدم رکھتا ہے۔

حق تعالیٰ کسی چیز کے ساتھ متحد نہیں ہوتا اور نہ کوئی چیز اس کے ساتھ متحد ہوتی ہے اور نہ کوئی چیز اس میں حلول کرتی ہے نہ وہ کسی شے میں حلول کرتا ہے۔ تبعض و تجزی یعنی بعض بعض اور جز جز ہونا اس کی بارگاہ میں محال ہے اور ترکیب و تحلیل اس کی جناب سے دور ہے۔

حق تعالیٰ کا کوئی مثل اور برابر نہیں، نہ اس کی عورت ہے نہ کوئی بیٹا، حق تعالیٰ کی ذات و صفات بچوں و بچگون اور بے شبہ و بے مانند ہیں۔ اس قدر ہم جانتے ہیں کہ حق تعالیٰ ہے اور اپنی صفات کاملہ کے ساتھ جن سے اس نے اپنی تعریف کی ہے۔ متصف ہے لیکن جو کچھ ہمارے فہم و ادراک و عقل و تصور میں آسکے حق تعالیٰ اس سے منزہ اور برتر ہے۔

دور بیناں بارگاہ الست جزویریں پے نبردہ اند کہ ہست

ترجمہ: بارگاہ الست کے دانا کچھ نہیں جانتے ہیں ہست سوا

یا۔ بارگاہ الست کے محرم ہست سے آگے لے گئے نہ قدم

جاننا چاہئے کہ حق تعالیٰ کے اسم توفیقی ہیں یعنی صاحب شرع سے سننے پر موقوف ہیں۔ شرع میں حق تعالیٰ کی ذات پر جس اسم کا اطلاق آیا ہے۔ اس اسم کا اطلاق کرنا جائز ہے اور جس اسم کا نہیں آیا اس کا اطلاق نہیں کرنا چاہئے اگرچہ اس اسم میں کمال کے معنی پائے جاتے ہوں۔ مثلاً جواد کا اطلاق کرنا چاہئے کہ اس اسم کا اطلاق شرع میں آیا ہے اور نخی نہیں کہنا چاہئے کیونکہ اس اسم کا اطلاق شرع میں نہیں آیا۔

قرآن۔ حق تعالیٰ کا کلام ہے جس کو حرف اور آواز کا لباس دے کر ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل فرمایا ہے اور بندوں کو اس کے ساتھ امر و نہی کا حکم کیا ہے جس طرح ہم اپنے نفسی کلام کو کام و زبان کے ذریعے حرف و آواز کے لباس میں لا کر ظاہر کرتے ہیں اور اپنے پوشیدہ مقصدوں اور مطلوبوں کو عرصہ ظہور میں لاتے ہیں۔ اسی طرح حق تعالیٰ نے اپنے نفسی کلام کو کام و زبان کے وسیلہ کے بغیر اپنی قدرت کاملہ سے حرف و آواز کا لباس عطا فرما کر اپنے بندوں پر بھیجا ہے اور اپنے پوشیدہ امر و نواہی کو حرف و آواز کے ضمن میں لا کر ظہور کے میدان میں جلوہ گر کیا ہے۔ پس کلام کی دونوں قسمیں یعنی نفسی اور لفظی حق تعالیٰ کے کلام ہیں اور دونوں قسموں پر کلام کا اطلاق کرنا حقیقت کے طور پر ہے جس طرح کہ ہمارے کلام کی دونوں قسمیں نفسی اور لفظی حقیقت کے طور پر ہمارے کلام ہیں نہ یہ کہ قسم اول حقیقت ہے اور دوسری مجاز۔ کیونکہ مجاز کی نفی جائز ہے کلام لفظی کی نفی کرنا اور اس کو کلام خدا نہ کہنا کفر ہے۔ اسی طرح دوسری کتابیں اور صحیفے جو گزشتہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر نازل فرمائے۔ سب حق تعالیٰ کے کلام ہیں اور جو کچھ قرآن اور ان کتابوں اور صحیفوں میں درج ہے۔ سب حق تعالیٰ کے احکام ہیں جن کے ساتھ اپنے بندوں کو وقت کے موافق تکلیف فرمائی ہے۔

مومنوں کا حق تعالیٰ کو بہشت میں بے جہت و بے مقابلہ و بے کیفیت و بے احاطہ دیکھنا حق ہے۔ اس آخرت کی رویت اور دیدار پر ہمارا ایمان ہے اور اس کی کیفیت ہم نہیں جانتے کیونکہ حق تعالیٰ کی رویت پتھون ہے اور اس جہان میں اس کی حقیقت ارباب چون پر ظاہر نہیں ہوتی۔ اس پر ایمان لانے کے سوا ان کے نصیب اور کچھ نہیں۔ فلاسفہ اور معتزلہ اور تمام بدعتی گروہوں پر افسوس ہے جو حرمان اور کوری سے دیدار آخرت کا انکار کرتے ہیں اور غائب کا قیاس حاضر پر کرتے ہیں اور اس پر ایمان لانے کی دولت سے بھی مشرف نہیں ہوتے۔

حق تعالیٰ جس طرح بندوں کا خالق ہے اسی طرح ان کے افعال کا بھی خالق ہے۔ وہ افعال خیر ہوں یا شر سب اسی کی تقدیر سے ہیں لیکن خیر سے راضی ہے اور شر سے راضی نہیں اگرچہ دونوں اسی کے ارادہ اور مشیت سے ہیں لیکن جاننا چاہئے کہ صرف تنہا شر کو اب کے باعث حق تعالیٰ کی طرف منسوب نہ کرنا چاہئے اور خالق شر نہ کہنا چاہئے بلکہ خالق خیر و شر کہنا مناسب ہے۔ اسی طرح علماء نے کہا ہے کہ حق تعالیٰ کو خالق کلّ شئیء کہنا چاہئے۔ خَالِقُ الْقَادُورَاتِ وَالْخَنَازِرِ نہ کہنا چاہئے کہ اس میں حق تعالیٰ کی پاک جناب کی بے ادبی ہے۔ معتزلہ فَنَوَيْتُ یعنی دوئی اور بیگانگی کے باعث بندہ کو افعال کا خالق جانتے ہیں اور فعل کے خیر و شر کو بندہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ شرع و عقل ان کی تکذیب کرتی ہے۔ ہاں علماء حق نے بندہ کی قدرت کو اس کے فعل میں داخل کیا ہے اور اس کا کسب بندہ میں ثابت

کیا ہے۔ کیونکہ حرکت مرتعش یعنی بے اختیاری حرکت اور حرکت مختار میں فرق واضح ہے۔ حرکت ارتعاش یعنی بے اختیاری حرکت میں بندہ کی قدرت اور کسب کا کچھ دخل نہیں اور حرکت اختیاری میں دخل ہے۔ اسی قدر فرق مواخذہ کا باعث ہو جاتا ہے اور ثواب و عقاب کو ثابت کرتا ہے اکثر لوگ بندہ کی قدرت و اختیار میں تردد رکھتے ہیں اور بندہ کو بیچارہ اور عاجز جانتے ہیں۔ انہوں نے علماء کی مراد کو نہیں سمجھا۔ بندہ میں قدرت و اختیار کا ثابت کرنا اس معنی کے لحاظ سے نہیں ہے کہ جو بندہ جو کچھ چاہے کر لے اور جو نہ چاہے نہ کرے یہ بات بندگی سے دور ہے۔ بلکہ اس معنی کے اعتبار سے ہے کہ بندہ جس بات کے ساتھ مکلف ہے اس سے عہدہ برآ ہو سکتا ہے۔ مثلاً نماز پنج وقتی ادا کر سکتا ہے۔ چالیسواں حصہ زکوٰۃ دے سکتا ہے اور بارہ مہینوں میں سے ایک مہینہ روزہ رکھ سکتا ہے اور اپنی عمر میں خرچ و سواری کے ہوتے ایک بار حج کر سکتا ہے۔ اسی طرح باقی احکام شرعی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے کمال مہربانی سے بندہ کی ضعف و ناپاقتی کو دیکھ کر سہولت و آسانی کو مد نظر رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ **يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ** (اللہ تعالیٰ تم پر آسانی چاہتا ہے اور تنگی نہیں چاہتا) اور فرماتا ہے **يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُخَفِّفَ عَنْكُمْ** وَخُلِقَ الْإِنْسَانُ ضَعِيفًا (اللہ تعالیٰ تم پر تخفیف کرنا چاہتا ہے اور انسان ضعیف پیدا کیا گیا ہے) انسان ضعیف شہوات سے صبر نہیں کر سکتا اور سخت تکلیف کو برداشت نہیں کر سکتا۔

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام حق تعالیٰ کے بھیجے ہوئے ہیں۔ تاکہ خلق کو حق تعالیٰ کی طرف بلائیں اور گمراہی سے سیدھے راستے پر چلائیں جو شخص ان کی دعوت کو قبول کر لے اس کیلئے جنت کی خوشخبری ہے اور جو کوئی انکار کرے اس کیلئے دوزخ کے عذاب کی وعید ہے اور جو کچھ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے حق تعالیٰ کی طرف سے پہنچایا اور بتلایا ہے سب سچ اور برحق ہے اس میں کسی قسم کا خلاف نہیں۔

تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے خاتم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں اور آپ کا دین تمام گزشتہ دینوں کا ناخ ہے اور آپ کی کتاب تمام گزشتہ کتابوں سے بہتر ہے آپ کی شریعت منسوخ نہ ہوگی۔ بلکہ قیامت تک باقی رہے گی۔ حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نزول فرما کر آپ کی شریعت پر عمل کریں گے اور آپ کے امتی ہو کر رہیں گے۔

جو کچھ رسول اللہ ﷺ نے آخرت کے احوال کی نسبت خبر دی ہے سب حق اور سچ ہے۔ یعنی قبر کا عذاب اور اس کی تنگی۔ منکر نکیر کا سوال، جہان کا فنا ہونا، آسمانوں کا پھٹ جانا، ستاروں کا پراگندہ ہونا، زمین و پہاڑوں کا ریزہ ریزہ ہونا اور مرنے کے بعد جی اٹھنا، روح کا جسم میں واپس ڈالنا، قیامت کا زلزلہ اور خوف، عملوں کے حساب کئے ہوئے اعمال پر اعضا کی شہادت، نیک و بد اعمال نامہ کا دائیں بائیں ہاتھ میں اڑ کر آنا اور برے بھلے اعمال کے تولنے کیلئے میزان کا رکھنا اور اس کے ذریعے برائیوں کو بھلائیوں کی کمی

بیشی معلوم کرنا، اگر نیکیوں کا پلہ بھاری ہو تو نجات کی علامت ہے اور اگر ہلکا ہو تو خسارہ کا نشان ہے۔ اس میزان کا بھاری یا ہلکا ہونا دنیا کی میزان کے بھاری ہلکا ہونے کے برخلاف ہے۔ وہاں جو پلہ اوپر کو جائیگا وہ بھاری ہوگا اور جو نیچے ہوگا خفیف اور ہلکا ہوگا سب کچھ سچ اور راست ہے۔

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام و صالحین کی شفاعت حق ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے اذن سے اول پیغمبر گناہگار مومنوں کی شفاعت کریں گے، پھر صالحین، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔ شَفَاعَتِيْ لِأَهْلِ الْكُفْرِ مِنْ أُمَّتِيْ (میری شفاعت میری امت میں سے کبیرہ گناہ کرنے والوں کیلئے ہوگی)۔

پل صراط حق ہے۔ اس کو دوزخ کی پشت پر رکھیں گے۔ مومن اس پل کو عبور کر کے بہشت میں جائیں گے اور کافر پھسل پھسل کر دوزخ میں گر سکیں گے۔

بہشت جو مومنوں کے آرام کیلئے ہے اور دوزخ جو کافروں کے عذاب کیلئے تیار کیا گیا ہے۔ دونوں مخلوق ہیں اور ہمیشہ باقی رہیں گے، فانی نہ ہونگے، حساب و کتاب کے بعد جب مومن بہشت میں جائیں گے وہاں ہمیشہ کیلئے آرام سے رہیں گے اور کبھی باہر نہ نکالے جائیں گے ایسے ہی جب کافر دوزخ میں جائیں گے تو ہمیشہ تک عذاب میں رہیں گے اور ان کے عذاب میں کبھی تخفیف نہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ (نہ ان کا عذاب ہلکا ہوگا۔ نہ ان کو مہلت ملے گی)۔

جس کے دل میں ذرہ ایمان ہوگا۔ اس کو دوزخ سے نکال لیں گے۔ یعنی گناہوں کی زیادتی کے باعث اس کو دوزخ میں ڈالیں گے اور گناہوں کے موافق عذاب دے کر دوزخ سے اس کو نکال لیں گے اور اس کے ایمان کی برکت سے کفار کی طرح اس کے منہ کو سیاہ نہ کریں گے اور طوق و زنجیر اس کو نہ ڈالیں گے۔

فرشتے خدا تعالیٰ کے مکرّم بندے ہیں۔ حق تعالیٰ کے امر کی نافرمانی ان کے حق میں جائز نہیں۔ جس کا ان کو حکم ہے اس کو بجالاتے ہیں۔ عورت مرد ہونے سے پاک ہیں۔ توالد و تناسل ان کے حق میں مفقود ہے۔ یعنی ان کو حق تعالیٰ نے رسالت کے لئے برگزیدہ کیا ہے اور وحی کی تبلیغ سے مشرف فرمایا ہے۔ پیغمبروں کی کتابوں اور صحیفوں کے پہنچانے والے یہی ہیں۔ جو خطا و خلل سے محفوظ ہیں اور دشمن کے مکر و فریب سے معصوم۔ جو کچھ انہوں نے حق تعالیٰ کی طرف سے پہنچایا ہے۔ سب صدق و صواب ہے۔ اس میں کسی قسم کا احتمال و اشعباہ نہیں۔ یہ بزرگوار حق تعالیٰ کی عظمت و جلال سے ڈرتے اور اس کے امر بجالانے کے سوا کچھ کام نہیں کرتے۔

ایمان تصدیق قلبی اور اقرار زبانی ہے۔ ان احکام کے ساتھ جو دین سے تواتر و ضرورت کے ساتھ جمل و مفصل طور پر ہم تک پہنچے ہیں۔ اعضا کے اعمال نفس ایمان سے خارج ہیں۔ لیکن ایمان میں کمال

کو بڑھاتے اور خوبی کو پیدا کرتے ہیں۔

امام اعظم کو فی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ کہ ایمان کم و بیش نہیں ہوتا۔ کیونکہ تصدیق قلبی قلب کے یقین اور مان لینے سے حاصل ہوتی ہے۔ جس میں کمی و زیادتی کی گنجائش نہیں۔ جس چیز میں تفاوت پایا جائے۔ دائرہ ظن و وہم میں داخل ہے۔ ایمان میں کمی بیشی باعتبار طاعات و حسنات کے ہے۔ جس قدر طاعت زیادہ ہوگی۔ اسی قدر ایمان زیادہ کامل ہوگا۔ پس عام مومنوں کا ایمان انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ایمان جیسا نہ ہوگا۔ کیونکہ وہ ایمان طاعات کے باعث کمال کے بلند درجہ تک پہنچا ہوا ہوتا ہے۔ جہاں تک عام مومنوں کا ایمان نہیں پہنچ سکتا۔ اگرچہ یہ دونوں ایمان نفس ایمان میں مشترک ہیں۔ لیکن اس ایمان نے طاعات کی قوت کے باعث اور ہی حقیقت پیدا کر لی ہے گویا دوسروں کا ایمان اس ایمان کا فرد نہیں اور ان کے درمیان کوئی مماثلت اور مشارکت نہیں۔ عام انسان اگرچہ نفس انسانیت میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ شریک ہیں لیکن انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اعلیٰ کمالات نے ان کو درجہ بلند تک پہنچایا ہے اور ایک الگ حقیقت ثابت کر لی ہے۔ گویا حقیقت مشترکہ سے عالی و برتر ہیں۔ بلکہ انسان یہی ہیں اور عوام لوگ نسناس یعنی بن مانس کا حکم رکھتے ہیں۔ امام اعظم علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ اَنَا مُؤْمِنٌ حَقًّا میں تحقیق مومن ہوں اور امام شافعی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ اَنَا مُؤْمِنٌ اِنْشَاءً اللہ تعالیٰ (میں مومن ہوں انشاء اللہ تعالیٰ) ہر ایک کے لئے الگ الگ وجہ ہے۔ ایمان حال کے اعتبار سے کہہ سکتے ہیں کہ اَنَا مُؤْمِنٌ حَقًّا اور باعتبار خاتمہ اور انجام کے اَنَا مُؤْمِنٌ اِنْشَاءً اللہ تعالیٰ لیکن بہر صورت استثناء سے پرہیز کرنا بہتر ہے۔ یعنی اَنَا مُؤْمِنٌ اِنْشَاءً اللہ نہ کہنا چاہئے۔

مومن گناہ کرنے سے اگرچہ کبیرہ ہوں۔ ایمان سے خارج نہیں ہوتا اور دائرہ کفر میں داخل نہیں ہوتا۔ منقول ہے کہ ایک دن امام اعظم علیہ الرحمۃ علماء کی ایک جماعت کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ کہ ایک شخص نے آکر پوچھا۔ کہ اس مومن فاسق کے لئے کیا حکم ہے۔ جو اپنے باپ کو ناحق مار ڈالے اور اس کے سر کو تن سے جدا کر کے اس کے کاسہ سر میں شراب ڈال کر پئے اور شراب پی کر اپنی ماں کے ساتھ زنا کر لے۔ آیا مومن ہے یا کافر۔ ہر ایک عالم اس مسئلہ میں غلطی پر رہا اور دور تک معاملہ کو لے گیا۔

امام اعظم علیہ الرحمۃ نے اس اثنا میں فرمایا کہ وہ مومن ہے۔ اس قدر گناہ کبیرہ کرنے کے باوجود سے اس کا ایمان دور نہیں ہوا۔ امام اعظم کی یہ بات علماء کو بہت ناگوار گزری اور ان کے حق میں طعن و تشنیع کی زبان دراز کی۔ آخر جب امام علیہ الرحمۃ کی بات برحق تھی۔ سب نے مان لی۔ اگر مومن عاصی کو غرغہ یعنی وقت نزع سے پہلے توبہ کی توفیق حاصل ہو جائے تو نجات کی بڑی امید ہے۔ کیونکہ اس

وقت تک توبہ کے قبول ہونے کا وعدہ ہے اور اگر توبہ و انابت سے مشرف نہ ہوا تو اس کا معاملہ خدا تعالیٰ کے حوالہ ہے۔ چاہے معاف کرے اور بہشت میں بھیج دے۔ خواہ گناہ کے موافق عذاب کرے اور دوزخ میں ڈالے۔ لیکن آخر کار اس کے لئے نجات ہے اور اس کا انجام بہشت ہے۔ کیونکہ آخرت میں رحمت خداوندی سے محروم ہونا کافروں کے ساتھ مخصوص ہے اور جو کوئی ذرہ بھر ایمان رکھتا ہے۔ رحمت کا امیدوار ہے۔ اگر گناہ کے باعث ابتدا میں رحمت نہ پہنچے۔ تو انتہا میں اللہ تعالیٰ کی عنایت سے میسر ہو جائے گی۔ رَبَّنَا لَا تُرِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ (یا اللہ توبہ دیت دے کر ہمارے دلوں کی ٹیڑھانہ کر اور اپنے پاس سے ہم پر رحمت نازل فرما۔ تو بڑا بخشنے والا ہے)

خلافت و امامت کی بحث اہل سنت و جماعت کے نزدیک اگرچہ دین کے اصول میں سے نہیں ہے اور نہ ہی اعتقاد کے ساتھ کچھ تعلق رکھتی ہے۔ لیکن چونکہ شیعہ نے اس بارہ میں بڑی زیادتی اور افراط و تفریط کی ہے۔ اس لئے علماء حق نے اس بحث کو علم کلام سے متعلق کیا ہے اور حقیقت حال کو بیان فرمایا ہے۔

حضرت خاتم الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد امام برحق اور خلیفہ مطلق حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ۔ ان کے بعد حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ۔ بعد ازاں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کی فضیلت ان کی خلافت کی ترتیب پر ہے۔

حضرات شیخین رضی اللہ عنہ کی افضلیت صحابہ و تابعین کے اجماع سے ثابت ہو چکی ہے۔ چنانچہ اس کو ائمہ بزرگوار ان کی ایک بڑی جماعت نے نقل کیا ہے۔ جن میں سے ایک امام شافعی علیہ الرحمۃ ہیں۔ شیخ ابوالحسن اشعری جو اہل سنت کا رئیس ہے۔ فرماتا ہے کہ شیخین کی افضلیت باقی امت پر قطعی ہے۔ سوائے جاہل یا متعصب کے اس کا کوئی انکار نہیں کرتا۔ حضرت امیر کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں۔ کہ جو کوئی مجھ کو حضرت ابو بکر اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر فضیلت دے۔ وہ مفتری ہے۔ میں اس کو اسی طرح کوڑا گاؤں گا۔ جس طرح مفتری کو لگاتے ہیں۔

حضرت عبدالقادر گیلانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب غنیۃ الطالبین میں فرماتے ہیں اور ایک حدیث نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے عروج واقع ہوا۔ میں نے اپنے رب سے سوال کیا کہ میرے بعد میرا خلیفہ علی ہو۔ فرشتوں نے کہا کہ اے محمد ﷺ جو کچھ خدا چاہے وہی ہو گا۔ تیرے بعد خلیفہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے۔

نیز حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ غنیۃ الطالبین میں فرماتے ہیں۔ کہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ پیغمبر خدا ﷺ دنیا سے باہر نہیں گئے۔ جب تک میرے ساتھ یہ عہد نہ کر لیا کہ میرے مرنے کے بعد ابو بکر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوگا۔ بعد ازاں عمر رضی اللہ عنہ بعد ازاں عثمان رضی اللہ عنہ اور بعد ازاں تو خلیفہ ہوگا۔

حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں۔

علماء اہل سنت و جماعت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو علم و اجتہاد میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پر فضیلت دیتے ہیں۔ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بتول کہتے ہیں۔ جو انقطاع میں مبالغہ کا صیغہ ہے اور حضرت شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہ کتاب غنیۃ الطالبین میں حضرت فاطمہ کو مقدم سمجھتے ہیں۔ لیکن جو کچھ فقیر کا اعتقاد ہے وہ یہ ہے۔ کہ حضرت عائشہ علم و اجتہاد میں پیش قدم ہیں اور حضرت فاطمہ زہرا و انقطاع میں بڑھ کر ہیں۔ اسی واسطے حضرت فاطمہ کو بتول کہتے تھے۔ جو انقطاع میں صیغہ مبالغہ ہے اور حضرت عائشہ اصحاب کے فتاوے کا مرجع تھیں۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب کرام کو جو مشکل علم میں پیش آتی تھی۔ حضرت عائشہ کی خدمت میں اس کا حل طلب کرتے تھے۔

وہ لڑائی جھگڑے جو اصحاب کرام کے درمیان واقع ہوئے ہیں۔ جیسے کہ جہل اور صفین کی لڑائی جھگڑا۔ ان کو نیک وجہ پر محمول کرنا چاہئے اور ہوا و تعصب سے دور سمجھنا چاہئے۔ کیونکہ ان بزرگواروں کے نفوس حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت میں ہوا و ہوس سے پاک اور حرص و کینہ سے صاف ہو چکے تھے۔ اگر ان میں صلح تھی۔ تو حق کے لئے تھی اور اگر لڑائی جھگڑا تھا تو حق کے لئے تھا۔ ہر ایک گروہ نے اپنے اپنے اجتہاد کے موافق عمل کیا ہے اور مخالف کو رنج و تعصب کے بغیر اپنے سے دفع کیا ہے۔ جو اپنے اجتہاد میں مصیب ہے۔ اس کو دور درجہ بلکہ ایک قول کے موافق دس درجہ کا ثواب ہے اور جو غلطی ہے۔ ایک درجہ ثواب کا اس کو بھی حاصل ہے۔ پس غلطی مصیب کی طرح ملامت سے دور ہے بلکہ درجات ثواب میں سے ایک درجہ ثواب کی امید رکھتا ہے۔ علماء نے فرمایا ہے۔ کہ ان لڑائیوں میں حق بجانب حضرت امیر رضی اللہ عنہ تھے اور مخالفوں کا اجتہاد صواب سے دور تھا۔ مگر طعن کے لائق نہیں ہیں اور ملامت کی کوئی گنجائش نہیں۔ چہ جائے کہ ان کو فسق یا کفر کی طرف منسوب کیا جائے۔ حضرت امیر کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں۔ کہ ہمارے بھائیوں نے ہم پر بغاوت کی۔ یہ نہ کافر ہیں نہ فاسق۔ کیونکہ ان کے نزدیک تاویل ہے۔ جو کفر و فسق سے منع کرتی ہے۔

حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے اِیُّاْکُمْ وَمَا شَجَرَ بَیْنَ اَصْحَابِیْ (جو اختلاف میرے اصحاب کے درمیان ہوا ہے تم اس سے بچو) پس پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تمام اصحاب کو

بزرگ جاننا چاہئے اور سب کو نیکی سے یاد کرنا چاہئے اور ان میں سے کسی کے حق میں بدگمان نہ ہونا چاہئے اور ان کے لڑائی جھگڑوں کو دوسروں کی صلح سے بہتر جاننا چاہئے۔ فلاح و نجات کا طریق یہی ہے۔ کیونکہ اصحاب کرام کی دوستی پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دوستی کے باعث ہے۔ کوئی بزرگ فرماتا ہے۔ مَا آمَنَ بِرَسُولِ اللَّهِ مِنْ لَمْ يُؤَقِرْ أَصْحَابَهُ (اس شخص کا رسول اللہ ﷺ پر ایمان ہی نہیں۔ جس نے آپ کے اصحاب کی عزت نہ کی)

قیامت کی علامتیں جن کی نسبت مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خبر دی ہے سب حق ہیں۔ ان میں کسی قسم کا خلاف نہیں۔ یعنی آفتاب عادت کے برخلاف مغرب کی طرف سے طلوع کریگا۔ حضرت مہدی علیہ الرضوان ظاہر ہونگے اور حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نزول فرمائیں گے، دجال نکل آئیگا اور یاجوج ماجوج ظاہر ہونگے۔ دلبہ الارض نکلے گا اور دھواں جو آسمان سے پیدا ہو گا اور تمام لوگوں کو گھیر لے گا اور دردناک عذاب دیگا اور لوگ بے قرار ہو کر کہیں گے اے ہمارے پروردگار۔ اس عذاب سے ہم کو دور کر، ہم ایمان لائے اور اخیر کی علامت وہ آگ ہے جو عدن سے نکلے گی۔ بعض نادان گمان کرتے ہیں کہ جس شخص نے اہل ہند میں سے مہدی ہونے کا دعویٰ کیا تھا وہی مہدی موعود ہوا ہے پس ان کے گمان میں مہدی گزر چکا ہے اور فوت ہو گیا ہے اور اس کی قبر کا پتا دیتے ہیں کہ فرامیں ہے۔ احادیث صحیحہ جو حد شہرت بلکہ حد تو اترا تک پہنچ چکی ہیں۔ ان لوگوں کی تکذیب کرتی ہیں۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ نے جو علامتیں حضرت مہدی رضی اللہ عنہ کیلئے فرمائی ہیں۔ ان لوگوں کے معتقد شخص کے حق میں مفقود ہیں۔ احادیث نبوی میں آیا ہے کہ مہدی موعود آئیں گے ان کے سر پر ابر ہو گا، اس ابر میں ایک فرشتہ ہو گا جو پکار کر کہے گا کہ یہ شخص مہدی ہے اس کی متابعت کرو۔

نیز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ تمام زمین کے مالک چار شخص ہوئے ہیں۔ جن میں دو مومن ہیں دو کافر۔ ذوالقرنین اور سلیمان مومنوں میں سے ہیں اور نمرود و بخت نصر کافروں میں سے۔ اس زمین کا پانچواں مالک میری اہل بیت سے ایک شخص ہو گا یعنی مہدی علیہ الرضوان۔

نیز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ دنیا فنانہ ہوگی جب تک اللہ تعالیٰ میری اہل بیت میں سے ایک شخص کو مبعوث نہ فرمائیں گے۔ اس کا نام میرے نام کے موافق اور اس کے باپ کا نام میرے باپ کے نام کے موافق ہو گا۔ زمین کو جو رو ظلم کی بجائے عدل و انصاف سے پر کر دے گا۔

اور حدیث میں آیا ہے کہ اصحاب کہف حضرت مہدی کے مددگار ہونگے اور حضرت عیسیٰ ان کے زمانہ میں نزول فرمائیں گے اور دجال کے قتل کرنے میں ان کے ساتھ موافقت کریں گے اور ان کی سلطنت کے زمانہ میں زمانہ کی عادت اور نجومیوں کے حساب کے برخلاف ماہ رمضان کی چودھویں تاریخ

کو سورج گرہن اور اول ماہ میں چاند گرہن لگے گا۔ نظر انصاف سے دیکھنا چاہئے کہ یہ علامتیں اس مردہ شخص میں موجود تھیں یا نہیں اور بھی بہت سی علامتیں ہیں جو مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمائی ہیں۔ شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے مہدی منتظر کی علامات میں ایک رسالہ لکھا ہے۔ جس میں دو سو تک علامتیں لکھی ہیں۔

بڑی نادانی اور جہالت کی بات ہے کہ مہدی موعود کا حال واضح ہونے کے باوجود لوگ گمراہ ہو رہے ہیں۔ هَذَا هُمْ اللّٰهُ سُبْحَانَهُ اِلَى السَّوْءِ الصِّرَاطِ (اللہ تعالیٰ ان کو سیدھے راستے کی ہدایت دے)۔

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ بنی اسرائیل اکہتر فرقے ہو گئے تھے ایک کے سوا سب کے سب دوزخ میں ہیں اور عنقریب میری امت کے لوگ تہتر فرقے ہو جائیں گے جن میں سے ایک فرقہ ناجیہ ہے اور باقی سب دوزخ میں۔ پوچھا گیا کہ وہ فرقہ ناجیہ کونسا ہے۔ فرمایا کہ فرقہ ناجیہ وہ لوگ ہیں جو اس بات پر ہیں جس میں ہوں اور میرے اصحاب۔ اور وہ ایک فرقہ ناجیہ اہل سنت و جماعت ہیں جنہوں نے آنحضرت ﷺ اور اصحاب کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی متابعت کو لازم پکڑا ہے۔

اَللّٰهُمَّ نَبِّتْنَا عَلٰی مُعْتَقَدَاتِ اَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ وَاٰمِنَّا فِیْ زُمْرَتِهِمْ وَاَحْشُرْنَا مَعَهُمْ (یا اللہ تو ہم کو اہل سنت و جماعت کے اعتقاد پر ثابت قدم رکھ اور ان کے گروہ میں مار اور انہی کے ساتھ اٹھا) رَبَّنَا لَا تَرِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ (یا اللہ تو ہدایت دے کر پھر ہمارے دلوں کو ٹیڑھانہ کر اور اپنی بارگاہ سے ہم پر رحمت نازل فرما۔ تو بڑا بخشنے والا ہے)۔

عقائد کے درست ہونے کے بعد شرع کے اوامر کا بجالانا اور نواہی سے ہٹ جانا جو عمل سے تعلق رکھتا ہے۔ نہایت ضروری ہے۔ پنج وقتی نماز کو بلا فتور تعدیل ارکان اور جماعت کے ساتھ ادا کرنا چاہئے۔ کیونکہ کفر اور اسلام کے درمیان فرق نماز ہی کا ہے جب نماز بطریق مسنون ادا ہو جائے اسلام کی مضبوطی سی ہاتھ آ جاتی ہے کیونکہ نماز اسلام کے ہنجرگانہ اصول میں سے دوسرا اصل ہے۔ پہلا اصل خدا اور رسول پر ایمان لانا ہے، اصل دوم نماز ہے، اصل سوم زکوٰۃ کا ادا کرنا، چوتھا اصل ماہ رمضان کے روزے، پانچواں اصل بیت اللہ کا حج۔ پہلا اصل ایمان سے تعلق رکھتا ہے باقی چار اعمال سے تعلق رکھتے ہیں۔ تمام عبادتوں کی جامع اور سب سے فاضل تر نماز ہے۔ قیامت کے دن پہلے نماز کا حساب ہو گا۔ اگر نماز کا محاسبہ درست ہو گیا تو باقی محاسبے اللہ تعالیٰ کی عنایت سے آسانی سے گزر جائیں گے جہاں تک ہو سکے۔ شرعی ممنوعات سے بچنا چاہئے اور حق تعالیٰ کی نامرضیات کو زہر قاتل سمجھنا چاہئے اور اپنے قصوروں کو ہر وقت نظر میں رکھنا چاہئے اور اپنی کارگزاریوں پر نادم اور شرمندہ ہونا چاہئے اور ندامت و حسرت اٹھانی

چاہئے۔ بندگی کا طریق یہی ہے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْمَوْفِقُ (اللہ تعالیٰ توفیق دینے والا ہے) اور جو شخص بے تحاشا اپنے مولیٰ کی نامرضی اور نافرمانی کا مرتکب ہو اور اس فعل سے اس کو ذرا بھی ندامت و شرمندگی نہ ہو وہ شخص سخت سرکش ہے۔ عجب نہیں کہ یہ اصرار و سرکشی اس کو اسلام سے باہر نکال دے اور دشمنوں میں داخل کر دے۔ رَبَّنَا إِنَّا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةٌ وَهِيَ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا رَشْدًا (یا اللہ تو اپنے پاس سے ہم کو رحمت بخش اور ہمارے کاموں میں ہمیں بھلائی نصیب کر) وہ دولت جس کے ساتھ حق تعالیٰ نے آپ کو ممتاز فرمایا ہے اور لوگ اس سے غافل ہیں اور شاید آپ کو بھی یاد ہو یا نہ ہو۔ یہ ہے کہ بادشاہ وقت سات پشت سے مسلمان چلا آتا ہے اور اہل سنت و جماعت میں سے ہے اور حنفی مذہب پر ہے۔ چند سال ہوئے ہیں کہ اس زمانہ میں جو قرب قیامت اور عہد نبوت کے بعد کا زمانہ ہے۔ بعض طالب علموں نے اپنی طمع کی کم بختی سے جو باطن کی پلیدی سے پیدا ہوئی ہے امیروں اور بادشاہوں کے ساتھ تقرب حاصل کیا ہے اور خوشامد کر کے دین متین میں تشکیکات اور اعتراض کئے ہیں اور شبہ نکالے ہیں اور سادہ لوح اور بیوقوفوں کو بہکا رہے ہیں۔ جب ایسا عظیم الشان بادشاہ آپ کی باتوں کو اچھی طرح سن سکتا اور قبول کر سکتا ہے۔ تو یہ کس قدر بھاری دولت ہے۔ کہ آپ تصریح یا اشارہ کے طور پر کلمہ حق یعنی کلمہ اسلام کو جو اہل سنت و جماعت کے معتقدات کے موافق ہو۔ اس کے گوش گزار کر دیں اور جہاں تک گنجائش ہو سکے۔ اہل حق کی باتوں کو پیش کریں۔ بلکہ ہمیشہ امیدوار اور منتظر رہیں۔ کہ کوئی ایسا موقع مل جائے۔ جس میں مذہب و ملت کی نسبت گفتگو شروع ہو جائے۔ تاکہ اسلام کی حقیقت ظاہر کی جائے اور کفر و کفری کا بطلان کیا جائے۔ کفر خود ظاہر البطلان ہے۔ کوئی عقلمند اس کو پسند نہیں کرتا۔ بے تحاشا اس کے بطلان کو ظاہر کرنا چاہئے اور بلا توقف ان کے جھوٹے خداؤں کی نفی کرنی چاہئے اور معبود برحق بلا تردد و شبہ آسمان و زمین کے پیدا کرنے والے کو ثابت کرنا چاہئے۔ کیا کبھی سنا ہے۔ کہ ان کے سب باطل خداؤں نے ایک مجسم کو بھی پیدا کیا ہو۔ اگر مجسم ان کو ڈنگ مارے یا تکلیف دے۔ اپنے آپ کو بچا نہیں سکتے ہیں۔ کافر گویا اس امر کی برائی کو ملاحظہ کر کے کہتے ہیں۔ کہ یہ معبود حق تعالیٰ کے نزدیک ہمارے شفیع ہوں گے اور ہم کو خدا کے نزدیک کر دیں گے۔ ان بے عقلوں نے کہاں سے جانا ہے۔ کہ ان جمادات کو شفاعت کی مجال ہوگی اور حق تعالیٰ اپنے شریکوں کی شفاعت کو جو در حقیقت اس کے دشمن ہیں۔ اپنے دشمن بندوں کے حق میں قبول کر لے گا۔ ان کی مثال بعینہ ایسی ہے جیسے کہ باغی بادشاہ پر حملہ کریں اور چند بے وقوف ان باغیوں کی مدد کریں اس خیال فاسد سے کہ تنگ وقت میں یہ باغی بادشاہ کے نزدیک ہماری سفارش کریں گے اور ان کے ذریعے ہم پادشاہ کا تقرب حاصل کریں گے۔ یہ عجب بے وقوف ہیں۔ کہ باغیوں کی خدمت کریں اور باغیوں کی شفاعت سے بادشاہ سے معافی مانگیں

اور اس کا قرب حاصل کریں۔ یہ لوگ سلطان برحق کی کیوں نہیں خدمت کرتے اور باغیوں کو کیوں نہیں شکست دیتے۔ تاکہ اہل حق میں سے ہوں۔ یہ بے عقل لوگ پتھر کو لے کر اپنے ہاتھ سے تراشتے ہیں اور کئی سال اس کی پرستش کرتے ہیں اور اس سے بڑی بڑی امیدیں طلب کرتے ہیں۔ غرض کافروں کا دین ظاہر البطلان ہے اور مسلمانوں سے جو شخص راہ حق اور طریق مستقیم سے دور جا پڑا ہے۔ وہ اہل ہو اور بدعتی ہے اور طریق مستقیم نبی ﷺ اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا طریق ہے۔

حضرت شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہ کتاب غنیۃ الطالبین میں فرماتے ہیں۔ کہ بدعتیوں کے گروہ جن کے اصول یہ نو گروہ ہیں۔ خوارج، شیعہ، معتزلہ، مرجیہ، مشبہ، جمہیہ، ضراریہ، نجاریہ، کلابیہ آنحضرت ﷺ اور حضرت ابو بکر و عمرو عثمان و علی رضی اللہ عنہم اجمعین کی خلافت کے زمانہ میں نہ تھے۔ یہ گروہ صحابہ اور تابعین اور فقہائے سبعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے انتقال فرمانے سے کئی سال بعد پیدا ہوئے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے۔ کہ جو کوئی میرے بعد زندہ رہے گا بہت اختلاف دیکھے گا۔ پس تم میری سنت اور خلفاء راشدین کی سنت کو دانتوں کے ساتھ مضبوط پکڑے رکھنا اور نئے نئے امور سے اپنے آپ کو بچانا۔ کیونکہ ہر ایک بدعت ضلالت ہے اور جو کچھ میرے بعد پیدا ہو گا۔ وہ رد ہے اور سنت سے دور ہے۔

پس جو مذہب آنحضرت ﷺ اور خلفاء راشدین کے زمانہ کے بعد پیدا ہوا ہے۔ اعتبار اور اعتماد کے لائق نہیں۔ اس دولت عظمیٰ کا شکر بجالانا چاہئے۔ کہ کمال فضل و کرم سے ہم کو فرقہ ناجیہ یعنی اہل سنت و جماعت میں داخل فرمایا اور بدعتی اور ہوا پرست فرقوں میں سے نہ بنایا اور ان کے اعتقاد فاسد میں ہم کو مبتلا نہ کیا اور ان لوگوں میں سے نہ بنایا۔ جو بندہ کو مولا کی خاص صفات میں شریک بناتے ہیں اور بندے کو اپنے افعال کا خالق جانتے ہیں اور آخرت کے دیدار سے جو دنیا و آخرت کی سعادتوں کا سرمایہ ہے۔ انکار کرتے ہیں اور حق تعالیٰ سے صفات کاملہ کی نفی کرتے ہیں اور نیزان دو گروہوں میں سے نہ بنایا۔ جو حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب کبار کے ساتھ بغض رکھتے ہیں اور ان بزرگان دین پر بدظن ہیں اور ان کو ایک دوسرے کا دشمن تصور کرتے ہیں اور باطنی بغض و کینہ کے ساتھ تہمت لگاتے ہیں۔ حق تعالیٰ ان بزرگوں کے حق میں رَحْمَاءُ بَيْنَهُمْ (ایک دوسرے پر مہربان ہیں) فرماتا ہے اور یہ دونوں گروہ کلام حق کی تکذیب کرتے ہیں اور ان کے درمیان بغض و کینہ و عداوت ثابت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو توفیق دے تاکہ صراط مستقیم کو دیکھ لیں۔

اور اس گروہ میں سے بھی نہ بنایا جو حق تعالیٰ کے لئے جہت و مکان ثابت کرتے ہیں اور جسم و جسمانی خیال کرتے ہیں اور حدوث و امکان کے نشان واجب قدیم جل شانہ میں ثابت کرتے ہیں۔

اب ہم اصل بات کو بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں۔ کہ آپ کو معلوم ہے۔ کہ بادشاہ روح کی مانند ہے اور تمام انسان جسد یعنی جسم کی طرح۔ اگر روح درست ہے۔ تو بدن بھی درست ہے اور اگر روح بگڑ جائے۔ تو بدن بھی بگڑ جاتا ہے۔ پس بادشاہ کی بہتری میں کوشش کرنا گویا تمام بنی آدم کی اصلاح میں کوشش کرنا ہے اور بادشاہ کی اصلاح اس امر میں ہے۔ کہ بلحاظ وقت جس طرح ہو سکے۔ کلمہ اسلام کا اظہار کیا جائے کلمہ اسلام کے بعد اہل سنت و جماعت کے معتقدات بھی کبھی کبھی بادشاہ کے کانوں تک پہنچا دینے چاہئیں اور مذہب مخالف کی تردید کرنی چاہئے۔ اگر یہ دولت میسر ہو جائے تو گویا انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی وراثت عظمیٰ ہاتھ آگئی۔ آپ کو یہ دولت مفت حاصل ہے۔ اس کی قدر جانی چاہئے۔ زیادہ کیا مبالغہ کیا جائے۔ حالانکہ جس قدر زیادہ مبالغہ کیا جائے۔ اسی قدر بہتر ہے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْمُؤَفَّقُ (اللہ تعالیٰ توفیق دینے والا ہے)۔

مکتوب ۶۸

نورانی ستون اور دم دار ستارہ کے بیان میں جو مشرق کی جانب سے طلوع ہوئے تھے اور قیامت کی علامتوں کے بیان میں خواجہ شرف الدین حسین کی طرف صادر فرمایا ہے:-

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدَانَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیْ لَوْلَا اَنْ هَدَانَا اللّٰهُ لَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ (اللہ تعالیٰ کیلئے حمد ہے جس نے ہم کو ہدایت دی اور اگر وہ ہم کو ہدایت نہ دیتا تو ہم کبھی ہدایت نہ پاتے۔ بیشک ہمارے اللہ تعالیٰ کے رسول حق کے ساتھ آئے ہیں)۔

صحیفہ شریفہ جو فرزند عزیز نے مولانا ابوالحسن کے ہمراہ روانہ کیا تھا پہنچا پڑھ کر بڑی خوشی ہوئی۔ تم نے ستون کی نسبت جو مشرق کی طرف سے پیدا ہوا تھا۔ دوبارہ دریافت کیا ہے۔

سو جاننا چاہئے کہ خبر میں آیا ہے۔ کہ جب عباسی بادشاہ جو حضرت مہدی کے ظہور کے مقدمات میں سے ہے۔ خراسان میں پہنچے گا۔ مشرق کی طرف قرن و دسین (دو دہائیوں والا سینک) طلوع کرے گا۔ اس کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ ستون مذکور کے دوسرے ہوں گے۔ پہلے پہل اس وقت طلوع ہوا تھا۔ جب حضرت نوح علیہ السلام کی قوم ہلاک ہوئی تھی۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں طلوع ہوا تھا۔ جب کہ ان کو آگ میں ڈالا گیا تھا اور فرعون اور اس کی قوم کے ہلاک ہونے کے وقت بھی طلوع ہوا تھا اور حضرت یحییٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قتل کے وقت بھی ہوا تھا۔ جب اس کو دیکھیں حق تعالیٰ کی بارگاہ میں فتنوں کے شر سے پناہ مانگیں۔ یہ سفیدی جو مشرق کی طرف سے طلوع ہوئی تھی۔ اول ستون منور کی صورت میں تھی۔ بعد ازاں ٹیڑھی ہو کر سینک کی مانند ہو گئی۔ شاید اسی اعتبار سے

فرمایا ہو کہ اس سینگ کے دونوں طرف دانتوں کی طرح باریک ہو گئے تھے۔ ان دونوں طرفوں کو دوسرا اعتبار کیا ہے۔ جیسے کہ نیزہ کے دونوں طرف باریک ہوں اور ان کو دوسرا اعتبار کریں۔

برادر م شیخ محمد طاہر بدخشی جو پور سے آیا ہے اور کہتا ہے کہ اس ستون کے اوپر کی طرف دانتوں کی طرح دوسرے تھے۔ جن میں تھوڑا سا فاصلہ تھا جنگل میں اس بات کو تشخیص کیا تھا اور لوگوں نے بھی اسی طرح خبر دی ہے۔

یہ طلوع اس طلوع سے الگ ہے۔ جو حضرت امام مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آنے کے وقت پیدا ہو گا۔ کیونکہ حضرت مہدی رضی اللہ عنہ صدی کے بعد آئیں گے اور ابھی سو میں سے اٹھائیس سال گزرے ہیں۔

نیز حدیث میں حضرت امام مہدی رضی اللہ عنہ کی علامتوں میں آیا ہے کہ مشرق کی طرف سے ایک ستارہ طلوع ہو گا جس کا دم نورانی ہو گا۔ یہ ستارہ جو طلوع ہوا ہے شاید وہی ہے یا اس کی مثال ہے اور اس ستارہ کو دم دار اس واسطے کہتے ہیں کہ حکماء نے لکھا ہے کہ ثواب ستاروں کا سیر مغرب سے مشرق کی طرف ہے۔ پس اس ستارہ کا رخ اپنی سیر میں مشرق کی طرف ہے اور پیٹھ مغرب کی طرف۔ پس وہ لمبی سفیدی جو اس کے پیچھے ہے دم کے مناسب ہے اور مشرق سے جو مغرب کی طرف ہر روز بلند ہوتا جاتا ہے یہ اس کا سیر قسری ہے جو فلک اعظم کے سیر سے وابستہ ہے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ اَعْلَمُ بِحَقِیْقَةِ الْحَالِ (اللہ تعالیٰ حقیقت حال کو بخوبی جانتا ہے)

غرض امام مہدی علیہ الرضوان کے ظہور کا وقت نزدیک ہے دیکھیں صدی تک جو اس کے ظہور کا وقت ہے کیا کیا مقدمات و مبادی ظہور میں آئیں گے۔ حضرت مہدی رضی اللہ عنہ کے ظہور کے یہ مقدمات و مبادی ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اہاصات کی طرح ہیں جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نور نبوت کے ظہور سے اول ظاہر ہوئے تھے۔

چنانچہ لکھا ہے کہ جب حضرت عبد اللہ کے نطفہ نے جو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی صورت کا مادہ تھا۔ آمنہ کے رحم میں قرار پکڑا تمام روئے زمین کے بت سرنگوں ہو گئے اور تمام شیطان اپنے سے کام بند ہو گئے۔ فرشتوں نے ابلیس کے تحت کو اوندھا کر کے دریا میں ڈال دیا اور چالیس دن تک عذاب کیا اور آنحضرت ﷺ کی ولادت کی رات کو کسریٰ کے محل میں زلزلہ آگیا اور اس کے چودہ کنکرے گر گئے اور فارس کی آگ جو ہزار سال سے روشن تھی اور کبھی نہ بجھتی تھی یکدم بجھ گئی۔

جب حضرت مہدی رضی اللہ عنہ بڑے ہو جائیں گے اور ان کے سبب اسلام اور مسلمانوں کو بڑی تقویت حاصل ہوگی اور ظاہر و باطن میں ان کی ولایت کا تصرف عظیم ہوگا اور کئی طرح کے خوارق و

کرامات ان سے ظاہر ہو گئے اور عجیب و غریب نشان ان کے زمانہ میں پیدا ہو گئے تو ممکن ہے کہ ان کے وجود سے پہلے نبی ﷺ کے ارہاسات کی طرح مختلف قسم کے خرق عادات ظاہر ہوں جو ان کے ظہور کے مبادی ہوں جیسا کہ احادیث سے مفہوم ہوتا ہے۔

واضح ہو کہ حدیث میں آیا ہے کہ حضرت مہدی علیہ الرضوان ظاہر نہ ہوں گے جب تک کفر غالب نہ ہو گا یعنی اس وقت کفر و کافری غالب ہو گی اور اسلام و مسلمان زبون و مغلوب۔ اب وہی وقت ہے جس میں آنحضرت ﷺ نے اہل اسلام کے غربا کو طوبیٰ فرمایا ہے اور بشارت دی ہے اور فرمایا ہے کہ **الْعِبَادَةُ فِي الْهَرَجِ كَهَجْرَةِ الْبَيْتِ**۔ یعنی فتنہ کے وقت عبادت کرنا گویا میری طرف ہجرت کرنا ہے۔

تم کو معلوم ہے کہ سپاہی فتنہ و فساد کے وقت اگر تھوڑی سی بھی دلیری اور بہادری دکھائیں تو اس قدر اعتبار اور مقدار رکھتی ہے کہ فتنہ فرو ہونے کے وقت اس قسم کی ہزار بہادری اور دلیری اتنا اعتبار و مقدار نہیں رکھتی۔ پس کام کرنے اور قبول ہونے کا وقت بھی فتنہ و فساد کا وقت ہے۔ ہمہ تن حق تعالیٰ کی مرضیات میں مشغول ہو جاؤ اور سنت سنیہ کی متابعت کے بغیر کچھ اختیار نہ کرو۔ اگر چاہتے ہو کہ مقبولوں میں اٹھائے جاؤ اصحاب کہف ایک ہی ہجرت سے جو فتنہ کے غلبہ کے وقت ان سے ظہور میں آئی۔ بلند درجہ تک پہنچ گئے۔

تم تو خود محمدی ہو (ﷺ) اور بہترین امت میں داخل ہو اپنے وقت کو کھیل کود میں ضائع نہ کرو اور بچوں کی طرح جو زومویز پر فریفتہ نہ ہو۔ بیت

داویم تراز گنج مقصود نشان ما اگر نرسیدیم تو شاید برسی

ترجمہ: تجھے گنج مقصود بتلایا ہم نے

ملا اگر نہیں ہم کو شاید تو پالے

نورانی ستون جو اس دمدار ستارہ کے ظہور سے پہلے طلوع ہوا تھا۔ اس میں کوئی ظلمت و کدورت مفہوم نہ ہوتی تھی اور سوائے خیر و برکت کے اس میں کچھ نظر نہ آتا تھا۔ لیکن ستارہ دم دار میں کدورت کی آمیزش تھی۔ **لَا بَلَّ النَّافِعُ وَالضَّارُّ هُوَ اللَّهُ** (نہیں بلکہ نفع دینے والا اور ضرر پہنچانے والا اللہ تعالیٰ ہے) کسی ستارہ کے متعلق کسی شخص کی موت یا زندگی نہیں ہے جو کچھ قرآن مجید سے مفہوم ہوتا ہے۔ تین غرضیں ستاروں سے متعلق ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُونَ** (یعنی بری اور بحری سفر میں ستاروں کے ذریعے راستہ معلوم کر لیتے ہیں)

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ **وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ وَجَعَلْنَاهَا رُجُومًا لِلشَّيَاطِينِ**۔ یعنی دنیا کے آسمان کو ہم نے ستاروں سے آراستہ کیا تیسری غرض شیطانوں کا رجیم یعنی

سنگساری ان پر وابستہ ہے تاکہ باتوں کو نہ چرائیں۔ ان تین غرضوں کے سوا جو کچھ کہتے ہیں اس کا کچھ ثبوت نہیں۔ سب وہم و خیال میں داخل ہے۔ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا۔ (ظن سے کوئی حق بات ثابت نہیں ہوتی) بلکہ ہم کہتے ہیں کہ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِنَّہٗ (بعض ظن گناہ ہوتا ہے) عزیزا۔ بار بار لکھا جاتا ہے کہ اب توجہ و انا بت اور تجل و انقطاع یعنی خلق سے الگ ہونے کا وقت ہے۔ جو فتنوں کے وارد ہونے کا زمانہ ہے اور نزدیک ہے کہ فتنے ابر بہاری کی طرح برسیں اور جہان کو گھیر لیں۔

مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ قیامت آنے سے پہلے سیاہ رات کی طرح فتنے برپا ہونگے۔ اس وقت آدمی اگر صبح کو مومن ہوگا تو شام کو کافر ہوگا اور اگر شام کو مومن ہوگا تو صبح کو کافر ہوگا۔ اس وقت بیٹھے والا کھڑے ہو نیوالے سے اور چلنے والا دوڑنے والے سے اچھا ہوگا۔ اس وقت تم اپنی کمائیوں کو توڑ ڈالو اور اپنی کمائیوں کو پتھروں سے کند کر دو۔ اگر تم میں سے کوئی کسی کے پاس جائے تو اس کے پاس آدم علیہ السلام کے دونوں بیٹوں میں سے بہتر کی طرح جائے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ صحابہ نے پوچھا کہ ہم کیا کریں۔ فرمایا اس وقت تم اپنے گھروں میں بیٹھے رہو اور دوسری روایت میں ہے کہ اپنے گھروں کے اندروں کو لازم پکڑو۔

تم کو معلوم ہوگا کہ انہی دنوں میں دار الحرب کے کفار نے مگر کوٹ کے گرد و نواح میں مسلمانوں اور ان کے شہروں پر کیا کیا ظلم و ستم کئے ہیں اور کیسی اہانت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو خوار کرے۔ اس قسم کے بدبودار پھول زمانہ کے آخر ہونے کے باعث بہت کھلیں گے۔ ثَبَّتْنَا اللّٰهَ وَ اِيَّاكُمْ وَ جَمِيعَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰی مُتَابَعَةِ سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمُ الصَّلٰوَةُ وَالسَّلَامُ وَعَلٰی الْاٰلِ كُلِّ وَ عَلٰی مَلَائِكَةِ الْمُقَرَّبِيْنَ (اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو اور تمام مسلمانوں کو سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت پر ثابت قدم رکھے)

مکتوب ۶۹

نماز کے تعدیل ارکان اور طہانیت اور صفوں کی برابری اور اس بیان میں کہ کفار کے جہاد پر جانے کے لئے نیت کو درست کرنا چاہئے اور نماز تہجد کا حکم کرنے اور لقمہ میں احتیاط کرنے کے بیان میں محمد مراد بدخشی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰی۔ اللہ تعالیٰ کیلئے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ

بندوں پر سلام ہو۔

صحیفہ شریف جو آپ نے ارسال کیا تھا پہنچا۔ یاروں کی ثابت قدمی اور استقامت کا حال پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔ زَادَكُمْ اللَّهُ سُبْحَانَهُ ثَبَاتًا وَاسْتِقَامَةً اللہ تعالیٰ آپ کو زیادہ سے زیادہ ثابت قدمی اور استقامت عطا فرمائے۔

آپ نے لکھا تھا کہ خادم جس امر کے بجالانے کے لئے مامور ہے مع ان یاروں کے جو داخل طریقہ ہیں۔ ہمیشہ بجالاتا ہے اور بیچ وقتی نماز کو پچاس ساٹھ آدمیوں کی جماعت کے ساتھ ادا کرتا ہے اس بات پر اللہ تعالیٰ کیلئے حمد ہے۔ یہ کس قدر اعلیٰ نعمت ہے کہ باطن ذکر الہی سے معمور ہو اور ظاہر احکام شریعہ سے آراستہ ہو چونکہ اکثر لوگ اس زمانہ میں نماز کے ادا کرنے میں سستی کرتے ہیں اور طمانیت اور تعدیل ارکان میں کوشش نہیں کرتے۔ اس لئے اس بارہ میں بڑی تاکید اور مبالغہ سے لکھا جاتا ہے غور سے سنیں۔

مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ چوروں میں سے بڑا چور وہ ہے جو اپنی نماز میں چوری کرتا ہے۔ حاضرین نے عرض کیا یا رسول اللہ نماز سے کس طرح چراتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نماز میں چوری یہ ہے کہ رکوع و سجود کو اچھی طرح ادا نہیں کرتا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کی نماز کی طرف نہیں دیکھتا جو رکوع و سجود میں اپنی پیٹھ کو ثابت نہیں رکھتا رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو نماز ادا کرتے دیکھا کہ رکوع و سجود پورا نہیں کر رہا۔ تو فرمایا کہ تو اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا۔ اگر تو اسی عادت پر مر گیا تو دین محمد پر تیری موت نہ ہوگی یعنی تو دین محمد کے برخلاف مر لے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ تم میں سے کسی کی نماز پوری نہیں ہوگی جب تک رکوع کے بعد سیدھا نہ کھڑا ہو اور اپنی پیٹھ کو ثابت نہ رکھے اور اس کا ہر ایک عضو اپنی اپنی جگہ پر قرار نہ پکڑے۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنے کے وقت اپنی پشت کو درست نہیں کرتا اور ثابت نہیں رکھتا اس کی نماز تمام نہیں ہوتی۔

حضرت رسالت مآب ﷺ ایک نمازی کے پاس سے گزرے دیکھا کہ احکام دارکان و قومہ و جلسہ بخوبی ادا نہیں کرتا تو فرمایا کہ اگر تو اسی عادت پر مر گیا تو قیامت کے دن تو میری امت میں نہ اٹھے گا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ ایک شخص ساٹھ سال تک نماز پڑھتا رہتا ہے اور اس کی ایک نماز بھی قبول نہیں ہوتی۔ ایسا وہ شخص ہے جو رکوع و سجود کو بخوبی ادا نہیں کرتا۔

لکھتے ہیں کہ زید بن وہب نے ایک شخص کو دیکھا کہ نماز پڑھ رہا ہے اور رکوع و سجود بخوبی ادا نہیں کرتا اس مرد کو بلایا اور اس سے پوچھا کہ تو کب سے اس طرح نماز پڑھ رہا ہے اس نے کہا کہ چالیس سال سے۔ فرمایا کہ اس چالیس سال کے عرصے میں تیری کوئی نماز نہیں ہوئی۔ اگر تو مر گیا تو نبی ﷺ کی

سنت پر نہ مرے گا۔

منقول ہے کہ جب بندہ مومن نماز کو اچھی طرح ادا کرتا ہے اور اس کے رکوع و سجود کو بخوبی بجا لاتا ہے اس کی نماز بشار اور نورانی ہوتی ہے۔ فرشتے اس نماز کو آسمان پر لے جاتے ہیں۔ وہ نماز اپنے نمازی کیلئے دعا کرتی ہے اور کہتی ہے **حَفِظَكَ اللَّهُ سُبْحَانَهُ كَمَا حَفِظْتَنِي** (اللہ تعالیٰ تیری حفاظت کرے جس طرح تو نے میری حفاظت کی) اور اگر نماز کو اچھی طرح ادا نہیں کرتا۔ وہ نماز سیاہ رہتی ہے۔ فرشتوں کو اس نماز سے کراہت آتی ہے اور اس کو آسمان پر نہیں لے جاتے۔ وہ نماز اس نمازی پر بد دعا کرتی ہے اور کہتی ہے۔ **ضَيَّعَكَ اللَّهُ تَعَالَى كَمَا ضَيَّعْتَنِي**۔ (خدا تعالیٰ تجھے ضائع کرے جس طرح تو نے مجھے ضائع کیا)

پس نماز کو پوری طرح ادا کرنا چاہئے۔ تعدیل ارکان رکوع و سجود اور قومہ و جلسہ اچھی طرح بجالانا چاہئے۔ دوسروں کو بھی فرمانا چاہئے کہ نماز کو کامل طور پر ادا کریں اور طمانینت اور تعدیل ارکان میں کوشش کریں کیونکہ اکثر لوگ اس دولت سے محروم ہیں اور یہ عمل متروک ہو رہا ہے۔ اس عمل کا زندہ کرنا دین کی ضروریات میں سے ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص میری کسی مردہ سنت کو زندہ کرتا ہے اس کو سو شہیدوں کا ثواب ملتا ہے اور جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے کے وقت صفوں کو برابر کرنا چاہئے۔ نمازیوں میں سے کوئی شخص آگے پیچھے کھڑا نہ ہو۔ کوشش کرنی چاہئے کہ سب ایک دوسرے کے برابر ہوں۔ رسول اللہ سب سے پہلے اول صفوں کو درست کر لیا کرتے تھے۔ پھر تحریمہ کہا کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ صفوں کو درست کرنا نماز کی اقامت ہے۔ **رَبَّنَا آتِنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً وَ هِيَ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا رَشَدًا**۔ (یار اپنے پاس سے تو ہم پر رحمت نازل فرما اور ہمارے کاموں سے ہدایت ہمارے نصیب کر)

اے سعادت کے نشان والے۔ عمل نیت کے ساتھ درست ہوتا ہے چونکہ آپ دارالحرب کے کافروں کے ساتھ جہاد کرنے جا رہے ہیں اس لئے اول نیت کو درست کریں تاکہ اس پر نتیجہ مترتب ہو۔ اس جنگ و جدال سے مقصود یہ ہونا چاہئے کہ اسلام کا بول بالا ہو اور دین کے دشمن ذلیل ہوں کیونکہ ہم اسی امر پر مامور ہیں اور جہاد سے مقصود یہی ہے۔ غازیوں کی رسد یا وظیفہ جو بیت المال سے مقرر ہے۔ جہاد کے منافی نہیں اور غازیوں کے اجر میں کچھ کمی نہیں ہوتی۔ بری خیتیں عمل کو باطل کر دیتی ہیں۔ نیت کو درست کر کے بیت المال سے وظیفہ کھائیں اور جہاد کریں اور غازیوں اور شہیدوں کے اجر کے امیدوار رہیں۔ آپ کے حال پر رشک آتا ہے کہ آپ باطن میں حق تعالیٰ کے ساتھ مشغول ہیں

اور ظاہر میں نماز جماعت کثیرہ کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ دار الحرب کے کافروں کے ساتھ جہاد کرنے کی دولت سے بھی مشرف ہو گئے ہیں۔ جو شخص سلامت بچ کر آگیا وہ غازی اور مجاہد ہے جو ہلاک ہو گیا۔ وہ شہید پاک ہے۔ لیکن یہ سب کچھ نیت کے درست کرنے کے بعد متصور ہے۔ اگر نیت کی حقیقت ثابت نہ ہو تو تکلف کے ساتھ اپنے آپ کو اس نیت پر لانا چاہئے اور حق تعالیٰ کی بارگاہ میں بڑی التجا اور زاری کرنی چاہئے تاکہ نیت کی حقیقت حاصل ہو جائے۔

رَبَّنَا آتِنَا نُورَنَا وَاغْفِرْ لَنَا إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔ (یا اللہ تو ہمارے نور کو کامل کر اور ہم کو بخش تو سب شے پر قادر ہے)

دوسری نصیحت جو بیان کے لائق ہے وہ یہ ہے کہ نماز تہجد کو لازم پکڑیں کیونکہ طریقت کی ضروریات میں سے ہے۔ پہلے بھی آپ کو تاکید کی گئی تھی کہ اگر یہ بات آپ کو مشکل معلوم ہوتی ہے اور خلاف عادت بیدار نہیں ہو سکتے تو متعلقین میں سے کسی کو اس امر پر مقرر کر دیں تاکہ آپ کو اس وقت جبراً کٹرھا۔ جگا دیا کرے اور آپ کو خواب غفلت میں نہ پڑا رہنے دے جب چند روز تک اس طرح کریں گے امید ہے کہ بلا تکلف یہ دولت میسر ہو جائیگی۔

اور نصیحت یہ ہے کہ لقمہ میں احتیاط رکھیں یہ اچھا نہیں کہ جو کچھ آیا اور جو جس جگہ سے آیا جھٹ کھالیا اور حلال و حرام شرعی کا کچھ لحاظ نہ کیا۔ یہ انسان خود مختار نہیں ہے کہ جو کچھ چاہے کرے نہیں بلکہ اس کا ایک مولا ہے جس نے اس کو امر و نہی پر مکلف فرمایا ہے اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ذریعے اپنی رضامندی اور نارضامندی کو بیان کر دیا ہے وہ بہت ہی بد بخت انسان ہے جو اپنے مالک کی مرضی کے برخلاف کرے اور مالک کی اجازت کے بغیر اس کے ملک و ملک میں تصرف کرے۔

بڑی شرم کی بات ہے کہ مجازی حاکم کی رضامندی میں اس قدر کوشش کرتے ہیں کہ کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں کرتے اور مولائے حقیقی کی رضامندی کے لئے جس نے تاکید و مبالغہ کے ساتھ برے کاموں سے منع کیا اور جھڑکا ہے۔ کچھ التفات نہیں کرتے۔

غور کرنا چاہئے کہ یہ اسلام ہے یا کفر ابھی کچھ نہیں بگڑا۔ ابھی گزشتہ کا تدارک ہو سکتا ہے۔ الثَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهُ۔ (گناہوں سے توبہ کرنے والا ایسا ہے کہ اس نے کوئی گناہ نہیں کیا) قصور کرنیوالوں کے لئے بشارت ہے اور اگر کوئی شخص گناہ پر اصرار کرے اور اس پر خوش رہے تو وہ منافق ہے۔ ظاہری اسلام اس کے عذاب و عقاب کو دور نہیں کر سکے گا۔ اس سے زیادہ کیا تاکید و مبالغہ کیا جائے عاقل کو ایک اشارہ کافی ہے۔

دوسرے واضح ہو کہ دشمنوں کے غلبہ اور خوف کے وقت امن و امان کے لئے سورت لَا يُلْفِیْ کا

پڑھنا خوب ہے۔ ہر دن اور رات کو کم از کم گیارہ گیارہ بار پڑھا کریں۔

حدیث نبوی ﷺ میں آیا ہے کہ مَنْ نَزَلَ مَنْزِلًا ثُمَّ قَالَ اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ كُلِّهَا مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ لَا يَضُرُّهُ شَيْءٌ حَتّٰى اِرْتَحَلَ مِنْ مَنْزِلِهِ (جو شخص کسی جگہ اترے اور اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ الخ پڑھے۔ وہاں سے کوچ کرنے تک اس کو کوئی چیز ضرر نہ دیگی)

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اَتْبَعَ الْهُدٰی۔ سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت کا راستہ اختیار کیا۔

مکتوب ۷۰

کعبہ معظمہ کے اسرار و حقائق کے بیان میں کہ جس طرح انسان میں عرش کا نمونہ

ہے کعبہ کا نمونہ بھی ہے۔ مَوْلَانَا عَبْدُالْوَاٰجِدُ لاہوری کی طرف صادر فرمایا ہے:

انسان میں جس طرح اس کا دل عرش رحمن کا نمونہ ہے اور اس کا ظہور قلبی ظہور عرشی کا نمونہ ہے۔ اسی طرح انسان میں بیت اللہ کا بھی نمونہ اور نشان ہے۔ جو میانہ ہے (یعنی فرشتے اور چارپایہ کے درمیان ہے یعنی حقیقت انسانی) اور دائیں بائیں (یعنی شیون و اعتبارات و ظلال) سے بیگانہ ہے اور حسن سبقت (یعنی محبت خاص) میں یگانہ ہے۔ اس دولت عظیم یعنی ظہور بیت اللہ کے مالک اصل میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں اور امتوں میں سے وہ لوگ ہیں جن کو ان بزرگواروں کی تبعیت و وراثت کے طور پر اس دولت سے مشرف فرمائیں۔ صحابہ کرام کو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی صحبت کی برکت سے یہ دولت زیادہ حاصل تھی۔ اصحاب کبار کے زمانہ کے بعد کم ہو گئی۔ بیشمار زمانوں کے بعد اگر کسی کو وراثت و تبعیت کے طور پر اس دولت سے مشرف فرمائیں۔ تو غنیمت اور کبریت احمر ہے۔ ایسا شخص زمرہ اصحاب میں داخل ہے اور سابقین میں سے ہے اور اس بلند نسبت والا مرکز مطلوب کی دولت سے متمیز ہے۔ اگرچہ نفس مرکز میں بھی کئی مراتب ہیں لیکن سبقت کی دولت سے مشرف ہے اس معما کو اس سے زیادہ کیا ظاہر کرے اور اس رمز کی تفصیل زیادہ کیا کرے۔ جب اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ نسبت بلند ظاہر ہوتی ہے تمام نسبتیں دور ہو جاتی ہیں اور ان کا نام و نشان تک نہیں رہتا۔ خواہ وہ نسبت قلبی ہو یا غیر قلبی۔ اِذَا جَاءَ نَهْرُ اللّٰهِ بَطَلَ نَهْرُ عِيسٰی (جب اللہ تعالیٰ کی نہر آئنگی عیسیٰ کی نہر باطل ہو جائیگی) اس مقام کا نشان ہے۔ اس دولت والے لوگ سیدھے راستہ پر ہیں۔ جو مطلوب تک پہنچنے کے لئے بالمقابل پڑا ہے جو شخص اس راہ سے دائیں بائیں ہے۔ اس کا وصول ظلال میں سے کسی ظل تک ہے۔ اگرچہ ظلال میں بھی مختلف مراتب ہیں۔ لیکن سب پر ظلیت کا داغ لگا ہوا ہے

فراق دوست اگر اندک است اندک نیست درون دیدہ اگر نیم مواسست بسیار است

ترجمہ: فراق دوست تھوڑا بھی بہت ہے حق میں عاشق کے

نظر آتا بہت ہے ، ہو اگرچہ نیم مو جتنا
 جو شخص صراطِ مستقیم سے ایک دانہ رائی کے برابر بھی جدا ہو گیا ہے وہ جوں جوں جائیگا دور ہوتا
 جائے گا اور مطلوب تک پہنچنے سے زیادہ بعید ہوتا جائیگا۔ شعر
 ترسم نرسی بکعبہ اے اعرابی کایں راہ کہ تو میروی بترکستان است
 ترجمہ بیت: تو اس رستے نہیں جائیگا کعبے
 کہ ترکستان کو جاتا ہے یہ راہ

بَيَّنَّا اللَّهُ عَلَى الصِّرَاطِ الْمُسْتَقِيمِ۔ (اللہ تعالیٰ ہم کو سیدھے راستے پر ثابت قدم رکھے) وَالسَّلَامُ
 عَلَى مَنْ اتَّبَعَ الْهُدَى۔ (سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت کو اختیار کیا)

مکتوب ۷۱

کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے اسرار میں علوم عقلی و نقلی کے جامع

مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید سلمہ اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا ہے:

لا الہ الا اللہ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰہِ۔ پہلا کلمہ مرتبہ وجوب کے اثبات پر مشتمل ہے مرتبہ
 وجوب کا وہ ظہور جو صورت مثالی میں نقطہ کی صورت پر مشہود ہوتا ہے۔ اس مرتبہ کے اس ظہور کی
 نسبت جو لمبی چوڑی صورت میں ظاہر ہوتا ہے بہت ہی قریب ہے۔ اگرچہ اس مرتبہ میں نہ نقطہ کی
 گنجائش ہے نہ دائرہ کی۔ نہ وہاں طول کی مجال ہے نہ عرض و عمق کی۔ اسی واسطے کشفی صورت میں کلمہ
 مثبت نقطہ کے رنگ میں دکھائی دیتا ہے اور کلمہ محمد رسول اللہ جو دعوت خلق کی خبر دیتا ہے جو اجسام و
 جواہر کے ساتھ تعلق رکھتی ہے اور وہاں طول و بسط کا قدم راسخ ہے۔ اس واسطے اس مقام کی صورت
 مثالی کشفی نظر میں لمبی چوڑی دکھائی دیتی ہے۔ اس مقام میں سالک بقیہ سکر کے باعث جو اس میں باقی
 رہتا ہے۔ دوسرے کلمہ کو دریائے محیط کی طرح معلوم کرتا ہے اور پہلے کلمہ کو اس دریا کے مقابلہ میں نقطہ
 کی طرح خیال کرتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اس فقیر نے بھی بقیہ سکر کے باعث حکم کیا اور لکھا ہے کہ دوسرا کلمہ ایسا دریا ہے
 کہ پہلا کلمہ اس کے مقابلہ میں نقطہ کی طرح ہے۔ اس مقام میں فتوحات مکیہ والے نے بھی کہا ہے کہ جمع
 محمدی جمع الہی جل شانہ سے اجمع ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کی عنایت سے مرتبہ وجوب کی بیچونی کی وسعت پر تو
 ڈالتی ہے اور اس مرتبہ مقدسہ کا بے کیفی احاطہ ظاہر ہو جاتا ہے تو جہان تمام کا تمام باوجود اس قدر طول
 و عرض کے جزء لایستجزئی کا حکم پیدا کر لیتا ہے اور وہ چیز جو سالک اول دریائے محیط کے مقابلے میں نقطہ کی
 طرح معلوم کرتا تھا اس وقت دریائے ناپید اکنار نظر آتی ہے اور دریائے محیط کو جزء لایستجزئی سے بہت

چھوٹا دیکھتا ہے۔

اس مضمون سے کوئی یہ گمان نہ کرے کہ ولایت نبوت سے افضل ہے کیونکہ ولایت کلمہ اول کے مناسب ہے اور نبوت دوسرے کلمہ کے مناسب۔ اس لئے کہ ہم کہتے ہیں کہ نبوت دونوں کلموں کا حاصل ہے۔ نبوت کا عروج کلمہ اول سے اور اس کا نزول کلمہ دوم سے تعلق رکھتا ہے۔ پس دونوں کلموں کا مجموعہ مقام نبوت کا حاصل ہے نہ کہ صرف کلمہ دوم کا حاصل جیسے بعض نے گمان کیا ہے اور کلمہ اولیٰ کو ولایت کے ساتھ مخصوص کیا ہے حالانکہ ایسا بھی نہیں بلکہ دونوں کلمے عروج و نزول کے اعتبار سے مقام ولایت کا بھی حاصل ہیں اور مقام نبوت کا حاصل بھی۔

حاصل کلام یہ کہ مقام ولایت مقام نبوت کا علل ہے اور ولایت کے کمالات، کمالات نبوت کے ظلال ہیں۔ مقام سکر میں جو کچھ کہیں معذور ہیں۔ یہ فقیر بھی سکر کی باتوں میں ان کے ساتھ شریک ہے۔ اسی واسطے اپنے بعض مکتوبوں میں اول کلمہ کو مقام ولایت کے مناسب اور کلمہ دوم کو مقام نبوت کے موافق لکھا ہے۔ سکر بھی نعمت ہے۔ بشرطیکہ اس سے پھر صحو میں لے آئیں اور کفر طریقت سے نکال کر اسلام حقیقی میں لے جائیں۔ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نُسِيْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا بِصَدَقَةِ حَبِيْبِكَ مُحَمَّدٍ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ وَ يَرْحَمْ اللّٰهُ عَبْدًا قَالَ اٰمِيْنَا۔ (یا اللہ نبی ﷺ کے طفیل تو ہماری بھول چوک پر مواخذہ نہ کر اور اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم کرے جس نے آمین کہا)

مکتوب ۷۲

اس بیان میں کہ بیت اللہ کا معاملہ تمام تجلیات اور ظہورات اور ظہور عرشی سے برتر ہے اور کعبہ کی حقیقت کے ساتھ ملنے اور صورت کعبہ کی طرف شوق زیارت کے بیان میں مخدوم زادہ خواجہ محمد معصوم کی طرف صادر فرمایا ہے:

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰی۔ اللہ تعالیٰ کیلئے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔

ظہور عرشی اگرچہ تمام تجلیات و ظہورات سے برتر ہے۔ لیکن وہ معاملہ جو بیت اللہ مقدس کے ساتھ وابستہ ہے۔ تمام ظہورات و تجلیات سے برتر ہے۔ وہاں ظہور و تجلی کا نام لینا تنگ و عار ہے۔ تجلیات و ظہورات محیط دائرہ کا حکم رکھتے ہیں اور یہ معاملہ اس دائرہ کے مرکز کا حکم اور شک نہیں کہ محیط دائرہ باوجود وسعت کے مرکز دائرہ کا ظل ہے کیونکہ اسی نقطہ مرکز نے اپنے ظل کو فراع کیا ہے اور سو نقطوں کی طرح ہو کر محیط دائرہ بن گیا ہے۔ مذکورہ بالا معاملہ کو نقطہ سے تعبیر کرنا اقرب اشیاء کے ساتھ تعبیر کرنے کی قسم سے ہے ورنہ وہاں نقطہ بھی دائرہ کی طرح مفقود ہے۔ نہ وہاں ظاہر کی مجال ہے نہ مظہر کی نہ

اس مقام میں اصل کی گنجائش ہے نہ ظل کی کیونکہ اصل بھی سایہ کی طرح اس دولت سرائے سے پیچھے رہ گیا ہے

چہ گویم باتو از مرغے نشانه کہ باعقا بود ہم آشیانه
زعنقا هست نامے پیش مردم ز مرغ من بود آں نام ہم گم
ترجمہ کہوں کیا مرغ کا تجھ سے نشانہ جو عنقا سے رہے ہم آشیانہ
مگر ہے نام عنقا سب کو معلوم مرے اس مرغ کا ہے نام معدوم

انبیاء بنی اسرائیل کا کعبہ جو بیت المقدس کا پتھر ہے۔ اس کے ظہورات کے کمالات آخر کار اس کعبہ معظمہ کے کمالات کی طرف راجع ہوتے ہیں اور اس کے ساتھ مل جاتے ہیں۔ کیونکہ اطراف کو اپنے مرکز کے ساتھ ملنے سے چارہ نہیں۔ راستے جب تک مرکز تک جو صراط مستقیم ہے نہ پہنچیں۔ تب تک مطلب کی طرف نہیں جاسکتے۔ **وَاشْفَاهُ إِلَى لِقَاءِ الْكُتُبَةِ الْمُعْظَمَةِ**

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ **إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِلْعَالَمِينَ فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَّقَامُ إِبْرَاهِيمَ وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حُجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ** سب سے اول گھر جو لوگوں کے لئے بنایا گیا وہ مکہ معظمہ میں ہے۔ جو اہل جہان کے لئے سر اسر برکت و ہدایت ہے۔ اس میں روشن نشان ہیں۔ جن میں سے ایک مقام ابراہیمؑ ہے۔ جو اس گھر میں آگیا۔ وہ امن میں ہو گیا اور لوگوں پر فرض ہے کہ راستہ کے اخراجات ہونے کے وقت اللہ کے لئے اس گھر کا حج کیا کریں اور جو شخص اس سے انکار کرے۔ اللہ تعالیٰ تمام اہل جہان سے غنی ہے۔

اگرچہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے کعبہ کی حقیقت کے ساتھ الحاق یعنی ملنا میسر ہو چکا ہے اور اس کے بعد بیشمار ترقیاں حاصل ہو چکی ہیں۔ مگر صورت کو صورت کعبہ کی ملاقات کا شوق ہے۔ حج فرض اکبر ہو چکا ہے اور راستہ کا امن بھی غلبہ سلامتی کے باعث ثابت ہو چکا ہے اور اس فرض کے ادا کرنے کا شوق بھی کامل ہے۔ لیکن دیر پر دیر ہوتی چلی آتی ہے سفر کا استخارہ بھی موافقت نہیں کرتا۔ اچھی طرح غور سے توجہ کی ہے۔ پھر بھی چلنے کا راستہ نہیں کھلتا اور کعبہ تک پہنچنا نظر نہیں آتا۔ کیا کیا جائے۔ اداء فرض کی تاخیر میں اس قسم کے عذر فائدہ مند نہیں ہیں۔ بہر حال اللہ تعالیٰ کی توفیق سے فرض حج کے ادا کرنے کے ارادہ سے گھر سے نکلتا چاہئے اور سر اور آنکھوں کے بل منزلوں کو قطع کرنا چاہئے۔ اگر پہنچ گئے۔ تو نعمت عظمیٰ ہے۔ اگر راہ ہی میں رہ گئے تو بڑی بھاری امیدواری ہے۔

رَبَّنَا أَنْتُمْ لَنَا نُورٌ نَا وَغَفِرْ لَنَا إِنَّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (یا اللہ تو ہمارے نور کو کامل کر اور ہم

کو بخش۔ تو سب کچھ کر سکتا ہے) وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰی سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّآلِهِ وَصَحْبِهِ وَبَارَكَ وَسَلَّم ط

مکتوب ۷۳

انسان کامل کے ظاہر و باطن کے بیان میں مخدومزادہ مجدد الدین محمد معصوم کی طرف

صادر فرمایا ہے:-

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کیلئے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ

بندوں پر سلام ہو)۔

انسان عالم خلق اور عالم امر کے مجموعہ سے مراد ہے۔ عالم خلق کو انسان کی صورت اور ظاہر تصور کرتے ہیں اور عالم امر کو اس کا باطن اور حقیقت جانتے ہیں اور اعیان ثابتہ کو جو ممکنات کے حقائق کہتے ہیں۔ اس اعتبار سے ہے کہ ممکنات ان اعیان کے ظلال ہیں اور وہ اعیان ان ظلال کے اصول ہیں۔ کیونکہ ممکنات کی حقیقت و ماہیت اعیان کے وہی ظلال ہیں۔ کہ ممکنات جن کے ساتھ ممکنات بنے ہیں اور وجود ظنی پیدا کیا ہے۔ برخلاف اعیان کے کہ وہاں تعینات و جوبی ثابت کرتے ہیں اور ان کو مراتب امکان کے اوپر جانتے ہیں۔ کیونکہ تعین وحدت اور تعین واحدیت کو کہ اعیان ثابتہ کا مرتبہ ہے تعین و جوبی کہتے ہیں اور باقی تین تعینوں یعنی تعین روحی اور تعین مثالی اور تعین جسدی کو تعین امکانی جانتے ہیں۔ پس تعین و جوبی کو جو تعین امکانی کی حقیقت کہتے ہیں۔ تجوز کے طور پر ہے۔ کیونکہ حقیقت امکانی عالم امکان سے ہے۔ نہ کہ مرتبہ وجوب سے شے کا اصل گویا شے کی حقیقت ہے۔

پس یہ جو کہتے ہیں۔ کہ صوفی کائنات باطن ہوتا ہے۔ یعنی ظاہر میں خلق کے ساتھ اور باطن میں خالق کے ساتھ۔ تو ظاہر سے مراد عالم خلق ہے اور باطن سے مراد عالم امر اور اس مقام کو جو دونوں توجہوں کا جامع ہے۔ بڑا عالی کہتے ہیں اور تکمیل و ارشاد کے مقام اور دعوت کا مرتبہ خیال کرتے ہیں۔ اس فقیر کو اس مرتبہ میں معرفت خاص حاصل ہے اور وہ یہ ہے۔ کہ ایک شخص خاص خواص میں سے ہو۔ جس کے نزدیک عالم خلق اور عالم امر دونوں صورت و ظاہر کی طرح ہوں اور اس کی حقیقت و باطن وہ اسم ہے۔ جو اس کا مبداء تعین ہے۔ بمعہ دوسرے اسماء و شیونامات کے جو اس اسم کے اصل کی طرح ہیں حتیٰ کہ اس حضرت ذات تک پہنچ جائیں۔ جو شیون و اعتبارات سے مجرد ہے۔ یہ کامل معرفت والا عارف چونکہ تمام مراتب امکانیہ کو طے کر کے اس اسم تک پہنچ جاتا ہے جو اس کا قیوم ہے اور مراتب امکانیہ سے اس کی انانیت دور ہو کر اس اسم کے ساتھ منطبق ہو چکی ہے اور ترتیب و ارعروج کے طور پر دمبدم مراتب فوق پر جو اس اسم کے اصل کی طرح ہیں اور وہاں سے احدیت مجردہ تک پہنچ چکتی ہے۔ پس اس کی انانیت کے منطبق ہونے کے یہ مراتب اس کی حقیقت ہے۔ کہ اس کا عالم امر اس کے عالم

خلق کی طرح اس حقیقت کی صورت بن گئی ہے۔ یہ صورت اس حقیقت کے لئے ایسی ہے جیسے کپڑا پہننے والے شخص کے لئے کپڑا۔ دوسروں نے چونکہ انا کا اطلاق عالم خلق اور عالم امر پر موقوف رکھا ہے۔ اس لئے ان کی صورت و حقیقت بھی عالم خلق اور عالم امر ہے اور وہ اسماء جو ان کے تعینات کے مبادی ہیں۔ ان کے قیوم ہیں۔

سوال:- عارف خواہ کتنا ہی کمال معرفت حاصل کر لے۔ پھر بھی ممکنات ہی سے ہے امکان سے نکل کر وجوب کے ساتھ متصف نہیں ہوتا۔ پس وہ اسم جو اس کا قیوم ہے اور مرتبہ وجوب سے ہے۔ کس طرح اس کی حقیقت اور جز ہو سکتا ہے۔

جواب:- یہ حقیقت باعتبار شہود کے ہے۔ نہ باعتبار وجود کے۔ تاکہ محظور لازم آئے جس طرح کہ بقا باللہ کہتے ہیں۔ یہ شہود صرف تخیل ہی نہیں۔ بلکہ بہت سے ثمرات و نتائج اس سے حاصل ہوتے ہیں فریاد حافظ ایں ہمہ آخر بہرہ نیست ہم قصہ غریب و حدیث عجیب است ترجمہ نہیں بے فائدہ حافظ کی فریاد

عجب ہے ماجرا اس کا سراسر

پس ثابت ہوا کہ جو کچھ دوسروں کی صورت و حقیقت کا مجموعہ ہے۔ وہ اس عارف کی صورت ہے۔ اس صورت کو اس کی حقیقت کے ساتھ وہ نسبت ہوتی ہے۔ جو کپڑے کو پہننے والے شخص کے ساتھ ہوتی ہے۔ پھر دوسرے اس کی حقیقت کو کیا پائیں اور اپنی صورتوں اور حقیقتوں کی مانند سمجھنے کے سوا اور کیا تصور کریں۔ اس عارف کی معرفت حق تعالیٰ کی معرفت کو مستلزم ہے۔ اِذَا رَوُّ وَاذْكُرَ اللّٰهُ (جب لوگ ان کو دیکھتے ہیں خدا یاد آتا ہے) ان کا نشان ہے۔

الہی یہ کیا ہے جو تو نے اپنے دوستوں کو عطا کیا ہے کہ جس نے ان کو پہچانا اس نے تجھ کو پالیا اور جب تک تجھے نہ پایا ان کو نہ پہچانا۔

اور یہ جو فقیر نے اپنی کتابوں اور رسالوں میں لکھا ہے کہ تمام المعرفت عارف رجوع کے بعد کلی طور پر عالم کی طرف متوجہ ہوتا ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کا ظاہر خلق کی طرف ہے اور اس کا باطن خالق کی طرف بلکہ مراد اس سے یہ ہے کہ عالم خلق اور عالم امر دونوں سے کلی طور پر عالم کی طرف متوجہ ہے جیسے کہ قوم کے نزدیک متعارف اور مشہور ہے یعنی عالم خلق و عالم امر دونوں کی طرف دعوت کے ساتھ متوجہ ہوتا ہے۔

اور وہ حقیقت و باطن جو فقیر نے اوپر لکھا ہے اس سے اسم قیوم اور مافوق مراد لیا ہے اس کا حق کی طرف توجہ کرنا کچھ معنی نہیں رکھتا۔ کیونکہ وہ عالم وجوب سے ہے جیسے کہ گزر چکا بہر صورت رجوع کے

وقت عارف کامل کی توجہ کامل طور پر خلق کی طرف ہوتی ہے اور وہ شخص کہ جس کی ایک توجہ خلق کی طرف ہے اور دوسری توجہ خالق کی طرف وہ سیر کے وسط میں ہے لیکن یہ شخص اس سالک سے بلند تر ہے جس کی توجہ کامل طور پر حق تعالیٰ کی طرف ہے کیونکہ یہ شخص بندوں کے حقوق ادا کرنے میں ناقص ہے اور وہ شخص حتی المقدور خالق کے حق بھی اور مخلوق کے حق بھی بجالاتا ہے اور خلق کو خالق کی طرف بلاتا ہے پس اس کی نسبت اکمل ہوگی۔

جاننا چاہئے کہ حق تعالیٰ کی طرف توجہ کرنا بعد اور دوری طلب کرتا ہے اور بعد و دوری اس عارف کے حق میں دوسروں کے نصیب ہو چکی ہے جو توجہ کے محتاج ہیں کیا کسی نے دیکھا ہے کہ کوئی شخص اپنی طرف متوجہ ہو تو پھر اس شخص کی طرف جو اپنے آپ سے بھی زیادہ نزدیک ہے اس کی توجہ کرنے کے کیا معنی۔ یہ عدم توجہ اس عارف کے مخصوصہ کمالات میں سے ہے۔ عجب نہیں کہ دور بین لوگ اس کو نقص خیال کریں اور توجہ کو عدم توجہ کی نسبت زیادہ کمال تصور کریں۔ حق تعالیٰ ان کو انصاف دے تاکہ اپنے جہل مرکب پر حکم نہ کریں اور ہنر کو عیب نہ جانیں۔

مکتوب ۷۴

آیت کریمہ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ کی تاویل اور آیہ کریمہ اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ کے بیان اور انسان کامل کی خلافت کے بیان میں کہ اس کا معاملہ یہاں تک پہنچ جاتا ہے کہ اس کو تمام اشیاء کا قیوم بنادیتے ہیں اور وہ ظالم لِنَفْسِهِ ہے اور مقصد کو ندیم اور خلیل سے تعبیر کیا ہے اور سابق بِالْخَيْرَاتِ کو محبت و محبوب کے ساتھ جن کا سر حلقہ محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ خواجہ ہاشم کی طرف صادر فرمایا ہے:-

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ثُمَّ اَوْزَنَّا الْكِتَابَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ (پھر ہم نے کتاب کا وارث ان لوگوں کو بنایا جن کو ہم نے اپنے بندوں میں سے چن لیا۔ کوئی ان میں سے اپنے نفس پر ظلم کرنے والا ہے اور کوئی اعتدال پر چلنے والا اور کوئی اللہ تعالیٰ کے حکم سے خیرات میں سب سے بڑھنے والا ہے)۔

اور فرماتا ہے۔ اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا (ہم نے اپنی امانت آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کی۔ لیکن انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس کو اٹھا لیا یہ بڑا ہی ظالم اور جاہل ہے)۔

ان دونوں آیتوں کی مراد اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے لیکن ہم تاویل بیان کرتے ہیں جو ہم پر ظاہر ہو گئی

ہے۔ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا (یا اللہ تو ہماری بھول چوک پر مواخذہ نہ کر)۔
جاننا چاہئے کہ اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِهِ (اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے۔)
اللہ تعالیٰ صورت سے پاک اور برتر ہے۔ پس آدم کا اس کی صورت پر پیدا ہونا اس طرح پر ہو سکتا ہے کہ
اگر مرتبہ تنزیہ کی صورت عالم مثال میں فرض کی جائے تو بیشک یہ صورت جامع ہوگی جس پر یہ انسان
جامع موجود ہوا ہے۔ دوسری صورت کو یہ قابلیت حاصل نہیں کہ اس مرتبہ مقدسہ کی تمثال ہو سکے اور
اس کا آئینہ بن سکے یہی باعث ہے کہ انسان حق تعالیٰ کی خلافت کے لائق ہوا ہے کیونکہ خلیفہ جب تک
شے کی صورت پر مخلوق نہ ہو اس شے کی خلافت کا مستحق نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ شے کا خلیفہ اس کا خلف
اور قائم مقام ہوتا ہے۔ چونکہ انسان رحمان کا خلیفہ بن گیا۔ اس لئے بار امانت بھی اسی کو اٹھانا پڑا۔ لَا
يَحْمِلُ عَظَايَا الْمَلِكِ اِلَّا مَطَايَاہُ (بادشاہ کے عطیوں کو اسی کے اونٹ اٹھا سکتے ہیں)۔ آسمان اور زمین
اور پہاڑ یہ جامعیت کہاں سے لاتے۔ کہ حق تعالیٰ کی صورت پر پیدا ہوتے اور اس کے خلافت کے لائق
ہو کر بار امانت کو اٹھا سکتے۔

محسوس ہوتا ہے کہ بالفرض اگر اس بار امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے حوالہ بھی کرتے تو ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے اور ان کا کچھ اثر باقی نہ رہتا۔ وہ امانت اس فقیر کے خیال میں نیابت کے طور پر تمام اشیاء کی قیومیت ہے جو انسان کامل کے ساتھ مخصوص ہے یعنی انسان کامل کا معاملہ یہاں تک پہنچ جاتا ہے کہ اس کو خلافت کے حکم سے تمام اشیاء کا قیوم بنادیتے ہیں اور تمام مخلوق کو تمام ظاہری باطنی کمالات کا افاضہ اور بقاء اسی کے ذریعے پہنچاتے ہیں اگر فرشتہ ہے تو وہ بھی اسی کے ساتھ متوسل ہے اور اگر جن وانس ہے تو وہ بھی اسی کے ساتھ وسیلہ پکڑتا ہے۔ غرض حقیقت میں تمام اشیاء کی توجہ اسی کی طرف ہوتی ہے اور سب اسی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ خواہ وہ اس امر کو جانیں یا نہ جانیں۔ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا یعنی اپنی جان پر یہاں تک ظلم کرتا ہے کہ اپنے وجود اور توابع وجود کا کوئی نام و نشان اور اثر و حکم باقی نہیں چھوڑتا۔ واقعی جب تک اس طرح کا حکم نہ کرے بار امانت کے لائق نہیں ہو سکتا۔ جَہُوْلًا یعنی اس قدر جاہل ہے کہ اس کو اپنے مطلوب کا علم و ادراک نہیں بلکہ ادراک سے عاجز ہونا اور علم سے جاہل ہونا اس کا مقصود ہے یہ عجز و جہل اس مقام میں کمال معرفت ہے کیونکہ سب سے زیادہ جاہل اس مقام میں سب سے زیادہ عارف ہوتا ہے اور جو سب سے زیادہ عارف ہو گا وہی بار امانت کے لائق ہو گا یہ دونوں وصفیں گویا بار امانت کے اٹھالینے کا باعث ہیں یہ عارف جو اشیاء کی قیومیت کے مرتبہ سے مشرف ہوا ہے وزیر کا حکم رکھتا ہے جس کی طرف تمام مخلوقات کے ضروری کام اور معاملات راجع ہیں۔ انعام اگرچہ بادشاہ کی طرف سے ہیں لیکن وزیر کے ذریعے سے پہنچتے ہیں۔

اس دولت کے رئیس ابوالبشر حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں یہ مرتبہ اصلی طور پر اولوالعزم پیغمبروں کے ساتھ مخصوص ہے یا ان لوگوں کے ساتھ جن کو ان بزرگواروں کی وراثت و تبعیت کے طور پر اس دولت سے مشرف فرمائیں۔

ع کریموں پر نہیں مشکل کوئی کام
ترجمہ

وارثان کتاب میں سے پہلا گروہ جو اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں میں سے ہے یہی ظالم نفسہ ہیں جو منصب وزارت اور قیومت سے مشرف ہیں ان برگزیدہ لوگوں میں سے دوسرا گروہ جن کو مقصد سے تعبیر فرمایا ہے وہ لوگ ہیں جو دولت خلت سے مشرف ہیں اور صاحب سر اور اہل مشورت ہیں۔ اگرچہ پادشاہی کا معاملہ اور کاروبار وزیر کے متعلق ہے لیکن خلیل یعنی دوست ہمنشین اور غمخوار اور انیس ہوتا ہے۔ یعنی خلیل اپنے آرام کیلئے ہے اور وزیر دوسروں کے کاروبار کیلئے شَتَّانَ مَا بَيْنَهُمَا (ان دونوں میں بہت فرق ہے)

اس مقام عالی یعنی خلت کے سر حلقہ حضرت ابراہیم خلیل الرحمن علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ یا وہ لوگ جن کو اس مقام عالی سے مشرف فرمائیں۔ مقام خلت کے اوپر مقام محبت ہے۔ جس مقام اعلیٰ کے ساتھ تیسرے گروہ کے لوگ جو مَسَابِقُ بِالْخَيْرَاتِ ہیں۔ مشرف ہوئے ہیں۔ یار و ندیم اور ہوتا ہے اور محبت و محبوب اور وہ اسرار و معاملات جو محبت و محبوب کے درمیان گزرتے ہیں۔ یار و ندیم کا وہاں کچھ دخل نہیں۔ اگرچہ کمال الفت و انس کے وقت محبت کے خفیہ اور پوشیدہ اسرار کو جلیل القدر خلیل کے ساتھ بیان کر سکتے ہیں اور اس کو محبت و محبوب کے اسرار کا محرم بنا سکتے ہیں۔

محبوبوں کے سر حلقہ حضرت کلیم اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں اور محبوبوں کے سر گروہ حضرت خاتم الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ یا ان بزرگواروں کی وراثت اور تبعیت سے جس کسی کو ان دو مقاموں سے مشرف فرمائیں اور وہ مقامات جو مقام محبت سے اعلیٰ ہیں۔ اس فقیر کے کسی مکتوب میں مذکور ہو چکے ہیں۔ ان میں بھی صدر نشین محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ وہ سب مقامات سابقین کے مقام میں داخل ہیں۔ جو وارثان کتاب میں سے تیسرے گروہ کو نصیب ہیں۔

رَبَّنَا آتِنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً وَهَيِّ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا رَشَدًا (یا اللہ تو اپنے پاس سے ہم پر رحمت نازل فرما اور ہمارے کاموں میں ہماری بھلائی نصیب کر) وَالسَّلَامُ عَلَيَّ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدَى۔ سلام اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی۔

مکتوب ۷۵

اس بیان میں کہ مصیبتیں اور تکلیفیں دوستوں کے لئے کفارہ ہیں اور عاجزی اور زاری سے عفو و عافیت طلب کرنی چاہئے۔ مرزا مظفر کی طرف صادر فرمایا ہے:

سَلِّمُکُمُ اللّٰهُ عَمَّا لَا یَلِیْقُ بِجَنَابِکُمْ (اللہ تعالیٰ آپ کو ان باتوں سے سلامت رکھے جو آپ کی جناب کے لائق نہیں)۔

دنیا کے درد و رنج اور مصیبتیں اور تکلیفیں دوستوں کے قصوروں کا کفارہ ہیں۔ عاجزی اور زاری اور التجا و انکسار کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے عفو و عافیت طلب کرنی چاہئے۔ حتیٰ کہ قبولیت کا اثر مفہوم ہو جائے اور فتنہ کافرو ہونا معلوم ہو جائے۔ اگرچہ دوست اور خیر خواہ سب اس کام میں لگے ہیں۔ مگر صاحب معاملہ اس کام کا زیادہ مستحق ہے۔ دوا کھانا اور پرہیز کرنا بیمار کا کام ہے۔ دوسرے لوگ مرض کے دور کرنے میں صرف اس کے مددگار ہیں۔

معاملہ کی حقیقت یہ ہے کہ محبوب حقیقی کی طرف سے جو کچھ آئے۔ کشادہ پیشانی اور فراخ دلی سے احسان کے ساتھ اس کو قبول کر لینا چاہئے بلکہ اس سے لذت حاصل کرنی چاہئے وہ رسوائی اور بے ناموسی جس میں محبوب کی مراد ہو۔ محبت کے نزدیک اس ننگ و ناموس و عزت سے بہتر ہے جس میں محبت کے اپنے نفس کی مراد ہو اگر یہ بات محبت کو حاصل نہیں تو محبت میں ناقص بلکہ کاذب ہے۔

گر طمع خواہد ز من سلطان دین خاک برفرق قناعت بعد ازین

ترجمہ مجھ سے اگر چاہے طمع سلطان دیں

پھر قناعت کی ہمیں حاجت نہیں

جناب شریعت مآب نے جب خدمت سے واپس آ کر سفر کے احوال اور مسافروں کے احوال کی تنگی بیان کی ان کی خیر و عافیت کا فاتحہ اور دعا کی گئی۔

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إَصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ وَاعْفُ عَنَّا وَارْحَمْنَا أَنْتَ مَوْلَانَا فَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ یا اللہ تو ہماری بھوک چوک پر ہمارا مواخذہ نہ کر اور ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جو تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا۔ یا اللہ تو ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جس کو ہم برداشت نہیں کر سکتے۔ ہمیں معاف کر اور بخش اور ہم پر رحم کر۔ تو ہمارا مولا ہے ہم کو کافروں پر مدد دے۔ پاک ہے تیرا رب لوگوں کے وصف سے برتر اور مرسلین پر سلام ہو اور اللہ رب العالمین کیلئے ہی حمد ہے۔

مکتوب ۷۶

عرش کی حقیقت کے بیان میں جو عالم خلق اور عالم امر کے درمیان برزخ ہے اور دونوں کا رنگ رکھتا ہے اور زمین و آسمان کی قسم سے نہیں ہے اور کرسی اور اس کی وسعت کے بیان میں مولانا فرخ حسین کی طرف صادر فرمایا ہے:-

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اللّٰهُ تَعَالٰى كَيْلَے حَمْدِہٖ اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔

عرش مجید حق تعالیٰ کی عجیب و غریب مصنوعات میں سے ہے اور عالم کبیر میں عالم خلق اور عالم امر کے درمیان برزخ ہے اور دونوں کا رنگ رکھتا ہے اور وہ عالم خلق جو چھ روز میں پیدا ہوا ہے یعنی زمین و آسمان و پہاڑ وغیرہ جو آیت کریمہ خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنِ الْخ میں واقع ہے۔ عرش کا وجود ان کی پیدائش سے مقدم ہے۔

جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنِ وَكَانَ عَرْشُهُ عَلٰی الْمَآءِ (وہ حق تعالیٰ جس نے آسمانوں اور زمین کو دو دن میں پیدا کیا اور اس کا عرش پانی پر تھا) بلکہ اس آیت سے مفہوم ہوتا ہے کہ اس عالم خلق سے پانی بھی پہلے پیدا ہوا ہے۔ پس عرش مجید جس طرح زمین کی قسم سے نہیں ہے۔ آسمان کی قسم سے بھی نہیں ہے کیونکہ عرش عالم امر کا بہت حصہ رکھتا ہے اور یہ نہیں رکھتے چونکہ عرش کو زمین کی نسبت آسمانوں کے ساتھ زیادہ مناسبت ہے اس لئے آسمانوں میں گنا جاتا ہے۔ ورنہ درحقیقت نہ وہ زمین کی قسم سے ہے نہ آسمان کی قسم سے۔ زمین و آسمان کے احکام و آثار جدا ہیں اور عرش کے جدا۔

باقی رہا معاملہ کرسی کا۔ آیت کریمہ وَبِیْعَ کُرْسِیُّہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ سے مفہوم ہوتا ہے کہ کرسی بھی آسمانوں سے جدا ہے اور ان سب سے زیادہ وسیع ہے اور شک نہیں کہ کرسی عالم امر سے نہیں کیونکہ اس کو عرش کے نیچے بتاتے ہیں۔ عالم امر کا معاملہ عرش کے اوپر ہے اور جب عالم خلق سے ہو کر اس کی پیدائش آسمانوں سے جدا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کی پیدائش ان چھ دنوں کے سوا ہوگی اور اس میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ عالم خلق سب کا سب انہی چھ دنوں میں پیدا نہیں ہوا۔ کیونکہ پانی جو عالم خلق سے ہے ان چھ دنوں کے سوا پیدا ہوا ہے اور ان سے اول پیدا ہوا ہے۔ جیسے کہ گزر چکا۔ چونکہ کرسی کا معاملہ اچھی طرح ہم پر کشف نہیں ہوا۔ اس لئے اس کی تحقیق کو دوسرے وقت پر موقوف رکھا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے کرم سے بہت کچھ امید ہے۔ رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا (یا اللہ تو میرا علم زیادہ کر)۔

اس تحقیق سے دو قوی اعتراض دفع ہو گئے۔ ایک یہ کہ جب زمین و آسمان نہ تھے۔ تو چھ دنوں کی

تعیین و تشخیص کہاں سے ہوئی اور یک شنبہ کا دن دو شنبہ سے کس طرح الگ ہو اور سہ شنبہ چار شنبہ سے اور پنج شنبہ سب جمعہ کیونکہ ممتاز ہوا۔ جب زمین و آسمان کی پیدائش سے پہلے عرش کی پیدائش معلوم ہو گئی تو زمانہ کا حصول متصور ہو گیا اور دنوں کا ثبوت واضح ہو گیا اور اعتراض دور ہو گیا یہ ضروری نہیں کہ دنوں کا امتیاز آفتاب کے طلوع و غروب پر ہی مخصوص ہو۔ کیونکہ بہشت میں یہ طلوع و غروب نہیں لیکن دنوں کا امتیاز ثابت ہے۔ جیسے کہ اخبار میں وارد ہے۔

اور دوسرا اعتراض جو دفع ہوا۔ اور اس فقیر کے علم پر مخصوص ہے۔ وہ یہ ہے کہ حدیث قدسی میں آیا ہے۔ لَا يَسْغِي اَرْضِي وَلَا سَمَانِي وَلَكِنْ يَسْغِي قَلْبُ عَبْدِ الْمُؤْمِنِ (میں نہ اپنی زمین میں سما سکتا ہوں نہ آسمان میں لیکن مومن آدمی کے دل میں سما سکتا ہوں) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کامل ظہور مومن آدمی کے قلب کے ساتھ مخصوص ہے اور اس کے سوا کسی اور کو یہ دولت حاصل نہیں لیکن مکتوبات میں اس کے برخلاف لکھا ہے کہ ظہور اتم عرش مجید کیلئے ہے اور ظہور قلبی ظہور عرشی کا ایک لمحہ ہے۔

اور پہلی تحقیق سے معلوم ہوا کہ عرش کے آثار و احکام زمین و آسمان کے آثار و احکام سے جدا ہیں یعنی زمین و آسمانوں میں حق تعالیٰ کی گنجائش نہیں اور عرش میں ہے۔ ہاں زمین و آسمان اس وسعت کی قابلیت نہیں رکھتے۔ یہ وسعت مومن آدمی کے دل کو حاصل ہے جو اس دولت کیلئے مستعد ہے پس وسعت قلبی کا حصہ زمین و آسمانوں کے اعتبار سے ہے نہ ان تمام مصنوعات کے اعتبار سے جو عرش کو بھی شامل ہیں۔ کہ حدیث قدسی کے مفہوم کے برخلاف متصور ہو۔ پس یہ دوسرا اعتراض بھی رفع ہو گیا۔

جاننا چاہئے کہ جب زمین و آسمان و مافیہا کو عرش مجید کے مقابلہ میں ظہور تام کا محل ہے۔ ڈالتا ہوں تو بے توقف نیست و نابود ہو جاتے ہیں اور ان کا کوئی اثر نہیں رہتا۔ ہاں قلب انسانی جو عرش کے رنگ سے رنگا ہوا ہے۔ باقی رہتا ہے اور محض لاشے نہیں ہو جاتا اسی طرح وہ ظہور جو فوق کی جانب میں ماوراء عرش یعنی صرف عالم امر سے تعلق رکھتا ہے۔ عرش کو اس ظہور اور اس مرتبہ سے وہی نسبت ہے۔ جو زمین و آسمان کو عرش کے ساتھ تھی۔ فوق کو اپنے ماتحت کے ساتھ اسی طرح کی نسبت ہے۔ حتیٰ کہ عالم امر ختم ہو جائے اس دائرہ کے تمام ہونے کے بعد معاملہ حیرت و جہل میں پڑتا ہے اگر معرفت ہے تو مجہول الکفایت ہے جو حادث کے عقل و فہم سے برتر ہے اب ہم انسان اور قلب انسان کے کچھ کمالات بیان کرتے ہیں۔ ع

عیب مے جملہ بگفتی بنرش نیز بگو

ترجمہ ع عیب مے سب ہو چکے کچھ تو ہنر اس کے کہو

عرش مجید اگرچہ زیادہ وسیع اور مظہر اتم ہے لیکن اپنی اس دولت کے حاصل ہونے کا علم نہیں رکھتا اور ان کمالات کا شعور اس کو حاصل نہیں۔ برخلاف قلب انسانی کے کہ صاحب شعور ہے اور اپنے علم و معرفت سے معمور ہے قلب کیلئے ایک اور بھی زیادتی ہے جس کو ہم بیان کرتے ہیں۔ غور سے سنیں مجموعہ انسان جس کو عالم صغیر کہتے ہیں اگرچہ عالم خلق اور عالم امر سے مرکب ہے لیکن اس کو ہیئت وحدانی حقیقی حاصل ہے جس پر آثار و احکام مترتب ہیں اور عالم کبیر کو یہ ہیئت وحدانی حاصل نہیں اور اگر ہے بھی تو اعتباری ہے۔ پس وہ فیوض جو اس ہیئت وحدانی کی راہ سے انسان اور قلب انسان کو پہنچتے ہیں۔ عالم کبیر اور عرش مجید جو اس عالم کبیر کے قلب کی طرح ہے۔ ان فیوض و برکات سے بے نصیب ہے۔ دوسری وجہ زیادتی قلب کی یہ ہے کہ جزو خاکی جو فی الحقیقت خلاصہ مخلوقات ہے اور باوجود دوری کے اقرب ظہورات ہے۔ اس جزو خاکی کے کمالات نے مجموعہ عالم صغیر میں سرایت کی ہے۔ اور عالم کبیر میں چونکہ درحقیقت یہ مجموعہ نہیں اس لئے یہ سرایت مفقود ہے۔ پس قلب انسانی عرش مجید کے برخلاف یہ کمالات بھی رکھتا ہے۔

جاننا چاہئے کہ یہ فضائل و کمالات جو قلب میں ثابت کئے جاتے ہیں جب اچھی طرح ملاحظہ کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ فضل جزئی میں داخل ہیں اور فضل کلی ظہور عرش کیلئے معلوم ہوتا ہے۔ عرش اور قلب کی مثال اس طرح معلوم ہوتی ہے کہ گویا ایک وسیع آگ ہے جس نے دشت و صحرا کو منور کر دیا ہے اور اس آگ سے ایک مشعل بنالیں جس میں بعض امور کے لاحق ہونے سے اس قسم کی اور نورانیت پیدا ہو جائے جو اس آگ میں نہیں تو کچھ شک نہیں کہ یہ زیادتی صرف فعل جزئی ہی ثابت کرتی ہے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ اَعْلَمُ بِحَقَائِقِ الْأُمُورِ كُلِّهَا تمام امور کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ رَبَّنَا أَنْتُمْ لَنَا نُورٌ نَا وَاعْفِرْ لَنَا إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ يَا اللّٰهُ تو ہمارے نور کو کامل کر اور ہم کو بخش تو سب کچھ کر سکتا ہے۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّآلِهِ وَاَصْحَابِهِ اَجْمَعِينَ - وَعَلٰی جَمِيعِ الْاَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِينَ وَالْمَلَائِكَةِ الْمُقَرَّبِينَ وَبَارَكَ وَسَلَّم۔

مکتوب ۷۷

ایک عریضہ کے جواب میں جس میں کلام صوفیاء پر اعتراض کئے ہوئے تھے اور آخر مکتوب میں لکھا تھا کہ احکام شرعیہ میں سے ہر ایک حکم ایک درجہ ہے۔ جو شہر مقصود تک پہنچانے والا ہے اور دوسرے استفساروں کے جواب میں مولانا حسن برکی کی طرف صادر فرمایا ہے:-

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اللّٰهُ تَعَالٰى كَيْلَے حَمْدِے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔

برادرِ م حسن (کہ خدا اس کے حال کو اچھا کرے) کا صحیفہ شریفہ آیا تشرع و استقامت کا حال پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔

آپ نے لکھا تھا کہ وہ سلوک جو مشہور ہے اور سالکوں کا معتقد جو ہمارا مفہوم ہے یہ ہے کہ مبتدی کو ذکر کرنا چاہئے تاوقتیکہ دل گویا اور ذکر ہو جائے۔ پھر یہاں تک کہ ذکر کو چھوڑ کر الہامات و تجلیات کا محل ہو جائے۔ اور سالک مقام فنا تک پہنچ جائے۔ جو ولایت کا قدم اول ہے اور صوفیہ نے کہا ہے کہ فنا یہ ہے کہ سالک کی دید و دانش سے مسمیٰ بالغیر دور ہو جائے اور واجبِ تعالیٰ کے بغیر سالک کی دید و دانش میں کچھ نہ رہے جس کو شہود و مشاہدہ وغیرہ بھی کہتے ہیں جس سے مقصود یہ ہے کہ سالک اپنے زعم میں حق تعالیٰ کو دیکھتا ہے اور مسمیٰ بالغیر کو نہیں دیکھتا۔ اور دو بین کو مشرک طریقت کہتے ہیں۔

اور آپ نے لکھا ہے کہ یہ معارف وغیرہ فقیر کو یقین کر دیتے ہیں کیونکہ اگر ان کا مقصود یہ ہے کہ حق تعالیٰ کو دنیا میں بصیر و بصیرت سے دیکھا جاتا ہے تو پھر اگر اس شہود اور رویت کا شعور رکھتے ہیں۔ تو یہ بھی مشرک طریقت ہیں اور اگر یہ شعور نہیں رکھتے تو پھر خبر کس کی دیتے ہیں اور کس طرح دیتے ہیں۔ اور آپ نے لکھا تھا کہ جو کچھ دیکھتے ہیں خواہ تجلی صوری ہو یا معنوی خواہ نوری وغیرہ اور اس مرئی کو حق تعالیٰ کی ذات جانتے ہیں اور مسمیٰ بالغیر کو اس کا ظہور جانتے ہیں۔ اس فقیر کے نزدیک بے حاصل اور دور از کار ہے اور آیت کریمہ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ کے برخلاف ہے۔ آیت کریمہ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ اس مطلب پر گواہ ہے۔

پس یہ لوگ کیا دیکھتے ہیں اور کیا جانتے ہیں جو کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ کے سوا کسی کو نہ ہم دیکھتے ہیں نہ جانتے ہیں جس کا نام انہوں نے شہود و مشاہدہ رکھا ہے اور یہ سب فکر و اندیشہ جو اہل و عیال کی تدبیر میں کرتے ہیں غیر ہے یا نہیں۔

آپ کو واضح ہو کہ یہ سب بیہودہ اعتراض اور زبان درازیاں ہیں جو آپ نے مشائخ طریقت قدس سرہم پر کی ہیں۔ ان کا باعث یہ ہے کہ آپ نے ان بزرگواروں کی مراد کو نہیں سمجھا۔ توحید شہودی جس کے معنی ہیں ایک دیکھنا اور جو ماسوائے کے نسیان پر وابستہ ہے ان بزرگواروں کے نزدیک طریقت کی ضرورت میں سے ہے۔ جب تک یہ حاصل نہ ہو۔ اغیار کی گرفتاری سے خلاصی نہیں ہوتی۔ اور آپ اس دولت اور دولت والوں پر ہنسی اڑاتے ہیں۔ شہود رویت جو ان بزرگواروں کی عبارات میں واقع ہے اس سے مراد حضور پیکونی ہے جو مرتبہ تنزیہ کے مناسب اور عالم چون کے اور اک سے باہر ہے اور یہ

دولت حضور دنیا میں باطن کے ساتھ مخصوص ہے۔ ظاہر کو ہر وقت دو جہتی سے چارہ نہیں اسی واسطے کہتے ہیں کہ جس طرح عالم کبیر میں مشرک و موحد ہے اسی طرح عالم صغیر میں بھی مشرک و موحد ہے کامل کا باطن ہر وقت موحد ہے اور اس کا ظاہر مشرک۔ یعنی کامل کا باطن ہر وقت خداوند تعالیٰ کی طرف لگا رہتا ہے اور اس کا ظاہر اہل و عیال کی تدبیر میں اس میں کوئی ڈر نہیں یہ اعتراض بے سمجھی کے باعث ہے۔

آپ کو اس قسم کی باتیں نہ کرنی چاہئیں اور حق تعالیٰ کی غیرت سے ڈرنا چاہئے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت کے مدعی آپ کو اس فتنہ و فساد پر آمادہ کرتے ہیں آپ کو بزرگوں کا لحاظ کرنا چاہئے اگر آپ ان مدعیوں کی بنی بنائی اور من گھڑت باتوں پر اعتراض کرتے تو بجا تھا۔ لیکن وہ امر جو قوم کے نزدیک مقرر اور طریقت میں ضروری ہے اس پر اعتراض کرنا نامناسب ہے۔ آپ نے فقیر کے رسالوں اور مکتوبات میں دیکھا ہے کہ توحید شہودی کی نسبت کیا کچھ لکھا ہے اور اس کو طریقت کی ضروریات سے مقرر کیا ہے۔ آپ کو چاہئے تھا کہ اس کے معنی دریافت کرتے اور ادب سے سوال کرتے یہ پہلا پھول ہے جو مولانا احمد علیہ الرحمۃ کی جدائی کے بعد کھلا ہے۔ مولانا کی زندگی میں اس قسم کی باتیں آپ سے کبھی ظاہر نہ ہوئی تھیں۔ خیر اچھا ہوا کہ آپ نے لکھا اور آپ کو آگاہی ہوئی۔ آئندہ بھی جو کچھ ظاہر ہوتا رہے لکھتے رہا کریں اور صحت و سقم کا ملاحظہ نہ کیا کریں۔ کیونکہ اگر صحیح ہوگا تو خوشی کا باعث ہے اور اگر سقم ہوگا تو تنبیہ کا باعث ہوگا بہر صورت لکھنے میں سستی نہ کیا کریں۔ سال کے بعد آپ کا خط قافلہ کے ہمراہ آتا ہے۔ سال میں ایک بار تو نصیحتوں کا لکھنا ضروری ہے جب تک آپ نہ لکھیں نہ پوچھیں تب تک گفتگو کا راستہ نہیں کھلتا۔

آپ نے پوچھا تھا کہ قلب ظاہر کی قسم سے ہے یا باطن سے۔ عارف کے ظاہر و باطن کا حال ایک مکتوب میں لکھا ہوا ہے۔ ملا عبدالحی کو لکھوں گا کہ اس کی نقل آپ کو بھیج دے آپ وہاں سے ملاحظہ کر لیں۔

نیز آپ نے پوچھا تھا کہ وہ طریق جو تجلیات و کشفیات کے بغیر ہے اس طریق کے منتہی و متوسط کی شناخت کا طریق کیا ہے۔

آپ کو واضح ہو کہ اگر یہ سالک جس کو اپنے احوال کا علم نہیں۔ شیخ کامل، مکمل، راہ داں، راہ بیس کی خدمت میں ہے تو اس کے حال پر شیخ کا علم ہی اس کیلئے کافی ہے اس کے بتلانے سے انتہاء و توسط کو معلوم کرے گا۔ نیز اگر وہ شیخ اس کو خلق کے ارشاد کیلئے ایک قسم کی اجازت دیدے تو مریدوں کے احوال اس کے کمالات کے آئینے ہونگے۔ جن میں اپنے نقص و کمال کو دیکھ لے گا۔ انتہا کے پہنچانے کیلئے دوسرا نشان یہ ہے کہ سالک کو حق تعالیٰ کے سوا کسی سے تعلق نہیں رہتا اور اس کا سینہ تمام ماسوا کے تعلقات سے خالی و

صاف ہو جاتا ہے نہایت کے بہت سے مرتبے ایک دوسرے کے اوپر ہیں مگر نہایت میں پہلا قدم یہی ہے جس کا ذکر ہو چکا ہے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْمَوْفِقُ۔

نیز آپ نے لکھا تھا کہ وہ معارف جو اس بے سرو سامان کو تسلی دیتے ہیں۔ معارف شریعہ ہیں گویا احکام شریعہ میں سے ہر ایک حکم درپچہ ہے جو شہر مقصود تک پہنچانے والا اور اس شہر بے نشان کا پتہ بتانے والا ہے اور بیت مد نظر ہے۔

ما بسفر می رویم عزم تماشا کر است ما بر او می رویم کز ہمہ عالم در است

ترجمہ ہم ہیں یہاں مسافر دیکھیں کیا تماشا

جاتے ہیں اس طرف جو عالم سے ہے نرالا

آپ کی یہ معرفت اصلی اور بہت اعلیٰ اور بہت امید بخشے والی ہے۔ اس معرفت کے مطالعہ نے بڑا خوش کیا۔ حتیٰ کہ مکتوب کی پہلی پراگندگی کو بھی دور کر دیا۔ حق تعالیٰ اس راہ سے آپ کو منزل مقصود تک پہنچائے۔

نیز آپ نے پوچھا تھا کہ بعض مرد اور عورتیں آکر طریقہ سیکھنے کی التماس کرتے ہیں لیکن اس کھانے پینے سے جو سود سے حاصل ہو۔ پرہیز نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ ہم حیلہ شرعی سے اس کو درست کر لیتے ہیں ان کو طریقت کی تعلیم دینے کی اجازت ہے یا نہیں۔ آپ ان کو طریقہ سکھائیں اور محرمات سے بچنے کی ترغیب دیں۔ امید ہے کہ طریقہ کی برکت سے اس شبہ سے نکل آئینگے۔

نیز آپ نے ان دو سفید نشانوں کے بارہ میں پوچھا تھا جو مشرق کی طرف ایک دوسرے کے پیچھے ظاہر ہوئے تھے۔ یاروں کے استفسار کے بعد اس بارہ میں بھی ایک مکتوب لکھا ہے۔ ملا عبدالحی کو کہا جائیگا۔ اس کی نقل انشاء اللہ آپ کو بھی ارسال کر دے گا۔

نیز آپ نے پوچھا تھا کہ کلام اللہ ختم کرنا اور نماز نفل کا پڑھنا اور تسبیح و تہلیل کرنا اور اس کا ثواب ماں باپ یا استاد یا بھائیوں کو بخشنا بہتر ہے یا کسی کو نہ بخشنا بہتر ہے۔ واضح ہو کہ بخشنا بہتر ہے کیونکہ اس میں اپنا بھی نفع ہے اور غیر کا بھی اور عجب نہیں کہ اس عمل کو دوسروں کے طفیل قبول کر لیں اور نہ بخشنے میں اپنا ہی نفع ہے۔ والسلام۔

مکتوب ۷۸

اس طائفہ عالیہ کی محبت و اخلاص کے بیان میں کہ یہ محبت و اخلاص فنا فی اللہ اور بقا

باللہ کا زینہ ہے۔ اور اس کے مناسب بیان میں داراب خان کی طرف صادر فرمایا ہے:-

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اللّٰهُ تَعَالٰى كَيْلَے حَمْدِہٖ اور اس کے برگزیدہ

بندوں پر سلام ہو۔

یہ ایک بڑی خوشگوار دولت ہے جو آپ کے خاندان میں محسوس ہوتی ہے یعنی باوجود اسباب غنا اور استغنا کے پھر بھی آپ کو فقراء کے ساتھ نیاز مندی اور اس طبقہ کی خدمت گزاری کا خیال ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو اس طائفہ عالیہ کے ساتھ بڑی محبت و اخلاص ہے اور اس فرقہ ناجیہ کے ساتھ بڑی اعلیٰ دوستی ہے اس گروہ کے محبوبوں کیلئے الْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ کی بشارت کافی ہے۔ اور اس طائفہ کے حبیبوں کیلئے هُمْ قَوْمٌ لَا يَشْقَىٰ جَلِيسُهُمْ کی خوشخبری وافی ہے جب اللہ تعالیٰ کی عنایت سے یہ محبت یہاں تک غالب آجائے کہ دل سے دوسروں کی محبت اور تعلقات کو دور کرے اور لوازم محبت یعنی محبوب کی اطاعت اور اس کی مراد پر قائم رہنا اور اس کے اخلاق و اوصاف سے متخلق ہونا ظاہر ہو جائے تو اس وقت محبوب میں فنا حاصل ہو جاتی ہے جس کو فنا فی الشیخ کہتے ہیں جو اس راہ میں پہلا زینہ ہے۔ یہی فنا فی الشیخ پھر فنا فی اللہ کا وسیلہ بن جاتی ہے۔ جس پر بقا باللہ مترتب ہے جس سے ولایت حاصل ہوتی ہے غرض اگر ابتداء میں کسی کے وسیلہ کے بغیر محبوب حقیقی کا جذبہ و انجذاب میسر ہو جائے تو بڑی اعلیٰ دولت ہے اسی سے فنا و بقا حاصل ہوتی ہے ورنہ شیخ کامل مکمل کا وسیلہ ضروری ہے یعنی اپنی مرادوں کو اس کی مراد کے تابع کر دے اور اس میں فانی ہو جائے تاکہ یہ فنا، فنا فی اللہ کا وسیلہ بن جائے اور ماسوا کے تعلقات سے بالکل آزاد کر کے درجات ولایت تک پہنچا دے۔

بر شکر غلطید اے صفرائیاں از برائے کورائے سودائیاں

ترجمہ گر پڑو شکر پہ تم صفرائیو

کور سودائی ہیں سارے پل پڑو

اس قسم کی باتیں طالبوں اور بوالہوسوں کی ترغیب اور شوق دلانے کیلئے لکھی جاتی ہیں۔ وَاللّٰہُ

سُبْحَانَهُ الْمَوْفِقُ

باقی مطلب یہ ہے۔ کہ اس خط کا لانے والا محمد قاسم بزرگ زادہ ہے اور فقرہ کی خدمت میں رہا ہے۔ چونکہ اپنے بڑے بھائی کی خدمت میں بڑی ناز و نعمت سے پرورش یافتہ ہے۔ اس لئے زمانہ کی محنتوں سے نا آشنا ہے۔ اب آپ کی ملازمت کا شوق رکھتا ہے۔ اگر اپنی سرکار کے ملازموں میں داخل کر کے اس کے حال پر توجہ و التفات فرمائیں۔ آپ کے کرم سے بعید نہیں۔ زیادہ لکھنا باعث تکلیف ہے۔ والسلام۔

مکتوب ۷۹

ایک رسالہ کے جواب میں جو کفر حقیقی سے منہ پھیرنے اور اسلام حقیقی کی طرف

آنے کے بارہ میں لکھا ہوا تھا۔ شیخ یوسف برکی کی طرف صادر فرمایا ہے:-

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اللہ تعالیٰ کیلئے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔

رسالہ جو آپ نے لکھ کر مولانا عبدالحی کے حوالہ کیا تھا تاکہ دکھائے اس نے اتنی مدت نہ دکھایا حتیٰ کہ جس دن مولانا بابوروانہ ہوئے اس دن رسالہ کو لا کر حاضر کیا۔ اس کا مطالعہ کر کے بڑی خوشی ہوئی۔ کیونکہ کفر کی طرف سے منہ پھیرنے اور اسلام حقیقی کی طرف آنے کا حال اس میں درج تھا۔ جس طرح اسلام مجازی کفر مجازی سے بہتر ہے اسی طرح اسلام طریقت بھی کفر طریقت سے بہتر ہے کفر طریقت میں سب سکر ہی سکر ہے اور اسلام طریقت میں صحو ہی صحو۔ جس طرح صحو مجازی سکر مجازی سے بہتر ہے۔ اسی طرح صحو طریقت بھی سکر طریقت سے بہتر ہے۔ کفر طریقت کا ثمرہ تشبیہ ہے اور اسلام طریقت کا نتیجہ تنزیہ۔ جس قدر تشبیہ اور تنزیہ کے درمیان فرق ہے اسی قدر طریقت کے کفر و اسلام کے درمیان فرق ہے۔ بعض لوگ تشبیہ و تنزیہ کے جمع کرنے کو اختیار کرتے ہیں اور اس کو کمال جانتے ہیں۔ یہ تنزیہ بھی تشبیہ کی قسم سے ہے جو ان کی نظر میں تنزیہ دکھائی دیتی ہے۔ ورنہ تشبیہ کی کیا مجال ہے کہ تنزیہ حقیقی کے ساتھ جمع ہو جائے اور اس کے انوار کی شعاعوں میں نیست و نابود نہ ہو جائے۔

بلے ہر جا بود مہر آشکارا سہارا جز نہاں بودن چہ یارا

ترجمہ بھلا جس جا پہ ہو سورج چمکتا

سہا ہر گز نہیں اس جا و ملکتا

حق تعالیٰ نبی ﷺ اور ان کی آل بزرگوار کے طفیل اسلام حقیقی کی حقیقت سے مشرف فرمائے۔ مولانا بابو چونکہ بالکل تیار تھے اس واسطے چند کلموں پر اختصار کیا گیا۔ اَلْسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَعَلٰی مَنْ لَّدَیْکُمْ۔

مکتوب ۸۰

اس بیان میں کہ آپ سے پوچھا گیا تھا کہ تمہیدات عین القصاصات میں لکھا ہے کہ جس کو تم خدا جانتے ہو وہ ہمارے نزدیک محمد ﷺ ہے اور جس کو تم محمد ﷺ جانتے ہو ہمارے نزدیک خدا ہے۔ شیخ حامد بخاری کی طرف صادر فرمایا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اللہ تعالیٰ کیلئے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔

آپ کا صحیفہ شریفہ جو بڑی محبت و اخلاص اور مودت و اختصاص سے لکھ کر روانہ کیا تھا پہنچا، بڑی

خوشی ہوئی اللہ تعالیٰ آپ کو اس دولت پر استقامت عطا فرمائے کیونکہ ہر گروہ کا محبت اس گروہ کے ساتھ ہے۔ الْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ (آدمی اسی کے ساتھ ہوگا۔ جس کے ساتھ اس کی محبت ہوگی) حدیث نبوی ﷺ ہے۔

آپ نے تمہیدات عین القصص کی عبارت کے معنی پوچھے تھے کہ اس میں لکھا ہے کہ جس کو تم خدا جانتے ہو وہ ہمارے نزدیک محمد ﷺ ہے اور جس کو تم محمد ﷺ جانتے ہو وہ ہمارے نزدیک خدا ہے۔ میرے مخدوم! اس قسم کی عبارتیں جو توحید و اتحاد کی خبر دیتی ہیں سکر کے غلبوں میں جو مرتبہ جمع ہے اور جس کو کفر طریقت سے تعبیر کرتے ہیں۔ مشائخ قدس سرہم سے بہت صادر ہوتی ہیں۔ اس وقت دوئی اور تمیز ان کی نظر سے دور ہو جاتی ہے اور ممکن کو عین واجب معلوم کرتے ہیں بلکہ ممکن کو پاتے ہی نہیں اور جب واجب کے سوا کچھ ان کا مشہود نہیں ہوتا اس صورت میں اس عبارت کے معنی یہ ہو گئے کہ وہ امتیاز اور دوئی جو تمہارے نزدیک خدا تعالیٰ اور محمد ﷺ کے درمیان ہے۔ ہمارے نزدیک وہ امتیاز اور مغائرت ثابت نہیں۔ بلکہ وہ ایک جو ایک ہونے سے بھی منزہ ہے۔ دوسرے کا عین ہے جب تمام ممکنات سے مغائرت کی نسبت دور ہو جائے تو پھر محمد رسول اللہ جو حق تعالیٰ کے کمالات کا مظہر اتم ہیں۔ ان کے امتیاز کی نسبت کس طرح ثابت رہے یہ دید مرتبہ جمع کے ساتھ ہی مخصوص ہے جب سالک اس مقام سے بلند چلا جاتا ہے اور سکر کی افراط سے آنکھ کھولتا ہے تو محمد ﷺ کو بندہ پاتا ہے اور اس کا رسول جانتا ہے جیسے کہ ابتداء میں جانتا تھا۔ اَلنِّهَايَةُ هِيَ الرَّجُوعُ إِلَى الْبَدَايَةِ (نہایت ہی بدایت کی طرح رجوع کرنا ہے) آپ نے سنا ہوگا۔

واضح ہو کہ مبتدی اور منتہی دونوں صورت میں مشترک ہیں یہی اشتراک منتہی کیلئے پردہ ہے جس کے باعث لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ رہتا ہے۔ ورنہ

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

جب متوسط کو منتہی کے ساتھ کچھ نسبت نہیں تو مبتدی دور از معاملہ کو اس کے ساتھ کیا نسبت ہوگی۔ رَبَّنَا أَنْتُمْ لَنَا نُورٌ نَاوَاغْفِرُ لَنَا إِنَّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (یا اللہ تو ہمارے نور کو کامل کر اور ہم کو بخش تو سب کچھ کر سکتا ہے) وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلَىٰ مَنْ لَدَيْكُمْ۔

مکتوب ۸۱

پند نصیحت اور دنیا کی بیہودہ زیب و زینت سے بچنے کے بیان میں محمد مراد تو بیگی کی

طرف صادر فرمایا ہے:-

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ (اللہ تعالیٰ کیلئے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ

بندوں پر سلام ہو)۔

ایسا نہ ہو کہ یاران نیک انجام بچوں کی طرح دنیا کے کمینے کی بیہودہ زیب و زینت اور نکمی سج و سج جو بظاہر طراوت و جلالت رکھتی ہے پر فریفتہ ہو جائیں اور دشمن لعین کے درغلانے سے مباح کو چھوڑ کر مشتبہ میں اور مشتبہ سے حرام میں جا پڑیں اور اپنے مولا جل شانہ سے خجل اور شر مندہ ہوں۔ توبہ و انابت میں قدم راسخ رکھنا چاہئے اور منہیات شریعہ کو زہر قاتل جاننا چاہئے۔

ہمہ اندرز من بتو این است کہ تو طفلی و خانہ رنگین است

ترجمہ نصیحت ہے تجھ سے یہی سر بر سر کہ لڑکا ہے تو اور رنگین ہے گھر

حق تعالیٰ نے اپنے کمال کرم سے اپنے بندوں پر مباحات کا دائرہ وسیع کیا ہے وہ شخص بہت ہی بد بخت ہے جو اپنی تنگدلی کے باعث اس وسعت کو تنگ خیال کر کے اس دائرہ وسیع کے باہر قدم رکھے اور حدود شرعیہ سے نکل کر مشتبہ اور محرم میں جا پڑے حدود شرعیہ کو لازم پکڑنا چاہئے اور ان حدود سے سر مو تجاوز نہ کرنا چاہئے۔ رسم و عادت کے طور پر نماز پڑھنے والے اور روزہ رکھنے والے بہت ہیں۔ لیکن پرہیزگار جو حدود شرعیہ کی محافظت کریں۔ بہت کم ہیں۔ وہ فارق یعنی فرق کرنیوالی شے جو حق کو باطل سے اور جھوٹے کو سچے سے جدا کرے۔ یہی پرہیزگاری ہے۔ کیونکہ نماز و روزہ تو جھوٹا اور سچا دونوں ادا کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔ مَلَاكُ دِينِكُمْ بِالْوَرَعِ (دین کا اصل پرہیزگاری ہے) اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔ لَا تَعْدِلُ بِالْوَرَعِ شَيْنًا (پرہیزگاری کے برابر اور کوئی شے نہیں) یاد اگرچہ پر تکلف کھانے کھاتے ہیں اور نفیس لباس پہنتے ہیں۔ لیکن لذت کا پانا اور نفع حاصل کرنا فقرا کے طعام و لباس میں ہے۔ ع

آنکہ آں داد بشاہاں بگدایان ایں داد

ترجمہ جو دیا شاہوں کو اس نے ہے گداؤں کو دیا

آں و ایں میں بہت فرق ہے۔ کیونکہ آں رضائے مولیٰ سے دور ہے اور ایں اس کی رضا کے نزدیک نیز آں کا حساب بھاری ہے اور ایں کا حساب ہلکا۔ رَبَّنَا إِنَّا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةٌ وَهِيَ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا رَشْدًا (یا اللہ تو اپنے پاس سے ہم پر رحمت نازل فرما اور ہمارے کاموں سے ہمارے نصیب ہدایت کر)۔

بر خور داری سلطان مراد نے توبہ و انابت کی توفیق پائی ہے اور طریقہ اخذ کیا ہے حق تعالیٰ اس کو ثابت قدمی اور استقامت عطا کرے۔ اَلْسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلَىٰ سَائِرِ الْاِخْوَانِ (آپ کو اور تمام دوستوں کو السلام علیکم)۔

مکتوب ۸۲

دنیا کی کمی سے بچنے اور شریعتِ غرا پر ترغیب دینے کے بیان میں خواجہ شرف الدین حسین کی طرف صادر فرماتا ہے:-

اللَّهُمَّ صَغَرَ الدُّنْيَا بِأَعْيُنِنَا وَكَبَّرَ الْآخِرَةُ فِي قُلُوبِنَا بِحُرْمَةِ حَبِيبِكَ عَلَيْهِ وَعَلَىٰ آلِهِ الصَّلَوَّةُ
وَالسَّلَامُ يَا اللَّهُ تَوَانِي حَبِيبٌ ﷺ كَيْفَ هُوَ خَفِيلٌ دُنِيَائِكُمْ هَامِي أَنْكَهْ مِلِّ حَقِيرٍ أَوْ آخِرَتِكُمْ كُبْرَادِكُمْ۔

اے میرے عزیز اور باتمیز فرزند! دنیا کی بیسودہ زیب و زینت کی طرف راغب نہ ہونا اور اس فانی حج و حج پر فریفتہ نہ ہونا۔ بلکہ کوشش کرنا کہ تمام حرکات و سکنات میں شریعت و روشن کے موافق عمل کیا جائے اور ملت نورانی کے مطابق زندگی بسر کی جائے۔ اول اپنے اعتقاد کو اہل سنت و جماعت کے عقائد کے موافق درست کرنا چاہئے۔ پھر احکام فقہیہ کے مطابق عمل کرنا چاہئے۔ خاص کر اداء فرائض میں بڑی کوشش کرنی چاہئے اور حل و حرمت میں بڑی احتیاط بجالانی چاہئے اور عبادات نافلہ کو عبادات فرائض کے مقابلہ میں راستہ میں پھینکے ہوئے کوڑے کی طرح بے اعتبار جاننا چاہئے۔ اکثر اس زمانہ کے لوگ نفلوں کو رواج دیتے ہیں اور فرائض کو خراب کرتے ہیں۔ نوافل کے ادا کرنے میں بڑی کوشش کرتے ہیں اور فرائض کو خوار اور بے اعتبار جانتے ہیں۔

روپیہ سب کا سب وقت بے وقت مستحق اور غیر مستحق کو دیتے ہیں۔ لیکن ایک دھیلہ زکوٰۃ کے طور پر خرچ نہیں کر سکتے۔ یہ نہیں جانتے کہ ایک دھیلہ زکوٰۃ کے طور پر مصرف شرعیہ میں دینا صداغابہ صدقہ نافلہ سے بہتر ہے۔ کیونکہ اداء زکوٰۃ میں حق تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری ہے اور صدقہ نافلہ میں اکثر ہوا نفسانی کی تابعداری۔ اسی واسطے فرض میں ریا کی گنجائش نہیں اور نفل میں ریا کا دخل ہے۔ یہی سبب ہے کہ زکوٰۃ کو ظاہر کر کے دینا بہتر ہے۔ تاکہ تہمت دور ہو جائے اور صدقہ نافلہ کو چھپا کر دینا بہتر ہے۔ جو قبولیت کے لئے مناسب ہے۔

غرض جب تک احکام شرعیہ کو لازم نہ پکڑیں۔ تب تک دنیا کی مضرت سے نہیں بچ سکتے۔ اگر دنیا کا ترک حقیقی میسر نہ ہو۔ تو ترک حکمی میں کوتاہی نہ کرنی چاہئے اور وہ اقوال و افعال میں شریعت کا لازم پکڑنا ہے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْمُؤَفِّقُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اَتٰبَعَ الْهُدٰی سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت کا راستہ اختیار کیا۔

مکتوب ۸۳

اس طائفہ عالیہ کی محبت میں جو سعادتوں کا سرمایہ ہے اور اس کے مناسب بیان میں میر محمود کی طرف صادر فرمایا ہے:-

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ اللّٰهُ تَعَالٰی کیلئے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔

ان حدود کے فقرا کے اوضاع و احوال حمد کے لائق ہیں اور اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ آپ کو سلامتی اور عافیت اور شریعت پر ثابیت قدمی اور استقامت عطا فرمائے۔

اس برادر عزیز نے جو اس فقیر سے طریقہ اخذ کیا تھا۔ اگرچہ صحبت (جو ان بزرگواروں کے نزدیک اصل عظیم ہے) کے کم ہونے کے باعث عمدہ ثمرات و برکات اس پر مترتب نہیں ہوئے۔ لیکن اگر تھوڑا سا حسی ارتباط بھی جو طریقہ کے لوازم سے ہے۔ باقی رہا ہو۔ تو یہ بھی دولت عظیم ہے۔ لِأَنَّ الْمَرْءَ مَعَ مَنْ أَحَبَّ کیونکہ آدمی اسی کے ساتھ ہوگا۔ جس کے ساتھ اس کی محبت ہوگی۔

پہلی برکت جو صحبت اول میں اس طریقہ عالیہ کے مبتدی رشید کو حاصل ہوتی ہے۔ مطلوب حقیقی کی طرف قلب کی دائمی توجہ ہے۔ یہ دوام توجہ تھوڑی مدت میں نسیان ماسوا تک پہنچا دیتی ہے۔ اگر طالب بالفرض ہزار سال تک جئے۔ حق تعالیٰ کا غیر اس نسیان کے باعث جو اس کے ماسوا سے حاصل ہو چکا ہے۔ کبھی اس کے دل میں گزرنے نہ پائے اور اگر تکلف و تعمیل سے بھی اس کو یاد دلائیں۔ تو یاد نہ کرے۔ جب یہ نسبت حاصل ہو جائے تو گویا اس راہ میں پہلا قدم حاصل ہو گیا۔ دوسرے، تیسرے، چوتھے قدم کی نسبت کیا لکھا جائے۔ الْقَلِيلُ يَذُلُّ عَلَى الْكَثِيرِ وَالْفُطْرَةُ تَنْبِيءُ عَنِ الْبَحْرِ الْعَدِيدِ (تھوڑا بہت پر دلالت کرتا ہے اور قطرہ دریائے ناپید کنار کی خبر دیتا ہے)۔

اس سے مقصود دوستوں کی ترغیب ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو نفع دے۔ میاں عبد العظیم نے آپ کی محبت و اخلاص کے حالات کو زبانی بیان کیا ہے۔ جو اس گفتگو کا باعث ہوئے ہیں۔

وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلَىٰ سَائِرِ مَنْ اتَّبَعَ الْهُدَىٰ وَالْتَزَمَ مَتَابَعَةَ الْمُصْطَفَىٰ عَلَيْهِ وَعَلَىٰ آلِهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ سلام ہو آپ پر اور اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی متابعت کو لازم پکڑا۔

مکتوب ۸۴

بعض نصیحتوں کے بیان میں شیخ حمید بنگالی کی طرف صادر فرمایا ہے:-

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ اللّٰهُ تَعَالٰی کیلئے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔

برادر عزیز میاں شیخ حمید نے عجب گوشہ نشینی اختیار کی ہے۔ کہ سلام و پیام کی بھی گنجائش نہیں

رہی۔ اس سات آٹھ سال کے عرصہ میں آپ کی طرف سے ایک یہی خط آیا ہے اور وہ بھی ناقص اور ناسر انجام۔ اس طرف سے جو خط جاتے ہیں۔ معلوم نہیں کہ آپ کو پہنچتے ہیں یا نہیں۔
 برادر م شیخ عبدالحی اپنے وطن کو جانے والے ہیں۔ فقیر نے ان کو کہا ہے کہ ایک بار آپ تک جائیں اور آپ کے احوال پر اطلاع پائیں۔ شیخ عبدالحی پانچ سال تک خدمت میں رہے ہیں۔ اکثر خدمات حضور اس کے متعلق رہے ہیں اور علوم و معارف سے سیراب ہیں اور جذبہ و سلوک کے احوال سے واقف ہیں۔ مشارالہ کو کہا ہے۔ کہ چند روز آپ کی منزل میں ٹھہریں اور علوم و معارف جو وقت و حال کے مناسب ہوں۔ بیان کریں۔ اپنے احوال گذشتہ اور موجودہ از قسم احوال و مواجید سب مشارالہ کے پاس بیان کریں اور جو کچھ وہ آپ کو نصیحت کریں۔ قبول کریں۔ باقی احوال مشارالہ آپ کی خدمت میں بیان کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔ وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلَىٰ سَائِرِ مَنْ اتَّبَعَ الْهُدَىٰ سلام ہو آپ پر اور اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی۔

مکتوب ۸۵

شیخ عبدالحی کے بعض کمالات کے بیان میں شیخ نور محمد کی طرف صادر فرمایا ہے:-
 الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ اللہ تعالیٰ کیلئے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔
 اس طرف کے فقرا کے احوال و اوضاع حمد کے لائق ہیں اور آپ کی استقامت حق تعالیٰ سے مطلوب ہے۔

برادر م شیخ میاں عبدالحی آپ کا ہم شہر ہے۔ آپ کے قرب و جوار میں آیا ہے علوم و معارف غریبہ کا نسخہ ہے اور اس راہ کی ضروری چیزیں اس کے پاس بہت ہیں۔ اس کی ملاقات دور افتادہ یاروں کیلئے غنیمت ہے کیونکہ نیا آیا ہے اور نئی چیزیں لایا ہے۔ فنا و بقاء کا اس کے پاس نشان ہے اور جذبہ و سلوک کا اس کے پاس بیان ہے بلکہ فنا و بقاء متعارف کے سوا اور جذبہ و سلوک مقررہ سے آگے بھی واقف ہے۔ بلکہ وہاں اس کا گزر ہے۔ مکتوبات کے بہت سے معارف غریبہ اس نے سنے ہوئے ہیں اور حتی المقدور استفسار کر کے حاصل کئے ہوئے ہیں۔ وَاللَّهِ سُبْحَانَهُ الْمُؤَفَّقُ آپ اپنے احوال کو مفصل طور پر مشارالہ کے پاس بیان کر دیں اس سے زیادہ کیا لکھا جائے۔ والسلام۔

مکتوب ۸۶

خط کے جواب میں شیخ طاہر بد خشی کی طرف صادر فرمایا ہے:-
 الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ اللہ تعالیٰ کیلئے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ

بندوں پر سلام ہو۔

معزز بھائی کا خط آیا۔ معارف مندرجہ کا احوال پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔ یہ کس قدر اعلیٰ دولت ہے کہ مہمان مخلص سب سے ہاتھ دھو کر حق تعالیٰ کی پاک بارگاہ کی طرف متوجہ ہوں اور ماسوا پر پشت پا مار کر بالکل اسی کے ہو رہوں۔

اس طرف کے باقی حالات برادر م شیخ عبدالحی مفصل بیان کرے گا۔ علوم و معارف زبانی اور خط مشارالہ کے پاس بہت موجود ہیں۔ اس لئے ان کی نسبت کچھ نہیں لکھا گیا۔ نبی ﷺ اور ان کی آل بزرگوار کے طفیل اللہ تعالیٰ تمام کاموں کا انجام بخیر کرے۔ والسلام۔

مکتوب ۸۷

نصیحتوں کے بارہ میں فتح خاں افغان کی طرف صادر فرمایا ہے:-

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اللّٰهُ تَعَالٰی کَیْلَے حَمْدِہٖ اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔

آپ کا مکتوب شریف جو فقرہ کی کمال محبت و اخلاص پر مشتمل تھا۔ پہنچا حق تعالیٰ فقراء کی محبت پر آپ کو استقامت بخشے۔

سب سے اعلیٰ نصیحت جو دوستان سعادت مند کے لائق ہے وہ یہ ہے کہ سنت سنہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والختیہ کی متابعت کریں اور بدعت ناپسندیدہ سے بچیں۔ جو شخص سنتوں میں سے کسی سنت کو جو متروک العمل ہو چکی ہو زندہ کر لے تو اس کیلئے سو شہید کا ثواب ہے تو پھر معلوم کرنا چاہئے کہ جب کوئی فرض یا واجب کو زندہ کریگا تو اس کو کس قدر ثواب ملے گا۔ نماز میں ارکان کا تعدیل کرنا جو اکثر علماء حنفیہ کے نزدیک واجب ہے اور امام ابو یوسف اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فرض ہے بعض علماء حنفیہ کے نزدیک سنت۔ اکثر لوگوں نے اس امر کو ترک کر دیا ہوا ہے اس ایک عمل کا زندہ اور جاری کرنا سو شہید فی سبیل اللہ کے ثواب سے زیادہ ہو گا۔ باقی احکام شرعیہ یعنی حلال و حرام و مکروہ کا بھی یہی حال ہے۔ علماء نے فرمایا ہے کہ نیم دانگ اس شخص کو واپس دے دینا جس سے خلاف شرع ظلم سے لیا ہو۔ دو سو درہم صدقہ کرنے سے بہتر ہے۔ علماء نے فرمایا ہے کہ اگر ایک شخص کے نیک عمل پیغمبر کے نیک عملوں کی طرح ہوں اور اس پر نیم دانگ جتنا کسی کا حق باقی رہا ہو تو اس شخص کو بہشت میں نہ لیجائیں گے جب تک اس نیم دانگ کو ادا نہ کرے گا۔

غرض ظاہر کو احکام شرعیہ سے آراستہ کر کے باطن کی طرف متوجہ ہونا چاہئے۔ تاکہ غفلت کے ساتھ آلودہ نہ رہے کیونکہ باطن کی امداد کے بغیر احکام شرعی سے آراستہ ہونا مشکل ہے۔ علماء صرف

فتویٰ دیتے ہیں اور اہل اللہ کام کرتے ہیں۔ باطن میں کوشش کرنا ظاہر کی کوشش کو مستلزم ہے اور جو کوئی باطن ہی کی درستی میں لگا رہے اور ظاہر کی پروا نہ کرے۔ وہ ملحد ہے اور اس کے وہ باطنی احوال استدراج ہیں۔ باطنی حالات کے درست ہونے کی علامت ظاہر کو احکام شرعیہ سے آراستہ کرنا ہے۔ استقامت کا طریق یہی ہے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْمُؤَفَّقُ (اللہ تعالیٰ توفیق دینے والا ہے)۔

مکتوب ۸۸

قضا پر راضی ہونے اور مولیٰ کے فعل سے لذت پانے کے بیان میں ملا بلع الدین کی طرف صادر فرمایا ہے:-

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اللّٰهُ تَعَالٰى كَيْلَے حَمْدِہٖ اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔

بندہ مقبول وہ ہے جو اپنے مولیٰ کے فعل پر راضی ہو اور جو شخص اپنی رضا کا تابع ہے وہ اپنا بندہ ہے۔ اگر مولیٰ بندہ کی گردن پر چھری چلا دے۔ تو بندہ کو چاہئے۔ کہ اس وقت شاداں و خنداں ہو اور اسی میں اپنے مولیٰ کی رضامندی سمجھے۔ بلکہ اس فعل سے لذت حاصل کرے اور اگر نعوذ باللہ اس فعل سے اس کو کراہت آئے اور اس کا دل تنگ ہو۔ تو دائرہ بندگی سے دور اور قرب مولیٰ سے مجبور ہے۔ جب طاعون حق تعالیٰ کی مراد ہے۔ تو چاہئے کہ اس کو اپنی مراد جان کر خوش و خرم ہوں اور طاعون کے غلبہ سے بے صبر و دل تنگ نہ ہوں۔ بلکہ اس خیال سے کہ محبوب کا فعل ہے۔ اس سے متلذذ ہونا چاہئے۔ جب ہر ایک شخص کے لئے اجل مقرر ہے۔ جس میں کمی بیشی کا احتمال نہیں۔ تو پھر اضطراب و بیقراری کیوں ہو۔ البتہ بلاؤں سے عافیت طلب کرنی چاہئے اور اللہ تعالیٰ کے غضب و ناراضگی سے پناہ مانگنی چاہئے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی دعا و سوال سے راضی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اذْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ (تم مجھے پکارو میں تمہاری پکار کو سنوں گا)۔

مولانا عبد الرشید نے آکر وہاں کا حال بیان کیا۔ اللہ تمام ظاہری باطنی آفات و بلیات سے محفوظ رکھے۔ والسلام۔

مکتوب ۸۹

نصیحت کے بیان میں سیادت پناہ میر محبت اللہ کی طرف صادر فرمایا ہے:-

بَنَّا اللّٰهُ سُبْحَانَهُ وَاَيُّكُمْ عَلَىٰ جَادَّةٍ اَبَانُكُمْ الْكَرَامَ بِصَدَقَةِ حَبِیْبِهِ سَيِّدِ الْاَنَامِ عَلَیْہِ وَعَلَيْهِمُ الصَّلٰوَةُ وَالسَّلَامُ (اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کے طفیل ہم کو اور آپ کو آپ کے بزرگ باپ دادوں کے سیدھے راستہ پر ثابت قدم رکھے)۔

اللہ تعالیٰ کیلئے حمد ہے اور اس کا احسان ہے۔ کہ اس جگہ کے فقرا کے احوال و اوضاع حمد کے لائق ہیں اور آپ کی صحت و عافیت اور اثبات و استقامت حق تعالیٰ سے مطلوب ہے۔

میرے مشفق و مخدوم و مہکرم۔ وقت گزرتا چلا جا رہا ہے اور جوں جوں گزر رہا ہے عمر کم ہوتی جاتی ہے اور موت نزدیک آتی جاتی ہے۔ اگر آپ نے آج فکر نہ کیا۔ تو کل ندامت و حسرت اٹھانی پڑیگی۔ کوشش کرنی چاہئے۔ کہ یہ چند روزہ زندگی شریعتِ غرا کے موافق بسر ہو جائے۔ تاکہ نجات کی امید ہو۔ اب علم کا وقت ہے۔ عیش و آرام کا وقت ابھی آگے ہے۔ جب اس عمل کا پھل ملے گا۔ عمل کے وقت آرام کرنا گویا اپنی کھیتی کو کچا کھا جانا اور اس کے پھل سے محروم رہنا ہے۔ زیادہ لکھنا موجب تکلیف ہے۔ ظاہری باطنی دولت آپ کے نصیب ہو۔

مکتوب ۹۰

سفارش میں مرزا عرب خاں کی طرف صادر فرمایا ہے:-

اللہ تعالیٰ آپ کو آفاقی اور انفسی دشمنوں پر فتح دے اور ظاہری و باطنی آفات و بلیات سے بچائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔ اَلْخَلْقُ عِيَالٌ اَللّٰهُ وَاَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَى اللّٰهِ مَنْ اَحْسَنَ اِلَى عِيَالِهِ خَلَقَ اللّٰهُ تَعَالٰی کی عیال ہے اور مخلوقات میں سب سے زیادہ پیارا اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ شخص ہے جو اس کے عیال کے ساتھ احسان کرے۔ حق تعالیٰ بندوں کے رزق کا متکفل ہے اور مخلوقات اس کے عیال کی طرح ہے جو شخص کسی کے عیال کے ساتھ غمخواری کرے اور اس کے بوجھ کو اٹھائے تو وہ شخص اس عیال والے شخص کے نزدیک بہت محبوب ہو گا۔ کیونکہ اس نے اس کو بسکسا کر دیا ہے اور اس کا بار مومن اپنے ذمے لے گیا ہے اسی سبب سے آپ کو تکلیف دی جاتی ہے کہ حافظ حامد مرد صالح اور قرآن مجید کا قاری ہے۔ کثرت عیال داری کے باعث حیران و پریشان ہے کیونکہ ان کے حقوق سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔ آپ کے کرم اور بخشش سے امید ہے کہ آپ اس کی مدد و اعانت فرمائیں گے۔ کریموں کو بخشش کیلئے ایک بہانہ کافی ہے۔ والسلام۔

مکتوب ۹۱

ایک استفسار کے جواب میں جس میں قَابِ قَوْسَيْنِ اَوْ اَذْنٰی کے اسرار دریافت

کئے گئے تھے۔ مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید کی طرف صادر فرمایا:-

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اللّٰهُ تَعَالٰی کیلئے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ

بندوں پر سلام ہو۔

مقام قَابِ قَوْسَيْنِ اَوْ اَذْنٰی میں سر عظیم یہ ہے۔ کہ جب انسان کامل سیر الی اللہ کے تمام ہونے

کے بعد سیر فی اللہ کے ساتھ متحقق ہو جاتا ہے۔ تو اخلاق الہی سے متخلق ہو جاتا ہے اور جب مجمل طور پر اس سیر کو بھی تمام کر لیتا ہے اور اسماء و صفات کے عکسوں کے ظہور کا دائرہ جو سیر فی اللہ کے ساتھ وابستہ ہے۔ تمام کر لیتا ہے۔ تو اس امر کے لائق ہو جاتا ہے۔ کہ محبوب ظلیت کی آمیزش اور حالت و محلیت کے وہم کے بغیر اصالت کے طور پر اس میں ظہور فرمائے۔ چونکہ محبوب کی صفات ذاتیہ اس ذات سے الگ نہیں ہیں۔ اس لئے عاشق کی نظروں میں ذات کے ظہور کے ساتھ صفات کا ظہور بھی ہو گا اور دو قوسین یعنی قوس ذات اور قوس صفات حاصل ہو جائیگی۔ یہ مقام اعلیٰ قاب قوسین ہے۔ جو ظہور اصلی کے متعلق ہے۔ جس میں ظلیت کی آمیزش نہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کی عنایت سے عاشق صدق کا تعلق و گرفتاری معشوق کی ذات کے ساتھ یہاں تک ہو جائے۔ کہ اسم و صفت سے گزر جائے۔ تو اس وقت اسم و صفت بالکل اس کی نظر سے دور ہو جاتے ہیں اور ذات کے سوا اس کو کچھ ملحوظ و مشہود نہیں ہوتا۔ اگرچہ صفات موجود ہوں۔ لیکن اس کو مشہود نہیں ہوتے۔ تب اوادنے کا ستر ظاہر ہوتا ہے اور قوسین کا کچھ اثر نہیں رہتا۔ اس مقام اعلیٰ سے جب بہبوط واقع ہو۔ تو قدم اول عالم خلق میں بلکہ عنصر خاک میں آ پڑتا ہے جو باوجود دوری اور مجہوری کے تمام موجودات کی نسبت عالم قدس سے زیادہ قریب ہے۔ عجب معاملہ ہے۔ کہ اگر عروج و صعود کا اعتبار کریں۔ تو عالم امر کو بلکہ عالم امر کے اٹھی کو تمام موجودات کی نسبت عالم قدس سے زیادہ قریب معلوم کرتے ہیں اور جب نزول و بہبوط کی طرف نظر کرتے ہیں۔ تو قرب کی دولت عالم خلق بلکہ عنصر خاک کے نصیب جانتے ہیں۔ ہاں جب عروج کی جانب میں دائرہ کے نقطہ اول کو ملاحظہ کریں۔ تو جانب عروج میں اس نقطہ سے زیادہ قریب اس دائرہ کا دوسرا نقطہ ہے اور جب بہبوط کی جانب میں ملاحظہ کیا جاتا ہے۔ تو اس نقطہ اول سے زیادہ قریب دائرہ کا اخیر نقطہ معلوم ہوتا ہے۔ اس قدر فرق ہے کہ نقطہ ثانی عروج میں نقطہ اول سے معرض یعنی روگرداں ہے اور یہ نقطہ اخیر نقطہ اول کی طرف مقبل یعنی متوجہ ہے اور معرض اور مقبل میں بہت فرق ہے۔ کیونکہ نقطہ ثانیہ نقطہ اول کے ظہورات کی خواہش رکھتا ہے اور نقطہ اخیر ظہورات کی طرف پشت کر کے ظاہر کی ذات کا خواہاں ہے۔ پھر دونوں کس طرح آپس میں برابر ہو سکتے ہیں۔

رَبَّنَا آتِنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً وَهِيَ اَلْاَمْرُ نَا رَشِدًا (اے رب تو ہم پر اپنے پاس سے رحمت نازل فرما اور ہمارے کام سے ہماری بھلائی نصیب کر) وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اَتَّبَعَ الْهُدٰی (سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی)۔

مکتوب ۹۲

اس بیان میں کہ ولایت قرب الہی سے مراد ہے اور خوارق و کرامات ولایت کی شرط

نہیں اور اس بیان میں کہ بادشاہوں کے لئے سجدہ تحیت کا کیا حکم ہے۔ میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا ہے:-

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اللہ تعالیٰ کیلئے جبر ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔

برادر م عزیز سیادت پناہ میر محمد نعمان خوشحال رہیں۔ آپ کو واضح ہو کر خوارق و کرامات کا ظاہر ہونا ولایت کی شرط نہیں۔ جس طرح علماء خوارق کے حاصل کرنے کے مکلف نہیں ہیں۔ اسی طرح اولیاء خوارق کے ظہور پر مکلف نہیں ہیں۔ کیونکہ ولایت قرب الہی سے مراد ہے جو ماسوائے کے نسیان کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو عطا فرماتا ہے۔ بعض کو یہ قرب عطا فرماتے ہیں۔ لیکن غائبانہ حالات پر اطلاع نہیں بخشتے اور بعض کو یہ قرب بھی دیتے ہیں اور غائبانہ اشیاء کی اطلاع بھی بخشتے ہیں اور بعض کو قرب کچھ نہیں دیتے۔ لیکن غائبانہ حالات پر اطلاع دیدیتے ہیں۔ یہ تیسری قسم کے لوگ اہل استدراج ہیں۔ نفس کی صفائی نے ان کو غائبانہ کشف میں مبتلا کر کے گمراہی میں ڈالا ہے۔ یَحْسِبُونَ اَنَّهُمْ عَلٰی شَیْءٍ اَلَا اِنَّهُمْ هُمُ الْکَاذِبُوْنَ ○ اِسْتَحْوِذْ عَلَیْہِمْ الشَّیْطَانُ فَانْسَهُمْ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ اُولٰٓئِکَ جَزَبَ الشَّیْطَانُ اِلَآ اِنَّ جَزْبَ الشَّیْطَانِ هُمُ الْخَاسِرُوْنَ (گمان کرتے ہیں کہ ہم کچھ ہیں۔ خبردار یہ لوگ جھوٹے ہیں۔ ان پر شیطان نے غلبہ پا کر ان کو اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل کر دیا ہے۔ یہی لوگ شیطان کا گروہ ہیں۔ خبردار یہ شیطان کا گروہ گھانا اٹھانے والا ہے) ان لوگوں کا نشان حال ہے۔ پہلی اور دوسری قسم کے لوگ جو دولت قرب سے مشرف ہیں۔ اولیاء اللہ ہیں۔ نہ غائبانہ امور کا کشف ان کی ولایت کو بڑھاتا ہے۔ نہ عدم کشف ان کی ولایت کو گھٹاتا ہے۔ ان کے درمیان درجات قرب کے اعتبار سے فرق ہے۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے۔ کہ عدم کشف والا باعث زیادہ قرب کے جو اس کو حاصل ہوتا ہے کشف والے شخص سے افضل و پیش قدم ہوتا ہے۔ صاحب عوارف جو شیخ الشیوخ ہے اور تمام گروہوں میں مقبول ہے۔ اپنی کتاب عوارف میں اس امر کی تصریح کرتا ہے۔ اگر کسی کو میری بات کا یقین نہ ہو تو اس کتاب میں دیکھ لے۔ وہاں کرامات و خوارق کے ذکر کے بعد لکھا ہے۔ کہ کرامات و خوارق اللہ تعالیٰ کی بخشش ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے۔ کہ بعض کو کشف و کرامات کے ساتھ مشرف فرماتے ہیں اور یہ دولت عطا فرماتے ہیں اور کبھی ایسا ہوتا ہے۔ کہ ان میں سے ایک شخص زیادہ اعلیٰ رتبہ رکھتا ہے۔ لیکن خوارق و کرامات اس کو کچھ حاصل نہیں ہوتے۔ کیونکہ کرامات یقین کی زیادہ تقویت کے لئے عطا فرماتے ہیں اور جب کسی کو خالص یقین حاصل ہو چکا ہو تو اس کو کرامات کی کیا حاجت ہے۔ یہ سب کرامت ذکر ذات اور اس میں قلب کے فانی ہونے کے ماسوا ہیں۔ جو اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ انتہی

کلام، شیخ اور اس گروہ کے امام خواجہ عبداللہ انصاری نے جو شیخ الاسلام کے لقب سے ملقب ہے۔ اپنی کتاب منازل السائرین میں فرمایا ہے۔ کہ فراست کی دو قسمیں ہیں۔ ایک اہل معرفت کی فراست دوسری اہل جوع و ریاضت کی فراست۔ اہل معرفت کی فراست طالبوں کی استعداد اور ان اولیاء اللہ کے پہچاننے سے تعلق رکھتی ہے۔ جو حضرت جمع کے ساتھ واصل ہو چکے ہیں اور اہل ریاضت و اہل جوع کی فراست غائبانہ صورتوں اور احوال کے کشف پر مخصوص ہے جو مخلوقات سے تعلق رکھتے ہیں۔ چونکہ اکثر لوگ جو حق تعالیٰ کی بارگاہ سے جدا ہوتے ہیں اور دنیا کے ساتھ اشتغال رکھتے ہیں اور جن کے دل صورتوں کے کشف اور مخلوقات کی غائبانہ خبروں کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ ان کے نزدیک یہ امر بڑا بھاری معلوم ہوتا ہے اور گمان کرتے ہیں کہ یہی لوگ اہل اللہ اور حق تعالیٰ کے خاص بندے ہیں اور اہل حقیقت کے کشف سے انکار کرتے ہیں اور اہل حقیقت کو ان احوال میں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیان کرتے ہیں۔ تہمت لگاتے اور کہتے ہیں کہ اگر یہ لوگ اہل حق ہوتے۔ جیسے کہ لوگوں کا گمان ہے۔ تو یہ لوگ بھی ہمارے اور تمام مخلوق کے غیبی احوال بتلاتے۔ جب ان کو کشف احوال پر قدرت نہیں ہے۔ تو ان امور کے کشف پر جو مخلوقات کے احوال سے اعلیٰ ہیں کس طرح قدرت رکھیں گے اور اہل معرفت کی فراست کو جو حق تعالیٰ کی ذات و صفات و افعال سے تعلق رکھتی ہے۔ اپنے اسی قیاس فاسد سے جھوٹا جانتے ہیں اور ان بزرگوں کے علوم و معارف صحیحہ سے محروم رہ جاتے ہیں اور نہیں جانتے کہ حق تعالیٰ نے ان لوگوں کو خلق کے ملاحظہ سے محفوظ رکھا ہے اور ان کو اپنی جناب پاک کے ساتھ ہی مخصوص کر لیا ہے اور ان کی حمایت و غیرت کے باعث ان کو مخلوقات کی طرف سے ہٹا رکھا ہے۔ اگر یہ لوگ خلق کے احوال کے درپے ہوتے۔ تو بارگاہ الہی کے حضور کی صلاحیت ان میں نہ رہتی۔ انتہی کلام۔

اس قسم کی اور بھی بہت سی باتیں فرمائی ہیں اور میں نے اپنے خواجہ قدس سرہ سے سنا ہے کہ فرمایا کرتے تھے کہ شیخ محی الدین ابن عربی نے لکھا ہے۔ کہ بعض اولیاء جن سے خوارق و کرامات ظاہر ہوئے ہیں۔ آخر دم میں ان کرامات کے ظہور سے نادم ہوئے ہیں اور یہ خواہش کرتے رہے ہیں۔ کہ کاش ہم سے یہ خوارق و کرامات ظاہر نہ ہوتے۔ اگر فضیلت خوارق کے بکثرت ظاہر ہونے کے باعث ہوتی۔ تو اس طرح ندامت کیوں کرتے۔

سوال :- جب خوارق کا ظاہر ہونا ولایت میں شرط نہیں تو پھر ولی غیر ولی سے کس طرح متمیز ہو سکتا ہے اور سچا جھوٹے سے کس طرح جدا ہو سکتا ہے۔

جواب :- گو متمیز نہ ہو اور جھوٹا سچے کے ساتھ ملا رہے۔ کیونکہ حق کا باطل کے ساتھ ملا رہنا اس جہان کے لوازم میں ہے۔ ولی کو اپنی ولایت کا علم ہونا ضروری نہیں۔ بہت سے اولیاء اللہ ایسے ہیں کہ اپنی

ولایت کا علم نہیں رکھتے۔ تو پھر دوسروں کو ان کو ولایت کا علم کس طرح ہو گا ہاں نبی ﷺ کے لئے خوارق کا ہونا ضروری ہے۔ تاکہ نبی اور غیر نبی میں تمیز ہو سکے۔ کیونکہ نبی کیلئے اپنی نبوت کا علم ہونا ضروری ہے اور ولی چونکہ اپنے نبی کی شریعت کے موافق دعوت کرتا ہے اس لئے نبی کا معجزہ اس کے لئے کافی ہے اور اگر ولی اپنے پیغمبر کی شریعت کے سوا دعوت کرتا تو اس کے لئے خوارق کا ہونا ضروری تھا۔ لیکن جب اس کی دعوت اپنے نبی کی شریعت پر مخصوص ہے تو پھر اس کے لئے خوارق کی حاجت نہیں۔ علماء صرف ظاہر شریعت کے موافق دعوت کرتے ہیں اور اولیاء شریعت کے ظاہر اور باطن کے موافق دعوت کرتے ہیں اور اول مریدوں اور طالبوں کی توبہ اور انابت کی طرف راہنمائی کرتے ہیں اور احکام شریعہ کے بجالانے کی ترغیب دیتے ہیں پھر ذکر الہی بتلاتے ہیں اور تاکید کرتے ہیں کہ تمام اوقات ذکر میں مشغول رہیں۔ تاکہ ذکر غالب آجائے اور مذکور کے سوا دل میں کچھ نہ رہے اور مذکور کے ماسوا کا نسیان یہاں تک ہو جائے کہ اگر تکلف کے ساتھ بھی اس کو یاد دلائیں۔ تو اس کو یاد نہ آئے۔ ظاہر ہے کہ ولی کو اس دعوت کے لئے جو شریعت کے ظاہر و باطن سے تعلق رکھتی ہے۔ خوارق کی کیا ضرورت ہے۔ پیری و مریدی اس دعوت سے مراد ہے جس کا خوارق و کرامات سے تعلق و واسطہ نہیں۔ اس کے علاوہ ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ مرید رشید اور طالب مستعد ہر گھڑی سلوک طریق میں اپنے پیر سے خوارق و کرامات محسوس کرتا ہے اور معاملہ غیبی میں ہر دم اس سے مدد لیتا ہے۔ دوسرے لوگوں کی نسبت خوارق کا ظاہر ہونا ضروری نہیں۔ لیکن مریدوں کی نسبت کرامات ہی کرامات اور خوارق ہی خوارق ہیں۔ مرید کس طرح پیر کے خوارق کو محسوس نہ کرے۔ جبکہ پیر نے مردہ دل کو زندہ کر دیا ہے اور مشاہدہ و مکاشفہ تک پہنچا دیا ہے۔ عوام کے نزدیک بدنوں کا زندہ کرنا عظیم الشان ہے اور خواص کے نزدیک قلب و روح کا زندہ کرنا اعلیٰ درجہ کی برہان ہے۔

خواجہ محمد یار ساقی سرہر سالہ قدسیہ میں فرماتے ہیں۔ کہ جسد کا زندہ کرنا چونکہ اکثر لوگوں کے نزدیک بڑا اعتبار رکھتا تھا۔ اس لئے اہل اللہ اس طرف سے منہ پھیر کر روح و قلب کے زندہ کرنے میں مشغول ہوئے ہیں۔ واقعی جسدی زندگی قلبی و روحانی زندگی کے مقابلہ میں راستہ میں پھینکے ہوئے کوڑے کرکٹ کی طرح ہے اور اس کی طرف نظر کرنا باعث بے فائدہ ہے۔ کیونکہ جسدی زندگی چند روزہ زندگی کا باعث ہے اور روحانی و قلبی زندگی دائمی حیات کا موجب ہے۔

بلکہ ہم کہتے ہیں کہ درحقیقت اہل اللہ کا وجود کرامت ہے اور خلق کو حق تعالیٰ کی طرف دعوت کرنا اللہ تعالیٰ کی رحمتوں میں سے ایک رحمت ہے اور مردہ دلوں کا زندہ کرنا اللہ تعالیٰ کی آیات میں سے آیت عظمیٰ ہے۔ یہی لوگ اہل زمین کا امن اور غنیمت روزگار ہیں۔ **بِهِمْ يُرْزَقُونَ وَبِهِمْ يُنْظَرُونَ**

(انہی کے طفیل لوگوں پر بارش اترتی ہے اور انہی کے طفیل ان کو رزق ملتا ہے) انہیں کی شان میں وارد ہے۔ ان کی کلام دوام ہے اور ان کی نظر شفا۔ یہی وہ لوگ ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کے ہم نشین ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جن کا ہم نشین بد بخت نہیں ہوتا اور ان کا دوست رحمت حق سے ناامید نہیں ہوتا۔ وہ علامت جس سے اس گروہ کا جھوٹا اور سچا جدا ہو سکے یہ ہے۔ کہ جو شخص شریعت پر استقامت رکھتا ہو اور اس کی مجلس میں دل کو حق تعالیٰ کی طرف رغبت و توجہ پیدا ہو جائے اور ماسوا کی طرف سے دل سرد ہو جائے۔ وہ شخص سچا ہے اور درجات کے اختلاف کے بموجب اولیاء کے شمار میں ہے۔ مگر یہ بھی ان لوگوں کے لئے ہے۔ جو اس گروہ کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں اور جن کو اس گروہ کے ساتھ مناسبت نہیں۔ وہ محروم مطلق ہیں۔

ہر کراروئے بہبود نداشت دیدن روئے نبی سود نداشت

ترجمہ نہ تھی جس کی قسمت میں کچھ بہتری

تھا بے سود اس کو لقائے نبی ﷺ

مکتوب شریف میں سلطان وقت کی خدا پرستی اور احکام شریعت کے موافق عدل و انتظام کا حال لکھا ہوا تھا۔ اس کے مطالعہ سے بہت خوشی حاصل ہوئی اور کمال ذوق پیدا ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح بادشاہ وقت کو عدل و عدالت کے نور سے منور کیا ہوا ہے اسی طرح ملت محمدیہ کو بھی بادشاہ کے حسن انتظام سے نصرت و عزت بخشے۔

اے شریعت کے نشان والے۔ اَلشَّرِيعَةُ تَحْتَ السَّيْفِ (شریعت تلوار کے نیچے ہے) کے موافق شریعت غرا کی ترقی و رواج شاہان بزرگ کے حسن انتظام پر موقوف ہے۔ جب سے یہ امر ضعیف ہو گیا ہے۔ اسی دن سے اسلام بھی ضعیف ہو گیا ہے۔ کفار ہند بے تحاشا مسجدوں کو گرا کر وہاں اپنے معبد و مندر تعمیر کر رہے ہیں۔ چنانچہ تھانیر میں حوض کرکھیت کے درمیان ایک مسجد اور ایک بزرگ کا مقبرہ تھا۔ اس کو گرا کر اس کی جگہ بڑا بھاری مندر بنایا ہے۔ نیز کفار اپنی رسموں کو کھلم کھلا راجا رہے ہیں اور مسلمان اکثر اسلامی احکام کے جاری کرنے میں عاجز ہیں۔ ایکادشی کے دن ہندو کھانا ترک کر دیتے ہیں۔ بڑی کوشش کرتے ہیں کہ اسلامی شہروں میں کوئی مسلمان اس دن نہ روٹی پکائے اور نہ بیچے اور ماہ مبارک رمضان میں برلمانان طعام پکاتے اور بیچتے ہیں مگر اسلام کے مغلوب ہونے کے باعث کوئی روک نہیں سکتا۔ ہائے افسوس۔ بادشاہ وقت ہم میں سے ہو اور پھر ہم فقیروں کا اس طرح خستہ اور خراب حال ہو۔ بادشاہوں کے اعزاز و اکرام ہی سے اسلام کو رونق تھی اور انہی کی بدولت علماء و صوفیاء معزز و محترم تھے اور انہی کی تقویت سے شریعت کے احکام کو جاری کرتے تھے۔

میر نے سنا ہے۔ کہ ایک دن صاحب قرآن امیر تیمور علیہ الرحمۃ بخارا کی گلی سے گزر رہا تھا۔ اتفاقاً اس وقت حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ کی خانقاہ کے درویش خانقاہ کی دریوں اور بستروں کو جھاڑو دے رہے تھے اور گرد سے پاک کر رہے تھے۔ امیر مذکور مسلمان کے حسن خلق سے جو اس کو حاصل تھا۔ اس کو چہ بی ٹھہر گیا۔ تاکہ خانقاہ کی گرد کو اپنا صندل وغیر بنا کر درویشوں کی برکات فیوض سے مشرف ہو۔ شاید اسی تواضع اور فروتنی کے باعث جو اس کو اہل اللہ کے ساتھ حاصل تھی۔ حسن خاتمہ سے مشرف و۔

بقول ہے کہ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ امیر کے مر جانے کے بعد فرمایا کرتے تھے۔ کہ تیمور مہ گیا اور ایمان لے گیا۔

آپ کو معلوم ہے کہ جمعہ کے دن خطبہ میں بادشاہوں کے نام جو ایک درجہ نیچے لاکر پڑھتے ہیں۔ اس کو وجہ کیا ہے۔ اسی کی وجہ یہی تواضع ہے جو شاہان بزرگ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خلفہ راشدین رضی اللہ عنہم کی نسبت ظاہر کی ہے اور جائز نہیں رکھتے۔ کہ ان کے نام دین کے بزرگواروں کے نام کے ساتھ ایک درجہ میں مذکور ہوں۔

تذہیل

اے برادر! سجدہ جو پیشانی کو زمین پر رکھنے سے مراد ہے۔ اس میں نہایت ذلت و انکسار اور کمال تواضع و عاجزی ہے۔ اسی واسطے اس قسم کی تواضع حق تعالیٰ کی عبادت کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس کے سوا کسی اور کے لئے جائز نہیں۔

بقول ہے کہ ایک دن پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کسی راستہ میں جا رہے تھے۔ کہ ایک اعرابی نے آکر معجزہ طلب کیا تاکہ ایمان لائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس درخت کو جا کر کہ۔ تجھ کو پیغمبر بلاتا ہے درخت یہ سن کر اپنی جگہ سے ہلا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اعرابی یہ حال دیکھ کر اسلام لے آیا۔ پھر عرض کی یا رسول اللہ اگر اجازت ہو تو میں آپ کو سجدہ کروں۔ فرمایا خدا کے سوا کسی کو سجدہ جائز نہیں ہے۔ اگر حق تعالیٰ کے سوا کسی غیر کو سجدہ جائز ہو تا تو میں عورتوں کو کہتا کہ مردوں کو سجدہ کریں۔

بعض فقہانے اگرچہ بادشاہوں کے لئے سجدہ تحیت یعنی سجدہ تعظیم جائز رکھا ہے۔ لیکن بادشاہوں کے لئے بھی مناسب ہے۔ کہ اس امر میں حق تعالیٰ کی بارگاہ میں تواضع کریں اور اس قسم کی ذلت و انکسار حق تعالیٰ کے سوا کسی غیر کے لئے پسند نہ کریں۔ حق تعالیٰ نے تمام جہان کو ان کے تابع اور ان کا محتاج بنایا ہے۔ اس نعمت کا شکر بجالا کر اس قسم کی تواضع کو جس سے کمال عجز و انکسار ظاہر ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ

کی پاک بارگاہ کے ساتھ ہی مسلم رکھیں اور اس امر میں کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ بنائیں۔ اگرچہ بعض نے اس امر کو جائز رکھا ہے۔ مگر مناسب ہے۔ کہ ان کا حسن تواضع اس امر کو پسند نہ کرے۔ هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ (احسان کا بدلہ احسان ہی ہے) جب بادشاہ وقت اپنے ممالک کی سیر سے دار الخلافہ میں واپس آئے گا۔ تو امید ہے کہ یہ فقیر بھی حق تعالیٰ کے ارادہ سے عنقریب دار الخلافہ میں حاضر ہوگا۔ وَالْبَاقِي عِنْدَ التَّلَافِي

وَالسَّلَامُ عَلَى مَنْ اتَّبَعَ الْهُدَى وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفَى عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ الصَّلَاةُ
وَالتَّسْلِيمَاتُ سَلَامٌ هُوَ اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی اور حضرت محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کو لازم پکڑا۔

مکتوب ۹۳

اس بیان میں کہ عالم خلق اور عالم امر کے لطیفوں میں سے ہر ایک لطیفہ ظاہر بھی رکھتا ہے اور باطن بھی اور یہ باطن عارف کے اسم قیوم سے ملا ہوا ہے اور اس بیان میں کہ عارف نزول کے وقت کلی طور پر ظاہر و باطن کے ساتھ دعوت و عبادت کی طرف متوجہ ہے۔ خواجہ ہاشم بدخشی کشمی کی طرف صادر فرمایا ہے:-

عارف تام المعرفة کے عالم خلق و عالم امر دونوں اگرچہ اس اسم قیوم کی نسبت جو اس عارف کا وجہ خاص ہے اور درحقیقت عارف کا باطن اور حقیقت یہی ہے۔ ظاہر و صورت میں داخل ہیں۔ جیسے کہ اس کی تحقیق کسی مکتوب میں تحریر ہو چکی ہے۔ لیکن جب اس ظاہر صورت کو تیز نظر سے جو اللہ تعالیٰ نے محض فضل سے بخش ہے۔ ملاحظہ کرتا ہوں۔ تو یہاں بھی ظاہر و باطن اور صورت و حقیقت پیدا ہو جاتے ہیں۔ نہ یہ کہ عالم خلق کو ظاہر پاتا ہوں اور عالم امر کو باطن جیسے کہ بعض لوگوں کا گمان ہے۔ بلکہ عالم خالق اور عالم امر کے لطائف میں ہر ایک لطیفہ کی صورت بھی ہے اور حقیقت بھی یعنی جس طرح عنصر خاک ظاہر رکھتا ہے اور باطن بھی۔ اسی طرح انہی صورت بھی رکھتا ہے اور حقیقت بھی اور یہ باطن جو عالم خلق اور عالم امر سے تعلق رکھتا ہے۔ دن بدن اعمال صالحہ کے ذریعے بلکہ محض حق تعالیٰ کی بخشش سے تھوڑا تھوڑا اس باطن سے جو اسم قیوم پر وابستہ ہے ملتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اس باطن کا کچھ اثباتی نہیں رہتا اور سوائے ظاہر محض کے سب کچھ پوشیدہ ہو جاتا ہے۔ اس اسم قیوم کے ساتھ اس باطن کے ملنے سے یہ مراد نہیں کہ یہ باطن اس اسم میں حلول کر جاتا ہے۔ یا اس اسم کے ساتھ اتحاد پیدا کر لیتا ہے۔ کیونکہ یہ الحاد ہے۔ سُبْحَانَ الَّذِي لَا يَتَغَيَّرُ بِذَاتِهِ وَلَا بِصِفَتِهِ وَلَا فِي أَسْمَائِهِ، بِحُدُوثِ الْأَكْوَانِ (پاک ہے وہ ذات پاک جو موجودات کی حدوث سے اس کی ذات و اسماء و صفات میں تغیر نہیں

آتا) بلکہ اس باطن کو اس اسم کے ساتھ ایک مجہول الکفایت نسبت پیدا ہو جاتی ہے۔ جس سے حلول و اتحاد کا وہم گزرتا ہے۔ درحقیقت وہاں نہ اتحاد ہے نہ حلول کیونکہ اس سے حقیقت امکان کا حقیقت و جوہ کے ساتھ بدلنا لازم آتا ہے۔ جو محال عقلی ہے اور شریعت میں زندقہ ہے اور وہ ظاہر محض جو باقی رہ جاتا ہے۔ اگرچہ عالم شہادت سے ہے اور مشہود مرئی ہے۔ لیکن باطن کے رنگ میں رنگا ہوا ہے۔ اگرچہ باطن شہود و ادراک کے احاطہ سے باہر نکل چکا ہے اور غیب سے ملحق ہو کر پتھونی کارنگ حاصل کر چکا ہے۔ کیونکہ چون جب تک پتھون کارنگ نہ پکڑے اور چون کے احاطہ و ادراک سے باہر نہ جائے اور شہادت سے غیب کی طرف اسباب نہ لے جائے۔ پتھون حقیقی سے کچھ حصہ حاصل نہیں کرتا اور غیب الغیب سے مطلع نہیں ہوتا۔

جاننا چاہئے کہ اس ظاہر باقی ماندہ کی توجہ بالکل خلق کی طرف ہے اور طاعات و عبادات شریعہ اسی کے متعلق ہیں اور دعوت و تکمیل کا معاملہ بھی اسی پر وابستہ ہے اور اس عارف صاحب تکمیل کا باطن بھی خواہ مراتب امکانی کے ساتھ تعلق رکھے۔ خواہ مقامات و جوہ کے ساتھ ظاہر کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور جس چیز کی طرف ظاہر توجہ رکھتا ہے۔ باطن بھی اسی کی طرف توجہ رکھتا ہے۔ تاکہ عبادت کی تکمیل و تربیت کامل طور پر ہو۔ کیونکہ یہ داردار عمل ہے اور یہ مقام مقام دعوت شہود و مشاہدہ کی حقیقت آخرت میں ہے اوکشف و معاینہ کا معاملہ ابھی عاقبت میں ہے۔ اس مقام میں معبود کی عبادت معبود میں مستغرق ہونے سے بہتر ہے اور اس جگہ مطلوب کا انتظار کرنا جس کا باعث محبت ہو۔ مطلوب میں فانی ہونے سے اچھا ہے ارباب سکر اس بات کا یقین کریں یا نہ کریں۔ عارف صاحب تکمیل کی یہ ظاہری و باطنی توجہ جو اس کو خلق کی طرف پیدا ہوئی ہوئی ہے۔ موت کے وقت تک ہے جو مقام دعوت کا منجہا ہے جب موت آجائے گی۔ موت کے پل پر سے گزر کر محبوب کے کوچہ میں قدم رکھ لے گا اور اغیار کی مزاحمت کے بغیر وصل و اتصال کی دولت سے مشرف ہو جائے گا

هَبْنَا لِأَرْبَابِ النِّعَمِ نَعِيمَهَا وَلِلْعَاشِقِ الْمُسْكِينِ مَا يَتَجَرَّعُ

ترجمہ مبارک منعموں کو اپنی نعمت

مبارک عاشقوں کو درد و کلفت

رَبَّنَا أَنْتُمْ لَنَا نُورُنَا وَاغْفِرْ لَنَا إِنَّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ط (یا اللہ تو ہمارے نور کو پورا کر اور ہم کو بخش۔ تو سب کچھ کر سکتا ہے) وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ وَالتَّحِيَّةُ وَالْبَرَكَاتُ عَلَى خَيْرِ خَلْقِ اللَّهِ وَعَلَى إِخْوَانِهِ الْكِرَامِ وَأَصْحَابِهِ الْعِظَامِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامِ

مکتوب ۹۴

فنا و بقا کی حقیقت اور عارف کی حقیقت و صورت سے عدم کے جدا ہونے اور مجاورت کی نسبت بہم پہنچانے کے بیان میں مولانا عبد القادر انبالوی کی طرف صادر فرمایا ہے:-

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوَةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ اللّٰهُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کیلئے حمد ہے اور حضرت سید المرسلین پر صلوٰۃ و سلام۔

اس فقیر کے علم میں حقائق ممکنات جیسے کہ بعض مکتوبات میں لکھا جا چکا ہے۔ ان عدمات سے مراد ہیں۔ جو ہر شر و نقص کا موجب ہیں۔ بمع حق تعالیٰ کے اسماء و صفات کی علمیہ صورتوں کے عکوس کے جو ان عدمات میں ظاہر ہوئے ہیں۔

حاصل کلام یہ کہ وہ عدمات ہیولی یعنی مادہ کی طرح ہیں اور وہ عکوس صورت کی طرح جو ہیولی میں حلول کئے ہوئے ہیں۔ عدمات کی تشخیص و تمیز ان عکوس ظاہرہ کے ساتھ ہے اور ان عکوس کا قیام ان عدمات متمیزہ کے ساتھ ہے۔ یہ قیام عرض و جوہر کے قیام کی طرح نہیں ہے بلکہ جس طرح صورت کا قیام ہیولی کے ساتھ اور ہیولی کا قیام صورت کے ساتھ ہوتا ہے۔ جیسے کہ حکماء نے کہا ہے۔ جب سالک اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ذکر و مراقبہ کے ساتھ حق تعالیٰ کی بارگاہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور دم بدم ماسوی سے منہ پھیرتا جاتا ہے۔ تو حق تعالیٰ کے اسماء و صفات کی علمیہ صورتوں کے عکوس ہر آن میں قوت و غلبہ پاتے جاتے ہیں اور اپنے قرین یعنی ساتھی پر جو عدمات ہیں غالب آتے جاتے ہیں۔ اَلَا اِنَّ جَزْبَ اللّٰهِ هُمْ الْغَالِبُوْنَ (خبردار اللہ تعالیٰ کا گروہ غالب ہے) معاملہ یہاں تک پہنچ جاتا ہے۔ کہ عدمات جو ان عکوس کے لئے اصل و مادہ کی طرح ہیں سب پوشیدہ ہونے لگتے ہیں۔ بلکہ سب کے سب سالک کی نظر سے چھپ جاتے ہیں اور اپنے اصول کے عکوس کے بغیر اس کی نظر میں کچھ نہیں رہتا۔ بلکہ وہ عکوس بھی جو اپنے اصول کے آئینے ہیں۔ نظر سے پوشیدہ ہو جاتے ہیں۔ کوئیکہ اس مقام میں آئینوں کا مخفی ہونا ضروری ہے۔ یہ مقام مقام فنا ہے اور بہت بلند ہے۔ اگر اس سالک فانی کو بقا بخشیں اور عالم کی طرف واپس لائیں۔ تو اپنے عدم کو باریک پوست کی طرح جو بدن کا محافظ ہے۔ معلوم کرے گا اور نزدیک ہے کہ نہایت بے مناسبتی سے جو اس کو عدم کے ساتھ پیدا ہے۔ اس کی تعبیر پیراہن شعر (بالوں کے باریک کرتے) سے کرے اور اپنے آپ سے الگ معلوم کرے۔ لیکن درحقیقت اس مقام میں عدم اس سے الگ نہیں ہوا۔ بلکہ اس مقام میں انانیت کا ظن غالب ہے۔ غرض عدم اس مقام میں سالک کی مستور اور مغلوب جزو ہے اور اس اصالت سے جو اس کو حاصل تھی نیچے آگیا ہے اور ان عکوس کے تابع بلکہ ان

کے ساتھ قائم ہوا ہے۔ جو اس کے ساتھ قیام رکھتے تھے۔ یہ فقیر کئی سال تک اس مقام میں رہا ہے اور اپنے عدم کو پیراہن شعر کی طرح اپنے سے جدا معلوم کیا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کی عنایت بیغایت اس کے شامل حال ہوئی۔ دیکھا کہ وہ جزو مغلوب اس انحلال یافتہ ترکیب سے جدا ہو گیا ہے اور وہ تشخیص جو ان عکوس کے حاصل ہونے سے پیدا کی تھی۔ مفقود کر دی ہے اور گویا عدم مطلق کے ساتھ ملحق ہو گیا ہے۔ جس طرح کسی صورت کو سانچے پر درست کریں اور اس کو اس سانچے پر قائم رکھیں۔ جب صورت درست اور ثابت اور راسخ ہو جائے۔ تو اس سانچے کو توڑ ڈالیں اور اس کے قیام کو سانچے سے دور کر کے اپنے آپ کے ساتھ قائم رکھیں۔ صورت مذکورہ بالا میں بھی فقیر نے معلوم کیا کہ ان عکوس نے جو اس کے ساتھ قیام رکھتے تھے۔ اپنے ساتھ بلکہ اپنے اصول کے ساتھ قیام پیدا کیا ہے۔ اس وقت انا کا لفظ ان عکوس اور ان عکوس کے اصول کے سوا کسی پر اطلاق نہیں کرتا۔ گویا جزو عدم کو اس کے ساتھ کچھ مس نہ تھا اور معلوم کیا کہ حقیقت فنا اسی صورت کے مقام میں ہے سابقہ فنا گویا اس فنا کی صورت تھی۔ اس مقام سے جب بقا میں لائے اور عالم کی طرف واپس لائے۔ تو اس عدم کو جو جزئیت کی نسبت رکھتا تھا اور اصالت و غلبہ اس کے لئے تھا۔ واپس لا کر اس کا مجاور اور ساتھی بنادیا۔ اس کی صورت و حقیقت سے الگ کر کے اس کو لفظ انا کے اطلاق سے باہر کر دیا اور حکمتوں اور مصلحتوں کے لئے اس کو پھر پیراہن شعر کی طرح پہنایا۔ اس حالت میں اگرچہ عدم کو واپس لے آئے۔ لیکن ان عکوس کا قیام اس سے وابستہ نہ کیا۔ بلکہ عدم کو اس عکوس کے ساتھ قیام بخشا۔ جیسے کہ بقائے سابق میں گزر چکا۔ جیسے اس بقا میں یہ نسبت ہو۔ تو اس جگہ جو بقا کی حقیقت ہے یہ نسبت کامل طور پر ہوگی۔

حاصل کلام یہ کہ کپڑا پہننے والے کو کپڑے کی تاثیر ہوتی ہے۔ یعنی اگر کپڑا گرم ہو۔ تو پہننے والے کو اس کی گرمی پہنچتی ہے۔ اگر سرد ہو تو اس کی سردی سے متاثر ہوتا ہے۔ اسی طرح کپڑے کی مانند اس عدم کا تاثر اپنے آپ میں پایا اور اس کا اثر تمام بدن میں جاری و ساری دیکھا۔ لیکن جانتا ہے۔ کہ یہ تاثر و سرایت بیرونی ہے نہ درونی۔ عارضی ہے نہ ذاتی۔ خارجی ہم نشین کی طرف سے آئی ہے نہ داخل کے ہم جنس کی طرف سے اور شر و نقص بھی جو اس عدم سے پیدا ہوا ہے۔ عارضی اور خارجی ہے نہ ذاتی و اصلی۔ اس مقام والا اگرچہ بشریت میں تمام لوگوں کے ساتھ مشارکت رکھتا ہے اور صفات بشریت کے صادر ہونے میں سب کے ساتھ شریک ہے لیکن اس سے اور اس کی ابنائے جنس سے صفات بشریت کا صادر ہونا عارضی ہے۔ جو ہم نشین و مجاور کی طرف سے ہے اور دوسروں سے صفات بشریت کا صادر ہونا ذاتی ہے۔ مَثَانُ مَا بَيْنَهُمَا (ان میں بہت فرق ہے) عوام لوگ ظاہری مشارکت کو ملاحظہ کر کے خواص بلکہ اخص خواص کو اپنی طرح تصور کر کے مقام انکار و اعتراض میں آجاتے ہیں اور محروم

رہ جاتے ہیں۔ آیت کریمہ قَالُوا اَبَشْرٌ يَهْدُوْنَ اَنَا فَاكْفُرُوا (ان لوگوں نے کہا کہ کیا یہ انسان ہم کو ہدایت دے گا پس وہ منکر ہو گئے) اور آیت کریمہ وَقَالُوا مَا هَذَا الرَّسُولُ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْسِكُ فِي الْاَسْوَاقِ (انہوں نے کہا کہ اس رسول کو کیا ہے جو کھانا کھاتا اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے) ان کے حال کا نشان ہے۔ یہ فقیر صفات بشریت سے جو کچھ اپنے آپ میں دیکھتا ہے۔ معلوم کرتا ہے۔ کہ ان صفات کا حامل وہی عدم مجاور ہے جو کلیت یعنی تمام بدن میں اثر و سرایت کئے ہوئے ہے اور اپنے آپ کو تمام و کمال طور پر ان صفات سے پاک و صاف معلوم کرتا ہے اور ان کا کچھ حصہ بھی اپنے آپ میں محسوس نہیں کرتا۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا احسان ہے۔ یہ صفات جو مجاورت کے سبب سے ظاہر ہوتے ہیں۔ اس کی مثال اس شخص کی سی ہے۔ جس نے سرخ لباس پہنا ہو اور لباس کی سرخی سے سرخ نظر آتا ہو۔ یہ قوف لوگ چونکہ تمیز نہیں کر سکتے۔ لباسی سرخی کو اس شخص کی سرخی جان کر اس پر خلاف واقع حکم لگاتے ہیں۔ مثنوی

ہر کہ افسانہ بخواند افسانہ است وانکہ نقدش دید خود مردانہ است

آب نیل است و بقبطی خون نمود قوم موسیٰ زانہ خوں بود آب بود

ترجمہ مثنوی جس نے افسانہ کہا افسانہ ہے جس نے دیکھا نقد وہ مردانہ ہے

خون تھا قبطی کے حق میں آب نیل موسویوں کو آب تھا بے قال و قیل

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ (یا اللہ تو

ہدایت دے کر ہمارے دلوں کو میڑھانہ کر اور اپنے پاس سے رحمت نازل فرما۔ تو بڑا بخشنے والا ہے) وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اَتَّبَعَ الْهُدٰی (سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی)۔

مکتوب ۹۵

کفر حقیقی و اسلام حقیقی کے سوال کے جواب میں مقصود علی تبریزی کی طرف صادر

فرمایا ہے:-

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اللّٰهُ تَعَالٰی کیلئے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ

بندوں پر سلام ہو۔

آپ کا صحیفہ شریفہ پہنچا۔ جس میں صوفیاء کی بعض باتوں کی نسبت استفادہ درج تھا۔

میرے مخدوم! وقت و مکان اگرچہ گفت و نوشت کا تقاضا نہیں کرتا۔ لیکن سوال کا جواب دینا

ضروری ہے۔ اس لئے چند کلمے لکھے جاتے ہیں۔

ان تمام سوالوں کے حق میں مجمل کلام یہ ہے کہ جس طرح شریعت میں کفر و اسلام ہے۔ طریقت میں بھی کفر و اسلام ہے۔ جس طرح شریعت میں کفر سراسر شرارت و نقص ہے اور اسلام سراسر کمال ہے۔ طریقت میں بھی کفر سراسر نقص ہے اور اسلام سراسر کمال ہے۔ کفر طریقت مقام جمع سے مراد ہے۔ جو استتار یعنی پوشیدہ ہونے کا محل ہے۔ اس مقام میں حق و باطل کی تمیز مفقود ہوتی ہے۔ کیونکہ اس مقام میں سالک کا مشہود اچھے و برے آئینوں میں وحدت محبوب کا جمال ہوتا ہے۔ پس خیر و شر و نقص و کمال کو اس وحدت کے ظلال اور مظاہر کے سوا نہیں پاتا۔ اس لئے انکار کی نظر جو تمیز سے پیدا ہوتی ہے۔ اس کے حق میں معدوم ہے۔ جس کے باعث سب کے ساتھ مقام صلح میں ہے اور سب کو راہ راست پر معلوم کرتا ہے اور اس آیت کے مضمون کے مطابق گیت گاتا ہے۔ وَمَا مِنْ ذَابَّةٍ إِلَّا هُوَ اٰجِدُهَا اِنَّ رَبِّيْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (کوئی جانور روئے زمین پر چلنے والا نہیں ہے۔ جس کو اس نے پیشانی سے پکڑا ہوا نہیں۔ بیشک میرا رب سیدھے راستہ پر ہے) کبھی مظہر کو عین ظاہر جان کر خلق کو عین حق خیال کرتا ہے اور مربوط کو عین رب جانتا ہے۔ اس قسم کے سب پھول مرتبہ ہی سے کھلتے ہیں۔ منصور اسی مقام میں کہتا ہے۔

كَفَرْتُ بِدِينِ اللَّهِ وَالْكَفَرُ وَاجِبٌ لِّدَيَّ وَعِنْدَ الْمُسْلِمِينَ قَبِيْحٌ

ترجمہ ہوا کافر میں دین حق سے مجھ کو کفر بہتر ہے

اگرچہ سب مسلمانوں کے ہاں وہ کفر بدتر ہے

یہ کفر طریقت کفر شریعت کے ساتھ بڑی مناسبت رکھتا ہے۔ لیکن شریعت کا کافر مردود اور عذاب کا مستحق ہے اور کافر طریقت مقبول اور اعلیٰ درجات کے لائق ہے کیونکہ یہ کفر و استتار محبوب حقیقی کے غلبہ محبت سے پیدا ہوا ہے۔ جس کے باعث محبوب حقیقی کے سوا سب کچھ فراموش ہو جاتا ہے۔ اس لئے مقبول ہے اور وہ کفر چونکہ تہمت یعنی سرکشی اور جہل کے غلبہ سے پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے مردود ہے اور اسلام طریقت مقام فرق بعد الجمع سے مراد ہے جو تمیز کا مقام ہے جہاں حق باطل سے اور خیر شر سے متمیز ہے۔ اس اسلام طریقت کو اسلام شریعت کے ساتھ بڑی مناسبت ہے۔ جب اسلام شریعت کمال تک پہنچ جاتا ہے۔ تو اس اسلام طریقت کے ساتھ اتحاد کی نسبت پیدا ہو جاتی ہے۔ بلکہ ہر دو اسلام اسلام شریعت ہیں۔ اس کے درمیان فرق ظاہر شریعت اور باطن شریعت اور صورت شریعت اور حقیقت شریعت کا ہے۔ کفر طریقت کا مرتبہ صورت شریعت کے اسلام سے بلند تر ہے۔ اگرچہ حقیقت شریعت کے اسلام کی نسبت کمتر ہے۔

آسمان نسبت بعرش آمد فرد ورنہ بس عالی است پیش خاک تود

ترجہ عرش سے نیچے ہے گرچہ آسمان بہت اونچا میں سے اے جواں
 مشائخ قدس اسرار ہم سے جنہوں نے شطیحات نکالی ہیں اور مخالف شریعت باتیں کہی ہیں سب کفر
 طریقت کے مقام میں رہے۔ جو سکرو بے تمیزی کا مقام ہے۔ لیکن وہ بزرگ جو حقیقی اسلام کی دولت
 سے مشرف ہوئے ہیں۔ اس قسم کی باتوں سے پاک و صاف ہیں اور ظاہر و باطن میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ
 والسلام کی اقتداء کرتے ہیں اور انہی کے تابع رہتے ہیں۔ پس جو شخص کلام شطیحات کرتا ہے اور سب کے
 ساتھ صلح رکھتا ہے اور سب کو راہ راست پر خیال کرتا ہے اور حق و خلق کے درمیان تمیز نہیں کرتا اور
 ددنی کے وجود کا قائل نہیں ہوتا۔ اگر ایسا شخص مقام جمع تک پہنچ چکا ہے اور کفر طریقت سے متحقق ہو چکا
 ہے اور ماسوائی کانیان حاصل کر چکا ہے۔ تو وہ مقبول ہے اور اس کی باتیں جو سکر سے پیدا ہیں۔ ظاہر کی
 طرف سے پھری ہوئی ہیں اور اگر وہ شخص اس حال کے حاصل ہونے اور درجہ کمال اول تک پہنچنے کے
 بغیر اس قسم کی کلام کرتا ہے اور سب کو حق اور صراط مستقیم پر جانتا ہے اور حق و باطل میں تمیز نہیں
 کرتا۔ تو ایسا شخص زندیق و ملحد ہے۔ جس کا مقصد یہ ہے۔ کہ شریعت باطل ہو جائے اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ
 والسلام جو رحمت عالمیان ہیں ان کی دعوت رفع ہو جائے پس اس قسم کے خلاف شریعت کلمات سچے سے
 بھی صادر ہوتے ہیں اور جھوٹے سے بھی سچے کے لئے آب حیات ہیں اور جھوٹے کے لئے زہر قاتل۔
 جس طرح کہ دریائے نیل کا پانی بنی اسرائیل کے حق میں آب خوشگوار تھا اور قبطی کے حق میں خون۔
 اس مقام پر اکثر سالکوں کے قدم پھسل جاتے ہیں۔ بہت سے مسلمان ارباب سکر کی باتوں کی
 تقلید کر کے راہ راست سے ہٹ کر گمراہی اور خسارہ میں جا پڑے ہیں اور اپنے دین کو برباد کر بیٹھے ہیں۔
 یہ نہیں جانتے کہ اس قسم کی باتوں کا قبول ہونا چند شرائط پر مشروط ہے۔ جو ارباب سکر میں موجود ہیں اور
 ان میں مفقود۔ ان شرائط میں سے اعلیٰ شرط ماسوائی اللہ کانیان ہے۔ جو اس قبولیت کی دہلیز ہے۔ سچے اور
 جھوٹے کے درمیان شریعت کی استقامت اور عدم استقامت سے فرق ظاہر ہو سکتا ہے یعنی جو سچا ہے۔
 وہ باوجود سکر و مستی کے اور بے تمیزی کے بال بھر بھی شریعت کے برخلاف نہیں کرتا۔ منصور باوجود
 قول انا الحق کے قید خانہ میں زنجیروں کے ساتھ جکڑا ہوا ہر رات پانچ سو رکعت نماز نفل ادا کرتا تھا اور وہ
 کھانا جو اس کو ظالموں کے ہاتھ سے ملتا تھا۔ اگرچہ وجہ حلال سے ہوتا ہے۔ نہ کھاتا تھا اور جو شخص جھوٹا
 ہے۔ اس پر احکام شریعہ کا بجالانا کوہ قاف کی طرح بھاری ہوتا ہے۔ کَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِينَ مَا تَدْعُوهُمْ
 إِلَيْهِ (مشرکوں پر وہ امر بہت بھاری ہے۔ جس کی طرف تو ان کو بلاتا ہے) ان کے حال کا نشان ہے۔

رَبَّنَا آتِنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً وَهَيِّئْ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا رَشَدًا (یا اللہ تو اپنے پاس سے ہم پر رحمت
 نازل فرما اور ہمارے کام سے بہتری ہمارے نصیب کر) وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اتَّبَعَ الْهُدٰی سلام ہو اس

فخص پر جس نے ہدایت اختیار کی۔

مکتوب ۹۶

اس مضمون کے حل میں کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مرض موت میں کاغذ طلب کیا تاکہ کچھ لکھیں اور حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے مع چند اصحاب کے اس سے منع کیا خواجہ ابوالحسن بدخشی کشمی کی طرف صادر فرمایا ہے:-
الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَى اللّٰهُ تَعَالٰی كَيْلَے حَمْدِے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔

سوال:- حضرت رسالت خاتمیت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مرض موت میں کاغذ طلب کیا اور فرمایا کہ اِيتُونِي بِقُرْطَاسٍ اَكْتُبُ لَكُمْ كِتَابًا لَّنْ تَصَلُّوْا بَعْدِي (کاغذ لاؤ کہ میں کچھ لکھوں تاکہ تم میرے بعد گمراہ نہ ہو) اور حضرت فاروق رضی اللہ عنہ اور چند اور اصحاب نے منع کیا اور کہا کہ حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ (ہمیں کتاب اللہ کافی ہے) اور کہا اَهْجَرَا اسْتَفْهَمُوْهُ (کیا غشی سے ایسی کلام کرتے ہیں اچھی طرح پوچھو) حالانکہ حضرت رسالت خاتمیت علیہ الصلوٰۃ والسلام جو کچھ فرمایا کرتے تھے۔ وحی سے فرمایا کرتے تھے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُوحٰی (وہ خواہش سے کلام نہیں کرتے بلکہ جو کچھ بولتے ہیں وحی کے مطابق بولتے ہیں) اور وحی کا رد و منع کرنا کفر ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاولٰئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے اتارے ہوئے احکام کے مطابق حکم نہیں کرتے وہ کافر ہیں۔

نیز پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ہجر و ہذیان کی کیفیت جائز کرنے سے تمام احکام شرعیہ کا اعتماد دور ہو جاتا ہے اور یہ کفر والحاد و زندقہ ہے۔ اس شبہ قویہ کا حل کیا ہے۔

جواب:- خدا آپ کو سعادتمند کرے اور سیدھے راستہ کی ہدایت دے۔ آپ کو واضح ہو کہ یہ شبہ اور اس قسم کے اور شبہ جو بعض لوگ حضرات خلفاء ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور باقی تمام اصحاب کرام رضی اللہ عنہم پر وارد کرتے ہیں اور اس قسم کی تشکیکات اور شبہات سے ان کو رد کرنا چاہتے ہیں۔ اگر انصاف کی نظر سے دیکھیں اور حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت کے شرف و رتبہ کو قبول کریں۔ تو ان کو معلوم ہو جائے گا کہ ان کے نفس حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت میں ہوا اور ہوس سے پاک و صاف ہو چکے تھے اور ان کے سینوں سے عداوت و کینہ نکل چکا تھا تو ان پر واضح ہو جائے گا۔ کہ یہی وہ اسلام اور دین کے بزرگوار ہیں۔ جنہوں نے کلمہ اسلام کے بلند کرنے اور حضرت سید انام کی مدد اور دین متین کی تائید کے لئے رات دن اور ظاہر و باطن میں اپنی طاقتوں اور مالوں کو خرچ

کیا ہے اور اپنے خویش و قبیلہ اور اولاد و ازواج اور وطن و گھریاں کھیتی کیاری باغ اور انہار وغیرہ سب کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں چھوڑ دیا تھا اور اپنی جان اور مال و اولاد کی محبت پر رسول اللہ کی محبت کو ترجیح دی تھی۔ ان بزرگواروں نے وحی و فرشتہ کا مشاہدہ کیا تھا اور معجزات و خوارق کو دیکھا تھا۔ ان کا غیب شہادت سے اور ان کا علم عین سے بدل چکا تھا۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کی تعریف اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ان الفاظ کے ساتھ فرماتا ہے۔ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ -- ذَٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ (اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہو گئے۔ توریت و انجیل میں ان کی یہی مثال ہے) جب تمام صحابہ کرام ان کرامات اور فضائل میں شریک ہیں۔ تو خلفاء راشدین جو تمام صحابہ سے افضل و اعلیٰ ہیں۔ ان کی فضیلت و بزرگی کس قدر ہوگی۔ یہی وہ فاروق رضی اللہ عنہ ہیں۔ جن کی شان میں اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو فرماتا ہے۔ يٰٓأَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللَّهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اے نبی تجھ کو اللہ تعالیٰ اور تیری اتباع کرنے والے مومن کافی ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے۔ کہ اس آیت کریمہ کا شان نزول حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اسلام ہے۔ نظر انصاف کے ساتھ دیکھئے اور حضرت خیر البشر کی شرف محبت قبول کرنے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درجات کی بلندی اور بزرگی معلوم کرنے کے بعد امید ہے کہ یہ اعتراض کرنے والے اور تشکیکات کی پیروی کرنے والے لوگ ان شبہات کو مغالطوں اور زر سے منڈھی ہوئی خیالی باتوں کی طرح بے اعتبار اور خوار خیال کرینگے اور اگر ان شبہات میں غلطی کو تجویز نہ کریں اور ان کو وہی اور خیالی باتوں کی طرح نہ سمجھیں۔ تو کم از کم اتنا تو ضرور جان لیں گے کہ ان شبہات اور تشکیکات کا ما حاصل بیچ و پوچ ہے۔ بلکہ اسلامی ہدایت اور ضرورت کے برخلاف ہے اور کتاب و سنت کے مقابلہ میں مردود اور مطرود ہے۔ اس کے علاوہ اس سوال کے جواب اور اس شبہ کی غلط فہمی کے بیان کو اللہ تعالیٰ کی مدد سے چند مقدموں میں لکھا جاتا ہے۔ غور سے سنیں۔ اس شبہ و اشکال کا کامل طور پر حل کرنا چند مقدموں پر مبنی ہے۔ جن میں سے ہر ایک مقدمہ بجائے خود علیحدہ علیحدہ جواب بھی ہے:-

مقدمہ اول:- یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام منطوقات و معقولات یعنی اقوال و گفتار وحی کے مطابق نہ تھے۔ آیت کریمہ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ نص قرآنی سے مخصوص ہے جیسے کہ مفسرین نے بیان کیا ہے۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام اقوال و گفتار وحی کے موافق ہوتے تو حق تعالیٰ کی طرف سے بعض اقوال پر اعتراض وارد نہ ہوتا اور ان سے معافی کی گنجائش نہ ہوتی۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو مخاطب کر کے فرماتا ہے عَفَا اللَّهُ عَنْكَ لِمَ أَذْنَتْ لَهُمْ (اللہ تعالیٰ تجھے معاف کرے تو نے ان کو کیوں اذن دیا)

مقدمہ دوم:- یہ کہ احکام اجتہادیہ اور امور عقلیہ میں آیت کریمہ **فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِيَ الْأَبْصَارِ** (اے داناؤ! عبرت پکڑو) اور آیت کریمہ **وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ** (کام میں ان سے مشورہ کر لیا کرو) کے بموجب اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ گفتگو کی گنجائش اور رد و بدل کی مجال تھی۔ کیونکہ اعتبار و مشورہ کا امر کرنا رد و بدل کے حاصل ہونے کے بغیر متصور نہیں۔ جنگ بدر کے قیدیوں کے قتل اور فدیہ کے بارہ میں جب اختلاف واقع ہوا تھا۔ تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے قتل کا مشورہ دیا تھا اور وحی حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے مشورہ کے موافق آئی اور فدیہ لینے پر وعید نازل ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ **لَوْ نَزَلَ الْعَذَابُ لَمَّا نَجَحِيَ بِغَيْرِ عَمْرٍ وَسَعْدِ بْنِ مَعَاذٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا** (اگر عذاب نازل ہوتا تو عمر و سعد بن معاذ رضی اللہ عنہما کے بغیر کوئی نجات نہ پاتا) کیونکہ سعد رضی اللہ عنہ نے بھی ان قیدیوں کے قتل کا مشورہ دیا تھا۔

مقدمہ سوم:- یہ کہ سہو و نسیان پیغمبر پر جائز بلکہ واقع ہے۔ حدیث ذوالیہدین میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چار رکعتی نماز میں دو رکعت کے بعد سلام پھیر دیا۔ ذوالیہدین نے عرض **أَقْصَرْتَ الصَّلَاةَ أَمْ نَسِيتَ** کیا آپ نے نماز کو قصر کیا ہے یا آپ بھول گئے۔ ذوالیہدین کی صداقت ثابت ہونے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اٹھ کر دو رکعت اور ادا کیں اور سجدہ سہو ادا کیا۔ جب صحت و فراغت کی حالت میں سہو و نسیان بمقتضائے بشریت جائز ہے۔ تو مرض موت میں درد کے غلبہ کے وقت بمقتضائے بشری آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بے قصد و بے اختیار کلام کا صادر ہونا کیونکر جائز نہ ہو گا اور احکام شریعہ سے کیوں اعتماد رفع ہو گا۔ جب کہ حق تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وحی قطعی سے سہو و نسیان پر اطلاع فرمائی ہے اور صواب کو خطا سے الگ کیا ہے۔ کیونکہ نبی کا خطا پر برقرار رہنا جائز نہیں۔ اس لئے کہ اس سے احکام شریعہ کا اعتماد رفع ہوتا ہے۔

پس ثابت ہوا کہ نفس سہو و نسیان اعتماد کے رفع ہونے کا موجب نہیں ہے۔ بلکہ سہو و نسیان پر برقرار رہنا احکام شریعہ کے اعتماد کے رفع ہونے کا باعث ہے اور وہ تقریر علماء کے نزدیک مقرر و ثابت ہے کہ جائز نہیں۔

مقدم چہارم:- یہ کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بلکہ خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے لئے کتاب و سنت میں جنت کی خوشخبری ہے اور وہ احادیث جن میں خاص طور پر ان کے لئے جنت کی بشارت ہے ثقہ راویوں کی کثرت سے شہرت بلکہ تواتر معنی کی حد تک پہنچ چکی ہیں۔ جن کا انکار کرنا سراسر جہالت ہے یا بغض و عناد۔ ان صحیح و حسن حدیثوں کے روای اہل سنت ہیں۔ جنہوں نے اپنے استادوں

ہے اور شک نہیں کہ اس شخص کو کافر کہنا جس کو کتاب و سنت میں بہشت کی خوشخبری مل چکی ہو نہایت ہی برا ہے۔

مقدمہ پنجم:- یہ ہے کہ کاغذ کے لانے میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا توقف کرنا رد و انکار کے باعث نہ تھا۔ پناہ بخدا۔ ایسے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وزیروں اور ہمنشینوں سے جو خلق عظیم کے ساتھ متصف ہے۔ اس قسم کی بے ادبی متصور بھی کس طرح ہو سکتی ہے۔ بلکہ ادنیٰ صحابی سے جو ایک یا دو بار حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شرف صحبت سے مشرف ہو چکا ہو۔ اس قسم کی بے ادبی کی امید نہیں ہو سکتی۔ بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے عام لوگوں سے جو دولت اسلام سے مشرف ہو چکے ہیں۔ اس قسم کے رد و انکار کا گمان نہیں ہو سکتا۔ تو پھر ان لوگوں سے جو بزرگ اور وزیر اور ندیم اور تمام مہاجرین اور انصار میں سے اعلیٰ درجہ والے ہوں۔ کس طرح اس امر کا خیال پیدا ہو سکتا ہے۔ حق تعالیٰ ان لوگوں کو انصاف دے تاکہ بزرگان دین پر اس طرح کی بدظنی نہ کریں اور بے سوچے سمجھے ہر کلمہ و کلام پر مواخذہ نہ کریں۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا مطلب استفہام اور استفار یعنی اِسْتَفْهِمُوْہُ سے یہ تھا کہ اگر یہ آپ کو شش و اہتمام کے ساتھ کاغذ طلب فرمائیں تو لایا جائے۔ اگر آپ اس بارہ میں کوشش نہ فرمائیں۔ تو ایسے نازک وقت میں آپ کو تکلیف نہ دینی چاہئے۔ کیونکہ اگر امر و وحی سے آپ نے کاغذ طلب فرمایا ہے تو تاکید و مبالغہ سے کاغذ طلب فرمائینگے اور جو کچھ آپ کو حکم ہو گا لکھیں گے۔ کیونکہ وحی کی تبلیغ نبی پر واجب ہے۔ اگر یہ مطلب امر و وحی سے نہیں ہے۔ بلکہ چاہتے ہیں۔ کہ فکر و اجتہاد کی رو سے کچھ لکھیں۔ تو وقت یاوری نہیں کرتا۔ کیونکہ پایہ اجتہاد آپ کے رحلت فرما جانے کے بعد بھی باقی ہے۔ آپ کی امت کے مستنبط اور مجتہد لوگ کتاب اللہ سے جو دین کا اصل اصول ہے۔ احکام اجتہاد یہ کو نکال لیں گے اور جب حضور کی موجودگی میں جو وحی کے نزول کا وقت تھا۔ مستنبطوں اور مجتہدوں کے استنباط و اجتہاد کی گنجائش تھی۔ تو آپ کے رحلت فرمانے کے بعد جو وحی کے ختم ہونے کا زمانہ ہے۔ علماء کا اجتہاد و استنباط بطریق اولیٰ مقبول ہو گا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بارہ میں جدو اہتمام نہ فرمایا۔ بلکہ اس امر سے اعراض فرمایا۔ تو معلوم ہوا کہ آپ کا فرمانا وحی کی رو سے نہ تھا اور وہ توقف جو مجرّد استفار کے لئے ہو۔ مذموم نہیں ہے۔

ما ائکھ کرام نے حضرت آدم علیہ السلام کی خلافت کی وجہ دریافت کرنے کے لئے عرض کیا۔ اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ کیا تو ایسے شخص کو خلیفہ بنانا چاہتا ہے۔ جو اس میں فساد کرے گا اور خون کرائے گا اور ہم تیری حمد کرتے ہیں اور تیری

پاکیزگی بیان کرتے ہیں۔

اور حضرت زکریا علیہ السلام نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کی پیدائش کی خوشخبری کے وقت کہا اَنِّیْ یَکُونُ لِیْ غُلَامٌ "وَكَانَتْ اِمْرَاۃً تَنٰی عَاقِرًا وَفَیْذَ بَلَغَتْ مِنَ الْکِبَرِ عَتِیًّا" میرے ہاں کس طرح لڑکا ہو گا۔ جبکہ میری عورت بانجھ ہے اور میں از حد بوڑھا ہوں۔

اور حضرت مریم علیہا الصلوٰۃ والسلام نے کہا اَنِّیْ یَکُونُ لِیْ غُلَامٌ "وَلَمْ یَمَسَّسْنِیْ بِشَرٍّ" وَلَمْ اَلِدْ بِغَیْبٍ" میرے ہاں کس طرح لڑکا ہو گا جب کہ مجھے کسی بشر نے ہاتھ نہیں لگایا اور میں نافرمان یعنی بدکار بھی نہیں ہوں۔

اگر حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی استفسار اور استفہام کے لئے کاغذ کے لانے میں توقف کیا ہو۔ تو کیا مضائقہ ہے اور کیا شور و شبہ ہے۔

مقدمہ ششم:- یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شرف صحبت کے حاصل ہونے کے باعث صحابہ کرام کے ساتھ حسن ظن ضروری ہے اور اس امر کا جاننا بھی ضروری ہے۔ کہ تمام زمانوں سے بہتر زمانہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زمانہ تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب انبیاء علیہم السلام کے بعد تمام بنی آدم سے بہتر تھے۔ تاکہ یقین ہو جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رحلت فرمانے کے بعد بہترین زمانہ میں وہ لوگ جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد تمام بنی آدم سے بہتر ہیں۔ باطل عمل پر اجتماع نہ کریں گے اور کافروں اور فاسقوں کو حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جانشین نہ بنائیں گے اور یہ جو ہم نے کہا ہے کہ اصحاب تمام بنی آدم سے بہتر ہیں۔ اس لئے کہا ہے کہ یہ امت نص قرآنی کے ساتھ خیر الامم یعنی تمام امتوں میں سے بہتر ثابت ہو چکی ہے۔ اور تمام امت میں سے بہتر اصحاب کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔ کیونکہ کوئی ولی صحابی کے مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتا۔

پس کچھ انصاف کرنا چاہئے کہ اگر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا کاغذ لانے سے منع کرنا کفر کا باعث ہو تا تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جو نص قرآن کے ساتھ اس بہترین امت میں سب سے زیادہ متقی ثابت ہو چکے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر تنصیص و تصریح نہ کرتے اور مہاجرین و انصار جن کی تعریف حق تعالیٰ نے اپنے قرآن مجید میں فرمائی ہے اور ان سے راضی ہوا ہے اور ان کو جنت کا وعدہ دیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت نہ کرتے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جانشین نہ بناتے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت اور اصحاب کے ساتھ حسن ظن جو محبت کا مقدمہ ہے حاصل ہو جائے۔ تو اس قسم کے شبہات کی تکلیف سے نجات مل جاتی ہے اور ان تشکیکات کا باطل ہونا صاف طور پر نظر آ جاتا ہے اور اگر نعوذ باللہ منہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ

و سلم کی صحبت اور اصحاب کے ساتھ حسن ظن پیدا نہ ہو اور بد ظنی تک نوبت آجائے۔ تو یہ بد ظنی اس صحبت کے صاحب یعنی صحابہ کرام اور ان اصحاب کے صاحب یعنی پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام تک پہنچ جائے گی۔ بلکہ اس صاحب کے صاحب جل شانہ تک چلی جائی گی۔ اس امر کی برائی کو اچھی طرح معلوم کرنا چاہئے۔ مَا اَمِنَ بِرَسُولٍ مِّنْ لَّمْ يُؤْفَرْ اَصْحَابُهُ (جس نے اصحاب کی عزت نہ کی اس نے گویا رسول کی تصدیق نہ کی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اصحاب کی شان میں فرمایا ہے۔ مَن اَحَبَّهُمْ فَبِحَبِي اَحَبَّهُمْ وَمَن اَبْغَضَهُمْ فَبِغَضِي اَبْغَضَهُمْ (جس نے میرے اصحاب سے محبت کی اس نے گویا میری محبت کی بدولت ان سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے گویا میرے بغض کے باعث ان سے بغض رکھا) اصحاب کی محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کا باعث اور اصحاب کا بغض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بغض کا موجب ہے۔

جب یہ مقدمات معلوم ہو چکے تو بے تکلف اس شبہ کا اور اس قسم کے اور شبہوں کا جواب حاصل ہو گیا۔ بلکہ متعدد اور کئی قسم کے جوابات حاصل ہو گئے۔ کیونکہ ان مقدمات سے ہر ایک مقدمہ متعدد جوابوں میں سے ایک جواب ہے۔ جیسے کہ گزر چکا ہے اور یہ مقدمات سب کے سب اس شبہ کے مادہ کو توڑ دیتے ہیں اور اس تشکیک کے دفع کرنے میں نظر یعنی دلیل سے حدس یعنی فراست و باریک بینی میں لے آتے ہیں۔ کَمَا لَا يَخْفَى عَلَى الْفَطِيْنِ الْمُنْصِفِ (جیسے کہ دانا منصف پر پوشیدہ نہیں ہے) حدس کا لفظ صرف زبان پر لایا گیا ہے۔ ورنہ اس قسم کی تشکیکات بدیہی البطلان ہیں اور وہ مقدمات جو ان شبہات کے باطل کرنے میں لائے گئے ہیں۔ اس بداہت پر تنبیہات کی قسم سے ہیں۔ بلکہ اس قسم کی تشکیکات و شبہات اس فقیر کے نزدیک اس طرح ہیں۔ جس طرح کوئی پر فن شخص چند بیوقوفوں کے پاس آکر ایک پتھر کو جو ان کا محسوس ہے ملمع اور جھوٹی دلیلوں اور مقدمات سے ان کے سامنے ثابت کر دے کہ یہ سونا ہے اوچونکہ یہ بیچارے ان وہمی مقدمات کے دفع کرنے میں عاجز ہیں اور ان کے غلط ثابت کرنے میں قاصر ہیں۔ اس لئے شبہ میں پڑ جائیں بلکہ یقین کر لیں کہ یہ سونا ہے اور اپنی حس کو فراموش کر دیں بلکہ متہم جائیں۔ اس مقام پر دانا کی ضرورت ہے۔ جو اس کی ضرورت پر اعتماد کرے اور وہمی مقدمات کو غلط ثابت کرے۔ مذکورہ بالا صورت میں بھی خلفائے ثلاثہ بلکہ تمام اصحاب کرام کی بزرگی اور بلندی درجات کتاب و سنت کی رو سے محسوس و مشاہد ہے اور ان بزرگواروں پر طعن کرنے والے جو جھوٹی اور ملمع دلیلوں کے ساتھ ان پر طعن و قدح کرتے ہیں۔ اس پتھر کے حق میں طعن و ملامت کرنے والوں کی طرح بھٹک رہے ہیں اور گمراہ ہو رہے ہیں اور اوروں کو بھی گمراہ کر رہے ہیں۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ يَا اللّٰهُ تَو

ہدایت دینے کے بعد ہمارے دلوں کو میزہانہ کر اور اپنی جناب سے ہم پر رحمت نازل فرما۔ تو بڑا بخشنے والا ہے۔

ہائے افسوس ان لوگوں کو کس چیز نے آمادہ کیا کہ اکابر دین کو گالی نکالیں اور اسلام کے بزرگوں پر طعن لگائیں۔ حالانکہ فاسقوں اور فاجروں میں سے کسی کو گالی نکالنا اور طعن لگانا یہ درجہ نہیں رکھتا کہ شرع میں عبادت و کرامت و فضیلت اور نجات کا وسیلہ سمجھا جائے۔ تو پھر دین کے ہادیوں کو گالی نکالنا اور اسلام کے حامیوں کو طعن لگانا کیا کچھ درجہ رکھتا ہو گا۔ شرع میں کہیں نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمنوں یعنی ابو جہل اور ابو لہب وغیرہ کو گالی نکالنا اور طعن لگانا عبادت و کرامت میں داخل ہے۔ بلکہ ان سے اور ان کے احوال سے اعراض کرنا اچھا ہے اور اس قسم کے بیہودہ امور میں مشغول ہونے اور وقت کے ضائع کرنے سے بہتر ہے بَلْكَ اَمَةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ وَلَا تَسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ یہ لوگ گزر گئے۔ ان کے لئے اپنے اعمال اور تمہارے لئے اپنے عمل کام آئیں گے اور تم سے نہ پوچھا جائے گا کہ وہ کیا عمل کیا کرتے تھے۔

حق تعالیٰ قرآن مجید میں اصحاب پیغمبر کی صفت میں رَحْمَاءُ بَيْنَهُمْ فرماتا ہے۔ پس ان بزرگواروں کے حق میں ایک دوسرے کے ساتھ عداوت و کینہ کا گمان کرنا نص قرآنی کے برخلاف ہے نیز ان بزرگواروں میں عداوت و کینہ کا ثابت کرنا فریقین میں قدح و ندامت پیدا کرتا ہے اور دونوں گروہوں سے امان کو رفع کرتا ہے۔ جس سے اصحاب کے دونوں گروہوں کا مطعون ہونا لازم آتا ہے۔ نعوذ باللہ من ذلك اور اس سے معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد جو لوگ تمام بنی آدم سے بہتر تھے۔ وہ گویا بدترین مردم تھے اور ان کا بہترین زمانہ بدترین زمانہ تھا اور اس قرن و زمانہ کے لوگ عداوت و کینہ سے موصوف تھے۔ کوئی مسلمان اس بات پر دلیری نہیں کر سکتا اور نہ ہی اس امر کو پسند کر سکتا ہے۔ یہ کتنی بڑی گستاخی اور جرأت ہے خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کو حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ دشمنی ہو اور حضرت امیر ان کے پوشیدہ دشمن رہیں۔ اس امر میں طرفین کی ندامت و ملامت ہے۔

کیوں نہ ہم یوں کہیں کہ آپس میں شیر و شکر اور ایک دوسرے میں فانی تھے۔ خلافت کا معاملہ بھی ان کے نزدیک مرغوب و مطبوع نہ تھا۔ جس کو کینہ و عداوت کا موجب قرار دیا جائے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے اَقْبَلُونِي (یعنی مجھ سے بیعت موثر کر خلافت واپس لے لو) کا ظاہر ہونا مشہور و معروف ہے اور حضرت فاروق رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے۔ کہ اگر کوئی خریدار مل جائے تو اس خلافت کو ایک دینار کے بدلے بیچ ڈالوں اور حضرت امیر رضی اللہ عنہ نے خلافت کی خواہش کے لئے

معاویہ کے ساتھ لڑائی جھگڑا نہیں کیا۔ بلکہ باغیوں کے ساتھ لڑائی کرنا فرض سمجھ کر ان کا مقابلہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَقَاتِلُوا النِّبِیَّ حَتَّى تَفِیءَ اِلَیْ اَمْرِ اللّٰهِ تَمَّ بَاغِیْ گروہ سے یہاں تک لڑو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف پھر آئے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ لڑائی کرنے والے باغی ہیں۔ جو سب کے سب صاحب تاویل اور صاحب رائے واجتہاد تھے۔ اگر اس اجتہاد میں خطا کار بھی ہوں تو بھی طعن و ملامت اور تفسیق و تکفیر سے دور اور پاک ہیں۔

حضرت امیر رضی اللہ عنہ ان کے حق میں فرماتے ہیں۔ کہ اِخْوَانُنَا بَغَوْا عَلَيْنَا لَیْسُوا فِسْقَةً وَلَا كُفْرَةً لِّمَالِهِمْ مِنَ التَّوْبِلِ ہمارے بھائیوں نے ہم پر بغاوت کی نہ فاسق ہیں نہ کافر۔ کیونکہ ان کے لئے تاویل ہے۔

امام شافعی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح منقول ہے کہ تِلْكَ دِمَاءُ أَطْهَرَ اللّٰهُ عَنْهَا اَبْدِنَا فَنُطَهِّرُ عَنْهَا السِّنِّتَانِیَہ وہ خون ہیں۔ جن سے ہمارے ہاتھوں کو اللہ تعالیٰ نے پاک رکھا۔ پس ہمیں اپنی زبانوں کو ان سے پاک رکھنا چاہئے۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلَا اِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُونَا بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِی قُلُوبِنَا غِلًا لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوا رَبَّنَا اِنَّكَ رَؤُوفٌ رَّحِیْمٌ "یا اللہ ہم اور ہمارے ان بھائیوں کو جو ایمان لے کر ہم سے چلے گئے بخش اور ایمانداروں کے لئے ہمارے دلوں میں کوئی غل و غش نہ چھوڑ یا اللہ تو ہی مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنَامِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ الْکِرَامِ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامِ

مکتوب ۹۷

ایک سوال کے جواب میں جس میں اسی دفتر کے چھپے مکتوب کا حل طلب کیا گیا تھا۔

خواجہ ہاشم کشمیری کی طرف صادر فرمایا ہے:-

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اللّٰهُ تَعَالٰی کِلِیْے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ

بندوں پر سلام ہو۔

آپ نے پوچھا تھا کہ اس عبارت کے کیا معنی ہیں جو چھپے مکتوب میں واقع ہے۔ کہ میں خیال کرتا ہوں۔ کہ میری پیدائش سے مقصود یہ ہے۔ کہ ولایت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ولایت ابراہیمی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رنگ میں رنگی جائے اور ولایت محمدی ﷺ کا حسن ملاحت ولایت ابراہیمی کے جمال صباحت کے ساتھ مل جائے اور اس انصباغ و امتزاج سے محبوبیت محمدیہ کا مقام درجہ بلندی تک پہنچ جائے۔

آپ کو واضح ہو کہ دلائی اور مشاطگی کا منصب کسی طرح ممنوع و محذور نہیں ہے۔ دلالہ جو اپنی دالالت کی خوبی سے دو صاحب جمال و کمال محبوب کو ایک دوسرے کے ساتھ ملا دے اور ایک کے حسن کو دوسرے کے حسن کے ساتھ خلط ملط کر دے۔ تو اس کی کمال خدمتگاری ہے اور اس میں اس کی اپنی شرافت و سعادت ہے ان دونوں صاحب جمال کے شان میں کسی قسم کا نقص و قصور لازم نہیں آتا۔ اسی طرح اگر مشاطگی کر کے ان دونوں صاحب کمال کے حسن و جمال کو بڑھا دے اور زیادہ طراوت و زینت پیدا کر دے۔ تو اس کی شرافت و سعادت ہے ان میں کسی قسم کا نقص و قصور لازم نہیں آتا۔

ازاں طرف پند یرد کمال تو نقصان وزیں طرف شرف روزگار من باشد
ترجمہ تیرے کمال میں سے ایک ذرہ کم نہ ہوگا

لیکن میری سعادت ہو جائیگی دو بالا

غرض وہ انتفاع و استفادہ جو صاحب دولتوں کو غلاموں اور خادموں کی جہت سے میسر ہوتا ہے۔ کوئی ممنوع و محذور نہیں اور نہ ہی اس میں ان کا کسی قسم کا قصور نقصان ہے۔ بلکہ صاحب دولتوں کا کمال غلاموں اور خادموں کی خدمت ہی میں ہے۔ وہ شیخ بہت ہی بے نصیب ہے۔ جو اپنے خادموں سے فائدہ اور نفع حاصل نہ کرے۔ ہاں ہم رتبہ شخصوں سے نفع اور فائدہ طلب کرنا نقصان کا موجب ہے اور ہمسروں سے استمداد و استفادہ کرنا سر قصور ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ **يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللَّهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ** (یا رسول اللہ تجھے اللہ تعالیٰ اور تابعدار مومن کافی ہیں) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ اس آیت کریمہ کے نزول کا سبب حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کا اسلام ہے۔ یہ بات بدیہی اور ظاہر ہے کہ ادنے اور کم درجہ والے لوگوں کی خدمت سے بزرگوں اور اعلیٰ درجہ کے لوگوں کا مرتبہ زیادہ ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص اس ظاہر اور بدیہی امر کو معلوم نہ کر سکے۔ تو عبارت کا کیا قصور ہے۔ بادشاہ اور امیر اپنی شان و شوکت و سلطنت میں خادموں اور نوکروں چاکروں کے محتاج ہیں اور اپنے کمال کو انہی پر موقوف جانتے ہیں اور اس امر سے کوئی قصور و نقصان ان کے مرتبہ میں نہیں آتا۔ چنانچہ ہر ایک ادنے والے اس امر کو جانتا ہے۔ اس اشتباہ کا باعث یہ ہے کہ اس انتفاع و تمتع کے (جو ادنے کی طرف سے آتا ہے) اور اس انتفاع تمتع کے (جو اعلیٰ کی طرف حاصل ہوتا ہے) درمیان فرق نہیں کر سکتے اور جب ظاہر ہو چکا کہ اول سے کمال بڑھتا ہے اور دوسرے سے نقصان پیدا ہوتا ہے۔ تو اول جائز ہوگا اور دوسرا ممتنع۔ واللہ **سُبْحَانَهُ الْمُلْهِمُ لِلصَّوَابِ** اللہ تعالیٰ بہتری کا بہام کرنے والا ہے۔

رَبَّنَا آتِنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً وَهَبْ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا رَشَدًا (یا اللہ تو اپنے پاس سے ہم پر رحمت نازل

فرما اور ہمارے کاموں سے ہدایت مارے نصیب کر) وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اَتَّبَعَ الْهُدٰی سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی۔

مکتوب ۹۸

اس قرب و معیت کے سر میں جو اللہ تعالیٰ کو عالم کے ساتھ ہے اور شرارت عدم اور شرارت ابلیس کے درمیانی فرق کے بیان میں جامع علوم و اسرار مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید و خواجہ محمد معصوم کی طرف صادر فرمایا ہے:-

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ السَّلَامُ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اَصْطَفٰی اللہ تعالیٰ کیلئے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔

تم نے سوال کیا کہ علماء نے کہا ہے کہ حق تعالیٰ نہ عالم میں داخل ہے۔ نہ اس سے خارج نہ عالم کے ساتھ متصل ہے نہ اس سے منفصل اس بحث کی تحقیق کیا ہے:-

جواب:- اس دخول و خروج اتصال و انفصال کی نسبت کا حاصل ہونا دو وجود کے دیکھنے پر متصور ہے کہ ایک موجود دوسرے موجود کے مقابلہ میں اس نسبت سے خالی نہ ہو اور صورت مذکورہ بالا میں دو موجود کائن و ثابت نہیں ہیں۔ تاکہ یہ نسبت حاصل ہو سکے۔ کیونکہ حق تعالیٰ موجود ہے اور اس کے ماسوا عالم سب موہوم و متخیل ہے۔ عالم نے اگرچہ حق تعالیٰ کے بنانے سے اس قسم کا استحکام اور مضبوطی حاصل کی ہے۔ کہ وہم و خیال کے اٹھنے سے اٹھ نہیں سکتا اور دائمی رنج و راحت کا معاملہ اسی پر وابستہ ہے۔ لیکن اس کا ثبوت حس و وہم کا درجہ ہے اور حس و وہم سے بڑھ کر اس کا کوئی رتبہ نہیں۔ یہ حق تعالیٰ کی ہی کمال قدرت ہے۔ کہ جس نے موہوم و متخیل کو ثبات و استقرار دے کر موجود کا حکم عطا فرمایا ہے اور موجود کے احکام اس پر جاری کئے ہیں۔ لیکن موجود موجود ہے اور موہوم موہوم گو ظاہر بین موہوم و متخیل کو اس کے ثبات و استقرار پر نظر کر کے اس کو بھی موجود تصور کرتے ہیں اور دو موجود جانتے ہیں۔ اس مضمون کی تحقیق میں نے اپنی کتابوں اور رسالوں میں مفصل طور پر لکھی ہے۔ اگر حاجت ہو تو وہاں رجوع کریں۔ پس موجود کی موہوم کے ساتھ اس قسم کی کوئی نسبت ثابت نہ ہوگی۔ تو اس لحاظ سے کہہ سکتے ہیں۔ کہ موجود نہ موہوم میں داخل ہے نہ اس سے خارج نہ وہ موہوم کے ساتھ متصل نہ اس سے منفصل کیونکہ جہاں موجود ہے۔ وہاں موہوم کا نام و نشان نہیں تاکہ اس کے ساتھ اس نسبت کا تصور کیا جائے۔

اس بحث کو ایک مثال سے واضح کرتا ہوں۔ نقطہ جو الہ جو سرعت سیر کے باعث دائرہ کی صورت میں متوہم ہوتا ہے۔ یہاں موجود صرف وہی نقطہ ہے اور دائرہ کی صورت سوائے وہم کے

ثابت نہیں اور جہاں نقطہ موجود ہے وہاں دائرہ موہومہ کا نام: نشان تک نہیں۔ اس صورت میں نہیں کہہ سکتے کہ نقطہ دائرہ میں داخل ہے یا دائرہ سے خارج ہے۔ اسی طرح اتصال و انفصال بھی ان کے درمیان متصور نہیں۔ کیونکہ اس مرتبہ میں کوئی دائرہ نہیں تاکہ نسبت متصور ہو سکے۔ ثَبَّتَ الْجَدَارَ
أَوَّلًا ثُمَّ النَّفْسُ اُولَ دِیَوَارِ ثَابِتٍ ہو تو پھر اس پر نقش ظاہر ہونگے۔

سوال:- حق تعالیٰ نے عالم کے ساتھ اپنے قرب و احاطہ کی نسبت ثابت کی ہے۔ حالانکہ موجود کو موہومہ کے ساتھ کسی طرح قرب و احاطہ کی نسبت نہیں۔ کیونکہ جہاں موجود ہے وہاں موہومہ کا نام و نشان تک نہیں۔ تاکہ محیط و محاط تصور کیا جائے۔

جواب:- یہ قرب و احاطہ اس قسم کا نہیں ہے۔ جیسے کہ ایک جسم دوسرے جسم کے قریب ہوتا ہے یا ایک جسم دوسرے جسم کو محیط ہوتا ہے۔ بلکہ اس قرب و احاطہ کی نسبت مجہول الکلیفیت اور معلوم الانیت بھی ہے اس کے ساتھ ایمان لاتے ہیں۔ مگر اس کی کیفیت کو نہیں جانتے کہ کیسی ہے۔ برخلاف پہلی چار نسبتوں کے جن کی پہلے نفی ہو چکی ہے۔ کیونکہ وہ مجہول الکلیفیت بھی ہیں اور غیر معلوم الانیت بھی۔ اس لئے کہ شرع میں ان نسبتوں کے ثبوت کیلئے کچھ وارد نہیں ہوا تاکہ ان کو ثابت کریں اور ان کی کیفیت کو مجہول جانیں۔ اگرچہ حق تعالیٰ کی بارگاہ میں بے کیفی قرب و احاطہ کی نسبت کی طرح بے کیفی اتصال کی نسبت بھی تجویز کر سکتے ہیں۔ لیکن چونکہ لفظ اتصال کا اطلاق نہیں آیا اور قرب و احاطہ کا آیا ہے۔ اس لئے متصل نہ کہنا چاہئے اور قریب و محیط کہنا چاہئے اور انفصال و خروج و دخول کا اطلاق بھی اتصال کی طرح جو نہیں آیا۔ مثال مذکور میں اگر نقطہ جوالہ کے لئے دائرہ موہومہ کے ساتھ احاطہ و قرب و معیت کی نسبت ثابت کریں۔ تو وہ بھی مجہول الکلیفیت ہوگی۔ کیونکہ نسبت کے لئے ہر دو منتسب (جن کے درمیان نسبت ہو) کا ہونا ضروری ہے۔ لیکن وہاں سوائے نقطہ جوالہ کے کچھ موجود نہیں۔ ایسے ہی اتصال و انفصال و دخول و خروج بے کیفی مثال مذکور میں متصور ہے اگرچہ منتسبین ثابت نہیں۔ کیونکہ طرفین کا وجود معلوم الکلیفیت نسبت کے لئے ضروری ہے جیسے کہ متعارف و معتاد ہے۔ لیکن جو مجہول الکلیفیت ہے وہ احاطہ عقل سے باہر ہے۔ وہاں وجود طرفین کا حکم کرنا احکام و ہمیہ سے ہوگا۔ جو اعتبار سے ساقط ہے۔ گویا غیب کا قیاس حاضر پر ہے۔

تنبیہ:- عالم کو جو موہومہ و متخیل کہا ہے اس اعتبار سے کہا ہے۔ کہ عالم کی پیدائش مرتبہ وہم و خیال میں واقع ہے اور اسکی صنع و اراءت کے درجہ میں حاصل ہوئی ہے جس طرح قادر اپنی کمال قدرت سے دائرہ موہومہ کو جس کا وہم و خیال کے اختراع کے سوا کچھ ثبوت نہیں۔ مرتبہ وہم و خیال میں پیدا فرمائے اور اپنی کامل صفت سے اس کو اس مرتبہ میں اس قسم کا استحکام اور اتفاق بخشے۔ کہ اگر وہم و خیال

سب کا سب دور ہو جائے۔ تو اس کے ثبوت میں کوئی خلل نہ آئے اور اس کے بقائے میں کوئی قصور پیدا نہ ہو۔ یہ دائرہ مصنوعہ موہومہ اگرچہ خارج میں ثبوت نہیں رکھتا اور خارج میں صرف وہی نقطہ موجود ہے لیکن وجود خارجی کے ساتھ انتساب و استناد رکھتا ہے۔ کیونکہ اگر نقطہ نہ ہو تا دائرہ کہاں سے پیدا ہوتا۔

بیت

خوشتر آں باشد کہ سر دلبراں گفتہ آید در حدیث دیگران

ترجمہ ہے یہی بہتر کہ راز دلبراں دوسروں کی گفتگو میں ہو عیاں

اگر اس دائرہ کو اس نقطہ کا روپوش کہیں تو ہو سکتا ہے اور اگر اس نقطہ کے شہود کا آئینہ کہیں تو بھی گنجائش رکھتا ہے۔ اور اگر اس نقطہ کی طرف ہادی اور دلیل کہیں تو بھی بجا ہے۔ روپوش کہنا عوام کی نظر کے اعتبار سے ہے اور اس نقطہ کے شہود ظہور کا آئینہ جاننا مقام ولایت کے مناسب اور ایمان شہودی کے ملائم ہے اور دلیل و ہادی کہنا مرتبہ کمالات نبوت کے مناسب اور ایمان بالغیب کے ملائم ہے۔ جو ایمان شہودی سے اتم و اکمل ہے۔ کیونکہ شہود میں قفل کی گرفتاری سے چارہ نہیں۔

اور غیب میں اس گرفتاری سے آزاد ہوتے ہیں۔ غیب میں سالک اگرچہ بالفعل کچھ حاصل نہیں رکھتا۔ لیکن واصل ہے اور اصل کا گرفتار ہے اور شہود میں اگرچہ کچھ حاصل رکھتا ہے لیکن غیر واصل ہے۔ کیونکہ غیر یعنی اس اصل کے قفل کے ساتھ گرفتار ہے۔

غرض حصول سراسر نقص ہے اور وصول سراسر کمال۔ یہ بات بے سرو سامان کی سمجھ میں نہیں آسکتی۔ عجب نہیں کہ حصول کو وصول سے بہتر جانیں۔ سوفسطائی اپنی بیوقوفی کے باعث عالم کو موہوم و متخیل اس اعتبار سے کہتا ہے۔ کہ وہم کے اختراع اور خیال کی تراش کے سوا اس کا کچھ ثبوت و تحقق نہیں۔ اگر وہم و خیال بدل جائے۔ تو وہ ثبوت و تحقق بھی متغیر ہو جائے مثلاً اگر وہم نے کسی چیز کے شیریں ہونے کا حکم کیا تو وہ شیریں ہے۔ اور اگر وہم نے دوسرے وقت اسی شے کے تلخ ہونے کا حکم کیا۔ تو تلخ ہے۔ یہ بد بخت لوگ حق تعالیٰ کی صنعت و خلقت سے غافل نہیں۔ بلکہ منکر ہیں اور اس انتساب و استناد سے جو موجود خارجی کے وجود کے ساتھ رکھتا ہے۔ جاہل ہیں۔ یہ لوگ چاہتے ہیں۔ کہ اپنی نادانی سے ان احکام خارجیہ کو جو عالم سے وابستہ ہیں رفع کریں اور آخرت کے دائمی عذاب و ثواب کو دفع کریں۔ جس کی نسبت مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خبر دی ہے اور اس میں کسی قسم کا خلاف نہیں ہے۔ اُولَئِكَ جَزَبَ الشَّيْطَانُ اِلَآئِهٖ جَزَبَ الشَّيْطَانِ هُمُ الْخَاسِرُونَ یہ لوگ شیطان کا گروہ ہیں۔

خبردار شیطان کا گروہ ہی خسارہ پانے والا ہے۔

سوال :- جب عالم کے لئے ثبات و استقرار ثابت ہو۔ اگرچہ مرتبہ وہم و خیال ہی میں ہو اور دائمی

رنج و راحت کا معاملہ بھی اس کے حق میں ثابت ہو گیا۔ تو پھر وجود کا اطلاق اس پر کیوں تجویز نہیں کرتے اور اس کو موجود کیوں نہیں جانتے۔ حالانکہ ثبوت و وجود ایک دوسرے کے مترادف اور ہم معنی ہیں۔ جیسے کہ متکلمین کے نزدیک مقرر ہے۔

جواب:- وجود اس گروہ کے نزدیک تمام اشیاء میں سے اشرف و اکرم اور اعز ہے اور اس کو ہر خیر و کمال کا مبداء جانتے ہیں۔ اس قسم کے جوہر نفیس کو ماسوائے حق کے لئے جو سراسر نقص و شرارت ہے۔ تجویز نہیں کر سکتے اور اشرف کو اخص کے حوالہ نہیں کر سکتے۔ اس امر میں ان کا مقتدا ان کا اپنا کشف و فراست ہے۔ ان کے ہاں مکشوف و محسوس ہے۔ کہ وجود حق تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے اور وہی موجود ہے اور اس کے غیر کو جو موجود کہتے ہیں۔ تو اس اعتبار سے کہتے ہیں۔ کہ اس غیر کو نسبت و ارتباط کو مجہول الکفایت ہو اس وجود کے ساتھ ثابت ہے اور ظل کی طرح جو اپنی اصل سے قیام رکھتا ہے وہ غیر بھی اس وجود کے ساتھ قائم ہے اور وہ ثبوت بھی جو مرتبہ وہم و خیال میں پیدا ہے۔ اس وجود کے ظلال میں سے ایک ظل ہے اور چونکہ وہ وجود خارجی ہے اور حق تعالیٰ خارج میں موجود ہے۔ اس لئے اگر مرتبہ وہم کو حق تعالیٰ کی صنعت و استحکام کے بعد اس خارج کے ظلال میں ظل بھی کہیں تو ہو سکتا ہے۔ اگر اس ثبوت وہمی کو ان دو ظلیت کے اعتبار سے وجود خارجی بھی جانیں تو جائز ہے۔ بلکہ عالم کو بھی اگر ظلیت کے اس اعتبار سے موجود خارجی تصور کریں تو بھی بجا ہے۔

غرض ممکن جو کچھ رکھتا ہے۔ سب مرتبہ حضرت وجود تعالیٰ سے رکھتا ہے۔ اپنے باپ کے گھر سے کچھ نہیں لایا۔ ظلیت کے ملاحظہ کے بغیر اس کو موجود خارجی کہنا دشوار ہے۔ گویا خاص خاص اوصاف میں اس کو حق تعالیٰ کے ساتھ شریک بناتا ہے تَعَالٰی اللّٰهُ عَنْ ذٰلِكَ عَلُوًّا کَبِیْرًا اللّٰهُ تعالیٰ اس قسم کی باتوں سے برتر و بزرگ ہے۔

اس فقیر نے بعض مکتوبات اور رسالوں میں جو عالم کو موجود خارجی کہا ہے۔ اس کو بھی اس بیان کی طرف راجع کرنا چاہئے اور ظلیت کے اعتبار پر حمل کرنا چاہئے اور وجود کو جو متکلمین نے ثبوت و تحقق کا مترادف کہا ہے۔ لغوی معنوں کے اعتبار سے ہو گا۔ ورنہ وجود کجا اور ثبوت کجا۔ ارباب کشف و شہود اور اہل نظر و استدلال میں سے جم غفیر نے وجود کو واجب الوجود کی عین حقیقت کہا ہے اور ثبوت معقولات ثانویہ میں سے ہے۔ مَشْتَأَنٌ مَا بَيْنَهُمَا (ان دونوں میں بہت فرق ہے)

فائدہ:- جس طرح وجود ہر خیر و کمال کا مبداء اور ہر حسن و جمال کا منشا ہے۔ اسی طرح عدم جو اس کے مقابل ہے۔ بیشک ہر شر و نقص کا مبداء اور ہر قبح و فساد کا منشا ہو گا۔ اگر وبال ہے وہ بھی اس سے پیدا ہے اور اگر گمراہی ہے۔ تو وہ بھی اس سے ظاہر ہے۔ اس کے علاوہ کئی قسم کے ہنر بھی اس میں رکھے گئے

ہیں اور کئی قسم کی خوبیاں اس میں پوشیدہ ہیں۔ وجود کے مقابلہ میں اپنے آپ کو مطلق نیست و نابود اور لاشے محض کرنا عدم ہی کی خوبی ہے اور اپنے آپ کو وجود کا محافظ بنانا اور تمام شر و نقص کو اپنے ذمے لینا اس کے ہنر کی خوبی ہے اور وجود کا آئینہ بننا اور اس کے کمالات کا اظہار کرنا اور ان کمالات کو خانہ علم کے باہر ایک دوسرے سے ممتاز کرنا اور اجمال سے تفصیل میں لانا اس کی پسندیدہ صفتوں میں سے ہے۔ غرض وجود کی خدمتگاری اور کارگزاری اس سے قائم ہے اور اس کا حسن و جمال و کمال اس کے فتح و شر و نقص سے ظاہر ہے۔ وجود کا استغناء عدم ہی کی محتاجی کے باعث ہے اور وجود کی عزت اس کی ذلت کے سبب سے ہے۔ وجود کی عظمت و کبریا اس کے ادنے اور اسفل ہونے کے باعث ہے اور وجود کی شرافت اسی کی خست سے پیدا ہے اور وجود کی خواجگی اس کی بندگی سے ہویدا ہے۔ بیت

منم استاد را استاد کردم غلامم خواجہ را آزاد کردم

کیا استاد کو میں نے ہی استاد

ترجمہ

کیا خواجہ کو بندہ بن کے آزاد

ابلیس لعین جو ہر فساد و گمراہی کا مبداء ہے۔ عدم سے بھی زیادہ شریر ہے اور وہ بد بخت ان ہنروں سے بھی جو عدم میں پائے جاتے ہیں۔ بے نصیب ہے۔ اَنَا خَيْرٌ مِنْهُ جو اس سے صادر ہوا ہے۔ اس نے تمام خیریت و بہتری کا مادہ اس سے دور کر دیا ہے اور محض شرارت پر دلالت کی ہے۔ عدم نے چونکہ اپنے نیست و لاشے ہونے سے وجود کا مقابلہ کیا اس لئے وجود کے حسن و جمال کا آئینہ بن گیا اور لعین نے چونکہ اپنی ہستی و خیریت کے باعث وجود کا معارضہ کیا۔ اس لئے مردود و مطرود ہو گیا۔ تقابل کی خوبی عدم سے سیکھنی چاہے۔ کہ ہستی کے مقابلہ نیستی دکھاتا ہے اور کمال کے مقابلہ نقص ظاہر کرتا ہے اور جب عزت و جلال کے مقابلہ آتا ہے۔ تو ذلت و انکسار ظاہر کرتا ہے۔ گویا لعین مردود و مطرود نے اپنے تکبر و سرکشی کے باعث عدم کی تمام شرارتوں کو اپنے ذمے لے لیا ہے اور خیال میں آتا ہے۔ کہ اس نے خیریت کے سوا عدم میں کچھ نہیں چھوڑا۔ ہاں جب تک خیر نہ ہو۔ خیر کا آئینہ اور مظہر نہیں بن سکتا۔ لَا يَحْمِلُ غَطَايَا الْمَلِكِ إِلَّا مَطَايَا پادشاہ کے عطیوں کو اسی کے اونٹ اٹھا سکتے ہیں۔ مثل مشہور ہے اور معلوم ہوا۔ کہ ابلیس اس کارخانہ عالی میں کام کرتا رہا ہے۔ جس نے کناسی و خاکروبی کر کے سب کا کوڑا کرکٹ اپنے سر پر اٹھالیا ہے اور اوروں کو پاک و صاف کر دیا ہے۔ لیکن چونکہ وہ بد بخت تکبر و بڑائی سے پیش آیا اور اپنی بہتری و خیریت کو نظر میں لایا۔ اس لئے اس نے اپنے عمل کو ضائع کر دیا اور اجر سے محروم ہو گیا۔ درحقیقت خسر الدنیا و لا آخرہ اسی کے حال کا نشان ہے۔ برخلاف عدم کے جو باوجود ذاتی شرارت و نقص و نیستی کے مقام حرمان و محرومی سے نکل کر حضرت وجود کے مرآتیت یعنی آئینہ

بننے سے مشرف ہوا۔ بیت

نے گفت کہ من نیم شکر خورد شاخے کہ بلند شد تبر خورد

ترجمے نے نے کہا نہیں میں پایا شکر کو اس نے

کی شاخ نے بلندی کھایا تبر کو اس نے

سوال:- ابلیس لعین میں اتنی شرارت کہاں سے پیدا ہو گئی۔ کیونکہ عدم سے ماوراء وجود ہی ہے۔

جس کی طرف شرارت نے راہ نہیں پائی۔

جواب:- جس طرح عدم وجود کا آئینہ اور خیر و کمال کا مظہر ہے۔ اسی طرح وجود بھی عدم کا آئینہ اور

شر و نقص کا مظہر ہے۔ ابلیس علیہ الملعنت نے عدم کی جانب میں شرارت کو عدم ہی سے لیا ہے جو شر کا

موطن و مقام ہے اور وجود کی جانب میں بھی اس شرارت متوہمہ کو اخذ کیا ہے۔ جو اس کے وجود کے آئینہ

میں عدم کے آئینہ اور مظہر بننے کے باعث ظاہر ہوئی تھی۔ گویا دونوں طرفوں کی شرارت یعنی ذاتی

و عرضی اور اصلی و ظلی شرارت کا اٹھانے والا ہے۔

پس اس کے شرارت نما وجود کے مانجھو لیا نے اس کو نیست و لاشے ہونے سے جو عدم کی نیک

صفتوں میں سے ہے۔ محروم رکھا اور وجود کی جانب میں بھی وہ شرارت جو عدم کے آئینہ بننے سے متوہم

ہوئی تھی۔ وہ بھی اسی کے نصیب ہوئی اس لئے ابدی خسارہ اور دائمی گھانا اس کے ہاتھ آیا۔ رَبَّنَا لَا تُزِغْ

قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ (یا اللہ تو ہدایت دے کر

ہمارے دلوں کو میڑھانہ کر اور اپنے پاس سے ہم پر رحمت نازل فرما تو بڑا بخشنے والا ہے) وَالسَّلَامُ عَلٰی

مَنْ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابِعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی اِلٰهِ الصَّلٰوٰتِ وَالتَّسْلِیْمٰتِ اَتَمَّهَا

وَاکْمَلَهَا (سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کی متابعت کو لازم پکڑا۔

مکتوب ۹۹

مختلف سوالوں کے جواب میں میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا ہے:-

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کیلئے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ

بندوں پر سلام ہو)۔

آپ نے پوچھا تھا۔ کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ سالک عروج کے وقت اپنے آپ کو انبیاء کے اصحاب

کرام کے مقامات میں پاتا ہے۔ جو انبیاء کے بعد بالاتفاق تمام بنی آدم سے افضل ہیں۔ بلکہ بسا اوقات اپنے

آپ کو انبیاء کے مقامات میں پاتا ہے۔ اس معاملہ کی حقیقت کیا ہے۔ اس امر سے بعض لوگ وہم کرتے ہیں۔ کہ وہ سالک ان مقامات والوں کے ساتھ برابر اور شریک ہے اور اس وہم و خیال سے سالک کو درد و طعن کرتے ہیں اور اس کے حق میں ملامت و شکایت کی زبان دراز کرتے ہیں۔ اس معما کو بخوبی حل کرنا چاہئے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اُنے شخص کا اعلیٰ لوگوں کے مقامات میں پہنچنا کبھی اس طرح ہوتا ہے۔ جس طرح فقیر اور محتاج دولت مندوں کے دروازوں اور منعموں کے خاص مکانوں میں جا نکلتے ہیں۔ تاکہ ان سے اپنی حاجت طلب کریں اور ان کی دولت و نعمت سے کچھ مانگیں۔ وہ بہت ہی بیوقوف ہے۔ جو اس طرح کے جانے کو برابری اور شرکت خیال کرے۔ کبھی یہ وصول تماشاکے طور پر ہوتا ہے۔ تاکہ کسی واسطہ اور وسیلہ سے امیروں اور بادشاہوں کے خاص مکانوں کی سیر کریں اور اعتبار کی نظر سے تماشاکریں۔ تاکہ بلندی کی رغبت پیدا ہو۔ اس وصول سے برابری کا وہم کس طرح ہو سکتا ہے اور اس سیر تماشاکے شرکت کا خیال کس طرح پیدا ہو سکتا ہے اور خادموں کا اپنے مخدوموں کے اصل مکانوں میں اس غرض کے لئے جانا کہ حق خدمت بجالائیں۔ ہر ایک اُنے اعلیٰ کو معلوم ہے۔ وہ بیوقوف ہی ہو گا جو اس وصول سے برابری و شرکت کا وہم کرے گا۔ فراش و گمس ران اور شمشیر بردار ہر وقت بادشاہوں کے ہمراہ رہتے ہیں اور ان کے خاص خاص مکانوں میں حاضر ہوتے ہیں۔ وہ خطبی اور دیوانہ ہے۔ جو اس سے شرکت و مساوات کا وہم کرے۔

بلائے درد مندوں از در و دیوار سے آید

ترجمہ در و دیوار سے آتی بلا ہے درد مندوں کی

لوگ بیچارے سالک کی ملامت کے لئے بہانہ طلب کرتے ہیں اور اس کی طعن و تشنیع کے لئے کوئی نہ کوئی وجہ تلاش کرتے ہیں۔ حق تعالیٰ ان کو انصاف دے ان کو چاہئے تھا کہ اس بیچارہ کے حق میں کوئی ایسی وجہ ڈھونڈتے۔ جس سے شر و ملامت اس سے دور ہوتی اور مسلمان کی عزت محفوظ رہتی۔ طعن کرنے والوں کا حال دو امر سے خالی نہیں۔ اگر ان کا یہ اعتقاد ہے کہ اس حال والا شخص ان مقامات عالیہ والے لوگوں کے ساتھ شرکت و مساوات کا معتقد ہے۔ واقعی اس کو کافر زندقہ خیال کریں اور مسلمانوں کے گروہ سے خارج تصور کریں۔ کیونکہ نبوت میں شریک ہونا اور انبیاء علیہم السلام کے ساتھ برابری کرنا کفر ہے۔ ایسے ہی شیخین کی افضلیت کا حال ہے۔ جو صحابہ اور تابعین کے اجماع سے ثابت ہو چکی ہے۔ چنانچہ اس کو بہت سے آئمہ بزرگوار ان نے جن میں سے ایک امام شافعی ہیں۔ نقل کیا ہے بلکہ تمام صحابہ کرام کو باقی تمام امت پر فضیلت حاصل ہے۔ کیونکہ حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ

والسلام کی صحبت کی فضیلت کے برابر کوئی فضیلت نہیں۔ وہ تھوڑا سا فعل جو اسلام کے ضعف اور مسلمانوں کی کمی کے وقت دین متین کی تائید اور حضرت سید المرسلین ﷺ کی مدد کے لئے اصحاب کرام سے صادر ہوا ہے۔ دوسرے لوگ عمر بھر ریاضتوں اور مجاہدوں سے طاعتیں بجالائیں تو بھی اس فعل یسیر کے برابر نہیں ہو سکتیں۔ اسی واسطے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے۔ کہ اگر تم میں سے کوئی کوہ احد جتنا سونا اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرے۔ تو اصحاب کے ایک آدھ مد جو کے خرچ کرنے کے برابر بھی نہیں ہو سکتا۔ حضرت صدیق اسی واسطے افضل ہیں۔ کہ ایمان میں تمام سابقین میں سے اسبق اور بڑھے ہوئے ہیں اور خدمات لائقہ میں اپنے مال و جان کو بکثرت خرچ کیا ہے اسی واسطے آپ کی شان میں نازل ہوا ہے۔ لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ أُولَئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِنَ الَّذِينَ أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوا وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَى (نہیں برابر تم میں سے وہ لوگ جنہوں نے فتح سے اول خرچ کیا اور لڑائی کی یہ لوگ زیادہ درجہ والے ہیں ان لوگوں سے جنہوں نے بعد میں خرچ کیا اور لڑائی کی اور اللہ تعالیٰ نے سب کے لئے حسنی یعنی جنت کا وعدہ دیا ہے) بعض لوگ دوسروں کے بکثرت مناقب و فضائل پر نظر کر کے حضرت صدیق کی افضلیت میں توقف کرتے ہیں اور نہیں جانتے کہ اگر افضلیت کا سبب مناقب و فضائل کا بکثرت ہونا ہوتا۔ تو امت کے بعض لوگ جو بہت سے فضائل رکھتے ہیں اپنے نبی سے افضل ہوتے۔ جس میں یہ فضائل نہیں پس معلوم ہوا کہ افضلیت کا باعث ان فضائل اور مناقب کے سوا کچھ اور امر ہے اور وہ امر اس فقیر کے خیال میں دین کی سب سے بڑھ کر تائید کرنی اور دین رب العلمین کے احکام کی مدد میں سب سے زیادہ مال و جان کا خرچ کرنا ہے۔ چونکہ پیغمبر ﷺ تمام امت سے اسبق ہے۔ تمام مسبوقوں سے افضل ہے۔ اسی طرح جو شخص ان امور میں اسبق ہے تمام مسبوقوں سے افضل ہے سابق یعنی پہلا شخص گویا امر دین میں لاحقوں یعنی پچھلوں کا استاد و معلم ہے۔ لاحقین سابقین کے انوار سے فائدہ حاصل کرتے ہیں اور ان کی برکات سے فیض پاتے ہیں۔ اس امر میں چونکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد اس دولت اعلیٰ کے مالک حضرت صدیق ہی ہیں۔ جو دین کی تائید اور حضرت سید المرسلین ﷺ کی مدد اور فساد کے رفع کرنے کے لئے لڑائی جھگڑے کرنے اور مال و جان کے خرچ کرنے اور اپنی عزت و جاہ کے پرواہ نہ کرنے میں تمام سابقین میں سے اسبق اور بڑھے ہوئے ہیں۔ اس لئے دوسروں سے افضلیت انہی پر مسلم ہوگی اور چونکہ حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسلام کی عزت و غلبہ کیلئے حضرت فاروق کی مدد طلب کی ہے اور حق تعالیٰ نے عالم اسباب میں اپنے حبیب کی مدد کے لئے انہی کو کافی سمجھا ہے اور فرمایا ہے۔ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللَّهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ (اے نبی ﷺ تجھے اللہ

تعالیٰ اور تابعدار مومن کافی ہیں) حضرت ابن عباس نے فرمایا ہے۔ کہ اس آیت کا سبب نزول حضرت فاروق کا اسلام ہے۔ اس لئے حضرت صدیق کے بعد حضرت فاروق کی افضلیت مقرر ہے۔ اسی واسطے ان دو بزرگواروں کی افضلیت پر صحابہ و تابعین کا اجماع ہو چکا ہے۔ جیسے کہ گزر چکا۔ حضرت امیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔ کہ حضرت ابو بکر و عمر اسلام میں سب سے افضل ہیں۔ جو کوئی مجھے ان پر فضیلت دے۔ وہ مفتری ہے میں اس کو اتنے تازیانہ لگاؤں گا جتنے مفتری کو لگاتے ہیں۔ اس بحث کی تحقیق فقیر کی کتابوں و رسالوں میں بارہا مفصل درج ہو چکی ہے۔ اس مقام میں اس سے زیادہ کی گنجائش نہیں۔ وہ شخص بہت ہی بیوقوف ہے۔ جو اپنے آپ کو حضرت خیر البشر ﷺ کے اصحاب کے برابر سمجھے اور وہ شخص اخبار و آثار سے جاہل ہے۔ جو اپنے آپ کو سابقین میں سے تصور کرے۔ لیکن اتنا جاننا ضروری ہے۔ کہ یہ سبقت کی دولت جو افضلیت کا باعث ہے۔ قرن اول ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ جو حضرت خیر البشر ﷺ کی شرف صحبت سے مشرف ہے۔ دوسرے قرونوں میں یہ امر مفقود ہے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ بعض قرونوں کے لاحق دوسرے قرونوں کے سابقین سے افضل ہوں۔ بلکہ ایک قرن میں بھی ہو سکتا ہے۔ کہ قرن کا لاحق اس قرن کے سابق سے افضل ہو حق تعالیٰ طعن لگانے والوں کو بینائی عطا کرے۔ تاکہ ان کو معلوم ہو جائے کہ صرف وہم و خیال سے کسی مومن و مسلم کو طعن و ملامت کرنا اور محض تعصب و کجروی سے اس کی تکفیر و تھلیل کا حکم کرنا کیسا برا ہے۔

اور اگر وہ شخص تکفیر و تھلیل کے قابل نہ ہوا۔ تو پھر کیا علاج کریں گے۔ جبکہ وہ کفر و ضلال کہنے والے کی طرف راجع ہو گا اور تہمت زدہ کی طرف سے ہٹ کر تہمت لگانے والے پر جا پڑیگا۔ جیسا کہ حدیث نبوی میں آچکا ہے۔ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَأَسْرَأْنَا فِي أَمْرِنَا وَثَبَّتْ أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ (یا اللہ تو ہمارے گناہوں اور کام میں ہماری زیادتیوں کو بخش۔ اور ہمارے قدموں کو ثابت رکھ اور کافروں پر ہمیں مدد دے) اب ہم اصل بات کی طرف آتے ہیں اور شق ثانی کو بیان کرتے اور کہتے ہیں۔ کہ اگر اس حال والے کے حق میں طعنہ لگانے والوں کا یہ اعتقاد اور اعتماد نہ ہو اور اس کا معاملہ کفر تک نہ پہنچائیں۔ تو پھر بھی دو حال سے خالی نہیں۔ یعنی اگر اس کے واقعہ کو کذب و بہتان پر حمل کرتے ہیں۔ تو یہ بھی ایک مسلمان کی نسبت بدظنی ہے۔ جو شرع میں منع ہے اور اگر اس کو کاذب بھی نہیں جانتے اور اس کو شرکت مساوات کا معتقد بھی نہیں سمجھتے۔ تو پھر طعن و ملامت کی وجہ کیا ہے۔ پھر اس کی تشنیع و عیب جوئی حرام ہے۔

واقعہ صادقہ کو نیک و جہ پر محمول کرنا چاہئے۔ نہ یہ کہ صاحب واقعہ کی قباحت و برائی بیان کی جائے اور اگر یہ کہیں کہ اس قسم کے شرانگیز احوال کے اظہار کرنے کی وجہ کیا ہے۔ تو میں کہتا ہوں۔ کہ اس

قسم کے احوال مشائخ طریقت سے بہت ظاہر ہوئے ہیں۔ حتیٰ کہ ان کی عادت مستمرہ ہو چکی ہے۔ لیس
 هَذَا أَوَّلُ قَارُورَةٍ كُتِبَتْ فِي الْإِسْلَامِ (یہ پہلا شیشہ نہیں جو اسلام میں توڑا گیا ہے) ان سے اس
 قسم کے احوال کا ظاہر ہونا ارادہ صادقہ اور حقانی نیت کے بغیر نہ ہوگا۔ کبھی ان احوال کے لکھنے سے مقصود
 یہ ہوتا ہے۔ کہ شیخ طریقت کے سامنے اپنے احوال موہومہ کا اظہار ہو۔ تاکہ وہ حال کا صحت و سقم بیان
 فرمائے اور اس کی تاویل و تعبیر پر اطلاع بخشنے۔ کبھی ان احوال کے لکھنے سے طالبوں اور شاگردوں کی
 ترغیب و تحریص مطلوب ہوتی ہے۔ کبھی ان سے مقصود نہ یہ ہوتا ہے نہ وہ بلکہ مجرد سکر اور غلبہ حال اس
 گفتگو پر لے آتا ہے۔ تاکہ چند باتیں کر کے نفس کو راست کر لے جس شخص کا مقصود ان احوال کے
 اظہار سے شہرت و قبول خلق ہو۔ تو وہ جھوٹا مدعی ہے اور یہ احوال اس کے لئے وبال اور استدرج ہیں
 جس میں اس کی سراسر خرابی ہے۔ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً
 إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ (یا اللہ تو ہدایت دیکر ہمارے دلوں کو میڑھانہ کر اور اپنے پاس سے ہم پر رحمت نازل
 فرما تو بڑا بخشنے والا ہے)۔ وَمَا أُبْرِئُ نَفْسِي إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ إِلَّا مَرَّجِمٌ رَبِّي إِنَّ رَبِّي
 لَغَفُورٌ رَحِيمٌ (میں اپنے نفس کو پاک بیان نہیں کرتا۔ نفس برائی کی طرف بہت امر کرنے والا ہے۔
 ہاں جس پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔ بیشک میرا رب بخشنے والا اور مہربان ہے۔)

آپ نے پوچھا تھا کہ کیا باعث ہے۔ کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اولیاء علیہم الرضوان
 دنیا میں اکثر بلا و مصائب اور رنج و تکلیف میں مبتلا و گرفتار رہے ہیں۔ جیسے کہ کہا گیا ہے۔ أَشَدُّ النَّاسِ بَلَاءً
 الْأَنْبِيَاءُ ثُمَّ الْأَوْلِيَاءُ ثُمَّ الْأَمْثَلُ فَالْأَمْثَلُ (لوگوں میں زیادہ بلا و آزمائش میں مبتلا ہونے والے انبیاء ہیں
 پھر اولیاء پھر ان کے ہم مثل پھر ان کے ہم مثل) اور حق تعالیٰ اپنی کتاب مجید میں فرماتا ہے۔ مَا أَصَابَكُمْ
 مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ (جو مصیبت تم پر آتی ہے۔ وہ تمہارے ہاتھوں کی کمائی کا نتیجہ ہوتی
 ہے) اس آیت سے مفہوم ہوتا ہے۔ کہ جو شخص زیادہ برائیاں کرے۔ اس پر زیادہ مصیبتیں آتی ہیں۔ تو
 چاہئے کہ پہلے انبیاء اور اولیاء کے سوا اور لوگ بلا و مصیبت میں گرفتار ہوں۔ اور پھر اولیاء و انبیاء اور نیز یہ
 بزرگوار اصالت و تبعیت کے طور پر حق تعالیٰ کے محبوب اور اس کے خواص مقررین ہیں۔ حق تعالیٰ اپنے
 محبوبوں اور خواص مقربوں کو بلیات و رنج کے حوالے کیوں کرتا ہے اور دشمنوں کو ناز و نعمت میں اور
 دوستوں کو رنج و مصیبت میں کیوں رکھتا ہے۔

جواب:- خدا تعالیٰ آپ کو سعادت مند کرے اور سیدھے راستہ کی ہدایت دے آپ کو واضح ہو کہ
 دنیا نعمت و لذت کیلئے نہیں ہے۔ بلکہ آخرت ہی ہے۔ جو نعمت و لذت کے لئے تیار کی گئی ہے۔ چونکہ
 دنیا اور آخرت ایک دوسرے کی سوکن اور ضد اور نقیض ہیں۔ اور ایک کی رضامندی میں دوسرے کی

ناراضگی ہے۔ اس لئے ایک میں لذت پانا دوسرے میں رنج و الم کا باعث ہو گا۔ پس انسان جس قدر دنیا میں لذت و نعمت کے ساتھ رہیگا۔ اسی قدر زیادہ رنج و الم آخرت میں اٹھائیگا ایسے ہی جو شخص دنیا میں زیادہ تر رنج و الم میں مبتلا ہو گا۔ آخرت میں اسی قدر زیادہ ناز و نعمت میں ہو گا۔ کاش دنیا کی بقا کو آخرت کی بقا کے ساتھ وہی نسبت ہوتی جو قطرہ کو دریائے محیط کیساتھ ہے۔ ہاں متناہی کو غیر متناہی کیساتھ کیا نسبت ہوگی۔ اسی لئے دوستوں کو اپنے فضل و کرم سے اس جگہ کی چند روزہ محنت و مصیبت میں مبتلا کیا۔ تاکہ دائمی ناز و نعمت میں محفوظ و مسرور فرمائے اور دشمنوں کو مکر و استدراج کے بموجب تھوڑی سی لذتوں کے ساتھ محفوظ کر دیا۔ تاکہ آخرت میں بیشمار رنج و الم میں گرفتار ہیں۔

سوال:- کافر فقیر جو دنیا و آخرت میں محروم ہے دنیا میں اس کا درد مند و مصیبت زدہ رہنا آخرت میں لذت و نعمت پانے کا باعث نہ ہوا۔ اس کی کیا وجہ ہے۔

جواب:- کافر خدا کا دشمن اور دائمی عذاب کا مستحق ہے۔ دنیا میں اس سے عذاب کا دور رکھنا اور اس کو اپنی وضع پر چھوڑ دینا اس کے حق میں عین ناز و نعمت و لذت ہے۔ اسی واسطے کافر کے حق میں دنیا پر جنت کا اطلاق کیا گیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ دنیا میں بعض کفار سے عذاب بھی رفع کر دیتے ہیں اور لذت بھی دیتے ہیں اور لذت و نعمت بھی دیتے ہیں اور بعض سے صرف عذاب ہی ہٹا رکھتے ہیں اور لذت و نعمت کچھ نہیں دیتے۔ بلکہ فرصت و مہلت کی لذت اور عذاب کے دور ہونے پر کفایت کرتے ہیں۔ لٰكِلْ ذٰلِكَ جُكْمٌ وَ مَصٰلِحٌ (ہر ایک کے لئے کوئی نہ کوئی حکمت و بہتری ہے۔)

سوال:- حق تعالیٰ سب چیزوں پر قادر ہے اور توانا ہے۔ کہ دوستوں کو دنیا میں بھی لذت و نعمت بخشے اور آخرت میں بھی ناز و نعمت کرامت فرمائے۔ اور ان کے حق میں ایک کا لذت پانا دوسرے میں درد مند ہونے کا باعث نہ ہو۔ اس کے جواب کئی ہیں۔

ایک یہ کہ دنیا میں جب تک چند روزہ محنت و بلیات کو برداشت نہ کرتے تو آخرت کی لذت و نعمت کی قدر نہ جانتے اور دائمی صحت و عافیت کی نعمت کی قدر نہ جانتے اور دائمی صحت و عافیت کی نعمت کو کما حقہ معلوم نہ کر سکتے۔ کیونکہ جب تک بھوک نہ ہو طعام کی لذت نہیں آتی اور جب تک مصیبت میں مبتلا نہ ہوں فراغت و آرام کی قدر معلوم نہیں ہوتی۔ گویا ان کی چند روزہ مصیبتوں سے مقصود یہ ہے کہ ان کو دائمی ناز و نعمت کامل طور پر حاصل ہو۔ یہ ان لوگوں کے حق میں سراسر جمال ہے۔ جو عوام کی آزمائش کے لئے جلال کی صورت میں ظاہر ہوا ہے۔ بٰضِلٌ بِهٖ كَثِيْرًا وَيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا (اکثر کو اس سے گمراہ کرتا ہے اور اکثر کو ہدایت دیتا ہے)۔

جواب دوم:- بلیات و محن اگرچہ عوام کے نزدیک تکلیف کے اسباب ہیں۔ لیکن ان بزرگواروں

کے نزدیک جو کچھ جمیل مطلق کی طرف سے آئے۔ ان کی لذت و نعمت کا سبب ہے۔ یہ لوگ بلیتوں سے ویسے ہی لذت حاصل کرتے ہیں جیسے کہ نعمتوں سے بلکہ بلایا سے زیادہ محفوظ ہوتے ہیں۔ کیونکہ ان میں محبوب کی خالص مراد ہے اور نعمتوں میں یہ خلوص نہیں ہے۔ کیونکہ نفس نعمتوں کو چاہتا ہے اور بلاؤ مصیبتوں سے بھاگتا ہے پس بلا ان بزرگواروں کے نزدیک عین نعمت ہے اور اس میں نعمت سے بڑھ کر لذت ہے۔ وہ حظ جو ان کو دنیا میں حاصل ہے۔ وہ بلیات و مصائب ہی کے باعث ہے۔ اگر دنیا میں یہ نمک بھی نہ ہوتا۔ تو ان کے نزدیک جو کے برابر بھی قیمت نہ رکھتی اور اگر اس میں یہ حلاوت نہ ہوتی۔ تو ان کو عبث و بیفائدہ دکھائی دیتی۔ بیت

غرض از عشق تو ام چاشنی درد و غم است ورنہ زیر فلک اسباب تنعم چہ کم است

ترجمہ عشق سے تیرے غرض ہے چاشنی درد و غم

ورنہ نیچے آسمان کے کوئی نعمت ہے کم

حق تعالیٰ کے دوست دنیا میں بھی متلذذ ہیں اور آخرت میں بھی محفوظ و مسرور ہیں۔ ان کی یہ دنیاوی لذت ان کی آخرت کی لذت کے مخالف نہیں۔ وہ حظ جو آخرت کے حظ کے مخالف ہے اس سے مختلف ہے جو عوام کو حاصل ہے۔ الہی یہ کیا ہے۔ جو تو نے اپنے دوستوں کو عطا فرمایا ہے۔ کہ جو کچھ دوسرے کے رنج و الم کا سبب ہے وہ ان کی لذت کا باعث ہے اور جو کچھ دوسروں کیلئے زحمت ہے ان کے واسطے رحمت ہے۔ دوسروں کی نعمت ان کی نعمت ہے لوگ شادی میں خوش ہیں اور غمی میں غمناک۔ یہ لوگ شادی میں بھی اور غم میں بھی خوش و خرم ہیں۔ کیونکہ ان کی نظر افعال جلیلہ و رذیلہ کی خصوصیتوں سے اٹھ کر ان افعال کے فاعل یعنی جمیل مطلق کے جمال پر جا لگی ہے اور فاعل کی محبت کے باعث اس کے افعال بھی ان کی نظروں میں محبوب اور لذت بخش ہو گئے ہیں۔ جو کچھ جہان میں فاعل جمیل کی مراد کے موافق صادر ہو۔ خواہ رنج و ضرر کی قسم سے ہو۔ وہ ان کے محبوب کی عین مراد ہے اور ان کی لذت کا موجب ہے۔ خداوند ایہ کیسی فضل و کرامت ہے۔ کہ ایسی پوشیدہ دولت اور خوشگوار نعمت اغیار کی نظر بد سے چھپا کر اپنے دوستوں کو تو نے عطا فرمائی ہے اور ہمیشہ ان کو اپنی مراد پر قائم رکھ کر محفوظ و متلذذ کیا ہے اور کراہت و تالم جو دوسروں کا نصیب ہے۔ ان بزرگواروں سے دور کر دیا ہے۔ اور ننگ و رسوائی کو جو دوسروں کا عیب ہے۔ اس گردہ کا جمال و کمال بنایا ہے۔ یہ نامرادی ان کی عین مراد ہے اور ان کا یہ دنیاوی التذاور دوسروں کے برعکس آخرت کے حظوظ کی ترقیوں کا باعث ہے۔ ذَلِكْ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ۝ (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔)

جواب سوم:- یہ ہے کہ یہ داردار ابتلاء و آزمائش ہے۔ جس میں حق باطل کیساتھ اور جھوٹا سچے کیساتھ ملا جلا ہے۔ اگر دوستوں کو بلاؤ محنت نہ دیتے اور صرف دشمنوں کو دیتے تو دوست دشمن کی تمیز نہ ہوتی اور اختیار و آزمائش کی حکمت باطل ہوتی۔ یہ امر ایمان غیب کے منافی ہے۔ جس میں دنیا و آخرت کی سعادتیں شامل ہیں۔ آیت کریمہ **يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ** (غیب پر ایمان لاتے ہیں) اور آیت کریمہ **وَلَيَعْلَمَ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ وَرُسُلَهُ بِالْغَيْبِ إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ** (اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو شخص اس کی اور اس کے رسول کی غائبانہ مدد کرتا ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ طاقتور اور غالب ہے) اسی مضمون کی رمز ہے۔ پس دشمنوں کی آنکھ میں خاک ڈال کر دوستوں کو بھی محنت و بلا میں مبتلا کیا ہے۔ تاکہ ابتلاء و آزمائش کی حکمت تمام ہو اور دوست عین بلا میں لذت پائیں اور دشمن دل کے اندھے خسارہ اور گھٹانا کھائیں **يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا** (اکثر کو گمراہ کرتا ہے اور اکثر کو ہدایت دیتا ہے) انبیاء علیہم السلام کا معاملہ کفار کے ساتھ اسی طرح ہوا ہے۔ کہ کبھی اس طرف کا غلبہ ہوا ہے اور کبھی اس طرف کا جنگ بدر میں اہل اسلام کو فتح ہوئی اور جنگ احد میں کافروں کو غلبہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ **إِنَّ يَمْسِكُكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِثْلُهُ وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نَذَارٌ لِّهَا بَيْنَ النَّاسِ وَلَيَعْلَمَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَاءَ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ وَلِيُمَحِّصَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَمْحَقَ الْكَافِرِينَ** (اگر تم کو زخم لگا ہے تو پہلے بھی لوگوں کو ایسے ہی زخم لگے ہیں اور ان دنوں کو اللہ تعالیٰ لوگوں میں بدلاتے رہتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ ایمانداروں کو جدا کر لے اور تم میں سے گواہ بنالے اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو نہیں دوست رکھتا اور اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ایمانداروں کو خالص کرے اور کافروں کو مٹا دے)۔

جواب چہارم:- یہ ہے کہ حق تعالیٰ سب چیزوں پر قادر ہے اور طاقت رکھتا ہے۔ کہ دوستوں کو یہاں بھی ناز و نعمت عطا فرمائے اور وہاں بھی۔ لیکن یہ بات حق تعالیٰ کی حکمت و عادت کے برخلاف ہے۔ حق تعالیٰ دوست رکھتا ہے۔ کہ اپنی قدرت کو اپنی حکمت و عادت کے نیچے پوشیدہ رکھے اور اسباب و غلل کو اپنے جناب پاک کا روپوش بنائے پس دنیا و آخرت کے باہم نقیض ہونے کے باعث دوستوں کے لئے دنیا کی محنت و بلا ہونا ضروری ہے تاکہ آخرت کی نعمتیں ان کے حق میں خوشگوار ہوں یہی مضمون اصل سوال کے جواب میں پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ اب ہم پھر اصل بات کو بیان کرتے ہیں اور اصل سوال کا جواب دیتے اور کہتے ہیں کہ درو و بلاؤ مصیبت کا سبب اگرچہ گناہوں اور برائیوں کا کرنا ہے لیکن درحقیقت بلاؤ مصیبت ان برائیوں کا کفارہ اور ان گناہوں کے ظلمات کو دور کرنے والی ہیں۔ پس کرم یہی ہے۔ کہ دوستوں کو زیادہ زیادہ بلاؤ محنت دیں۔ تاکہ ان کے گناہوں کا کفارہ اور ازالہ ہو۔ دوستوں کے گناہوں اور برائیوں کو دشمنوں کے گناہوں اور برائیوں کی طرح نہ خیال کریں۔

آپ نے حَسَنَاتِ الْأَبْرَارِ سَيِّئَاتِ الْمُفْرِّقِينَ سنا ہوگا۔ اور اگر ان سے گناہ و عصیان بھی صادر ہو۔ تو اور لوگوں کے گناہ و عصیان کی طرح نہ ہوگا۔ بلکہ وہ سہو و نسیان کی قسم سے ہوگا اور عزم و جد سے پاک ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلَقَدْ عَهِدْنَا إِلَىٰ آدَمَ مِنْ قَبْلِ قَنُوسَىٰ وَلَمْ يَجِدْ لَهُ عَزْمًا (ہم نے اس سے پہلے آدم سے عہد کیا تھا لیکن اس نے بھلا دیا اور ہم نے اس کا کوئی عزم و قصد نہ پایا) پس در دو مصائب کا زیادہ ہونا برائیوں کے زیادہ کفارہ ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ نہ کہ برائیوں کے زیادہ کمانے پر۔ دوستوں کو زیادہ بلا دیتے ہیں تاکہ ان کے گناہوں کا کفارہ کر کے ان کو پاکیزہ لے جائیں اور آخرت کی محنت سے ان کو محفوظ رکھیں۔ منقول ہے۔ کہ آنحضرت ﷺ کی سکرَات موت کے وقت جب حضرت فاطمہ نے ان کی بے قراری و بے آرامی دیکھی تو حضرت فاطمہ زہرا بھی جن کو آنحضرت ﷺ نے الْفَاطِمَةُ بِضْعَةُ مِنِّي (فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے) فرمایا تھا۔ کمال شفقت و مہربانی سے جو آنحضرت ﷺ کے ساتھ رکھتی تھیں۔ نہایت بے قرار و بے آرام ہو گئیں۔ جب آنحضرت نے ان کی اس بے قراری و بے آرامی کو دیکھا۔ تو حضرت زہرا کی تسلی کے لئے فرمایا کہ تیرے باپ کے لئے یہی ایک محنت و تکلیف ہے۔ اس سے آگے کوئی تکلیف و مصیبت نہیں۔ یہ کس قدر اعلیٰ دولت ہے کہ چند روزہ محنت کے عوض دائمی سخت عذاب دور ہو جائے۔ ایسا معاملہ دوستوں کے ساتھ کرتے ہیں۔ دوسروں کیساتھ اس طرح نہیں کرتے اور ان کے گناہوں کا کفارہ کما حقہ اس جگہ نہیں فرماتے۔ بلکہ ان کی جزا آخرت پر ڈال دیتے ہیں۔

پس ثابت ہوا کہ دوست ہی دنیاوی رنج و بلا کے زیادہ مستحق ہیں اور دوسرے لوگ اس دولت کے لائق نہیں کیونکہ ان کے گناہ کبیرہ ہیں اور التجا و تضرع و استغفار و انکسار سے بے بہرہ ہیں اور گناہوں کے کرنے پر دلیر ہیں اور ارادہ و قصد سے گناہ کرتے ہیں جو تہر دوسرے کشی سے خالی نہیں ہیں اور عجب نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی آیات پر ہنسی اڑائیں اور انکار کریں اور جزا گناہ کے اندازہ کے موافق ہے۔ اگر گناہ دنیاوی خفیف ہے اور گناہ کرنے والا بھی التجا و زاری کرنے والا ہے تو اس گناہ کا کفارہ دنیاوی بلا و رنج سے ہو جائے گا اور اگر گناہ غلیظ و شدید و ثقیل ہے اور گناہ کرنے والا سرکش و متکبر بھی ہے تو وہ جرم آخرت کی جزا کے لائق ہے جو گناہ کی طرح شدید اور دائمی ہے وَمَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔

آپ نے لکھا تھا کہ لوگ ہنسی اور ٹھٹھا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ اپنے دوستوں کو بلا و محنت کیوں دیتا ہے اور ہمیشہ ناز و نعمت میں کیوں نہیں رکھتا اور اس گفتگو سے اس گروہ کی نفی کرنا چاہتے ہیں۔ کفار بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں اس قسم کی باتیں کہا کرتے تھے کہ مَا لِهَذَا

الرَّسُولُ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْسُحُ فِي الْأَسْوَاقِ لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُونُ مَعَهُ نَذِيرًا أَوْ يُلْقَى إِلَيْهِ كَنْزٌ أَوْ تَكُونُ لَهُ جَنَّةٌ يَأْكُلُ مِنْهَا (یہ رسول کیسا ہے جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے کیوں نہیں اس پر فرشتہ اترتا تاکہ اس کے ساتھ ہو کر لوگوں کو ڈراتا۔ یا اس کو خزانہ دیا جاتا۔ یا اس کا کوئی بارغ ہی ہوتا جس سے کھایا کرتا) ایسی باتیں وہی شخص کرتا ہے جس کو آخرت اور اس کے دائمی عذاب و ثواب کا انکار ہو اور دنیا کی چند روزہ فانی لذتیں اس کی نظر میں بڑی عزیز اور شاندار دکھائی دیتی ہوں۔ کیونکہ جو شخص آخرت پر ایمان رکھتا ہے اور آخرت کے ثواب و عذاب کو دائمی جانتا ہے۔ دنیاوی چند روزہ فانی بلا و محنت اس کو بچ نظر آتی ہیں۔ بلکہ اس چند روزہ محنت کو جس سے ہمیشہ کی راحت حاصل ہو۔ عین راحت تصور کرتا ہے اور لوگوں کی گفتگو پر نہیں جاتا۔ درد و بلا و محنت کا نازل ہونا محبت کا گواہ عادل ہے کور باطن اور بیوقوف لوگ اگر اس کو محبت کے منافی جانیں تو جانیں۔ جاہلوں اور ان کی گفتگو سے روگردانی کے سوا اور کوئی علاج نہیں۔ فاضل صبراً جمیلاً (پس اچھا صبر کر) اصل سوال کا دوسرا جواب یہ ہے کہ بلا تازیانہ محبوب ہے جس کے ذریعے محبت اپنے محبوب کے ماسوا کی التفات سے ہٹ کر کلی طور پر محبوب کی پاک بارگاہ کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ پس درد و بلا کے لائق دوست ہی ہیں اور یہ بلا اس برائی کا کفارہ ہے کہ ان کا التفات ماسوا کی طرف ہے اور دوسرے لوگ اس دولت کے لائق نہیں ان کو زور سے محبوب کی طرف کیوں لائیں جس کو چاہتے ہیں مار لوٹ کر بھی محبوب کی طرف لے آتے ہیں اور اس کو محبوبیت سے سرفراز فرماتے ہیں اور جس کو محبوب کی طرف لانا نہیں چاہتے اس کو اپنے حال پر چھوڑ دیتے ہیں۔ اگر سعادت ابدی اس کے شامل حال ہو گئی تو توبہ و انابت کی راہ سے ہاتھ پاؤں مار کر فضل و عنایت کی امداد سے مقصد تک پہنچ جائے گا ورنہ وہ جانے اور اس کا کام اللہم لا تكلني إلى نفسي طرفة عين (یا اللہ تو مجھے ایک لمحہ بھی اپنے حال پر نہ چھوڑ) پس معلوم ہوا کہ مریدوں کی نسبت مرادوں پر زیادہ بلا آتی ہے۔ اسی واسطے آنحضرت نے جو مرادوں اور محبوبوں کے رئیس ہیں۔ فرمایا ہے کہ مَا أُودِيَ نَبِيٌّ مِثْلَ مَا أُودِيَتْ كَسَى نَبِيٍّ كَوَاتِنِي إِذَا نَهَيْتَنِي عَنْ مَعْصِيَةِ اللَّهِ فَجَنَّتْ بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ بِخَنِيٍّ هِيَ۔ گویا بلا دلالہ اور رہنما ہے۔ جو اپنی حسن دلالت سے ایک دوست کو دوسرے دوست تک پہنچا دیتی ہے اور دوست کو ماسوی کے التفات سے پاک کر دیتی ہے۔ عجب معاملہ ہے کہ دوست کو روٹھا دیکر بلا کو خریدتے ہیں اور دوسرے لوگ کروٹھا دیکر بلا کو دفع کرنا چاہتے ہیں۔

سوال:- کبھی ایسا ہوتا ہے کہ درد و بلا کے وقت دوستوں سے بھی اضطراب و کراہت مفہوم ہوتی ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے۔

جواب:- یہ اضطراب و کراہت بتقاضائے بشری ضروری ہے اور اس کے باقی رکھنے میں کئی

طرح کی حکمتیں اور مصلحتیں ہیں۔ کیونکہ اس کے بغیر نفس کے ساتھ جہاد و مقابلہ نہیں ہو سکتا۔ آپ نے سنا ہو گا کہ دین دو دنیا کے سردار علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سکران موت کے وقت کس قسم کی بیقراری و بے آرامی ظاہر ہوئی تھی۔ وہ گویا نفس کے جہاد کا بقیہ تھا۔ تاکہ حضرت خاتم المرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خاتمہ خدا کے دشمنوں کے جہاد پر ہو۔ شدت مجاہدہ اس امر پر دلالت کرتا ہے۔ کہ صفات بشریت کے تمام مادے دور ہو جائیں اور نفس کو کمال فرمانبردار بنا کر اطمینان کی حقیقت تک پہنچائیں اور پاک و پاکیزہ رکھیں۔ گویا بازار محبت کی دلالہ ہے اور جو کوئی محبت نہیں رکھتا۔ اس کو دلالہ سے کیا کام ہے اور دلالگی اس کے کس کام آئے گی اور اس کے نزدیک کیا قدر و قیمت رکھے گی درود بلا کی دوسری وجہ یہ ہے کہ محبت صادق اور مدعی کاذب کے درمیان تمیز ہو جائے اگر صادق ہے۔ تو بلا کے آنے سے متلذذ و محفوظ ہو گا اور اگر مدعی کاذب ہے۔ تو بلا سے کراہت و رنج اس کو نصیب ہو گا۔ سوائے صادق کے اس تمیز کو کوئی نہیں معلوم کر سکتا۔ صادق ہی کراہت و الم کی حقیقت کو کراہت و الم کی صورت سے جدا کر سکتا ہے اور صفات بشریت کی حقیقت کو صفات بشریت کی صورت سے الگ کر سکتا ہے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْهَادِي إِلَى سَبِيلِ الرُّشَادِ (اللہ تعالیٰ ہی راہ راست کی طرف ہدایت کرنے والا ہے)۔

نیز آپ نے پوچھا ہے۔ کو عدم کو لاشے محض کہتے ہیں پس اس کا وجود نہ ہو گا اور جب اس کا وجود نہ ہو۔ تو پھر اس وجود کے ساتھ جو ذہن میں پیدا ہو۔ اس کے آثار و ترقیاں کس طرح ہو گی اور اگر ہوں گی بھی تو ذہنی ہوں گی۔ دائرہ خیال سے کس طرح نکل سکتی ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ عدم اگرچہ لاشے ہے۔ لیکن اشیاء کا یہ سب کارخانہ اسی عدم کے ساتھ قائم ہے اور اشیاء کی تفصیل و کثرت کا منشاء اسی کا آئینہ ہے۔ اسماء الہی کی علمیہ صورتوں نے جو عدم کے آئینہ میں منعکس ہوئی ہیں۔ اس کو متمیز کر دیا ہے اور ثبوت علمی بنجشا ہے اور اس کو محض لاشے ہونے سے نکال کر آثار و احکام کا مبداء بنادیا ہے۔ یہ آثار و احکام خانہ علم کے باہر بھی موجود ہیں اور مرتبہ حس و وہم میں بھی ثابت ہیں۔ چونکہ انہوں نے حق تعالیٰ کی مضبوط صنعت ہونے کے باعث اس مرتبہ میں ایسا ثبات و استقرار پیدا کر لیا ہے۔ کہ حس و وہم کے زوال سے بھی زائل نہیں ہو سکتے۔ اس لئے کہہ سکتے ہیں کہ یہ آثار و احکام خارجی ہیں۔ آپ عدم کی ترقیوں سے کیوں تعجب کرتے ہیں۔ موجودات کا یہ سب کروفر زیب و زینت عدم پر مبنی ہے۔ آپ کو حق تعالیٰ کی کمال قدرت کا مشاہدہ کرنا چاہئے۔ جس نے عدم سے اس قسم کا لمبا چوڑا کارخانہ بنادیا ہے اور وجود کے کمالات کو اس کی نقیضوں اور ضدوں سے ظاہر فرمایا ہے۔ عدم کی ترقی کا راستہ کامل طور پر واضح ہے۔ کہ اسماء الہی کی علمیہ صورتیں اس کی حجر میں متمکن

اور اس کے ساتھ ہم بستر اور ہم بغل ہیں۔ صورت سے حقیقت کی طرف اور ظلال سے اصل کی طرف سیدھی شاہراہ جاتی ہے کوئی اندھا ہی ہوگا۔ جس کو نظر نہ آتا ہوگا۔ اِنَّ هٰذِهِ تَذٰكِرَةٌ "فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذْ اِلٰى رَبِّهِ سَبِيْلًا" (یہ بڑی نصیحت ہے۔ اب جس کا جی چاہے اپنے رب کی طرف راستہ نکال لے) ذہن و خیال کا لفظ آپ کو شبہ میں نہ ڈال دے اور آثار و ترقیات کو آپ کی نظر میں مشکل نہ کر دے کیونکہ کوئی معاملہ علم و خیال سے باہر نہیں ہے۔ ہاں خیال خیال میں فرق ہے مرتبہ و ہم و خیال میں خلق ہونا اور امر ہے اور وہم و خیال کا اختراع اور امر صورت اول نفس الامری اور حقیقی ہے اور کہہ سکتے ہیں کہ موجود خارجی بھی ہے اور صورت دوم اس دولت اور اس ثبات و استقرار سے بے بہرہ ہے۔ عدم کے بعض ہنر معرفت کے بیان میں علیحدہ لکھے ہیں۔ جن کی نقل محبت اللہ لے گیا ہے۔ اگر زیادہ ذوق ہو۔ تو وہاں سے ملاحظہ کر لیں۔

نیز آپ نے فنا و بقا کی نسبت پوچھا تھا۔ اس فقیر نے ان کلمات کے معنی اپنی کتابوں اور رسالوں میں جا بجا لکھے ہیں۔ ان کو دیکھنے کے بعد بھی اگر کچھ پوشیدگی رہ گئی ہو۔ تو اس کا علاج حضور و شفا ہے (خدمت میں حاضر ہونا اور سامنے گفتگو کرنا) پوری پوری حقیقت لکھی نہیں جاسکتی۔ کیونکہ اس کا اظہار صلاح و بہتری سے دور نظر آتا ہے اور اگر پوری پوری حقیقت لکھی جائے اور ظاہر کی جائے تو کوئی اس کو کیا جانے گا اور کیا سمجھے گا۔ فنا و بقا شہودی ہے وجودی نہیں۔ کیونکہ بندہ ناجیز نہیں ہوتا اور حق تعالیٰ کے ساتھ متحد نہیں ہوتا اَلْعَبْدُ عَبْدٌ ذَانِمًا وَالرَّبُّ رَبٌّ سَرْمَدًا (بندہ بندہ اور خدا خدا ہے) وہ زندقہ ہیں جو فنا و بقا کو وجودی تصور کرتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ بندہ اپنے وجودی تعینات کو رفع کر کے اپنے اصل کے ساتھ جو تعینات و قیود سے منزہ ہے متحد ہو جاتا ہے اور اپنے آپ سے فانی ہو کر اپنے رب کے ساتھ بقا حاصل کر لیتا ہے جیسے قطرہ اپنے آپ سے فانی ہو کر دریا سے مل جاتا ہے اور اپنی قید کو رفع کر کے مطلق کے ساتھ متحد ہو جاتا ہے۔ اَعَاذَنَا اللّٰهُ سُبْحَانَهُ عَنْ مُعْتَقَدِ اِيْتِهِمُ السُّوْءِ (اللہ تعالیٰ ہم کو ان کے ایسے برے عقیدے سے بچائے) فنا کی حقیقت یہ ہے کہ ماسوی اللہ بھول جائے اور حق تعالیٰ کے سوا غیر کی گرفتاری اور تعلق دور ہو جائے اور سینہ اور دل کا میدان اپنی تمام مرادوں اور خواہشوں سے پاک و صاف ہو جائے یہی مقام بندگی کے مناسب ہے اور بقا یہ ہے کہ انفسی آیات کے مشاہدہ کے بعد بندہ اپنے مولا جل شانہ کی مرادوں پر قائم رہے اور حق تعالیٰ کی مرادوں کو عین اپنی مرادیں معلوم کرے۔

نیز آپ نے پوچھا تھا کہ وہ سیر جو انفس کے باہر ہے وہ کونسا ہے۔ کیونکہ عالم خلق اور عالم امر کے دسوں مرتبوں کا سیر اور ہیئت وحدانی کا سیر جب انفس میں داخل ہے۔ پھر انفس کے ماوراء کو نسا سیر ہے۔ جواب:- واضح ہو کہ انفس بھی آفاق کی طرح اسماء الہی کے ظلال ہیں۔ جب ظل فضل خداوندی

سے اپنے آپ کو فراموش کر کے اپنے اصل کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اپنے اصل کی محبت پیدا کر لیتا ہے۔ تَوَالَّمَرءٌ مَعَ مَنْ أَحَبَّ (آدمی اسی کے ساتھ ہو گا۔ جس کے ساتھ اس کو محبت ہو گی) کے موافق اپنے آپ کو بعینہ وہی اصل معلوم کرے گا اور اپنے انا کو اسی اپنے اصل پر ڈالے گا۔ اسی طرح چونکہ اس اصل کا اور اصل ہے۔ پس اصل سے اس اصل تک پہنچ جائے گا۔ بلکہ اپنے آپ کو اس اصل کا عین معلوم کرے گا۔ وَهَلُمَّ جَرًّا إِلَى أَنْ يَبْلُغَ الْكِتَابَ أَجَلَهُ (یہاں تک کہ کتاب اپنی اجل تک پہنچ جائے) یہ سیرانفس و آفاق کے ماوراء ہے۔

واضح ہو کہ بعض لوگ سیرانفسی کو سیر فی اللہ کہتے ہیں۔ لیکن وہ سیر جس کا ابھی بیان ہو چکا ہے۔ یہ سیر فی اللہ اور سیرانفسی کے ماوراء ہے۔ کیونکہ یہ سیر حصولی ہے اور وہ سیر وصولی اور حصول و وصول کے درمیان جو فرق ہے۔ وہ متعدد مکتوبات میں لکھا جا چکا ہے۔ وہاں سے معلوم کر لیں۔

نیز آپ نے حق تعالیٰ کی ذات و صفات و افعال کے اقرب ہونے کی نسبت دریافت کیا تھا۔ اس کا بیان بھی حضور کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ اس کا لکھنا اچھا نہیں اور اگر لکھا بھی جائے۔ تو پھر بھی اس کا سمجھنا مشکل ہے اور اگر حضور میں یعنی سامنے بیان کرنے سے بھی سمجھ میں آجائے۔ تو غنیمت ہے۔

آپ نے مرتبہ نبوت کے کمالات کی نسبت پوچھا تھا کہ فنا و بقاء تجلی اور تعین کا مبداء ہونا سب کمالات و ولایات ثلثہ کے مراتب میں ہیں۔ کمالات نبوت کے مراتب میں سیر کس طرح ہے۔

جواب:- واضح ہو کہ مراتب عروج میں جب تک کہ مراتب ایک دوسرے سے متمیز ہیں اور ان میں ایک اصل سے دوسرے اصل کی طرف جانا پڑتا ہے۔ یہ سب کمالات دائرہ ولایات میں داخل ہیں۔ جب یہ تمیز برطرف ہو جاتی ہے اور یہ تفصیل کم ہو جاتی ہے اور معاملہ محض اجمال و بساطت محض سے جا پڑتا ہے۔ تو پھر مرتبہ نبوت کے کمالات شروع ہوتے ہیں۔ اس مرتبہ میں بھی اگرچہ وسعت ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيمٌ (اللہ تعالیٰ گھیرنے والا اور جاننے والا ہے) لیکن وہ وسعت اور ہی وسعت ہے اور وہ تمیز اور ہی تمیز ہے۔ اس سے زیادہ کیا کہیں اور کیا سمجھائیں۔ رَبَّنَا اِنَّا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً وَهِيَءَ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشْدًا (یا اللہ تو اپنے پاس سے ہم پر رحمت نازل فرما اور ہمارے کام سے ہدایت و بھلائی ہمارے نصیب کر)

نماز کے بعض اسرار جو آپ نے دریافت کئے تھے۔ اس کا جواب کسی دوسرے وقت پر موقوف رکھا ہے۔ کیونکہ اب وقت بہت تنگ ہے۔ زمانہ اور اہل زمانہ سے سرقہ کر کے یعنی چوری چوری اور پوشیدہ کچھ نہ کچھ لکھا جاتا ہے۔ آپ فقیر کے حال پر رحم کریں اور استفسار پر دلیر نہ ہوتے جائیں۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَاَسْرَافَنَا فِيْ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلٰی الْقَوْمِ الْكَافِرِيْنَ يَا اللّٰهُ

ہمارے گناہوں اور ہمارے کام کی زیادتیوں کو بخش اور ہمارے قدموں کو ثابت رکھ اور کافروں پر ہمیں
مدد دے۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ أَوَّلًا وَآخِرًا وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ وَالتَّحِيَّةُ عَلَى رَسُولِهِ دَائِمًا
وَسَرْمَدًا وَعَلَى آلِهِ الْكَرَامِ وَصَحْبِهِ الْعِظَامِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ اُولَ وَاخِر اللہ رب العلمین کا حمد اور اس
کا احسان ہے اور اس کے رسول اور ان کی آل بزرگوار اور اصحاب کرام پر قیامت تک ہمیشہ صلوٰۃ و سلام
و تحیت ہو۔

الحمد للہ والمنة کہ دریں ایام فرخندہ فرجام کتاب مستطاب ہادی شیخ و شاب منبع فیوض و برکات یعنی مکتوبات
امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت خواجہ خواجگان شاہ باز لا مکان مقبول بارگاہ صد حضرت شیخ احمد فاروقی
نقشبندی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ دفتر دوم بوقت سعید با تمام رسید

مکتوباتِ امامِ ربانی رحمۃ اللہ علیہ

مجذوف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ
کے اسرارِ شریعت، معارفِ طریقت، بھرپور گرانقدر مجذوف دہم مکاتیب

مع رسالہ
مبدأ و معاد

جلد سوم

مترجم
حضرت مولانا قاضی عالم الدین صاحب شہینہ مجذوف دہم

ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور

ترجمہ مکتوبات

امام ربانی قدس سرہ

مسمی بہ

معرفة الحقائق

دفتر سوم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حمد و صلوٰۃ کے بعد واضح ہو کہ یہ پاکیزہ کلمات اور بلند حروف (جن کا ہر ایک نقطہ بیقرار دلوں کی پرکار کامر کز ہے اور محبت ذاتیہ کی آگ پر بیگانوں کی بد نظری کیلئے پسند دانہ ہے اور حقائق کی دلیہوں کے رخسار کا زینت بخشے والا خال ہے اور دقائق کے دور بینوں کی آنکھوں کی پتلی ہے) ان میں سے ہر ایک احدیت کے لہرانے والے دریا کا درۃ التاج ہے جس کو ایک غواص یعنی غوطہ زن کے پاک باطن کے زبردست ہاتھ سے کنارہ پر نکالا ہے اور ہویت کے جنگلی ہرن کی ناف کا جان بخشے والا نافہ ہے جس کو ایک سیاح یعنی سیر کرنیوالے کے بیان کی انگلیاں محفل میں لائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فقراء کو اس در یتیم سے مالامال کرے اور ان کی جان کے دماغ کو اس خوشبودار نافہ سے معطر کرے۔

زہریک نقطہ اش چوں نافہ تر	شمیم وصل جاناں میزند سر
وے آں کز برودت در ز کام است	چہ داند نافہ اش گردر مشام است
سرایم مدح آں سیاح و غواص	کنم خورشید راچوں ذرہ رقاص
مہیں فرزند فاروق است چوں اب	کنوں نطق از زبان او کند رب
سراپا نسخہ اخلاق فاروق	بزہر منفعت تریاق فاروق
چراغ نقشند ہفت محفل	نگاہش نقشند غیر از دل

ترجمہ ابیات

ہر ایک نقطہ ہے اس کا نافہ تر	مہکتی جس سے بوئے وصل دلبر
مگر جو شخص ہو نزلہ سے بیمار	وہ کیا جانے کہ کیا ہے مشک تاتار
کہوں اب مدح آں سیاح و غواص	کردوں سورج کو مثل ذرہ رقاص
عمر کا بیٹا گویا باپ جیسا	کلام اس کی کلام رب سراپا

سراسر چشمہ اخلاق فاروق کہ ہے ہر نقص کا تریاق فاروق
چراغ ہفت محفل ہے وہ پر نور نگہ اس کی کرے دل سے دوئی دور
مخلوقات کا فریاد کو پہنچنے والے۔ حقائق کے دریا میں تیرنے والے۔ وصول الی اللہ کی سیڑھی۔
قبولیت کے راستہ۔ رحمت کے خزانہ حکمت کے دینے۔ ہر دل عزیز۔ غیب کے مُشرق۔ عمل کے دریا۔
کاملوں کی جہت۔ نیکوں کی آنکھ۔ اجبار یعنی علماء کی گلزار۔ طریقت کے نور۔ حقیقت کے شگوفہ۔ اہل جان
کی زینت۔ علماء کے سردار۔ امیدوں کی بلندی۔ رجا کی مضبوط رسی، واردات کے آئینہ۔ محبت کے
زینہ۔ رموز و اشارات کے مطلع۔ خزانوں اور بشارت کے چشمہ۔ ملاحت کے دریا کے ملاح۔ صاحت
کے گھر کے چراغ۔ دونوں بحروں کے ملانے والے۔ دونوں گروہوں میں اصلاح کرنے والے۔ متکلمین
کے استشہاد کے محل۔ متوحدین کے جائے تمسک۔ سلف کی برہان۔ خلف کے سلطان۔ اس گروہ کے
و شیقہ۔ مہدی موعود کے طلیعہ یعنی آگے آنیوالے اصل اور فرع کی روشنی۔ دین و شرع کی رونق۔ سید
البشر کے وارث۔ گیارہویں صدی کے روشن کرنے والے۔ حضرت مجدد الف ثانی امام ربانیؑ۔

کجا گردوز و صفش خامہ آگاہ چہ نم دریا بد از دریا پر کاہ
ہماں بہتر کزیں پس گوش باشم سرائمہ نغمہ و خاموش باشم

ترجمہ

قلم اس کی صفت سے کب ہو آگاہ بھلا دریا کو پائے کیا پرکاہ
یہی بہتر ہمہ تن میں بنوں گوش بجا نغمے کو پھر ہو جاؤں خاموش
حضرت مصطفیٰ ﷺ کے اس اسم کے ہم نام جس کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بشارت
دی گئی تھی۔ یعنی شیخ احمد بن شیخ عبد الاحد فاروقی نسب والے، حنفی مذہب والے، نقشبندی مشرب
والے، خدائے تعالیٰ ان کو تمام جہان والوں کے سروں پر ہمیشہ زندہ رکھے اور ان کی برکات کے دریا سے
قیامت تک ان کو سیراب کرے۔

ان سلیم القلب ناظرین کا وقت و حال کیا ہی اچھا ہے۔ جو اپنی نظر کی سیاحت کو اسی سیاحت پر جو اسرار اور
حکمتوں کا سواد اعظم ہے۔ ڈالتے ہیں اور اعلام ربانی کے ساتھ اس سیاحت سے سراسر حضور کی مدد حاصل
کرتے اور اپنے دل کے نقطے کو پر نور بناتے ہیں اور ان مستقیم الاحوال قاریوں کا انجام و مال کیا ہی عمدہ
ہے۔ جن کی زبان اس دریا کے عجیب میں تیرتی ہے اور الہام ربانی سے ان کی جان شکر کی شکر اور سر کی
قد سے شیریں ہوتی ہے اور ان نیک نہاد ہم جنسوں اور نیک اعتقاد سعادتمندوں پر مر حبا ہے۔ جن پر ان
نکات و رموز کا جمال جو طور عقل کے ماوراء ہیں جب پردہ نہیں کھولتا۔ تو اپنے قصور فہم اور عدم دریافت
کا اقرار کر کے صدقہ کے راستہ پر چلتے ہیں۔ اور

کے را از ایشان جز ایشان نداند

ترجمہ سوا ان کے نہ کوئی ان کو جانے

کہتے ہوئے سب کو تسلیم کرتے ہیں اور ہمیشہ کی سعادتوں کا ثمرہ حاصل کرتے ہیں۔ ذَلِکَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهُ (یہ اس شخص کے واسطے ہے جو اپنے رب سے ڈرتا ہے) اور ان کج بین پڑھنے والوں اور سخن چین سننے والوں پر افسوس ہے کہ جو کچھ ان ملہمات غیبیہ میں سے ان کی فہم و طبع کے موافق آجاتا ہے اس کو اس گفتگو کرنیوالے کی کلامی مہارت اور خیالی بحث کی طرف محمول کرتے ہیں اور جو کچھ اس بیان سے ان کی سمجھ میں نہیں آتا۔ کوتاہ نظری سے عیب جوئی کی زبان دراز کرتے ہیں۔ اور الْمَرْءُ لَا يَزَالُ عَدُوًّا لِمَا جَاهَلَ (آدمی اس چیز کا دشمن ہے۔ جو اس سے پوشیدہ ہے) کے موافق لڑائی کی سارنگی بجاتے ہیں اور نہیں جانتے کہ اس طائفہ عالیہ کے لوگ ان خفیہ اسرار کے اظہار میں خود درمیان نہیں ہوتے۔ ع

ایشان نیند ایں ہمہ الحان ز مطرب است

ترجمہ ع یہ نہیں ہیں درمیاں مطرب کے ہیں آوازیہ

حق تعالیٰ ہمارے بھائیوں کو اپنے پوشیدہ عیبوں اور صفائش پاک دلوں کے پوشیدہ بھیدوں پر واقف کرے اور عالم السر کے مخلصوں کے کینہ کی زنجیر اور کمر کی قید سے جو اپنے دل کے پاؤں اور قلب کی گردن پر ڈالے ہوئے ہیں، آزاد کرے اور یہ جو میں نے کہا ہے کہ اسرار کے اظہار میں درمیان نہیں ہوتے۔ اس کی شہادت بھی اپنے اسرار کے صاحب سے سن لیں۔ ع

برحال تو ہم حال تو برہان و دلیل

ترجمہ ع گواہ تیرے حال پر تیرا ہی اپنا حال

جب مکتوبات معدن الفتوحات کی جلد اول میں جس کا نام در المعرفت ہے ختم ہو چکی تو مقال یعنی گفتگو کے مٹھے پانی کے بعض پیاسوں نے خدمت اقدس میں عرض کی۔ کہ اگر حضور کا اشارہ عالیہ ہو جائے تو ان اسرار کی نہریں جو اس کے بعد گوہر بار قلم کے چشمے سے نکلی ہیں جمع کر کے جلد دوم کا دریا بنایا جائے۔ بندگان حضرت نے بڑے انکسار و خوف سے فرمایا کہ میں اس فکر و حیرت میں ہوں کہ یہ سب علوم جو بیان و تحریر میں آچکے ہیں۔ آیا حق تعالیٰ کے نزدیک مقبول اور پسندیدہ ہیں بھی یا نہیں؟ یہ بات فرما کر خاموش ہو رہے اور بشارت و اشارت کے منتظر رہے دوسرے روز فرمایا کہ رات کو ندا دی گئی ہے اور ظاہر کیا گیا ہے کہ یہ سب علوم جو لکھے گئے ہیں بلکہ جو کچھ تیری گفتگو میں آیا یہ سب مقبول و پسندیدہ ہے اور میری تحریروں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ سب کچھ ہم نے ہی کہا ہے اور ہمارا ہی بیان ہے۔ اس وقت یہ سب علوم نظر کے سامنے تھے اور میں ہر ایک پر مجمل و مفصل طور پر نظر کرتا تھا۔ خاص کر

ان علوم کو بھی جن میں مجھے تردد تھا۔ اسی حکم میں داخل پایا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی الْاِحْسَانِ (اس احسان پر اللہ تعالیٰ کی حمد ہے) پس قلم بزرگ کو اسرار قدم کے لکھنے کیلئے جاری کیا۔ جب وہ جلد ننانوے مکتوب تک پہنچی۔ جو اسماء حسنیٰ کے مطابق ہے تو اسی پر ختم کی گئی۔ اسی سال میں جس کی تاریخ نور الخلائق سے ظاہر ہے۔ بعض ان مکتوبات کیلئے جو بعد ازاں گزارش و نگارش میں آئے۔ بزرگ نسب والے امیر اور بڑے شرافت والے سید قطب زمانہ دریگانہ ۔

در تفرید را بحر و کانے تن تجرید را روے و جانے
دم او صیقل آئینہ دل دم از آئینہ سازو نور زائل

ترجمہ

در تفرید کا وہ بحر و کان ہے تن تجرید کا وہ روح و جاں ہے
دم آئینے سے کر دے نور زائل مگر دم اس کا کر دے نور کامل

ایقان و فرقان کی کان محمد نعمان بن شمس الدین یحییٰ المعروف بمیر بزرگ بدخشانی سلمہ اللہ نے جو حضرت ایشاں کے کامل اور بزرگ خلفاء میں سے ہیں اور آنحضرت کے امر عالی سے صوبہ دکن میں اس طریقہ عالیہ کو جاری کرتے اور لوگوں کو اس کی طرف ہدایت فرماتے ہیں۔ التماس کی کہ ان پر آئندہ موتیوں کو جمع کر کے جلد سوم کا خزانہ مہیا ہو جائے۔ ان کی یہ التماس قبول ہو گئی۔ جب تمیں سے کچھ زیادہ مکتوب جمع ہو گئے تو حضرت سیادت پناہ اور خادمان درگاہ کے درمیان ظاہری جدائی حائل ہو گئی اور حضرت اقدس کو بھی مدت تک معارف کے لکھنے اور مکاشفہ کے بیان کرنے کا موقع نہ ملا۔ تا آنکہ خدا تعالیٰ کی ہدایت کی تائید سے چند سال کے بعد اس ضعیف کی کہ جس کا نام اس جلد کے اول مکتوب کے آخر میں لکھا ہے۔ آرزو بر آئی۔ یعنی ۱۰۳۱ ہجری میں جو لفظ خاک نشین سے ظاہر ہے۔ اس ضعیف نے بلند بلینز کی خاک نشینی کی سعادت پائی۔ اسی وقت حضرت ایشاں کی لسان الغیب کا دریا اور انگلیوں کا چشمہ تقریر کے موج اور تحریر کے جوش میں آیا اور اس غریب نواز نے بڑی رحمت و عنایت سے اس کمترین کو ان مسودوں کے جمع کرنے اور بیاض میں نقل کرنے سے ممتاز فرمایا اور اسی سال میں جو لفظ ثالث سے ظاہر ہے، تیسری جلد کے اتمام سے سرفراز ہوا۔ جب مکتوبات کا شمار ایک سو تیرہ تک پہنچا جو حروف باقی کی تعداد کے موافق ہیں اور تین اعتبار سے اس پر مقرر کرنا نہایت مناسب اور زیبا ہے تو اسی عدد پر ختم کی گئی۔ اس سال میں کہ اس الراستخین اس کی تاریخ ہے۔ بعد ازاں اس مکتوب کیلئے جس میں از سر نو علوم جدیدہ اور اسرار غریبہ ظاہر ہوئے تھے۔ فرمایا کہ اس کو بھی مسکۃ الختام بنایا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور اس کے ملانے سے قرآنی سورتوں کے عدد کی مطابقت عیاں ہو گئی۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اَوَّلًا وَ اٰخِرًا وَ ظَاہِرًا وَ بَاطِنًا (اول و آخر و ظاہر و باطن اللہ تعالیٰ کی حمد ہے) طالبوں کو اس پر فائدہ دہ ستر خوان سے جان کی

قوت اور ایمان کی قوت نصیب ہو۔ اِلٰی یَوْمِ التَّنَادِ بِحَقِّ الْحَقِّ الْهَادِیْ اِلٰی سَبِیْلِ الرَّشَادِ (قیامت تک حق تعالیٰ کی مدد سے جو راہ راست کی طرف ہدایت دینے والا ہے)۔

مکتوب ۱

سیادت پناہ میر محمد نعمان کی طرف اس کے اس سوال کے جواب میں جو حق تعالیٰ کی

ذات و صفات و افعال کے اقرب ہونے کے بارے میں کیا تھا صادر فرمایا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) آپ کا صحیفہ شریفہ پہنچا۔ آپ نے بڑی تکلیف اٹھائی۔ اللہ تعالیٰ آپ کی کوشش کو قبول فرمائے۔ چونکہ آپ نے حق تعالیٰ کی ذات و صفات و افعال کے قریب ہونے کی نسبت کئی دفعہ استفسار کیا ہے اور آپ اس مضمون کے بڑے شائق ہیں۔ اس لئے اس قدر ظاہر کیا جاتا ہے کہ ہر شے اپنی ماہیت میں شے ہے اور اس شے کی ماہیت کے ثبوت کیلئے جاعل کی جعل یعنی بنانے والے کی بناوٹ درکار نہیں کیونکہ شے کا ثبوت اپنے نفس کیلئے ضروری ہے۔ اسی واسطے اہل معقول نے کہا ہے کہ نفس ماہیات میں جعل (بناوٹ) ثابت نہیں اور ماہیات مجعول یعنی بناوٹی نہیں ہیں۔ وجود کے ساتھ ماہیات کے متصف ہونے کیلئے جاعل کا جعل درکار ہے۔ رنگنے والے کا فعل کپڑے کو رنگ کے ساتھ متصف کرنے میں ہے نہ یہ کہ کپڑے کو کپڑا بنادیتا ہے اور رنگ کو رنگ کر دیتا ہے کہ یہ محال اور تحصیل حاصل ہے۔ پس نفس شے میں جعل نہ ہوا بلکہ شے کے وجود کے ساتھ متصف ہونے میں ہوا۔ اس سے ثابت ہوا کہ شے اپنی ماہیت میں شے ہے اور یہ امر نظر کشفی کی رو سے ظل شے اور عکس شے میں مفقود ہے کیونکہ شے کا عکس و ظل اپنی ظلی و عکسی ماہیت سے ظل و عکس نہیں۔ بلکہ اپنی اصل کی ماہیت سے ظل و عکس ہوا ہے۔ کیونکہ ظل ماہیت نہیں رکھتا بلکہ اسی اصل کی ماہیت ہے جس نے ظل میں اپنے آپ کو ظاہر کیا ہے۔ پس اصل ظل کیلئے نفس ظل سے زیادہ اقرب ہو گا۔ کیونکہ ظل اپنی اصل سے ظل ہے نہ اپنے نفس سے۔ چونکہ عالم حق تعالیٰ کے افعال کا ظلال اور عکس ہے اس لئے افعال جو اس کے اصول ہیں۔ عالم کی نسبت عالم سے زیادہ قریب ہو گئے۔ ایسے ہی افعال چونکہ حق تعالیٰ کی صفات کے ظلال ہیں۔ اس لئے صفات عالم اور عالم کے اصول کی نسبت جو افعال ہیں عالم سے زیادہ اقرب ہو گئے کہ اصل الاصل ہیں۔ چونکہ صفات بھی حق تعالیٰ کی ذات کے ظلال ہیں اور حق تعالیٰ کی ذات تمام اصول کا اصل ہے۔ اس لئے حق تعالیٰ کی ذات اور عالم افعال اور صفات کی نسبت عالم سے زیادہ اقرب ہو گی۔ یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی اقربیت کا بیان جو تحریر و بیان میں آیا ہے عقلمند اگر انصاف کریں گے تو امید ہے کہ ان معنوں کو قبول کر لیں گے اور اگر قبول نہ بھی کریں گے تو غم نہیں۔ کیونکہ بحث سے خارج ہیں چونکہ اس بیان میں معقول مقدمات بھی درج ہیں۔ اس لئے اگر سیادت پناہ

میر شمس الدین علی کو بھی اس مکتوب کے مطالعہ میں شریک کر لیں تو بہت ہی مناسب ہے۔ آپ نے لکھا تھا کہ مکتوبات جلد سوم کو شروع کیا جائے۔ آپ ایسا ہی کریں کیونکہ اہل اللہ جس امر میں بہتری دیکھیں مبارک ہوتا ہے جب یہ کام میر مشار الیہ کے حوالہ کریں تو فرمائیں کہ نسخے متعدد نقل کریں اور اس کی ایک نقل سرہند میں بھیج دیں۔ اور مسودوں کو بحفاظت رکھیں شاید ضرورت آپڑے۔ دوسرے یہ کہ فقیر آپ کے رہنے اور جانے میں حیران ہے چونکہ آپ کی ملاقات کا حریص ہے، اس لئے آپ کے جانے کیلئے کچھ نہیں کہہ سکتا اور رہنے کیلئے بھی دلالت نہیں کر سکتا کہ مبادا لوگوں کی بہت سی مصلحتیں فوت ہو جائیں۔ البتہ اس قدر ضروری ہے کہ اگر جائیں تو خواجہ محمد ہاشم کو بھیج دیں تاکہ چند روز صحبت میں رہے اور علوم و معارف اخذ کرے کیونکہ جوان قابل نظر آتا ہے۔ اور آپ کا تربیت یافتہ بھی ہے اور آپ کے مذاق کو بھی جانتا ہے۔ آپ استفسار اور سوال کو بھی اسی کے حوالہ کر دیں تاکہ جواب لیکر آپ کی خدمت میں لے جائے۔ والسلام

مکتوب ۲

نصیحتوں اور خلق سے قطع تعلق کرنے اور حق تعالیٰ کی جناب پاک کے ساتھ وسیلہ پکڑنے کے بیان میں۔

علوم و اسرار کے جامع مخدوم زادہ محمد سعید و خواجہ محمد معصوم سلمہما اللہ کی طرف صادر فرمایا ہے:-

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ وَفِي الْيُسْرِ وَالْعُسْرِ وَالنِّعْمَةِ وَالنِّقْمَةِ وَفِي الرِّحْمَةِ وَفِي الْهَيْدَةِ وَالرِّخَاءِ وَفِي الْعُظِيَّةِ وَالْبَلَاءِ - وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى مَنْ مَّا أَوْدَى بَنِي مِثْلَ ابْنِهِ وَمَا ابْتُلِيَ رَسُولٌ مِثْلَ ابْنِ ابْنِهِ وَلِهَذَا صَارَ رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ وَسَيِّدَ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ (خوشی ورنج اور تنگی و فراخی اور نعمت و عذاب اور رحمت و زحمت اور دکھ و سکھ اور عطا و بلا میں اللہ رب العالمین کی حمد ہے اور صلوٰۃ و سلام ہو اس رسول پر جس کے برابر کسی اور رسول کو ایذا نہیں دی گئی اور نہ اس جیسا کوئی نبی بلا میں مبتلا ہوا ہے اسی واسطے تمام اہل جہان کیلئے رحمت اور اولین و آخرین کے سردار بن گئے۔) اے فرزند ان عزیز! ابتلا کا وقت اگرچہ تلخ و بے مزہ ہوتا ہے لیکن اگر فرصت دیں تو غنیمت ہے تم کو اب فرصت مل گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد بجالا کر اپنے کام میں لگے رہو۔ اور ایک دم بھی فراغت و آرام اپنے لئے پسند نہ کرو اور متین چیزوں میں سے ایک میں ضرور مشغول رہو۔ قرآن مجید کی تلاوت کرو یا لمی قرأت کے ساتھ نماز کو ادا کرو یا کلمہ طیب لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کا تکرار کرتے رہو۔ کلمہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کے ساتھ حق تعالیٰ کے سوا تمام جھوٹے خداؤں اور اپنے نفس کی نفی کرنی چاہئے اور اپنی تمام مرادوں اور مقصدوں کو دفع کرنا چاہئے۔ کیونکہ اپنی مراد کو پیش نظر رکھنا اپنی الوہیت کا دعویٰ کرنا ہے۔ بلکہ سینہ

میں کسی مراد کی گنجائش نہ رہے۔ اور مختلہ میں کوئی ہوس باقی نہ رہے۔ تاکہ بندگی کی حقیقت حاصل ہو۔ اپنی مراد کا طلب کرنا گویا اپنے مولا کی مراد کو دفع کرنا اور اپنے مالک کے ساتھ مقابلہ کرنا ہے۔ اس امر میں اپنے مولیٰ کی نفی اور اپنے مولا بننے کا اثبات ہے۔ اس امر کی برائی اچھی طرح معلوم کر کے اپنی الوہیت کے دعویٰ کی نفی کرو۔ تاکہ تمام ہوا و ہوس سے کامل طور پر پاک ہو جاؤ اور طلب مولیٰ کے سوا تمہاری کوئی مراد نہ رہے۔ یہ مطلب اللہ تعالیٰ کی عنایت سے بلا واسطہ کے زمانہ میں بڑی آسانی سے میسر ہو جاتا ہے اور اس زمانہ کے سوا ہوا و ہوس سد سکندری ہے۔ گوشہ میں بیٹھ کر اس کام میں مشغول رہو کہ اب فرصت نفیست ہے۔ فتنہ کے زمانے میں تھوڑے کام کو بہت اجر کے عوض قبول کر لیتے ہیں اور فتنہ کے زمانہ کے سوا سخت ریاضتیں اور مجاہدے درکار ہیں۔ اطلاع دینا ضروری ہے۔ شاید ملاقات ہو یا نہ ہو۔ یہی نصیحت ہے کہ کوئی مراد و ہوس نہ رہے۔ اپنی والدہ کو بھی اس امر پر اطلاع دے دو اور اسے اس پر عمل پیرا ہونے کی ترغیب دو۔ باقی احوال چونکہ یہ جہان فانی اور گزرنے والا ہے کیا لکھے جائیں۔ چھوٹوں پر شفقت رکھو اور ان کو پڑھنے کی ترغیب دو اور جہاں تک ہو سکے تمام اہل حقوق کو ہماری طرف سے راضی کرو۔ اور ایمان کی سلامتی کی دعا سے مدد و معاون رہو۔ بار بار یہی لکھا جاتا ہے کہ اس وقت کو بیہودہ امور میں ضائع نہ کرو اور ذکر الہی کے سوا کسی کام میں مشغول نہ ہو۔ اب کتابوں کے مطالعہ اور طلباء کے تکرار کا وقت نہیں ہے۔ اب ذکر کا وقت ہے۔ تمام نفسانی خواہشوں کو جو جھوٹے خدا ہیں۔ لا کے نیچے لا کر سب کی نفی کر دو اور کوئی مراد و مقصود سینے میں نہ رہنے دو۔ حتیٰ کہ میری خلاصی بھی جو کہ تمہارے لئے نہایت ضروری ہے۔ تمہاری مراد و مطلوب نہ ہو اور حق تعالیٰ کی تقدیر اور فعل اور ارادہ پر راضی رہو اور کلمہ طیبہ کے اثبات کی جانب سے غیب ہویت کے سوا جو تمام معلومات و مختصات کے وراء الوراہ ہے کچھ نہ رہے۔ حویلی دسرائے و چاہ و باغ اور کتابوں اور دوسری تمام اشیاء کا غم سہل ہے۔ ان میں سے کوئی چیز تمہارے وقت کی مانع نہ ہو اور حق تعالیٰ کی مرضیات کے سوا تمہاری کوئی مراد و مرضی نہ رہے۔ ہم اگر مر جاتے تو یہ چیزیں بھی چلی جاتیں بہتر ہے کہ ہماری زندگی میں چلی جائیں تاکہ کوئی فکر نہ رہے۔ اولیاء نے ان امور کو اپنے اختیار سے چھوڑا ہے ہم حق تعالیٰ کے اختیار سے ان امور کو چھوڑ دیں اور شکر بجالائیں۔ امید ہے کہ مخلصین (فتح لام) میں سے ہو جائیں گے جہاں تم بیٹھے ہو اسی کو اپنا وطن خیال کرو چند روزہ زندگی جہاں گزرے یاد حق میں گزر جائے۔ دنیا کا معاملہ آسان ہے اس کو چھوڑ کر آخرت کی طرف متوجہ رہو اور اپنی والدہ کو تسلی اور آخرت کی ترغیب دو۔ باقی رہے ایک دوسرے کی ملاقات اگر حق تعالیٰ کو منظور ہو تو ہو رہے گی۔ ورنہ اس کی تقدیر پر راضی رہو اور دعا کرو کہ دار السلام میں سب جمع ہوں اور دنیاوی ملاقات کی تلافی کو اللہ تعالیٰ کے کرم سے آخرت کے حوالہ کریں۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ (ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی حمد ہے)۔

مکتوب ۲

کلمہ طیبہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کے معنی کے بیان میں سیادت مآب میر محبت اللہ مالکپوری کی طرف صادر فرمایا ہے:- اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ سَلَامٌ "عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی" (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ یعنی اس خدائے بے مانند کے سوا جو واجب الوجود ہے۔ اور نقص و حدوث کے تمام نشانات سے منزہ و مبرا ہے اور کوئی معبودیت اور الوہیت کا استحقاق نہیں رکھتا کیونکہ عبادت جو کمال ذلت و خضوع اور انکسار سے مراد ہے اس کا مستحق وہی ہو سکتا ہے جس کیلئے تمام کمالات ثابت ہوں اور تمام نقص اس سے مسلوب ہوں اور تمام اشیاء وجود اور توابع وجود میں اس کی محتاج ہوں اور وہ کسی امر میں کسی کا محتاج نہ ہو وہی نفع دینے والا اور وہی ضرر پہنچانے والا ہے اور کوئی شخص اس کے حکم کے بغیر کسی کو نفع و ضرر نہیں پہنچا سکتا۔ ایسی کامل صفتوں والا حق تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں اور ہونا بھی نہ چاہئے کیونکہ اگر کوئی غیر کم و بیش ان صفات کاملہ کے ساتھ متحقق ہو جائے تو وہ غیر نہ ہوگا۔ لِأَنَّ الْغَيْرَيْنِ مُتَمَايِزَانِ وَلَا تُمَایِزُ ثَمَّةُ (کیونکہ دو غیر ایک دوسرے سے جدا جدا ہوتے ہیں اور اس جگہ کوئی تمایز و جدائی نہیں) اور اگر تمایز کے اثبات سے غیریت کو ثابت کریں تو اس کا نقص لازم آتا ہے جو الوہیت و معبودیت کے منافی ہے۔ کیونکہ اگر تمام کمالات اس کیلئے ثابت نہ کریں اور تمایز پیدا ہو تو اس سے بھی نقص لازم آتا ہے ایسے ہی اگر تمام نقائص کو اس سے مسلوب نہ کریں تو بھی نقص لازم آتا ہے اور اگر اشیاء اس کی محتاج نہ ہوں تو ان کی عبادت کا مستحق کس لئے ہوگا اور اگر وہ کسی امر میں کسی شے کا محتاج ہو تو ناقص ہوگا اور اگر نافع و ضار نہ ہوگا تو اشیاء کو اس کی احتیاج نہ ہوگی اور نہ ہی ان کی عبادت کا مستحق ہوگا اور اگر کوئی اس کی اجازت لئے بغیر اشیاء کو نفع و ضرر پہنچا سکے گا تو وہ بیکار رہے گا اور عبادت کا مستحق نہ بنے گا۔ فَلَا يَكُونُ الْجَامِعُ بِهَذِهِ الصِّفَاتِ الْكَامِلَةِ إِلَّا وَاحِدٌ ۝ لَا شَرِيكَ لَهُ وَلَا يَسْتَحِقُّ لِلْعِبَادَةِ إِلَّا هُوَ الْوَاحِدُ الْفَهَّارُ (پس ان صفات کا جامع سوائے واحد تعالیٰ کے اور کوئی نہیں اور نہ ہی کوئی اس واحد قہار کے سوا عبادت کا مستحق ہے)۔

سوال:- ان صفات کا تمایز جیسے کہ ظاہر ہو چکا اگرچہ نقص کا مستلزم ہے جو الوہیت اور معبودیت کے منافی ہے لیکن ہو سکتا ہے کہ وہ غیر اس قسم کی اور صفات رکھتا ہو جو امتیاز کا باعث ہوں اور کوئی نقص لازم نہ آئے اگرچہ ہم ان صفات کو نہ جانیں کہ کیا ہیں۔

جواب:- وہ صفات بھی دو حال سے خالی نہ ہوگی یا صفات کاملہ میں سے ہوگی یا صفات ناقصہ میں سے۔ بہر صورت محدود و مذکور لازم ہے اگرچہ ہم ان صفات کو خاص طور پر نہ جانیں کہ کیا کیا ہیں۔ مگر اتنا تو معلوم ہے کہ دائرہ کمال و نقصان سے خارج نہیں ہیں اس صورت میں بھی نقص دامن گیر ہوگا جیسے کہ گزر چکا۔

دوسری دلیل حق تعالیٰ کے غیر کی معبودیت کے عدم استحکام پر یہ ہے۔ کہ جب حق تعالیٰ اشیاء کی وجودی ضروریات اور توابع وجودی میں کافی ہے اور اشیاء کا نفع و ضرر حق تعالیٰ سے وابستہ ہے۔ تو دوسرا محض بیکار اور لاحاصل ہو گا اور اشیاء کو اس کی طرف کوئی حاجت نہ ہو گی۔ پھر عبادت کا استحقاق اس کے لئے کہاں سے پیدا ہو گا اور اشیاء ذلت و انکسار و خضوع سے کیوں اس سے پیش آئیں گی۔ کفار بدکردار حق تعالیٰ کے غیر کی عبادت کرتے ہیں اور اپنے ہاتھوں کے بنائے ہوئے بتوں کو اپنا معبود بناتے ہیں۔ اس خیال فاسد سے کہ یہ بت حق تعالیٰ کے نزدیک ان کے شفیع ہو گئے اور ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی جناب میں قرب پائیں گے ان بیوقوفوں نے کہاں سے معلوم کیا ہے۔ کہ ان کو شفاعت کا مرتبہ حاصل ہو گا اور حق تعالیٰ ان کو شفاعت کا اذن دیگا۔ صرف وہم ہی سے کسی کو عبادت میں حق تعالیٰ کا شریک بنانا نہایت ہی خوار اور رسوائی کا موجب ہے عبادت آسان امر نہیں کہ ہر سنگ و جماد کے لئے کی جائے اور اپنے آپ سے عاجز اور کمتر کو عبادت کا مستحق تصور کیا جائے۔ الوہیت کے معنی کے بغیر عبادت کا استحقاق متصور نہیں جو الوہیت کی صلاحیت رکھتا ہے۔ وہی عبادت کا مستحق ہے اور جس میں یہ صلاحیت نہیں یہ استحقاق بھی نہیں اور الوہیت کی صلاحیت وجود پر وابستہ ہے جو وجود وجود نہیں رکھتا ہے۔ الوہیت کے لائق اور عبادت کا مستحق نہیں۔ عجب بیوقوف ہیں کہ وجوب وجود میں تو کسی کو حق تعالیٰ کا شریک نہیں جانتے لیکن عبادت میں بہت سے شریک ثابت کرتے ہیں یہ نہیں جانتے کہ وجوب وجود عبادت کے استحقاق کی شرط ہے جب وجوب وجود میں شریک نہیں۔ تو عبادت کے استحقاق میں شریک نہ ہو گا۔ عبادت کے استحقاق میں شریک بنانا گویا وجوب وجود میں بھی شریک بنانا ہے۔ پس اس کلمہ طیبہ کے تکرار سے وجوب وجود کے شریک کی نفی کرنی چاہئے اور استحقاق عبادت کے شریک کی بھی بلکہ اس راہ میں زیادہ ضروری استحقاق عبادت کے شریک کی نفی ہے۔ جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی دعوت کے ساتھ مخصوص ہے۔ کیونکہ مخالف لوگ بھی جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مذہب پر نہیں ہیں۔ دلائل عقلیہ سے وجوب وجود کے شریک کی نفی کرتے ہیں اور واحد جل شانہ کے سوا کسی کو واجب الوجود نہیں جانتے لیکن استحقاق عبادت کے معاملہ سے غافل ہیں اور استحقاق عبادت کے شریک کی نفی سے فارغ ہیں۔ غیر کی عبادت سے پرہیز کرتے نہیں اور دیوبت خانہ کی عمارت میں سستی نہیں کرتے۔ وہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہی ہیں جو بت خانہ کو گراتے اور غیر کی عبادت کے استحقاق کو رفع کرتے ہیں۔ مشرک ان بزرگواروں کی زبان پر وہ شخص ہے۔ جو حق تعالیٰ کے غیر کی عبادت میں گرفتار ہے۔ اگرچہ وجوب وجود کے شریک کی نفی کا قائل ہو۔ کیونکہ ان کا اہتمام ماسوائے حق کی عبادت کی نفی میں ہے۔ جو عمل و معاملہ سے تعلق رکھتا ہے اور اس میں وجوب وجود کے شریک کی بھی نفی ہے پس جب تک ان بزرگواروں کے شرائع کے ساتھ جن میں ماسوا اللہ کے استحقاق عبادت کی نفی ہے۔ متحقق نہ ہوں شرک

سے نہیں بچ سکتے اور آفاقی و انفسی خداؤں کی عبادت کے شرک سے نجات نہیں ملتی کیونکہ انبیاء کی شرائع اسی مطلب کے متکفل ہیں بلکہ ان کی بعثت سے مقصود ہی اس دولت کا حاصل ہونا ہے ان بزرگواروں کی شرائع کے بغیر توحید حاصل نہیں ہوتی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُشْرَكَ بِهٖ (اللہ تعالیٰ شرک نہیں بخشتا) آیت کریمہ سے مراد وہی ہے جو اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ ممکن ہے کہ اس سے مراد یہ بھی ہو کہ شرائع کے عدم التزام کو نہیں بخشتے گا۔ کیونکہ شرائع کا عدم التزام شرک کیلئے لازم ہے۔ پس اس آیت میں ملزوم کو ذکر کے کے لازم مراد لیا ہے۔ اس بیان سے یہ وہم بھی دور ہو جاتا ہے جو کہتے ہیں کہ جس طرح شرک نہیں بخشا جاتا۔ باقی تمام شریعات کا انکار بھی نہیں بخشا جائے گا تو پھر شرک کی تخصیص کی کیا وجہ ہے اور ہو سکتا ہے کہ اَنْ يُشْرَكَ بِهٖ کے معنی اَنْ يُكْفَرَ بِهٖ (یہ کہ اس کے ساتھ کفر کیا جائے) کے ہوں۔ کیونکہ شرائع کا انکار اللہ تعالیٰ کا کفر و انکار ہے۔ پس نہ بخشا جائے گا اور شرک اور کفر کے درمیان خصوص و عموم کا علاقہ ہے۔ یعنی شرک مطلق کفر میں سے خاص کفر ہے۔ پس خاص ذکر کر کے عام مراد لیا ہے۔ اس صورت میں بھی یہ وہم رفع ہو جاتا ہے کہ جس طرح شرک نہیں بخشا جائے گا۔ باقی تمام شریعات کا انکار بھی نہیں بخشا جائے گا۔ پھر کفر کی تخصیص کی کیا وجہ ہے۔ جاننا چاہئے کہ حق تعالیٰ کے غیر کیلئے عبادت کا عدم استحقاق بدیہی ہے۔ ورنہ کم از کم حدی تو ضرور ہے۔ کیونکہ جو شخص عبادت کے معنی کو اچھی طرح سمجھے اور حق تعالیٰ کے غیر میں بھی اچھی طرح غور کرے وہ بے توقف غیر کیلئے عبادت کے عدم استحقاق کا حکم کر دیتا ہے۔ وہ مقدمات جو اس معنی کے بیان میں لائے جاتے ہیں۔ سب کے سب تنبیہات کی قسم سے ہیں جو بدیہیات پر دلالت کرتے ہیں۔ ان مقدمات پر نقض و مناقضہ اور معارضہ کا وارد کرنا مناسب نہیں۔ نور ایمان ہونا چاہئے۔ تاکہ فراست کے ساتھ ان مقدمات کو سمجھیں۔ بہت سے بدیہی امور اس قسم کے ہیں جو نادانوں اور بے سمجھوں پر پوشیدہ رہے ہیں اسی طرح ان لوگوں پر بھی جو باطنی امراض میں گرفتار ہیں۔ جلی اور خفی بدیہیات یعنی ظاہری اور باطنی بدیہی امر پوشیدہ ہیں۔

سوال:- مشائخ طریقت کی عبارات میں واقع ہے کہ جو کچھ تیرا مقصود ہے وہی تیرا معبود ہے اس

عبارت کے معنی کیا ہیں اور وہ وجہ جو صداقت رکھتی ہے کونسی ہے؟

جواب:- شخص کا مقصود وہی ہوتا ہے جس کی طرف اس کی توجہ ہوتی ہے اور وہ شخص جب تک

زندہ ہے اس مقصود کے حاصل کرنے سے پیچھے نہیں ہٹتا اور ہر طرح کی ذلت و خواری اور انکسار جو اس کے حاصل ہونے میں پیش آتی ہے۔ برداشت کرتا ہے اور کسی طرح سستی نہیں کرتا یہی معنی عبادت میں مقصود ہے۔ جس میں کمال ذلت و انکسار پائی جاتی ہے اس سے ثابت ہوا کہ شے کا مقصود اس شے کا معبود ہوتا ہے۔ پس حق تعالیٰ کے غیر کے معبود ہونے کی نفی اس وقت ثابت ہوتی ہے جبکہ حق تعالیٰ کا

غیر مقصود نہ رہے اور حق تعالیٰ کے سوا کوئی اس کی مراد نہ ہو۔ اس دولت کے حاصل ہونے کیلئے سالک کے حال کے مناسب کلمہ طیبہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کے معنی لَا مَقْصُودَ إِلَّا اللَّهُ کے ہیں۔ اس کلمہ کا اس قدر تکرار کرنا چاہئے کہ غیر کی مقصودیت کا نام و نشان تک نہ رہے۔ اور حق تعالیٰ کے سوا اس کی کچھ مراد نہ ہو۔ تاکہ غیر کی معبودیت کی نفی میں صادق ہو اور بیشمار خداؤں کے رفع کرنے میں سچا ہو۔ بیشمار خداؤں اور غیر کی مقصودیت اور معبودیت کی اس قسم کی نفی کرنا کمال ایمان کی شرط ہے جو ولایت سے وابستہ ہے اور ہوائی خداؤں کی نفی کے متعلق ہے۔ جب تک نفس مطمئنہ نہ ہو جائے تب تک یہ مطلب حاصل نہیں ہوتا اور نفس کا مطمئن ہونا کمال فناء و بقا کے بعد متصور ہے۔ ظاہر شریعت غرامیں جو آسانی اور سہولت اور بندوں کے (جو ضعیف پیدا کئے گئے ہیں) حرج و نقصان کے رفع کرنے کی خبر دیتی ہے۔ یہ ہے کہ اگر مقصود کے حاصل کرنے میں نعوذ باللہ شریعت کی متابعت کو چھوڑ دے اور اس کے حاصل کرنے میں حدود شرعیہ سے تجاوز کرے تو وہ مقصود اس کا معبود اور خدا ہو گا اور اگر وہ مقصود ایسا نہ ہو اور اس کی تحصیل و حصول میں منکرات شرعیہ کا ارتکاب نہ کرے۔ وہ مقصود شرعی طور پر ممنوع نہ ہو گا گویا وہ مقصود اس کے مقاصد سے نہیں اور وہ مطلوب اس کے مطالب سے نہیں بلکہ اس کا مقصود درحقیقت حق تعالیٰ ہے اور اس کا مطلوب حق تعالیٰ کے اوامر و نواہی۔ اس نے اس شے مقصود کے ساتھ میلان طبعی سے زیادہ تعلق پیدا نہیں کیا اور وہ بھی احکام شرعیہ کا مغلوب ہے اور حقیقت شریعت میں جو کمال ایمان پر دلالت کرتی ہے غیر کی مقصودیت کے مادہ کی بے مکنی مطلوب ہے۔ کیونکہ غیر کی مقصودیت کی تجویز میں حق تعالیٰ کی مقصودیت کا معارضہ ہے۔ اکثر اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ نفسانی ہوا و ہوس کے غلبہ کی امداد و اعانت سے غیر کی مقصودیت حق تعالیٰ کی مقصودیت کا معارضہ پیدا کر لیتی ہے بلکہ حق تعالیٰ کی مرضیات کے حاصل ہونے پر اس کے حاصل ہونے کو اختیار کر لیتا ہے اور ہمیشہ کا خسارہ پالیتا ہے پس غیر کی مقصودیت کی نفی مطلق طور پر ایمان کے کامل ہونے میں ضروری ہے تاکہ زوال و رجوع سے مامون و محفوظ ہو۔ ہاں بعض صاحب دولتوں کو ارادہ کی نفی اور اختیار کے رفع کرنے کے بعد صاحب ارادہ اور صاحب اختیار بنادیتے ہیں اور ارادہ جزئیہ کو اس سے مسلوب کر کے کلی ارادہ اور اختیار کا صاحب بنادیتے ہیں۔ اس معنی کی تحقیق کسی اور مکتوب میں کی جائے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ رَبَّنَا أَنْتُمْ لَنَا نُورٌ نَا وَغَفِرْ لَنَا إِنَّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (یا اللہ تو ہمارے نور کو کامل کر اور ہمیں بخش۔ تو ہر چیز پر قادر ہے) وَالسَّلَامُ عَلَى مَنْ اتَّبَعَ الْهُدَى وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفَى عَلَيْهِ وَعَلَى جَمِيعِ الْأَنْبِيَاءِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّحِيَّاتُ وَالتَّسْلِيمَاتُ وَالْبَرَكَاتُ أَتَمُّهَا وَأَكْمَلُهَا (سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی اور حضرت محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کو لازم پکڑا)۔

مکتوب ۴

آیت کریمہ لَا يَمْسُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ کی تاویل میں سیادت و ارشاد پناہ میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا ہے: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّهُ لَفَرَّانٌ كَرِيمٌ فِی كِتَابٍ مَّكْتُوبٍ لَا يَمْسُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ (بیشک یہ قرآن کریم ہے پوشیدہ کتاب میں لکھا ہوا ہے۔ اس کو ہاتھ نہیں لگاتے مگر پاک لوگ) آیت کریمہ کی مراد اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ وہ رمز جو اس مقام میں فقیر کے فہم قاصر میں آئی ہے یہ ہے کہ قرآنی پوشیدہ اسرار کو ہاتھ نہیں لگاتے۔ مگر وہ لوگ جو تعلقات بشریت کی آلودگی سے پاک ہو گئے ہوں۔ جب قرآنی اسرار کا مس کرنا پاک لوگوں کے نصیب ہو۔ تو پھر اوروں کا کیا حال ہے۔ دوسری رمزیہ کہ قرآن کو نہ پڑھیں۔ مگر وہ لوگ جن کے نفس ہو اوہوس سے پاک ہو گئے ہوں اور شرک جلی، خفی اور نفسی، آفاقی خداؤں سے صاف ہو گئے ہوں۔ اس کا بیان یہ ہے مبتدی سلوک کے حال کے مناسب ذکر اور ماسوائے مذکور کی نفی ہے۔ یہاں تک کہ ماسوی کچھ نہ رہے اور حق تعالیٰ کے سوا اس کی کچھ مراد نہ ہو اور اگر تکلف کے ساتھ بھی اس کو اشیاء یاد دلائیں تو اس کو یاد نہ آئیں جب ایسا حال ہو جاتا ہے۔ تو شرک سے پاک اور نفسی اور آفاقی خداؤں سے آزاد ہو جاتا ہے اس وقت لائق ہے۔ کہ ذکر کی بجائے قرآن کی تلاوت کرے اور تلاوت کی بدولت مدارج حاصل کرے۔ اس مذکورہ حالت کے حاصل ہونے سے پہلے قرآن مجید کی تلاوت ابرار کے اعمال میں داخل ہے اور اس حالت کے حاصل ہونے کے بعد تلاوت قرآن مجید مقربین کے اعمال میں شمار ہوتی ہے۔ جیسے کہ ذکر کرنا اس نسبت کے حاصل ہونے سے پہلے مقربین کے اعمال میں گنا جاتا تھا۔ ابرار کے اعمال عبادات کی قسم سے ہیں اور مقربین کے اعمال تفکرات کی قسم سے آپ نے تَفَكُّرُ سَاعَةٍ خَيْرٌ مِنْ عِبَادَةِ سَنَةٍ اَوْ سَبْعِينَ سَنَةً (ایک ساعت کا تفکر ایک سال کی عبادت سے بہتر ہے) سنا ہو گا۔ تفکر کے معنی باطل سے حق کی طرف جانے کے ہیں۔ جس قدر فرق ابرار و مقربین کے درمیان ہے اسی قدر فرق عبادت و تفکر کے درمیان ہے جاننا چاہیے۔ کہ مبتدی کا وہ ذکر جو مقربین کے اعمال میں شمار ہوتا ہے۔ وہ ہے جو اس نے شیخ کامل مکمل سے حاصل کیا ہو اور اس کا مقصود سلوک طریقت ہو۔ ورنہ ذکر بھی ابرار کے اعمال میں گنا جاتا ہے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ اَلْمُنْهَدِي لِلصَّوَابِ۔ (اللہ تعالیٰ ہی بہتری کی طرف الہام کرنے والا ہے) وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اَتْبَعَ الْهُدٰی وَالتَّزَمَ مُتَابِعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْهِ وَ عَلٰی اِلٰهِ الصَّلٰوٰتِ وَ التَّسْلِيْمٰتِ اَتَمَّهَا وَ اَكْمَلَهَا (سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی متابعت کو لازم پکڑا)۔

مکتوب ۵

حضرت ایشاں مدظلہ العالی کے ان بعض خاص خاص احوال و ذوق کے بیان میں جو بعض درد و الم

کے ذریعے ظاہر ہوئے۔ سیادت و ارشاد پناہ میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا ہے:- اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) پوشیدہ نہ رہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ کی عنایت سے اس عنایت نے حق تعالیٰ کے جلال و غضب کی صورت میں تجلی نہ فرمائی اور قید خانہ کے قفس میں قید نہ ہوا۔ تب تک ایمان شہودی کے تنگ کوچہ سے کلی طور پر نہ نکلا اور ظلال و خیال و مثال کے کوچوں سے پورے طور پر نہ نکلا۔ ایمان بالغیب کے شاہراہ میں مطلق العنان ہو کر نہ دوڑا اور حضور سے غیب کے ساتھ اور عین سے علم کے ساتھ اور شہود سے استدلال کے ساتھ کامل طور پر نہ ملا اور ذوق کامل اور وجدان بالغ کے ساتھ دوسروں کے ہنر کو عیب اور ان کے عیب کو ہنر نہ معلوم کیا۔ بے ننگی و بے ناموسی کے خوشگوار شربت اور رسوائی اور خواری کے مزہ دار مرے نہ چکھے اور خلق کے طعن و ملامت کے جمال سے حظ نہ پایا اور لوگوں کے بلا و جفاء کے حسن سے محفوظ نہ ہوا اور کَالْمِیْتِ بَيْنَ یَدَیْ الْغَسَّالِ کی طرح ہو کر کلی طور پر اپنے ارادہ و اختیار کو ترک نہ کیا اور آفاقی و انفسی تعلقات کے رشتہ کو کامل طور پر نہ توڑا اور تضرع و التجائبات و استغفار اور ذلت و انکسار کی حقیقت حاصل نہ ہوئی اور حق تعالیٰ کے استغنا کی رفیع الشان بارگاہ کو جس کے گرد عظمت و کبریا کے پردے تنے ہوئے ہیں۔ مشاہدہ نہ کیا اور اپنے آپ کو بندہ خوار دراز و ذلیل و بے اعتبار و بے ہنر و بے طاقت اور کامل محتاج اور فقیر معلوم نہ کیا۔ وَمَا اَبْرَأُ نَفْسِیْ اِذَا النَّفْسُ لَا مَارَہُ بِالْسُّوءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (میں اپنے نفس کو پاک نہیں کرتا۔ نفس برائی کی طرف امر کرنے والا ہے۔ مگر جس پر اللہ تعالیٰ نے رحمت کی۔ بیشک میرا رب بخشنے والا اور مہربان ہے) اگر محض فصل سے حق تعالیٰ کے فیوض و واردات اور اس کے لامتناہی عطیات و انعامات پہ در پے اس محنت کدہ میں اس شکستہ دل کے شامل حال نہ ہوتے۔ تو نزدیک تھا۔ کہ معاملہ ناامیدی تک پہنچ جاتا اور امید کا رشتہ ٹوٹ جاتا۔ اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے اس فقیر کو عین بلا میں عافیت دی اور نفس جفا میں کرم فرمایا اور سختی کی حالت میں احسان کیا اور رنج و خوشی میں شکر کی توفیق دی اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے تابعداروں اور اولیائے کرام علیہم الرحمۃ والرضوان کے قدم بقدم چلنے والوں اور علماء و صلحا کے محبوبوں میں سے بنایا۔ صَلَوَاتُ اللّٰہِ سُبْحَانَهُ وَ تَسْلِیْمَاتُہُ عَلٰی الْاَنْبِیَاءِ اَوَّلًا وَ عَلٰی مُصَدِّقِہِمُ ثَانِیًا (اول انبیاء پر اور پھر ان کی تصدیق کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے صلوٰۃ و سلام ہو)۔

مکتوب ۶

اس بیان میں کہ محبوب کا رنج اس کے انعام سے اور اس کا جلال اس کے جمال سے زیادہ محبوب ہوتا ہے:- معارف آگاہ شیخ بدیع الدین کی طرف صادر فرمایا ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) آپ کا صحیفہ شریفہ جو شیخ

فتح اللہ کے ہمدست ارسال کیا ہے تھا پہنچا۔ آپ نے خلق کی جفا و ملامت کے بارہ میں جو لکھا تھا۔ یہ خود اس گروہ کا جمال اور ان کے زنگار کا صیقل ہے۔ پھر قبض و کدورت کا باعث کیوں ہو۔ ابتداء حال میں جب فقیر اس قلعے میں پہنچا۔ تو محسوس ہوتا تھا۔ کہ خلق کی ملامت کے انوار شہروں اور گاؤں سے نورانی بادلوں کی طرح پے در پے برس رہے ہیں اور کام کو پستی سے بلندی کی طرف لے جا رہے ہیں۔ سالوں تک جمالی تربیت کے ساتھ مراحل قطع کرتے رہے۔ اب جو جلالی تربیت کے ساتھ قطع مسافت کرنے لگے ہیں۔ تو صبر بلکہ رضا کے مقام میں رہیں اور جمال و جلال کو برابر جانیں۔ آپ نے لکھا تھا کہ فتنہ کے ظاہر ہونے کے وقت نہ ذوق رہا ہے نہ حال چاہئے تھا کہ ذوق و حال دگنا ہوتا۔ کیونکہ محبوب کی جفا اس کی وفا سے زیادہ لذت دیتی ہے۔ آپ کو کیا ہو رہا ہے۔ کہ عام لوگوں کی طرح باتیں کر رہے ہیں اور محبت ذاتیہ سے دور نکل گئے ہیں۔ برخلاف گذشتہ کے آپ جلال کو جمال سے زیادہ خیال کریں اور درد و الم کو انعام سے زیادہ تصور کریں۔ کیونکہ جمال اور انعام میں محبوب کی مراد اپنی مراد کے ساتھ ملی ہوئی ہوتی ہے اور جلال و ایلام میں خالص محبوب کی ہی مراد ہے اور اپنی مراد کے برخلاف ہے۔ وقت و حال سے مراد اس جگہ سابقہ وقت و حال کے ماسواء ہے۔ مَثْنَانِ مَا بَيْنَهُمَا (ان دونوں میں بہت فرق ہے) آپ نے حرمین شریفین کی زیارت کے بارہ میں لکھا تھا۔ کیا مانع ہے حَسْبُنَا اللَّهُ وَنَعْمَ الْوَكِيلُ (کافی ہے ہم کو اللہ تعالیٰ اور وہی اچھا وکیل ہے)۔

مکتوب ۷

خلق کی ایذا برداشت کرنے کے بیان میں سیادت پناہ میر محبت اللہ مانگپوری کی طرف صادر فرمایا ہے۔ حمد و صلوة اور تبلیغ دعوات کے بعد واضح ہو کہ سیادت پناہ برادر م میر محبت اللہ کا صحیفہ شریفہ پہنچا۔ بڑی ہی خوشی ہوئی۔ خلق کی ایذا کی برداشت کرنے اور نزدیکی رشتہ داروں کی جفا پر صبر کرنے سے چارہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کو امر کرتے ہوئے فرماتا ہے۔ وَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُو الْعِزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَهُمْ (صبر کر جس طرح اولو العزم پیغمبروں نے صبر کیا ہے اور ان کے واسطے جلدی نہ کر) اس مقام کی سکونت میں نمک یہی ایذا و جفا ہے لیکن آپ اس نمک سے بھاگتے ہیں۔ ہاں شکر کا پلا ہوا نمک کی تاب نہیں لاسکتا۔ آپ یاد رکھیں۔

ہر کہ عاشق شد اگرچہ نازنین عالم است ناز کی کے راست آید نازی باید کشید

ترجمہ جو ہوا عاشق نزاکت اس کو پھر پھتی نہیں

گرچہ عاشق حسن میں ہو خود جہاں کا نازنین

آپ نے لکھا تھا۔ کہ اگر اجازت ہو جائے۔ تو الہ آباد میں منزل اختیار کروں۔ بیشک آپ وہاں منزل مقرر کر لیں۔ تاکہ وہاں کی جفا کی افراط سے چھوٹ کر کوئی دم آرام سے بسر کریں۔ لیکن یہ

رخصت کا طریق ہے اور عزیمت کا طریق یہی ہے۔ کہ آپ ایذا پر صبر و تحمل فرمائیں۔ اس موسم میں فقیر پر ضعف غالب ہے۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہی ہے۔ اس لئے چند کلموں پر کفایت کی گئی۔ والسلام۔

مکتوب ۸

غیب کی اصلی ہونے اور شہود کے ظنی ہونے کے بیان میں حقائق آگاہ مولانا محمد صدیق کی طرف تحریر فرمایا ہے۔ اے محبت کے نشان والے۔ غیب شہود کے مقابل ہے۔ جو ظلیت کی آمیزش رکھتا ہے اور غیب اس آمیزش سے پاک ہے۔ اس لئے شہود سے اکمل ہو گا۔ لیکن جب حضرت سید البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام شب معراج میں رویت سے مشرف ہوئے ہوں۔ جو ظلال کے پردوں سے وراء الوراء ہے اور ظلیت کی آمیزش سے پاک و صاف ہے۔ تو پھر آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حق میں غیب رویت سے اکمل کیوں ہو۔ کیونکہ ظلیت کے رفع ہونے کے لئے غیب کی کیا ضرورت ہے۔ یہ دولت (یعنی شہود) وہ ہے جو حضرت سید الکوین علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام ہی کے ساتھ مخصوص ہے اور آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کامل تابعداروں کو تبعیت اور وراثت کے طور پر اس مقام سے حصہ حاصل ہے۔ جس طرح رویت نہیں شہود و مشاہدہ بھی نہیں اور اس مقام کی تعبیر غیب کے ساتھ کرنی بہتر ہے۔ اس مقام کی تفصیل کی نہیں جاسکتی۔ ہر ایک اپنی اپنی سمجھ و دریافت کے مطابق دریافت کر لے گا۔ لیکن وہ اس سے بھی وراء الوراء ہے اور سوائے اقل قلیل کے کسی کو اس مقام سے حصہ حاصل نہیں۔ والسلام۔

مکتوب ۹

آیت کریمہ مَا اتَّكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ اٰلُح کے بیان میں سیادت و ارشاد پناہ میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا ہے۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿۱﴾ قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی مَا اَتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَنْهَاكُمْ عَنْهُ فَاَنْتَهُوْا وَاَتَقُوْا اللّٰهَ (جو کچھ رسول تمہارے پاس لے آئے اس کو پکڑ لو اور جس سے تم کو منع کرے اس سے ہٹ جاؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو) اوامر کے بجالانے اور منہیات سے ہٹ جانے کے بعد تقویٰ کا ذکر کرنا اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ منہیات سے ہٹ رہنا زیادہ ضروری ہے۔ کیونکہ یہی تقویٰ کی حقیقت ہے۔ جو دین کا اصل مقصود ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ مَلَاكٌ دِیْنُكُمْ الْوَرَعُ (تمہارے دین کا اصل مقصود ورع ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوسری جگہ فرمایا ہے لَا تَعْدِلْ بِالرِّعَةِ شَيْئًا (رعۃ یعنی ورع کے برابر کوئی شے نہیں) اور اس کے زیادہ ضروری اور مہتمم بالشان ہونے کی وجہ یہ ہے کہ منہیات سے ہٹ جانا وجود میں اعلیٰ اور نفع میں زیادہ ہے۔ کیونکہ یہ اوامر کے بجالانے کے ضمن میں بھی پایا جاتا ہے اس لئے کہ کسی امر کا بجالانا گویا اس کی ضرر سے ہٹ جانا ہے اور یہ ظاہر ہے۔ لیکن انتہا یعنی منہیات سے ہٹ جانے کا عموم کی جہت کے سوا کثیر النفع ہونا اس لئے ہے کہ اس میں محض نفس کی مخالفت ہے اور اس میں نفس کی کوئی لذت نہیں۔

برخلاف امثال اوامر کی صورت کے۔ کہ اس میں اکثر نفس کی ذلت بھی ہوتی ہے اور جس میں نفس کی زیادہ مخالفت ہو۔ کچھ شک نہیں کہ اس کا نفع بھی زیادہ ہو گا اور نجات کے لئے سب سے زیادہ اقرب راستہ ہو گا۔ کیونکہ تکلیفات شرعیہ کا اصلی مقصود نفس کا مغلوب کرنا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی مخالفت و عداوت میں قائم رہتا ہے۔ حدیث قدسی میں وارد ہے عَادِ نَفْسَكَ فَإِنَّهَا اِنتَصَبَتْ بِعَدَاوَتِي (اپنے نفس کو دشمن جان کیونکہ وہ میری عداوت پر قائم ہے) پس مشائخ کے طریقوں میں سے جس طریقہ میں احکام شریعہ کی زیادہ رعایت ہو گی۔ وہ تمام وصول الی اللہ طریقوں میں سے زیادہ اقرب ہو گا۔ کیونکہ اس میں نفس کی زیادہ مخالفت ہے اور وہ طریقہ عالیہ نقشبندیہ ہے۔ اسی واسطے ہمارے سردار اور قبلہ شیخ بہاؤ الدین نقشبند قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ میں نے ایک ایسا طریقہ وضع کیا ہے جو نفس کے زیادہ مخالف ہونے کے باعث تمام وصول الی اللہ طریقوں سے اقرب ہے۔ اس طریقہ میں شریعت کی زیادہ رعایت و انا منصف اور دوسرے مشائخ کے طریقوں میں غور کرنے والے آدمی پر پوشیدہ نہیں ہے۔ فقیر نے اس مضمون کو اپنے مکتوبات و رسائل میں مفصل اور واضح طور پر بیان کیا ہے۔ جس کا دل چاہے وہاں سے دیکھ لے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ اَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْحَالِ وَهُوَ سُبْحَانَهُ حَسْبِيْ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ (حقیقت حال کو اللہ تعالیٰ ہی زیادہ جانتا ہے۔ وہی مجھے کافی ہے اور وہی اچھا کار ساز اور وکیل ہے) وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّآلِهِ وَصَحْبِهِ وَسَلَّمَ وَبَارَكَ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اَتَّبَعَ الْهُدٰی (اور سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی)۔

مکتوب ۱۰

آیت کریمہ وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَإِنِّيْ قَرِيبٌ کی تفسیر میں سیادت و ارشاد پناہ میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا ہے: - اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَإِنِّيْ قَرِيبٌ (جس وقت میرے بندے میری نسبت تجھ سے سوال کریں تو میں قریب ہوں) حق تعالیٰ کا قرب اگرچہ بچوں و بچکوں ہے۔ لیکن وہم کی وہاں تک گنجائش ہے۔ وہ حق تعالیٰ کی اقربت ہی ہے جو وہم کے احاطہ سے خارج اور خیال کے دائرہ سے باہر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرب دان بہت ہیں اور اقربت دان کم۔ قرب کی نہایت اتحاد کے حاصل ہونے تک ہے۔ اگرچہ اتحاد بھی وہاں صرف وہم ہی وہم میں ہے۔ لیکن اقربت اتحاد سے آگے ہے۔ قرب کی جانب میں اگرچہ عقل اپنے آپ سے زیادہ نزدیک کو بعید تصور کرتی ہے۔ لیکن یہ عقل کی کوتاہ نظری ہے جس نے دور بینی کی عادت کر لی ہے اور اپنے آپ سے زیادہ نزدیک کو پا نہیں سکتی۔ والسلام۔

مکتوب ۱۱

انسان کی جامعیت کے بیان میں جو عالم امر اور عالم خلق کے دس اجزاء سے مرکب ہے اور عرش مجید پر قلب انسان کی ترجیح کے بیان میں سیادت پناہ میر شمس الدین خلخالی کی طرف صادر فرمایا ہے:-
 الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) آدمی ایک ایسا نسخہ جامع ہے جو اجزاء عشرہ یعنی اربعہ عناصر اور نفس ناطقہ اور قلب و روح دوسر و خفی و غلی سے مرکب ہے اور دوسرے قوی و جوارح و اعضاء جو انسان میں ہیں انہی اجزاء میں شامل ہیں۔ یہ اجزاء ایک دوسرے کے متضاد اور مخالف ہیں اربعہ عناصر کا ایک دوسرے کی ضد ہونا تو ظاہر ہے۔ اسی طرح عالم خلق اور عالم امر کی ضدیت بھی معلوم ہے اور عالم امر کے پنجگانہ لطائف میں سے ہر ایک الگ الگ امر کے ساتھ مخصوص ہے اور علیحدہ علیحدہ کمال کی طرف منسوب ہے اور نفس ناطقہ خود اپنی خواہش و ہوا کا طالب ہے غرض ان میں کوئی بھی دوسرے کے ساتھ نہیں ملتا۔ حق تعالیٰ کی عنایت نے اپنی قدرت کاملہ کے ساتھ ہر ایک کی سرعت یعنی تیزی اور غلبہ کو توڑ کر جمع فرمایا ہے اور ایک کو خاص مزاج اور ہیئت و حدانی عطا فرمائی ہے۔ مزاج خاص اور ہیئت و حدانی عطا فرما کر اپنی حکمت بالغہ سے اس کو ایسی صورت بخشی ہے جو اجزاء متضادہ متفرقہ کی حفاظت کر سکے۔ اس مجموعہ کو انسان کے ساتھ مسکن کر کے جامعیت اور ہیئت و حدانی کے حاصل ہونے کے اعتبار سے خلافت کے شرف استعداد سے مشرف فرمایا ہے۔ یہ خلافت کی دولت انسان کے سوا کسی اور کو میسر نہیں ہوئی۔ عالم کبیر اگرچہ بڑا ہے۔ لیکن جامعیت سے خالی اور ہیئت و حدانی سے بے نصیب ہے یہ ماجر اتمام افراد انسانی میں ثابت ہے اور تمام خاص و عام انسان اس میں شریک ہیں۔

جاننا چاہے کہ عالم کبیر کے اجزاء میں سے زیادہ اشرف جزو عرش مجید ہے اور تجلّی جو اس کے ساتھ مخصوص ہے۔ دوسرے تمام اجزاء کی تجلیات سے برتر ہے۔ کیونکہ وہ تجلی جامع ہے اور وہ ظہور و جوہی اسماء و صفات کا جمع کرنے والا ہے۔ نیز وہ تجلّی دائمی ہے۔ پوشیدگی کی گنجائش نہیں رکھتی اور انسان کامل کا قلب جو عرش کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے اور اس کو عرش اللہ بھی کہتے ہیں۔ اس تجلّی عرشی سے نصیب وافر اور حظ کامل رکھتا ہے۔ حاصل کلام یہ کہ تجلی عرشی کلی ہے اور تجلّی قلبی جزئی لیکن قلب میں ایک اور زیادتی ہے جو عرش میں نہیں اور وہ متجلی یعنی جلوہ گر ہونے والے کا شعور ہے اور نیز قلب ایک ایسا مظہر ہے جو اپنے ظاہر کے ساتھ گرفتاری رکھتا ہے۔ برخلاف عرش کے جو اس گرفتاری سے خالی ہے۔ اسی شعور اور گرفتاری کے باعث قلب کی ترقی ممکن بلکہ واقع ہے اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ (آدمی اس کے ساتھ ہے جس سے اس کو محبت ہے) کے موافق قلب اسی کے ساتھ ہے جس کے ساتھ وہ گرفتاری رکھتا ہے اور جس کی محبت پر فریفتہ ہے۔ اگر اسماء و صفات کا محبت ہے تو اسماء و صفات کے ساتھ ہے اور اگر ذات

تعالیٰ و تقدس کا محبت ہے۔ تو وہاں کی معیت اس کو حاصل ہے اور اسماء و صفات کی گرفتاری سے آزاد ہے۔
برخلاف عرش مجید کے کہ اسماء و صفات ہے خالی تجلی اس کے حق میں غیر واقع ہے۔ وَالسَّلَام

مکتوب ۱۲

تضرع و نیاز اور ذکر اور قرآن کی تلاوت اور نماز میں طول قنوت یعنی قیام کے
فائدوں میں سیادت پناہ میر محمد نعمان کی طرف۔ صادر فرمایا ہے۔

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ
بندوں پر سلام ہو) برادر م سیادت پناہ کا صحیفہ شریفہ پہنچا۔ بڑی خوشی ہوئی۔ آپ نے لکھا تھا کہ حق
تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا اور تضرع اور زاری اور دوام التجا بہتر ہے۔ یاد کر کرنا یہ سب کچھ ذکر کے ساتھ
ملا ہوا بہتر ہے۔ میرے عزیز ذکر کرنا ضروری ہے۔ اس کے ساتھ جو کچھ جمع ہو جائے دولت و نعمت
ہے۔ وصول کا مدار ذکر پر موقوف ہے دوسری چیزیں ذکر کے ثمرات و نتائج ہیں۔ نیز آپ نے پوچھا تھا
کہ ذکر نفی اثبات اور تلاوت قرآن اور طول قنوت کے ساتھ نماز ادا کرنا ان تینوں میں سے کونسا بہتر
ہے۔ سو نفی اثبات کا ذکر وضو کی طرح ہے۔ جو نماز کی شرط ہے۔ جب تک طہارت درست نہ ہو۔ نماز
کا شروع کرنا منع ہے۔ اسی طرح جب تک نفی کا معاملہ انجام تک نہ پہنچ جائے۔ تب تک فرائض و
واجبات اور سنتوں کے سوا عبادات نافلہ جس قدر کریں سب وبال میں داخل ہے۔ پہلے مرض کو دور
کرنا چاہئے جو نفی اثبات کے ذکر پر وابستہ ہے بعد ازاں دوسری عبادات و حسنات میں جو بدن کے لئے
اچھی غذا کی طرح ہیں مشغول ہونا چاہئے۔ مرض کے دور ہونے سے پہلے جو غذا کھائیں فاسد و مفسد
ہے۔ ع

ہر چہ گیرد علتی علت شود

ترجمہ جو کچھ مریض کھائے اسکی مرض بڑھائے

اس حالت کے انجام کا تعین کرنا لازم نہیں کیونکہ وہ حالت خود اپنے تمام و کمال ہونے کی خبر دیتی
ہے۔ آپ نے لکھا تھا کہ تیسری جلد کس کے نام پر مستجل کریں اس سے پہلے یعنی فقیر نے لکھا تھا کہ
آپ کے نام پر مستجل کیا جائے۔ اب بھی آپ کے خط کے جواب میں وہی بات ہے۔ آپ سے بہتر کون
ہے۔ ہمیشہ دل کی توجہ اور نگرانی آپ ہی کی طرف رہتی ہے۔ اگر وہ میں آپ کے بیٹھنے کے لئے کوئی وجہ
معلوم نہیں ہوتی۔ اگرچہ قرب و جوار میں ہے۔ لیکن جب ملاقات سے خالی ہے۔ تو بے اعتبار ہے۔ فقیر
کی تقریب پر وہاں نہ رہیں۔ فقیر کو خدا نے رحم الراحمین کے سپرد کر کے وطن کی طرف چلے جائیں اور
وہاں کے مشاقق کو خوش کریں اور اگر آپ نے وہاں رہنے کے لئے کوئی وجہ دل میں تصور کی ہو تو وہ امر
دیگر ہے والدہ محمد امین کو خدا توفیق دے اور عصمت و آبرو کے ساتھ رکھے۔ اس کے دور دراز واقعات جو

آپ نے لکھے تھے۔ سب کا مطالعہ کیا۔ اگرچہ سب میں کچھ کچھ وحشت و کدورت کا سامنا نظر آتا ہے مگر امید ہے کہ ہر ایک کا انجام بخیر ہوگا آپ اس کو فرمائیں۔ کہ اس قسم کے واقعات سے آگاہ رہے اور توبہ و استغفار کے ساتھ ان کا تدارک کرے۔ دنیاوی مال و متاع اور فانی زیب و زینت لاشے محض ہے عقلمند اس پر مفتون اور مبتلا نہیں ہوتا۔ آخرت کے احوال کو مد نظر رکھ کر ذکر میں مشغول رہنا چاہئے۔ یہ کچھ ضروری نہیں کہ ذکر میں لذت تمام پیدا ہو اور چیزیں دکھائی دیں یہ سب کچھ لہو و لعب اور کھیل کود میں داخل ہے۔ ذکر میں جس قدر مشقت ہو۔ بہتر ہے۔ نماز پنج وقتی کو ادا کر کے اوقات کو ذکر الہی کے ساتھ آباد رکھے۔ اور ذکر کی التذاذ سے بیکار نہ رہے۔ آپ کی صحبت کو غنیمت جان کر آپ کی رضا جوئی میں رہے۔ آپ کو بھی لازم ہے کہ آپ اس کے پاس اکثر جایا کریں۔ اور بڑی نرمی اور محبت سے اس کو اپنی طرف کھینچیں۔ اور نیکیوں کی طرف رہنمائی کریں۔ وَالسَّلَام

مکتوب ۱۳

صاحب شریعت غرا علیہ الصلوٰۃ والسلام اور پیر طریقت کی متابعت کی
تحریض و ترغیب میں سیادت پناہ میر محبت اللہ مانگھواری کی طرف صادر فرمایا ہے:-

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

سیادت مآب برادر م میر محبت اللہ کا مکتوب شریف پہنچا۔ یاس و ناامیدی کے مقدمات و حالات جو از روئے اضطراب و اضطراب کے درج تھے۔ سب واضح ہوئے۔ ناامیدی کفر ہے۔ امید وار رہنا چاہئے۔ اگر ان دو امور میں رسوخ ہو تو کچھ غم نہیں۔ ایک صاحب شریعت غرا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت دوسرے شیخ طریقت کا اعتقاد و محبت۔ آپ اس امر سے واقف رہیں۔ اور تضرع و التجا کرتے رہیں۔ کہ ان دونوں دولتوں میں فوری نہ آئے۔ ان کے سوا اور جو کچھ ہو۔ آسان و سہل ہے اور اس کی تلافی ہو سکتی ہے۔ اس سے پہلے بھی آپ کو لکھا تھا کہ جب آپ مانگھواری کی سکونت سے بیزار ہیں۔ تو الہ آباد میں وطن اختیار کر لیں۔ امید ہے کہ مبارک ہوگا۔ مگر آپ نے اس کے برعکس سمجھ لیا۔ کیا لفظ مبارک نے بھی آپ کو دلالت نہ کی۔ اب بھی وہی بات ہے۔ آج رات کو نظر آیا۔ کہ آپ کے اسباب کو مانگھواری سے الہ آباد کی طرف لے گئے ہیں۔ آپ وہیں اپنا ویرانہ اختیار کر لیں اور اپنے اوقات کو ذکر الہی جل شانہ سے آباد رکھیں اور کسی سے کچھ تعلق نہ رکھیں۔ نفی اثبات کے ذکر کو لازم پکڑیں اور اس کلمہ کے تکرار سے تمام مرادوں کو سینہ کے میدان سے نکال دیں۔ تاکہ ایک کے سوا کچھ مقصود و مطلوب و محبوب نہ ہو۔ اگر دل ذکر کرنے سے تھک جائے۔ تو زبان کے ساتھ پوشیدہ طور پر شروع کریں۔ کیونکہ ذکر جہر اس طریق میں ممنوع ہے۔ باقی طریق کی وضع و روش آپ کو معلوم ہی ہے۔ جہاں تک ہو سکے تقلید کا راستہ نہ چھوڑیں۔ کیونکہ شیخ طریقت کی تقلید سے بہت فائدے اور بڑے ثمر حاصل ہوتے

ہیں اور شیخ کے طریق کے خلاف میں سراسر خطرات ہیں۔ اس سے زیادہ کیا لکھا جائے۔ وَالسَّلَام

مکتوب ۱۴

ایک سوال کے جواب میں جو واجب تعالیٰ کے وجود کی نسبت کیا گیا تھا۔ میرٹھس الدین علی کی طرف صادر فرمایا ہے:-

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَى (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) آپ کا صحیفہ شریفہ جو آپ نے از روئے کرم و شفقت کے ارسال کیا تھا۔ پہنچا اس کے مطالعہ سے بہت محفوظ اور متلذذ ہوا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزاء خیر دے۔ آپ نے لکھا تھا کہ جب حق تعالیٰ کی ذات اپنی ماہیت میں موجود ہے۔ نہ کہ وجود میں خواہ عین ہو یا زائد۔ پس واجب الوجود (جو واجب اور وجود کے اعتبار کے بغیر اللہ تعالیٰ کی ذات ہے) اور متمتع الوجود کے درمیان تقابل کس طرح متحقق ہو گا اور واجب الوجود کا اطلاق وجوب و وجود سے معرازاں پر کس طرح ہو سکے گا اور عبادت کا استحقاق جو وجوب وجود پر وابستہ ہے کس طرح ثابت ہو گا اور واجب الوجود کا اطلاق عدیم الوجوب والوجود ذات پر کس اعتبار سے ہو گا۔

میرے مخدوم! ان سوالوں کا جواب دفتر ثانی کے مکتوبات میں سے کسی مکتوب میں جو غالباً فقیر زادوں میں سے کسی فقیر زادہ کے نام لکھا ہے۔ مفصل طور پر درج ہو چکا ہے۔ اگر آپ اس کا مطالعہ فرمائیں گے۔ تو بہت محفوظ ہو گئے۔ خلاصہ یہ کہ واجب جل شانہ کی ماہیت اپنی خودی سے موجود ہے۔ نہ کہ وجود کے ساتھ اور وجود کا اثبات اور وجوب کا اطلاق اس بارگاہ میں عقل کی منتزعات (اپنے پاس سے بنائی چیز) کی قسم سے ہے۔ وَلِلَّهِ الْمِثْلُ الْأَعْلَى (مثال اعلیٰ اللہ تعالیٰ کے لئے ہے) اور جس طرح وجوب وجود منتزعات کی قسم سے ہے۔ امتناع عدم بھی اس بارگاہ میں منتزعات میں سے ہے۔ لیکن جہاں ذات بخت ہے۔ وہاں جس طرح وجوب وجود کی نسبت نہیں۔ امتناع عدم کی نسبت بھی نہیں جو اس کے مقابل ہے۔ جب وجوب وجود کی نسبت پیدا ہوئی۔ تو امتناع عدم کی نسبت بھی جو اس کے مقابل ہے۔ ظاہر ہو گئی اور عبادت کے استحقاق کی نسبت بھی جو وجوب وجود پر متفرع و مشتمل ہے۔ ظہور میں آگئی۔

كَانَ اللَّهُ وَلَمْ يَكُنْ مَعَهُ شَيْءٌ وَإِنْ كَانَ مِنَ النَّسَبَةِ وَالْإِعْتَابَاتِ فَإِذَا ظَهَرَتِ النَّسَبَةُ ظَهَرَ التَّقَابُلُ (اللہ تعالیٰ تھا اور اس کے ساتھ کوئی شے نہ تھی اور نہ ہی کوئی نسبت و اعتبار تھا۔ پس جب نسبتیں ظاہر ہو گئیں۔ تو تقابل بھی ظاہر ہو گیا)۔ وَالسَّلَامُ أَوَّلًا وَآخِرًا

مکتوب ۱۵

اس بیان میں کہ محبوب کے رنج و الم کی لذت محبت کی نظر میں محبوب کے انعام سے زیادہ زیبا ہوتی ہے۔ سیادت پناہ میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا ہے:-

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) سیادت پناہ برادر میر محمد نعمان کو معلوم ہو گا۔ کہ یاران خیر اندیش نے ہر چند خلاصی کے بارہ میں کوشش کی۔ مگر کارگر اور فائدہ مند نہ ہوئی۔ اَلْخَيْرُ فِی مَا صَنَعَ اللّٰهُ سُبْحَانَهُ (بہتر وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کرے) اس امر سے بشریت کے باعث کچھ غم و حزن لاحق ہو اور سینہ میں تنگی ظاہر ہوئی۔ لیکن کچھ مدت کے بعد اللہ تعالیٰ کے فضل سے وہ سب حزن اور سینہ کی تنگی خوشی اور شرح صدر (سینہ کی فراخی) سے بدل گئی اور خاص یقین سے معلوم ہوا۔ کہ اگر ان لوگوں کی مراد جو آزار کے درپے ہیں۔ حق تعالیٰ کی مراد سے موافق ہے۔ تو پھر سینہ کی تنگی اور کدورت بیفائدہ اور دعویٰ محبت کے برخلاف ہے۔ کیونکہ محبوب کا ایلام اس کے انعام کی طرح محبت کے نزدیک محبوب و مرغوب ہوتا ہے۔ محبت جس طرح محبوب کے انعام سے لذت پاتا ہے۔ اسی طرح اس کے ایلام سے بھی متلذذ ہوتا ہے۔ بلکہ اس کے ایلام میں زیادہ تر لذت پاتا ہے۔ کیونکہ یہ محبت کی اپنی مراد اور حظ نفس سے پاک ہے۔ جب حق تعالیٰ جو جمیل مطلق ہے اس شخص کا آزار چاہتا ہے۔ تو حق تعالیٰ کا یہ ارادہ بھی حق تعالیٰ کی عنایت سے اس شخص کی نظر میں جمیل بلکہ لذت کا سبب ہے اور جب ان لوگوں کی مراد حق تعالیٰ کی مراد کے موافق ہے اور یہ مراد اس مراد کا دریچہ ہے تو ان لوگوں کی مراد بھی نظر میں پسندیدہ اور کذب کا موجب ہے۔ کیونکہ اس شخص کا فعل بھی جو محبوب کے فعل کا مظہر ہے۔ محبوب کے فعل کی طرح محبوب دکھائی دیتا ہے اور وہ شخص فاعل بھی اس نظر کے علاقہ سے محبت کی نظر میں محبوب ظاہر ہوتا ہے۔ عجب معاملہ ہے۔ کہ جوں جوں اس شخص سے جفا زیادہ متصور ہوتی ہے۔ توں توں محبت کی نظر میں زیادہ زیادہ دکھائی دیتا ہے کیونکہ محبوب کے غضب کی صورت زیادہ تر نمائش رکھتی ہے۔ اس راہ کے دیوانوں کا کام الٹا اور برعکس ہے۔ پس اس شخص کی برائی چاہنا اور اس کے ساتھ بگڑنا محبوب کی محبت کے برخلاف ہے کیونکہ وہ شخص درمیان میں صرف محبوب کے فعل کا آئینہ ہے اور کچھ نہیں۔ وہ لوگ جو آزار کے درپے ہیں۔ باقی خلائق کی نسبت فقیر کی نظر میں محبوب دکھائی دیتے ہیں۔ آپ یاروں کو کہہ دیں۔ کہ سینہ کی تنگیوں کو دور کریں اور ان لوگوں کے ساتھ جو آزار کے درپے ہیں۔ دشمنی اور بگاڑ نہ کریں۔ بلکہ انہیں چاہئے۔ کہ ان کے فعل سے لذت حاصل کریں۔ ہاں چونکہ ہم کو دعا کا امر ہے اور حق تعالیٰ دعا و التجا و تضرع و زاری کو پسند کرتا ہے۔ اس لئے بلیہ و مصیبت کے دفع ہونے کے لئے دعا اور عفو و عافیت کا سوال کریں اور یہ جو غضب کی صورت کی گئی ہے وہ اس لئے ہے کہ غضب کی حقیقت دشمنوں کے انصیب ہے۔ دوستوں کے ساتھ صورت میں غضب ہے اور حقیقت میں عین رحمت۔ غضب کی اس صورت میں محبت کے اس قدر فائدے اور منافع رکھے ہیں جو بیان سے باہر ہیں۔ نیز غضب کی صورت میں جو دوستوں کو عطا فرماتے ہیں منکر لوگوں کی خرابی ہے اور ان کی ابتلاء و آزمائش کا باعث ہے۔ شیخ محی

الدین عربی قدس اللہ سرہ کی عبارات کے معنی آپ کو معلوم ہوں گے۔ کہ اس نے کہا ہے کہ عارف کے لئے ہمت نہیں۔ یعنی وہ ہمت جو بلیہ کے دفع کرنے کے لئے ہو۔ عارف سے مسلوب ہے۔ کیونکہ عارف جب بلیہ کو محبوب کی طرف سے جانتا ہے اور محبوب کی مراد تصور کرتا ہے۔ تو اس کے دفع کرنے کے لئے کس طرح ہمت کرے اور اس کو کیوں دفع کرے۔ اگرچہ بظاہر اس بلیہ کے دفع کرنے کی دعا زبان پر لاتا ہے۔ لیکن وہ صرف دعا کا امر بجالانے کے لئے ہے۔ درحقیقت کچھ نہیں چاہتا اور جو کچھ آتا ہے اس سے لذت پاتا ہے۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اَتَّبَعَ الْهُدٰی (سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی)

مکتوب ۱۶

سالک کے اپنے احوال پر اطلاع نہ پانے کے بھید میں اور اس کو مستر شدوں اور مریدوں کے آئینوں میں مشاہدہ کرنے کے بیان میں مولانا احمد ذہبی کی طرف صادر فرمایا ہے:-

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) آپ کا مکتوب شریف پہنچا۔ آپ نے لکھا تھا۔ کہ میں اپنے آپ میں اس گروہ کے احوال و مواجید اور علوم و معارف کچھ نہیں پاتا۔ باوجود اس بات کے دو طالبان راہ کو طریقہ بتلایا۔ وہ بہت متاثر ہوئے اور ان سے عجیب و غریب احوال ظاہر ہوئے۔ اس کی وجہ کیا ہے۔ واضح ہو کہ جو احوال ان دونوں شخصوں میں ظاہر ہوئے ہیں۔ آپ کے احوال کے عکس ہیں۔ جو ان کی استعداد کے آئینوں میں ظاہر ہوئے ہیں۔ چونکہ وہ دونوں شخص صاحب علم تھے انہوں نے اپنے احوال کو معلوم کر لیا اور آپ کو بھی اس حال مستور کے حاصل ہونے کے علم کی طرف راہنمائی کی جس طرح کہ آئینہ شخص کے خفیہ کمالات کے حاصل ہونے کی طرف دلالت کرتا ہے اور اس کے پوشیدہ ہنروں کو ظاہر کر دیتا ہے۔ مقصود احوال کا حاصل ہونا ہے اور ان احوال کا جاننا ایک علیحدہ دولت ہے۔ بعض کو یہ علم دیتے ہیں اور بعض کو نہیں دیتے۔ لیکن دونوں صاحب ولایت اور قرب میں برابر ہوتے ہیں۔ مِمَّنْ عَلِمَ وَمِمَّنْ جَہَلَ (ہم میں سے ہے جو جانتا ہے اور ہم میں سے ہے جو نہیں جانتا) اس گروہ کے نزدیک مقرر اور مانی ہوئی بات ہے اپنے احوال کا علم نہ ہونے سے آزر دہ نہ ہوں۔ کوشش کریں۔ کہ احوال حاصل ہوں۔ بلکہ احوال سے گزر کر احوال کے پھیرنے والے (حق تعالیٰ) کے ساتھ واصل ہوں۔ احوال کا علم اگر مریدوں کے واسطے کے بغیر میسر نہ ہو۔ تو اسی پر قناعت کریں۔ کہ ان کے آئینوں میں مطالعہ کریں اور مظہروں کے ذریعے حظ حاصل کریں۔ احوال حاصل ہونے چاہئیں اور ان احوال کا عمل اگر بالواسطہ میسر نہ ہو۔ تو امید ہے کہ وسیلہ سے حاصل ہو جائے گا۔ نیز آپ نے لکھا تھا۔ کہ دوام آگاہی سے کیا مراد

ہے۔ اکثر اوقات بعض کاروبار میں اس آگاہی سے دل کی غفلت محسوس ہوتی ہے۔ آگاہی اور دوام آگاہی کی تشخیص کرنی چاہئے۔

واضح ہو کہ آگاہی حق تعالیٰ کی جناب پاک میں حضور باطن سے مراد ہے۔ جس طرح کہ علم حضوری جس کو دوام لازم ہے۔ کیا آپ نے کبھی سنا ہے کہ کبھی کوئی شخص اپنے نفس سے غافل ہوا ہے یا اپنی نسبت اس کو غفلت و نسیان پیدا ہوا ہے۔ غفلت و ذہول علم حصولی میں متصور ہے۔ جس میں مغائرت پائی جاتی ہے۔ علم حضوری میں سب حضور در حضور ہے۔ اگرچہ نادان اور بیوقوف آدمی اس حضور سے دور اور نفور ہے اور اس کے حاصل ہونے سے مغرور ہے۔ آگاہی کے لئے دوام لازم ہے اور جس میں دوام نہیں وہ مطلوب کی نگرانی ہے۔ جو اس آگاہی مذکور کے مشابہ ہے۔ اس کا دوام مشکل ہے۔ کیونکہ علم حصولی کے ساتھ مشابہت رکھتی ہے۔ جو دوام سے بے نصیب ہے۔ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْأَعْلٰی (مثال اعلیٰ اللہ تعالیٰ کے لئے ہے) حق تعالیٰ کی پاک بارگاہ کی نسبت علم حصولی اور علم حضوری کا اطلاق کرنا تشبیہ اور منتظیر کے طور پر ہے۔ کیونکہ وہ ذات پاک جو اپنے آپ سے زیادہ نزدیک ہے۔ علم حصولی اور علم حضوری کے احاطہ سے باہر ہے۔ ارباب معقول اگرچہ اس کو تصور نہیں کر سکتے اور اپنے سے زیادہ نزدیک کو نہیں پاسکتے۔ لیکن علوم لدنی والوں کے نزدیک یہ بات واضح ہے اور حق تعالیٰ کی عنایت سے آسانی کے ساتھ حاصل ہے۔ رَبَّنَا إِنَّا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً وَهَبِْ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا رَشَدًا (یا اللہ تو اپنے پاس سے ہم پر رحمت نازل فرما اور ہمارے کام سے بھلائی ہمارے نصیب کر) دوسرے یہ کہ سیادت پناہ برادر میر محمد نعمان آپ پر بہت حقوق رکھتے ہیں۔ آپ کے بے اجازت آنے سے دل آزرده ہیں۔ آپ کو چاہئے۔ کہ بلا توقف ان کی خدمت میں حاضر ہو جائیں اور ان کے آزار کی تلافی کریں۔ اگر آپ ان سے رخصت لے کر آتے۔ تو کچھ مضائقہ نہ تھا۔ آپ کو مناسب ہے کہ ان کی مرضی کے موافق عمل کیا کریں اور رخصت سے آیا جایا کریں۔ اس سے کیا زیادہ لکھا جائے۔ وَالسَّلَام

مکتوب ۱۷

دینی عقاید اور شرعی عبادت کی ترغیب میں اہل ارادت میں سے ایک صالحہ عورت کی طرف صادر فرمایا ہے:-

الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَنْعَمَ عَلَيْنَا وَهَدَانَا اِلَى الْاِسْلَامِ وَجَعَلَنَا مِنْ اُمَّةٍ مُحَمَّدٍ سَيِّدِ الْاَنْامِ عَلَيْهِ وَعَلَى اِلٰهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے ہم پر انعام کیا اور ہم کو اسلام کی ہدایت دی اور حضرت سید الانام کی امت میں سے بنایا)

جاننا چاہئے کہ حق تعالیٰ منعم علی الاطلاق ہے۔ اگر وجود ہے۔ تو اس کا بخشا ہوا ہے اور اگر بقاء ہے۔ تو اسی کی عطا ہے اور اگر صفات کاملہ ہیں۔ تو اسی کی رحمت شاملہ سے حاصل ہیں۔ زندگی اور توانائی اور دیکھنے

اور سننے اور کہنے کی طاقت سب اسی کی طرف سے ملی ہیں اور ہر طرح کے انعام و اکرام جو حد و شمار سے باہر ہیں۔ سب اسی کی طرف سے پہنچے ہیں۔ وہی سختی اور تنگی کو دور کرتا ہے اور وہی دعا کو قبول اور بلاء کو دفع کرتا ہے۔ وہ ایسا رزاق ہے کہ اپنی کمال مہربانی سے گناہوں کے باعث بندوں کی روزی کو بند نہیں کرتا۔ وہ ایسا ستار ہے۔ کہ اپنی زیادہ غفو اور درگزر سے برائیوں کے ارتکاب کے باعث بندوں کی پردہ دری نہیں کرتا۔ وہ ایسا حلیم ہے۔ کہ ان کے عذاب و مواخذہ میں جلدی نہیں فرماتا۔ وہ ایسا کریم ہے کہ اپنی عام بخشش کو دوست و دشمن سے ہٹا نہیں رکھتا۔ ان نعمتوں میں سے اعظم اور اجل اور اعز و اکرم نعمت اسلام کی طرف دعوت کرنا اور دارالسلام کی طرف ہدایت کرنا اور حضرت سید الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کی طرف راہنمائی کرنا ہے۔ جس پر دائمی زندگی اور ہمیشہ کی لذت و نعمت اور لقاور ضائے مولیٰ جل شانہ موقوف ہے۔ غرض حق تعالیٰ کے انعام و اکرام و احسان سورج سے زیادہ ظاہر اور چاند سے زیادہ روشن ہیں۔ دوسروں کے انعام اسی کی اقدار و تمکین اور قدرت و بخشش سے ہیں اور ان کا احسان استِعَارَۃً مِنَ الْمُسْتَعِيرِ وَ سَوَالَ مِنَ الْفَقِيرِ (ادھار اور عاریتہ کسی چیز کے رکھنے والے سے مانگنا اور فقیر سے سوال کرنا) کی قسم سے ہے۔ اس بات کو دانا اور نادان سب جانتے ہیں اور غبی و ذکی (کند فہم اور تیز فہم) یعنی جاہل اور عالم سب اس امر کا اقرار کرتے ہیں۔

گر برتن من زبان شود ہر موائے شکر وے از ہزار نتوانم کرد

ترجمہ اگر ہر بال میں میرے زبان ہو

نہ پھر بھی شکر کچھ مجھ سے عیاں ہو

شک نہیں کہ عقل کی بدہمت منعم کے شکر کے واجب ہونے کا حکم کرتی ہے اور اس کی تعظیم و تکریم کو لازم جانتی ہے۔ پس حق تعالیٰ کا شکر جو منعم حقیقی ہے۔ عقل کی بدہمت سے واجب ہو اور اس کی تعظیم و تکریم ضروری ہوئی۔ چونکہ حق تعالیٰ کمال تقدس و تنزہ میں ہے اور بندے نہایت گندگی اور آلودگی میں ہیں۔ کمال بے مناسبتی سے کیا معلوم کر سکتے ہیں۔ کہ حق تعالیٰ کی تعظیم و تکریم کس کا امر ہے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بندے بعض امور کا اطلاق اس پاک جناب پر مستحسن اور پسندیدہ جانتے ہیں۔ لیکن درحقیقت حق تعالیٰ کے نزدیک مکروہ ہوتا ہے اور جس کو تعظیم خیال کرتے ہیں۔ وہ تو ہین ہوتی ہے اور جس کو تکریم تصور کرتے ہیں۔ وہ تحقیر ہوتی ہے۔ پس جب تک حق تعالیٰ کی تعظیم و تکریم اسی کی جناب پاک سے مستفاد نہ ہو تب تک اس کے شکر کے لائق اور اس کی عبادت کے قابل نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہ حمد جو بندوں کی اپنی طرف سے ہے وہ سراسر جھوٹ ہے اور ان کی مدح نری قدح ہے۔ حق تعالیٰ کی تعظیم و توقیر و تکریم جو اسی بارگاہ سے ہمیں پہنچی ہے اور اگر زبانی ثنا ہے۔ تو وہ بھی ظاہر ہے۔ اعضا کے اعمال و افعال کو بھی صاحب شریعت نے مفصل طور پر بیان فرمادیا ہے۔ پس حق تعالیٰ کے شکر کا ادا کرنا شریعت

کے بجالانے میں منحصر ہے خواہ وہ شکر قلبی ہو۔ بدنی اعتقادی ہو یا عملی۔ حق تعالیٰ کی وہ تعظیم و عبادت جو شریعت کے برخلاف ادا کی جائے۔ وہ اعتقاد کے لائق نہیں۔ بلکہ بسا اوقات ایسی عبادت سے ضد حاصل ہوتی ہے اور وہمہ نیکی در حقیقت برائی ہوتی ہے۔ پس بیان مذکور کے ملاحظہ سے عقل کے نزدیک بھی شریعت کے موافق عمل کرنا واجب ہے اور اس کے اتباع کے بغیر منعم تعالیٰ کے شکر کا ادا کرنا مشکل ہے۔ شریعت کے دو جزو ہیں۔ ایک اعتقادی دوسرا عملی۔ اعتقاد دین کا اصل ہے اور عمل اس کی فروغ۔ جو شخص اعتقاد کا منکر ہو۔ وہ اہل نجات میں سے نہیں ہے۔ اس کے حق میں عذاب آخرت سے خلاصی متصور نہیں اور جس شخص میں عمل مفقود ہو اس کے لئے نجات کی امید ہے۔ اس کا معاملہ حق تعالیٰ کی مرضی کے سپرد ہے۔ خواہ معاف کرے خواہ گناہوں کے موافق عذاب دے دوزخ میں ہمیشہ رہنا اعتقاد اور ضروریات دین کے منکر پر مخصوص ہے اور عمل کا نہ کرنے والا اگرچہ عذاب میں داخل کیا جائے گا۔ لیکن دوزخ کا دائمی عذاب اس کے حق میں مفقود ہے اعتقادات چونکہ دین کے اصول اور اسلام کی ضروریات میں سے ہیں۔ اس لئے ان کو بیان کیا جاتا ہے اور عملیات چونکہ فرع ہیں اور ان کی تفصیل بھی دراز ہے۔ اس لئے ان کی تفصیل کو کتب فقہ کے حوالہ کر کے بعض ضروری عملیات بھی بیان کئے جائیں گے۔ تاکہ طالبوں کو ترغیب ہو۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

اعتقادات

(۱) اللہ تعالیٰ اپنی ذات اقدس میں موجود ہے اور اس کی ہستی اپنی خودی سے ہے۔ حق تعالیٰ جیسا کہ تھاب بھی ویسا ہی ہے اور ہمیشہ ویسا ہی رہے گا۔ عدم سابق اور عدم لاحق کو اس کی پاک بارگاہ کی طرف راستہ نہیں۔ کیونکہ وجوب وجود اس مقدس درگاہ کا کمینہ خادم ہے اور سلب عدم اس بارگاہ بزرگ کا کمینہ خاکروب ہے اور حق تعالیٰ ایک ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ نہ وجوب وجود میں نہ الوہیت میں اور نہ عبادت کے استحقاق میں کیونکہ شریک کی اس وقت ضرورت ہوتی ہے۔ جبکہ وہ کافی اور مستقل نہ ہو اور یہ نقص کی علامت ہے۔ جو وجوب والوہیت کے منافی ہے اور جب وہ کافی اور مستقل ہے۔ تو شریک بیکار اور عبث ہو گا۔ یہ بھی نقص کی علامت ہے۔ جو وجوب الوہیت کے منافی ہے۔ پس شریک کے ثابت کرنے میں دونوں شریکوں میں سے کسی ایک کا نقص لازم آتا ہے۔ جو شرکت کے منافی ہے۔ پس شرکت کا ثابت کرنا شرکت کی نفی کو مستلزم ہے اور یہ محال ہے۔ پس ثابت ہوا کہ حق تعالیٰ کا شریک محال ہے۔

(۲) حیات، علم، قدرت، ارادت، سمع، بصر، کلام، مکلون، حق تعالیٰ کی صفات کاملہ ہیں۔ ان آٹھ صفتوں کو صفات حقیقیہ کہتے ہیں۔ یہ صفات قدیم ہیں اور حق تعالیٰ کی ذات پر وجود زائد کے ساتھ خارج میں موجود ہیں۔ جیسے کہ علماء اہل حق شکر اللہ تعالیٰ سبحانہ کے نزدیک مقرر ہے۔ اہل سنت

وجماعت کے سوا مخالف گروہوں میں سے کوئی گروہ بھی صفات زائدہ کے وجود کا قائل نہیں۔ حتیٰ کہ اس فقہ ناجیہ میں سے صوفیہ متاخرین نے بھی صفات کو ذات کا عین کہا ہے اور مخالفوں کے ساتھ موافق ہو گئے ہیں۔ اگرچہ صفات کی نفی سے کنارہ کرتے ہیں۔ لیکن ان کے اصول اور ظاہر عبارت سے صفات کی نفی لازم آتی ہے۔ مخالفوں نے صفات کاملہ کی نفی کو کمال سمجھا ہے اور اپنی عقل کے پیچھے لگ کر نصوص قرآنی سے جدا جا پڑے ہیں۔ لیکن ان کے اصول اور ظاہر عبارات سے صفات کی نفی لازم آتی ہے۔ خدا تعالیٰ ان کو سیدھے راستہ کی ہدایت دے اور دوسری صفات یا اعتبار یہ ہیں یا سلبیہ جیسے قَدِيمٌ اَزَلِيَّتٌ وَوُجُوبٌ وَالْوُحَيْتٌ چنانچہ کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ جسم و جسمانی نہیں۔ عرض و جوہر نہیں۔ مکانی اور زمانی بھی نہیں حال محل بھی نہیں۔ محدود و متناہی بھی نہیں۔ جہت سے بے جہت ہے اور نسبت سے بے نسبت ہے۔ کفایت اور مشیت یعنی ہمسر اور ہم مثل ہونا اس کی جناب پاک سے مسلوب ہے اور ضدیت ندیت اس بارگاہ بلند سے مفقود ہے۔ ماں و باپ و عورت و بیٹے سے پاک و مبرا ہے۔ کیونکہ یہ سب حدوث کے نشان ہیں اور ان سے نقص لازم آتا ہے اور تمام قسم کے کمالات حق تعالیٰ کی جناب کے لئے ثابت ہیں اور تمام قسم کے نقائص اس درگاہ سے مسلوب ہیں۔ غرض امکان و حدوث کی صفات جو سراسر نقص و شرارت ہیں۔ سب اس کی جناب پاک سے مسلوب سمجھنے چاہئیں۔

(۳) حق تعالیٰ کلیات و جزئیات کا عالم ہے اور اسرار و خفیہ چیزوں کا جاننے والا ہے آسمانوں اور زمینوں میں ایک ذرہ حقیر بھی اس کے احاطہ علم سے باہر نہیں ہے۔ ہاں جب تمام اشیاء کا پیدا کرنے والا وہی ہے۔ تو ان اشیاء کا عالم بھی ضرور ہو گا۔ کیونکہ خالق کو خلق کے علم سے چارہ نہیں۔ بعض بد بخت لوگ حق تعالیٰ کو جزئیات کا عالم نہیں جانتے اور اس امر کو اپنی عقل ناقص میں کمال سمجھتے ہیں اور اپنی کمال بے وقوفی سے کہتے ہیں۔ کہ واجب الوجود جل شانہ سے صرف ایک ہی چیز صادر ہو سکتی ہے اور وہ بھی اضطراب یعنی مجبوری سے نہ کہ اختیار سے اور اس کو بھی کمال خیال کرتے ہیں۔ یہ لوگ بہت ہی جاہل ہیں جو جہل کو کمال تصور کرتے ہیں اور اضطراب کو اختیار سے بہتر جانتے ہیں اور اضطراب و اختیار میں تمیز نہیں کر سکتے اور اپنی جہالت سے دوسری اشیاء کو حق تعالیٰ کے غیر کی طرف منسوب کرتے ہیں اور عقل فعال کو اپنے پاس سے بنا کر محدثات کو اس کی طرف منسوب کرتے ہیں اور زمینوں اور آسمانوں کے خالق کو معطل و بیکار سمجھتے ہیں۔ فقیر کے نزدیک اس گروہ سے زیادہ کمینہ اور بیوقوف گروہ کوئی جہان میں پیدا نہیں ہوا سبحان اللہ بعض اہل اسلام لوگ ان پلیدوں کو ارباب معقول تصور کرتے ہیں اور ان کو حکمت کی طرف منسوب کرتے ہیں اور ان کے جھوٹے احکام کو نفس الامر کے مطابق خیال کرتے ہیں۔ رَبَّنَا لَا تُرِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿۱﴾ (یا اللہ تو ہدایت دے کر پھر ہمارے دلوں کو ٹیڑھانہ کر اور اپنے پاس سے ہم پر رحمت نازل فرما۔ تو بڑا بخشنے والا ہے)

(۴) حق تعالیٰ ازل سے ابد تک ایک ہی کلام سے متکلم ہے۔ اگر امر ہے۔ تو اسی ایک کلام سے ہے اور اگر نہی ہے۔ تو بھی اسی سے ہے۔ ایسے یہ اخبار و استخبار اسی ایک کلام سے پیدا ہیں اور اگر توریت و انجیل ہے۔ تو اسی ایک کلام کی دلیل ہے اور اگر زبور و فرقان ہے۔ تو اسی کلام کا نشان ہے۔ اسی طرح تمام کتابیں اور صحیفے جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر نازل ہوئے ہیں۔ سب اسی کلام کی تفصیل ہیں۔ جب ازل و ابد باوجود اس قدر وسعت اور درازی کے وہاں آن واحد ہے۔ بلکہ وہاں آن کی گنجائش ہی نہیں۔ کیونکہ آن کا اطلاق اس جگہ عبارت کی تنگی کے باعث ہے۔ تو پھر وہ کلام جو اس آن میں صادر ہوگی۔ وہ ایک کلمہ بلکہ ایک حرف بلکہ ایک نقطہ ہوگی۔ نقطہ کا اطلاق بھی عبارت کی تنگی کے باعث کیا گیا ہے۔ ورنہ وہاں نقطہ بھی گنجائش نہیں رکھتا۔ حق تعالیٰ کی ذات و صفات کی وسعت۔ بیپونی اور بچگونگی کی قسم سے ہے اور اس وسعت و تنگی سے جو امکان کی صفات ہیں۔ پاک و منزہ ہیں۔

(۵) مومن حق تعالیٰ کو بیپونی اور بچگونگی کے طور پر دیکھیں گے۔ کیونکہ وہ رویت جو بیپون کے متعلق ہے۔ وہ بھی بیپون ہوگی۔ بلکہ دیکھنے والا بھی بیپونی سے حظ وافر پائے گا۔ تاکہ بیپون کو دیکھ سکے۔ لَا يَحْمِلُ عَطَا يَا الْمَلِكِ إِلَّا مَطَايَاهُ (پادشاہ کے عطیوں کو اسی کے اونٹ اٹھا سکتے ہیں) آج اس معما کو اپنے اخص خواص اولیاء پر حل و منکشف کیا ہے۔ یہ مسئلہ پوشیدہ بھی ان بزرگوں کے نزدیک تحقیقی ہے اور دوسروں کے نزدیک تقلیدی۔ اہل سنت و جماعت کے سوا تمام مخالف گروہ کیا مومن کیا کافر اس مسئلہ کے قائل نہیں ہیں اول سب کے سب اہل سنت و جماعت کے سوا حق تعالیٰ کے دیدار کو محال جانتے ہیں۔ مخالفوں کا مستشہد یعنی دلیل حاضر پر غائب کا قیاس ہے۔ جس کا فساد ظاہر ہے۔ سنت سنیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کے بغیر اس قسم کے پوشیدہ مسئلہ پر ایمان کا حاصل ہونا مشکل ہے۔ بیت لائق دولت نبود ہر سرے بار میجا نکشد ہر خرے

ترجمہ بیت لائق دولت نہیں ہر ایک سر

مرکب عیسیٰ نہیں ہر ایک خر

تعجب آتا ہے کہ جو لوگ دولت رویت کا ایمان نہیں رکھتے۔ وہ اس سعادت کو کس طرح حاصل کریں گے کیونکہ منکر کے نصیب مایوسی اور ناامیدی ہوتی ہے اور اس سے زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ بہشت میں رہیں اور پھر نہ دیکھیں۔ کیونکہ شرع سے جو کچھ بظاہر مفہوم ہوتا ہے۔ وہ یہی ہے کہ تمام اہل بہشت کو دیدار کی دولت حاصل ہوگی اور یہ کہیں نہیں آیا۔ کہ بعض اہل بہشت دیکھیں گے اور بعض نہ دیکھیں گے۔ ان لوگوں کے حق میں حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وہی جواب کافی ہے۔ جو انہوں نے فرعون کے سوال میں فرمایا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور فرعون کا حال بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے۔ قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُونِ الْأُولَىٰ ۚ قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّي فِي كِتَابٍ لَا يَضِلُّ رَبِّي وَلَا يَنْسَى

○ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ مَهْدًا وَسَلَّكَ لَكُمْ فِيهَا سُبُلًا وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً ○ (کہا کہ پہلی قرونوں کا کیا حال ہے۔ کہا کہ ان کا علم میرے رب کے پاس کتاب میں ہے۔ میرا وہ رب جو نہیں بھولتا جس نے زمین کو تمہارے لئے بچھونا بنایا ہے اور تمہارے واسطے راستے بنائے اور آسمانوں سے پانی اتارا) جاننا چاہئے کہ بہشت اور ماسوائے بہشت سب حق تعالیٰ کے نزدیک برابر ہیں۔ کیونکہ سب اسی کی مخلوق ہیں اور ان میں سے کسی میں حق تعالیٰ کے لئے حلول و تمکین نہیں۔ لیکن بعض مخلوق کو حق تعالیٰ کے انوار کے ظہور کی لیاقت ہے اور بعض کو نہیں جس طرح کہ آئینہ صورتوں کے ظہور کی لیاقت رکھتا ہے اور پتھر و مٹی یہ قابلیت نہیں رکھتے۔ پس اس بارگاہ جل شانہ کی طرف سے مساوات کی نسبت کے باوجود فرق اسی طرف سے ہے۔ بیت

ایں قاعدہ یاد دار آنجا کہ خداست
نہ جزو نہ کل نہ ظرف نہ مظروف است
ترجمہ بیت یاد رکھو جس جا وہ خداوند برین ہے
ظرف و مظروف و جز و کل نہیں ہے

دنیا میں رویت واقع نہیں۔ کیونکہ یہ مقام اس دولت کے ظہور کی لیاقت نہیں رکھتا۔ جو شخص دنیا میں رویت کے واقع ہونے کا قائل ہے۔ وہ جھوٹا اور مفتری ہے۔ اس نے حق تعالیٰ کے غیر کو حق جانا ہے۔ یہ دولت اگر اس جہان میں میسر ہوتی۔ تو دوسروں کی نسبت حضرت کلیم اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام زیادہ حقدار تھے اور ہمارے حضرت پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام جو اس دولت سے مشرف ہوئے ہیں۔ تو اس کا وقوع دنیا میں نہیں ہوا ہے۔ بلکہ بہشت میں گئے ہیں اور دیکھا ہے۔ جو عالم آخرت میں سے ہے۔ دنیا میں نہیں دیکھا بلکہ دنیا میں دنیا سے نکل کر آخرت کے ساتھ ملحق ہو گئے ہیں اور پھر دیکھا ہے۔ (۶) حق تعالیٰ زمینوں اور آسمانوں اور پہاڑوں اور دریاؤں اور درختوں اور میوؤں اور کانوں اور نباتات کا پیدا کرنے والا ہے۔ آسمان کو ستاروں کے ساتھ اور زمین کو انسانوں کے ساتھ آراستہ و پیراستہ کیا ہے۔ اگر بسیط ہے۔ تو اسی کی ایجاد سے موجود ہوا ہے اور اگر مرکب ہے تو وہ بھی اسی کے پیدا کرنے سے پیدا ہوا ہے۔ غرض اسی نے تمام اشیاء کو عدم سے وجود میں لا کر حادث کیا ہے۔

حق تعالیٰ کے سوا کسی کے لئے قدم یعنی ہمیشگی نہیں اور نہ ہی اس کے سوا کوئی چیز قدیم ہو سکتی ہے۔ تمام اہل ملت ماسوی اللہ کے حدوث پر اجماع رکھتے ہیں اور بالاتفاق حق تعالیٰ کے غیر کو قدیم نہیں جانتے اور جو شخص ان کے قدم کا قائل ہے۔ اس کو گمراہ اور کافر جانتے ہیں۔ امام حجۃ الاسلام نے رسالہ منقذ عن الضلال میں اس بات کی تصریح کی ہے اور ان لوگوں کے لئے جو حق تعالیٰ کے غیر کو بھی قدیم جانتے ہیں کفر کا حکم کیا ہے اور وہ لوگ جو آسمانوں اور ستاروں وغیرہ کے قدم کے قائل ہیں۔ ان کی تکذیب قرآن مجید میں ہے۔ اللہ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ

اَسْتَوٰی عَلٰی الْعَرْشِ (اللہ تعالیٰ) ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے چھ دنوں میں پیدا کیا ہے پھر عرش پر متمکن ہوا) قرآن مجید میں اس قسم کی آیتیں بہت ہیں۔ وہ بہت ہی بیوقوف اور نادان ہے جو اپنی ناقص عقل سے قرآنی نصوص کے برخلاف کرے۔ فَمَنْ لَّمْ یَجْعَلِ اللّٰهُ لَهُ نُورًا فَمَالَهُ مِنْ نُورٍ (جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے کوئی نور نہیں بنایا۔ اس کے لئے کوئی نور نہیں)

(۷) جس طرح بندے حق تعالیٰ کی مخلوق ہیں۔ اسی طرح بندوں کے افعال بھی اسی کی مخلوق ہیں۔ کیونکہ اس کے غیر کے لئے خلق و پیدا کرنا لائق نہیں اور ممکن سے ممکن کا وجود ہونا ناممکن ہے کیونکہ ممکن ناطاقتی اور بے علمی کے ساتھ متصف ہے جو ایجاد و خلق کے لائق نہیں اور جو کچھ بندہ اپنے اختیاری افعال میں دخل رکھتا ہے۔ وہ اس کا کسب ہے۔ جو بندے کی قدرت و ارادہ سے واقع ہوا ہے۔ فعل کا پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اس کا کسب بندہ کی طرف سے پس بندہ کا فعل اختیاری بمعہ بندہ کے کسب کے حق تعالیٰ کی پیدائش ہے اور اگر بندہ کے فعل میں اس کے کسب و اختیار کا ہر گز دخل نہ ہو۔ تو مرتعش (رعشہ دار و بلا اختیار) کا حکم پیدا کرے گا۔ جو محسوس و مشاہدہ کے برخلاف ہے۔ ہم بداہت یعنی صاف طور پر جانتے ہیں۔ کہ مرتعش (بے اختیار) کا فعل اور ہے اور مختار کا فعل اور بندہ کے فعل میں اس کے کسب کو دخل دینے کے لئے اسی قدر فرق کافی ہے۔ حق تعالیٰ نے اپنی کمال مہربانی سے اپنی خلق کو بندہ کے فعل میں بندہ کے قصد کے تابع بنایا ہے۔ بندہ کے قصد کے بعد بندہ میں فعل کا ایجاد فرماتا ہے۔ اسی لئے بندہ مدح و ملامت اور ثواب و عذاب کے لائق ہوتا ہے اور قصد و اختیار جو حق تعالیٰ نے بندہ کو دیا ہے۔ فعل و ترک کی دونوں جہتیں رکھتا ہے اور فعل و ترک کی خوبی و برائی کو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی زبان پر مفصل بیان فرمایا ہے۔ اب اگر بندہ ایک جہت کو اختیار کرے تو وہ ضرور ملامت کے لائق ہو گیا مدح و تعریف کے قابل اور شک نہیں کہ حق تعالیٰ نے بندہ کو اسی قدر قدرت و اختیار دیا ہے۔ جس سے اوامر و نواہی کو بجالا سکے۔ یہ ضروری نہیں کہ اس کو قدرت کاملہ عطا کی جاتی اور پورا پورا اختیار دیا جاتا۔ جو کچھ اور جس قدر چاہئے تھا دے دیا ہوتا ہے۔ اس کا منکر بداہت و صراحت کا مخالف ہے اور اس کا دل بیمار ہے کہ شریعت کے بجا لانے میں عاجز اور درماندہ ہے کَبُرَ عَلٰی الْمُشْرِکِیْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَیْهِ (مشرکوں پر وہ امر جس کی طرف تو ان کو بلاتا ہے بہت بھاری ہے) یہ مسئلہ علم کلام کے پوشیدہ مسائل میں سے ہے۔ اس مسئلہ کا نہایت شرح و بیان یہی ہے۔ جو ان اور اراق میں لکھا جا چکا ہے۔ وَاللّٰهُ سُبْحٰنَهُ الْمُتَوَفِّقُ (اللہ تعالیٰ توفیق دینے والا ہے) جو کچھ اہل حق نے فرمایا ہے اس پر ایمان لانا چاہئے اور بحث و تکرار کو چھوڑ دینا چاہئے۔ بیت

نہ ہر جائے مرکب تو اس تاخیر کہ جاہا سپر باند اندا ختن

ترجمہ بیت ہر اک جا مناسب نہیں حملہ کرنا

کہ اکثر جگہوں سے مناسب ہے ڈرنا

(۸) انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام تمام اہل جہان کیلئے سراسر رحمت ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو خلق کی ہدایت کیلئے مبعوث فرمایا ہے اور ان بزرگواروں کے ذریعے بندوں کو اپنی جناب پاک کی طرف بلایا ہے اور دار السلام کی طرف جو اس کی رضا کا مقام ہے۔ دعوت فرمائی ہے۔ وہ بہت ہی بد بخت ہے جو کریم کی دعوت کو قبول نہ کرے اور اس کی دولت کے دسترخوان سے فائدہ حاصل نہ کرے۔ ان بزرگواروں نے حق تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ پہنچایا ہے۔ سب سچ اور حق ہے۔ اس کے ساتھ ایمان لانا ضروری ہے۔ عقل اگرچہ حجت ہے لیکن حجت میں ناقص حجت کاملہ وبالغہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہی کی بعثت سے حاصل ہوئی ہے جس نے بندوں کیلئے عذر کا کوئی موقع نہیں چھوڑا۔ پیغمبروں میں سے اول حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں اور ان میں سے اخیر و خاتم النبوت حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔

تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ایمان لانا چاہئے اور سب کو معصوم یعنی گناہ سے پاک اور راست گو جاننا چاہئے۔ ان بزرگواروں میں سے کسی ایک پر ایمان نہ لانا گویا ان تمام پر ایمان نہ لانا ہے۔ کیونکہ ان کا کلمہ متفق ہے اور ان کے دین کے اصول واحد ہیں۔ حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام جو آسمان سے نزول فرمائیں گے۔ تو حضرت خاتم الرسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شریعت کی متابعت کریں گے۔ حضرت خواجہ محمد پارسا جو حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہما کے کامل خلفاء میں سے ہیں اور بڑے عالم اور محدث بھی ہیں۔ اپنی کتاب فصول ستہ میں معتبر نقل بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نزول کے بعد امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب پر عمل کریں گے اور ان کے حلال کو حلال اور ان کے حرام کو حرام جانیں گے۔

(۹) فرشتے حق تعالیٰ کے بزرگ بندے ہیں اور حق تعالیٰ کی رسالت و تبلیغ کی دولت سے مشرف ہیں اور جس چیز کا ان کو امر ہے بجالاتے ہیں۔ حق تعالیٰ کی سرکشی اور نافرمانی ان کے حق میں مفقود ہے۔ کھانے، پینے، پہننے اور زن و مرد و والد و تناسل سے پاک ہیں۔ حق تعالیٰ کی کتابیں اور صحیفے انہی کے ذریعے نازل ہوئے ہیں اور انہی کی امانت پر محفوظ و مامون رہے ہیں۔ ان سب پر ایمان لانا دین کی ضروریات میں سے ہے اور ان کو سچا جاننا اسلام کے واجبات میں سے ہے۔ جمہور اہل حق کے نزدیک خاص انسان خاص فرشتوں سے افضل ہیں۔ کیونکہ ان کا وصول باوجود عوائق اور موانع کے ہے اور فرشتوں کا قرب بغیر مزاحمت اور ممانعت کے ہے۔ تسبیح و تقدیس اگرچہ قدسیوں کا کام ہے لیکن جہاد کو اس دولت کے ساتھ جمع کرنا کامل انسانوں کا کام ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِينَ دَرَجَةً وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَى (اللہ تعالیٰ نے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کرنے والوں کو بیٹھنے والوں پر کئی درجہ فضیلت دی ہے اور ہر ایک کو حسنی یعنی اعلیٰ جزا کا

وعدہ دیا ہے)۔

(۱۰) مخر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قبر و قیامت اور حشر و نشر اور دوزخ و بہشت کے احوال کی نسبت جو کچھ خبر دی ہے۔ سب سچ ہے۔ آخرت پر ایمان لانا اللہ تعالیٰ کے ایمان کی طرح اسلام کی ضروریات میں سے ہے۔ آخرت کا منکر صانع کا منکر ہے اور قطعی کافر ہے۔

قبر کا عذاب اور اس کی تنگی وغیرہ حق ہے۔ اس کا منکر اگرچہ کافر نہیں لیکن بدعتی ضرور ہے کیونکہ احادیث مشہورہ کا منکر ہے۔ قبر چونکہ دنیا و آخرت کے درمیان برزخ ہے اس لئے اس کا عذاب بھی ایک لحاظ سے دنیا کے عذاب کے مشابہ ہے۔ جو انقطاع پذیر یعنی ختم ہونے والا ہے اور ایک اعتبار سے عذاب آخرت کی مانند ہے جو عذاب آخرت کی جنس سے ہے۔ اس عذاب کے زیادہ تر مستحق وہ لوگ ہیں جو بول سے پرہیز نہیں کرتے اور نیز وہ لوگ جو لوگوں کی چغلی اور خن چینی کرتے ہیں۔

(۱۱) قبر میں منکر و نکیر کا سوال حق ہے۔ قبر میں یہ بڑا بھاری فتنہ اور آزمائش ہے۔ حق تعالیٰ ثابت قدم رکھے۔ آمین

قیامت کا دن حق ہے اور ضرور آنے والا ہے۔ اس دن آسمان پارہ پارہ ہو جائیں گے، ستارے گر جائیں گے، زمین و پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر نیست و نابود و معدوم ہو جائیں گے جیسے کہ نصوص قرآنی ظاہر کرتی ہیں۔ اور تمام اسلامی گروہوں کا اجماع اس پر منعقد ہے اس کا منکر کافر ہے اگرچہ مقدمات موہومہ سے اپنے کفر کی تسویل کرے اور نادانوں کو راستہ سے بہکائے۔ اس دن قبروں سے اٹھنا اور بوسیدہ ہڈیوں کا زندہ ہونا حق ہے اور اعمال کا حساب ہونا اور میزان کا رکھا جانا اور اعمال ناموں کا اڑ کر آنا اور نیکوں کو دائیں ہاتھ میں اور بروں کو بائیں ہاتھ میں اعمال ناموں کا ملنا سب حق ہے اور پل صراط جو پشت دوزخ پر رکھی جائیگی اور وہاں سے گزر کر بہشتی بہشت میں جائیں گے۔ اور دوزخی اس سے پھسل کر دوزخ میں گر جائیں گے۔ حق ہے۔ یہ سب امور ہونے والے ہیں۔ مخر صادق نے ان کے واقع ہونے کی نسبت خبر دی ہے ان کو بے توقف قبول کر لینا چاہئے اور وہی باتوں سے شک و تردید نہ کرنی چاہئے اور مَا أَتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَاْخُذُوْهُ (جو کچھ رسول تمہارے پاس لایا اس کو پکڑ لو) نص قطعی ہے۔

قیامت کے دن نیکوں کی شفاعت بروں کے حق میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے حق ہے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے۔ شَفَاعَتِيْ لِاَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ اُمَّتِيْ یعنی میری شفاعت میری امت کے کبیرہ گناہ کرنے والوں کیلئے ہے۔

دوزخ کا عذاب اور جنت کا عیش و آرام حق ہے۔ حساب کے بعد کافر ہمیشہ کیلئے دوزخ کے عذاب میں رہیں گے اور مومن ہمیشہ کیلئے جنت کے عیش و آرام میں رہیں گے۔

مومن فاسق اگرچہ اپنے گناہوں کی شامت سے کچھ مدت کیلئے دوزخ میں جائیگا۔ اور گناہوں کے

موافق عذاب پائیگا لیکن دوزخ میں ہمیشہ رہنا اس کے حق میں مفید ہے۔ جس کے دل میں ذرہ بھر ایمان ہو گا وہ دوزخ میں ہمیشہ نہ رہے گا۔ اس کے کام کا انجام رحمت پر اور اس کا مقام جنت میں ہو گا۔

ایمان و کفر کا مدار خاتمہ پر ہے۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ تمام عمر ان دونوں صفتوں میں سے ایک کے ساتھ متصف رہتا ہے اور آخر کار اس کی ضد سے بدل جاتا ہے۔ اِنَّمَا الْعِبْرَةُ لِلْخَوَاتِيمِ (اعتبار خاتمہ پر ہے) رَبَّنَا لَا تُغْ فُلُوبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ (یا اللہ تو ہدایت دے کر ہمارے دلوں کو ٹیڑھانہ کر اور اپنے پاس سے ہم پر رحمت نازل فرما۔ تو بڑا بخشنے والا ہے)۔

(۱۲) ایمان سے مراد ہے تصدیق قلبی ان امور کے متعلق جو دین کی ضرورت اور تواتر کے طور پر ثابت ہو چکے ہیں اور زبانی اقرار بھی ان امور کے ساتھ ضروری ہے جیسے کہ صانع کے وجود اور اس کی توحید پر ایمان لانا اور ایمان لانا کہ آسمانی کتابیں اور صحیفے حق ہیں اور انبیاء کرام اور ملائکہ عظام پر ایمان لانا اور آخرت پر ایمان لانا جس میں اجساد کا حشر ہو گا۔ دوزخ و بہشت کا دائمی عذاب و آرام ہو گا۔ آسمان پھٹ جائیں گے، ستارے گر جائیں گے، زمین و پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے ایسے ہی ایمان لانا کہ شیخ و قتی نماز اور ان میں رکعتوں کی تعداد اور مال کی زکوٰۃ اور رمضان کے روزے اور راستہ کی توفیق حاصل ہونے پر بیت اللہ کا حج کرنا فرض ہے اور ایمان لانا کہ شراب کا پینا ناحق قتل کرنا، ماں باپ کی نافرمانی، چوری، زنا، یتیم کا مال کھانا، سود کا مال کھانا وغیرہ حرام ہیں۔ جو دین کی ضروریات میں سے ہیں اور تواتر کے ساتھ ثابت ہیں۔

(۱۳) مومن گناہ کبیرہ کے کرنے سے ایمان سے خارج نہیں ہوتا اور کافر نہیں ہوتا کبیرہ کو حلال جاننا کفر ہے اور اس کا کرنا فسق ہے۔

اپنے آپ کو مومن برحق جاننا چاہئے یعنی اپنے ایمان کے ثبوت و تحقیق کا اقرار کرنا چاہیے اور کلمہ استثناء یعنی انشاء اللہ اس کے ساتھ نہ ملانا چاہیے۔ کیونکہ اس میں بھی شک پایا جاتا ہے اور ایمان کے ثبوت کے ساتھ منافات رکھتا ہے اگرچہ استثناء کو خاتمہ کی طرف راجع کرتے ہیں جو مبہم ہے۔ لیکن ثبوت حالی کے شبہ سے بھی خالی نہیں۔ پس احتیاط شک و شبہ کے ترک میں ہے۔

(۱۴) حضرت خلفاء اربعہ کی افضلیت ان کی خلافت کی ترتیب کے موافق ہے کیونکہ تمام اہل حق کا اجماع ہے کہ پیغمبروں کے بعد تمام انسانوں میں سے افضل حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور ان کے بعد حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ افضلیت کی وجہ جو کچھ اس فقیر نے سمجھی ہے وہ فضائل و مناقب کی کثرت نہیں ہے بلکہ ایمان میں سب سے سابق ہونا اور دین کی تائید اور مذہب کی ترقی کے لئے سب سے زیادہ مال و جان کو خرچ کرنا ہے۔ کیونکہ سابق گویا دین کے امر میں لاحق کا استاد ہے۔

اور لاحق جو کچھ پاتا ہے سابق کی دولت سے پاتا ہے یہ تینوں کامل صفتیں حضرت صدیق ہی میں منحصر ہیں اور یہ دولت اس امت میں انکے سوا کسی اور کو میسر نہیں ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ نے مرض موت میں فرمایا کہ لَيْسَ مِنَ النَّاسِ أَحَدٌ آمَنَ عَلَيَّ فِي نَفْسِهِ وَ مَالِهِ مِنْ أَبِي بَكْرٍ بَنِ أَبِي قَحَافَةَ وَلَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا مِنَ النَّاسِ خَلِيلًا لَا تَخَذْتُ أَبَا بَكْرٍ وَلَكِنْ خُلَّةَ الْإِسْلَامِ أَفْضَلُ سُدُّوا عَنِّي كُلَّ خَوْخَةٍ فِي هَذَا الْمَسْجِدِ غَيْرَ خَوْخَةٍ أَبِي بَكْرٍ (لوگوں میں سے کوئی ایسا شخص نہیں جس نے مجھ پر ابو بکر بن ابوقحافہ سے بڑھ کر مال و جان میں احسان کیا ہو۔ اگر میں کسی کو دوست بنانا چاہتا۔ تو ابو بکر کو بناتا۔ لیکن اسلامی دوستی افضل ہے۔ اس مسجد میں ابو بکر کے درپچہ کے سوا اور جتنے درپچے ہیں سب کو میری طرف سے بند کر دو) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے إِنَّ اللَّهَ بَعَثَنِي إِلَيْكُمْ فَقُلْتُمْ كَذَبْتَ وَقَالَ أَبُو بَكْرٍ صَدَقْتَ وَ اسَانِي بِنَفْسِهِ وَ مَالِهِ فَهَلْ أَنْتُمْ تَارِكُونَ لِي صَاحِبِي۔ (اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہاری طرف بھیجا۔ تم نے مجھے جھٹایا اور ابو بکر نے میری تصدیق کی اور اپنی جان و مال سے میری ہمدردی اور غمخواری کی۔ کیا تم میرے لئے میرا دوست نہیں چھوڑتے) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔ لَوْ كَانَ بَعْدِي نَبِيًّا لَكَانَ عُمَرُ ابْنُ الْخَطَّابِ (اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ابن خطاب ہوتا) حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ حضرت ابو بکر و حضرت عمر اس امت میں سب سے افضل ہیں۔ جو کوئی مجھے ان پر فضیلت دے۔ وہ مفتری ہے میں اس کو تے کوڑے لگاؤں گا۔ جتنے مفتری کو لگاتے ہیں۔

حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب کے درمیان لڑائی جھگڑوں کو نیک وجہ پر محمول کرنا چاہیے اور ہوا و ہوس اور جب جاہ و ریاست اور طلب رفعت و منزلت سے دور سمجھنا چاہئے۔ کیونکہ یہ نفس امارہ کی رذیلہ اور کمینہ خصلتیں ہیں۔ اور انکے نفس حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت میں پاک و صاف ہو چکے تھے۔ البتہ اس قدر کہا جاسکتا ہے۔ کہ ان لڑائی جھگڑوں میں جو حضرت امیر کی خلافت میں واقع ہوئے تھے۔ حق حضرت امیر کی جانب تھا اور ان کے مخالف خطا پر تھے لیکن یہ خطا خطا اجتہادی کی طرح طعن و ملامت سے دور ہے۔ پھر فسق کی طرف منسوب کرنے کی کیا مجال ہے کیونکہ صحابہ سب کے سب عدول ہیں اور سب کی روایات مقبول ہیں۔ حضرت امیر کے موافقوں اور مخالفوں کی روایات صدق و ثوق میں برابر ہیں اور لڑائی جھگڑے کے باعث کسی پر جرح نہیں ہوئی۔ پس سب کو دوست جاننا چاہئے۔ کیونکہ ان کی دوستی حضرت پیغمبر علیہ السلام کی دوستی کا نتیجہ ہے۔ رسول خدا ﷺ نے فرمایا ہے۔ مَنْ أَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّي أَحَبَّهُمْ (جس نے ان کو دوست رکھا اس نے میری محبت کے باعث ان کو دوست رکھا) اور ان کی بغض و دشمنی سے بچنا چاہئے۔ کیونکہ ان کا بغض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بغض ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مَنْ أَبْغَضَهُمْ فَبِغْضِي أَبْغَضَهُمْ

(جس نے ان کے ساتھ بغض رکھا اس نے گویا میرے بغض کے باعث ان کے ساتھ بغض رکھا) ان بزرگواروں کی تعظیم و توقیر میں حضرت خیر البشر کی تعظیم و توقیر ہے۔ اور ان کی بے قدری میں رسول اللہ صلی اللہ وسلم کی بے قدری ہے غرض حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت کی تعظیم کے باعث سب کی تعظیم و توقیر بجالانی پڑے۔ شیخ شبلی نے فرمایا ہے مَا مَنَّ بِرَسُولٍ مِّنْ لَّمْ يُوقِرْ أَصْحَابَهُ (جس نے اصحاب کی عزت نہ کی وہ رسول کے ساتھ ایمان نہیں لایا)

اعتقاد کے درست کرنے کے بعد اہل کابجالاتا بھی ضروری ہے۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ اسلام کی بناء پانچ چیزوں پر ہے۔ اول لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ کی شہادت دینا۔ یعنی ان تمام باتوں پر ایمان و اعتقاد رکھنا جو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی تبلیغ سے ثابت ہوئی ہیں جیسے کہ گزر چکا۔ دوسرے پانچوں نمازوں کا ادا کرنا جو دین کا ستون ہیں۔ تیسرے مال کی زکوٰۃ دینا جو تھے ماہ مبارک رمضان کے روزے رکھنا۔ پانچویں بیت اللہ کا حج کرنا۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لانے کے بعد نماز تمام عبادتوں سے بہتر عبادت ہے۔ اور ایمان کی طرح فی حدِّ ذاتہ حسن و خوب ہے۔ برخلاف دوسری عبادتوں کے کہ ان کا حسن و خوبی ذاتی نہیں۔ طہارت کاملہ کے بعد جیسے کہ کتب شرح میں ظاہر ہو چکا ہے۔ بڑی کوشش اور اہتمام سے نماز کو ادا کرنا چاہئے اور قرات و رکوع و سجود اور قنوت و جلسہ اور تمام ارکان میں بڑی احتیاط کرنی چاہئے۔ تاکہ کامل طور پر ادا ہوں اور رکوع و سجود و قنوت و جلسہ میں سکون و طمانیت یعنی آرام کو لازم جاننا چاہئے اور سستی اور بے پروائی سے ادا نہ کرنی چاہئے۔ نماز کو اول وقت میں ادا کریں اور سستی و جہالت سے تاخیر کو پسند نہ کریں بندہ مقبول وہی ہے جو مولیٰ کا امر ہوتے ہی اس کا امر بجالائے۔ امر کے بجالانے میں دیر کرنا بے ادبی اور سرکشی ہے۔ فقہ کی فارسی کتابیں ترغیب الصلوٰۃ و تیسیر الاحکام وغیرہ ہر وقت اپنے پاس رکھیں اور مسائل شرعیہ کو ان میں سے دیکھ کر ان پر عمل کریں۔ کتاب گلستان وغیرہ فقہ کی فارسی کتابوں کے مقابلہ میں فضول و بیکار ہیں۔ بلکہ ضروری امر کے سامنے لایعنی ہیں۔ دین میں جس امر کی حاجت اور ضرورت ہے اس کو جاننا چاہئے اور اس کے سوا اور طرف التفات نہ کرنی چاہئے۔ نماز تہجد بھی اس راہ کی ضروریات میں سے ہے کوشش کریں کہ ترک نہ ہونے پائے۔ اگر ابتداء میں یہ امر مشکل نظر آئے اور اس وقت بیداری میسر نہ ہو سکے۔ تو اپنے خدمتگاروں میں سے کسی کو اس امر کے لئے مقرر کریں کہ اس وقت آپ کو جگادیا کرے اور آپ کو نیند میں نہ رہنے دے۔ چند روز کے بعد بیداری کی عادت ہو جائیگی اور اس تکلف و تعمیل کی حاجت نہ رہے گی۔ جو شخص کچھلی رات کو بیدار ہونا چاہے۔ اسے چاہئے کہ نماز خفتن کے بعد اول شب کو سو جائے اور بیہودہ امور میں مشغول ہو کر جاگتا نہ رہے اور سوتے وقت توبہ و استغفار و التجا و تضرع کیا کریں اور گناہوں اور معاصی کو یاد کیا کریں اور اپنے عیبوں اور قصوروں کو سوچیں اور آخرت کے عذاب

کا خوف کریں اور دائمی رنج و الم سے ڈریں اور حق تعالیٰ کی بارگاہ سے عفو و مغفرت طلب کریں۔ سو بار کلمہ استغفار دلی توجہ کے ساتھ زبان پر لائیں۔ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الْعَظِيمَ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ وَآتُوبُ إِلَيْهِ۔ دیگر یعنی عصر کے ادا کرنے کے بعد بھی کلمہ استغفار سو بار پڑھا کریں اور خواہ وضو ہو یا نہ ہو اس کلمہ استغفار کے ورد کو ترک نہ کریں۔ حدیث میں آیا ہے طُوبَى لِمَنْ وَجَدَ فِي صَحِيفَتِهِ اسْتَغْفَارٌ كَثِيرٌ (مبارک ہے وہ شخص جس کے عمل نامہ میں بہت استغفار ہو) نماز چاشت بھی اگر ادا کی جائے تو بڑی اعلیٰ دولت ہے کوشش کریں کہ کم از کم دو رکعت نماز چاشت ہمیشہ کے لئے ادا ہو سکیں۔ نماز چاشت کی اکثر رکعتیں تہجد کی طرح بارہ رکعتیں ہیں اور وقت و حال کے موافق جتنی ادا ہو سکیں غنیمت ہے۔ کوشش کریں کہ ہر فرضی نماز کے ادا کرنے کے بعد آیت الکرسی پڑھی جائے۔ حدیث میں آیا ہے کہ جو کوئی ہر فرضی نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھے اس کو موت کے سوا بہشت میں داخل ہونے سے کوئی چیز نہیں روکتی۔ نیز پنجگانہ نمازوں میں سے ہر نماز کے بعد تینتیس دفعہ کلمہ تزیہ سبحان اللہ اور تینتیس بار کلمہ تحمید الحمد للہ اور تینتیس بار کلمہ تکبیر اللہ اکبر کہیں اور ایک بار لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِي وَيُمِيتُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ کہیں تاکہ سو کی تعداد پوری ہو جائے نیز ہر دن اور ہر رات کو سو بار سبحان اللہ و بجمہ کہیں کہ اس کا بہت ثواب ہے۔ نیز صبح کے وقت ایک دفعہ یہ پڑھیں۔ اَللّٰهُمَّ مَا أَصْبَحَ لِيْ مِنْ نِّعْمَةٍ أَوْ بِأَحَدٍ مِنْ خَلْقِكَ فَمِنْكَ وَحْدَكَ لَا شَرِيكَ لَكَ فَلَكَ الْحَمْدُ وَلَكَ الشُّكْرُ (یا اللہ آج صبح کو جو نعمت مجھے یا تیری خلقت میں سے کسی کو پہنچی ہے۔ وہ تیری ہی طرف سے ہے تو ایک ہے تیرا کوئی شریک نہیں پس تیرے ہی لئے حمد ہے اور تیرے ہی لئے شکر ہے) اور شام کے وقت اَللّٰهُمَّ أَصْبَحَ لِيْ بِجَاءِ اَللّٰهُمَّ اَمْسَى کہیں اور تمام کریں۔ حدیث نبوی میں آیا ہے جو کوئی اس دعا کو دن میں پڑھے گا اس دن کا شکر ادا ہو جائیگا اور جو کوئی رات کو پڑھے گا اس رات کا شکر ادا ہو جائے گا اور ورد کے لئے ضروری نہیں کہ طہارت و وضو کے ساتھ پڑھیں بلکہ رات اور دن کے اس ورد کو جس وقت چاہیں بجالائیں۔

مال کی زکوٰۃ دینا بھی دین کی ضروریات میں سے ہے۔ رغبت و سنت سے زکوٰۃ کے مصارف میں پہنچانی چاہئے۔ جب منعم حقیقی جل شانہ نے فرمایا ہے کہ میرے عطیہ اور انعام کے چالیس حصوں میں سے ایک حصہ فقرا و مساکین کو دیں اور میں تم کو اس کے عوض بڑا اجر اور اچھی جزا دوں گا۔ تو پھر وہ شخص بہت ہی بے انصاف اور سرکش ہو گا۔ جو اس تھوڑے سے حصہ کے ادا کرنے میں توقف کرے اور اس کے دینے میں بخل اختیار کرے اس قسم کے توقف جو شرعی احکام کے بجالانے میں ظاہر ہوتے ہیں ان کا باعث دلی بیماری ہے یا آسمانی منزلہ احکام کیساتھ یقین نہ کرنا صرف کلمہ شہادت کا کہنا ہی کافی نہیں۔ منافق بھی اس کلمہ کو کہتے تھے۔ دلی یقین کی علامت رضا و رغبت سے احکام شرعی کا بجالانا ہے۔ ایک

حیثیل جو زکوٰۃ کے ادا کرنے کی نیت پر کسی فقیر کو دیں ان لاکھ حیثیل کے خرچ کرنے سے بہتر ہے جو اس نیت کے بغیر دیں کیونکہ اس کا دینا فرض ہے اور اس کا دینا نفل۔ فرض کے مقابلہ میں نفل کسی گنتی میں نہیں ہے کاش کہ ان کے درمیان وہی نسبت ہوتی جو قطرہ کو دریائے محیط کیساتھ ہوتی ہے۔ مگر نہیں یہ شیطان لعین کے مکر و فریب ہیں کہ لوگوں کو فرائض سے ہٹا کر نوافل کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور زکوٰۃ سے روک رکھتا ہے۔ ماہ مبارک رمضان کے روزے بھی اسلام کے واجبات اور دین کی ضروریات میں سے ہیں۔ ان کے ادا کرنے میں بڑی کوشش کرنی چاہئے اور بیہودہ عذروں سے روزہ ترک نہ کرنا چاہئے۔ حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ روزہ دوزخ کی آگ سے ڈھال ہے اور اگر بیماری یا کسی اور ضروری مانع کے باعث روزہ قضا ہو جائے تو بلا توقف اس کی قضا ادا کرنی چاہئے اور سستی اور غفلت سے نہ چھوڑنا چاہئے۔ انسان اپنے مولیٰ کا بندہ اور غلام ہے۔ خود مختار نہیں ہے۔ اس کو اپنے مولیٰ کے اوامر و نواہی کے بموجب زندگی بسر کرنی چاہئے تاکہ نجات کی امید ہو سکے اور اگر ایسا نہ کرے گا تو بندہ سرکش ہو گا۔ جس کی سزا طرح طرح کے عذاب ہیں۔ اسلام کا پانچواں رکن بیت اللہ کا حج ہے۔ اس کی بہت سی شرطیں ہیں۔ جو کتب فقہ میں مفصل طور پر درج ہیں۔ شرطوں کے موجود ہونے پر اس کا ادا کرنا ضروری ہے۔ حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ حج پہلے تمام گناہوں کو گرا دیتا ہے۔ غرض شرعی حل و حرمت میں بڑی احتیاط کرنی چاہئے اور جس چیز سے صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے روکا ہے اس سے اپنے آپ کو روکنا چاہئے۔ اور شرعی حدود کی محافظت کرنی چاہئے۔ اگر سلامتی اور نجات مطلوب ہے۔ یہ خواب خرگوش کب تک ہوگی اور غفلت کی روئی کب تک کانوں میں پڑی رہے گی۔ آخر ایک دن اس نیند سے جگا دیں گے اور غفلت کی روئی کانوں سے نکال ڈالیں گے۔ اس وقت ندامت و حسرت کے سوا کچھ ہاتھ نہ آئے گا اور خجالت و خسارت کے سوا کچھ حاصل نہ ہو گا۔ موت نزدیک ہے اور آخرت کے طرح طرح کے عذاب تیار اور آمادہ ہیں۔ مَنْ مَاتَ فَقَدْ قَامَ قِيَامَةً (جو مر گیا اس کی قیامت آگئی) پیشتر اس کے کہ آپ کو بیدار کریں (اور اس وقت کا جاگنا کچھ فائدہ نہ دے گا) بیدار ہو جائیے اور شروع کے اوامر و نواہی کے موافق عمل کریں اور آخرت کے طرح طرح کے عذابوں سے اپنے آپ کو بچائیے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ قُواْ اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْذَهَا النَّاسُ وَالْحَبَاۗرَةُ (یعنی اپنی جانوں اور اپنے اہل و عیال کو اس آگ سے بچاؤ۔ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں) عقائد کے درست کرنے اور شریعت حقہ کے مطابق اعمال صالحہ کے بجالانے کے بعد اپنے اوقات کو ذکر الہی جل شانہ سے آباد رکھنا چاہئے اور اس کی یاد سے فارغ و غافل نہ ہونا چاہئے۔ ظاہر کو اگر خلق کے ساتھ مشغول رکھیں تو چاہئے کہ باطن حق تعالیٰ کے ساتھ مشغول ہو اور اس کی یاد سے لذت پانی چاہئے۔ ہمارے حضرات خواجگان قدس سرہم کے طریقہ میں مبتدی کو یہ دولت شیخ کامل مکمل کی

صحبت میں پہلے ہی قدم میں اللہ تعالیٰ کی عنایت سے حاصل ہو جاتی ہے امید ہے کہ آپ کو بھی اس بات کا یقین حاصل ہوا ہو گا۔ بلکہ کچھ نہ کچھ حصہ ملا ہو گا۔ غرض جو کچھ آپ کو حاصل ہے اس کو حفاظت سے رکھیں اور اس کا شکر ادا کریں اور زیادتی کے امیدوار رہیں۔ چونکہ حضرات نقشبندیہ قدس سرہم کے طریقہ میں اندراج نہایت دربدایت (ابتداء میں انتہا درج) ہے۔ اس لئے اس طریق میں تھوڑا بھی بہت ہے کیونکہ ابتداء میں انتہا کی خبر مل جاتی ہے۔ لیکن مبتدی کے لئے ضروری ہے کہ خواہ اس کو بہت کچھ حاصل ہو اس کی نظر میں تھوڑا ہی دکھائی دے۔ لیکن اس کے شکر سے غافل نہ رہے۔ اس کا بھی شکر ادا کرے اور زیادتی کا بھی طالب رہے۔ ذکر قلبی سے اصلی مقصود یہ ہے کہ ماسوائے حق کی گرفتاری اور تعلق جو دی بیماری ہے۔ دل سے دور ہو جائے جب تک یہ گرفتاری دور نہ ہو۔ ایمان کی حقیقت کا پتہ نہیں لگتا اور شریعت کے اوامر و نواہی کے ادا کرنے میں سہولت و آسانی حاصل نہیں ہوتی۔ بیت

ذکر گو ذکر تا ترا جان است پاکئے دل ز ذکر رحمان است

ترجمہ بیت ذکر کر ذکر جب تلک جان ہے

دل کی پاکی یہی ذکر رحمان ہے

کھانا کھانے میں چاہئے کہ نفس کی لذت مطلوب نہ ہو۔ بلکہ عبادت کی قوت و طاقت کی نیت سے کھانا کھائیں۔ اگر ابتداء میں یہ نیت حاصل نہ ہو تو تکلف کے ساتھ اپنے آپ کو اس نیت پر لائیں اور التجا و تضرع کریں کہ یہ نیت حاصل ہو جائے۔ اسی طرح کپڑا پہننے میں بھی عبادت و نماز کے ادا کرنے کے لئے زینت و زیبائش کی نیت ہونی چاہئے۔ قرآن مجید میں آیا ہے۔ خُذُوا زِينَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ (ہر نماز کے وقت اپنی زینت حاصل کرو) قیمتی اور عمدہ کپڑوں کے پہننے سے مقصود خلق کا نمودار اور ریا نہ ہونا چاہئے کہ یہ منع ہے۔ اسی طرح کوشش کرنی چاہئے کہ تمام افعال و حرکات و سکنات میں اپنے مولا جل شانہ کی رضامندی منظور ہو اور شریعت کے موافق عمل کیا جائے۔ اس وقت ظاہر و باطن دونوں حق تعالیٰ کی طرف متوجہ اور اس کی یاد میں ہونگے۔ مثلاً خواب یعنی نیند جو سر اسر غفلت ہے۔ جب اس نیت سے کی جائے کہ طاعت و عبادت کے ادا کرنے میں سستی دور ہو تو اس نیت پر سونا بھی عبادت ہے اور جب تک سوتے رہیں۔ طاعت و عبادت ہی میں شمار ہوتا ہے کیونکہ یہ سونا بھی طاعت کے ادا کرنے کی نیت پر ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ نَوْمُ الْعُلَمَاءِ عِبَادَةٌ (علماء کا سونا بھی عبادت ہے) اگرچہ فقیر جانتا ہے کہ آج آپ کو اس بات کا حاصل ہونا مشکل ہے کیونکہ موانع کا ہجوم ہے اور رسوم و عادات غالب ہیں۔ جو تنگ و ناموس کے لئے ضروری ہیں۔ یہ سب امور شریعت کے مخالف ہیں کیونکہ شریعت رسوم و عادات کے رفع کرنے اور اس تنگ و ناموس کے رفع کرنے کے لئے جو نفس لمارہ کی خواہش سے پیدا ہوتے ہیں۔ وارد ہوئی ہے لیکن اگر اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ذکر قلبی پر بیٹھیں اور پنج وقتی نماز کو

پوری شرائط کے ساتھ ادا کریں گے اور شرعی حل و حرمت میں حتی المقدور احتیاط کریں گے۔ تو امید ہے کہ اس امر کا جمال ظاہر ہو جائے گا اور آپ خود بخود اس طرف راغب ہو جائیں گے دوسری وجہ اس قسم کی نصیحتوں کے لکھنے سے یہ ہے کہ اگر ان نصیحتوں کے موافق عمل نہ ہو سکے تو اپنے قصور و نقص کا اقرار ہی حاصل ہو گا اور یہ بھی بڑی دولت ہے۔ بیت

ہر کس کہ بیافت دو لتے یافت عظیم و آنکس نیافت در دنیا یافت بس است
ترجمہ بیت جس نے پایا اس کو گویا مل گئی دولت عظیم
اور جس نے کچھ نہ پایا پایا درد الیم

اس شخص سے اللہ کی پناہ جو نہ پائے اور اپنے نہ پانے سے رنجیدہ نہ ہو اور کچھ نہ کرے اور اپنے نہ کرنے سے پشیمان نہ ہو۔ ایسا شخص جاہل سرکش ہی ہے۔ جس نے بندگی کی رسی سے اپنے سر کو اور غلامی کی قید سے اپنے پاؤں کو نکال لیا ہے۔ رَبَّنَا آتِنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً وَ هِيَ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا رَشَدًا۔ (یا اللہ تو اپنے پاس سے ہم پر رحمت نازل فرما اور ہمارے کام سے بھلائی ہمارے نصیب کر) اگرچہ وقت و حال اور زمان و مکان اس امر کا تقاضا نہیں کرتا تھا کہ کچھ لکھا جائے لیکن جب آپ کا کمال رغبت و شوق دیکھا اس لئے تکلف کے ساتھ اپنے آپ کو اس امر پر لا کر چند سطریں لکھ کر کمال الدین حسین کے حوالہ کی ہیں۔ حق تعالیٰ آپ کو اس کے مطابق عمل عطا فرمائے۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اتَّبَعَ الْهُدٰی (سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی)۔

مکتوب ۱۸

ماسوا سے بے تعلق ہونے اور طالبان حق کی صحبت پر ترغیب دینے کے بیان میں

سیادت پناہ میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا ہے:

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ دَائِمًا عَلٰی كُلِّ حَالٍ فِی السَّرَّاءِ وَالصَّرَّاءِ (رنج و خوشی میں ہر حال میں اللہ رب العالمین کی حمد ہے) آپ کا صحیفہ شریفہ معہ ہدیہ کے جو سلیمان کے ہمراہ ارسال کیا تھا۔ پہنچا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزاء خیر دے آپ نے لکھا تھا کہ اس سفر سے مقصود بعض ان مقاصد کا حاصل ہونا تھا۔ جن کا حاصل ہونا مشکل تھا۔ آپ امیدوار ہیں۔ فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا (کیونکہ تنگی کے ساتھ آسانی ہے بیشک تنگی کیساتھ آسانی ہے) ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ لَنْ يَغْلِبَ عُسْرُ يُسْرَيْنِ (دو آسانیوں پر ایک تنگی کبھی غالب نہیں آسکتی) فقیر اپنے احوال پر ملال کو کیا لکھے اور کیا دوستوں کو بے مزہ کرے تاہم اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ عین بلا میں عافیت حاصل ہے۔ فَسُبْحَانَ اللَّهِ مَنْ جَمَعَ بَيْنَ الصِّدِّيقَيْنِ وَ قَرَنَ بَيْنَ الْمُتَنَافِئَيْنِ (پاک ہے وہ ذات جس نے دو ضدوں کو جمع کر دیا اور دو مخالف چیزوں کو ملا دیا) ایک دن فقیر قرآن مجید کی تلاوت کر رہا تھا کہ یہ

آیت آئی۔ قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ بَاقَتْ
فَتَمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسْكِنٌ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ
فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ (کہ اگر تمہارے باپ،
بیٹے، بھائی، بیویاں، کنبہ اور وہ مال جو تم نے جمع کئے ہیں اور تجارت جس کے نقصان سے تم ڈرتے ہو اور
مکان جن کو تم پسند کرتے ہو اللہ اور اس کے رسول اور جہاد فی سبیل اللہ کی نسبت تم کو عزیز ہیں۔ تو پھر
منتظر رہو کہ اللہ تعالیٰ کا امر آجائے اور اللہ تعالیٰ فاسقوں کو کبھی ہدایت نہیں دیتا) اس آیت کریمہ کے
پڑھنے سے بہت گریہ اور خوف غالب آیا۔ اسی اثناء میں اپنے حال کا مطالعہ کیا۔ دیکھا کہ ان تعلقات میں
سے کوئی تعلق نہیں رہا۔ اگر سب کے سب تلف و ناجیز ہو جائیں۔ تو کوئی ایسا امر پسند نہ کرے گا جس کا
کرنا شریعت میں برا معلوم ہو اور ان امور کو اس امر پر اختیار نہ کرے گا باقی التماس یہ ہے کہ جب یار
ہمارے ساتھ خدا کے لئے صحبت رکھتے ہیں تو ہمیں بھی چاہئے کہ انکو آزر دہ نہ کریں۔ بلکہ ناز کیساتھ
رکھیں اور ان کے ظاہری باطنی احوال کی خبر رکھیں۔ حدیث قدسی مشہور ہے۔ يَا دَاوُدُ إِذَا رَقِيتَ لِي
طَالِبًا فَكُنْ لِي خَادِمًا (اے داؤد جب تو کوئی میرا طالب دیکھے تو اس کی خدمت کر) ان کے حال پر پہلے
کی نسبت زیادہ توجہ رکھیں اور لا پرواہی اور تغافل کو دور کریں اور لکھیں کہ قربیت والا مکتوب آپ کی
سمجھ میں آیا ہے یا نہیں۔ اگر سمجھ میں آگیا ہو تو بہتر ورنہ شک و تردد کے مقامات کو تشخیص کر کے
لکھیں۔ اس سے زیادہ کیا لکھا جائے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت و عافیت اور ثبات و
استقامت عطا کرے اور زیادہ زیادہ توفیق بخشے اور آپ کا خاتمہ نیک کرے۔ والسلام

مکتوب ۱۹

حق تعالیٰ کی قضا پر صبر و رضا کے بیان میں سیادت پناہ میر محمد نعمان کی طرف صادر

فرمایا ہے:

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ وَفِي الْعَافِيَةِ وَالْبَلَاءِ (رنج و خوشی اور عافیت
و بلا میں اللہ رب العالمین کی حمد ہے) اس حکیم جل شانہ کا کوئی کام حکمت و بہتری سے خالی نہیں ہوتا جو
کچھ اللہ تعالیٰ کرتا ہے اس میں سراسر صلاح و بہتری ہوتی ہے۔ عَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ
لَّكُمْ وَعَسَىٰ أَنْ تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ (قرب ہے کہ تم کسی
شے کو برا جانو اور وہ تمہارے لئے اچھی ہو اور کسی شے کو تم اچھا جانو اور وہ تمہارے حق میں بری ہو۔ یہ
بات اللہ تعالیٰ جانتا ہے تم نہیں جانتے) پس آپ اس کی بلا پر صبر کریں۔ اس کی قضا پر راضی رہیں۔ اس
کی طاعت پر ثابت قدم رہیں اور اس کی نافرمانی سے بچیں۔ إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا
ہے مَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُوا عَنْ كَثِيرٍ (جو مصیبت تم کو پہنچتی ہے

تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی کے باعث ہے اور بہت کو معاف کرتا ہے) پس اپنے افعال سے اللہ تعالیٰ کے سامنے توبہ و استغفار کریں اور اس سے غفوَ عافیت طلب کریں۔ فَإِنَّهُ تَعَالَى عَفْوٌ يُجِبُ الْعُفْوَ (کیونکہ اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا ہے اور غفوَ کو دوست رکھتا ہے) اور جہاں تک ہو سکے بلا سے بچیں۔ کیونکہ اس مصیبت سے جو طاقت سے بڑھ کر ہو۔ بھاگنا انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی سنت ہے اور ہم عین بلا میں عافیت کیساتھ ہیں۔ اس بات پر اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا احسان ہے۔ وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلَىٰ سَائِرِ مَنْ اتَّبَعَ الْهُدَىٰ وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفَىٰ عَلَيْهِ وَعَلَىٰ آلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالسَّلَامَاتُ الْعُلَى (آپ پر اور ان تمام لوگوں پر جنہوں نے ہدایت اختیار کی اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی متابعت کو لازم پکڑا اسلام ہو)۔

مکتوب ۲۰

ہمت کی بلندی اور تمام نعمتوں کے وصول کو اپنے پیر کی طرف راجع کرنے کے بیان میں مولانا امان اللہ کی طرف صادر فرمایا ہے:

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَ سَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَى (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) برادر مرشح امان اللہ کا مکتوب پہنچا۔ آپ نے اپنے احوال و مواجید کی نسبت جو کچھ لکھا تھا۔ سب واضح ہوا۔ آپ سے ان امور کی زیادہ امید ہے۔ جو کچھ عطا فرمائیں۔ منت و ادب سے قبول کرنا چاہئے اور تضرع و زاری و التجا و انکسار سے ہل من مزید کہتے ہوئے زیادتی اور مقام فوق کا سوال کرنا چاہئے اور احکام شرعیہ کے بجالانے میں بڑی رعایت و کوشش کرنی چاہئے۔ کیونکہ احوال کے صادق ہونے کی علامت شریعت کی استقامت ہے۔ اس واقعہ کی تعبیر جو آپ نے عالم مثال سے لکھا تھا معاملہ کے نزدیک ہے۔ وَالْأَمْرُ إِلَى اللَّهِ مُبْحَنَانَهُ (حقیقت حال اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے) چونکہ آپ صحبت میں بہت رہے ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ آپ کی نظر بلند ہے۔ بچوں کی طرح جو زو مویر پر فریفتہ نہیں ہوتے۔ إِنَّ اللَّهَ مُبْحَنَانَهُ يُجِبُ مَعَالِيَ الْهَمَمِ (اللہ تعالیٰ بلند ہمتوں کو دوست رکھتا ہے) برادر مرشح حافظ مہدی علی کی نسبت حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی تربیت کا واقعہ جو آپ نے لکھا تھا۔ ہاں حافظ ہمارے طریق کے ساتھ بہت منا۔ بت رکھتا ہے۔ لیکن اس قدر جاننا ضروری ہے کہ دولت اگرچہ بظاہر کسی جگہ سے پہنچے۔ درحقیقت اس کو اپنے شیخ کی طرف منسوب کرنا چاہئے تاکہ توجہ کا قبلہ پر آگندہ نہ ہو اور کارخانہ میں خلل نہ پڑے اور جس جگہ سے کوئی فیض پہنچے۔ اس کو اپنے پیر ہی سے جاننا چاہئے کیونکہ وہ ہر صورت میں جامع ہے اور جو تربیت ظاہر ہوتی ہے درحقیقت اسی کی طرف سے ہے۔ اس مقام پر اکثر طالبوں کے قدم پھسل جاتے ہیں اس مقام سے بخوبی واقف ہونا چاہئے تاکہ دشمن لعین موقع پا کر پر آگندہ نہ کرے آپ نے سنائی ہو گا ہر کہ یک جاست ہمہ جاست دہر کہ ہمہ جاست ہیج جانیست۔ یعنی جو ایک

جگہ ہے وہ سب جگہ ہے اور جو سب جگہ ہے وہ کسی جگہ بھی نہیں۔ حافظ کو دعا پہنچائیں۔ والسلام

مکتوب ۲۱

بعض ان سوالوں کے جواب میں جو ضمیروں کے ساتھ حق تعالیٰ کے مشار الیہ ہونے اور زاہدوں کی فضیلت اور حق تعالیٰ کی اپنی ذات کے علم کی کیفیت میں کئے گئے تھے۔ میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا ہے:

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) آپ نے پوچھا تھا کہ جب ظلی اشیاء اپنی ماہیت سے اشیاء نہیں ہیں۔ بلکہ اپنے اصل کی ماہیت سے قائم ہیں۔ تو چاہئے کہ اشیاء کا مشار الیہ لفظ ہو وَاَنْتَ وَاَنَا سے وہی اصل ہو۔ اس وقت بعض ان صفات کا جو اس اصل کے نامناسب ہیں۔ ضمیروں پر حمل کرنا کس طرح صادق آتا ہے۔ جیسے کہ اَنَا اِکِلٌ وَاَنَا نَائِمٌ۔ جاننا چاہئے کہ ظل در حقیقت اگرچہ اپنی اصل سے قائم ہے۔ لیکن اس ظلیت کا ثبوت خواہ مرتبہ حس و خیال ہی میں ہو۔ ہمیشہ قائم ہے اور اس کی ظلیت کے احکام کے لئے دوام و بقا ثابت ہے وَخُلِقْتُمْ لِلْاَرْبَدِ اس امر پر گواہ ہے۔ ظلیت کے اعتبار سے ان صفات کا ضمیروں پر حمل کرنا جائز ہے۔ کیونکہ وجود کے ہر مرتبہ کا حکم جدا ہے اور جو کچھ خدا میں گم ہے خدا نہیں ہے۔ دوسرے آپ نے اس حدیث قدسی کے معنی پوچھے تھے۔ جو زاہدوں کی فضیلت میں وارد ہوئی ہے۔ اس حدیث کے لفظی معنی ظاہر ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے کچھ دور نہیں کہ بعض لوگوں کو اس قسم کے فضائل اور خصائص و کرامات کے ساتھ مخصوص کرے اور ایسے ایسے درجات و مراتب عطا فرمائے کہ دوسرے لوگ رشک کریں اور ان کی گفٹی میں جو آپ کا تردد تھا کوئی تردد کا مقام نہیں۔ حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت میں سے بہت سارے لوگ بے حساب بہشت میں جائیں گے چنانچہ حدیث صحیح میں آیا ہے کہ میری امت میں سے ستر ہزار آدمی بے حساب جنت میں جائیں گے۔ حاضرین نے پوچھا کہ یا رسول اللہ وہ کون لوگ ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ الَّذِیْنَ لَا یُکْبِرُوْنَ وَلَا یَسْتَرْفَعُوْنَ وَ عَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ (وہ لوگ ہیں جو نہ داغ دیتے ہیں اور نہ انفسوں پڑھتے ہیں اور اپنے رب پر توکل کرتے ہیں) اس مقام میں سر عظیم ہے جس کا ظاہر کرنا مصلحت سے دور ہے کیونکہ اکثر لوگوں کے فہم سے بعید ہے۔ اگر ملاقات کا موقع ملا تو یاد دلانا و بروکچہ اس کا بیان کیا جائے گا اس سر کا تھوڑا سا حال دفتر دوم کے مکتوبات میں سے کسی مکتوب میں درج ہو چکا ہے۔ اگر مل سکے تو وہاں سے دیکھ لیں آپ نے یہ بھی پوچھا تھا کہ حق تعالیٰ کا علم اپنی ذات کی کنہ کو محیط ہو سکتا ہے یا نہیں۔ اگر ہو سکتا ہے تو حق تعالیٰ کا متناہی اور محدود ہونا لازم آئے گا۔ جاننا چاہئے کہ علم کی دو قسمیں ہیں ایک حصولی، دوسری حضوری، محال ہے کہ علم حصولی حق تعالیٰ کی ذات کی کنہ کے متعلق ہو کیونکہ اس سے احاطہ اور تناہی لازم آتی ہے لیکن جائز ہے

کہ حق تعالیٰ کا علم حضوری حق تعالیٰ کی ذات کی کنہ کے متعلق ہو اور کوئی تنہائی لازم نہ آئے۔ والسلام

مکتوب ۲۲

اس بیان میں کہ مشرکوں کی نجاست سے مراد ان کا باطنی نجس اور ان کی بد اعتقادی ہے نہ کہ ان کا نجس العین ہونا۔ ملا مقصود علی تبریزی کی طرف صادر فرمایا ہے:

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) میرے مشفق مخدوم، نہیں معلوم، تفسیر حسینی کے بھیجنے سے آپ کا مقصود کیا تھا۔ تفسیر والا آیت کریمہ ائمہ حنفیہ کے موافق بیان کرتا ہے اور نجاست سے شرک اور نجس باطن اور بد اعتقادی مراد رکھتا ہے اور یہ جو بعد ازاں اس نے کہا ہے کہ یہ لوگ نجاست سے پرہیز نہیں کرتے۔ یہ بات آج کل اکثر اہل اسلام میں بھی موجود ہے اور اس باعث سے عام اہل ایمانوں اور کافروں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہو سکتا۔ اگر نجاست سے پرہیز نہ کرنا ہی آدمی کی نجاست کا سبب ہے تو پھر معاملہ تنگ ہے۔ وَلَا خَرَجَ فِي الْإِسْلَامِ (اسلام میں کوئی تنگی نہیں) اور یہ جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے کہ مشرک کتوں کی طرح نجس العین ہیں۔ اس قسم کی شاذ و نادر نقلیں دین کے بزرگواروں سے بہت آئی ہیں۔ لیکن یہ سب تاویل اور توجیہ پر محمول ہیں۔ یہ لوگ کس طرح نجس العین ہو سکتے ہیں جب کہ آنحضرت ﷺ نے یہودی کے گھر سے کھانا کھایا ہے اور مشرک کے برتن سے وضو کیا ہے اور حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی نصرانی عورت کے گھر سے وضو کیا ہے اور اگر کہیں کہہ سکتا ہے کہ آیت کریمہ إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ (مشرک نجس ہیں) ان روایتوں سے متاخر ہو اور ان کی ناسخ ہو۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس جگہ صرف تو اند بود (ہو سکتا ہے) کافی نہیں اس کے متاخر ہونے کو ثابت کرنا چاہئے تاکہ نسخ کا دعویٰ صحیح ہو۔ فَإِنَّ لَهُم مِّنْ وَرَاءِ الْمَنَعِ (کیونکہ خصم یعنی مناظر بے دلیل نہیں مانتا) اور اگر اس آیت کا متاخر ہونا تسلیم بھی کر لیں تو بھی حرمت کی مثبت نہیں جب کہ مراد نجاست سے نجس باطن ہے کیونکہ منقول ہے کہ کوئی پیغمبر کسی ایسے امر کا مرتکب نہیں ہوا۔ جس کا انجام اس کی شریعت میں یا کسی دوسرے نبی کی شریعت میں حرمت تک پہنچا ہو اور اخیر میں حرام ہو گیا ہو اگرچہ وہ امر ارتکاب کے وقت مباح ہی کیوں نہ ہو۔ مثلاً شراب جو پہلے مباح تھا اور پھر حرام ہوا۔ اس کو کسی پیغمبر نے نہیں پیا۔ اگر مشرکوں کا انجام کار ظاہری نجاست پر قرار پاتا اور کتوں کی طرح نجس عین ہوتے تو آنحضرت ﷺ جو محبوب رب العالمین ہیں ہر گز ان کے برتنوں کو ہاتھ نہ لگاتے چہ جائیکہ ان کا آب و طعام پیتے کھاتے۔

نیز نجس العین ہر وقت نجس عین ہے۔ پہلی اور پچھلی اباحت کی اس میں گنجائش نہیں۔ اگر مشرک نجس عین ہوتے تو چاہئے تھا کہ ابتدائی سے ایسے ہوتے اور آنحضرت ﷺ ان کے ساتھ اول ہی سے

ان کے اندازہ کے موافق معاملہ فرماتے۔ وَادْلَيْسَ فَلَيْسَ (جب ایسا نہیں تو ویسا بھی نہیں) نیز حرج و تنگی دین میں دور ہو چکی ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ ان کی نجاست کے حکم کرنے اور ان کو نجس عین جاننے میں مسلمانوں پر کس قدر تنگی آئیگی اور کس قدر رنج و تکلیف میں پڑینگے۔ آئمہ حنفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ممنون احسان ہونا چاہئے۔ جنہوں نے مسلمانوں کے لئے مخلصی پیدا کر دی ہے اور حرام کے ارتکاب سے بچا دیا ہے۔ نہ یہ کہ ان پر طعن لگائیں اور ان کے ہنر کو عیب خیال کریں مجتہد پر اعتراض کی مجال ہی کیا ہے۔ جب کہ اس کو خطا پر بھی ایک درجہ ثواب کا حاصل ہے اور اس کی تقلید اگرچہ خطا پر ہو۔ پھر بھی نجات کا سبب ہے۔ وہ لوگ جو کفار کے کھانے پینے کی حرمت کے قائل ہیں۔ از روئے عادت کے محال ہے کہ اپنے آپ کو اس کے ارتکاب سے محفوظ رکھ سکیں۔ خاص کر ملک ہندوستان میں جہاں یہ ابتلا زیادہ تر ہے۔ اپنے آپ کو محفوظ رکھنا مشکل ہے۔ اس مسئلہ میں کہ جس میں عام لوگ مبتلا ہیں۔ بہتر یہی ہے کہ سب سے آسانی اور سہل امر پر فتویٰ دیں۔ اگر اپنے مذہب کے موافق نہ ہو سکے تو جس مجتہد کے قول کے مطابق زیادہ آسانی اور سہولت ہو۔ اس پر فتویٰ دینا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (اللہ تعالیٰ تم پر آسانی کرنا چاہتا ہے اور تنگی نہیں چاہتا) ایک اور جگہ فرماتا ہے۔ يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُخَفِّفَ عَنْكُمْ وَخُلِقَ الْإِنْسَانُ ضَعِيفًا (اللہ تعالیٰ تم پر تخفیف کرنا چاہتا ہے اور انسان ضعیف پیدا کیا گیا ہے) خلق پر تنگی کرنا اور ان کو رنج میں ڈالنا حرام اور خدا تعالیٰ کو نا پسند ہے۔ علماء شافعیہ بعض ان مسائل میں جن میں امام شافعی نے تنگی کی ہے۔ مذہب حنفی پر فتویٰ دیتے ہیں اور لوگوں پر آسانی کرتے ہیں۔ مثلاً زکوٰۃ کے مصارف میں امام شافعی کے نزدیک صدقہ کو زکوٰۃ کے تمام اقسام مصارف پر تقسیم کرنا چاہئے۔ جن میں سے ایک مؤلفۃ القلوب ہے۔ جو اس وقت مفقود ہے۔ علماء شافعیہ نے مذہب حنفی کے موافق فتویٰ دیا ہے اور ان اقسام میں سے کسی ایک میں دے دینے پر کفایت کی ہے۔ نیز اگر مشرک نجس عین ہوتے تو چاہئے تھا کہ ایمان لانے سے بھی پاک نہ ہوتے۔ پس معلوم ہوا کہ ان کی نجاست جبٹ باطن اور بد اعتقادی کے باعث ہے جو دور ہو سکتی ہے اور صرف باطن پر ہی وقوف ہے جو اعتقاد کا محل ہے اور اندرونی نجاست بیرونی طہارت کے ساتھ مخالفت نہیں رکھتی۔ چنانچہ ہر ادنیٰ اور اعلیٰ کو معلوم ہے۔ نیز کلام حسن انتظام اِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ میں مشرکوں کے حال کی خبر دی گئی ہے۔ جس کو ناخن و منسوخ ہونے سے کچھ تعلق نہیں۔ کیونکہ نسخ حکم شرعی کے انشاء میں ہے۔ نہ کسی شے کی اخبار میں۔ پس چاہئے کہ مشرک ہر وقت نجس ہوں اور مراد نجاست سے جبٹ اعتقاد ہو تاکہ دلیلیں باہم متعارض اور مخالف نہ ہوں اور ان کا ہاتھ لگانا یا چھونا کسی وقت محذور و ممنوع نہ ہو۔ جس دن اس فقیر نے اس بحث میں آیت کریمہ وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَكُمْ (اہل کتاب کا کھانا تمہارے لئے حلال ہے) پڑھی تھی۔ تو آپ نے اس کے جواب میں فرمایا تھا کہ مراد اس جگہ گیہوں

اور چنے اور مسور سے ہے۔ اگر اس توجیہ کو اہل عرف مان لیں تو کچھ مضائقہ نہیں لیکن انصاف درکار ہے۔ اس تصدیق اور طول کلامی سے اصلی مقصود یہ ہے کہ آپ خلق خدا پر رحم کریں اور عام طور پر ان کی نجاست کا حکم نہ دیں اور مسلمانوں کو بھی کفار کے ساتھ ملنے جلنے کے باعث کہ جس سے چارہ نہیں۔ نجس نہ جانیں اور وہی نجاست کے باعث مسلمانوں کے کھانے پینے سے پرہیز نہ کریں اور اس طرح سب سے بیزار نہ ہوں اور اس کو احتیاط خیال نہ کریں۔ بلکہ احتیاط اس احتیاط کے ترک کرنے میں ہے۔ زیادہ کیا تکلیف دی جائے۔ بیت

اند کے پیش تو گفتم غم دل ترسیدم کہ دل آزرده شوی ورنہ سخن بسیار است
ترجمہ: غم دل اس لئے تھوڑا کہا ہے تجھ سے اے جانناں
کہ آزرده نہ ہو جائے بہت سن سن کے دل تیرا

والسلام

مکتوب ۲۲

اس بیان میں کہ حق تعالیٰ نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ذریعے اپنی ذات و صفات اور بندوں کے پسندیدہ اور ناپسندیدہ اعمال کی نسبت خبر دی ہے جن میں عقل کا کچھ دخل نہیں۔ خواجہ ابراہیم قبادیانی کی طرف صادر فرمایا ہے:-

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَنْعَمَ عَلَيْنَا وَهَدَانَا إِلَى الْإِسْلَامِ وَجَعَلَنَا مِنْ أُمَّةٍ مُّحَمَّدٍ عَلَيْهِ وَعَلَىٰ آلِهِ
الصلوة والسلام (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے۔ جس نے ہم پر انعام کیا اور ہم کو اسلام کی ہدایت دی اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت میں سے بنایا) انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اہل جہان کے لئے سراسر رحمت ہیں۔ جن کی بعثت کے ذریعے حق تعالیٰ نے اپنی ذات و صفات سے ہم ناقص عقول اور کم فہموں کو خبر دی ہے اور ہمارے کوتاہ فہم کے موافق اپنے ذاتی و صفاتی کمالات پر اطلاع بخشی ہے اور اپنی رضامندی کو اپنی ناراضگی سے جدا کیا ہے اور ہمارے دنیا اور آخرت کے نفعوں کو ہمارے فروع سے ممتاز فرمایا ہے۔ اگر ان کے وجود شریف کا وسیلہ نہ ہوتا۔ تو انسانی عقلیں حق تعالیٰ کے اثبات میں عاجز رہتیں اور اس کے کمالات کے ادراک میں ناقص اور قاصر ہوتیں۔ متقدمین اہل فلسفہ جو اپنے آپ کو ارباب عقول فرض کرتے ہیں۔ صانع جل شانہ کے منکر تھے اور اپنی کم عقلی کے باعث اشیاء کو دہر یعنی زمانہ کی طرف منسوب کرتے تھے۔ نمرود جو روئے زمین کا بادشاہ ہو گزرا ہے زمینوں اور آسمانوں کے خالق کے اثبات میں حضرت خلیل کے ساتھ اس کا جھگڑنا مشہور ہے اور قرآن مجید میں بھی مذکور ہے۔ فرعون بد بخت کہا کرتا تھا۔ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِنْ إِلَهِ غَيْرِي (میں اپنے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں جانتا)

نیز فرعون نے حضرت موسیٰ کو مخاطب کر کے کہا تھا۔ لَئِنْ اتَّخَذْتَ إِلَهًا غَيْرِي لَأَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُونِينَ (اگر تو میرے سوا اور کوئی معبود پکڑے گا۔ تو تجھے قید کر دوں گا) نیز اس بد بخت نے ہامان کو کہا یا ہامان ابن لی صرّحاً لعلیٰ ابْلُغْ الْأَسْبَابَ أَنْسَابَ السَّمَوَاتِ فَأَطْلِعْ إِلَى إِلَهِ مُوسَى وَإِنِّي لَأَظُنُّهُ كَاذِبًا (اے ہامان ایک بڑا اونچا مکان بنواتا کہ میں آسمانوں پر چڑھ کر موسیٰ کے خدا کی خبر لوں۔ میرا گمان ہے کہ وہ جھوٹا ہے) غرض عقل اس اعلیٰ دولت کے اثبات میں کوتاہ ہے اور ان بزرگواروں کی ہدایت کے بغیر اس دولت سراے گمراہ ہے جب انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے متواتر طور پر مخلوقات کو خدا کی طرف جو زمین و آسمان کا خالق ہے۔ دعوت فرمائی اور ان بزرگواروں کا بول بالا ہوا۔ تو ہر زمانہ کے جاہل و بیوقوف لوگ جو صانع کے ثبوت میں متردد تھے۔ اپنی برائی پر مطلع ہو کر بے اختیار صانع کے وجود کے قائل ہو گئے اور اشیاء کو حق تعالیٰ کی طرف منسوب کیا۔ یہ وہ نور ہے (یعنی وجود صانع کا قائل ہونا) جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے انوار سے حاصل ہوا ہے اور یہ وہ دولت ہے۔ جو انبیاء کے دسترخوان سے ملی ہے۔ اسی طرح تمام سمعیات یعنی سنی ہوئی باتیں جو انبیاء کی تبلیغ سے ہم تک پہنچی ہیں۔ یعنی حق تعالیٰ کی صفات کمال کا وجود۔ انبیاء کی بعثت، فرشتوں کی عصمت، حشر و نشر، بہشت و دوزخ اور ان کا دائمی رنج و راحت وغیرہ وغیرہ جو شریعت نے بیان کی ہیں۔ عقل ان کے ادراک سے قاصر ہے اور ان بزرگواروں سے نے بغیر ان کے اثبات میں ناقص اور غیر مستقل ہے جس طرح طور عقل طور حس سے ماوراء ہے کہ جو چیز حس سے مدرک نہ ہو سکے۔ عقل اس کا ادراک کر سکتی ہے۔ اسی طرح طور نبوت بھی طور عقل کے ماوراء ہے۔ جو چیز عقل سے مدرک نہ ہو سکے۔ نبوت کے ذریعے ادراک میں آجاتی ہے۔ جو شخص طور عقل کے ماسوا اور کوئی طریقہ صانع کی معرفت کے لئے ثابت نہیں کرتا وہ درحقیقت طور نبوت کا منکر اور بد اہت و صراحت کا مخالف ہے۔ پس انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا وجود ضروری تھا تاکہ منعم جل شانہ کے شکر پر جو عقل کی رودے واجب ہے۔ دلالت کریں اور نعمتوں کے دینے والے مولا جل و علا کی تعظیم جو علم و عمل سے تعلق رکھتی ہے۔ اسی کی طرف سے معلوم کر کے ظاہر کریں۔ کیونکہ حق تعالیٰ کی وہ تعظیم جو اس کی طرف سے حاصل نہ ہو۔ وہ اس کے شکر کے لائق نہیں۔ اس لئے کہ قوت انسانی اس کے ادراک میں عاجز ہے۔ بسا اوقات اس کی بے تعظیمی کو تعظیم سمجھتا ہے اور شکر سے بھج میں آجاتا ہے حق تعالیٰ سے اس کی تعظیم کے استفادہ کا طریق نبوت اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تبلیغ پر موقوف ہے۔ اولیاء کرام کا الہام بھی انوار نبوت سے متعین ہے اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہی کی متابعت کے فیض و برکت کا نتیجہ ہے۔ اگر اس امر میں عقل کافی ہوتی۔ تو یونان کے فلاسفر جنہوں نے عقل کو اپنا مقتدا بنایا ہے۔ گمراہ نہ رہتے اور حق تعالیٰ کو سب سے زیادہ پہچان لیتے۔ حالانکہ حق تعالیٰ کی ذات و صفات

کے بارہ میں تمام لوگوں سے بڑھ کر جاہل بھی لوگ ہیں۔ جنہوں نے حق تعالیٰ کو بیکار و معطل جانا ہے اور ایک چیز کے سوا (اور وہ بھی ایجاب و اضطرار کے ساتھ نہ اختیار کے ساتھ) کچھ بھی حق تعالیٰ کی طرف منسوب نہیں کیا ہے۔ عقل فعال اپنے پاس سے بنا کر حوادث کو زمین و آسمان کے خالق کی طرف سے ہٹا کر اس کی طرف منسوب کرتے ہیں اور اثر کو مؤثر حقیقی جل شانہ سے ہٹا کر اس کو اپنا بنایا ہوا اثر جانتے ہیں۔ کیونکہ معلول ان کے نزدیک علت قریبہ کا اثر ہے اور معلول کے حاصل ہونے میں علت بعیدہ کی کچھ تاثیر نہیں جانتے اور اشیاء کو حق تعالیٰ کی طرف منسوب نہ کرنے کی جہالت کو حق تعالیٰ کا کمال جانتے ہیں اور اس کے معطل رہنے کو بزرگی سمجھتے ہیں۔ حالانکہ حق تعالیٰ زمین و آسمان کے پیدا کرنے سے اپنی تعریف کرتا ہے اور اپنی مدح میں رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ فرماتا ہے۔ ان کو چاہئے کہ اضطرار و احتیاج کے وقت بھی اپنی عقل فعال کی طرف رجوع کریں اور اپنی حاجتیں اس سے طلب کریں۔ کیونکہ اپنا سب کار و بار اسی کے حوالہ کرتے ہیں۔ بلکہ عقل فعال بھی ان کے خیال میں موجب ہے نہ مختار۔ اس سے بھی قضائے حاجت طلب کرنا پسندیدہ نہیں۔ اِنَّ الْكَافِرِينَ لَا مَوْلٰی لَهُمْ (کافروں کا کوئی مددگار نہیں) عقل فعال کیا ہے۔ جو اشیاء کو سرانجام دے سکے اور حوادث اس کی طرف منسوب ہو سکیں۔ اس کے نفس وجود اور ثبوت میں ہزاروں اعتراض ہیں۔ کیونکہ اس کا تحقق اور حصول فلسفہ کے چند ملمع مقدمات پر مبنی ہے۔ جو اسلام کے اصول حق کے مقابلہ میں ناتمام اور ادھورے ہیں۔ وہ بہت ہی بیوقوف ہے۔ جو اشیاء کو قادر مختار جل شانہ کی طرف سے ہٹا کر ایسے موہوم امر کی طرف منسوب کرے۔ بلکہ اشیاء کے لئے ہزار ہانگ و عار کا موجب ہے کہ فلسفہ کے تراشیدہ اور وضع کردہ امر کی طرف منسوب ہوں۔ اشیاء کا اپنے عدم پر راضی و خوش رہنا اور ہر گز وجود کی خواہش نہ کرنا۔ ان کے حق میں اس امر سے بہتر ہے کہ ان کے وجود کو فلسفی اور مجعول یعنی بنائے ہوئے اور موضوع امر کی طرف منسوب کریں اور قادر مختار جل شانہ کی قدرت کی طرف منسوب ہونے کی سعادت سے محروم رہیں۔ کَبُرَتْ کَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ اِنْ يَقُولُوْنَ اِلَّا كَذِبًا (بڑی بات ہے جو ان کے منہ سے نکلتی ہے اور جو بولتے ہیں سب جھوٹ ہی بولتے ہیں) دار الحرب کے کفار باوجود بت پرستی کے ان لوگوں سے اچھے ہیں جو تنگی کے وقت حق تعالیٰ کی بارگاہ میں التجا کرتے ہیں اور بتوں کو حق تعالیٰ کے آگے سفارش کا وسیلہ بناتے ہیں۔ اس سے بھی زیادہ تعجب کی بات یہ ہے۔ کہ بعض لوگ ان بیوقوفوں کو حکماء اور دانائے کہتے ہیں اور ان کو حکمت کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ ان کے اکثر احکام خاص کر الہیات میں جو ان کا اعلیٰ مقصد ہے۔ سر اسر جھوٹے اور کتاب و سنت کے مخالف ہیں۔ یہ لوگ جو سر اسر جہل مرکب ہیں۔ ان پر حکماء کا اطلاق کس طرح کیا جائے۔ ہاں اگر حکم و استہزاء کے طور پر کہا جائے یا ناپائیدار پر مینا کے اطلاق کرنے کی قسم

سے شمار کیا جائے۔ تو زیبا ہے۔ ان بیوقوفوں میں سے بعض نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے طریق کو چھوڑ کر ان صوفیاء الہیہ کی تقلید پر جو ہر زمانہ میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے تابع دار رہے۔ ریاضیات و مجاہدات کا طریق اختیار کیا اور اپنی صفائے وقت پر مغرور ہو کر اپنے خواب و خیال پر اعتماد کیا ہے اور اپنے خالی کشفوں کو مقتدا بنا کر خود بھی گمراہ ہو گئے اور لوگوں کو بھی کو گمراہ کیا ہے۔ ان نادانوں نے نہ جانا کہ یہ صفائی نفس کی صفائی ہے۔ جو گمراہی کو زیادہ کرتی ہے نہ کہ قلب کی صفائی جو ہدایت کا دروازہ ہے۔ کیونکہ قلب کی صفائی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی متابعت پر وابستہ ہے اور نفس کا تزکیہ قلب کی صفائی اور اس کی سیاحت پر موقوف ہے۔ وہ صفائی جو قلب کی سیاحت کے ہوتے ہوئے جو انوار و قدم کے ظہور کا محل ہے۔ نفس کو حاصل ہو۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کہ چراغ روشن کر دیں۔ تاکہ پوشیدہ دشمن یعنی ابلیس لعین اس کی روشنی میں بخوبی لوٹ مار کر لے۔ غرض ریاضت و مجاہدہ کا طریق نظر و استدلال کے طریق کی طرح اس وقت اعتبار و اعتماد کے لائق ہوتا ہے۔ جب کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تصدیق کے ساتھ مل جائے۔ جو حق تعالیٰ کی طرف سے تبلیغ کرتے ہیں اور حق تعالیٰ کی تائید سے موید ہیں۔ ان بزرگوں کا کارخانہ پاک فرشتوں کے نزول کے باعث دشمن لعین کے مکر و فریب سے محفوظ ہے۔ اِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ (میرے بندوں پر تیرا کوئی غلبہ نہیں) ان کا نقد وقت ہے۔ دوسروں کو یہ دولت میسر نہیں ہوئی اور شیطان لعین کے مکر و فریب سے نہیں بچ سکے۔ جب تک کہ ان بزرگوں کی متابعت کو لازم نہ پکڑا اور ان کے قدم بقدم نہیں چلے۔

محال است سعدی کہ راہ صفا تو اوں رفت جز در پے مصطفیٰ

ترجمہ بیت سمجھ لو بخوبی کہ راہ صفا

نہیں ملتا ہر گز بنی کے سوا

سبحان اللہ افلاطون جو فلاسفہ کار تھیں۔ حضرت عیسیٰ کی بعثت کی دولت کو پائے اور اپنے آپ کو نادانی کے باعث مستغنی جا کر ان پر ایمان نہ لائے اور نبوت کے برکات سے حصہ حاصل نہ کرے۔ اس کی بڑی بد بختی اور نادانی ہے۔ مَنْ لَمْ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ نُورًا فَمَالَهُ مِنْ نُورٍ (جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے کوئی نور نہیں بنایا۔ اس کے لئے کوئی نور نہیں) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُورُونَ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ (ہمارے اپنے مرسل بندوں کے ساتھ ہمارا وعدہ ہو چکا ہے کہ یہی فتح مند رہیں گے اور بیشک ہمارا لشکر غالب رہے گا) عجب معاملہ ہے۔ کہ فلاسفہ کی ناقص عقلیں مبداء میں بھی اور معاد میں بھی طور نبوت کی نقیض ہیں اور ان کے احکام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے احکام کے مخالف ہیں۔ نہ ان کا ایمان اللہ تعالیٰ کے ساتھ درست ہے نہ آخرت کے ساتھ۔

قدم عالم کے قائل ہیں۔ حالانکہ بڑا مضبوط اجماع ہے۔ اس بات پر کہ عالم بمع اپنے تمام اجزاء کے حادث ہے۔ ایسے ہی آسمانوں کے پھٹ جانے اور ستاروں کے اڑ جانے اور پہاڑوں کے ریزہ ریزہ ہونے اور دریاؤں کے پھوٹنے کے جن کا قیامت کے دن وعدہ ہے قائل نہیں ہیں اور حشر اجساد کے منکر ہیں اور نصوص قرآنی کا انکار کرتے ہیں ان میں سے متاخرین جو اہل اسلام میں داخل ہیں اسی طرح اپنے فلسفی اصول پر راسخ ہیں اور آسمانوں اور ستاروں وغیرہ کے قدم اور ان کے فناء اور ہلاک نہ ہونے کے قائل ہیں۔ نصوص قرآنی کی تکذیب ان کی خوارک اور دین کی ضروریات کا انکار ان کا رزق ہے یہ عجیب قسم کے مومن ہیں۔ کہ خدا اور رسول پر تو ایمان لاتے ہیں۔ لیکن جو کچھ خدا اور رسول نے فرمایا ہے اس کو قبول نہیں کرتے اس سے بڑھ کر سفاہت اور بیوقوفی کیا ہوگی۔ بیت

فلسفہ چوں اکثرش باشد سفہ پس کل آن ہم سفہ باشد کہ حکم کل اکثر است

ترجمہ بیت

فلسفہ کا جبکہ اکثر ہے سفہ پھر اس کا کل بھی سفہ ہو گا کہ حکم کل ہے اکثر کا حکم ان لوگوں نے اپنی عمر کو ایک آلہ جو ان کے نزدیک خطاء فکری سے محفوظ ہے۔ یعنی علم منطق کی تعلیم و تعلم میں برباد کر دیا اور اس بارہ میں بڑے باریک اور دقیق مسائل نکالے اور بڑی بڑی موٹگافیاں کیں۔ لیکن جب حق تعالیٰ کی ذات و صفات و افعال کے اعلیٰ مقصد تک پہنچے۔ تو ان کے ہوش و حواس جاتے رہے اور ان کا وہ آلہ عاصمہ بھی کام نہ آیا اور خبط میں پھنس کر گمراہی کے جنگل میں بھٹکتے رہے۔ جس طرح کوئی شخص سالوں تک لڑائی کے آلات تیار کرتا ہے مگر لڑائی کے وقت اس کے ہاتھ پاؤں بیکار ہو جائیں اور آلات کو کام میں نہ لاسکیں۔ لوگ فلسفہ کے علوم کو بڑے نظم و نسق والا جانتے ہیں اور غلط و خطا سے محفوظ سمجھتے ہیں۔ اگر اس بات کو مان بھی لیں تو یہ حکم ان علوم میں صادق آتا ہے۔ جن میں عقل کا استقلال اور استحکام ہے جو اس بحث سے خارج اور دائرہ مالا یعنی میں داخل ہیں اور آخرت کے ساتھ جس کا معاملہ دائمی ہے کچھ تعلق نہیں رکھتے اور نہ ہی آخرت کی نجات ان پر وابستہ ہے۔ گفتگو ان علوم میں ہے۔ جن کے ادراک میں عقل عاجز اور قاصر ہے اور طور نبوت پر موقوف ہیں اور جن پر آخرت کی نجات منحصر ہے جہ الاسلام امام غزالی رسالہ المہند عن الفصل میں فرماتے ہیں کہ اہل فلسفہ نے علم طب اور علم نجوم گذشتہ پیغمبروں کی کتابوں سے چرالئے ہیں اور دواؤں کی خاصیتیں جن کے سمجھنے سے عقل قاصر ہے۔ انبیاء کی آسمانی کتابوں اور صحیفوں سے اقتباس کی ہیں اور علم تہذیب اخلاق کو صوفیاء الہیہ کی کتابوں سے جو ہر زمانہ میں کسی نہ کسی پیغمبر کی امت رہے ہیں۔ اپنی بیہودہ باتوں کے رواج دینے کے لئے چرایا ہے غرض ان کے یہ تینوں علم اوروں کے علوم سے چرالئے ہوئے ہیں۔ علم الہی میں حق تعالیٰ کی

ذات و صفات و افعال اور ایمان باللہ و ایمان بآخرت کے بارہ میں جو خط انہوں نے ظاہر کئے ہیں۔ وہ سب کے سب نصوص قرآنی کے مخالف ہیں۔ جن کا تھوڑا سا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ باقی رہا علم ہندسہ جو خاص طور پر ان کے ساتھ مخصوص ہے۔ اگر متیقن اور منتظم (یعنی کامل و تمام) بھی ہو گا تو کس کام آئے گا اور آخرت کے کوئے عذاب و وبال کو دور کرے گا۔ عَلَامَةُ إِعْرَاضِهِ تَعَالَى عَنِ الْعَبْدِ اشْتَغَالُهُ بِمَا لَا يَغْنِيهِ (بندہ سے حق تعالیٰ کی روگردانی کا نشان بندہ کا بیہودہ کاموں میں مشغول ہونا ہے) جو کچھ آخرت میں کام نہ آئے وہ لا یعنی اور بیہودہ ہے۔ ان کا علم منطق علم آلی یعنی غلط اور صحیح فکر میں تمیز کرنے کا آلہ ہے اور جس کو خطا سے محفوظ بتلاتے ہیں۔ جب ان کے اپنے کام نہ آیا اور مقصد اعلیٰ کے حاصل کرنے میں ان کو غلطی اور خطا سے نہ بچا سکا۔ تو پھر اوروں کے کام کس طرح آئے گا اور دوسروں کو خطا سے کس طرح بچا سکے گا۔ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ (یا اللہ تو ہدایت دے کر ہمارے دلوں کو ٹیڑھانہ کر اور اپنے پاس سے ہم پر رحمت نازل فرما۔ تو بڑا بخشنے والا ہے) بعض لوگ جو علوم فلسفی سے تعلق رکھتے ہیں اور فلسفی تسویلات پر فریفتہ ہیں۔ ان لوگوں کو حکماء جان کر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے برابر سمجھتے ہیں۔ بلکہ ان کے جھوٹے علوم کو سچا جان کر انبیاء کی شرائع پر مقدم سمجھتے ہیں۔ أَعَادَاذَا اللَّهُ سُبْحَانَهُ عَنِ الْإِعْقَادِ السُّوءِ (اللہ تعالیٰ ہم کو اس برے اعتقاد سے بچائے) ہاں جب ان کو حکماء جانتے ہیں اور ان کے علم کو حکمت کہتے ہیں۔ تو پھر کیونکر اس بلا میں مبتلا نہ ہوں۔ کیونکہ حکمت سے مراد کسی شے کا وہ علم ہے جو نفس الامر کے مطابق ہو۔ لیکن وہ علوم جو ان کے مخالف ہوں وہ نفس امر کے غیر مطابق ہوں گے۔ غرض ان کی اور ان کے علوم کی تصدیق سے انبیاء اور ان کے علوم کی تکذیب لازم آتی ہے کیونکہ یہ دونوں علم ایک دوسرے کی نفی ہیں اور ایک کی تصدیق میں دوسرے کی تکذیب ہے۔ اب جو چاہئے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مذہب کو لازم پکڑ لے اور حق تعالیٰ کے گروہ سے ہو جائے اور نجات پا جائے اور جو چاہے فلسفی بن جائے اور شیطان کے گروہ میں داخل ہو جائے اور ہمیشہ کے لئے زیاں کار اور ناامید بن جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفُرْ إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِينَ نَارًا أَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا وَإِنْ يَسْتَغِيثُوا يُغَاثُوا بِمَاءٍ كَمَا لَمْ هَلْ يَشْرَبُوا لَأُؤْثِرُوا بِمِزْجِ الْمَاءِ الْمَلْحِ مِزْجًا وَنَارُهَا أَوْثَرُ (جو چاہے ایمان لے آئے اور جو چاہے کافر ہو جائے۔ ہم نے ظالموں کے لئے ایسی آگ تیار کی ہے جس کے خیمے ان کو گھیر لیں گے اور اگر فریاد کریں گے۔ تو پچھلے ہوئے تانبے کی طرح گرم پانی دیا جائے گا۔ جو چہروں کو جلا دے گا۔ یہ بہت ہی برا پانی اور بہت ہی بری جگہ ہے) وَالسَّلَامُ عَلَى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدَى وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفَى عَلَيْهِ وَعَلَى جَمِيعِ إِخْوَانِهِ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ الْكِرَامِ وَالْمَلَائِكَةِ الْعِظَامِ الصُّلُواتِ وَالنَّسْلِيْمَاتِ آمَنُهَا وَأَكْمَلُهَا (سلام ہو

اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑا) والسلام۔

مکتوب ۲۴

آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب کرام کی بزرگی اور باہم ایک دوسرے کے ساتھ ان کی مہربانی کے بیان میں ملا محمد مراد کشمی کی طرف جو میر محمد نعمان کے خادموں میں سے ہے۔ صادر فرمایا ہے:-

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكْعًا سَجِدًا ابْتِغَاءَ فَضْلٍ مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ ذَلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَى عَلَى سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيُغَيِّظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا (حضرت محمد اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں۔ وہ کفار پر سخت اور آپس میں نہایت ہی مہربان ہیں۔ رکوع و سجود کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے فضل و رضامندی چاہتے ہیں۔ ان کے چہروں پر سجدوں کے نشان ہیں۔ تورات اور انجیل میں ان کی یہی تعریف ہے۔ ان کی مثال اس کھیتی کی سی ہے جو بہت پھلے پھولے اور اس کی شاخیں مضبوط اور اس کے تنے اچھے موٹے ہو جائیں جن کو دیکھ کر کسان خوش ہوں اور کفار غصہ میں آئیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ایمانداروں اور نیکوکاروں کو بخشش اور بڑے اجر کا وعدہ دیا ہے) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تمام اصحاب کی کمال مہربانی و محبت کے ساتھ جو ایک دوسرے کے ساتھ رکھتے تھے مدح فرمائی ہے۔ کیونکہ رحیم جو رحماء کا واحد ہے مبالغہ کا صیغہ ہے۔ جس کے معنی کمال مہربانی کے ہیں۔ چونکہ صفت مشبہ استمرار پر بھی دلالت کرتی ہے۔ اس واسطے چاہئے کہ ان کی ایک دوسرے کے ساتھ محبت و مہربانی آنحضرت کے حضور میں بھی اور ان کے رحلت فرما جانے کے بعد بھی ہمیشہ کے لئے دوامی اور استمراری طور پر ہو اور جو کچھ ایک دوسرے کے حق میں مہربانی کے منافی ہو ان بزرگواروں سے ہمیشہ کیلئے مسلوب ہو اور ایک دوسرے کے ساتھ بغض و کینہ و حسد و عداوت کا احتمال بھی دائمی طور پر ان اکابر دین سے دور ہو۔ جب تمام صحابہ کرام اس پسندیدہ صفت سے متصف ہوں۔ جیسے کہ کلمہ والذین سے جو عموم اور استغراق کے صیغوں میں ہے ظاہر ہوتا ہے۔ تو ان اصحاب بزرگ کی نسبت کیا کہا جائے۔ جن میں یہ صفت اتم و اکمل طور پر ہوگی۔ اسی واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اَرْحَمُ أُمَّتِي بِأُمَّتِي أَبُو بَكْرٍ (میری امت میں سے زیادہ رحم کرنے والا میری امت پر ابو بکر ہے)

اور حضرت فاروق کی شان میں فرمایا ہے۔ لَوْ كَانَ بَعْدِي نَبِيٌّ لَّكَانَ عُصْرُ (اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتا) یعنی کمالات و لوازم جو نبوت میں درکار ہیں سب حضرت عمر میں موجود ہیں۔ لیکن چونکہ منصب نبوت حضرت خاتم الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ختم ہو چکا ہے اس لئے منصب نبوت کی دولت سے مشرف نہ ہوئے۔ نبوت کے لوازم میں سے ایک خلق پر کمال مہربانی اور شفقت کرنا ہے۔ نیز وہ رذائل یعنی کمینہ صفتیں جو شفقت و مہربانی کے منافی ہیں اور نہایت ہی برے اخلاق میں سے ہیں۔ یعنی حسد، بغض، کینہ اور عداوت ان لوگوں کے حق میں جو حضرت خیر البشر کی شرف صحبت سے مشرف ہوئے ہیں۔ حسد اور بغض اور کینہ و عداوت کس طرح متصور ہو سکتی ہیں۔ جو تمام امتوں میں سے بہتر امت کے بہترین ہیں اور تمام مذہبوں کو منسوخ کرنے والے مذہب کے سابق ترین ہیں۔ جن کا زمانہ تمام زمانوں سے بہتر تھا اور ان کا صاحب تمام نبیوں اور رسولوں سے فضیلت والا تھا۔ اگر یہ لوگ ردی صفتوں سے موصوف ہوں جن سے اس امت مرحومہ کے کمینہ آدمی کو عار آتی ہے۔ تو پھر یہ لوگ کس طرح امت میں سے بہتر ہوں گے اور یہ امت کس وجہ سے خیر الامم ہوگی اور ایمان میں سب سے اول اور بڑھ کر ہونا اور مال و جان کو سب سے بڑھ کر زیادہ خرچ کرنا کیوں زیادتی اور فضیلت کا باعث ہو گا اور خیر القرون کی کیا تاثیر ہوگی اور حضرت خیر البشر کی فضل صحبت کا کیا اثر ہو گا۔ وہ لوگ جو اس امت کے اولیاء کی صحبت میں کچھ مدت رہتے ہیں۔ وہ ان رذیلہ صفتوں سے نجات پا جاتے ہیں۔ تو وہ لوگ جنہوں نے حضرت افضل الرسل کی صحبت میں اپنی عمریں صرف کی ہیں اور دین کی تائید اور مدد کے لئے اپنے مالوں اور جانوں کو خرچ کیا ہے کیا ہو سکتا ہے۔ کہ ان لوگوں کے حق میں اس قسم کی بری خصلتوں کا وہم کیا جائے؟ سوائے اس کے حضرت خیر البشر کی عظمت و بزرگی نظر سے گر جائے اور ان کی صحبت ایک ولی امت کی صحبت سے بھی ناقص سمجھی جائے۔ نعوذ باللہ منہا حالانکہ مقرر ہے کہ امت کا کوئی ولی اس امت کے صحابی کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ تو پھر اس امت کے نبی کے درجہ کو کس طرح پاسکے گا۔ حضرت شبلی علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے۔ مَا آمَنَ رَسُولُ اللَّهِ مِنْ لَمْ يُؤْفَرْ أَصْحَابُهُ (جس نے اصحاب کی تعظیم نہ کی۔ وہ رسول اللہ پر ایمان نہیں لایا) بعض لوگ گمان کرتے ہیں۔ کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب دو فریق تھے۔ ایک وہ گروہ تھا جو حضرت امیر کا مخالف تھا اور دوسرے گروہ کے وہ لوگ تھے۔ جو حضرت امیر کے موافق تھے اور یہ دونوں گروہ ایک دوسرے کے ساتھ عداوت اور بغض، کینہ رکھتے تھے اور ان میں سے بعض صحابہ بعض مصلحتوں کے لئے اپنی صفات کو پوشیدہ رکھتے تھے اور تقیہ کرتے تھے اور وہ لوگ یہ بھی گمان کرتے ہیں۔ کہ یہ بری صفتیں ان میں ایک زمانہ تک رہی ہیں۔ بلکہ جب تک زندہ رہے ہیں۔ ان میں یہ صفات موجود رہی ہیں اور اس وہم سے حضرت امیر کے مخالفوں کو برا کہتے

ہیں اور نامناسب باتیں ان کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ انصاف کرنا چاہئے کہ اس صورت میں دونوں فریق طعن کے لائق اور ان رذیلہ صفتوں کے ساتھ متصف ہو جاتے ہیں اور امت کے بہترین لوگ تمام امتوں میں سے بدترین بن جاتے ہیں اور اس زمانہ کا خیر شر ہے بدل جاتا ہے۔ یہ کونسا انصاف ہے کہ حضرات شیخین کو اس وہم سے برا کہیں اور دین کے ان بزرگواروں کی طرف نامناسب امور منسوب کریں۔ حالانکہ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نص قرآنی کے بموجب اس امت میں سب سے بڑھ کر متقی اور اتقی ہیں۔ کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے مفسرین کا اجماع ہے اس امر پر کہ آیت کریمہ وَمَسْجِدُهَا الَّذِي فِيهِ كَثِيرٌ مِّنْ ذِكْرِ اللَّهِ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے شان میں نازل ہوئی اور اتقی سے مراد حضرت صدیق ہیں۔ پس جس شخص کو اللہ تعالیٰ اس خیر الامم کا اتقی فرماتا ہے۔ تو پھر خیال کرنا چاہئے کہ اس کی تکفیر اور تفسیق اور تھلیل یعنی اس کو کافر اور فاسق اور گمراہ کہنا کس قدر برا ہے۔ امام فخر الدین رازی نے اسی آیت سے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر استدلال کیا ہے۔ کیونکہ آیت کریمہ اِنْ اَنْكَرَ مِنْكُمْ عَنِ الذَّلٰلَةِ فَقُلْ تَقَوَّلَ مَا لَمْ يَكُنْ يَقُوْلُ وَكَانَ لَا يَعْلَمُ (زیادہ عزت والا تم میں سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ شخص ہے۔ جو تم میں سے زیادہ پرہیزگار ہے) کے مطابق اس امت میں سب سے زیادہ بزرگ جس کی طرف خطاب کیا گیا ہے۔ حق تعالیٰ کے نزدیک اس امت کا اتقی ہے۔ جب حضرت صدیق سابقہ نص قرآنی کے بموجب اس امت کے اتقی ہیں۔ تو چاہئے کہ نص لاحق کے موافق اس امت کے بزرگ تر بھی وہی ہوں اور اکابر ائمہ سلف نے جن میں سے ایک امام شافعی رضی اللہ عنہ ہیں۔ حضرت شیخین کی افضلیت پر صحابہ و تابعین کا اجماع ثابت کیا ہے اور حضرت امیر نے بھی حضرت شیخین کی افضلیت کا حکم کیا ہے امام ذہبی نے جو بزرگ محدثین میں سے ہیں فرمایا ہے۔ کہ اس نقل کو حضرت امیر سے اسی آدمیوں سے زیادہ نے روایت کیا ہے اور عبد الرزاق نے بھی جو اکابر شیعہ میں سے ہے۔ اس نقل کے بموجب حضرات شیخین کی افضلیت کا حکم دیا ہے۔ اور اس عبارت میں بیان کیا۔ اَفْضَلُ الشَّيْخَيْنِ لِتَفْضِيلِ عَلِيٍّ اِيَّاهُمَا عَلٰى نَفْسِهِ وَاِلَّا لِمَا فَضَّلْتُهُمَا كَفَى لِيْ وَزَرًا اَنْ اُحِبَّهُ ثُمَّ اُخَالَفَهُ (میں شیخین کو اس لئے افضل جانتا ہوں کہ حضرت علی نے خود اپنے آپ پر ان کو فضیلت دی ہے۔ ورنہ میں کبھی ان کو فضیلت نہ دیتا مجھے اتنا ہی گناہ کافی ہے کہ میں حضرت علی سے محبت رکھوں اور ان کی مخالفت کروں) پس وہ لوگ جو کتاب و سنت و اجماع اور حضرت امیر کے اعتراف اور اقرار کے موافق اس خیر الامم میں سے افضل ہوں۔ ان کی اہانت اور حقارت کرنا کونسا انصاف و دیانت ہے اور اس میں کونسی بہتری اور خیریت ہے۔ اگر کسی شخص کو گالی نکالنا خیریت اور عبادت ہوتی تو ابو جہل اور ابولہب کو گالی نکالنا جو قرآنی نصوص کی رو سے لعنت و طرد کے لائق ہیں۔ اس امت کا ورد ہوتا اور اس میں بہت سی نیکیاں حاصل ہوتیں۔ گالی

نکلنے میں کوئی خیریت ہے جو فحش و فنیحت یعنی برائی کو متضمن ہے۔ خاص کر اس شخص کے حق میں جو اس کے مستحق اور لائق نہ ہو۔ کسی شے کا نامناسب جگہ میں رکھنا ظلم ہے اور ایک شے سے دوسری شے تک اور ایک جگہ سے دوسری جگہ تک بہت تفاوت ہے۔ اسی طرح ایک ظلم سے دوسرے ظلم تک بہت فرق ہے اور حضرت ذی النورین رضی اللہ عنہ کی خلافت صحابہ کرام کے اجماع سے ثابت ہو چکی ہے اور اس قرن خیر القرون کے تمام چھوٹے بڑے اور مردوں عورتوں کے اتفاق سے حاصل ہو چکی ہے اور اسی واسطے علماء نے فرمایا ہے۔ کہ جس قدر اتفاق و اجماع حضرت ذی النورین کی خلافت پر حاصل ہوا ہے۔ حضرات خلفاء ثلاثہ میں سے کسی کی خلافت پر اتنا حاصل نہیں ہوا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی خلافت کی ابتداء ہی میں چونکہ ایک قسم کا تردد تھا۔ اس لئے اس زمانہ کے لوگوں نے اس بارہ میں بڑی احتیاط سے توجہ کی ہے۔ جاننا چاہئے کہ اصحاب کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کتاب و سنت کے پہنچانے والے ہیں اور اجماع بھی ان کے زمانہ کے متعلق ہوا ہے۔ اگر سب کے سب یا ان میں سے بعض پر طعن لگائیں اور گمراہی اور فسق سے موصوف کریں۔ تو تمام کے تمام دین یا بعض امور سے اعتماد اٹھ جاتا ہے اور حضرت خاتم الانبیاء اور افضل الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کا فائدہ کم ہو جاتا ہے۔ قرآن مجید کے جامع حضرت عثمان بلکہ حضرت صدیق اور حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی ہیں۔ اگر یہ مطعون اور ناانصاف ہوں۔ تو پھر قرآن پر کیا اعتبار رہے گا اور دین کس چیز پر قائم رہے گا۔ اس امر کی برائی کو اچھی طرح جاننا چاہئے اصحاب پیغمبر سب کے سب عدول ہیں اور کتاب و سنت وغیرہ جو کچھ ان کی تبلیغ سے ہم کو پہنچا ہے۔ سب سچ و برحق ہے اور وہ لڑائی جھگڑے جو حضرت امیر کی خلافت کے وقت ان کے درمیان واقع ہوئے ہیں۔ وہ ہوا ہوس اور حب جاہ و ریاست کے باعث نہ تھے۔ بلکہ اجتہاد و استنباط کے سبب سے تھے۔ خواہ کسی کے اجتہاد میں خطا ہو اور اس کا استنباط صواب سے دور ہو۔ علماء اہل سنت و جماعت کے نزدیک ثابت ہے کہ ان لڑائی جھگڑوں میں حضرت امیر حق پر تھے اور ان کے مخالف خطا پر لیکن یہ خطا جس کا منشاء اجتہاد ہے۔ طعن و ملامت سے دور ہے۔ مقصود یہ ہے کہ حق حضرت امیر کی طرف تھا اور خطا حضرت امیر کے مخالفوں کی طرف۔ جس کو اہل سنت و جماعت بھی مانتے ہیں۔ لیکن مخالفوں کو لعن و طعن کرنا بیجا زیادتی ہے۔ جس کا کچھ فائدہ نہیں۔ بلکہ اس سے ضرر کا احتمال ہے۔ کیونکہ سب پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب ہیں۔ جن میں سے بعض کو جنت کی خوشخبری ہے اور بعض بدری یعنی جنگ بدر والے ہیں جو بخشے ہوئے ہیں اور آخرت کا عذاب ان سے دور ہو چکا ہے جیسے کہ صحیح حدیثوں میں آچکا ہے۔ اِطْلَعَ اللّٰهُ عَلَىٰ اَهْلِ بَدْرٍ فَقَالَ اَعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ (اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کے حال پر واقف ہو کر فرمایا کہ جو کچھ چاہو کرو۔ میں نے تمہیں بخش دیا ہے) اور کچھ بیعت رضوان سے

مشف ہوتے ہیں۔ جن کے حق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ان میں سے کوئی بھی دوزخی نہیں ہوگا بلکہ علماء نے فرمایا ہے کہ قرآن مجید سے مفہوم ہوتا ہے۔ کہ تمام صحابہ بہشتی ہیں۔ لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ قَبْلَ الْفَتْحِ وَقَاتِلَ أُولَئِكَ أَكْبَرُ دَرَجَةً مِنَ الَّذِينَ أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدِ وَقَاتِلُوا وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَى وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ (وہ لوگ جنہوں نے فتح سے پہلے مال خرچ کیا اور لڑائی کی ان لوگوں سے زیادہ درجہ والے ہیں جنہوں نے فتح کے بعد مال خرچ کیا اور لڑائی کی اور اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کے لئے حسنے یعنی جنت کا وعدہ دیا ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے عملوں سے خبردار ہے) اس آیت میں حسنے سے مراد جنت ہے اور سب صحابہ کے لئے جنہوں نے فتح سے پہلے یا بعد مال خرچ کیا ہے اور لڑائی کی ہے۔ جنت کا وعدہ ہے۔ علماء نے فرمایا ہے۔ کہ انفاق اور قتال کی صفت تقید کے واسطے نہیں۔ بلکہ مدح کے لئے ہے۔ کیونکہ تمام صحابہ ان دونوں صفتوں سے موصوف تھے۔ جن کے باعث سب کے لئے بہشت کا وعدہ ہے ملاحظہ کرنا چاہئے۔ کہ اس قسم کے بزرگواروں کو برائی سے یاد کرنا اور ان پر بدظن ہونا کس قدر انصاف و دیانت سے دور ہے۔

سوال:- بعض لوگ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رحلت فرمانے کے بعد بعض اصحاب کرام اس طریق پر نہ رہے اور حضرت امیر کے منصب خلافت کو زبردستی چھین لیا اور خلافت کی محبت و جاہ و ریاست کی طلب کے باعث طریق حق سے پھر گئے بلکہ گمان کرتے ہیں۔ کہ ان کا انحراف کفر و گمراہی تک پہنچ چکا ہے۔ پس ان کے خیال میں وہ صحابی ان وعدوں سے جو اصحاب کرام کے حق میں آئے ہیں محروم ہوں گے۔ کیونکہ صحبت کی فضیلت اسلام کی فرع ہے اور جب ان کے اسلام میں کلام ہے۔ تو صحبت کی کیا تاثیر رہے گی۔

جواب:- جب حضرات خلفاء ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے حق میں صحیح حدیثوں کی رو سے جو تواتر معنی کی حد تک پہنچ چکی ہیں۔ جنت کی بشارت آچکی ہے۔ تو پھر کفر و گمراہی کا احتمال ان سے دور ہو چکا ہے۔ نیز حضرات شیخین اہل بدر سے بھی ہیں۔ جو صحیح حدیثوں کی رو سے مطلق طور پر بخشے ہوئے ہیں اور بیعت رضوان سے بھی مشرف ہیں۔ جو سب کے سب صحیح حدیثوں سے بہشتی ثابت ہو چکے ہیں۔ جیسا کہ گزر چکا ہے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جو جنگ بدر میں حاضر نہ تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کی اہلیہ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی بیمار تھیں۔ ان کی بیمار پر سی کے لئے آنحضرت ان کو مدینہ منورہ میں چھوڑ آئے تھے اور فرمایا تھا کہ جو اہل بدر کو فضیلت حاصل ہوگی۔ تم کو بھی وہی حاصل ہو گی اور بیعت رضوان میں حضرت عثمان کے حاضر نہ ہونے کی وجہ یہ تھی۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو مکہ والوں کے پاس بھیجا تھا اور ان کی طرف سے خود بیعت فرمائی تھی جیسا کہ مشہور

ہے۔ نیز قرآن مجید بھی ان حضرات مہی بندگی کی شہادت دیتا ہے اور ان کے بلند درجوں کی خبر دیتا ہے۔ جو شخص کتاب و سنت سے آنکھیں بند کر کے ضد و تعصب کرے۔ وہ بحث سے خارج ہے۔ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے۔ بیت

آنکس کہ بقرآن و خبر رو ندہی آن است جوابش کہ جوابش ندہی

ترجمہ بیت جو مانتا ہی نہیں ہے حدیث اور کتاب

جو اب اس کا یہی ہے کہ دو نہ اس کو جواب

ہائے افسوس اگر حضرت صدیق میں کفر و گمراہی کا احتمال متصور ہوتا۔ تو اصحاب پیغمبر باوجود اس قدر عادل اور زیادہ ہونے کے ان کو پیغمبر کا جانشین نہ بناتے۔ حضرت صدیق کی تکذیب میں اس خیر القرون زمانہ کے تینتیس ہزار اصحاب کی تکذیب ہے۔ اس بات کو ادنی آدمی بھی پسند نہیں کرتا۔ جب اس زمانہ کے تینتیس ہزار آدمی باطل پر جمع ہوں اور گمراہ اور گمراہ کنندہ کو پیغمبر کا جانشین بنادیں۔ تو اس زمانہ میں کوئی خیریت رہی ہوگی۔ حق تعالیٰ ان لوگوں کو انصاف دے کہ دین کے بزرگواروں کے طعن سے زبان کو بند رکھیں اور حضرت پیغمبر کی صحبت کے حقوق کو مد نظر رکھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اَللّٰهُ اَللّٰهُ فِیْ اَصْحَابِیْ لَا تَتَّخِذُوْهُمْ غَرَضًا مِنْْ بَعْدِیْ مَنْ اَحَبَّهُمْ فَبِحَبِیْ اَحَبَّهُمْ وَمَنْ اَبْغَضَهُمْ فَبِغَضِیْ اَبْغَضَهُمْ (میرے اصحاب کے حق میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ میرے بعد ان کو نشانہ نہ بناؤ۔ جس نے ان سے محبت رکھی۔ اس نے میری محبت کے باعث ان کو دوست رکھا اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے میرے ہی بغض کے باعث ان سے بغض رکھا) اس سے زیادہ کیا لکھا جائے اور بدیہی سے زیادہ روشن امر کو کیا روشن کیا جائے۔ کیونکہ حضرت صدیق جن کی مدح میں قرآن مجید بھرا ہوا ہے اور سورہ واللیل کی تین آیتیں خاص انہی کے فضائل میں نازل ہوئی ہیں اور بیشمار بے حساب صحیح حدیثیں ان کے فضائل و کمالات میں مروی ہیں اور گذشتہ انبیاء علیہم السلام کی کتابوں میں ان کی بلکہ تمام صحابہ کے اوصاف و شمائل کا ذکر آیا ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ مَثَلُهُمْ فِی التَّوْرَةِ وَمَثَلُهُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ (ان کی تعریف توریت میں بھی ہے اور انجیل میں بھی) اور تمام امتوں میں سے اس بہتر امت کے سردار اور رئیس بھی وہی ہیں۔ جب ان کو کافر اور گمراہ جانیں۔ تو پھر اوروں کا کیا حال ہے۔ ان کی نسبت کس طرح کلام کی جائے۔ اَللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَلٰی غَیْبِ الشَّہَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِیْمَا کَانُوْا فِیْهِ یُخْتَلَفُوْنَ (اے زمین و آسمانوں کے پیدا کرنے والے اور غیب و شہادت کے جاننے والے خدا تو ہی اپنے بندوں کے درمیان جس امر میں وہ اختلاف کر رہے ہیں فیصلہ کرے گا) وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اَتَّبَعَ الْهُدٰی وَالتَّزَمَ مُتَابِعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِہٖ

الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ اَتَمُّهَا وَاَكْمَلُهَا (سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی اور حضرت محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کو لازم پکڑا)

مکتوب ۲۵

ان نتائج اور ترقی مراتب کے بیان میں جو ذکر اور تلاوت قرآن اور نماز سے حاصل ہوتے ہیں۔ ملاطہر کی طرف صادر فرمایا ہے:-

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) اس راہ کے مبتدی طالب کے لئے ذکر کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ اس کی ترقی ذکر کے تکرار پر وابستہ ہے۔ بشرطیکہ شیخ کامل مکمل سے اخذ کیا ہو اور اگر اس شرط کے ساتھ نہ ہو۔ تو وہ ابرار کے اور ادکی قسم سے ہے۔ جس کا نتیجہ صرف ثواب ہے۔ اس سے قرب کا وہ درجہ جو مقربین کو حاصل ہوتا ہے حاصل نہیں ہوتا اور یہ جو کہا کہ ابرار کے اور ادکی قسم سے ہے اس لئے ہے کہ ہو سکتا ہے کہ حق تعالیٰ کا فضل شیخ کے وسیلہ کے بغیر کسی طالب کی تربیت کرے اور ذکر کا تکرار اس کو مقربوں میں سے بنادے بلکہ جائز ہے کہ ذکر کے تکرار کے بغیر اس کو قرب کے مراتب سے مشرف کر دے اور اپنے اولیاء میں سے بنا لے اور یہ شرط اکثر کے اعتبار سے ہے اور حکمت و عادت کے موافق ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کے فضل سے وہ معاملہ جو ذکر سے وابستہ ہے پورا ہو جاتا ہے اور نفسانی خواہشات کے معبودوں کی گرفتاری سے نجات حاصل ہو جاتی ہے اور نفس امارہ مطمئن ہو جاتا ہے۔ تو اس وقت ترقی ذکر کرنے سے حاصل نہیں ہوتی۔ اس مقام میں ذکر ابرار کے اور ادکا حکم پیدا کر لیتا ہے۔ اس مقام میں قرب کے مراتب قرآن مجید کی تلاوت اور نماز کو طول قرأت کے ساتھ ادا کرنے پر وابستہ ہیں اور اول اول جو کچھ ذکر کرنے سے میسر ہوتا تھا اس وقت قرآن مجید کی تلاوت اور خاص کر نماز کی قرأت میں حاصل ہو جاتا ہے۔ غرض اس وقت ذکر تلاوت کا حکم پیدا کر لیتا ہے۔ جو اول اول ابرار کے اور ادکی قسم سے تھا اور تلاوت ذکر کا حکم پیدا کر لیتی ہے جو ابتدا و وسط میں قربات (یعنی اسباب قرب) میں سے تھی۔ عجب معاملہ ہے۔ اس وقت اگر ذکر کو قرأت قرآن کے طور پر تکرار کیا جاتا ہے جو آیات قرآنی کے پاک کلمات میں سے ہے اور اعوذ سے شروع کیا جاتا ہے۔ تو وہی فائدہ دیتا ہے جو قرآن مجید کی تلاوت سے حاصل ہوتا ہے اور اگر قرأت کے طور پر تکرار نہ کیا جائے۔ تو ابرار کے عمل کی طرح ہے۔ ہر عمل کے لئے مقام و موسم ہے۔ کہ اگر وہ عمل اس موسم میں بجالائیں۔ تو حسن و ملاحیت پیدا کرتا ہے اور اگر موسم میں ادا نہ کیا جائے۔ تو اکثر اوقات وہ عمل سراسر خطا ہوتا ہے۔ اگرچہ حسن اور نیک ہو۔ جیسے کہ تشہد کے وقت فاتحہ کا پڑھنا اگرچہ ام الکتاب ہے۔ سراسر خطا ہے۔

پس اس راہ میں پیر اور اس کی تعلیم نہایت ضروری ہے۔ وَبَدُوْهُ خُرْطُ الْقَتَادِ (ورنہ بیفائدہ تکلیف ہے) کسی بزرگ نے فرمایا ہے۔ بیت

زاں روئے کہ چشم تست احول معبود تو پیر تست اول

ترجمہ - بیت

آنکھ احول تری ہے جب دانا پیر تیرا ہے ترا پہلا خدا
وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اَتٰبَعِ الْهُدٰی (سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی)

مکتوب ۲۶

اس بیان میں کہ حق تعالیٰ جس طرح اپنی ذات کے ساتھ موجود ہے نہ کہ وجود کے ساتھ اسی طرح اپنی ذات کے ساتھ حی و عالم اور صفات ثنائیہ اور صفات زائدہ کے ساتھ موصوف ہے۔ سیادت پناہ میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا ہے:-

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) حق تعالیٰ نفس وجود اور وجود کے تمام توابع کمالات یعنی حیات و علم و قدرت و سمع و بصر و ارادہ و کلام و تکوین میں اپنی ذات پاک کے ساتھ کافی ہے اور ان کمالات کے حاصل ہونے میں ان صفات زائدہ کا محتاج نہیں۔ اگرچہ صفات زائدہ کاملہ بھی اسی کیلئے ثابت ہیں۔ پس حق تعالیٰ جس طرح اپنی ذات اقدس کے ساتھ موجود ہے نہ وجود کے ساتھ اسی طرح اپنی ذات کے ساتھ زندہ ہے۔ نہ حیات کے ساتھ جو اس کی صفت ہے اور اپنی ذات کے ساتھ دانا ہے نہ صفت علم کے ساتھ اور اپنی ذات کے ساتھ جینا ہے نہ صفت بصر کے ساتھ اور اپنی ذات کے ساتھ سننے والا ہے نہ صفت سمع کے ساتھ اور اپنی ذات کے ساتھ توانا ہے نہ صفت قدرت کے ساتھ اور اپنی ذات کے ساتھ مرید یعنی ارادہ کرنے والا ہے نہ صفت ارادہ کے ساتھ اور اپنی ذات کے ساتھ کلام کرنے والا ہے۔ نہ صفت کلام کے ساتھ اور اپنی ذات کے ساتھ کائنات کی ایجاد کا مبداء ہے نہ کہ تکوین کی صفت کے ساتھ۔ اگرچہ عالم کا وجود تکوین اور باقی تمام صفات کے ذریعہ سے ہے چنانچہ اس مضمون کی تحقیق عنقریب آئیگی۔ یہ تکوین قدرت سے الگ ہے۔ کیونکہ قدرت میں فعل کی صحبت اور ترک ہے اور تکوین میں فعل کی جانب متعین ہے۔ نیز قدرت ارادہ سے پہلے ہے اور تکوین ارادہ کے بعد یہ تکوین بندہ کی اس استطاعت کے مشابہ ہے۔ جس کو علماء اہل حق نے بندہ کے فعل کے ساتھ مقرر کیا ہے اور اس کو صفت قدرت و ارادت سے الگ سمجھا ہے۔ کیونکہ قدرت ہر دو طرف یعنی فعل و ترک کو درست کرتی ہے اور ارادت ایک طرف کو ترجیح دیتی ہے اور ایجاد ارادہ کی ترجیح کے بعد تکوین سے تعلق رکھتا ہے۔ اگر قدرت کو ثابت

نہ کیا جائے۔ جو دونوں طرفوں کی صحت کرنے والی ہے تو ایجاب لازم آتا ہے اور اگر تکوین کو ثابت نہ کریں تو ایجاد بغیر مستند کے رہ جاتا ہے۔ کیونکہ قدرت ایجاد کی صحت کرنے والی ہے اور تکوین ایجاد کو اختیار کرنے والی۔ پس تکوین کے ثابت کرنے سے چارہ نہیں۔ جس کی طرف علماء ماترید یہ نے ہدایت پائی ہے اور اشعریوں نے چونکہ اشیاء کے ساتھ کا تعلق و اضافت زیادہ تر معلوم کیا ہے۔ اس واسطے اس کو صفات اضافیہ سے خیال کیا ہے۔ وَاللّٰهُ يُحَقِّقُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيلَ (اللہ تعالیٰ ثابت کرتا ہے حق کو اور وہی سیدھے راستہ کی ہدایت دیتا ہے) پیدا کرنا اور رزق دینا اور زندہ کرنا اور مارنا تکوین کی طرف راجع کرنا بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ ہر ایک کو مستقل طور پر صفت قدیمہ کہا جائے اور بے ضرورت بیشمار صفات قدیمہ ثابت کی جائیں۔ پس ظاہر ہوا کہ جو کچھ دوسروں کو حق تعالیٰ کی ایجاد سے صفات کے سبب حاصل ہے۔ حق تعالیٰ کو صفات کے وسیلہ کے بغیر بذات خود حاصل ہے۔ کیونکہ حق تعالیٰ کی ذات بلا لحاظ کسی امر اور اعتبار کے تمام کمالات کی جامع بلکہ ہر کمال کا عین ہے کیونکہ تبعض اور تجزی یعنی بعض بعض اور جزو جزو ہونا اس بارگاہ میں مفقود ہے۔ ہمہ تن دانائی ہے اور سر بسر شنوائی ہے اور تمام کی تمام بینائی ہے۔ اسی طرح دوسری صفات کا حال ہے اس کے علاوہ حق تعالیٰ کے لئے صفات سبعہ بلکہ صفات ثمانیہ بھی کہ علماء اہل حق جن کے وجود کے قائل ہیں۔ ثابت ہیں اور یہ صفات کاملہ جو قدیم ہیں۔ ان کمالات ذاتیہ کے ظلال اور مظہر ہیں۔ بلکہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ ان کمالات کے روپوش اور ان پوشیدہ انوار کے حجاب ہیں۔

سوال :- جب حق تعالیٰ کی ذات تمام کمالات کے حصول میں کافی ہے۔ تو پھر صفات کس لئے ثابت کی جاتی ہیں اور قدیموں کے بیشمار وجود ہونے کا قول کیوں کیا جاتا ہے۔ اسی واسطے فلاسفہ اور معتزلہ نے ذات پر اکتفا کی ہے اور قدیموں کے بکثرت ہونے سے بھاگ کر صفات کی نفی کے قائل ہوئے ہیں۔

جواب :- حق تعالیٰ کی ذات اگرچہ حصول کمالات میں کافی ہے۔ لیکن اشیاء کی تکوین و تخلیق کے لئے صفات زائدہ کا ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ حق تعالیٰ کی ذات نہایت تنزہ اور تقدس اور عظمت و جلال و کبریا میں ہے اور کمال غنا اس کے لئے ثابت ہے اور اشیاء کے ساتھ اس کو کمال بے مناسبتی ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ (اللہ تعالیٰ تمام جہان والوں سے غنی اور بے پروا ہے) اور حکمت و عادت کے موافق افادہ اور افاضہ کے لئے مستفید اور مستفیض کے ساتھ مناسبت کا ہونا ضروری ہے اور وہ صفات ہیں۔ جنہوں نے ایک درجہ تنزل کر کے ظلیت پیدا کی ہے اور اشیاء کے ساتھ کچھ نہ کچھ مناسبت حاصل کی ہے۔ اگر صفات کا واسطہ نہ ہوتا۔ تو اشیاء سے کسی شے کا حاصل ہونا متصور نہ ہوتا۔ کیونکہ اشیاء کو حق تعالیٰ کے ذاتی انوار کی شعاعوں کے غلبہ میں ہلاک اور فانی اور نیست و نابود ہونے کے سوا کچھ حاصل نہ ہوتا۔

یہ بڑے بے سمجھ لوگ ہیں۔ جو صفات کو ثابت نہیں کرتے اور اشیاء کے ایجاد کو حق تعالیٰ کی ذاتِ محبت کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ صادر اول ہے ہی کیا جو صفات کے پردہ کے بغیر حق تعالیٰ کی ذات کے انوار میں فانی اور ناچیز نہ ہو۔

سوال:- فلاسفہ اور معتزلہ صفات کو اگرچہ خارج میں ثابت نہیں کرتے۔ لیکن علمیہ اعتبارات کی رو سے ان کے قائل ہیں اور مرتبہ علم میں کمالات ذاتیہ کو ایک دوسرے سے الگ جانتے ہیں۔ پس اشیاء کا موجود ہونا ذاتِ محبت کی طرف منسوب نہ ہوا۔ کیونکہ درمیان میں اعتبارات کا واسطہ پیدا ہو گیا۔

جواب:- عالم کا ایجاد خارج میں ہے اور عالم خارج میں موجود ہے۔ پس خارجی حجابوں کا ہونا ضروری ہے۔ تاکہ اشیاء کے خارجی وجود کا وسیلہ ہو کر خارج میں ان کو فانی اور نیست و نابود ہونے سے بچا سکیں۔ علمی اعتبارات وجودات خارجیہ کے کام نہیں آسکتے اور علمی حجاب موجودات خارجی کی حفاظت میں کفایت نہیں کر سکتے۔ ہاں بعض صوفیاء جو عالم کو مرتبہ علم کے سوا موجود نہیں جانتے ان کو اگر اعتبارات علمی نفع دے سکیں اور وجودات علمیہ کا وسیلہ ہو سکیں۔ تو بجا ہے لیکن عالم خارج میں موجود ہے۔ اگرچہ یہ خارج اس خارج کا ظل ہے اور یہ وجود اس وجود کا ظل ہے۔ پس خارجی حجابوں کا ہونا ضروری ہے۔ تاکہ عالم کے وجود خارجی کا وسیلہ ہو سکیں۔ اس لئے صفات حقیقیہ کا خارج میں موجود ہونا ضروری ہے۔ تاکہ اشیاء کی ترتیب کریں اور اپنے وسیلہ سے کمالات ذاتیہ کو عالم کے آئینوں میں جلوہ گر اور ظاہر کریں۔ صفات اگرچہ ذات کے حجاب ہیں۔ لیکن کمالات ذاتیہ کا ظہور انہی کے وجود پر وابستہ ہے۔ ان کا حجاب عینک کے حجاب کی طرح ہے جو زیادہ نمائش کا سبب ہے اور یہ ظہور اور یہ نمائش اگرچہ ظلی ہے۔ مگر کیا کریں کہ ہمارے وجود کو ظل کے ساتھ ملا دیا ہوا ہے اور ہماری ہستی کو حجاب کے حوالہ کر دیا ہے۔ مَا بِالذَّاتِ لَا يَنْفَكُ عَنِ الذَّاتِ (جو چیز ذاتی ہے وہ ذات سے الگ نہیں ہوتی)۔ مصرعہ

سیاہی از حبشی کے رود کہ خود رنگ است

ترجمہ سیاہی دور حبشی کی نہیں ہوتی کہ ہے ذاتی

بیت

وَمَنْ بَعْدَ هَذَا مَا يَدُقُّ صِفَاتُهُ وَمَا كُنْهُمُ أَحْطَى لَذِيهِ وَأَجْمَلُ

ترجمہ بیت

بعد ازاں وہ چیز ہے جس کا نہیں لگتا پتا اس کا پوشیدہ ہی رکھنا اور چھپانا ہے بھلا

بندہ حق نہیں ہو جاتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل سے حق سے جدا بھی نہیں ہوتا۔ الْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ

(آدمی اسی کے ساتھ ہے جس سے اس کو محبت ہے) حق تعالیٰ کو اگرچہ اشیاء کے ساتھ معیت کی نسبت حاصل ہے۔ لیکن یہ معیت جس کا منشاء محبت ہے اور ہے جب تک محبت پیدا نہ کریں۔ اس معیت کو نہیں جان سکتے۔ چونکہ محبت میں بھی مختلف درجات ہیں۔ اس لئے اس کے اندازہ کے موافق معیت میں بھی تفاوت حاصل ہے یہی معیت ہے جو ظلیت سے خلاصی کا سبب ہے اور یہی معیت ہے۔ جو کہ نیست و نابود ہونے کا واسطہ ہے اور یہی معیت ہے۔ جو بندگی و غلامی کو دور کرنے والی ہے اور عین عبدیت یعنی غلامی میں حریت و آزادی کو ثابت کرنے والی ہے۔ یہی معیت ہے جو انانیت اور خودی کو گرانے والی ہے اور یہی معیت ہے جو انانیت کو کمالات کے درجات تک بلند کرنے والی ہے۔ جانا چاہئے کہ ان کے ساتھ اپنی معیت عامہ کے بارہ میں فرمایا ہے۔ وَهُوَ مَعَكُمْ (وہ تمہارے ساتھ ہے) اور معیت خاصہ میں الْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ کے بموجب محبت کے لحاظ سے بندے اس کے ساتھ ہیں ان دونوں معیتوں میں بہت فرق ہے۔ کیونکہ معیت خاصہ میں دونوں طرف کی معیت ثابت ہے اور معیت عامہ میں معیت اسی طرف سے ہے۔ پس اس کے لئے عین وجدان میں حرمان و ناامیدی لازم ہے۔ يَا حَسْرَتِي عَلَىٰ مَا فَرَّطْتُ فِي جَنْبِ اللَّهِ (ہائے افسوس! اللہ تعالیٰ کے حضور میں نے کیوں کوتاہی کی) عالم اگرچہ صفات کے ظلال ہیں اور اس نے صفات کے ذریعہ سے وجود و بقا حاصل کیا ہے۔ لیکن حضرت ذات کا محبت محبت ذاتیہ کے باعث جو اس کو حضرت ذات کے ساتھ ہے اور صفات سے جو اس کے اصول ہیں۔ بے کیفی عروج کے ساتھ اوپر گیا ہے اور اصول کو چھوڑ کر اصل اصول سے مل گیا ہے۔ لیکن یہ ملنا بھی بے کیف ہے اور اگر اصل سے اوپر نہ جائے تو پھر آنے کا کیا فائدہ اور محبت کی کیا ضرورت ہے۔ اس کو اصل کے ساتھ اتصال ہر وقت حاصل تھا اور وصل ظلی اس کو ہمیشہ میسر تھا۔ اصل مقصود یہ ہے۔ کہ اپنے اصل کو ظل کی طرح زینہ بنانا چاہئے اور محبت کے پروں سے اوپر اڑنا چاہئے یہ عروج ہر شخص کی سمجھ میں نہیں آسکتا اور اپنے آپ کو چھوڑ کر اپنے آپ سے اوپر جانا باب نظر و فکر (یعنی فلسفی اور منطقی) کو پسند نہیں آتا۔ بلکہ صوفیاء میں بھی ہزاروں میں سے کوئی ایک اس دولت سے مشرف ہوتا ہے اور اس معما کا بھید اس پر کھلتا ہے۔ بیت

ہزار نکتہ باریک ترز مواں جاست نہ ہر کہ سر برتر اشد قلندری داند

ترجمہ بیت ہزاروں نکتے ہیں بالوں سے بھی باریک تر اس جا

منڈائے سر اگر کوئی قلندر بن نہیں جاتا

سوال:- یہ سیر آفاقی ہے یا نفسی؟

جواب:- نہ آفاقی ہے نہ نفسی۔ کیونکہ آفاق و انفس باہر اور اندر کو چاہتے ہیں اور یہ معاملہ دخول

و خروج اور اندر و باہر سے وراء الوراء ہے۔ گوار باب نظر یعنی اہل فلسفہ کے نزدیک نازیبا ہے۔ لیکن جب مطلوب دخول و خروج سے اقدس اور برتر ہے۔ تو وہ نسبت بھی جو اس کے ساتھ پیدا ہو۔ ضرور ہی دخول و خروج سے منزہ ہوگی۔ یہ سیر باوجود اس قدر مشکل اور سخت ہونے کے اس سیر کے کرنے والوں کے نزدیک جو صاحبان علم ہیں۔ دہلی اور آگرہ کے سیر کی طرح ہے۔ جو ہر ایک کو معلوم ہے اور ہر ایک کے نزدیک متمیز ہے اور اس کی ہر ایک منزل دوسری منزل سے جدا ہے۔

تنبیہ:- عالم اگرچہ صفات کے ظلال ہیں اور صفات حق تعالیٰ کی ذات کے ظلال۔ لیکن اس ظلیت کے بہت سے درجے اور مرتبے ہیں جن میں سے ہر ایک مطلوب کا حجاب ہے۔ آپ نے سنا ہی ہوگا۔ کہ اِنَّ لِلّٰہِ سُبْحٰنَہٗ سَبْعِیْنَ اَلْفَ حِجَابٍ مِّنْ نُورٍ وَظُلْمَہٗ (اللہ تعالیٰ کے لئے نور اور ظلمت کے ستر ہزار پردے ہیں) جب تک حجاب سب کے سب دور نہ ہو جائیں۔ ظلیت سے نہیں نکل سکتے۔ اس جگہ خرق حجاب یعنی پردہ کے دور ہونے سے مراد شہودی پردوں کا دور ہونا ہے اور یہ جو اس حدیث کے اخیر میں تمام پردوں کا دور نہ ہونا آیا ہے۔ مراد اس سے وجودی پردے ہیں۔ جن کا دور ہونا ممتنع ہے۔ کیونکہ اس سے صفات قدیمہ کا رفع ہونا لازم آتا ہے۔ جو محال ہے۔ لیکن چونکہ معیت غیر متکلیفہ حاصل ہے۔ اس لئے خرق وجودی کا حکم رکھتا ہے اور باوجود حجابوں کے بے حجاب ہے۔ کیونکہ معیت نقد وقت ہے۔ جو حائل و حجاب کی طاقت نہیں رکھتی۔ رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُورَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّكَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ○ (یا اللہ تو ہمارے نور کو کامل کر اور ہم کو بخش۔ تو سب شے پر قادر ہے) الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ عَلَیْہِ وَعَلِیْہِمُ وَعَلٰی اِلَہِ الظَّاهِرِیْنَ اَجْمَعِیْنَ ○ (اللہ رب العالمین کی حمد ہے اور حضرت سید المرسلین اور ان کی آل پاک پر صلوٰۃ و سلام ہو)

مکتوب ۲۷

اس بیان میں کہ بندہ کو چاہئے۔ کہ اپنی تمام مرادوں سے نکل کر حق تعالیٰ کی مرادوں کے موافق ہو جائے اور ذاتی اور عارضی بیماری کے بیان میں ملا علی کشمی کی طرف صادر فرمایا ہے:-

بندہ کو چاہئے کہ اپنے مولا جلشانہ کے سوا اس کا کچھ مراد و مطلب نہ ہو اور مولیٰ کی مراد کے سوا بندہ کی کوئی مراد نہ رہے۔ ورنہ اس کا سر بندگی کی رسی سے اور اس کا پاؤں غلامی کی قید سے نکلا ہوا ہوگا۔ وہ بندہ جو اپنی مرادوں میں گرفتار ہے اور اپنی ہواؤں ہوس پر فریفتہ ہے۔ وہ اپنے نفس کا بندہ ہے اور شیطان لعین کی اطاعت کر رہا ہے۔ یہ دولت (یعنی اپنی مرادوں کو حق تعالیٰ کی مرادوں میں فانی کرنا) دلالت کے خاصہ کے حاصل ہونے پر وابستہ ہے۔ جو فناء و بقائے اتم و اکمل پر موقوف ہے۔

سوال:- کبھی کبھی خواہشیں اور ضروریات کا ملوں سے بھی ظاہر ہوتی ہیں اور مختلف مطالب کے حاصل ہونے کی خواہش ان بزرگواروں سے بھی محسوس ہوتی ہے۔ امام انبیاء و سلطان اولیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام سردوشیریں چیز کو دوست رکھتے تھے اور وہ حرص جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو امت کی ہدایت پر تھا۔ قرآن مجید میں ظاہر ہے۔ ان بزرگواروں میں اس قسم کی خواہشات کے باقی رہنے کا باعث کیا ہے؟

جواب:- بعض خواہشیں جن کا منشاء طبیعت ہے۔ تاکہ طبعی مزاج قائم رہے۔ ضروری ہیں گرمی کے وقت طبیعت بے اختیار سردی کی طرف مائل ہے اور سردی کے وقت گرمی کی طرف راغب ہے۔ اس قسم کی خواہشیں عبودیت کے منافی اور نفسانی خواہشات کے ساتھ گرفتاری کا سبب نہیں۔ کیونکہ طبعی ضروریات دائرہ تکلیف سے خارج اور نفس امارہ کی خواہش سے باہر ہیں۔ کیونکہ نفس کی خواہشات یا فضول مباح ہیں یا مشتبہ و حرام اور جو کچھ ضروری ہے۔ نفس کو اس کے ساتھ مس و تعلق نہیں۔ پس گرفتاری اور بدکرداری کا موجب فضول افعال ہیں۔ اگرچہ مباح کی قسم سے ہوں۔ کیونکہ فضول مباح محرم کے قرب و جوار میں ہے کہ اگر دشمن لعین کے بہکانے سے وہاں سے قدم اٹھائیں۔ تو بے اختیار حرام میں جا پڑیں۔ پس مباح ضروری پر کفایت کرنا ضروری ہے۔ کہ اگر وہاں سے قدم پھسلے گا۔ تو فضول مباح ہی میں پڑے گا اور اگر فضول مباحات میں قیام کیا جائے۔ تو اس سے پہلے قدم پھسلے ہی جھٹ محرم میں جا پڑے گا۔ بعض خواہشیں اس قسم کی ہیں۔ جن کا حاصل ہونا خارج اور باہر کی طرف سے ہے۔ باوجودیکہ شخص فی نفسہ مرادوں سے خالی ہو اور خارج میں یا حضرت رَحْمَن و اعظ ہے۔ جو خیرات کا القاء کرتا ہے۔ فَإِنَّ لِلّٰهِ سُبْحَانَهُ وَاعْظَا فِیْ قَلْبِ كُلِّ مُؤْمِنٍ (کیونکہ ہر ایک مومن کے دل میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک واعظ ہے) یا شیطان ہے جو شر و عداوت کا القاء کرتا ہے۔ یَعِدُّهُمْ وَيَمْنِيْهِمْ وَمَا يَعِدُّهُمْ الشَّيْطَانُ اِلَّا غُرُوْرًا (شیطان ان کو وعدہ اور امیدیں دلاتا ہے۔ مگر شیطان کا وعدہ سراسر دھوکا اور فریب ہے) قلعہ کی سکونت کے ایام میں یہ فقیر ایک دن فجر کی نماز ادا کرنے کے بعد اس طریقہ عالیہ کی طرز و طرح پر خاموش بیٹھا ہوا تھا۔ کہ بیہودہ آرزوں کے ہجوم نے بے مزہ کر دیا اور جمعیت کو کھو دیا۔ ایک لمحہ کے بعد جب اللہ تعالیٰ کی عنایت سے پھر جمعیت حاصل ہوئی۔ تو دیکھا کہ وہ آرزوئیں بادل کے ٹکڑوں کی طرح القاء کرنے والے کے ہمراہ باہر نکل گئی ہیں اور خانہ دل کو خالی چھوڑ گئی ہیں۔ اس وقت معلوم ہوا۔ کہ یہ خواہشیں باہر کی طرف سے آئی تھیں اندر سے نہ انھی تھیں جو بندگی کے منافی ہیں۔ غرض جس فساد کا منشاء نفس امارہ ہے۔ وہ مرض ذاتی اور زہر قاتل اور مقام بندگی کے منافی ہے اور جو فساد کہ باہر کی طرف سے آئے۔ اگرچہ القاء شیطانی ہو۔ وہ عارضی مرض ہے جو بہت آسان علاج سے دور ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ عَجَبَ الشَّيْطَانِ كَانَ ضَعِيْفًا (بیشک شیطان کا

مکر ضعیف ہے) ہماری بلا ہمارا اپنا ہی نفس ہے اور ہمارا جانی دشمن ہمارا اپنا ہی برا ہمنشین ہے۔ اسی کی مدد سے بیرونی دشمن ہم پر غلبہ پاتے ہیں اور ہم کو اسی کی مدد سے مغلوب کرتے ہیں۔ تمام اشیاء میں سے زیادہ جاہل نفس مارہ ہے۔ جو اپنا ہی دشمن اور بد خواہ ہے اور اس کا ارادہ اپنے آپ کو ہلاک کرنا ہے۔ اس کی خواہش و آرزو ہمہ تن حضرت رحمن جل شانہ (جو اس کا اور اس کی نعمتوں کا مولیٰ ہے) کی نافرمانی اور شیطان کی اطاعت ہے۔ جو اس کا جانی دشمن ہے۔

جاننا چاہئے کہ ذاتی اور عارضی مرض اور داخلی اور خارجی فساد کے درمیان فرق و تمیز کرنا بہت مشکل ہے۔ مبادا کوئی ناقص اس خیال سے اپنے آپ کو کامل فرض کرے اور اپنی مرض ذاتی کو مرض عارضی خیال کرے اور خسارہ کھائے فقیر اسی ڈر کے مارے اس سر کے لکھنے کی جرأت نہیں کرتا تھا اور اس مطلب کا ظاہر کرنا مناسب نہیں جانتا تھا۔ میں سترہ سال تک اسی اشتباہ میں رہا اور فساد ذاتی کو فساد عارضی کے ساتھ ملا ہوا پاتا رہا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے حق کو باطل سے جدا کر دیا اور مرض ذاتی کو مرض عارضی سے الگ کر دیا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالْمِنَّۃُ عَلٰی ذٰلِکَ وَ عَلٰی جَمِیْعِ نِعَمٰہِ (اس نعمت پر اور اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کی حمت اور اس کا احسان ہے) اس قسم کے اسرار کے ظاہر کرنے کی حکمتوں میں سے ایک حکمت یہ ہے۔ کہ کوئی کوتاہ نظر کسی کامل کو اس قسم کی بیرونی آرزوؤں کے باوجود ناقص نہ سمجھے۔ اور اس کی برکات سے محروم نہ رہے کفار اسی قسم کی صفات کے باعث انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تصدیق کی دولت سے محروم رہے اور اس طرح کہتے رہے۔ اَبَشْرٌ یَّهْدُوْنَنا فَکُفِّرُوْا (کیا ہم جیسا انسان ہم کو ہدایت دیتا ہے۔ پس کافر ہو گئے) اور یہ جو فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ عارف کو اس کی مرادوں اور خواہشوں کے دور ہو جانے کے بعد صاحب ارادہ بنا دیتا ہے اور اس کے ہاتھ میں اختیار دے دیتا ہے۔ اس مضمون کی تفصیل انشاء اللہ تعالیٰ کسی اور جگہ اللہ تعالیٰ کی عنایت سے کی جائے گی۔ کیونکہ اب وقت یادری نہیں کرتا۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اَتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْہِ وَعَلَیْہِ الصَّلٰوٰتُ وَالسَّلَامٰتُ اَتَمَّہَا وَاکْمَلَّہَا (سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی اور حضرت محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کو لازم پکڑا)

مکتوب ۲۸

اس بیان میں کو مردوں کے ارواح کو صدقہ کرنے کی کیفیت کیا ہے۔ ملا صالح ترک

کی طرف صادر فرمایا ہے:-

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ایک دن خیال آیا۔ کہ اپنے قریبی رشتہ دار مردوں میں سے بعض کی روحانیت کے

لئے صدقہ کیا جائے۔ اسی اثناء میں ظاہر ہوا۔ کہ اس نیت سے اس میت مرحوم کو خوشی حاصل ہوئی اور خوش و خرم نظر آئی۔ جب یہ صدقہ کے دینے کا وقت آیا پہلے حضرت رسالت خاتمت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روحانیت کے لئے اس صدقہ کی نیت کی جیسا کہ عادت تھی۔ بعد ازاں اس میت کی روحانیت کے واسطے نیت کر کے دے دیا۔ اس وقت اس میت میں ناخوشی اور اندوہ محسوس ہوا اور کلفت و کدورت ظاہر ہوئی۔ اس حال سے بہت متعجب ہوا اور ناخوشی اور کلفت کی کوئی وجہ ظاہر نہ ہوئی۔ حالانکہ معلوم ہوا کہ اس صدقہ سے بہت برکتیں اس میت کو پہنچی ہیں۔ لیکن خوشی اور سرور اس میں ظاہر نہیں ہوا۔ اسی طرح ایک دن کچھ نقدی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نذر کی اور اس نذر میں تمام انبیاء کرام کو بھی داخل کیا اور ان کو آنحضرت کا طفیلی بنایا۔ اس امر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مرضی و رضامندی معلوم نہ ہوئی۔ اسی طرح بعض اوقات جو میں درود بھیجتا تھا۔ اگر اسی مرتبہ میں تمام انبیاء پر بھی درود بھیجتا۔ تو اس میں آنحضرت کی مرضی ظاہر نہ ہوتی۔ حالانکہ معلوم ہو چکا ہے۔ کہ اگر ایک کی روحانیت کے لئے صدقہ کر کے تمام مومنوں کو شریک کر لیں۔ تو سب کو پہنچ جاتا ہے اور اس شخص کے اجر سے کہ جس کی نیت پر دیا جاتا ہے کچھ کم نہیں ہوتا۔ اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ (بیشک رب تیرا بڑی بخشش والا ہے) اس صورت میں ناخوشی اور ناراضگی کی وجہ کیا ہے۔ مدت تک یہ مشکل بات دل میں کھٹکتی رہی۔ آخر کار اللہ تعالیٰ کے فضل سے ظاہر ہوا۔ کہ ناخوشی اور کلفت کی وجہ یہ ہے۔ کہ اگر صدقہ بغیر شرکت کے مردہ کے نام پر دیا جائے۔ تو وہ مردہ اپنی طرف سے اس صدقہ کو تحفہ اور ہدیہ کے طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لے جائے گا اور اس کے وسیلے سے برکات و فیوض حاصل کرے گا لیکن اگر صدقہ دینے والا خود آنحضرت کی نیت کرے گا۔ تو میت کو کیا نفع ہوگا۔ شرکت کی صورت میں اگر صدقہ قبول ہو جائے۔ تو میت کو صرف اسی صدقہ کا ثواب ملے گا اور عدم شرکت کی صورت میں اگر صدقہ قبول ہو جائے۔ تو اس صدقہ کا ثواب ملے گا اور اس صدقہ کے تحفہ اور ہدیہ کرنے کے فیوض و برکات بھی حبیب رب العالمین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس سے پائے گا۔ اسی طرح ہر شخص کے لئے کہ جس کو شریک کریں یہی نسبت موجود ہے۔ کہ شرکت میں ایک درجہ ثواب ہے اور عدم شرکت میں دو درجہ کہ اس کو مردہ اپنی طرف سے اس کے حضور پیش کرتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ ہدیہ تحفہ جو کوئی غریب کسی بزرگ کی خدمت میں لے جائے۔ بغیر کسی کی شرکت کے اگرچہ طفیلی ہو۔ تو اس تحفہ کا خود پیش کرنا بہتر ہے یا شرکت کے ساتھ۔ کچھ شک نہیں کہ بغیر شرکت کے بہتر ہے اور وہ بزرگ اپنے بھائیوں کو اپنے پاس سے دیدے۔ تو اس بات سے بہتر ہے۔ کہ یہ شخص بیفائدہ دوسروں کو داخل کر لے اور آل و اصحاب جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عیال کی طرح ہیں۔

ان کو جو طفیلی بنا کر آنحضرت ﷺ کے ہدیہ میں داخل کیا جاتا ہے۔ پسندیدہ اور مقبول نظر آتا ہے۔ ہاں متعارف ہے کہ ہدایت مرسلہ میں اگر کسی بزرگ کے ساتھ اس کے ہمسروں کو شریک کریں۔ تو اس کے ادب و رضامندی سے دور معلوم ہوتا ہے اور اگر اس کے خادموں کو طفیلی بنا کر ہدیہ بھیجیں تو اس کو پسند آتا ہے۔ کیونکہ خادموں کی عزت اسی کی عزت ہے۔ پس معلوم ہوا کہ زیادہ تر مردوں کی رضامندی صدقہ کے افراد میں ہے نہ صدقہ کے اشتراک میں۔ لیکن چاہئے کہ جب میت کیلئے صدقہ کی نیت کریں۔ تو اول آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نیت پر ہدیہ جدا کر لیں۔ بعد ازاں اس میت کے لئے صدقہ کریں۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حقوق دوسروں کے حقوق سے بڑھ کر ہیں۔ اس صورت میں آنحضرت ﷺ کے طفیل اس صدقہ کے قبول ہونے کا بھی احتمال ہے۔ یہ فقیر مردوں کے بعض صدقات میں جب نیت کے درست کرنے کے لئے اپنے آپ کو عاجز معلوم کرتا ہے۔ تو اس سے بہتر علاج کوئی نہیں جانتا۔ کہ اس صدقہ کو آنحضرت ﷺ کی نیت پر مقرر کرے اور اس میت کو ان کا طفیلی بنائے۔ امید ہے کہ ان کے وسیلہ کی برکت سے قبول ہو جائے گا۔ علماء نے فرمایا ہے۔ کہ آنحضرت ﷺ کا درود اگر ریا و سمعہ سے بھی ادا کیا جائے۔ تو مقبول ہے اور آنحضرت تک پہنچ جاتا ہے۔ اگرچہ اس کا ثواب درود بھیجنے والے کو نہ ملے۔ کیونکہ اعمال کا ثواب نیت کے درست کرنے پر موقوف ہے اور آنحضرت ﷺ کے قبول کے لئے جو مقبول و محبوب ہیں۔ بہانہ ہی کافی ہے۔

آیت کریمہ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا (تجھ پر اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ عَلَيْهِ وَعَلَىٰ آلِهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ وَعَلَىٰ جَمِيعِ إِخْوَانِهِ الْكَرَامِ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمَلَائِكَةِ الْعِظَامِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامِ

مکتوب ۲۹

قرآن مجید کے بعض کلمات قدسی آیات کے سمجھنے میں سیادت پناہ میر محبت اللہ کی

طرف صادر فرمایا ہے:-

چونکہ فقیر پہلے اپنے قصور فہم کے باعث قرآن مجید کے بعض کلمات قدسی آیات کے سمجھنے میں تردد رکھتا تھا اور ان کی تطبیق و مطابقت میں عاجز ہو جاتا تھا۔ تو سو سوں کے دفع کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی عنایت سے اس سے بہتر علاج کوئی نہ پاتا تھا۔ کہ اپنے آپ کو کہتا تھا۔ کہ تو اس نظم قرآنی کو حق تعالیٰ کی کلام مانتا ہے اور اس کے ساتھ ایمان رکھتا ہے یا نہیں۔ اگر ایمان نہیں رکھتا ہے۔ تو پھر بھی تیری اپنی سمجھ کا قصور ہے۔ نہ کہ نظم قرآنی میں جو زمین و آسمان کے خالق اور عقل و ادراک کے پیدا کرنے والے کا کلام ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کے فضل سے کلام ربانی کے حق ہونے کا ایمان حاصل تھا۔ تو اس تردد سے وہ

و سوسہ نیست و نابود دور ہو جاتا اور اس تردد سے نجات مل جاتی۔ اب اللہ تعالیٰ کے فضل سے معاملہ یہاں تک پہنچ گیا ہے۔ کہ نظم قرآنی میں جہاں کہیں قصور اور اک کے باعث تردد اور خدشہ کی گنجائش ہے۔ وہی مقام قرآن مجید کے ساتھ ایمان کے زیادہ ہونے کا باعث ہے اور وہی خدشہ فرقان حمید کے اعجاز کے ظاہر ہونے کا واسطہ ہے اور وہ اغلاق یعنی اشکال مقامات اعجاز کی قسموں سے متصور ہوتے ہیں اور وہ اشکال کمال بلاغت اور براعت پر محمول نظر آتے ہیں۔ جن کے سمجھنے میں انسان عاجز ہے۔ جس قدر ایمان قرآن مجید کے نہ سمجھنے میں حاصل ہے۔ اتنا سمجھنے میں نہیں ہے کیونکہ نہ سمجھنے میں اعجاز کا وہ راستہ کھلا ہوا ہے۔ جو سمجھنے میں نہیں سبحان اللہ یہی نہ سمجھنا بعض کو گمراہ کر دیتا ہے اور کلام حق کا منکر بنادیتا ہے اور بعض کے لئے یہی نہ سمجھنا قرآن کے ساتھ کمال ایمان کا باعث ہو جاتا ہے اور ہدایت کی طرف لے آتا ہے۔ يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا ط (اکثر کو گمراہ کرتا ہے اور اکثر کو ہدایت دیتا ہے) رَبَّنَا إِنَّا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً وَهِيَءَ لَنَا مِن أَمْرِنَا رَشَدًا (یا اللہ تو اپنے پاس سے ہم پر رحمت نازل فرما اور ہمارے کام سے بھلائی و ہدایت ہمارے نصیب کر)۔ والسلام

مکتوب ۲۰

مراتب اصول اور مراتب عبادت پر عروج کے بیان میں سیادت و ارشاد پناہ میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا ہے:-

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ ط
(اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے اور مرسلین کے سردار پر صلوٰۃ و سلام ہو)۔

ابیات

پایہ آخر آدم است و آدمی گشت محروم از مقام محرمی
گر نگر دو باز مسکین زیں سفر نیست از دے ہنچکس محروم تر

ترجمہ ابیات

آدمی کا پایا ہے سب سے اخیر ہو گیا محروم حق سے یہ فقیر
اس سفر سے گرنے یہ مسکین پھرے پھر نہ ہرگز قرب حاصل کر سکے

جب اللہ تعالیٰ کی عنایت سے سالک آدمی کو اپنے وصول پر کہ وہ خود آپ جن کا قتل ہے عروج واقع ہو۔ تو ان اصول میں سے ہر ایک اصل میں اول اس کو فنا اور پھر اس فنا کے بعد اسی اصل کے ساتھ بقاء حاصل ہوگی اور اس فناء و بقاء سے ان کی اتانیت کا اطلاق اس قتل سے دور ہو کر اس اصل پر جس میں اس قتل کو فناء و بقاء حاصل ہوا ہے اطلاق پائے گا اور اپنے آپ کو وہی اصل جانے گا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے

کرم سے جب اس اصل سے عروج واقع ہو جائے۔ تو اس اصل میں جو اس پہلے اصل کے اوپر ہے اور وہ پہلا اصل اس دوسرے اصل کا ظل ہے۔ اس پہلی اصل کا فناء و بقاء حاصل کر لے گا اور اصل سے انا کا اطلاق زائل ہو کر دوسرے اصل سے جا ملے گا اور اپنے آپ کو وہی اصل ثانی معلوم کرے گا۔ اگر اصل ثانی سے عروج واقع ہو جائے۔ تو اصل ثانی کو تیسرے اصل کے ساتھ وہی نسبت ہوگی۔ جو اول کو دوسرے کے ساتھ ہے یعنی عروج واقع ہونے کے بعد انا کا اطلاق اس تیسرے اصل پر قرار پائے گا۔ جس کا ظل دوسرا اصل ہے۔ اسی طرح اگر محض فضل خداوندی سے عروج واقع ہوتا جائے۔ تو ہر ایک نیچے والے اصل میں جو اوپر کے اصل کے لئے ظل کی طرح ہے یہی نسبت موجود ہوگی۔ یعنی جوں جوں ظل سے اصل تک پہنچتا جائے گا۔ ہر ظل سے انا کا اطلاق دور ہو کر اس کے اصل کے ساتھ ساتھ قرار پاتا جائے گا اور اپنے آپ کو وہی اصل معلوم کرتا جائے گا۔ اِلٰی مَا شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی تَفَاوُتِ مَرَاتِبِ الْاِسْتِعْذَادِ (جہاں تک اللہ تعالیٰ کو منظور ہو۔ استعداد کے مرتبوں کے تفاوت کے بموجب) اور یہ اصول باوجود اس کثرت اور رفعت کے ظل اول یعنی سالک آدمی کے اجزاء ہوں گے۔ جس طرح قطرہ سے دریا بہادیں اور تنکے کا پہاڑ بنادیں۔ جب یہ اصول اس کے اجزاء ہوں گے تو ان کے کمالات و برکات سے بھی اس کو کامل حصہ حاصل ہوگا اور اس کا کمال ان اجزاء کے تمام کمالات کا جامع ہوگا۔ اس بیان سے انسان کامل اور باقی انسانی افراد کے درمیان فرق معلوم کر سکتے ہیں۔ کہ انسان کامل دریائے محیط کی طرح ہے اور باقی تمام افراد انسان ناچیز قطروں کی طرح۔ پھر یہ اس کو کس طرح پہچان سکتے ہیں اور اس کے کمال کو کیا پا سکتے ہیں کسی نے کیا اچھا کہا ہے۔ الہی یہ کیا ہے جو تو نے اپنے دوستوں کو عطا کیا ہے کہ جس نے ان کو پہچانا۔ اس نے تجھ کو پایا اور جب تک تجھ کو نہ پایا ان کو نہ پہچانا۔ جس طرح انسان کامل اور انسان ناقص کے درمیان اجزاء کی کمی و بیشی کی رو سے تفاوت ہے۔ اسی طرح ان کے طاعات و حسنات میں بھی اسی کمی بیشی کے موافق فرق ہے۔ اس شخص کے ساتھ جس کو سوز بانیں دیں اور وہ ہر ایک زبان کے ساتھ خدا کو یاد کرے اس شخص کی کیا نسبت ہوگی۔ جس کو صرف ایک ہی زبان دی اور وہ صرف ایک ہی زبان سے خدا کو یاد کرے۔ ایمان اور معرفت اور تمام کمالات کو اسی پر قیاس کرنا چاہئے۔ رَبَّنَا اَنْتُمْ لَنَا نُورُنَا وَ اَغْفِرْ لَنَا اِنَّكَ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (یا اللہ تو ہمارے نور کو پورا کر اور ہم کو بخش تو ہر چیز پر قادر ہے) اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اَوَّلًا وَاٰخِرًا وَ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِهِ ذَاتِنَا وَ سَرْمَدًا وَ عَلٰی اِلٰہِ الْکَرَامِ وَ صَحْبِهِ اَلْعِظَامِ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامِ

مکتوب ۳۱

عالم ارواح، عالم مثال اور عالم اجساد کی تحقیق میں ملا بدر الدین کی طرف صادر فرمایا ہے:-

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) آپ نے لکھا تھا۔ کہ روح بدنی تعلق سے پہلے عالم مثال میں رہا ہے اور بدن سے جدا ہونے کے بعد پھر عالم مثال میں چلا جائے گا۔ پس قبر کا عذاب عالم مثال میں اس درد کی طرح ہو گا جس کو خواب کی حالت میں عالم مثل میں محسوس کریں اور یہ بھی آپ نے لکھا تھا۔ کہ اس کلام کی بہت شاخیں اور فروع ہیں۔ اگر قبول کریں۔ تو بندہ اس بات پر بہت سے فروع نکالے گا۔ واضح ہو کہ اس قسم کے خیالات صدق سے بالکل خالی ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ آپ کو غیر متعارف یعنی غیر مشہور راہ کی طرف رہنمائی کریں۔ اس لئے چند کلمے باوجود موانع کے اس بحث کی تحقیق میں لکھے جاتے ہیں۔ وَاللّٰہُ مُبْحَثُہٗ الْہَادِیْ اِلٰی سَبِیْلِ الرَّشَادِ (اللہ تعالیٰ سیدھے راستہ کی ہدایت دینے والا ہے) اے برادر (صوفیاء نے) عالم ممکنات کی تین قسمیں مقرر کیں ہیں۔ عالم ارواح و عالم مثال و عالم اجساد عالم مثال کو عالم ارواح اور عالم اجساد کے درمیان برزخ کہتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں۔ کہ عالم مثال ان دونوں عالموں کے معانی اور حقائق کے لئے آئینہ کی طرح ہے۔ کہ اجساد اور ارواح کے معانی اور حقائق عالم مثال میں لطیف صورتوں کی طرح ظہور پاتے ہیں۔ کیونکہ عالم مثال اور حقیقت کے مناسب دوسری صورت اور ہیئت ہے۔ عالم مثال میں فی ذاتہ صورتیں اور ہیئتیں اور شکلیں نہیں ہیں۔ بلکہ صورتیں اور شکلیں اس میں دوسرے عالموں سے منعکس ہو کر ظاہر ہوئی ہیں۔ جس طرح آئینہ جس میں فی نفسہ کوئی صورت و شکل نہیں۔ اگر اس میں کوئی صورت موجود ہے تو خارج سے آئی ہے۔ جب یہ بات آپ کو معلوم ہو چکی۔ تو پھر جاننا چاہئے کہ روح بدنی تعلق سے پہلے اپنے عالم یعنی عالم ارواح میں رہا ہے۔ جو عالم مثال کے اوپر ہے۔

اب اگر اس نے بدنی تعلق کے بعد تنزل کیا ہے اور محبت کے علاقہ کے باعث اجساد میں اتر آیا ہے۔ تو عالم مثال کے ساتھ کچھ کام نہیں رکھتا۔ یعنی نہ اس کو بدنی تعلق سے پہلے عالم مثال کے ساتھ کچھ اور واسطہ تھا اور نہ اب تعلق بدنی کے بعد ہے۔ صرف اسی قدر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے بعض اوقات روح اپنے بعض احوال کو عالم مثال کے آئینہ میں مطالعہ کرتا ہے اور اپنے احوال کی خوبی اور برائی کو وہاں سے معلوم کرتا ہے۔ جیسے کہ واقعات اور خوابوں میں یہ بات واضح اور روشن ہے۔ بسا اوقات سالک بغیر اس امر کے کہ حس سے غائب ہو۔ اس بات کو معلوم کر لیتا ہے اور بدن کی مفارقت کے بعد اگر روح علوی ہے۔ تو فوق کی طرف متوجہ ہے اور اگر سفلی ہے تو سفل کا گرفتار ہے۔ عالم مثال سے اس کا کچھ کام نہیں۔ عالم مثال صرف دیکھنے کے لئے ہے نہ کہ رہنے کے لئے رہنے کی جگہ عالم ارواح ہے یا عالم اجساد۔ عالم مثال ان دونوں عالموں کے لئے آئینہ کی طرح ہے جیسے کہ گزر چکا اور وہ درد جو عالم خواب

میں عالم مثال میں محسوس ہوتا ہے۔ وہ اس عذاب کی صورت اور شح (1) ہے۔ جس عذاب کا مستحق وہ خواب دیکھنے والا ہوا ہے اور اس کی تنبیہ کے لئے اس امر کو اس پر ظاہر کیا ہے۔ لیکن قبر کا عذاب اس قسم کا نہیں ہے۔ وہ عذاب کی حقیقت ہے۔ نہ کہ عذاب کی صورت و شح۔ نیز وہ درد جو خواب میں محسوس ہوتا ہے۔ بالفرض اگر حقیقت بھی رکھتا ہو۔ تو دنیاوی دردوں کی قسم ہی سے ہو گا اور قبر کا عذاب آخرت کے عذاب کی قسم سے ہے۔ **مَشْنَانٌ مَّا بَيْنَهُمَا** (ان دونوں میں بہت فرق ہے) دنیا کا عذاب آخرت کے مقابلہ میں کچھ اعتبار و مقدار نہیں رکھتا۔ اگر دوزخ کے آگ کی ایک چنگاری دنیا میں آپڑے۔ تو سب کچھ جلا دے اور نیست و نابود کر دے۔ عذاب قبر کو عذاب خواب کی طرح جاننا عذاب کی صورت اور حقیقت پر اطلاع نہ پانے کے باعث ہے۔ اس اشتباہ کا باعث یہ بھی ہے۔ کہ دنیا کے عذاب اور آخرت کو ایک جیسا سمجھیں۔ لیکن یہ بھی صاف طور پر باطل ہے۔

سوال:- آیت کریمہ **اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَاقِبِهَا** (اللہ تعالیٰ قبض کرتا ہے رُوحوں کو ان کی موت کے وقت اور ان کو جو نہیں مرتے اپنی خوابوں میں) سے مفہوم ہوتا ہے۔ کہ توفی نفس یعنی جانوں کا قبض کرنا جس طرح موت میں ہے۔ اس طرح خواب میں بھی ہے۔ پھر ایک کے عذاب کو دنیا کے عذابوں سے جاننا اور دوسرے کے عذاب کو آخرت کے عذابوں سے کہنا کس وجہ سے ہے۔

جواب:- توفی نوم یعنی خواب کا قبض اس قسم کا ہے۔ کہ جیسے کوئی شخص سیر و تماشا کے لئے شوق و رغبت کے ساتھ اپنے وطن مالوف سے باہر نکلے۔ تاکہ فرح و سرور حاصل کرے۔ اور خوش و خرم اپنے وطن کو لوٹ آئے۔ اس کی سیر گاہ عالم مثال ہے۔ جس میں ملک و ملکوت کے عجائبات بھرے ہیں۔ لیکن موت کا قبض ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ اس وقت وطن مالوف اجاڑ ہو جاتا ہے اور آباد گھر ویران ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خواب کے قبض میں کوئی رنج و تکلیف نہیں ہوتی۔ بلکہ فرح و سرور حاصل ہوتا ہے اور موت کے قبض میں بہت سختی اور تکلیف ہوتی ہے۔ پس خواب کے متوفی کا وطن دنیا ہے اور وہ معاملہ جو اس کے ساتھ کرتے ہیں دنیاوی معاملات میں سے ہے اور موت کا متوفی اپنے وطن مالوف کے اجڑ جانے کے بعد آخرت کی طرف انتقال کر چکتا ہے۔ اس لئے اس کا معاملہ آخرت کے معاملات میں سے ہے۔ آپ نے سنا ہی ہو گا۔ **مَنْ مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهُ** (جو شخص مر گیا اس کی قیامت آگئی) آپ خیالی کشفوں اور مثالی صورتوں کے ظہور سے اہل سنت و جماعت کے مقررہ اعتقادوں کو نہ چھوڑیں اور اپنے خواب و خیال پر مغرور نہ ہوں۔ کیونکہ اس فرقہ ناجیہ کی متابعت کے بغیر نجات متصور نہیں۔ اگر آپ کو

نجات کی خواہش ہے۔ تو خوش طبعی کو چھوڑ کر جان و دل سے ان بزرگواروں کی اتباع میں کوشش کریں۔ اطلاع دینا ضروری ہے۔ مَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ (قاصد کا کام حکم پہنچا دینا ہے) آپ کی طرز تحریر سے مجھے وہم گزرا تھا۔ کہ ایسا نہ ہو یہ تخیلات آپ کو ان بزرگواروں کی تقلید سے نکال کر اپنے کشفوں کے تابع بنا دیں۔ نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْهَا وَمِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ مَّيَاثِنِ أَعْمَالِنَا (ہم اس بات سے اور اپنے نفسوں کی شرارتوں اور برے اعمال سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں) شیطان بڑا قوی دشمن ہے۔ اس کے مکر سے بخوبی واقف رہیں۔ ایسا نہ ہو کہ آپ کو سیدھے راستہ سے بہکا کر گمراہی کے کوچہ میں ڈال دے۔ آپ کو جدا ہوئے ابھی ایک ہی سال ہوا ہے۔ آپ کو کیا ہو گیا کہ وہ احتیاطیں اور کوششیں جو فقیر سنت اور اہل سنت کی متابعت کے بارہ میں کیا کرتا تھا اور انہی بزرگواروں کی تقلید میں نجات کو موقوف کہا کرتا تھا۔ شاید سب آپ کو بھول گئیں۔ کہ اپنے تخیلات کو اپنا مقتدا اور رہنما بنا کر اس پر طرح طرح کی باتیں بنا رہے ہیں۔ ظاہری حالات کے رو سے ہماری ملاقات بہت بعید معلوم ہوتی ہے۔ آپ اس طرح زندگی بسر کریں۔ جس سے نجات کی امید کا رشتہ نہ ٹوٹ جائے۔ رَبَّنَا إِنَّا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً وَهِيَءَ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا رَشَدًا (یا اللہ تو اپنے پاس سے ہم پر رحمت نازل فرما اور ہمارے کام سے بھلائی ہمارے نصیب کر) وَالسَّلَامُ عَلَى مَنْ اتَّبَعَ الْهُدَى (سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی)

مکتوب ۲۲

اس بیان میں کہ وہ خطرات جن کو وصل کے اسباب کہتے ہیں۔ تجلی صورتی کے اندازہ کے موافق ہیں اور کثرت وہمیہ کی حقیقت کی تحقیق اور اس کے مناسب بیان میں مقصود علی کی طرف صادر فرمایا ہے:-

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَى (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) آپ نے لکھا تھا کہ ایک سالک نے کسی کامل سے پوچھا کہ میں خطرات کے ہجوم سے پریشان ہوں۔ تو اس کامل نے وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطٌ (اور وہ ہر شے پر محیط ہے) کے موافق جواب دیا کہ جب مطلوب کا احاطہ و شمول معلوم ہے۔ تو خطرہ کو وصل کے اسباب سے جاننا چاہئے۔ نہ فصل کے موجبات سے ہمیشہ مشاہدہ کے دروازہ کو کھلا رکھنا چاہئے اور غفلت کی کھڑکی کو بند کرنا چاہئے۔ یہ بات تجلی صورتی کے اندازہ کے موافق درست ہے۔ جو اس راہ کے مقدمات میں سے پہلا مقدمہ ہے۔ اس مقام میں اگر وصل ہے۔ اگرچہ درحقیقت فصل ہے۔ صورت کے اعتبار سے ہے اور اگر مشاہدہ ہے۔ اگرچہ حقیقت میں مباحثہ ہے۔ وہ بھی صورت کے ملاحظہ سے موجود ہے۔ یہ تجلی اس راہ کے بزرگواروں کے نزدیک اعتبار سے ساقط ہے۔ کیونکہ سالک کے وجود کو فنا کرنے والی نہیں۔ نیز اس تجلے میں بحق

و مبطل یعنی جھوٹے اور سچے شریک ہیں۔ ہندو جوگی اور یونان کے فلسفی بھی اس تہلے سے واقف ہیں اور اس مقام کے علوم و معارف سے محفوظ اور متلذذ ہیں۔ حاصل کلام یہ کہ یہ دولت سچے کو صفاء قلب کے باعث حاصل ہوتی ہے اور جھوٹے کو صفاء نفس کے سبب سے۔ اسی واسطے وہ ہدایت کی طرف لے جاتی ہے اور یہ گمراہی کی طرف۔ لیکن دونوں صورت میں گرفتار اور معنی سے بے خبر ہیں۔ بیت

صورت پرست غافل معنی چہ داند آخر کو باجمال جانناں پنہاں چہ کار دارد

ترجمہ بیت

صورت کا جو ہے شیدا معنی کو جانے وہ کیا دلبر کے حسن سے پھر کیا ہے تعلق اس کا لیکن سچے کو صورت کے تعلق سے نجات پانے کی امید ہے اور جھوٹا صورت ہی میں ہلاک و فانی رہتا ہے۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مذہب کو اختیار کرنے کے بغیر صورت کی گرفتاری سے نجات کا ملنا محال ہے۔ نیز صورت کی تہلے دائرہ علم میں داخل ہے۔ لیکن جب اس میں حال و ذوق پر توڑا جاتا ہے۔ تو وہ علم سب حال ہو جاتا ہے۔ نیز اس تہلے میں مشہود کثرت ہے۔ لیکن وحدت کے مظہر ہونے کے طور پر اور کثرت کا شہود خواہ کسی طور پر ہو۔ وبال در وبال ہے۔ چاہنے کہ باطنی نظر میں کثرت اور شہود کثرت کا نام و نشان تک نہ رہے اور واحد حقیقی کے سوا کچھ مشہود نہ ہو۔ تاکہ فنا جو اس راہ میں پہلا قدم ہے۔ حاصل ہو جائے۔ کیونکہ فناء سے مراد یہ ہے کہ باطن سے ماسوی اللہ کا نسیان ہو جائے۔ پھر کثرت کی اس جگہ کیا مجال ہوگی اور کثرت کا شہود وہاں کیا ہوگا اور خطرات کو جو وصل کے اسباب اور مشاہدہ کے دروازے کہا ہے۔ اس وصل و مشاہدہ سے مراد صوری وصل و مشاہدہ ہے۔ جو عین مفارقت اور دوری ہے۔ کیونکہ وہ وصل جو اس طائفہ عالیہ کے بزرگواروں کے نزدیک معتبر ہے۔ وہ مقام بقاء باللہ میں حاصل ہوتا ہے۔ جو فناء اور تمام ماسوی کے نسیان کے بعد میسر ہوتا ہے۔ خطرہ کا ہونا۔ اس دولت کے منافی ہے اور وسوسہ کا حاصل ہونا اس مرتبہ کا مانع ہے۔ مقام فناء میں جو اس وصل کی دہلیز ہے۔ خطرہ اس طرح دور ہو جاتا ہے۔ کہ اگر تکلف کے ساتھ بھی اس کو یاد دلائیں تو اس نسیان کے باعث جو اس کو ماسوی سے حاصل ہو چکا ہے۔ ہر گز اشیاء اس کو یاد نہ آئیں۔ آپ نے لکھا تھا وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطٌ (وہ تمام اشیاء پر محیط ہے) احاطہ کا بیان اس عبارت میں نہیں آیا۔ مانا کہ مولدین کی کلام سے ہے۔ کیونکہ کلام عجم میں احاطہ کا تعدیہ کلمہ علی کے ساتھ بہت آتا ہے اور عرب کی فصیح عبارتوں میں احاطہ کا تعدیہ کلمہ با کے ساتھ مشہور ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطًا اور جگہ فرماتا ہے۔ اِلَّا اِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطٌ (اللہ تعالیٰ ہر شے کو محیط ہے) آپ ظاہر اس عبارت کو قرآن مجید سے خیال کر کے استشہاد کے طور پر لائے ہیں۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ اس مطلب کا بیان قرآن

مجید میں دوسری عبارتوں کے طور پر ہے۔ جیسے کہ گزر چکا۔ نیز آپ نے لکھا تھا۔ کہ کثرت وہی اور تعدد اعتباری نے اس طرح انہوہ کیا ہے۔ کہ اکثر علماء نے تعدد وجود سے غلطی میں پڑ کر مغز سے پوست پر اور لب سے قشر پر قناعت کی ہے۔ کثرت و تعدد اگرچہ وہی اور اعتباری ہے۔ لیکن چونکہ حق تعالیٰ کی صنع و ایجاد سے پیدا ہوا ہے اس لئے مضبوط اور مستحکم ہے اور دنیا و آخرت کا معاملہ اسی پر وابستہ ہے اور آثار خارجیہ اسی پر مترتب ہیں۔ وہم و اعتبار ہر چند اٹھ جائے۔ لیکن اس کثرت و تعدد کا اٹھ جانا ممنوع اور ناممکن ہے۔ کیونکہ آخرت کا دائمی عذاب و ثواب جس کی نسبت مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خبر دی ہے۔ اسی کثرت و تعدد پر موقوف ہے۔ اس کثرت و تعدد کے اٹھ جانے کا حکم کرنا الحاد و زندقہ میں داخل ہے۔ نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ پس صوفیاء عالیہ اور علماء کرام دونوں اس کثرت و تعدد کے ثبوت اور استمرار کے قائل ہیں اور آخرت کا دائمی معاملہ اسی پر منحصر جانتے ہیں۔ لیکن عروج کے وقت یہ کثرت چونکہ صوفیاء کے شہود سے مرتفع ہو جاتی ہے۔ اس لئے اس کو وہی اور اعتباری معلوم کرتے ہیں اور چونکہ نفس امر میں مرتفع نہیں ہوتی۔ اگرچہ شہود سے مرتفع ہو جاتی ہے۔ اس لئے علماء اس کو موجود جانتے ہیں۔ پس دونوں گروہوں کا معنی میں اتفاق ہے اور نزاع لفظ کی طرف راجع ہے۔ ہر ایک گروہ نے اپنی اپنی دریافت کے اندازہ کے موافق حکم کیا ہے۔ صوفیاء نے شہود کا اعتبار کیا ہے اور شہودی ارتقاع کا لحاظ کر کے اس کے وہی اور اعتباری ہونے کا حکم کیا ہے اور علماء نے اس کے نفس امری ثبوت و استقرار کا لحاظ کر کے اس کے وجود کا حکم فرمایا ہے۔ وَلِكُلٍّ وَجْهَةٌ (ہر ایک کے لئے ایک جہت ہے)۔ اس مضمون کو اس فقیر نے اپنے مکتوبات اور رسائل میں مفصل طور پر بیان کیا ہے اور فریقین کے نزاع کو لفظ کی طرف راجع کیا ہے۔ اگر کوئی امر پوشیدہ رہ جائے تو وہاں سے دیکھ لیں۔ علماء کی نظر صواب کے نزدیک اور نفس امر کے مطابق ہے اور صوفیاء کی نظر شکر اور غلبہ حال کے اعتبار سے ہے۔ ستارے دن میں پوشیدہ ہیں اور نفس امر میں ثابت ہیں اور شہود سے چھپے ہوئے ہیں۔ ستاروں کے ثبوت کا حکم کرنا بہت ہی بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ ان کے عدم شہود کو ملاحظہ کر کے ستاروں کے نہ ہونے کا حکم کریں علماء جو وجود کثرت کے قائل ہیں۔ ان کا مقصود شریعت کا باقی رکھنا ہے۔ جس کی بنا تعدد پر ہے اور صاحب شریعت کے وعدہ و وعید کا جاری کرنا کثرت کے بغیر متصور نہیں۔ صوفیاء بھی اس بات کو مانتے ہیں۔ اگرچہ تکلف کے ساتھ اس کو شریعت کے مطابق کرتے ہیں۔ لیکن جو کچھ علماء نے فرمایا ہے۔ بے تکلف صادق اور بغیر حیلہ کے مطابق ہے اس میں کسی قسم کا غبار اور کدورت نہیں اور علماء مستقل اور دائمی وجود ثابت نہیں کرتے جس میں اعتراض کی گنجائش ہو اور واجب کے ساتھ شریک ہو۔ بلکہ ایک وجود ضعیف ثابت کرتے ہیں۔ جو دوسرے سے عاریت کے طور پر ملا ہوا ہے۔ اس بات سے علماء کو جو

دین کے بزرگوار ہیں۔ خطا کی طرف منسوب کرنا اور غلطی کی نسبت دینا سراسر غلطی اور محض خطا ہے۔ ہم پیچھے رہنے والوں نے دین و شریعت کو علماء ہی سے حاصل کیا ہے اور مذہب و ملت کو انہی کے برکات سے اخذ کیا ہے۔ اگر ان میں طعن کی گنجائش ہو۔ تو شریعت اور ملت سے اعتماد اٹھ جاتا ہے۔ اسی واسطے علماء نے سلف کے بزرگواروں پر طعن لگانے والے کو گمراہ اور بدعتی کہا ہے اور اس کے طعن کو دین میں گمراہی اور شک کے اسباب سے جان کر اس کے باطل ہونے کا حکم کیا ہے۔ آپ نے یہ بھی لکھا تھا۔ کہ علماء نے مغز سے پوست پر قناعت کی ہے۔ بیشک آپ نے صورتوں کو مغز خیال کیا ہے اور تنزیہ کو پوست۔ کیونکہ علماء کی دعوت اور گرفتاری تنزیہ کے ساتھ ہے اور تجلی صوری والوں کا مطلوب اور مشہود صورتیں اور شکلیں ہیں۔ پھر انصاف کرنا چاہئے۔ کہ مغز کا گرفتار کون ہے اور پوست کا مبتلا کون۔ اِنَّا وَاَيَّاكُمْ لَعَلٰی هٰذٰی اَوْ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (ہم ہدایت پر ہیں یا تم اور ہم گمراہ ہیں یا تم) رَبَّنَا اِنَّا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً وَهِيَءَ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا (یا اللہ تو اپنے پاس سے ہم پر رحمت نازل فرما اور ہمارے کام سے بھلائی ہمارے نصیب کر) وَالسَّلَامُ اَوَّلًا وَاٰخِرًا

مکتوب ۳۳

شیخ شرف الدین مزیری قدس سرہ کے اس کلام کی تحقیق میں جو انہوں نے کہی ہے۔ کہ جب تک کافر نہ ہو اور بھائی کا سر نہ کاٹے اور اپنی ماں کے ساتھ جفت نہ ہو تب تک مسلمان نہیں ہوتا۔ ملائش الدین کی طرف صادر فرمایا ہے:-
ملائش الدین! آپ استقامت سے رہیں۔ آپ نے پوچھا تھا۔ کہ شیخ المشائخ شیخ شرف الدین یحییٰ میزنی قدس سرہ نے رسالہ ارشاد السالکین میں لکھا ہے۔ کہ سالک جب تک کافر نہ ہو۔ مسلمان نہیں ہوتا اور جب تک سالک اپنے بھائی کا سر نہ کاٹے مسلمان نہیں ہوتا اور جب تک اپنی ماں کے ساتھ جفت نہ ہو۔ تب تک مسلمان نہیں ہوتا۔ ان کلمات سے کیا مراد ہے؟
واضح ہو کہ کفر سے مراد کفر طریقت ہے۔ جو مرتبہ جمع سے مراد ہے۔ کہ استتار یعنی پوشیدگی کا مقام ہے۔ اس مقام میں سالک اسلام کی خوبی اور کفر کی برائی میں تمیز نہیں کر سکتا۔ جس طرح اسلام کو پسندیدہ جانتا ہے۔ کفر کو بھی ویسا ہی اچھا جانتا ہے اور دونوں کو اسم ہادی اور اسم مضل کے مظہر جان کر دونوں سے حظ حاصل کرتا اور لذت پاتا ہے۔ یہ وہی کفر ہے جس کی خبر منصور نے دی ہے اور اسی میں رہا ہے اور اسی پر مرا ہے۔ اس نے کہا ہے۔ بیت

كَفَرْتُ بِدِينِ اللَّهِ وَالْكَفْرُ وَاجِبٌ لِّدَيَّ وَعِنْدَ الْمُسْلِمِينَ قَبِيحٌ

ترجمہ بیت ہوا کافر میں دین حق سے مجھ کو کفر واجب ہے

اگرچہ سب مسلمانوں کے ہاں وہ کفر بدتر ہے

قَوْلَ اَنَا الْحَقُّ اور قَوْلَ مُنْجَانِي اور قَوْلَ لَيْسَ فِيَّ جُنَيْتِي سِوَى اللّٰهِ وغیرہ شیطانیات سب اسی مرتبہ جمع کے درخت کے پھل ہیں۔ اس قسم کی باتوں کا باعث محبوب حقیقی کی محبت کا غلبہ ہے۔ یعنی سالک کی نظر سے محبوب کے سوا سب کچھ پوشیدہ ہو جاتا ہے اور محبوب کے سوا اس کو کچھ مشہود نہیں ہوتا۔ اس مقام کو مقام جہل اور مقام حیرت بھی کہتے ہیں۔ لیکن یہ وہ جہل ہے جو محمود ہے اور یہ وہ حیرت ہے۔ جو مدوح ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کی عنایت سے اس مرتبہ جمع سے بلند تر سیر واقع ہو جائے اور علم اس جہل کے ساتھ جمع ہو جائے اور اس حیرت کے ساتھ معرفت مل جائے اور فرق و تمیز حاصل ہو جائے اور سکر سے صحو میں آجائے۔ تو اس وقت اسلام حقیقی کی دولت ظاہر ہوتی ہے اور ایمان کی حقیقت میسر ہوتی ہے۔ یہ اسلام و ایمان زوال سے محفوظ ہے اور کفر کے عارض ہونے سے بچا ہوا ہے۔ ماثورہ دعاؤں میں جو آیا ہے۔ کہ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ اِیْمَانًا لَّیْسَ بَعْدَهُ کُفْرٌ (یا اللہ میں وہ ایمان مانگتا ہوں جس کے بعد کفر نہیں) یہ وہی ایمان ہے۔ جو زوال سے محفوظ ہے۔ آیت کریمہ اَلَا اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ (اللہ تعالیٰ کے دوستوں کو نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ کوئی غم کریں گے) اسی ایمان والوں کے حال کا نشان ہے کیونکہ ولایت اس ایمان کے بغیر متصور نہیں۔ اگرچہ مرتبہ جمع میں بھی اسم ولایت کا اطلاق کر سکتے ہیں۔ لیکن نقص و قصور ہر وقت اس مرتبہ کا دامگیر ہے۔ کیونکہ کمال ایمان معرفت میں ہے نہ کہ کفر اور جہل میں۔ خواہ کوئی کفر و جہل ہو۔ پس جو کچھ شیخ نے کہا ہے درست ہے کہ جب تک کفر طریقت سے متحقق نہ ہوں۔ اسلام حقیقی سے مشرف نہیں ہوتے اور یہ جو شیخ نے فرمایا ہے۔ کہ جب تک اپنے بھائی کو نہ مارے تب تک مسلمان نہیں ہوتا۔ مراد بھائی سے ہمزاد شیطان ہے۔ جو انسان کا ساتھی ہے اور ہر وقت اس کو شر و فساد کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ کوئی بنی آدم نہیں جس کا ساتھی ایک جن نہ ہو۔ یاروں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ آپ کا ساتھی بھی جن ہے۔ فرمایا ہاں لیکن خدا تعالیٰ نے مجھے اس پر طاقت دی ہے۔ کہ میں اس کے شر سے سالم اور بچا ہوا ہوں۔ یہ معنی اس صورت میں ہے۔ کہ لفظ فاسلم جو حدیث میں واقع ہے۔ اس کو صیغہ متکلم سے روایت کیا جائے اور اگر صیغہ ماضی سے روایت کیا جائے تو اس کے معنی اس طرح ہوں گے۔ کہ میرا ساتھی مسلمان ہو گیا ہے۔ یہ اخیر کے معنی مشہور ہیں اور اس کے مسلمان ہونے یا مرنے سے مراد اس کی تابعداری نہ کرنا اور اس کو ذلیل و خوار رکھنا ہے۔

سوال:- آدمی باوجود عقل و فراست کے اس شیطان کا مغلوب کیوں ہو جاتا ہے اور اس کی بری راہنمائی کی طرف کیوں جلدی کرتا ہے اور حق تعالیٰ کی نامرضیات کا مرتکب کیوں ہوتا ہے؟

جواب:- شیطان سراسر فتنہ وبلا ہے۔ جو حق تعالیٰ نے بندوں کے امتحان اور آزمائش کے لئے مسلط کیا ہے اور اس کو انکی نظر سے چھپا دیا ہے اور اس کے احوال پر ان کو اطلاع نہیں دی اور اس کو ان کے احوال سے واقف کر دیا اور ان کے رگ و ریشہ میں خون کی طرح جاری کیا ہے۔ وہ بڑا ہی سعادتمند ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی حفاظت سے ایسی بلا کے مکرو فریب سے محفوظ رہے۔ باوجود اس تسلط کے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس کے مکر اور کید کو ضعیف فرمایا ہے اور سعادتمندوں کو دلیر کر دیا ہے ہاں اللہ تعالیٰ کی مدد سے شیطان باوجود اس تسلط کے لومڑی کا حکم رکھتا ہے اور اس کے فضل کی امداد کے بغیر پھاڑنے والا شیر ہے۔ بیت

تو مرا دل وہ دلیری بہ میں رو بہ خویش خواں و شیریں بہ میں

ترجمہ بیت

دے کے دل تو مجھے دلیری دیکھ اپنی رو بہ بنا کے شیریں دیکھ

دوسرا جواب یہ ہے۔ کہ شیطان انسان کی خواہشات کی راہ سے آتا ہے اور اس کو مشتبہات کی طرف راہنمائی کرتا ہے اور نفس امارہ کی مدد سے جو گھر کا دشمن ہے آدمی پر غلبہ پاتا ہے اور اس کو اپنا فرمانبردار بنالیتا ہے۔ شیطان کا مکر فی حد ذاتہ ضعیف ہے۔ لیکن خانگی دشمن کی مدد سے اپنا کام کر جاتا ہے۔ درحقیقت ہماری بلا ہمارا نفس امارہ ہی ہے جو ہمارا جانی دشمن ہے۔ اس کمینہ کے سوا کوئی بھی اپنے آپ کا دشمن نہیں۔ باہر کا دشمن اسی کی مدد سے اپنا کام کرتا ہے۔ پس اول اپنے نفس کا سر کاٹنا چاہئے اور اس کی تابعداری کو چھوڑنا چاہئے اور اس کو ذلیل و خوار کرنا چاہئے۔ اسی جہاد کے ضمن میں بھائی کا سر بھی کٹ جائے گا اور وہ بھی ذلیل و خوار ہو جائے گا۔ اس راستہ کے چلنے والے انسان کا حجاب اس کا اپنا ہی نفس ہے اور بھائی مجھ سے خارج ہے۔ جو دور سے شرارتوں کی طرف دعوت کرتا ہے اور سیدھے راستہ سے میڑھے راستہ کی طرف بلاتا ہے۔ جب نفس تابع ہو جائے تو پھر وہ بیرونی دشمن اللہ تعالیٰ کی مدد سے بآسانی دفع ہو جاتا ہے۔ اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ (میرے بندوں پر تیرا غلبہ نہیں) ان بندوں کے لئے بشارت ہے۔ جو نفس کی غلامی سے آزاد ہو کر معبود حقیقی کی عبادت میں مشغول ہیں۔ وَاللّٰهُ سُبْحٰنَ الْمَوْفِقِ (اللہ تعالیٰ توفیق دینے والا ہے) اور یہ جو کہا ہے کہ جب تک اپنی ماں کے ساتھ جفت نہ ہو۔ مسلمان نہیں ہوتا۔ ہو سکتا ہے کہ ماں سے مراد عین ثابتہ ہو۔ جو خارج میں وجود کے ظہور کا سبب ہے۔ اس طائفہ کی اصطلاح میں عین ثابتہ کو مادر سے تعبیر کرتے ہیں۔ کسی بزرگ نے فرمایا ہے۔ بیت

وَلَدْتُ اُمِّيْ اَبَا هَا اِنْ دَا مِنْ اَعْجَبَا

ترجمہ

نرالا کام یہ کیا ہی ہوا ہے مری ماں نے پدر اپنا جنا ہے
 مادر سے مراد عین ثابتہ ہے اور اس مادر کا پدر اس اسم الہی سے مراد ہے۔ جس اسم کا ظل اور عکس اور پر تو
 عین ثابتہ ہے۔ چونکہ خارج میں اس اسم کا ظہور عین ثابتہ کے ذریعے ہوا ہے۔ اس لئے اس ظہور سے
 ولادت کی تعبیر کر کے مادر کہتے ہیں اور عین ثابتہ مراد رکھتے ہیں۔ اس عین ثابتہ کو تعین وجوبی بھی کہتے
 ہیں۔ کیونکہ اس طائفہ کے نزدیک تعینات پانچ ہیں۔ جن کو تنزلات خمسہ اور حضرات خمس بھی کہتے
 ہیں۔ ان میں سے دو تعین مرتبہ وجوب میں ثابت کرتے ہیں اور تین تعین مرتبہ امکان میں کہتے ہیں۔ وہ
 دو تعین جو مرتبہ وجوب میں ہیں۔ ایک تعین وحدت ہے۔ دوسرے تعین واحدیت۔ جو دونوں مرتبہ علم
 میں ہیں۔ ان میں فرق صرف علمی اجمال و تفصیل کا ہے اور تین تعین جو مرتبہ امکان میں ثابت کرتے
 ہیں۔ وہ تعین روحی اور تعین مثالی اور تعین جسدی ہے۔ چونکہ عین ثابتہ مرتبہ واحدیت میں ہے۔ اس
 لئے اس کا تعین وجوبی ہو گا اور جب اس شخص ممکن کی حقیقت بھی عین ثابتہ ہے جو تعین وجوبی رکھتا ہے اور
 یہ شخص اس عین کے ظل کی طرح ہے۔ پس اس شخص کی ماں عالم وجوب سے ہو گی۔ جس نے اس کو عالم
 امکان میں ظاہر کیا ہے اور ماں کے ساتھ جفت ہونے کے یہ معنی ہیں۔ کہ اس شخص کا یہ تعین امکانی اس
 تعین وجوبی کے ساتھ جو اس کی حقیقت ہے۔ متحد ہو جاتا ہے۔

بیت

چو ممکن گرد امکاں بر فشانند بجز واجب درو چیزے نماند
 ترجمہ بیت دور جب ممکن سے ہو جاتی ہے گرد امکاں کی
 کچھ نہیں رہتا سوا واجب کے اس میں اے انہی

یعنی اس کا تعین امکانی نظر سے پوشیدہ ہو جاتا ہے اور اپنی انا کو تعین وجوبی پر اطلاق دیتا ہے۔ نہ اس
 طرح پر کہ تعین امکانی واقعی تعین وجوبی کے ساتھ متحد ہو جاتا ہے۔ کیونکہ یہ محال ہے اور اس سے الحاد و
 زندقہ لازم آتا ہے۔ اس لئے کہ اس جگہ کا معاملہ شہود پر ہے۔ اگر تعین کا زوال ہے۔ تو شہود سے تعلق
 رکھتا ہے اور اگر اتحاد ہے تو وہ بھی شہود سے متعلق ہے۔ بیت

نہ آں ایں گرد دے ایں شود آں ہمہ اشکال گرد بر تو آساں

ترجمہ

نہ وہ یہ اور نہ یہ وہ مری جان تمامی مشکلیں ہوں تجھ پر آسان
 جب اس شخص نے اپنے اس تعین کو اس تعین کے ساتھ متحد پایا۔ تو اس بات کا امیدوار ہو گیا۔ کہ
 امکان کی آلودگیوں سے صاف ہو جائے گا اور مرتبہ وجوب کے اسلام اور انقیاد کی دولت سے مشرف ہو

جائے گا۔ جاننا چاہئے کہ تنزلات خمسہ جو صوفیاء نے بیان کئے ہیں۔ وجود میں صرف اعتبارات ہی ہیں اور اور کشف شہود سے تعلق رکھتے ہیں۔ نہ یہ کہ درحقیقت تنزل اور تغیر و تبدل ہے۔ فُسُبْحَانَ اللَّهِ مَنْ لَا يَتَغَيَّرُ بِذَاتِهِ وَلَا بِصِفَاتِهِ وَلَا فِي أَسْمَائِهِ بِحُدُوثِ الْأَكْوَانِ (پاک ہے وہ اللہ تعالیٰ جو کون و مکان کے حدوث سے اپنی ذات و صفات و اسماء میں متغیر نہیں ہوتا) صوفیاء اپنی دید کے اندازہ کے موافق سر اور غلبہ حال کے وقت اس قسم کی بہت سی باتیں زبان سے نکالتے ہیں۔ ان کو ظاہر پر محمول نہ جاننا چاہئے۔ بلکہ ان کی توجیہ میں مشغول ہونا چاہئے۔ کیونکہ مستوں کی کلام ظاہر سے پھیر کر توجیہ سے معلوم کی جاتی ہے۔ وَاللَّهُ سُبْحَانَهُ أَعْلَمُ بِحَقَائِقِ الْأُمُورِ كُلِّهَا (تمام امور کی حقیقتوں کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے) چونکہ آپ نے یہ بیقرار کرنے والی باتیں ایک بزرگ سے نقل کی تھیں۔ اس لئے ان کے حل میں کچھ لکھا گیا۔ ورنہ یہ فقیر اس قسم کی مخالف باتوں کی طرف توجہ نہیں کرتا اور ان کے رد و بدل میں زبان نہیں کھولتا۔ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِي أَمْرِنَا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ (یا اللہ تو ہمارے گناہوں اور کاموں میں زیادتی بخش اور ہمارے قدموں کو ثابت رکھ اور کافروں پر ہمیں مدد دے) اَلْحَمْدُ لِلَّهِ أَوَّلًا وَآخِرًا وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِهِ دَائِمًا وَسَرْمَدًا وَعَلَى آلِهِ الْكَرَامِ وَصَحْبِهِ الْعِظَامِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامِ (اول و آخر اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے رسول اور ان کی آل بزرگ اور اصحاب کبار پر قیامت تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے صلوة و سلام ہو)

مکتوب ۳۴

- نصیحت اور ذکر الہی کی ترغیب اور دنیا کی محبت سے بچنے کے بارہ میں میر محمد امین کی والدہ کی طرف لکھا ہے وہ نصیحتیں جو ضروری ہیں یہ ہیں:-
- (۱) اپنے عقائد کو فرقہ ناجیہ یعنی علماء اہل سنت و جماعت کے عقائد کے موافق درست کریں۔
 - (۲) عقائد کے درست کرنے کے بعد احکام فقہیہ کے مطابق عمل بجالائیں۔ کیونکہ جس چیز کا امر ہو چکا ہے۔ اس کا بجالانا ضروری ہے اور جس چیز سے منع کیا گیا ہے۔ اس سے ہٹ جانا لازم ہے۔
 - (۳) پنج وقتہ نماز کو سستی اور کابلی کے بغیر شرائط اور تعدیل ارکان کے ساتھ ادا کریں۔
 - (۴) نصاب کے حاصل ہونے پر زکوٰۃ کو ادا کریں۔ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عورتوں کے زیور میں بھی زکوٰۃ کا ادا کرنا فرمایا ہے۔
 - (۵) اپنے اوقات کو کھیل کود میں صرف نہ کریں اور قیمتی عمر کو بیہودہ امور میں ضائع نہ کریں پھر امور منہیہ اور مخطورات شرعیہ کے بارے میں کیا تاکید کی جائے۔
 - (۶) سرود و نغمہ یعنی گانے بجانے کی خواہش نہ کریں اور اس کی لذت پر فریفتہ نہ ہوں یہ ایک

- قسم کا زہر ہے جو شہد میں ملا ہوا ہے اور سم قاتل ہے۔ جو شکر سے آلودہ ہے۔
- (۷) لوگوں کی غیبت اور نکتہ چینی سے اپنے آپ کو بچائیں۔ شریعت میں ان دونوں بری خصلتوں کے بارے میں بڑی وعید آئی ہے۔
- (۸) جہاں تک ہو سکے جھوٹ بولنے اور بہتان لگانے سے پرہیز کریں۔ کیونکہ یہ دونوں بری عادتیں تمام مذہبوں میں حرام ہیں اور ان کے کرنے والے پر بڑی وعید آئی ہے۔
- (۹) خلقت کے عیبوں اور گناہوں کا ڈھانپنا اور ان کے قصوروں سے درگزر اور معاف کرنا بڑے عالی حوصلہ والے لوگوں کا کام ہے۔
- (۱۰) غلاموں اور ماتحتوں پر مشفق و مہربان رہنا چاہئے اور ان کے قصوروں پر مواخذہ نہ کرنا چاہئے اور موقع اور بے موقع ان نامرادوں کو مارنا، پیٹنا، گالی دینا اور ایذا پہنچانا نامناسب ہے۔
- (۱۱) اپنی تقصیروں کو نظر کے سامنے رکھنا چاہئے۔ جو ہر ساعت حق تعالیٰ کی پاک بارگاہ کی نسبت وقوع میں آرہی ہیں اور حق تعالیٰ ان کے مواخذہ میں جلدی نہیں کرتا اور روزی کو نہیں روکتا۔
- (۱۲) عقائد کے درست کرنے اور احکام فقہیہ کے بجالانے کے بعد اپنے اوقات کو ذکر الہی میں بسر کریں اور جس طرح ذکر طریق سیکھا ہوا ہے۔ اسی طرح عمل میں لائیں اور جو کچھ اس کے منافی ہو اس کو اپنا دشمن جان کر اس سے اجتناب کریں۔

بیت

ہر چہ جزا کر خدائے احسن است گر شکر خور دن بود جانکندن است
ترجمہ بیت عشق حق کے ماسوا جو کچھ کہ ہے ہر چند احسن ہے
شکر کھانا بھی گر ہو گا عذاب جان کندن ہے
آپ کو روبرو بھی کئی دفعہ یہی کہا گیا ہے کہ امور شرعیہ میں جس قدر احتیاط کی جائے اسی قدر مشغولی اور مراقبہ میں زیادتی ہوتی ہے اور اگر احکام شرعیہ میں سستی کی جائے تو مشغولی اور مراقبہ کی لذت و حلاوت برباد ہو جاتی ہے۔ اس سے زیادہ کیا لکھا جائے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ اَعْلَمُ۔

مکتوب ۳۵

ماتم پر سی اور نصیحت اور جوانی کو غنیمت سمجھنے کے بارہ میں مرزا منوچہر کی طرف

صادر فرمایا ہے:-

حق تعالیٰ بر خوردار سعادت اطوار کو خوش وقت اور جمعیت کے ساتھ رکھے اور اس کے گزشتہ غم و اندوہ کی اچھی طرح تلانی فرمائے۔ اے فرزند! جوانی کے زمانہ کا آغاز جس طرح ہوا وہوس کا وقت ہے۔

اسی طرح علم و عمل کے حاصل کرنے کا بھی یہی وقت ہے۔ وہ عمل جو اس وقت میں نفس کی غنمی اور شہوانی رکاوٹوں کے غالب ہونے کے باوجود شریعت غرا کے موافق کیا جائے اس عمل سے جو جوانی کے سوا اور وقت میں ادا کیا جائے۔ کئی گنا زیادتی اور اعتبار اور اعتماد رکھتا ہے کیونکہ مانع کا ہونا جو رنج و محنت کا باعث ہے۔ عمل کی شان کو آسان تک بلند کر دیتا ہے اور مانع کا نہ ہونا جس میں کسی قسم کی کوشش و تکلیف نہیں۔ عمل کے معاملہ کو زمین پر ڈال دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خواص انسان خواص فرشتوں سے افضل ہیں کیونکہ انسان کی طاعت باوجود موانع کے ہے اور فرشتہ کی طاعت موانع کے بغیر ہے۔ سپاہیوں کا زیادہ اعتماد اور اعتبار دشمنوں کے غلبہ کے وقت ہے۔ جو دولت کے مانع ہیں۔ ایسے وقت میں سپاہیوں کا تھوڑا سا تردد بھی اور وقتوں کے بہت سے تردد کی نسبت کئی گنا زیادہ اعتبار اور زیادتی رکھتا ہے اور معلوم ہے کہ ہو او ہوس اللہ تعالیٰ کے دشمنوں یعنی نفس و شیطان کے نزدیک پسندیدہ ہے اور شریعت روشن کے موافق علم و عمل کا بجالانا حق تعالیٰ کو پسند ہے۔ پھر عقل و دانش سے دور ہے کہ اپنے مولیٰ کے دشمنوں کو راضی رکھیں اور نعمتیں بخشنے والے مولیٰ کو ناراض کریں۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْمُؤَفَّقُ (اللہ تعالیٰ توفیق دینے والا ہے)

مکتوب ۳۶

عذاب قبر کے منکروں کے شبہات دور کرنے میں میر محمد نعمان کی طرف صادر

فرمایا ہے:

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) بعض لوگ عذاب قبر میں جو مشہور صحیح حدیثوں بلکہ آیات قرآنی کے ساتھ بھی ثابت ہو چکا ہے۔ تردد اور شک رکھتے ہیں بلکہ قریب ہے کہ اس کے محال ہونے اور اس کے انکار پر یقین کریں۔ ان کے اس اشتباہ کا مقتدا ایک طرح پر غیر مدفون مردوں کے احوال کا محسوس کرنا ہے اور دوسرے استقامت اور استقامت کے طور پر جو تعذیب و ایلام کے منافی ہے اور تذبذب و اضطراب اس کے لوازم سے ہے۔

جواب: اس اشکال کا حل یہ ہے کہ عالم برزخ یعنی مقام قبر کی زندگی دنیاوی زندگی کی قسم سے نہیں ہے جس کے لئے حرکت ارادی اور احساس دونوں لازم ہیں کیونکہ اس جہان کا انتظام انہی دو امور پر موقوف ہے عالم برزخ کی زندگی میں حرکت کی ضرورت نہیں۔ بلکہ یہ حرکت عالم برزخ کے منافی ہے وہاں صرف احساس ہی کافی ہے تاکہ رنج و عذاب کو پالے گویا عالم برزخ کی زندگی دنیاوی زندگی کا نصف حصہ ہے اور وہاں جو روح کا بدن کے ساتھ تعلق ہے روح و بدن کے اس تعلق سے نصف ہے جو دنیاوی

زندگی میں ہوتا ہے جس کے سبب غیر مدفون مردے عالم برزخ کی زندگی میں درد و عذاب محسوس کرتے ہیں اور برزخ کی زندگی میں کوئی حرکت و اضطراب ان سے ظاہر نہیں ہوتی۔ جو کچھ مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے۔ سب سچ ہے۔ یا اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ ہم اس اشکال اور اس جیسے اور اشکال کو اس طرح حل کرتے ہیں کہ طور نبوت عقل و فکر کے طور سے برتر ہے اور وہ امور جن کے اور اک میں عقل قاصر ہے۔ ان کو طہ نبوت سے ثابت کیا جاتا ہے۔ اگر صرف عقل ہی کافی ہوتی۔ تو پیغمبر کیوں مبعوث ہوتے اور آخرت کے عذاب و ان نجات کے پتے نہ مل جاتے۔ قنف کرتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا (ہم جب تک رسول نہ بھیج لیں گے۔ نہیں دیتے) عقل بیشک حجت ہے۔ لیکن حجت بالغہ اور کاملہ نہیں۔ حجت کاملہ و بالغہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے ثابت ہوئی ہے۔ جس نے مکلف کے عذر کی زبان بند کر دی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ رُسُلًا مُّبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ط (ہم نے رسولوں کو خوش خبری دینے والے اور ڈرانے والے بھیجا ہے۔ تاکہ ان کے بعد لوگ اللہ تعالیٰ پر وہی حجت نہ لائیں اور اللہ تعالیٰ غالب ہے حکمت والا ہے) جب عقل کا اور اک بعض امور میں قاصر ثابت ہو چکا۔ تو پھر تمام احکام شرعیہ کو عقل کی میزان پر وزن کرنا اچھا نہیں۔ تمام احکام شرعیہ کو عقلی میزان کے مطابق کرنا درحقیقت عقل کو مستقل ماننا اور طور نبوت کا انکار کرنا ہے۔ اَعَاذَنَا اللَّهُ سُبْحَانَهُ عَنْ ذَٰلِكَ (اللہ تعالیٰ اس سے ہم کو بچائے) اول رسول پر ایمان لانے کا فکر کرنا چاہئے اور اس کی رسالت کی تصدیق کرنی چاہئے۔ تاکہ تمام احکام میں اس کو صادق جانیں اور اس کے وسیلہ سے تمام شکوک و شبہات کے اندھیروں سے خلاصی میسر ہو۔ اصل کے متعلق سوچنا چاہئے۔ تاکہ فروغ بے تکلف معقول و معلوم ہو جائیں۔ اصل کے ثبوت کے بغیر فرع کا معلوم کرنا بہت مشکل ہے۔ اس تصدیق اور دل کے اطمینان کے حاصل ہونے کے لئے سب سے آسان طریقہ ذکر الہی جلشانہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ ط الَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰی لَہُمْ وَحَسَنَ مَّآبٍ (خبردار! اللہ تعالیٰ کے ذکر سے دل مطمئن ہوتے ہیں۔ وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے۔ ان کے لئے خوشخبری اور اچھی جگہ ہے) نظرو استدلال کے ذریعے اس اعلیٰ مطلب تک پہنچنا بہت دور ہے۔

بیت

پائے استدلالیاں چوبیں بود پائے چوبیں سخت بے تمکین بود

ترجمہ بیت

چوب کے پاؤں ہیں استدلال کے پائے چوبیں سے نہ کوئی چل سکے

جاننا چاہئے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کا مقلدان کی نبوت کے اثبات اور ان کی رسالت کی تصدیق کے بعد صاحب استدلال ہے اور ان بزرگواروں کے احکام کی تقلید اس وقت اس کے حق میں عین استدلال ہے۔ مثلاً ایک شخص نے اصل کو استدلال سے ثابت کیا۔ اس وقت وہ فروع جو اس اصل سے پیدا ہوتے ہیں۔ سب اسی استدلال کی طرف منسوب ہوں گے اور وہ شخص اصل کے استدلال سے تمام فروع کے اثبات میں صاحب استدلال ہوگا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ هَدَانَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیْ لَوْلَا اَنْ هَدَانَا اللّٰهُ لَقَدْ جَاءَتْ رُسُلٌ رَبِّنَا بِالْحَقِّ (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے۔ جس نے ہم کو ہدایت دی اور اگر وہ ہدایت نہ دیتا۔ تو ہم کبھی ہدایت نہ پاتے۔ بیشک ہمارے رب کے رسول سچے ہیں) وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اتَّبَعَ الْهُدٰی (سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی)

مکتوب ۳۷

اس بیان میں کہ جمیل مطلق کی طرف سے جو کچھ آئے وہ بھی جمیل ہی ہے۔ مولانا

محمد طاہر بدخشی کی طرف صادر فرمایا ہے:-

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ دَائِمًا وَعَلٰی كُلِّ حَالٍ (ہر حال میں اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جو سب کا پالنے والا ہے) پراگندہ چیزوں سے پریشاں اور دل تنگ نہ ہونا چاہئے کیونکہ جمیل مطلق یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ بھی آئے۔ زیبا اور اچھا ہے۔ اس کی بلا اگرچہ جلال کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ لیکن درحقیقت جمال ہوتا ہے۔ یہ بات صرف کہنے پر ہی محمول نہیں اور صرف منہ سے بولنے پر ہی منحصر نہیں۔ بلکہ حقیقت رکھتی ہے اور سراسر مغز ہے۔ کہنے اور لکھنے میں نہیں آسکتی۔ اگر دنیا میں ملاقات میسر ہو جائے تو بہتر۔ ورنہ آخرت کا معاملہ نزدیک ہے۔ الْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (آدمی اسی کے ساتھ ہے جس سے اس کو محبت ہے) کی بشارت ہجر کے ماروں کو تسلی بخشنے والی ہے۔ صحیفہ شریفہ جو آپ نے درویش محمد علی کشمیری کے ہمراہ ارسال کیا تھا پہنچا اور جو کچھ اس میں لکھا تھا اس پر اطلاع پائی۔ اس کے جواب میں وقت کے موافق جو کچھ ہو سکا لکھا گیا ہے۔ تمام فرزند و دوست جمعیت کے ساتھ رہیں اور اپنے مکان میں ثابت اور حق تعالیٰ کی قضا پر راضی رہیں۔

مکتوب ۳۸

ایک سوال کے جواب میں جو حدیث سَتَفْتَرُ الْخ کے معنی کے بارہ میں کیا گیا

تھا اور باب فقر کے درجہ کے بیان میں ملا ابراہیم کی طرف صادر فرمایا ہے:-

جاننا چاہئے کہ آنحضرت کے قول کُلُّهُمْ فِی النَّارِ اِلَّا وَاحِدَةً سے جو اس حدیث میں آیا ہے۔ جو اس امت کے بہتر (۷۲) فرقتے ہو جانے میں وارد ہوئی ہے۔ مراد یہ ہے کہ وہ دوزخ میں داخل ہوں گے

اور عذاب پائیں گے۔ یہ مراد نہیں ہے۔ کہ دوزخ میں ہمیشہ تک رہیں گے اور ہمیشہ کیلئے عذاب اٹھائیں گے۔ کیونکہ یہ ایمان کے منافی ہے اور کفار کے ساتھ مخصوص ہے۔ حاصل کلام یہ کہ چونکہ دوزخ میں ان کے داخل ہونے کا باعث ان کے برے معتقدات ہیں۔ اس لئے سب کے سب دوزخ میں داخل ہوں گے اور اپنے جہنم اعتقاد کے اندازہ پر عذاب پائیں گے۔ برخلاف اس ایک گروہ کے جن کے عقائد عذاب دوزخ سے نجات بخشنے والے ہیں اور ان کی فلاح و خلاصی کا سبب ہیں۔ اس قدر ہے کہ اگر اس گروہ میں سے بعض نے برے اعمال کئے ہوں اور وہ اعمال تو بہ اور شفاعت سے معاف نہ ہوئے ہوں تو جائز ہے کہ گناہ کے اندازہ کے موافق دوزخ کے عذاب میں داخل ہوں اور دوزخ میں ان کا داخل ہونا ان کے حق میں بھی ثابت ہو۔ پس دوسرے گروہوں کے تمام افراد کے حق میں دوزخ کا عذاب ثابت ہے۔ اگرچہ دائمی نہیں اور اس فرقہ ناجیہ کے بعض افراد کے ساتھ مخصوص ہے۔ جنہوں نے برے اعمال کئے ہیں۔ کلمہ کُلُّهُمْ میں اسی بیان کی رمز ہے۔ جیسے کہ پوشیدہ نہیں ہے۔ چونکہ یہ بدعتی فرقے سب اہل قبلہ ہیں۔ اس لئے ان کی تکفیر میں جرأت نہ کرنی چاہئے۔ جب تک کہ دینی ضروریات کا انکار اور احکام شرعیہ کے متواترات کو رد نہ کریں اور ان احکام کے جو دین سے ضروری طور پر ثابت ہو چکے ہیں۔ منکر نہ ہوں علماء نے فرمایا ہے۔ کہ اگر نانوے وجہ کفر کی ہوں او ایک وجہ اسلام کی پائی جائے۔ تو اس ایک وجہ اسلام کی تصحیح کرنی چاہئے اور کفر کا حکم نہ کرنا چاہئے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ اَعْلَمُ وَكَلِمَتُهُ اَحْكَمُ (اللہ تعالیٰ زیادہ جانتا ہے اور اس کی کلام مضبوط ہے) نیز جانا چاہئے کہ اس نصف یوم سے کہ اس امت کے فقراء دو لہندوں سے اتنی مدت پہلے بہشت میں جائیں گے۔ مراد دنیا کا پانچ سو سال ہے۔ کیونکہ ایک دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہزار سال کے برابر ہے۔ وَاِنْ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفٍ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ (ایک دن تیرے رب کے نزدیک ہزار سال کے برابر ہے جس کو تم گنتے ہو) اس مطلب پر گواہ ہے۔ اس مدت کا مقرر کرنا اللہ تعالیٰ کے علم کے سپرد ہے بغیر اس امر کے کہ روز و شب اور سال و ماہ متعارف و ثابت ہوں اور فقیر سے مراد فقیر صابر ہے جو احکام شرعیہ کو ہمیشہ بجالاتا ہے اور شرعی ممنوعات سے اجتناب کرتا ہے۔ فقر کے بہت سے درجے ایک دوسرے کے اوپر ہیں۔ ان مراتب میں اعلیٰ مرتبہ وہ ہے۔ جو مقام فنا میں متصور ہوتا ہے۔ جہاں حق تعالیٰ کے سوا سب کچھ ناچیز اور فراموش ہو جاتا ہے اور جو شخص فقر کے تمام مراتب کا جامع ہے۔ اس شخص سے افضل ہے۔ جو بعض مراتب کا جامع ہو اور بعض کا نہ ہو۔ پس جو شخص باوجود فنا کے فقر ظاہری بھی رکھتا ہے وہ اس شخص سے افضل ہے۔ جو فنا کے ساتھ فقر ظاہری نہیں رکھتا۔ فافہم

مکتوب ۳۹

اس بیان میں کہ صوفیاء کے علم الیقین اور معقول والوں کے علم الیقین میں کیا فرق ہے مولانا محمد صادق کشمیری کی طرف صادر فرمایا ہے:-

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) صوفیاء کے نزدیک علم الیقین سے مراد وہ یقین ہے۔ جو اثر سے مؤثر کی طرف استدلال کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ چونکہ یہ معنی اہل نظر و استدلال یعنی فلسفہ والوں کو بھی حاصل ہیں۔ اس لئے صوفیاء کے علم الیقین اور معقول والوں کے علم الیقین کے درمیان کیا فرق ہے اور صوفیاء کا علم الیقین کشف و شہود میں کیوں داخل ہے اور علماء کا علم الیقین نظر و فکر کی تنگی سے کیوں نہیں نکل سکتا۔ واضح ہو کہ دونوں گروہوں کے علم الیقین میں اثر کا شہود لازم ہے۔ تاکہ اس سے مؤثر کا پتہ چل سکے۔ جو کہ غیر مشہود ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ وہ ارتباط جو اثر و مؤثر کے درمیان حاصل ہے اور اثر کے وجود سے مؤثر کے وجود کی طرف منتقل ہونے کا سبب ہے۔ صوفیاء کے علم الیقین میں وہ ارتباط بھی مکشوف اور مشہود ہے اور اہل استدلال کے علم الیقین میں وہ ارتباط نظری ہے۔ جو فکر و دلیل کا محتاج ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وجود اثر سے وجود مؤثر کی طرف انتقال کرنا پہلے گروہ یعنی صوفیاء کے لئے حدی بلکہ بدیہی ہے اور دوسرے گروہ یعنی استدلال والوں اور علماء کے لئے یہ انتقال نظری اور فکری ہے۔ پس ثابت ہوا کہ گروہ اول کا یقین کشف و شہود میں داخل ہے اور دوسرے گروہ کا یقین استدلال کی تنگی سے نہیں نکل سکتا۔ صوفیاء کے علم الیقین پر استدلال کا اطلاق کرنا ظاہر و صورت پر مبنی ہے۔ جو اثر سے مؤثر کی طرف انتقال کرنے پر مشتمل ہے۔ جو درحقیقت کشف و مشہود ہے۔ برخلاف علماء کے علم الیقین کے جو حقیقت میں استدلال ہی ہے۔ چونکہ یہ فرق باریک اکثر لوگوں پر پوشیدہ رہا ہے۔ اس لئے مرتبہ حیرت میں رہے ہیں اور ان میں سے بعض نے اپنی نارسائی اور کم فہمی کے باعث ان بزرگواروں پر جنہوں نے صوفیاء کے علم الیقین کی تفسیر اثر سے مؤثر کی طرف استدلال کرنے سے کی ہے۔ زبان اعتراض دراز کی ہے کُلُّ ذَلِكَ لِعَدَمِ الْإِطْلَاعِ عَلَى حَقِيقَةِ الْأَمْرِ (اس کی وجہ یہی ہے کہ اصل معاملہ پر ان کو اطلاع نہیں ہے) وَاللّٰهُ يُحَقِّقُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيلَ (اللہ تعالیٰ حق ثابت کرتا ہے اور سیدھے راستہ کی ہدایت دیتا ہے) وَالسَّلَامُ عَلَى مَنْ اتَّبَعَ الْهُدٰی (سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی)

مکتوب ۴۰

خواجہ حسام الدین کی طرف اس کے خط کے جواب میں جس میں اس نے مع توابع

کے سفر حج کے لئے مشورہ طلب کیا تھا:-

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) اس طرف کے فقراء کے احوال و اوضاع حمد کے لائق ہیں اور آپ کی سلامتی اور عافیت اللہ تعالیٰ سے مطلوب ہے۔ آپ کا صحیفہ شریفہ جو از روئے شفقت و مہربانی کے اس فقیر کے نام لکھا تھا۔ اس کے مطالعہ سے مشرف ہوا۔ آپ نے اس امر کا اشتیاق ظاہر فرمایا تھا۔ کہ حرمین شریفین میں سے کسی ایک میں مع مصلحتوں کے وطن اختیار کر لیں اور وہیں دفن ہوں۔ میرے مخدوم مکرم متعلقین کا جانا نظر نہیں آتا۔ بلکہ نزدیک ہے۔ کہ منع مفہوم ہو۔ اگر آپ تنہا چلے جائیں۔ تو پسندیدہ نظر آتا ہے اور امید ہے کہ سلامت پہنچ جائیں گے۔ وَالْأَمْرُ إِلَى اللَّهِ سُبحَانَهُ (آگے جو اللہ تعالیٰ کو منظور ہے) دوسرے جو آپ نے سیادت مآب کے بارہ میں لکھا تھا کہ طبیب ان کے ضرر کا حکم دیتے ہیں۔ اے میری شفقت کے نشان والے۔ جہاں تک غور کیا جاتا ہے کوئی ضرر نہیں آتا۔ البتہ ایک ظلمت محسوس ہوتی ہے۔ جو اس ضرر کے ماسوا ہے۔ دیکھئے اس کی وجہ کیا ہونی ہے۔ غرض طبیبوں کا ضرر مفقود ہے۔ وَاللَّهُ سُبحَانَهُ اَعْلَمُ (اللہ تعالیٰ جانتا ہے)۔ والسلام

مکتوب ۴۱

عورتوں کے لئے ان ضروری نصیحتوں کے بیان میں جو آیہ کریمہ یَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ

الْمُؤْمِنَاتُ کی تاویل میں مندرج ہیں۔ ایک صالحہ عورت کی طرف صادر فرمایا ہے:-

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ یَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ عَلَىٰ أَنْ لَا يُبَشِّرَنَّ بِأَلْفِهِنَّ وَلَا يَسْرِقَنَّ وَلَا يَزْنِينَ وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَأْتِينَ بِهْتَانٍ يُفْتَرِنَهُ بَيْنَ أَيْدِيهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيَنَّ فِي مَعْرُوفٍ قَبَايِعُهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ط (اے نبی ﷺ جب مومنہ عورتیں تیرے پاس آکر اس شرط پر بیعت کریں۔ کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ زنا کریں گی اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ کسی پر بہتان لگائیں گی اور نہ کسی شرعی امر میں تیری نافرمانی کریں گی۔ تو ان کو بیعت میں لے لو اور ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگو۔ اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے) یہ آیت کریمہ فتح مکہ کے روز نازل ہوئی ہے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مردوں کی بیعت سے فارغ ہوئے۔ تو پھر عورتوں کی بیعت شروع فرمائی۔ آنحضرت نے عورتوں کو صرف قول ہی سے بیعت کیا ہے۔ آنحضرت کا ہاتھ ہر گز بیعت کرنے والی عورتوں کے ہاتھ تک نہیں پہنچا۔ چونکہ مردوں کی نسبت عورتوں میں ردی اور بیہودہ اخلاق زیادہ پائے جاتے ہیں۔ اس لئے مردوں کی بیعت کی نسبت عورتوں کی بیعت میں زیادہ شرائط کو مد نظر رکھا گیا ہے

اور خدا تعالیٰ کے امر کو بجالانے کے لئے عورتوں کو اس وقت ان بری عادتوں سے منع فرمایا ہے۔ شرط اول یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنانا چاہئے نہ ہی وجوب وجود میں اور نہ ہی عبادت کے استحقاق میں جس شخص کے اعمال ریادہ سمعہ سے پاک نہ ہوں اور حق تعالیٰ کے سوا کسی اور سے اجر طلب کرنے کے فتنہ سے صاف نہ ہوں۔ اگرچہ وہ طلب قبول اور ذکر جمیل سے ہو۔ وہ شخص دائرہ شرک سے باہر نہیں ہے اور نہ ہی وہ موحد و مخلص ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ الشِّرْكَ فِي أُمَّتِي أَخْفَى مِنْ ذَنْبِ النَّمْلِ الَّتِي تَدْبُ فِي لَيْلَةٍ مُظْلِمَةٍ عَلَى صَخْرَةٍ سَوْدَاءَ (شرک میری امت میں اس چوٹی کی رفتار سے بھی زیادہ پوشیدہ ہے اور جو سیاہ رات میں سیاہ پتھر پر چلتی ہے)

لاف بے شرکی مزن کان از نشان پائے مور در شب تاریک بر سنگ سیاہ پنہاں تراست

ترجمہ: شرک ایک چوٹی کی بھی ہے چال سے پوشیدہ تر

جو شب تاریک میں چلتی ہے کالے سنگ پر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ شرک اصغر سے بچو۔ یاروں نے عرض کیا کہ شرک اصغر کیا ہے فرمایا کہ ریا۔ شرک و کفر کی رسموں کی تعظیم کو شرک میں بڑا دخل اور رسوخ ہے اور دو دینوں یعنی کفر اور شرک کی تصدیق اور اظہار کرنے والا اہل شرک میں سے ہے اور اسلام و کفر کے مجموعی احکام پر عمل کرنا یا لاشرک ہے۔ کفر سے بیزار ہونا اسلام کی شرط ہے اور شرک سے پاک ہونا توحید کا نشان ہے دکھ، درد اور بیماریوں کے دور کرنے کے لئے اصنام اور طاغوت یعنی بتوں اور شیطانوں سے مدد مانگنا جو جاہل مسلمانوں میں شائع ہے۔ عین شرک و گمراہی ہے اور تراشیدہ اور ناتراشیدہ پتھروں سے حاجتوں کا طلب کرنا واجب الوجود جل شانہ کا محض کفر و انکار ہے۔ اللہ تعالیٰ بعض گمراہوں کے حال کی شکایت بیان فرماتا ہے۔ يُرِيدُونَ أَنْ يَتَّخِذُوا إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوا أَنْ يَكْفُرُوا بِهِ وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُضِلَّهُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا (یہ لوگ چاہتے ہیں کہ طاغوت کی طرف اپنا فیصلہ لے جائیں حالانکہ ان کو حکم ہے کہ اس کا انکار کریں لیکن شیطان چاہتا ہے کہ ان کو سخت گمراہ کرے) اکثر عورتیں کمال جہالت کے باعث اس قسم کی ممنوع استمداد میں مبتلا ہیں اور ان بے مسمیٰ رسموں سے بلیہ و مصیبت کا دفع ہونا طلب کرتی ہیں اور شرک اور اہل شرک کی رسموں کے ادا کرنے میں گرفتار ہیں۔ خاص کر مرض جدری کے وقت جس کو ہندی زبان میں سیلا اور چچک کہتے ہیں نیک و بد عورتوں سے بہ بات مشہود و محسوس ہوتی ہے۔ شاید ہی کوئی عورت ہوگی جو اس شرک سے خالی ہے اور شرک کی کسی نہ کسی رسم میں مبتلا نہ ہو۔ إِلَّا مَنْ عَصَمَهَا اللَّهُ تَعَالَى (مگر جس کو اللہ تعالیٰ بچائے) ہندوؤں کے بڑے دنوں کی تعظیم کرنا اور ان دنوں میں ان کی مشہور رسموں کو بجالانا سر اسر کفر و شرک ہے۔ جیسے کہ کافروں کی

دوالی کے دنوں میں جاہل مسلمان خاص کر ان کی عورتیں کافروں کی رسموں کو بجالاتی اور اپنی عید مناتی ہیں اور کافروں اور مشرکوں کی طرح ہدیہ اور تحفہ اپنی بیٹیوں اور بہنوں کو بھیجتی ہیں اور اس موسم میں کافروں کی طرح اپنے برتنوں کو رنگ کر کے ان کو سرخ چاولوں سے بھر کر بھیجتی ہیں اور اس موسم کا بڑا اعتبار اور شان بناتی ہیں۔ سب شرک اور دین اسلام کا کفر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَ مَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللَّهِ إِلَّا وَ هُمْ مُشْرِكُونَ (ان میں سے اکثر ایمان نہیں لاتے بلکہ شرک کرتے ہیں) اور حیوانات کو جو مشائخ کی نذر کرتے ہیں اور ان کی قبروں پر جا کر ذبح کرتے ہیں۔ روایات فقہیہ میں اس عمل کو بھی شرک میں داخل کیا ہے اور اس بارہ میں بہت مبالغہ کیا ہے اور اس ذبح کو جن (طاغوت) کے ذبحوں کی قسم سے خیال کیا ہے۔ جو ممنوع شرعی ہے اور شرک کے دائرہ میں داخل ہے اس عمل سے بھی پرہیز کرنا چاہئے کہ اس میں بھی شرک کی بوپائی جاتی ہے۔ نذر اور منت کے وجوہ اور بہت ہیں۔ کیا حاجت ہے کہ حیوان کے ذبح کرنے کی منت و نذر مانیں اور اس کو ذبح کر کے جن کے ذبحوں سے ملائیں اور جن کے پجاریوں کے ساتھ مشابہت پیدا کریں اسی طرح وہ روزے جو عورتیں پیروں اور بیبیوں کی نیت پر رکھتی ہیں اور اکثر ان کے ناموں کو اپنے پاس سے گھڑ کر ان کے نام پر اپنے روزوں کی نیت کرتی ہیں اور ہر روزہ کے افطار کے لئے کھانے کا خاص اہتمام کرتی ہیں اور خاص طور پر افطار کرتی ہیں اور روزوں کے لئے دنوں کا تعین بھی کرتی ہیں اور اپنے مطلوبوں اور مقصودوں کو ان روزوں پر موقوف کرتی ہیں اور ان روزوں کے ذریعے ان پیروں اور بیبیوں سے حاجتیں طلب کرتی ہیں اور ان روزوں کے ذریعے ان کو اپنا حاجت روا اور مشکل کشا جانتی ہیں۔ یہ سب عبادت میں شہرک ہے اور غیر کی عبادت کے ذریعے اس غیر سے اپنی حاجتوں کا طلب کرنا ہے۔ اس فعل کی برائی کو اچھی طرح معلوم کرنا چاہئے حالانکہ حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے الصَّوْمُ لِيْ وَ اَنَا اَجْزِئُ بِهٖ یعنی روزہ خاص میرے ہی لئے ہے اور روزہ کی عبادت میں میرے سوا اور کوئی شریک نہیں۔ اگرچہ کسی عبادت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک بنانا جائز نہیں۔ لیکن روزہ کی تخصیص اس عبادت کے بلند شان ہونے کے باعث ہے۔ جس میں تاکید کے ساتھ شریک کی نفی کی گئی ہے اور یہ جو بعض عورتیں اس فعل کی برائی ظاہر کرنے کے وقت کہتی ہیں کہ ہم ان روزوں کو خدا تعالیٰ کے لئے رکھتی ہیں اور ان کا ثواب پیروں کو بخشی ہیں یہ ان کا حیلہ اور بہانہ ہے۔ اگر یہ اس امر میں سچی ہیں تو روزوں کے لئے دنوں کو معین کیوں کرتی ہیں اور افطار کے وقت طعام کی تخصیص اور طرح طرح کی بری وضعوں کا تعین کیوں کرتی ہیں۔ اکثر اوقات افطار کے وقت محربات کی مر تکب ہوتی ہیں اور حرام چیز سے افطار کرتی ہیں اور بے حاجت سوال و گدائی کر کے اس سے روزہ کھولتی ہیں اور اس فعل محرم کے کرنے پر اپنی حاجتوں کا پورا کرنا جانتی ہیں۔ یہ سب گمراہی اور شیطان لعین کا مکرو

فریب ہے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْعَاصِمُ (اللہ تعالیٰ بچائے والا ہے)

شرط دوم جو عورتوں کی بیعت کے وقت درمیان لائے ہیں یہ کہ ان کو چوری سے منع کیا گیا ہے۔ جو کبیرہ گناہوں میں سے ہے چونکہ یہ بری خصلت بھی اکثر عورتوں میں پائی جاتی ہے۔ شاید ہی کوئی عورت ہوگی جو اس بری عادت سے خالی ہوگی۔ اس لئے اس بری خصلت سے منع کرنا ان کی بیعت میں شرط قرار پایا۔ وہ عورتیں جو اپنے خاوندوں کے مالوں میں ان کی اجازت کے بغیر تصرف کرتی اور نذر ہو کر ان کو خرچ اور تلف کرتی ہیں چوروں میں داخل ہیں اور چوری کے گناہ کبیرہ کی مرتکب ہیں یہ بات عام عورتوں میں ثابت ہے اور یہ خیانت عام طور پر تمام عورتوں میں پائی جاتی ہے۔ اِلَّا مَنْ عَصَمَهَا اللّٰهُ تَعَالٰی (مگر جس کو اللہ تعالیٰ بچائے) کاش عورتیں اس بات کی برائی جانیں اور اس کو گناہ اور بد تصور کریں۔ بلکہ اکثر اس برائی کو حلال جانتی ہیں حالانکہ اس کو حلال اور جائز جاننے میں ان کے کفر کا خوف ہے۔ حکیم مطلق جل شانہ نے عورتوں کو شرک سے روکنے کے بعد چوری سے اس لئے منع فرمایا ہے کہ یہ بری خصلت عام طور پر ان کے حلال و جائز سمجھنے کے باعث ان کو کفر تک لے جاتی ہے اور ان کے حق میں تمام کبیرہ گناہوں سے بڑھ کر بری ہے۔ جب عورتوں میں خاوندوں کے مالوں کو بارہا دفعہ چرانے کے باعث خیانت کا ملکہ پیدا ہو جاتا ہے اور غیروں کے مال میں تصرف کرنے کی برائی ان کی نظروں سے دور ہو جاتی ہے۔ تو خاوندوں کے سوا اور لوگوں کے مالوں میں بھی تعدی سے تصرف کرتی ہیں اور بے تحاشا دوسروں کے اموال میں خیانت کرتی اور چراتی ہیں۔ یہ بات تھوڑے سے تامل سے واضح ہو جاتی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ عورتوں کو چوری سے منع کرنا اسلام کی ضروریات میں سے ہے اور شرک کے بعد چوری کی برائی ان کے حق میں زیادہ ثابت ہے۔

تذیل:- ایک دن حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اصحاب سے پوچھا کہ تم جانتے ہو۔ کہ چوروں میں سے بڑا اور برا چور کون ہے۔ عرض کی کہ ہم نہیں جانتے۔ آپ ہی فرمائیں۔ فرمایا کہ چوروں میں سے زیادہ چور وہ شخص ہے۔ جو نماز میں چوری کرے اور نماز کے ارکان کو کامل طور پر ادا نہ کرے۔ اس چوری سے بھی بچنا ضروری ہے۔ تاکہ بدتر چوروں میں سے نہ ہوں۔ حضور دل سے نماز کی نیت کرنی چاہئے۔ کیونکہ نیت کے بغیر کوئی عمل درست نہیں ہوتا۔ قرأت کو درست پڑھنا چاہئے اور رکوع و سجود اور قومہ جلسہ کو اطمینان سے ادا کرنا چاہئے یعنی رکوع کے بعد سیدھا کھڑا ہو کر ایک تسبیح کی مقدار دیر کرنی چاہئے اور دو سجود کے درمیان ایک تسبیح کی مقدار بیٹھنا چاہئے۔ تاکہ قومہ اور جلسہ میں اطمینان حاصل ہو۔ جو شخص ایسا نہ کرے وہ چوروں میں داخل ہے اور وعید کا مستحق ہے۔ تیسری شرط جو عورتوں کی بیعت میں منصوص ہے۔ یہ ہے کہ ان کو زنا سے منع کیا گیا ہے۔

عورتوں کی بیعت میں اس شرط کی خصوصیت اس لئے ہے کہ زنا اکثر عورتوں کی رضامندی سے وقوع میں آتا ہے۔ یہ خود اپنے آپ کو مردوں کے سامنے پیش کرتی ہیں اور اس عمل میں پہل عورتوں کی طرف سے ہوتی ہے اور اس عمل کے حصول میں ان کی رضامندی معتبر ہے۔ اسی لئے مردوں کی نسبت عورتوں کو اس فعل سے بڑی تاکید کے ساتھ منع کیا گیا ہے۔ مرد اس عمل میں عورتوں کے تابع ہیں۔ یہی سبب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب مجید میں زانیہ عورت کو زانی مرد پر مقدم فرمایا ہے۔ **الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةً جَلْدَةٍ (زانیہ عورت اور زانی مرد کو سو سو کوڑے لگاؤ)** یہ بد خصلت دنیا اور آخرت کا خسارہ ہے اور تمام دینوں میں قبیح اور منکر ہے۔ حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ کہ اے آدمیوں کے گروہ زنا سے پرہیز کرو۔ کہ اس میں چھ بری خصلتیں ہیں۔ جن میں سے تین دنیا میں ہیں اور تین آخرت میں۔ وہ تین جو دنیا میں ہیں۔ ایک یہ کہ ناکارنے والے سے خوبی اور نورانیت اور صفا دور ہو جاتی ہے۔ دوسری یہ کہ اس سے فقر اور محتاجی پیدا ہوتی ہے۔ تیسری یہ کہ عمر کم ہوتی ہے اور وہ تین خصلتیں جو زانیوں کے لئے آخرت میں ہیں۔ ایک حق تعالیٰ کا غصہ اور غضب۔ دوسرے بری طرح سے حساب ہونا۔ تیسرے دوزخ کا عذاب جاننا چاہئے کہ حدیث نبوی میں آیا ہے۔ کہ آنکھوں کا زنا محرمات کی طرف نظر کرنا ہے اور ہاتھوں کا زنا محرمات کو پکڑنا اور پاؤں کا زنا محرمات کی طرف جانا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ **قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ذَلِكَ أَزْكَى لَهُمْ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ ط قُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَنْضَعْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ (یعنی اے محمد مومنوں کو کہہ دو کہ اپنی آنکھوں کو محرمات سے ڈھانپیں اور اپنی شرمگاہوں پر نگاہ رکھیں۔ یہ ان کے واسطے بہت ہی اچھا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے کاموں کو دیکھتا ہے اور مومنات کو کہہ دو کہ اپنی آنکھوں کو محرمات سے ڈھانپیں اور اپنی شرمگاہوں کو محفوظ رکھیں) جاننا چاہئے۔ کہ دل آنکھ کے تابع ہے۔ جب تک آنکھ کو محرمات سے بند نہ کریں دل کی محافظت مشکل ہے۔ جب آنکھ گرفتار ہو جائے۔ تو دل کی حفاظت مشکل ہے اور جب دل گرفتار ہو جائے تو شرمگاہ کی محافظت دشوار ہے۔ پس محرمات سے آنکھ کا ڈھانپنا ضروری ہے۔ تاکہ شرمگاہ کی محافظت حاصل ہو سکے اور دینی اور دنیاوی خسارہ میں نہ ڈالے۔** قرآن مجید میں اس بات سے بھی منع کیا گیا ہے۔ کہ عورتیں بیگانہ مردوں کے ساتھ بدکار عورتوں کی طرح ایسی نرم و ملائم کلام نہ کریں۔ جن سے بدکار مردوں کو بدکاری کا وہم پیدا ہو۔ اور ان کے دلوں میں برائی کا طمع ظاہر ہو۔ ہاں نیک اور اچھا کلام جو اس وہم اور طمع سے خالی ہو عورتیں مردوں کے ساتھ کر سکتی ہیں اور اس امر سے بھی منع کیا گیا ہے۔ کہ عورتیں اپنی زینت و خوبی اور بناؤ سنگار بیگانہ مردوں کے

سامنے ظاہر کریں اور مردوں کو خواہش میں ڈالیں اور اس امر سے بھی نہی آئی ہے۔ کہ اپنے پاؤں کو زمین پر ماریں۔ تاکہ ان کی پوشیدہ زینت ظاہر ہو یعنی پازیب وغیرہ حرکت میں آئے اور اس سے آواز نکلے۔ جس سے مردوں کو عورتوں کی طرف بری خواہش پیدا ہو۔ غرض جو بات فسق اور بدکاری کی طرف لے جانے والی ہے بری ہے اور اس سے منع کیا گیا ہے۔ بڑی احتیاط کرنی چاہئے۔ کہ محرمات کے مبادی اور مقدمات کا ارتکاب نہ کیا جائے تاکہ محرمات سے خلاصی حاصل ہو۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْعَاصِمُ (اللہ تعالیٰ بچانے والا ہے) وَمَا تَوْفِيقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَآلِیْهِ اُنِیْبُ (سوائے اللہ تعالیٰ کی توفیق کے میری کوئی توفیق نہیں۔ کہ گناہوں سے بچوں۔ میں نے اسی پر توکل کیا اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں) پوشیدہ نہ رہے۔ کہ بیگانی عورت کی طرف شہوت کے ساتھ دیکھنے اور ہاتھ لگانے میں عورت بھی بیگانہ مرد کی طرح ہے۔ عورت کیلئے جائز نہیں کہ اپنے آپ کو اپنے خاوند کے سوا کسی اور کے لئے خواہ عورت ہو یا مرد آراستہ کرے اور ان کو اپنی زیب و زینت دکھائے۔ جس طرح مردوں کو مردوں یعنی بے ریش یا نابالغ لڑکوں کو شہوت کے ساتھ دیکھنا اور مس کرنا حرام ہے۔ اسی طرح عورتوں کو بھی عورتوں کی طرف شہوت کی نظر سے دیکھنا اور ہاتھ لگانا منع ہے۔ اس امر کو بخوبی مد نظر رکھنا چاہئے۔ کہ دین و دنیا کے خسارہ کا موجب ہے۔ مرد کا عورت تک پہنچنا دونوں کی جنس کے مختلف ہونے کے باعث مشکل ہے۔ کیونکہ کئی رکاوٹیں درمیان ہیں۔ برخلاف ایک عورت کے دوسری عورت تک پہنچنے کے کہ دونوں کے ہم جنس اور متحد ہونے کے باعث نہایت آسان ہے۔ یہاں زیادہ احتیاط کرنی چاہئے اور مرد کو عورت کی طرف اور عورت کو مرد کی طرف بنظر شہوت دیکھنے اور مس کرنے کی نسبت عورت کو عورت کی طرف بنظر شہوت دیکھنے اور مس کرنے سے اچھی طرح منع کرنا اور ڈرانا چاہئے۔

چوتھی شرط جو عورتوں کی بیعت میں فرمائی ہے۔ ان کو اولاد کے قتل کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ یعنی عورتیں محتاجی اور فقر کے سبب سے اپنی چھوٹی لڑکیوں کو مار دیا کرتی تھیں یہ برا فعل کسی کو ناحق قتل کرنے کے علاوہ قطع رحم کو بھی شامل ہے۔ جو کبیرہ گناہ ہے۔

پانچویں شرط جو عورتوں کی بیعت میں فرمائی ہے۔ اس میں بہتان اور افترا سے منع کیا گیا ہے۔ چونکہ یہ بری صفت عورتوں میں زیادہ تر پائی جاتی ہے۔ اس لئے خاص طور پر اس سے ان کو منع فرمایا ہے۔ یہ صفت تمام بری صفتوں سے بری ہے اور یہ عادت تمام ردی عادتوں میں سے ردی ہے۔ جس میں جھوٹ بھی شامل ہے۔ جو تمام مذہبوں میں حرام ہے نیز اس میں مومن کی ایذا ہے۔ جس کی نسبت بہتان اور افترا کیا جاتا ہے اور مومن کو ایذا دینا حرام ہے۔ نیز بہتان و افترا روئے زمین میں فساد برپا کرنے کا موجب ہے۔ جو نص قرآنی سے مکروہ اور ممنوع اور محرم اور مستنکر ہے۔

چھٹی شرط یہ ہے۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو کچھ فرمائیں۔ اس کی نافرمانی اور معصیت سے عورتوں کو منع کیا گیا ہے۔ یہ شرط تمام اوامر شرعی یعنی نماز و روزہ و حج و زکوٰۃ کے بجالانے اور تمام شرعی منہیات سے ہٹ جانے پر مشتمل ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے نازل کئے ہوئے ضروری احکام پر ایمان لانے کے بعد اسلام کی بنیاد انہی چار رکنوں پر ہے۔ ہنچگانہ نماز کو سستی اور قصر کے بغیر بڑی کوشش و اہتمام سے ادا کرنا چاہئے۔ مال کی زکوٰۃ بڑی رغبت و احسان کے ساتھ زکوٰۃ کے مستحقوں کو دینی چاہئے۔ رمضان مبارک کے روزے جو سالانہ گناہوں کے دور کرنے والے ہیں۔ بڑی اچھی طرح رکھنے چاہئیں۔ بیت اللہ کا حج بھی جس کی شان میں مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے۔ کہ **الْحَجُّ يَهْدِيكُمْ مَآكِنَ قُبُلَهُ** (حج گزشتہ تمام گناہوں کو گرا دیتا ہے) ادا کرنا چاہئے۔ تاکہ اسلام قائم ہو جائے۔ اسی طرح ورع و تقویٰ بھی ضروری ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔ **مَلَاكُ دِينِكُمُ الْوَرَعُ** یعنی تمہارے دین کا اصل اصول اور اس کو قائم رکھنے والا ورع ہے اور اس سے مراد شرعی منہیات کا ترک کرنا ہے۔ مسکرات یعنی نشہ والی چیزوں سے پرہیز کرنا چاہئے۔ ان کو شراب کی طرح حرام اور برا سمجھنا چاہئے۔ غنا یعنی سر و د اور گانے بجانے سے بھی بچنا ضروری ہے۔ کیونکہ لہو و لعب اور کھیل کود میں داخل ہے جو حرام ہے۔ اس کے بارہ میں آیا ہے۔ کہ **الْغِنَاءُ رُقِيَّةُ الزِّنَا** یعنی سرور زنا کا افسون اور منتر ہے اور غیبت اور خن چینی سے بھی اجتناب کرنا لازم ہے۔ کیونکہ اس سے بھی شرع نے منع فرمایا ہے اور مسخرہ پن اور مومن کو ناحق ایذا دینے سے بچنا چاہئے۔ شگون بد کا اعتبار نہ کریں اور اس کی کچھ تاثیر نہ جانیں اور ایک شخص سے دوسرے شخص کو مرض کے لگ جانے یعنی مریض سے کسی تندرست شخص کو لاحق ہونے کا اعتبار نہ کریں۔ کیونکہ مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان دونوں سے منع فرمایا ہے۔ **لَا طَبِئْرَةَ وَلَا عَذْوَى** یعنی شگون بد کی کوئی اصل نہیں اور ایک کے مرض کا دوسرے کو لگ جانا ثابت نہیں۔ کاہن اور نجومی کی باتوں کا اعتبار نہ کریں اور ان کی غیبی باتوں کو کچھ نہ جانیں اور ان سے کچھ نہ پوچھیں اور ان کو امور غیبی کا عالم نہ جانیں کیونکہ شریعت نے بڑے مبالغہ کے ساتھ ان سے منع فرمایا ہے۔ نہ خود جادو کریں۔ نہ جادوگر کے پاس اس نیت سے جائیں۔ کیونکہ حرام قطعی ہے اور کفر میں قدم راسخ رکھنا ہے۔ سحر و ساحری سے بڑھ کر زیادہ کفر کے نزدیک اور کوئی گناہ کبیرہ نہیں۔ بڑی احتیاط کرنی چاہئے۔ کہ اس کا کوئی چھوٹا سا امر بھی نہ ہونے پائے۔ کیونکہ شرع میں آیا ہے۔ کہ مسلم جب تک اسلام رکھتا ہے۔ اس سے سحر ظاہر نہیں ہوتا۔ جب ایمان اس سے جدا ہو جاتا ہے اس وقت سحر بھی اس سے صادر ہوتا ہے۔ گویا سحر اور ایمان ایک دوسرے کی ضد اور نفیض ہیں۔ اگر جادو ہے تو ایمان نہیں۔ اس بات پر خوب غور کرنا چاہئے۔ تاکہ ایمان کے کارخانہ میں خلل نہ آئے

اور اس عمل کی شامت سے اسلام کی دولت ہاتھ سے نہ چلی جائے۔ غرض جو کچھ مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے اور علماء نے کتب شریعہ میں اس کو بیان کیا ہے۔ جان و دل سے اسکو بجالانا چاہئے اور اس کے خلاف کو زہر قاتل خیال کرنا چاہئے جو دائمی موت، تک پہنچا دیتا ہے اور طرح طرح کے عذابوں میں مبتلا کر دیتا ہے۔ جب بیعت کرنے والی عورتوں نے ان سب شرطوں کو قبول کر لیا۔ تو آنحضرت ﷺ نے صرف قول ہی سے ان کو بیعت فرمایا اور حق تعالیٰ کے امر کے بموجب ان کے لئے بخشش طلب کی۔ وہ استغفار جو آنحضرت ﷺ حق تعالیٰ کے امر سے کسی جماعت کے لئے طلب کریں۔ کامل امید ہے کہ قبول ہو گا اور وہ جماعت بخشش جائے گی اور ابوسفیان کی زوجہ ہندہ بھی اس بیعت میں داخل تھی۔ بلکہ تمام عورتوں کی سرگروہ تھی اور ان کی طرف سے کلام کرتی تھی۔ اس بیعت اور استغفار سے اس کے لئے بڑی بھاری بخشش کی امید ہے۔ پس جو عورتیں ان شرطوں کو قبول کر لیں اور ان کے موافق عمل کریں۔ حکماً اس بیعت میں داخل ہو جاتی ہیں اور اس استغفار کی برکات کی امید وار بن جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ مَا يَفْعَلُ اللَّهُ بِعَذَابِكُمْ إِنْ شَكَرْتُمْ وَآمَنْتُمْ (اگر تم شکر کرو اور ایمان لے آؤ۔ تو اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا) شکر بجالانے سے مراد یہ ہے کہ شرعی احکام کو قبول کریں اور ان کے مطابق عمل کریں۔ نجات کا طریق اور خلاصی کا راستہ اعتقادی اور عملی طور پر صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت ہے۔ پیر و استاد اس لئے بنائے جاتے ہیں۔ کہ شریعت کی طرف ہدایت و رہنمائی کریں اور ان کی برکت سے شریعت کے اعتقاد اور عمل میں آسانی و سہولت حاصل ہو۔ نہ یہ کہ مرید جو کچھ چاہیں کریں اور جو کچھ چاہیں کھائیں اور پیر ان کے لئے ڈھال بن جائیں اور عذاب سے بچالیں۔ کہ یہ ایک نکمگی اور بیہودہ آرزو ہے۔ وہاں اذن کے بغیر کوئی شفاعت نہ کر سکے گا اور جب تک عمل پسندیدہ نہ ہوں گے۔ کوئی اس کی شفاعت نہ کرے گا اگر بشریت کے بموجب کوئی لغزش اور قصور اس سے سرزد ہو گا۔ تو اس کا تدارک شفاعت سے ہو سکے گا۔

سوال:- گناہگار کو کس اعتبار سے پسندیدہ کہا جاسکتا ہے؟

جواب:- جب حق تعالیٰ گناہگار کو بخشنا چاہتا ہے اور اس کے معاف کرنے کے لئے کوئی نہ کوئی وسیلہ درمیان لے آتا ہے۔ تو وہ شخص درحقیقت مرتضیٰ اور پسندیدہ ہے اگرچہ بظاہر گناہگار ہے۔ وَاللَّهُ سُبْحَانَهُ الْمُوفِيُّ (اللہ تعالیٰ توفیق دینے والا ہے) رَبَّنَا آتِنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً وَهَبْ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا رَشَدًا (یا اللہ تو اپنے پاس سے ہم پر رحمت نازل فرما اور ہمارے کام سے بھلائی ہمارے نصیب کر) والسلام

مکتوب ۴۲

خواجہ محمد ہاشم کشمیری کی طرف اس کی بشارت کے بیان میں صادر فرمایا ہے:-

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ و دعوات کے بعد واضح ہو۔ کہ آپ کا صحیفہ شریفہ جو ملاحی اللہ کے ہمراہ ارسال کیا تھا پہنچا۔ محبت و اخلاص اور حرارت و اشتیاق کا حال پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔ آپ کے خط کے مطالعہ کے وقت آپ کی نورانیت گرد و نواح میں بہت پھیلی ہوئی نظر آئی اور بڑی امید پیدا ہوئی۔ اس بات پر اللہ تعالیٰ کی حمد اور احسان ہے۔ اس سے زیادہ کیا لکھا جائے۔ اے محبت کے نشان والے۔ معلوم نہیں کہ سعادت مآب میر محمد نعمان کی خط و کتابت کے ترک کرنے کا کیا باعث ہے۔ اگر اس طرف سے کسی قسم کی کدورت یا دل آزاری کا کچھ وہم رکھتے ہیں۔ تو بے خطر رہیں۔ اس طرف سے کوئی بات واقع نہیں ہوئی۔ کمال صفائی تصور کریں فقیر مرغ کی طرح جو اپنے بچوں کی حفاظت کرتا ہے میر صاحب کی محافظت میں بڑی کوشش کرتا ہے۔ کہ کہیں ایسا نہ ہو۔ کہ ان کی طلب کے کارخانہ میں فتنہ پیدا ہو کر سالکوں کے راہ کا مانع ہو جائے۔ دوسرے یہ عرض ہے کہ قریب دو ماہ سے فقیر پر ضعف طاری ہے۔ اس لئے بعض ان سوالوں کے جواب نہیں لکھ سکا۔ جو مکتوب سابق میں درج تھے۔ اگر صحت ہو گئی۔ تو انشاء اللہ تعالیٰ لکھے جائیں گے۔ ورنہ دوستوں سے دعا و فاتحہ کی التماس ہے۔ حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ (ہم کو اللہ تعالیٰ کافی ہے اور وہی اچھا کار ساز ہے) آپ کو اور تمام اہل اللہ کو السلام علیکم

مکتوب ۴۳

اس گفتگو کے بیان میں جو سلطان وقت مدظلہ کی مجلس میں ہوئی تھی بزرگ مخدوم

زادوں خواجہ محمد سعید اور خواجہ معصوم سلمہ اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا ہے:-

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) اس طرف کے احوال اور اوضاع حمد کے لائق ہیں۔ عجیب و غریب صحبتیں گزر رہی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی عنایت سے ان گفتگوؤں سے امور دینیہ اور اصول اسلامیہ میں سر مو سستی اور مدہانت دخل نہیں پاتی۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ان محفلوں میں بھی وہی باتیں ہوتی ہیں۔ جو خاص خلوتوں اور مجلسوں میں بیان ہوا کرتی ہیں۔ اگر ایک مجلس کا حال لکھا جائے تو دفتر ہو جائے۔ خاص کر آج ماہ رمضان کی سترہویں رات کو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بعثت اور عقل کے عدم استقلال اور آخرت کے ایمن اور اس کے عذاب و ثواب اور رویت اور دیدار کے اثبات اور حضرت خاتم الرسل کی نبوت کی خاتمیت اور ہر صدی کے مجدد اور خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی اقتداء اور تراویح کے سنت اور تنازع کے باطل ہونے اور جن اور جنیوں کے احوال اور ان کے عذاب و ثواب کی نسبت بہت کچھ مذکور ہوا اور بڑی خوشی سے سنتے رہے۔ اس اثنا میں اور بہت سی چیزوں کا ذکر ہوا اور اقطاب اور اوتاد اور ابدال کے احوال اور ان کی خصوصیتوں وغیرہ کا بیان ہوا۔ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے۔ کہ سب کچھ قبول کرتے رہے

اور کوئی تغیر ظاہر نہ ہوا۔ ان واقعات و ملاقات میں شاید کوئی اللہ تعالیٰ کی پوشیدہ حکمت اور خفیہ راز ہوگا۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا اَنْ هَدَانَا اللَّهُ لَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے۔ جس نے ہم کو ہدایت دی اور اگر وہ ہدایت نہ دیتا۔ تو ہم کبھی ہدایت نہ پاتے۔ بیشک ہمارے رب کے رسول سچے ہیں) دوسرے یہ ہے کہ قرآن مجید کو سورہ عنکبوت تک ختم کیا ہے۔ جب رات کو اس مجلس سے اٹھ کر آتا ہوں۔ تو تراویح میں مشغول ہوتا ہوں۔ حفظ قرآن مجید کی یہ اعلیٰ دولت اس فترت یعنی پرانگندہ حالی میں جو عین جمعیت ہے۔ حاصل ہوئی ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلَّهِ اَوَّلًا وَاٰخِرًا (اول اور آخر اللہ تعالیٰ کی حمد ہے)

مکتوب ۴۴

دیدار اور آخرت کے منکروں کے شبہوں کو دور کرنے کے بیان میں میر عبدالرحمن ولد میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا ہے:-

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ط دیدار آخرت کے منکر لوگ وہ اعتراض جو رویت کے مسئلہ میں پیش کرتے ہیں اور وہ دلیل جو رویت کی نفی پر لاتے ہیں۔ یہ ہے کہ رویت بصری یعنی آنکھوں سے دیکھنا یہ چاہتا ہے کہ رائی (یعنی دیکھنے والا شخص) مرئی (یعنی جس کو دیکھیں) کے مقابل اور برابر ہو اور دونوں ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہوں اور یہ بات حق تعالیٰ میں مفقود ہے۔ کیونکہ جہت لازم آتی ہے۔ جو احاطہ اور تحدید و نہایت کو چاہتی ہے۔ یہ سراسر نقص اور الوہیت کے منافی ہے۔ تَعَالَى اللَّهُ عَن ذَلِكَ عُلُوًّا كَبِيرًا (اللہ تعالیٰ اس سے بہت ہی برتر ہے) جواب اس کا یہ ہے کہ جب قادر پر کمال جل شانہ نے اس ضعیف اور فانی دنیا میں دنیاوی آنکھ کو جو دو بے حس و حرکت اور اندر سے خالی عصموں یعنی پٹھوں سے بنی ہے۔ اس قدر قوت بخشی ہے۔ کہ مقابلہ اور محاذات کی شرط پر اشیاء کو دیکھ سکتی ہے تو عالم آخرت میں جو قوی اور باقی ہے۔ اگر انہی دونوں عصموں کو اس قدر قوت بخش دے کہ مقابلہ و محاذات کے بغیر مرئی کو دیکھ سکیں۔ خواہ وہ مرئی تمام جہتوں میں ہو یا ایک جہت میں۔ تو اس میں کوئی تعجب کی بات ہے اور کیا محال ہے۔ کیونکہ فاعل جل شانہ اقتدار کے اعلیٰ مرتبہ میں ہے اور قابل یعنی فاعل کی طرف سے اثر قبول کرنے والی آنکھ البصار و احساس کے لئے مستعد ہے۔ حاصل کلام یہ کہ بعض مکان و زمان میں کسی خاص مصلحت کے لئے محاذات اور جہت کے تعین کی شرط کو احساس اور البصار میں مد نظر رکھا ہے اور بعض دوسرے مکان و زمان میں اس شرط کا اعتبار نہیں کیا اور اس شرط کے بغیر رویت و البصار مقرر کر دیا ہے۔ ایک جگہ کو دوسری جگہ پر اعتبار کرنا ان کے مقتضیات کے کمال اختلاف کے باوجود انصاف سے دور ہے۔ گویا عالم ملک و شہادت کے مکشوفات پر ہی نظر کا بند رکھنا اور خالق زمین و آسمان کے عالم ملکوت کے

عجائبات سے انکار کرنا ہے۔

سوال:- اگر حق تعالیٰ کو دیکھا جائے۔ تو چاہئے کہ بصر کے احاطہ اور ادراک میں بھی آئے اور اس امر سے حد و نہایت لازم آتی ہے۔ تَعَالَى اللَّهُ عَنْ ذَلِكَ غُلُوًّا كَبِيرًا

جواب:- جائز ہے کہ دیکھا بھی جائے اور بصر کے احاطہ اور ادراک میں بھی نہ آئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ (آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں۔ لیکن وہ آنکھوں کا ادراک کر سکتا ہے اور وہ لطیف اور خبیر ہے) مومن آخرت میں حق تعالیٰ کو دیکھیں گے اور یقین و جدانی سے معلوم کر لیں گے کہ حق تعالیٰ کو دیکھ رہے ہیں اور وہ لذت جو رویت پر مترتب ہوتی ہے۔ کامل طور پر اپنے آپ میں پالیں گے۔ لیکن مرنی کچھ بھی ان کے ادراک میں نہ آئے گا اور مرنی سے کچھ حاصل نہ ہو گا اور رویت کے وجدان اور دیدار کی لذت کے بغیر مرنی کی کوئی چیز نہ پا سکیں گے۔ بیت

عناقشکار کس نشود دام باز چیں کا بیجا ہمیشہ باد بدست است دام را

ترجمہ بیت

اٹھالے جال عنقا کب کسی کے ہاتھ آتا ہے لگاتا ہے یہاں جو جال خالی ہاتھ جاتا ہے وہ نقصان جو رویت میں پایا جاتا ہے۔ مرنی کا احاطہ اور ادراک ہی ہے جو اس مقام میں مفقود ہے وہاں صرف بے جہت رویت ثابت ہے اور وہ لذت جو دیکھنے والے کو اس سے حاصل ہوتی ہے۔ نقص و قصور نہیں ہے۔ بلکہ مرنی کا کمال انعام و احسان ہے۔ کہ اپنے جمال پر کمال کو محبت کی آگ کے جلے ہوؤں پر جلوہ گر کرتا ہے اور وصال رویت کے میٹھے پانی سے ان کو متلذذ اور سیراب کرتا ہے۔ حق تعالیٰ کی پاک بارگاہ کی طرف کوئی نقص و قصور عائد نہیں ہوتا اور وہاں کوئی جہت اور احاطہ پیدا نہیں ہوتا۔ بیت

ازاں طرف نپذیرد کمال تو نقصان وزیں طرف شرف روزگار من باشد

ترجمہ بیت

ذرہ بھی کم نہ ہو گا ہرگز کمال تیرا لیکن بڑھے گا دگنا جاہ و جلال میرا

اس امر کا دوسرا جواب یوں بھی ہے۔ کہ میں کہتا ہوں۔ کہ اگر رویت کے حاصل ہونے میں مقابلہ اور محاذات کی شرط ہو۔ تو چاہئے کہ جس طرح مرنی کی جانب میں شرط ہے۔ اسی طرح رائی کی جانب میں بھی شرط ہو۔ کیونکہ مقابلہ ایک نسبت ہے۔ جو ہر دو باہم مقابل ہونے والوں یعنی رائی اور مرنی میں قائم ہے۔ پس اس سے لازم آتا ہے۔ کہ حق تعالیٰ بھی اشیاء کو نہ دیکھے اور اشیاء کو دیکھنے کی صفت اس کے لئے ثابت نہ ہو اور یہ بات نصوص قرآنی کے مخالف ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ

(جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے) وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ط (اور وہ سننے اور دیکھنے والا ہے) وَسَيَرَى اللَّهُ عَمَلَكُمْ (اللہ تعالیٰ تمہارے عمل کو دیکھے گا) نیز اس بات سے حق تعالیٰ کا نقص اور اس سے صفت کاملہ کا سلب لازم آتا ہے۔

سوال:- اگر کہیں کہ حق تعالیٰ کی رویت اشیاء سے مراد ان کا علم ہے۔ علم کے سوا کوئی اور امر جو جہت کو مستلزم ہو۔ نہیں ہے۔

جواب:- اس میں کچھ شک نہیں کہ رویت صفات کاملہ سے ہے اور مستقل طور پر حق تعالیٰ کے لئے نصوص قرآنی کے ساتھ ثابت ہے۔ علم کی طرف اس کا رجوع کرنا ظاہر کے برخلاف ہے اور اگر اس کو علم کی اقسام سے تسلیم بھی کر لیں۔ تو پھر بھی محاذات اور مقابلہ کی شرط لازم آئے گی۔ کیونکہ علم دو قسم پر ہے۔ ایک یہ ہے کہ اس میں معلوم کا محاذی اور مقابل ہونا شرط نہیں۔ دوسری قسم وہ ہے کہ جس میں محاذات و مقابلہ شرط ہے۔ جس کو رویت کہتے ہیں۔ یہ قسم ممکنات میں علم کی قسموں میں سے اعلیٰ ہے۔ جو اطمینان قلب کے مرتبہ میں ہے۔ معقولات میں وہم کے معارضہ سے امن حاصل نہیں ہے۔ وہ محسوس ہی ہے جو اس معارضہ اور خلل سے باہر ہے۔ یہی سبب ہے کہ حضرت خلیل الرحمن علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مردوں کے زندہ ہونے پر ایمان و یقین کے باوجود مردوں کے زندہ ہونے کی رویت کا سوال کیا۔ تاکہ اس سے اطمینان قلب حاصل کریں۔ جاننا چاہئے۔ کہ رویت جو صفات کاملہ میں سے ہے۔ جب واجب تعالیٰ میں ثابت نہ ہو۔ ممکن میں کہاں سے آئے گی۔ کیونکہ جو کمال کہ ممکن میں ظاہر ہوتا ہے اس کمال کا عکس ہے۔ جو حضرت ذات تعالیٰ میں موجود و ثابت ہے۔ خدا نہ کرے کہ کوئی کمال اور صفت ممکن میں ہو اور واجب میں نہ ہو۔ کیونکہ ممکن فی حد ذاته شرو نقص ہے۔ اگر اس میں کوئی کمال ہے تو واجب تعالیٰ کی طرف سے ہے جو سراسر خیر و کمال ہے۔ عاریت کے طور پر اس کو حاصل ہوا ہے۔

بیت

نیاوردم از خانہ چیزے نخست تو دادی ہمہ چیز و من چیز تست

ترجمہ بیت

نہیں لایا میں کچھ بھی اپنے گھر سے ملا سب کچھ مجھے یہ تیرے در سے

اصل سوال کا ایک اور جواب اس طرح بھی ہے۔ کہ میں کہتا ہوں۔ کہ یہ اعتراض حق تعالیٰ کے وجود میں بھی ہو سکتا ہے اور رویت کی نفی کی طرح حق تعالیٰ کے وجود کی بھی نفی کرتا ہے پس یہ اعتراض صادق نہیں کیونکہ اس سے محال عقلی لازم آتا ہے۔ اس کا بیان یہ ہے۔ کہ اگر حق تعالیٰ موجود ہو۔ تو اس عالم کی جہات میں سے کسی جہت میں ہو گا اور ہو گا یا نیچے دائیں ہو گا یا بائیں آگے ہو گا یا پیچھے اور اس سے احاطہ اور

تحدید لازم آتا ہے۔ جو سراسر نقص اور الوہیت کے منافی ہے۔

سوال:- ہو سکتا ہے کہ عالم کی تمام اطراف میں ہو اور کوئی احاطہ اور تحدید لازم نہ آئے۔

جواب:- میں کہتا ہوں کہ عالم کی تمام جہات میں ہونا احاطہ اور تحدید کی نفی نہیں کر سکتا کیونکہ اس

صورت میں بھی عالم کے ماوراء ضرور ہو گا اور ماوراء ہونا غیر ہونے کے لازم ہے اور معقول والوں کے

نزدیک قضیہ مقررہ ہے۔ کہ الْاِنْسَانُ مُتَعَاوِنٌ اِنْ دُوْجِزِیْنَ اِیْکَ دَوْسَرے کے غیر ہوتی ہیں۔ اس بات سے

بھی تحدید لازم آتی ہے۔ پوشیدہ نہ رہے۔ کہ اس قسم کے بیہودہ اور جھوٹے شبہات سے خلاصی و نجات

نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ۔ ہم احکام غیبیت اور احکام شہادت میں فرق نہیں کرتے اور شاہد پر غائب کا

قیاس کرتے ہیں۔ کیونکہ ہو سکتا ہے۔ کہ یہ بعض احکام شاہد میں صادق ہوں اور غائب میں کاذب اور

شاہد میں کمال ہوں اور غائب میں نقص۔ اس لئے کہ مقالات کے اختلاف کے بموجب دونوں کے احکام

جدا جدا ہیں۔ خاص کر جبکہ مقاموں کے درمیان بہت ہی فرق و اختلاف ہو۔ مَا لِلتَّرَابِ وَرَبِّ

الْاَرْبَابِ (چہ نسبت خاک را با عالم پاک) حق تعالیٰ ان کو انصاف دے کہ اس قسم کی مشتبہ و ہمی اور خیالی

باتوں سے نصوص قرآنی کا انکار نہ کریں اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحیح حدیثوں کی تکذیب نہ

کریں۔ اس قسم کے منزلہ احکام پر ایمان لے آنا چاہئے اور ان کی کیفیت کے معلوم نہ ہونے کا قصور اپنے

ذمے لگانا چاہئے۔ نہ یہ کہ اپنے ادراک کو اپنا مقتدا بنا کر ان احکام کی نفی کر دیں۔ کیونکہ یہ بات صواب

و سلامتی سے دور ہے۔ ہو سکتا ہے۔ کہ بہت سی چیزیں نفس امر میں صادق ہوں۔ لیکن ہمارے ناقص

عقلوں کے ادراک سے دور اور بعید ہوں۔ اگر صرف عقل کافی ہوتی۔ تو ابو علی سینا جیسا شخص جو تمام

معقول والوں کا پیشوا اور مقتدا ہے۔ تمام احکام عقلیہ میں حق پر ہوتا اور غلطی نہ کرتا۔ حالانکہ الْوَاحِدُ لَا

يُضْذَرُ عَنْهُ اِلَّا الْوَاحِدُ (واحد سے ایک ہی کام صادر ہوتا ہے) کے ایک ہی مسئلہ میں اس قدر غلطیاں

کی ہیں۔ جو منصف ناظرین پر تھوڑے سے تامل سے واضح ہو جاتی ہیں۔ اس مقام میں امام فخر الدین

رازی اس پر طعن کرتا ہے اور اس عبارت سے اس پر اعتراض لاتا ہے۔ وَالْعَجَبُ مِمَّنْ يُفْنِي عُمْرَهُ فِي

تَعْلِيمِ الْاَلَةِ الْعَاصِمَةِ عَنِ الْخَطَا فِي الْفِكْرِ وَتَعْلِمُهَا ثُمَّ اِذَا جَاءَ اِلَى هَذَا الْمَطْلَبِ الْاَشْرَفِ

وَقَعَ مِنْهُ اَشْيَاءُ يَضْحَكُ مِنْهُ الصَّبِيَانُ (اس شخص سے تعجب آتا ہے۔ جو اپنی تمام عمر اس الہ (یعنی

منطق) کے تعلیم و تعلیم میں جو فکر میں خطا سے بچالانے والا ہے صرف کر دے پھر اس اعلیٰ مطلب پر

پہنچ کر اس سے ایسی باتیں صادر ہوں۔ جس پر بچے ہنسی اڑاتے ہیں) علماء اہل سنت و جماعت تمام احکام

شرعیہ کو ثابت رکھتے ہیں۔ خواہ ان احکام کی کیفیت معلوم ہو یا نہ ہو۔ ان کی کیفیت کے معلوم نہ ہونے

کے باعث ان احکام کی نفی نہیں کرتے۔ مثلاً عذاب قبر اور سوال منکر و نکیر اور پلصراط اور اعمال کے

ترازو وغیرہ کے بارہ میں جن کے ادراک سے ہماری ناقص عقلیں عاجز ہیں۔ ان بزرگواروں نے کتاب و سنت کو اپنا مقتدا پیشوا بنایا ہے اور اپنی عقلوں کو ان کے تابع بنایا ہے۔ اگر ادراک کر لیا تو بہتر در نہ احکام شرعیہ کو قبول کر لیتے ہیں اور عدم ادراک کو اپنے قصور فہم پر محمول کرتے ہیں۔ نہ یہ کہ دوسروں کی طرح جو کچھ ان کی عقلیں قبول کریں اور اس کو پا سکیں۔ قبول کر لیں اور جو کچھ ان کے عقول کے ادراک میں نہ آئے۔ قبول نہ کریں۔ یہ لوگ نہیں جانتے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بعثت اسی لئے ہوئی ہے کہ عقلیں بعض ان مطالب کے سمجھنے سے جن میں حق تعالیٰ کی رضامندی ہے۔ بالکل قاصر ہیں۔ عقل بیشک حجت ہے۔ لیکن حجت کاملہ نہیں۔ حجت کاملہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے تمام ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا (جب تک ہم رسول نہ بھیج لیں عذاب نہیں دیتے) اب ہم اصل بات کو بیان کرتے اور کہتے ہیں۔ کہ شاہد کی رویت میں اگرچہ مقابلہ اور محاذات کی شرط ہے۔ لیکن ہو سکتا ہے۔ کہ غائب میں یہ شرط نہ ہو۔ جس طرح غائب موجود ہے اور موجودات کی جہات میں سے کوئی جہت اس میں نہیں یعنی جس طرح مرئی دیکھنے والے کی رویت کے بغیر جہات سے منزہ ہے۔ اسی طرح رویت کے بعد بھی اس کے لئے کوئی جہت ثابت نہ ہو اور وہاں مقابلہ اور محاذات مفقود ہو۔ اس بیان میں کوئی بعید اور محال بات ہے۔ بیچون کی رویت بھی بیچون ہے۔ کیونکہ چون کو بیچون کی طرف کوئی راستہ نہیں لَا يَحْمِلُ عَظَايَا الْمَلِكِ إِلَّا مَطَايَا (پادشاہ کے عطیوں کو اسی کے اونٹ اٹھا سکتے ہیں) بیچون کی اس رویت کو چون کی رویت پر جو چون کی مریات سے تعلق رکھتی ہے۔ قیاس کرنا مناسب اور انصاف سے دور ہے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْمُؤَقِّقُ لِلصَّوَابِ (اللہ تعالیٰ بہتری کی توفیق دینے والا ہے)

مکتوب ۴۵

قلب مومن کی شان کی بلندی اور اس کی ایذا سے منع کرنے کے بیان میں مولانا سلطان سرہندی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَىٰ رَسُولِهِ مُحَمَّدٍ وَآلِهِ أَجْمَعِينَ
حمد و صلوٰۃ کے بعد واضح ہو۔ کہ دل اللہ تعالیٰ کا ہمسایہ ہے۔ جس قدر دل اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کے قریب ہے۔ اس قدر کوئی اور شے قریب نہیں۔ دل خواہ مومن ہو یا گنہگار اس کی ایذا سے اپنے آپ کو بچانا چاہئے۔ کیونکہ ہمسایہ خواہ عاصی اور نافرمان ہو۔ پھر بھی اس کی حمایت اور مدد کی جاتی ہے۔ پس اس کی اذیت سے ڈرنا چاہئے۔ کیونکہ کفر کے بعد جو اللہ تعالیٰ کی ایذا کا باعث ہے۔ دل کی ایذا جیسا بڑا گناہ اور کوئی نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف پہنچنے والی چیزوں سے زیادہ اقرب دل ہی ہے نیز خلق سب کی سب اللہ

تعالیٰ کے بندے اور اس کے غلام ہیں اور کسی شخص کے غلام کو مارنا یا اس کی اہانت کرنا اس کے مولا و مالک کی ایذا کا موجب ہے تو پھر اس مولیٰ کا کیا حال ہو گا جو مالک اور خود مختار ہے اس کے خلق میں جتنا کہ اس نے حکم دیا ہے اس سے بڑھ کر تصرف نہ کرنا چاہئے کیونکہ وہ ایذا میں داخل ہے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری ہے مثلاً بکر زانی کی حد سو کوڑے ہے اگر کوئی سو سے زیادہ کوڑے لگائے تو ظلم ہے اور ایذا میں داخل ہے۔

جاننا چاہئے کہ قلب تمام مخلوقات میں افضل و اشرف ہے جس طرح انسان تمام مخلوقات میں سے افضل اور اشرف ہے اور اس کا فضل و شرف عالم کبیر کی تمام اشیاء کے جامع اور مجمل ہونے کے باعث ہے اسی طرح دل بھی انسان کی تمام چیزوں کے جامع اور کمال بسیط اور مجمل ہونے کے باعث افضل و اشرف ہے اور جس چیز میں اجمال و جمعیت زیادہ ہو وہی چیز اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کے زیادہ قریب ہوتی ہے نیز جو کچھ انسان میں ہے یا عالم خلق سے ہے یا عالم امر سے اور دونوں کے درمیان برزخ ہے انسان مراتب عروج میں پہلے اپنے اصول کی طرف پھر آگ کی طرف اس کے بعد لطائف کے اصول کی طرف بعد ازاں اس جزئی اسم کی طرف جو اس کا رب ہے پھر کلی اسم کی طرف جہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے عروج کرتا ہے برخلاف قلب کے کہ اس کا کوئی اصل نہیں جس کی طرف وہ عروج کرے بلکہ اس کا عروج پہلے ہی ذات کی طرف ہوتا ہے نیز قلب غیب ہویت کا دروازہ ہے لیکن اس تفصیل کے تمام ہونے کے بغیر صرف قلب کے طریق سے وہاں تک پہنچنا مشکل ہے ہاں اس تفصیل مذکورہ بالا کے تمام ہونے کے بعد وہاں تک پہنچنا آسان ہے کیونکہ قلب میں جامعیت اور وسعت ان مراتب تفصیلیہ کے طے کرنے کے بعد ہی حاصل ہوتی ہے اور اس جگہ قلب سے مراد وہ قلب ہے جو جامع و بسیط و اوسط ہے نہ مضغہ لحمیہ یعنی گوشت کا ٹکڑا۔ وَالسَّلَام

مکتوب ۴۶

عروج اور نزول کے بیان میں مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید مدظلہ العالی کی طرف صادر

فرمایا ہے:-

نَحْمَدُهُ وَنُسْتَعِينُهُ وَنُصَلِّي عَلَى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا وَشَفِّيعِ ذُنُوبِنَا مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَنُسَلِّمُ (ہم اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے ہیں اور اسی سے مدد مانگتے ہیں اور اپنے سید اور مولا اور گناہوں کے بخشوانے والے حضرت محمد ﷺ اور ان کی آل و اصحاب پر صلوٰۃ و سلام بھیجتے ہیں) واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر ظاہر کیا کہ موجودات میں ایک نقطہ ہے جو اس عالم ظنی کا مرکز ہے اور یہ نقطہ تمام عالم کا اجمال ہے اور تمام عالم اس اجمال یعنی نقطہ کی تفصیل ہے یہ نقطہ آسمان کے سورج کی طرح ہے جس سے تمام

آفاق روشن ہوتا ہے اور جو فیض اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی کو پہنچتا ہے اسی نقطہ کے ذریعے پہنچتا ہے یہ نقطہ غیب ہویت کے نقطہ کے برابر اور مقابل ہے اور یہ نقطہ مرتبہ نزول میں ثابت ہے جب تک ہبوط اور اسفلیت کے اس مرتبہ میں نزول نہ ہو اس مرتبہ کی طرف جس کو غیب ہویت کہتے ہیں عروج نہیں ہوتا اور یہی نزول دعوت و تکمیل میں ہے اس نزول میں جو اس نقطہ کے مرتبہ میں ہوتا ہے ایسا خیال میں آتا ہے کہ گویا منہ عالم کی طرف ہے اور پیٹھ حق تعالیٰ کی طرف اور یہ بھی ظاہر ہوا کہ یہ عالم کی طرف متوجہ ہونا اور حق تعالیٰ کی طرف سے منقطع رہنا موت تک رہتا ہے جب وصال کا وقت آجاتا ہے تو معاملہ برعکس ہو جاتا ہے گویا اس جہان میں فراق اور شوق دونوں طرف سے ہوتا ہے اور ملاقات موت کے بعد ہوتی ہے اس وقت اس حدیث قدسی کے معنی بھی ظاہر ہو گئے **أَلَا طَالُ شَوْقُ الْإِبْرَارِ إِلَيَّ لِقَائِي وَأَنَا إِلَيْهِمْ لَا شَكَّ شَوْقًا** (خبردار ابرار کا شوق میرے لقا کے لئے حد سے بڑھ گیا اور میں ان سے بھی بڑھ کر ان کا شائق ہوں) جاننا چاہئے کہ اس مرتبہ میں نزول کے ساتھ متحقق ہونے کے باوجود سالک اور حق تعالیٰ کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہوتا حجاب سب کے سب مفقود ہوتے ہیں بلکہ توجہ الی اللہ بھی نہیں ہوتی اس وقت بالکل خلق کی طرف توجہ ہوتی ہے یہی مقام دعوت ہے کبھی اس نقطہ سے جو دائرہ عالم ظلی کا مرکز ہے اس نقطہ کی طرف نزول واقع ہوتا ہے جو دائرہ عدم کا مرکز ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کی آیات اور اس کے انبیاء سے کفر و انکار کا مقام ہے اور اس نقطہ سے دائرہ اصل یعنی دائرہ مقامات انبیاء کے مرکز کی طرف عروج واقع ہوتا ہے اور یہ نقطہ جس کا ابھی ذکر ہو چکا ہے نہایت ہی ظلمانی ہے اس مقام میں اس کو نورانی اور روشن کرنے کے لئے نزول کرنا بڑا عظیم الشان امر ہے اس نقطہ کے مقابل نقطہ اسلام ہے جس کی طرف اس نزول ظلمانی کے بعد عروج واقع ہوتا ہے اس ظلمانی نقطہ کا چراغ روشن **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ** ہے۔ **وَالسَّلَامُ**

مکتوب ۴۷

دعا کے اسرار اور علماء و صلحاء کی تعریف میں سلطان وقت مدظلہ العالی کی طرف صادر

فرمایا ہے:-

کمترین دعا گو یاں احمد معلیٰ بارگاہ کے نوکروں اور بلند درگاہ کے خادموں کی خدمت اقدس میں بڑی عاجزی اور نیاز مندی ظاہر کرتا ہے اور اس امن و آرام کی نعمت کا شکر جو جناب کے غلاموں کی دولت و اقبال سے عوام و خواص کے شامل حال ہے بجالاتا ہے اور دعا کی قبولیت اور فقراء کی جمعیت کے وقتوں میں فحمد لشکر کے لئے فتح و نصرت کی دعا مانگتا ہے۔ کیونکہ۔ ع

ہر کسے برا بہر کار ساختہ

ترجمہ ع ہر کسی کو دے دیا ہے ایک کام

کے موافق کارخانہ خداوندی میں کوئی چیز عبث نہیں ہے وہ کام جو غزا اور جہاد کرنے والے لشکر پر موقوف ہے وہ دولت و سلطنت کی تائید اور تقویت ہے جس پر شریعت روشن کی ترقی منحصر ہے کیونکہ بزرگوں نے کہا ہے کہ الشُّرُوعُ تَحْتَ السُّبُفِ (شرع تلوار کے نیچے ہے) دعا کے لشکر پر بھی جو ارباب فقراء اور احباب بلا ہے یہی بڑا معتبر کام وابستہ ہے کیونکہ فتح و نصرت دو قسم کی ہے ایک وہ قسم ہے جس کو اسباب کے حوالہ کیا ہے اور وہ اس فتح و نصرت کی صورت ہے جو غزا کے لشکر سے تعلق رکھتی ہے دوسری قسم وہ ہے جو فتح و نصرت کی حقیقت ہے اور مسبب الاسباب کی طرف سے ہے آیت کریمہ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ (نہیں ہے مدد مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے) میں اسی نصرت کی طرف اشارہ ہے جو لشکر دعا سے تعلق رکھتی ہے پس لشکر دعا نے اپنی ذلت و انکسار کے باعث لشکر غزا سے سبقت کی اور سبب سے مسبب کی طرف دلالت فرمائی۔ ع

بردند شکستگان ازیں میدان گوے

ترجمہ ع لے گئے کمزور اس میدان سے گیند

نیز دعا قضا کو دور کر دیتی ہے۔ جیسے کہ مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے۔ لَا يَرُدُّ الْقَضَاءُ إِلَّا الدُّعَاءُ (سوائے دعا کے کوئی چیز قضا کو نہیں ٹالتی) تلوار اور جہاد میں یہ طاقت نہیں کہ قضا کو دور کر سکے پس لشکر دعا باوجود ضعف و عاجزی کے لشکر غزا سے زیادہ قوی ہے نیز لشکر دعا روح کی طرح ہے اور لشکر غزا جسم کی طرح پس لشکر غزا سے زیادہ قوی ہے پس لشکر غزا کے لئے لشکر دعا کا ہونا ضروری ہے کیونکہ جسم بغیر روح کے تائید و نصرت کے لائق نہیں ہوتا اسی واسطے علماء نے فرمایا ہے کہ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ يَسْتَفْتِحُ بِصَعَالِكِ الْمُهَاجِرِينَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ باوجود لشکر غزا اور لڑائی کرنے والوں کے غلبہ کے فقراء مہاجرین کے وسیلہ سے فتح و نصرت طلب کیا کرتے تھے پس فقراء جو دعا کا لشکر ہیں باوجود خواری اور زاری اور بے اعتباری کے اعتبار حاصل کرتے ہیں اور سب سے آگے قدم لیجاتے ہیں مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن شہیدوں کے خون کو علماء کی سیاہی کے ساتھ تولیں گے اور سیاہی والا پلہ غالب آئے گا سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ۔ یہی رو سیاہی ان کی عزت و سرخ روئی کا باعث ہو گئی اور ان کے مرتبہ کو پستی سے بلندی تک پہنچا دیا۔ ع

بتاریکی دروں آب حیات است

ترجمہ ع چھپا ظلمت میں آب زندگی ہے

کوئی شاعر کہتا ہے۔ بیت

غلام خود شتم خواند لاله رخسارے سیاہ روئی من کرد عاقبت کارے

ترجمہ بیت

میرے حبیب نے مجھ کو بنایا اپنا غلام سیاہ روئی نے میرا بنادیا کیا کام
یہ کمترین اگرچہ اس لائق نہیں کہ اپنے آپ کو لشکر دعا کے شمار میں داخل کرے لیکن تاہم صرف
فقیر کے نام اور دعا کی قبولیت کے احتمال پر اپنے آپ کو دولت قاہرہ کی دعا سے خالی نہیں رکھتا اور حال
و قال کی زبان سے سلامتی کی دعا و فاتحہ سے تر زبان رہتا ہے۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ
(یا اللہ تو قبول کر تو سننے اور جاننے والا ہے)

مکتوب ۴۸

حق تعالیٰ کے اقربیت کے مجید اور اس بیان میں کہ کنہ ذات کا انکشاف علم حضوری سے ہے۔
مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید مدظلہ العالی کی طرف صادر فرمایا ہے:-

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَى (اللہ تعالیٰ کی حمد
ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) حق تعالیٰ کی اقربیت کا معاملہ علم حضوری پر وابستہ ہے جو
معلوم کے اصل سے تعلق رکھتا ہے نہ کہ معلوم کے ظلال میں سے کسی ظل اور اس کی صورتوں میں سے
کسی صورت کے ساتھ کہ یہ علم حضوری کا نصیب ہے پس علم حصولی در حقیقت نفس شے کا علم نہیں
ہو تا بلکہ اس شے کی صورتوں میں سے کسی صورت کا علم ہوتا ہے اور اس میں نفس شے کی نسبت جہل
ثابت ہوتا ہے۔ سبحان اللہ۔ شے کی نسبت جہل اور عدم علم یا شے کے ظل و صورت کے علم کو اس شے
کا علم کہتے ہیں۔ اگر شے کی صورت اور ظل کو اس شے کا عین تصور کر کے شے کی صورت کے علم کو اس
شے کا علم جانتے ہیں تو یہ ممنوع ہے اور عینیت کا دعویٰ سننے کے لائق نہیں کیونکہ شے اور صورت شے
ایک دوسرے کے ساتھ دوئی کی نسبت رکھتی ہیں اور جہاں دوئی کی نسبت ثابت ہے وہاں تغایر یعنی
ایک دوسرے کا غیر ہونا لازم آتا ہے۔ الْاِثْنَانِ مُتَغَايِرَانِ (دو چیزیں ایک دوسرے کی غیر ہوتی ہیں)
معقول والوں کا مقررہ قضیہ ہے۔ نیز صورت شے کے علم سے اس شے کا کماحقہ علم کس طرح لازم آتا
ہے۔ جبکہ صورت شے ایک ظاہری تصویر اور تمثال ہے۔ جو آئینہ کے احکام سے ملتبس ہو کر ظاہر ہوئی
ہے اور اس شے کے بہت سے دقائق اور اسرار ہیں۔ جن کا اس صورت میں نام و نشان نہیں۔ بیت
گر مصور صورت آں دلستاں خواہد کشید حیرتے دارم کہ نازش راجھاں خواہد کشید

ترجمہ۔ بیت

میرے دلدار کی صورت مصور گرا تار یگا تو حیراں ہوں کہ اس کے ناز کو کیونکر اتار یگا

کاش کہ شے کا ظاہر اپنی صرافت سے یعنی ہو بہو اور بعینہ شے کی صورت میں ظاہر ہوتا اور باطن موقوف رہتا۔ جب شے کا ظاہر محل اور آئینہ کے رنگ سے متلبس ہو کر شے کی صورت میں ظہور پاتا ہے تو یقیناً ہے کہ شے کا ظاہر اپنی صرافت پر نہیں رہتا بلکہ دوسری ہیئت پیدا کر لیتا ہے پس صورت جس طرح شے کے باطن سے محروم ہے اسی طرح شے کے ظاہر سے بھی محروم ہے اس سے ثابت ہوا کہ اس صورت کا علم نفس شے کے علم کو مستلزم نہیں حاصل کلام یہ کہ معلوم در حقیقت وہ ہے جو ذہن میں موجود ہو اور جب ذہن میں صورت موجود ہے تو معلوم بھی وہی صورت ہوگی جب صورت کو شے کے ساتھ تغائر کی نسبت پیدا ہو گئی تو صورت کا علم نفس شے کے علم کو مستلزم نہ ہو گا وہ علم حضوری ہی ہے جہاں نفس شے مدرکہ میں حاضر ہے اور کوئی ظل و صورت درمیان میں خلل انداز نہیں پس اس علم میں معلوم نفس شے ہو گا نہ اس شے کی صورتوں میں سے کوئی صورت پس علم حضوری اشرف ہے بلکہ علم ہی یہی ہے علم حضوری کے سوا جو علم حصولی ہے وہ سراسر جہل ہے جو علم کی صورت میں ظاہر ہوا ہے یہ جہل مرکب ہے کہ اپنے جہل کو علم جانتے ہیں اور نہیں جانتے کہ کچھ نہیں جانتے پس علم حصولی کو حق تعالیٰ کی ذات و صفات کی طرف کوئی راہ نہیں۔ اور اس علم کے ساتھ حق تعالیٰ کی ذات و صفات معلوم نہیں ہوتیں کیونکہ یہ علم در حقیقت معلوم کی صورت کا علم ہے نہ کہ نفس معلوم کا جیسے کہ گزر چکا ہے صورت کو اس بارگاہ جلشانہ کی طرف کوئی راستہ نہیں تاکہ صورت کے علم کو صورت کے اصل کا علم کہا جائے اگرچہ بعض نے کہا ہے کہ حق تعالیٰ کے لئے مثل نہیں لیکن مثال ہے لیکن یہ صورت مثالی اگر ثابت بھی ہو جائے تو ذہنی صورت کے سوا ہے جو علم سے تعلق رکھتی ہے ہو سکتا ہے کہ عالم مثال میں جو مخلوقات میں سے بہت وسیع ہے صورت موجود ہو اور ذہن میں ثابت نہ ہو حدیث قدسی لَا یَسْعٰی اَرْضٰی وَلَا سَمَآئٰی وَ لٰکِنْ یَسْعٰی قَلْبُ عَبْدِ الْمُؤْمِنِ (میں اپنی زمین و آسمان میں نہیں ساسکتا لیکن مومن آدمی کے دل میں ساسکتا ہوں) اس بندہ مومن کے قلب کے ساتھ مخصوص ہے۔ جس کا معاملہ تمام لوگوں سے جدا ہے کیونکہ وہ فناء و بقاء سے مشرف ہوا ہے اور حصول سے آزاد ہو کر حضور سے ملا ہوا ہے وہاں یعنی قلب مومن میں اگر گنجائش ہے تو حضور کے اعتبار سے ہے نہ کہ حصول کے اعتبار سے۔ ع

در کدام آئینہ در آید او

کسی آئینہ میں آتا نہیں وہ

ترجمہ ع

جاننا چاہئے کہ علم حضوری میں عالم و معلوم کا اتحاد ہے اس علم کا عالم سے دور ہونا جائز نہیں کیونکہ معلوم اس کا اپنا نفس ہے جو اس سے الگ نہیں ہے بلکہ وہاں علم بھی عین عالم اور عین معلوم ہے پھر کس

طرح جدا ہو سکتا ہے جاننا چاہئے کہ جب علم حضوری میں معلوم نفس شے ہے نہ اس کی صورت تو معلوم وہاں جیسا کہ ہے منکشف ہوتا ہے اور کما حقہ علم میں آجاتا ہے اور اس کی کنہ و حقیقت معلوم ہو جاتی ہے کیونکہ کنہ شے نفس شے سے مراد ہے جب تمام قسم کے اعتبارات ساقط ہو گئے اور نفس ذات رہ گئی جو مد رکہ میں حاضر ہے تو اس کی کنہ معلوم ہو گئی برخلاف علم حصولی کے کہ وہاں معلوم شے کے کئی وجوہ اور اعتبارات ہیں جو صورتیں اور شے ہیں نہ کہ نفس شے۔ جیسے کہ گزر چکا۔ پس معلوم اس علم میں شے کی کنہ نہ ہو گی اور شے کی کنہ معلوم نہ ہو گی۔ حاصل کلام یہ کہ علم حصولی میں شے کا انکشاف بھی ہے اور ادراک بھی اور علم حضوری میں صرف شے کا انکشاف ہے اور ادراک نہیں۔ یعنی معلوم کی کنہ معلوم و منکشف ہو جاتی ہے۔ لیکن ادراک میں نہیں آسکتی۔ پوشیدہ نہ رہے کہ جب حق تعالیٰ کی ذات کی نسبت علم حضوری ثابت ہو گیا۔ جیسے کہ گزر چکا۔ تو اس سے لازم آتا ہے کہ حق تعالیٰ کی ذات کی کنہ منکشف ہو جائے اور واجب تعالیٰ کی ذات کما حقہ معلوم ہو جائے اور یہ بات علماء کے مقررہ اصول کے برخلاف ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ علم حضوری جس کا تعلق واجب تعالیٰ کی ذات کے ساتھ ہے۔ اس رویت کی طرح ہے جو واجب تعالیٰ کی نسبت ثابت کرتے ہیں۔ جہاں صرف انکشاف ہے اور ادراک مفقود۔ یہاں بھی یعنی اس علم حضوری میں انکشاف ہے اور ادراک مفقود ہے۔ جب رویت حق تعالیٰ کی ذات کے ساتھ تعلق حاصل کرتی ہے۔ تو علم کیوں تعلق پیدا نہ کرے۔ جو رویت سے زیادہ لطیف ہے محذور اور اعتراض ادراک میں ہے۔ جس سے احاطہ لازم آتا ہے۔ نہ کہ انکشاف میں۔ حق تعالیٰ نے لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ فرمایا ہے۔ لَا تَرَاهُ الْأَبْصَارُ نہیں فرمایا۔

سوال:- جب ادراک حاصل نہ ہو۔ تو انکشاف کس کام آئے گا؟

جواب:- انکشاف سے مقصود یہ ہے کہ دیکھنے والے کو لذت حاصل ہو۔ جو اس کو حاصل ہے۔

ادراک ہو یا نہ ہو۔

سوال:- ادراک کے بغیر انکشاف سے کس طرح لذت حاصل ہو سکتی ہے؟

جواب:- لذت کے پانے میں انکشاف کا علم کافی ہے۔ ادراک ہو یا نہ ہو۔ یا یوں سمجھنا چاہئے کہ ادراک بھی اس مقام میں حاصل ہے۔ لیکن اس کی کیفیت معلوم نہیں۔ ادراک جو اس کے منافی ہے وہ وہی ہے۔ جس کی کیفیت علم میں آجائے اور معلوم کا احاطہ کر لے۔ وَلَا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا (نہیں احاطہ کر سکتے اس کا از روئے علم کے) نص قاطع ہے جو علم حصولی کے مناسب ہے۔ اگر ادراک علم حضوری میں نہ ہوتا تو علم حصولی میں کہاں سے آتا؟ کیونکہ جو کچھ ظل میں ہے۔ سب کچھ مرتبہ اصل سے حاصل ہوا ہے۔ لیکن ادراک اصل میں مجہول الکفایت ہے اور ظل میں معلوم الکفایت۔

مکتوب ۴۹

اس بیان میں کہ وہ علم حضوری جو عارف کو اپنے آپ سے ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ کے ساتھ تعلق پکڑتا ہے۔ جناب حضرت میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا ہے:-

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) جب حق تعالیٰ کی قربت کا معاملہ عارف تام المعرفت پر ظاہر ہوتا ہے اور اس بلند مقام پر ترقی کرتا ہے۔ تو نفس اس کے حق میں آفاق کا حکم پیدا کرتا ہے اور اس کا علم حضوری علم حصولی سے بدل جاتا ہے۔ اس وقت حق تعالیٰ کی اقربت نفس کا حکم پیدا کر لیتی ہے اور وہ علم حضوری جو پہلے نفس سے تعلق رکھتا تھا اسی اقربت سے تعلق پیدا کر لیتا ہے۔ نہ اس طرح پر کہ اپنے آپ کو عین واجب تعالیٰ جانتا ہے اور وہ علم جو اس کے اپنے نفس کے متعلق ہے۔ بعینہ واجب تعالیٰ کے متعلق خیال کرتا ہے کیونکہ یہ معاملہ توحید شہودی کا ہے اور مقامات قرب سے تعلق رکھتا ہے۔ جس کی نہایت اتحاد تک ہی ہے اقربت اور چیز ہے اور اس کا معاملہ بھی اور ہی ہے۔ اس اتحاد سے گزر کر اثنیث یعنی دوئی میں آنا پڑتا ہے۔ پھر اقربت متصور ہوتی ہے۔ کوئی بے سمجھ شخص دوئی کے لفظ سے شک و شبہ میں نہ پڑ جائے اور اتحاد کو اس سے بڑھ کر نہ جانے۔ کیونکہ وہ دوئی جو اتحاد سے کمتر ہے۔ وہ عوام کا لالعام کا مقام ہے اور یہ دوئی جو اتحاد پر ہزار ہا درجہ زیادتی رکھتی ہے۔ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا مقام ہے۔ جس طرح کہ وہ صحو جو سکر سے پہلے ہے۔ عوام کا حال ہے اور وہ صحو جو سکر کے بعد ہے۔ خواص بلکہ اخص خواص کا مقام ہے۔ یا جس طرح کہ وہ اسلام جو کفر طریقت سے پہلے ہے۔ عام مسلمانوں کا اسلام ہے اور وہ اسلام جو کفر طریقت کے بعد ہے اخص الخواص کا اسلام ہے۔ عجب معاملہ ہے۔ اگرچہ عارف اپنے آپ کو واجب تعالیٰ نہیں جانتا لیکن وہ علم حضوری جو عارف کے اپنے نفس سے تعلق رکھتا تھا۔ واجب تعالیٰ کے ساتھ تعلق پیدا کر لیتا ہے اور عارف کے اپنے نفس کا علم جو حضوری تھا۔ علم حصولی ہو جاتا ہے۔ ع

در عشق چیں بو العجیبا باشند

ترجمہ ع عشق میں ہوتی ہیں ایسی ہی بہت باتیں عجب

عقل عقیل اس دقیقہ کو نہیں پاسکتی۔ بلکہ جمیع ضدین کی طرف راجع کرتی ہے۔ ایک عارف کہتا ہے۔ عَرَفْتُ رَبِّیْ بِجَمْعِ الْأَضْدَادِ (میں نے رب کو اضداد کے جمع ہونے سے پہچانا) رَبَّنَا آتِنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً وَهِيَ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا رَشَدًا (یا اللہ تو اپنے پاس سے ہم پر رحمت نازل فرما اور ہمارے کام سے بھلائی ہمارے نصیب کر) وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اتَّبَعَ الْهُدٰی (سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی)

مکتوب ۴۷

علماء راسخین اور علماء ظاہر کے اس استدلال کے فرق میں جو اثر سے مؤثر پر کرتے ہیں۔ قاضی نصر اللہ کی طرف صادر فرمایا ہے:-

اثر سے مؤثر پر اور مخلوق سے خالق پر استدلال کرنا علماء ظاہر کا بھی کام ہے اور علماء راسخین کا بھی جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے کامل وارث ہیں۔ علماء ظاہر وجود مخلوق کے علم سے وجود خالق کا علم پیدا کرتے ہیں اور اثر کے وجود کو مؤثر کے وجود پر دلیل بنا کر مؤثر کے وجود کا ایمان و یقین حاصل کرتے ہیں اور علماء راسخین بھی جو کمالات ولایت کے درجات کو قطع کر کے مقام دعوت میں جو دراصل انبیاء کا خاصہ ہے۔ پہنچ جاتے ہیں۔ تجلیات و مشاہدات کے حاصل ہونے کے بعد اثر سے مؤثر پر استدلال کرتے ہیں اور اس طریق سے بھی مؤثر حقیقی کا ایمان حاصل کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ آخر کار جان لیتے ہیں۔ کہ پہلے جو کچھ اور جلوہ گر ہوا تھا۔ وہ مطلوب کے ظلال میں سے ایک ظل تھا جو نفی کے لائق ہے اور عدم ایمان کا مستحق ہے اور یقین کر لیتے ہیں۔ کہ اس مقام استدلال کے بغیر بیچون کا ایمان میسر نہیں ہوتا۔ اس لئے استدلال کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور مطلوب کو ظلال کے پردوں کے بغیر طلب کرتے ہیں۔ یہ بزرگوار چونکہ حق تعالیٰ کی پاک بارگاہ کے ساتھ محبت کا رشتہ قوی رکھتے ہیں اور ماسویٰ کو محبوب حقیقی کی محبت پر فدا کر چکے ہیں۔ اس لئے اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ (آدمی اسی کے ساتھ ہے جس سے اس کو محبت ہے) کے بموجب استدلال کے رستہ سے محبوب حقیقی تک پہنچ جاتے ہیں اور تجلیات و ظہورات کے تنگ کوچہ سے جو ظلال سے ملے ہوتے ہیں۔ آزاد ہو کر اصل الاصل کے ساتھ جا ملتے ہیں اور اس مقام میں کہ جہاں علماء ظاہر کا علم پہنچتا ہے یہ بزرگوار محبت کی کشش سے کشاں کشاں خود پہنچ جاتے ہیں اور بیچونی اتصال پیدا کر لیتے ہیں۔ یہ فرق محبت و عدم محبت کے باعث ہے۔ کیونکہ محبت اپنے محبوب کے غیر سے تعلق توڑ کر اپنے محبوب سے ملا ہوا ہوتا ہے اور جس میں یہ محبت نہیں ہوتی وہ علم پر کفایت کرتا ہے اور اسی کو غنیمت جانتا ہے۔ بلکہ جس جگہ یہ بزرگوار خود پہنچ جاتے ہیں۔ وہاں علماء ظاہر کا علم بھی نہیں پہنچ سکتا۔ علم بشرط صحت مطلوب کی دہلیز تک ہی ہوتا ہے اور وہ جو مطلوب سے واصل ہے۔ مطلوب کے ساتھ ہوتا ہے اور معیت کا کوئی دقیقہ باقی نہیں رہتا۔ جو اس کو نصیب نہیں ہوتا۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں:- ع

بندہ باحق ہجو شیر و شکر است

ترجمہ شیر و شکر کی طرح بندہ ملا ہے حق کے ساتھ

وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْأَعْلٰی (مثال اعلیٰ اللہ تعالیٰ کے لئے ہے) بندہ بننا چاہئے ماسوائے کی بندگی سے آزاد ہونا

چاہئے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْمَوْفِقُ (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو)

مکتوب ۵۱

تصدیق قلبی اور یقین قلبی کے درمیان فرق کے بیان میں ملائیر محمد لاہوری کی طرف صادر فرمایا ہے:-

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو)

سوال:- بعض محققین متکلمین نے جو مُؤْمِن بہ (یعنی جس کے ساتھ ایمان لایا جاوے) بہ کے ساتھ دل کے گرویدہ ہونے کو ایمان کی حقیقت کہا ہے۔ اس کے کیا معنی ہیں؟ اور گرویدن سے مراد مُؤْمِن بہ دل کی نفس تصدیق و یقین ہے یا مصدق بہ کے ساتھ دل کی نفس تصدیق و یقین کے سوا کوئی اور زائد امر بھی ہے؟

جواب:- دل کا گرویدہ ہونا دل کے یقین کے ماسوا ہے۔ اگرچہ تصدیق کے ماوراء نہیں۔ لیکن اسی یقین پر متفرع ہے یقین حاصل ہونے کے بعد دل دو حال سے خالی نہیں ہوتا۔ یا مُؤْمِن بہ کی تسلیم اور اس کی فرمانبرداری ہوگی۔ یا اس کا انکار و جحود ہوگا۔ تسلیم و انقیاد کی علامت یہ ہے کہ مُؤْمِن بہ کے ساتھ دل راضی ہو جاتا ہے اور سینہ کھل جاتا ہے اور جحود و انکار کی علامت مصدق بہ کے ساتھ دل کی کراہت اور سینہ کی تنگی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ مَنْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّهْدِيْهِ يُمْشِرْ صَدْرَهُ لِلْاِسْلَامِ وَمَنْ يُرِدْ اَنْ يُضِلَّهُ يَجْعَلْ صَدْرَهُ ضَيِّقًا حَرَجًا كَانَمَا يَصْعَدُ فِي السَّمَاءِ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرُّجْسَ عَلٰی الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ (جس شخص کو خدا تعالیٰ ہدایت دینا چاہتا ہے اس کے سینے کو کھول دیتا ہے اور جس کو گمراہ کرنا چاہتا ہے۔ اس کے سینے کو اسلام کے لئے تنگ کر دیتا ہے۔ گویا کہ وہ آسمان میں چڑھتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر پلیدی ڈالتا ہے جو ایمان نہیں لاتے) مُؤْمِن بہ کے ساتھ تصدیق و یقین کے حاصل ہونے کے بعد دل کو مُؤْمِن بہ کے ساتھ تسلیم و انقیاد کا حاصل ہونا محض حق تعالیٰ کی بخشش اور اس کے لامتناہی کرم پر موقوف ہے اسی واسطے ایمان کو اللہ تعالیٰ کی بخشش کہتے ہیں اور مُصْذَق بہ کے ساتھ تصدیق و یقین کے حاصل ہونے کے بعد جحود و انکار کا باعث نفس امارہ کی ردی صنعتوں کا راسخ اور مضبوط ہونا ہے۔ جو حب جاہ اور بلندی اور ریاست پر پیدا ہوا ہے اور دوسرے کی متابعت اور تقلید کو قبول نہ کرنے پر مخلوق ہے اور چاہتا ہے کہ سب اس کی تصدیق اور اس کی تابعداری کریں اور وہ خود کسی کی تقلید و متابعت اور تسلیم و انقیاد نہ کرے۔ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ (اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا۔ لیکن وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے) اللہ تعالیٰ نے بعض کو محض اپنے

فضل و کرم سے اس پیدائشی مرض سے نکال کر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی (جو سیدھے راستہ کی ہدایت کرنے والے ہیں) تسلیم و انقیاد سے مشرف فرمایا اور ہمیشہ کے لئے جنت کا وعدہ دیا۔ جو اسکی رضا کا گھر ہے اور بعض کو اپنے طور پر چھوڑ دیا اور جبراً و قہراً یعنی زبردستی ان کو ان طبعی زرائع سے نہ نکالا اور اس دولت کی طرف ہدایت نہ دی۔ لیکن انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بھیج کر اور کتابوں کو نازل کر کے صراطِ مستقیم کو بیان کر دیا ہے اور مصدق و مکذّب اور عاصی و مطیع کو بڑے مبالغہ کے ساتھ خوشخبری اور خوف دلایا ہے اور فریقین پر حجت کو درست کر دیا ہے۔

مکتوب ۵۲

قلب و نفس کے فناء اور علم حصولی اور حضوری کے زوال میں فقیر محمد ہاشم کشمیری
طرف صادر فرمایا ہے:-

فناء ماسوائے حق کے نسیان سے مراد ہے اور ماسوی دو قسم پر ہے۔ ایک آفاق دوسرے انفس۔ آفاق کا نسیان یہ ہے کہ آفاق کا علم حصولی نہ رہے اور انفس کا نسیان یہ ہے کہ انفس کا علم حضوری زائل ہو جائے۔ کیونکہ علم حصولی آفاق کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اور علم حضوری انفس کے ساتھ اشیاء کے علم حصولی کا مطلق طور پر زائل ہونا بھی اگرچہ مشکل ہے۔ کیونکہ اولیاء کا نصیب ہے۔ لیکن علم حضوری کا مطلق طور پر دور ہونا بہت ہی مشکل ہے اور اولیاء میں سے کاملین کا حصہ ہے عجب نہیں کہ اکثر عقلمند اس کی تجویز بلکہ تصور کو محال جانیں اور مدرک یعنی عالم پر مدرک یعنی معلوم کے حاضر نہ ہونے کو سفسط یعنی خواب و خیال سمجھیں۔ کیونکہ انکے نزدیک نفس شے پر شے کا حضور ضروری ہے۔ پس جب ان کے نزدیک علم حضوری کا ایک لمحہ کے لئے بھی زائل ہونا جائز نہیں۔ تو پھر اس علم کا مطلق طور پر اس طرح زائل ہونا کہ پھر کبھی اعادہ نہ کرے۔ کس طرح جائز ہو گا۔ پہلا نسیان جو علم حصولی کی نسبت ہے فناء قلب سے تعلق رکھتا ہے اور دوسرا نسیان جو علم حضوری کی نسبت ہے فناء نفس کا متکلم ہے۔ جو اتم و اکمل ہے۔ فناء کی حقیقت اسی مقام میں ہے اور پہلی فناء اس فناء کی صورت کی طرح ہے اور اسکے ظل کی مانند ہے۔ کیونکہ علم حصولی درحقیقت علم حضوری کا ظل ہے۔ اس لئے علم حضوری کی فناء کلی ظل ہوگی۔ اس فناء کے حاصل ہونے سے نفس مقام اطمینان میں آجاتا ہے اور حق تعالیٰ سے راضی و مرضی ہو جاتا ہے اور بقاء و رجوع کے بعد تکمیل و ارشاد کا معاملہ اس کے متعلق ہوتا ہے اور عناصر اربعہ جو بدن کے ارکان ہیں اور ان میں سے کوئی کسی امر کا تقاضا کرتا ہے اور کسی شے کو چاہتا ہے ان کی مختلف طبیعتوں کے ساتھ اس کو جہاد غرا حاصل ہو جاتا ہے۔ یہ دولت بدن کے لطائف میں سے نفس کے سوا کسی کو بھی حاصل نہیں۔ یہی ہے جو ابلیس کی انانیت کو جو عنصر آتش سے پیدا ہے سیاست و حکومت سے درست

کرتا ہے اور قوت شہویہ اور غضبیہ اور تمام برے اوصاف کو جن میں تمام چار پائے اور حیوانات شریک ہیں۔ حسن تربیت کے ساتھ اعتدال پر لاتا ہے۔ سبحان اللہ وہی لطیفہ جو تمام لطائف میں بدتر ہوتا ہے۔ سب سے بہتر ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے خَيْرُكُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خَيْرُكُمْ فِي الْإِسْلَامِ إِذَا فَفَهُوا (جو جاہلیت میں تم میں سے بہتر تھے وہ اسلام میں بھی تم میں سے بہتر ہیں۔ جب سمجھ لیں)

تنبیہ:- قلب سے ماسوی کے نسیان کی علامت یہ ہے۔ کہ قلب میں ماسوا کا گذر نہ رہے۔ یہاں تک کہ اگر قلب کو تکلف کے ساتھ بھی ماسوا یاد دلائیں۔ تو بھی اسکو یاد نہ آئے بلکہ اس کو قبول نہ کرے۔ اور نفس عالم کے علم حضوری کے زائل ہونے کی علامت یہ ہے کہ عالم بالکل متغی معلوم ہو جائے اور اس کا کوئی عین و اثر نہ رہے۔ تاکہ اس سے علم و معلوم کا زائل ہونا متصور ہو۔ کیونکہ علم و معلوم اس مقام میں نفس عالم ہی ہے۔ جب تک نفس عالم زائل نہ ہو۔ علم و معلوم متغی نہیں ہوتے۔ پہلی فناء فناء آفاق ہے اور دوسری فناء فناء نفس جو فناء کی حقیقت ہے۔

مکتوب ۵۳

وجودی اور شہودی طور پر عین اور اثر کے زائل ہونے کے بیان میں مخدوم زادہ

خواجہ محمد معصوم مدظلہ کی طرف صادر فرمایا ہے:-

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ هَلْ أَتَى عَلَى الْإِنْسَانِ حِينٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُورًا (کیا انسان پر وہ وقت نہیں آیا کہ جب کچھ بھی مذکور نہ تھا) ہاں اے میرے رب! بیشک انسان پر ایک ایسا وقت تھا۔ کہ یہ کچھ بھی نہ تھا۔ نہ اس کا عین تھا نہ اثر، نہ اس کا شہود تھا نہ وجود۔ پھر جب تو نے چاہا اس کو تو نے اپنی زندگی سے زندہ اور اپنی بقا سے باقی اور اپنے اخلاق سے مخلق کیا۔ بلکہ تیرے ہی فضل سے عین فنا میں تیرے ساتھ باقی اور عین بقا میں تجھ میں فانی ہوا کیونکہ ایک دوسرے وجود کے سبب اس کے لئے یہ فنا و بقا لازم ہیں اور ان دونوں میں سے ہر ایک کے کمال کا حاصل کرنا واجب ہے۔ اس کی مثال اس انسان کی سی ہے۔ جس کو نمک کی کان میں ڈال دیں اور وہ آہستہ آہستہ نمک کا رنگ پکڑتے پکڑتے سب نمک ہی بن جائے اور اس کا کچھ عین یا اثر باقی نہ رہے۔ تب اس کا قتل کرنا اور توڑنا مباح ہے اور اس کا کھانا اور اس کی خرید و فروخت کرنا حلال ہے اور اگر اس کا کچھ عین یا اثر باقی رہتا۔ تو یہ باتیں جائز نہ ہوتیں۔ کسی نے کیا اچھا کہا ہے۔ بیت

سگے کاندہ نمک زار او فند گم گردد اندر دیے
من ایں دریائے پر شور او نمک کمتر نمید انم

ترجمہ بیت

پڑے کتا نمک میں گر نمک بن جائے وہ یکسر مرے نزدیک یہ دریا نمک سے کچھ نہیں کمتر
اگر کوئی سوال کرے تو نے اپنے مکتوبوں اور رسالوں میں لکھا ہے۔ کہ عین و اثر کا زائل ہونا صرف شہودی
طور پر ہے۔ نہ کہ وجودی طور پر۔ کیونکہ اس سے الحاد و زندقہ اور عبودیت اور ربوبیت کے درمیان دوئی کا
دور ہونا لازم آتا ہے۔ تو پھر یہاں وجودی طور پر عین و اثر کے زائل ہونے کے کیا معنی ہیں۔ تو میں اس
کے جواب میں کہتا ہوں کہ دونوں چیزوں میں سے کسی ایک کا اس طرح پر رنکا جانا کہ ان میں سے ایک
چیز اپنے احکام سے خالی ہو کر دوسری چیز کے احکام میں رنگی جائے۔ ان دونوں چیزوں سے دوئی کے دور
ہونے کا موجب نہیں۔ تاکہ الحاد و زندقہ ہو۔ کیونکہ انسان جو نمک کی کان میں ڈالا جائے۔ وہ نمک کے
ساتھ متحد نہیں ہوتا اور نہ اس کی دوئی دور ہوتی ہے۔ بلکہ اس کو نمک کے قرب اور غلبہ کے باعث اپنے
نفس و صفات سے فنا حاصل ہو جاتی ہے اور نمک اور اس کے احکام کے ساتھ بقا پالیتا ہے اور دوئی بھی
درمیان میں باقی رہتی ہے۔ حاصل کلام یہ ہے۔ کہ یہ دوئی اس دوئی کی مانند ہے۔ جو غل کی اصل کے
ساتھ ہوتی ہے۔ جس کو کچھ استقلال نہیں۔ لیکن عوام کی نظر میں اس زائل ہو جانے والی دوئی کے لئے
ایک قسم کا استقلال نظر آتا ہے۔ جس کے سبب دوئی باقی رہتی ہے اور اس میں کوئی الحاد و زندقہ نہیں اور
میں نے جو کتابوں اور رسالوں میں وجودی زوال سے منع کیا ہے۔ وہ عوام کے قصور فہم پر محمول ہے۔
کیونکہ عوام اس سے دوئی کا دور ہونا سمجھ لیتے ہیں اور الحاد و زندقہ میں پڑ جاتے ہیں۔ تَعَالٰی اللہ عَمَّا
يَقُولُ الظَّالِمُونَ غُلُوًّا كَبِيرًا (اللہ تعالیٰ اس سے برتر ہے جو ظالم کہتے ہیں) باقی رہا وہ شج جو حکمی طور پر
نمک ہو جانے کے بعد اس انسان سے باقی رہا ہے۔ وہ درحقیقت نمک کی صورت ہے۔ جس نے اپنے
سنگ سے اس انسان کو رنگ دیا ہے۔ نہ کہ انسان کی صورت ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ اس نمک حکمی کو اس
انسان کی شج پر قیاس کریں اور اس کی صورت پر تصور کریں۔ نہ یہ کہ انسان کا شج باقی ہے۔ جس کے
سبب اس کا اثر ابھی باقی ہے۔

تنبیہ :- یہ نمکی شج یعنی نمک کے رنگ میں رنگی ہوئی صورت کو صورت انسان کے مقیاس پر قیاس
کیا گیا ہے۔ اس کا زائل ہونا ممکن بلکہ واقع ہے۔ لیکن جس کا ہم ذکر کر رہے ہیں۔ وہ ایسا نہیں ہے فَلِلّٰهِ
الْمَثَلُ الْاَعْلٰی (مثال اعلیٰ اللہ تعالیٰ کے لئے ہے) حق تعالیٰ کسی شے کے ساتھ متحد نہیں ہوتا اور نہ کوئی
شے اس کے ساتھ متحد ہوتی ہے نہ وہ اشیاء کے ساتھ متصل ہے۔ نہ منفصل اور نہ اشیاء اس کے ساتھ
متصل ہیں نہ اس سے منفصل فَسُبْحَانَ مَنْ لَا يَنْتَعِبُ بِذَاتِهِ وَلَا بِصِفَاتِهِ وَلَا بِاَسْمَائِهِ بِحُدُوثِ
الْاَنْحَوَانِ (پاک ہے وہ مالک جو موجودات کے حدوث سے اپنی ذات و صفات و افعال و اسماء میں متغیر نہیں

ہوتا) اللہ تعالیٰ اب بھی اسی طرح اپنی خالص تنزیہ و تقدیس پر ہے جس طرح کہ پہلے تھا حق تعالیٰ عالم کے قریب اور اس کے ساتھ ہے۔ اس قرب و معیت کے ساتھ جن کی کیفیت معلوم نہیں۔ یہ قرب ایسا نہیں جیسے جسم کو جسم کے ساتھ یا جسم کو عرض کے ساتھ ہوتا ہے۔ غرض امکان کی تمام صفتیں اور حدوث کے تمام نشانات حق تعالیٰ کی پاک جناب سے منسوب ہیں۔ اولیاء کے عروج سے بندوں کے ساتھ اس کا قرب زیادہ نہیں ہوتا اور اصفیاء کے وصول سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اتصال حاصل نہیں ہوتا۔ فناء و بقاء عادتوں کے احوال ہیں۔ جو معقولیوں کی سمجھ سے برتر ہیں اور عین و اثر کے زائل ہونے کا مطلب سوائے اس شخص کے کہ جس کو یہ فنا و بقاء زوال حاصل ہو۔ دوسرا نہیں سمجھ سکتا جیسے کہ ابھی اس کی تحقیق کی جائے گی ان بزرگواروں کے کلام کو حسن ظن اور قبولیت سے سننا چاہئے اور اس کا مدلول ظاہری اور معنی مطالبی نہ سمجھنا چاہئیں کیونکہ اس میں اکثر اوقات اس قسم کی فاحش غلطی واقع ہوتی ہے۔ جس سے انسان خود بھی گمراہ ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتا ہے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْمُؤَقِّفُ لِلصَّوَابِ (اللہ تعالیٰ بہتری کی توفیق دینے والا ہے)

سوال:- اگر انسان کے عین اور اثر کا زائل ہونا جائز ہے۔ تو پھر قرآن مجید میں اور حدیث میں جو حضرت خاتم الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان میں وارد ہے۔ اس کا کیا جواب ہے قرآن مجید میں اس طرح آیا ہے۔ قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحٰی اِلَیَّ (میں بھی تمہاری طرح ایک انسان ہوں میری طرف وحی آتی ہے) یہ امر انسانیت کے اثر باقی رہنے کا نتیجہ ہے۔

جواب:- ایسا نہیں ہے اور نہ ہی اس میں کوئی بقاء اثر پر دلالت پائی جاتی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ جب انسان کامل فناء و بقاء کے بعد خلق کو حق تعالیٰ کی طرف دعوت کرنے کے لئے عالم کی طرف رجوع کرتا ہے۔ تو وہ صفات بشریت اور خصائص انسانی جو پہلے اس سے دور ہوئی ہوتی ہیں۔ مغلوب اور کمزور ہو کر پھر اس کی طرف رجوع کر آتی ہیں۔ تاکہ انسان کامل اور عالم کے درمیان وہ مناسبت جو پہلے زائل تھی۔ حاصل ہو جائے اور اللہ تعالیٰ اسی مناسبت کے ذریعے انسان کامل اور عالم کے درمیان افادہ اور استفادہ کا دروازہ کھول دیتا ہے۔ ان صفات بشری کے رجوع کرنے اور زوال کے بعد ان کے ملحق ہونے اور ملنے میں دوسری حکمت مکلفین کا ابتلاء و امتحان اور دعوت کرنے والوں کا برگزیدہ کرنا ہے۔ تاکہ پاک اور ناپاک اور سچے اور جھوٹے کے درمیان تمیز ہو اور ان صفات کے رجوع کرنے سے ایمان بالغیب جو پہلے مشتبہ اور پوشیدہ تھا حاصل ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنَاهُ رُجُلًا وَلَلْبَشَرِیْنَ عَلَیْهِمْ مَا یَلْبِسُوْنَ (اگر ہم اپنے رسول ﷺ کو فرشتہ بنا کر بھیجتے تو انسانی صورت میں ہی بھیجتے۔ پھر بھی یہ لوگ وہی شہ کرتے جواب کرتے ہیں)

سوال:- انسان کامل کے عین اور اثر کے زائل ہونے کے کیا معنی ہیں۔ حالانکہ اس کا ظاہر ہمیشہ صفات بشریت پر رہتا ہے۔ یعنی وہ کھاتا، پیتا، سوتا اور آرام لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شان میں فرماتا ہے۔ وَمَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا لَا يَأْكُلُونَ الطَّعَامَ (ہم نے ان کو ایسے جسم نہیں بنائے جو کھانا نہ کھائیں)

جواب:- فناء اور بقاء صفات باطنی میں سے ہیں۔ ظاہر کو ان سے کچھ تعلق نہیں۔ کیونکہ ظاہر ہمیشہ اپنے احکام پر رہتا ہے اور باطن کبھی ان احکام سے خالی ہو جاتا ہے اور کبھی ان کے ساتھ متلبس ہو جاتا ہے اور اگر کوئی کہے کہ باطن یا لطائف بہت سے ہیں۔ سب کے سب فناء و بقاء سے متحقق ہوتے ہیں۔ یا صرف ایک ہی اور وہ کونسا لطیفہ ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ لطیفہ جو اس فناء و بقاء کے ساتھ متحقق ہوتا ہے۔ لطیفہ نفس ہے۔ جو اصل میں انسان کی حقیقت ہے اور جس کی طرف قول انا کے ساتھ اشارہ کیا جاتا ہے۔ یہی پہلے نفس امارہ ہوتا ہے۔ پھر مطمئنہ ہو جاتا ہے۔ یہی پہلے خدا تعالیٰ کی دشمنی پر قائم ہوتا ہے اور یہی آخر کار راضیہ و مرضیہ بن جاتا ہے۔ یہی تمام بروں میں سے برا ہے اور یہی تمام نیکیوں میں سے نیک ہے۔ اس کا شر ابلیس کے شر سے بڑھ کر ہے اور اس کا خیر تمام تسبیح و تقدیس کرنے والوں یعنی فرشتوں کے خیر سے برتر ہے۔

تنبیہ:- فناء و زوال وجودی اور بقاء کے یہ معنی نہیں۔ کہ ممکن سے امکان بالکل زائل ہو جائے اور اس کو وجوب حاصل ہو جائے۔ کیونکہ یہ محال عقلی ہے اور اس کے قائل ہونے سے کفر لازم آتا ہے۔ بلکہ اس کے معنی امکانیت کے باقی رہنے کے باوجود خلع و لبس کے ہیں۔ (یعنی صفات بشریت سے نکلنا اور صفات الہی سے موصوف ہونا) جس طرح کہ معقول والوں نے بھی عناصر میں کون و فساد کے طریق پر اس کو ثابت کیا ہے۔ مگر انہوں نے نوعیہ صورت کے تغیر و تبدل کے باوجود دونوں حال یعنی کون و فساد میں عناصر کے ہیولے یعنی مادہ کا ثابت رہنا بحال رکھا ہے لیکن ہم ہیولے اور اس کے ثبوت کے قائل نہیں۔ بلکہ ہم کہتے ہیں۔ کہ فناء و بقاء قادر مختار جل شانہ کی طرف سے اعدام اور ایجاد ہے۔ حدیث میں آیا ہے۔ کہ لَنْ يَلْبَحَ مَلَكُوتَ السَّمَوَاتِ مَنْ لَمْ يُولَدْ مَرَّتَيْنِ (جو دو دفعہ پیدا نہ ہو وہ آسمانوں کے ملکوت میں داخل نہیں ہو سکتا) اس میں ولادت ثانیہ سے ایجاد ثانی کی طرف اشارہ ہے۔ جسے یہ بزرگوار صفات رذیلہ کے زائل ہونے اور اخلاق حمیدہ کے حاصل ہونے کے باعث مجاز اور تشبیہ کے طور پر بقاء باللہ کہتے ہیں۔ اس لئے کہ گویا مرتبہ وجوب کے صفات کے مشابہ ہے۔ میں نے کئی جگہ اس امر کی تحقیق کی ہے۔ کہ ممکن کی ذات عدم محض ہے۔ پھر اس کے زوال کے کیا معنی ہیں۔ کیونکہ ممکن تمام احوال میں خواہ فناء کا حال ہو یا بقاء کا حال اسی طرح ممکن ہے۔ جس طرح کہ ان دونوں کے نہ ہونے کی حالت میں تھا اور

واجب تعالیٰ استمراری اور دائمی طور پر واجب ہے۔ اس کی پاک بارگاہ کے ساتھ کوئی چیز نہیں مل سکتی اور نہ کوئی شے اس سے جدا ہو سکتی ہے۔ کسی نے کیا اچھا کہا ہے۔ بیت

سیاہ روئی ز ممکن در دو عالم جدا ہر گز نشد واللہ اعلم

ترجمہ بیت

سیاہ روئی نہ ممکن کی ہوئی دور وہ عالم میں رہا ویسا ہی بے نور پوشیدہ نہ رہے۔ کہ ممکن میں امکان کے باقی رہنے سے یہ مراد نہیں۔ کہ ممکن کا اثر اور اس کا ثبوت مراتب ثبوت کے کسی مرتبہ میں باقی رہتا ہے۔ کیونکہ یہ امر فناء اتم کے منافی ہے اور اس فنا کا فانی امانتوں کو امانت والوں کے حوالہ کر کے اور وجود اور اس کی توابع یعنی صفات کاملہ اور نعوت فاضلہ کے ظلال کو (جو اس میں منعکس ہوتے ہیں) ان کے اصل کی طرف واپس دے کر محض عدم کے ساتھ جو اپنی عدمیت میں کامل ہے۔ اس طرح مل جاتا ہے۔ کہ اس میں کسی شے کی طرف اضافت و نسبت نہیں پائی جاتی۔ نہ ہی اس کا کوئی نام و نشان باقی رہتا ہے۔ کیونکہ عدم میں اضافت کا وجود کچھ نہ کچھ ثبوت کی خبر دیتا ہے۔

مکتوب ۵۴

شرع روشن کی تابعداری کرنے اور دین کے دشمنوں کے ساتھ لڑائی کرنے کے

بارہ میں خان جہاں کی طرف صادر فرمایا ہے:-

حق تعالیٰ اپنے نبی اور ان کی آل بزرگ علیہ و علیہم الصلوٰۃ والسلام کے طفیل آپ کو اپنی مرضیات کی توفیق عطا فرما کر سلامت و عزت و احترام کے ساتھ رکھے۔ بیت

گوئے توفیق و سعادت در میان افگندہ اند

کس بمیدان درنے آید سواراں را چہ شد

ترجمہ بیت گیند توفیق و سعادت کا ہے میدان میں پڑا

کوئی میدان میں نہیں آتا سوار اب کیا ہوا

دنیا فانی کی لذتیں اور نعمتیں اس وقت گوارا اور حلال و تحلیل ہوتی ہیں۔ جب کہ ان کے ضمن میں شریعت روشن کے موافق عمل کیا جائے اور آخرت کے لئے ذخیرہ جمع کیا جائے۔ ورنہ اس زہر قاتل کی طرح ہیں۔ جن کو شکر میں لپیٹا ہوا ہو۔ جس پر بے وقوف اور نادان ہی فریب و دھوکا کھاتے ہیں۔ اگر حکیم مطلق جل شانہ کی تریاق سے اس کا علاج نہ کیا جائے اور شرعی اوامر و نواہی کی تلقین سے اس شیرینی کا تدارک نہ کیا جائے۔ تو سر اسر ہلاکت کا موجب ہے۔ شریعت کے موافق عمل کرنے سے جس

میں سراسر سہولت و آسانی ہے۔ تھوڑے سے تردد و کوشش کے ساتھ بڑی آسانی سے دائمی ملک ہاتھ آجاتا ہے اور تھوڑی سی غفلت اور سستی سے یہ جاودانی اور ہمیشہ کی دولت ہاتھ سے نکل جاتی ہے۔ عقل دور اندیش سے کام لینا چاہئے اور بچوں کی طرح جو زموئیز پر فریفتہ نہ ہونا چاہئے۔ یہی خدمت جو آپ اب کر رہے ہیں۔ اگر اس کو شریعت کی بجا آوری کے ساتھ جمع کر لیں تو گویا انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا سا کام کریں گے۔ جس سے دین منور و معمور ہو جائے گا۔ ہم فقیر اگر سالوں تک اس عمل میں جان سے کوشش کریں۔ تو بھی آپ جیسے بہادروں کی گرد تک نہیں پہنچ سکتے۔ بیت

گوئے توفیق و سعادت در میاں افگندہ اند کس بمیدان در نے آید سواراں راجہ نہ

ترجمہ بیت

گیند توفیق و سعادت کا ہے میدان میں پڑا کوئی میدان میں نہیں آتا سوار اب کیا ہوا
 اَللّٰهُمَّ وَفَقْنَا بِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی (یا اللہ تو ہم کو اس کام کی توفیق دے۔ جس کو تو چاہتا اور پسند کرتا ہے) باقی مطلب یہ ہے کہ رقیمہ ہذا کے لانے والے فضائل پناہ خواجہ محمد سعید اور خواجہ محمد شرف خاص یاروں میں سے ہیں۔ ان کے حال پر جس قدر مہربانی فرمائیں گے۔ فقیر کی احسان مندی کا باعث ہوگا۔ اَمْرُكُمْ اَعْلٰی وَشَانُكُمْ اَرْفَعُ (آپ کا امر اعلیٰ اور آپ کی شان بلند ہے)

مکتوب ۵۵

فقر سے غنا کی طرف رجوع کرنے کی برائی میں ممریز خاں افغان کی طرف صادر

فرمایا ہے:-

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) برادر م میاں ممریز خاں فقر کے تنگ کوچہ سے بھاگ کر دولت مندوں کی طرف التجا لے گئے ہیں اور ان کی لذتوں اور نعمتوں پر راضی ہو گئے ہیں۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ آپ نے اچھا نہیں کیا۔ اگر آپ دو لہندوں کی صحبت میں دنیا کی بہت ترقی کریں گے۔ تو ہزاری ہو جائیں گے اور مان سنگھ پنج ہزاری یا ہفت ہزاری تھا۔ اس سے زیادہ ترقی نہ کریں گے اور اگر بالفرض مان سنگھی مرتبہ پر بھی پہنچ جائیں۔ تو سو چنا چاہئے۔ کہ آپ کو کیا مل گیا اور کون سی بزرگی آپ نے حاصل کی۔ لقمہ نان فقر میں بھی مل جاتا تھا۔ اب اس سے زیادہ چرب لقمہ کھاتے ہوں گے اس طرح بھی گزر رہی تھی۔ اس طرح بھی گزر جائے گی۔ لیکن آپ کو خیال کرنا چاہئے کہ آپ کے ہاتھ سے کیا کچھ نکل گیا اور جب تک ہیں نکل رہا ہے اور دن بدن مفلس ہو رہے ہیں۔ الرّاضی بِالْبُضْرِ لَا یَسْتَحِقُّ الشَّفَقَةَ یعنی جو شخص اپنے ضرر پر راضی ہو وہ شفقت کا مستحق نہیں ہے۔ جب آپ اس امر میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ تو اتنی کوشش

ضرور کریں۔ کہ استقامت کے طریق اور شریعت کے التزام کو نہ چھوڑیں اور باطنی شغل میں بھی فتور نہ پڑے۔ اگرچہ دنیا کے ساتھ اس کا جمع کرنا مشکل ہے۔ کیونکہ دو ضدوں کا جمع ہونا محال ہے۔ مگر اس قدر تو ضرور ہونا چاہئے۔ کہ اس وضع میں جو آپ نے اختیار کی ہے اور اس خدمت میں جو آپ کر رہے ہیں۔ اگر نیت درست کی جائے تو عزیمت اور غزا و جہاد میں داخل ہے اور نیک عمل ہے۔ مگر نیت کا درست ہونا مشکل ہے۔ کیونکہ آج جو خدمت ہے۔ شاید وہ نیک ہو۔ مگر کل ایسی خدمت فرمائیں جو عین وبال ہو۔ غرض بڑا مشکل کام ہے اس میں بہت ہوشیار رہیں۔ اطلاع دینا ضروری تھا۔ والسلام

مکتوب ۵۶

گذشتہ صحبت پر افسوس کرنے اور نئے اسرار کی طرف اشارہ کرنے میں جناب پیر زادہ خواجہ محمد عبداللہ اور خواجہ جمال الدین حسین ولد خواجہ حسام الدین کی طرف صادر فرمایا ہے:-

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) فِرَّةُ الْغَيْنَيْنِ وَمَسْرَّةُ الْأَذْنَيْنِ یعنی میری آنکھوں کی ٹھنڈک اور کانوں کی خوشی خواجہ محمد عبداللہ اور خواجہ جمال الدین حسین ظاہری باطنی جمعیت کے ساتھ آراستہ ہیں آپ نے عجب تغافل اور نامہربانی فرمائی۔ کہ نزدیک پہنچ کر سر ہند میں نہ آئے اور اس غریب کا حال نہ پوچھا اور آشنائی کے حقوق بجانہ لائے۔ فقیر خواجہ محمد افضل کا کیا گلہ کرے کہ وہ پہلے ہی فقیر کی دوستی سے کوسوں بھاگتے اور ڈرتے ہیں اور میر منظور کی نسبت کیا کہے۔ کہ وہ ہمیشہ صحبت کی آرزو ہی کرتے رہتے ہیں۔ لیکن قوت سے فعل میں نہیں آتی اور صحبت کا موقع نہیں ملتا۔ فقہا بزرگ کا قول ہے۔ أَلَرَّاضِي بِالضَّرَرِ لَا يَسْتَحِقُّ النَّظَرَ (ضرر کا راضی شفقت کا مستحق نہیں) لشکر اگرچہ ظلمات کا دریا ہے لیکن آب حیات اسی میں ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی عنایت سے گو۔ نادر طور پر ہی ہو۔ وہ گوہر ہاتھ آتا ہے۔ کہ دوسری جگہ میں اگر اس گوہر کا شبہ ہی میسر ہو جائے تو غنیمت ہے۔ جس بہادر نے کچھ قیمت و قدر حاصل کی ہے۔ دشمنوں کے غلبہ کے وقت حاصل کی ہے۔ اگرچہ سلامتی گوشہ میں ہے۔ لیکن غزا و شہادت کی اعلیٰ دولت معرکہ اور لڑائی میں ہے۔ گوشہ نشینی ضعیفوں اور اہل ستر یعنی عورتوں کے لئے مناسب ہے حدیث میں آیا ہے۔ الْمُؤْمِنُ الْقَوِيُّ خَيْرٌ مِنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِيفِ (طاقتور مومن ضعیف مومن سے اچھا ہے) میدان جنگ میں ٹکنا اور بڑے گھمسان کی لڑائی کرنا بڑی ہمت والے مردوں کا کام ہے قُلْ كُلُّ يَعْمَلْ عَلَىٰ شَاكِلَتِهِ فَرُبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ أَهْدَىٰ سَبِيلًا (کہ ہر ایک اپنی اپنی طرز پر عمل کرتا ہے۔ تمہارا رب جانتا ہے کہ تم میں سے زیادہ ہدایت والا کون ہے) رخصت کی مدت گزرنے کے بعد جب

لشکر کی طرف آنے لگا۔ تو فرزندِ محمد سعید کو گھر میں چھوڑ آیا۔ جب ان فیوض و برکات اور علوم و معارف کو جو فرزند کی جدائی کے بعد ظاہر ہوئے تھے۔ ملاحظہ کیا۔ تو اس کی جدائی سے پشیمان ہوا اور موقع کو غنیمت جان کر اس کو بلا لیا۔ چھوٹے بڑے سب اس امید پر آئے ہیں۔ کہ ان برکات سے فائدہ حاصل کریں عجب معاملہ ہے ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ گویا ہم ملا متی گروہ اور قلندر یہ زمرے میں ہیں۔ حالانکہ ہم ان دونوں گروہوں سے جدا ہیں اور ہمارا کاروبار بھی ان سے الگ ہے۔ نئے نئے علوم کا کچھ بیان اس مکتوب سے سن لیں۔ جس کا عنوان یہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے هَلْ اَنْتَ عَلَى الْاِنْسَانِ حَيْنَ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُورًا لَا عَيْنًا وَلَا اَنْثَرًا شَهْوَدًا وَلَا وَجُودًا (انسان پر ایک ایسا زمانہ تھا کہ اس کا کچھ نام و نشان نہ تھا۔ نہ اس کا عین تھا نہ اثر اور نہ شہود نہ وجود) آپ نے مکتوب میں دیکھا ہے۔ کہ فقیر نے زوال وجودی کو الحاد و زندقہ کہا ہے۔ مگر یہاں اس کو لکھ کر اللہ تعالیٰ کے کرم سے اس کا علاج کر دیا ہے۔ ع۔

قیاس کن زگلستان من بہار مرا

ترجمہ ع مری بہار کا کر لے قیاس بستان سے

یہ سب دو تیس انہی واقعات کی برکات سے ہیں۔ لَوْلَا هَا لَمَّا وَجَدْتُ بَلْكَ (اگر یہ واقعات نہ ہوتے تو یہ برکات بھی حاصل نہ ہوتیں) رَبَّنَا اَتِمِّمْ لَنَا نُورَنَا وَاعْفِرْ لَنَا اِنَّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (یا اللہ تو ہمارے نور کو کامل کر اور ہمیں بخش۔ تو سب شے پر قادر ہے) مولانا محمد مراد چونکہ ان حدود کی طرف جانے والے تھے۔ اس لئے یہ دو کلمہ لکھے گئے ہیں۔ انجام بخیر ہو۔

مکتوب ۵۷

عالم کے حادث ہونے اور عقل فعال کے رد کرنے میں مولانا حمید احمدی کی طرف

صادر فرمایا ہے:-

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ (اللہ رب العالمین کی حمد ہے اور مرسلین کے سردار پر صلوٰۃ و سلام ہو) حق تعالیٰ اپنی ذات اقدس کے ساتھ موجود ہے اور اس کی ہستی خود بخود قائم ہے۔ اللہ تعالیٰ جس طرح اب ہے۔ پہلے بھی ایسا ہی تھا اور ہمیشہ ایسا ہی رہے گا۔ عدم سابق اور عدم لاحق کو اس کی طرف راہ نہیں۔ کیونکہ وجوب وجود اس درگاہ مقدس کا کمینہ خادم ہے اور سلب عدم اس بارگاہ بزرگ کا ادنیٰ خاکروب ہے اور حق تعالیٰ کے ماسوا جس کو عالم کہتے ہیں۔ یعنی عناصر و افلاک و عقول و نفوس اور بساط و مرکبات سب حق تعالیٰ کی ایجاد سے موجود ہوئے ہیں اور عدم سے وجود میں آئے ہیں۔ قدم ذاتی و زمانی اسی کی جناب پاک کے لئے ثابت ہے اور

حدوث ذاتی وزمانی حق تعالیٰ کے ماسوا کے لئے ثابت ہے حق تعالیٰ نے جس طرح زمین کو دوروز میں پیدا فرمایا ہے۔ اسی طرح آسمانوں اور ستاروں کو زمین کے پیدا کرنے کے بعد دوروز میں عدم سے وجود میں لایا ہے۔ آیت کریمہ خَلَقَ الْأَرْضَ فِي يَوْمَيْنِ (زمین کو دو دن میں پیدا کیا) اور آیت کریمہ وَ قَضَيْنَ سَبْعَ سَمَوَاتٍ فِي يَوْمَيْنِ (سات آسمانوں کو دو دن میں پورا کیا) اسی بات کی مصداق ہیں۔ وہ شخص بہت ہی بے وقوف ہے۔ جو نص قرآنی کا منکر ہو کر ماسوا میں سے بعض کا قائل ہے اور آسمانوں اور ستاروں کے قدم کا حکم کرتا ہے اور عناصر بسیط کو قدیم جانتا ہے اور عقول و نفوس کو ازلی و قدیم تصور کرتا ہے۔ تمام اہل ملت کا اجماع ماسوے اللہ کے حدوث پر قائم ہے اور بالاتفاق سب سے عدم سابق کے بعد ماسوی کے وجود کا حکم کیا ہے جیسے کہ امام حجتہ الاسلام غزالیؒ نے رسالہ الْمُنْقِذُ عَنِ الضَّلَالِ میں اس مضمون کو واضح کیا ہے اور لوگ جو عالم کے بعض اجزاء کے قدیم ہونے کے قائل ہیں۔ اس سبب سے ان کی تکفیر فرمائی ہے۔ پس ممکن کی اشیاء میں سے کسی شے کے قدم کا حکم کرنا ملت سے نکلنا اور فلسفہ میں داخل ہونا ہے اور جس طرح ماسوائے حق تعالیٰ کے لئے عدم سابق ثابت ہے۔ اسی طرح عدم لاحق بھی اس کو دامن گیر ہے۔ آسمانوں کے ستارے گر جائیں گے۔ آسمان کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے اور زمین و پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر عدم سے ٹل جائیں گے۔ جیسے کہ قرآن مجید فرماتا ہے۔ فَإِذَا نَفَخَ فِي الصُّورِ نَفْخَةً وَاحِدَةً وَحُمِلَتِ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُخِنَا دُخَانًا وَاحِدَةً فَيَوْمَئِذٍ وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ وَانْشَقَّتِ السَّمَاءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَاهِيَةٌ (پس جب پہلی دفعہ کرنا پھونکی جائیگی اور پہاڑ اپنی جگہ سے اڑ کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گے پس اس دن واقع ہونے والی یعنی قیامت واقع ہوگی اور اس دن آسمان پھٹ کر نابود ہو جائیں گے) اور فرماتا ہے۔ إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ وَإِذَا النُّجُومُ انْكَدَرَتْ وَإِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ (جب سورج لپینا جائیگا اور ستارے سیاہ ہو جائیں گے اور پہاڑ اڑائے جائیں گے) اور فرماتا ہے۔ إِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ وَإِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَشَرَتْ (جب آسمان پھٹ جائیگا اور ستارے پر اگندہ ہو جائیں گے) اور فرماتا ہے إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ (آسمان پھٹ جائیگا) كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ لَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ (سوائے اس کی ذات کے سب کچھ ہلاک ہونے والا ہے۔ اسی کا حکم ہے اور اسی کی طرف تم سب کا رجوع ہے) اس قسم کی آیات قرآن مجید میں بہت ہیں۔ وہ بہت ہی جاہل ہے۔ جو ان کے فانی ہونے کا انکار کرتا ہے اور قرآن پر ایمان نہیں رکھتا اور فلسفہ کی ملمع باتوں پر مفتون ہے۔ غرض ممکنات میں عدم سابق کی طرح عدم لاحق کا ثابت کرنا بھی دین کی ضروریات میں سے ہے اور اس پر ایمان لانا لازم ہے اور یہ جو بعض علماء نے کہا ہے۔ کہ سات چیزیں یعنی عرش و کرسی و لوح قلم و بہشت و دوزخ و روح فانی نہ ہونگے۔ تو اس کے یہ معنی

ہیں۔ کہ یہ فاقبول نہیں کرتے اور زوال کی قابلیت نہیں رکھتے حَاشَا وَ كَلَّا بلکہ قادر مختار جلشانہ کا اختیار ہے۔ جس کو چاہے وجود کے بعد فانی کرے اور جس کو چاہے خاص مصلحتوں اور حکمتوں کے لئے باقی رکھے وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَاءُ وَيَحْكُمُ مَا يُرِيدُ (جو کچھ چاہتا ہے کرتا ہے اور جو چاہتا ہے فرماتا ہے) اس بیان سے واضح ہوا کہ عالم بمع اپنے تمام اجزاء کے اپنے وجود و بقاء میں واجب تعالیٰ کی طرف منسوب ہے اور اس کا محتاج ہے۔ کیونکہ بقا سے مراد دوسرے اور تیسرے زمانہ میں جہاں تک اللہ تعالیٰ کو منظور ہو۔ اسی وجود کے نفس کا استقرار ہے اور کوئی امر زائد اس وجود پر نہیں جو بقاء سے مسکمی ہو پس نفس وجود اور استقرار وجود دونوں حق تعالیٰ کے ارادہ پر موقوف ہیں۔ عقل فعال کیا ہے۔ جو اشیاء کا سرانجام کر سکے اور حوادث اس کی طرف منسوب ہو سکیں۔ عقل فعال کے اپنے نفس وجود اور ثبوت میں ہزاروں اعتراض ہیں۔ کیونکہ اس کا ثبوت اور حصول فلسفہ کے چند ملمع اور جھوٹے مقدمات پر مبنی ہے جو سب کے سب اسلام حقہ کے مقابلہ میں ناتمام و نافر جام ہیں۔ وہ بڑا ہی بے وقوف ہے۔ جو اشیاء کو قادر مختار کی طرف سے ہٹا کر ایسے امر موبہوم کی طرف منسوب کرے۔ بلکہ اشیاء کے لئے ننگ و عار ہے۔ کہ فلسفہ کے تراشیدہ اور خود ساختہ امر کی طرف منسوب ہوں بلکہ اشیاء کے لئے بہتر ہے کہ اپنے عدم پر راضی اور خوش رہیں اور ہرگز وجود کی خواہش نہ کریں بہ نسبت اس کے کہ ان کے وجود کو مسقطہ کے اپنے بنائے ہوئے وہی امر کی طرف منسوب کیا جائے اور قادر مختار جل شانہ کی طرف منسوب ہونے کی سعادت سے محروم رہیں۔ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ اِنْ يَقُولُوْنَ اِلَّا كَذِبًا (بہت بڑی بات ہے جو ان کے مونہوں سے نکلتی ہے وہ نہیں کہتے مگر جھوٹ)

مکتوب ۵۸

اس بیان میں کہ ممکنات کا خلق اور نمود اور وجود مرتبہ وہم میں ہے۔ جس نے اتقان اور استحکام حاصل کر لیا ہے۔ خواجہ صلاح الدین احراری کی طرف صادر فرمایا ہے:-
 كَانَ اللّٰهُ وَلَمْ يَكُنْ مَعَهُ شَيْئٌ (اللہ تعالیٰ تھا اور کوئی چیز اس کے ساتھ نہ تھی) جب اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ اپنے پوشیدہ کمالات کو ظاہر کرے۔ تو حق تعالیٰ کے اسماء میں سے ہر ایک اسم نے ایک ایک مظہر طلب فرمایا تاکہ اپنے کمالات کو اس مظہر میں جلوہ گر کرے۔ عدم کے سوا اور کوئی شے وجود اور توابع وجود کے مظہر بننے کے قابل نہیں۔ کیونکہ شے کا آئینہ اور مظہر اس شے کے مبائن اور مقابل ہوتا ہے اور وجود کے مبائن اور مقابل عدم ہی ہے۔ پس حق تعالیٰ نے اپنی کمال قدرت سے عالم عدم میں سے ہر ایک اسم کا مظہر تعین فرمایا اور اس کو مرتبہ حس وہم میں جب چاہا اور جس طرح چاہا پیدا کیا اَخْلَقَ الْاَشْيَاءَ مِنْ شَاءٍ وَ كَمَا شَاءَ (اشیاء کو جب چاہا اور جیسے چاہا پیدا کیا) اور دائمی معاملہ اس پر وابستہ کیا۔

جاننا چاہئے کہ عدم خارجی کے منافی ثبوت خارجی ہے نہ وہ ثبوت جو مرتبہ حس و وہم میں پیدا ہو۔ کیونکہ اس میں منافات کی بو بھی نہیں اور عالم کا ثبوت مرتبہ حس و وہم میں ہے۔ نہ مرتبہ خارج میں تاکہ اس کے منافی ہو۔ پس جائز ہے۔ کہ عدم مرتبہ حس و وہم میں ثبوت پیدا کر لے اور حق تعالیٰ کی صنعت سے وہاں اس کو اتقان و رسوخ حاصل ہو جائے اور اس مرتبہ میں ظلیت و انعکاس کے طور پر حی و عالم و قادر و مرید و بیانا و گویا و شنوا یعنی زندہ اور جاننے والا ہو جائے اور مرتبہ خارج میں اس کا کوئی نام و نشان نہ ہو اور خارج میں حق تعالیٰ کی ذات و صفات کے سوا کوئی چیز ثابت و موجود نہ ہو اور اس لحاظ سے اس کو اَلَاَیْیَ کَمَا کَانَ کہہ سکیں۔ اس کی مثال نقطہ جوالہ اور دائرہ موہوم کی سی ہے۔ کہ موجود صرف وہی نقطہ ہے۔ اور دائرہ کا خارج میں نام و نشان نہیں۔ ہاں اس دائرہ نے مرتبہ حس و وہم میں ثبوت پیدا کیا ہے۔ اور اس مرتبہ میں ظلیت کے طور پر اس کو نور اور روشنی حاصل ہے۔ اس تحقیق کے ساتھ ان مقدمات مبسوطہ سے استغنا حاصل ہو جاتی ہے۔ جو حضرت شیخ محی الدینؒ اور اس کے تابعین نے عالم کی تکوین میں فرمائے ہیں اور تنزیلات کا بیان کیا ہے اور تعینات کو علمی و خارجی بنائے ہیں اور حقائق و اعیان ثابتہ کو حق تعالیٰ کے مرتبہ علم میں ثابت کیا ہے اور ان کے عکسوں کو خارج میں کہ ظاہر وجود ہے۔ مقرر رکھا ہے اور ان کے آثار کو خارجی کہا ہے۔ جیسے کہ ان کے کلام کو دیکھنے والے اور ان کی اصطلاح پر اطلاع پانے والے منصف پر پوشیدہ نہیں ہے اور اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ کے سوا کوئی چیز کیا اعیان اور کیا اعیان کے آثار موجود نہیں بلکہ ان کا ثبوت مرتبہ حس و وہم میں ہے اور اس سے محذور لازم نہیں آتا۔ کیونکہ یہ ایسا موہوم نہیں جو وہم کے اختراع سے ثابت ہوا ہے تاکہ وہم کے اٹھ جانے سے یہ بھی اٹھ جائے۔ بلکہ اس کا ثبوت مرتبہ وہم میں حق تعالیٰ کی صنعت سے ہے اور اس مرتبہ میں صفات و قرار اور اتقان و استحکام رکھتا ہے۔ صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِیْ اَتَقَفَنَّ کُلُّ شَیْءٍ (اس اللہ تعالیٰ کی صنعت ہے جس نے تمام اشیاء کو مضبوط کر دیا ہے) اس بیان سے واضح ہوا۔ کہ ممکنات کے حقائق عدمات ہیں۔ جنہوں نے حق تعالیٰ کے مرتبہ علم میں تمیز و تعین پیدا کیا ہے اور حق تعالیٰ کی صنعت سے دوبارہ مرتبہ حس و وہم میں ثابت ہوئے ہیں۔ ان میں سے بعض اسماء الہی جل شانہ کے آئینے اور مظہر ہیں اور مرتبہ میں ظلیت اور انعکاس کے طور پر حی و عالم و قادر و مرید و بیانا و شنوا و گویا ہو گئے ہیں۔ اور شیخ اور اسکے تابعداروں کی تحقیق میں ممکنات کے حقائق اسماء الہی کی علمیہ صورتیں ہیں۔ جو حضرت وجود کے تنزیلات خمسہ میں سے ایک تنزل ہے۔ حاصل یہ کہ اس فقیر کی سمجھ میں ممکنات کی نمائش کو خارج میں ثابت کیا ہے اور کہا ہے۔ کہ صور علمیہ متکثرہ (جو ممکنات کی حقائق ہیں اور جن کو اس نے اعیان ثابتہ سے تعبیر کیا ہے) حق تعالیٰ کے ظاہر وجود کے آئینہ میں (کہ جس کے سوا خارج میں کوئی موجود نہیں) منعکس ہو کر خارج میں

نمودار ہوئی ہیں اور خارج میں دکھائی دیتی ہیں۔ لیکن درحقیقت ایک ذات تعالیٰ کے سوا خارج میں کوئی موجود نہیں اور فرماتا ہے۔ کہ علمیہ صورتوں میں سے ہر ایک صورت کو کسی وقت ظاہر وجود کے ساتھ جو ان صورتوں کے لئے آئینہ کی طرح ہے۔ ایک مجہول الکلیفیت نسبت پیدا ہو جاتی ہے۔ جو خارج میں ان کے نمودار ہونے کا سبب ہوتی ہے اور کہتا ہے کہ یہ نسبت مجہول الکلیفیت کسی کو معلوم نہیں۔ حتیٰ کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بھی اس بھید سے اطلاع نہیں دی اور خارج میں ان صورتوں کے اس اظہار کو جو اس مجہول الکلیفیت نسبت کے حاصل ہونے کے بعد ہے خلق کہا ہے اور اشیاء کی ایجاد سمجھا ہے اور اس پہلی تحقیق کی رو سے جس کی طرف اس فقیر نے ہدایت پائی ہے۔ جس طرح اشیاء کا خارج میں وجود نہیں۔ اسی طرح اس میں ان کا نمود بھی نہیں۔ اگر نمود ہے تو مرتبہ وہم میں ہے اور اگر ثبوت ہے۔ تو وہ بھی حق تعالیٰ کی صنعت سے مرتبہ وہم ہی میں ہے۔ غرض اس کا نمود و ثبوت ایک ہی مرتبہ میں ہے۔ نہ یہ کہ اس کا نمود ایک جگہ ہے اور اس کا ثبوت دوسری جگہ مثلاً دائرہ موہومہ جو نقطہ جوالہ سے پیدا ہے جس طرح اس کا ثبوت مرتبہ وہم میں ہے نہ کہ خارج میں اسی طرح اس کا نمود بھی اسی مرتبہ میں ہے اس لئے کہ اس دائرہ موہومہ کا نشان صرف وہم ہی میں ہے۔ خارج میں کچھ بھی ثابت نہیں نمود بھی اسی مرتبہ وہم میں ہے۔ کیونکہ خارج میں اس کا کوئی نشان نہیں تاکہ نمودار ہو۔ حاصل کلام یہ ہے۔ کہ نمود وہی کو نمود خارجی سمجھتے ہیں۔ جس طرح مثالی صورتوں کو عالم مثال میں بیداری کے وقت حل باطنی کے ساتھ دیکھیں اور خیال کریں۔ کہ ان صورتوں کو عالم شہادت میں حس ظاہر کے ساتھ دیکھ رہے ہیں۔ اس قسم کے اشتباہ بہت واقع ہوتے ہیں کہ ایک مرتبہ کو دوسرے کے ساتھ مشتبہ پاتے ہیں اور ایک کا حکم دوسرے پر کر دیتے ہیں پس صورت مذکورہ بالا میں وہ دائرہ موہومہ جو خیال میں جما ہوا ہے خیال کی آنکھ سے اسی مرتبہ میں کہ جس میں منتقل ہے دیکھتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ اس کو خارج میں سر کی آنکھ سے دیکھتے ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ خارج میں جو نقطہ جوالہ کا محل ہے اس دائرہ کا کوئی نام و نشان نہیں تاکہ دیکھا جائے اسی طرح شخص کی صورت ہے جو کہ آئینہ میں منعکس ہوئی ہے کہ خارج میں صورت کا نہ ثبوت ہے نہ نمود بلکہ اس کا ثبوت و نمود دونوں مرتبہ خیال میں ہیں وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ اَعْلَمُ۔ پس جس چیز کو شیخ قدس سرہ نے خارج جانا ہے اور اس میں انعکاس کے طور پر اشیاء کا نمود ثابت کیا ہے۔ وہ خارج نہیں بلکہ مرتبہ وہم ہے۔ جس نے حق تعالیٰ کی صنعت سے ثبات و قرار پیدا کیا ہے اور خارج کا وہم گزرتا ہے۔ جو کچھ ہمارا مشہود اور محسوس اور معقول اور متخیل ہے۔ سب دائرہ وہم میں داخل ہے۔ موجود خارجی جل شانہ ہمارے افہام سے برتر ہے۔ وہاں مراتب یعنی آئینہ و مظہر ہونا کیا گنجائش رکھتا ہے اور وہ کونسی صورت ہے جس میں حق تعالیٰ منعکس ہو سکتا ہے۔ کیونکہ آئینے اور

صورتیں سب مراتب ظلال میں ہیں۔ جو دائرہ وہم و حس سے تعلق رکھتے ہیں (یا اللہ تو اپنے پاس سے ہم پر رحمت نازل فرما اور ہمارے کام سے بھلائی ہمارے نصیب کر)

مکتوب ۵۹

روزمرہ کے حوادث کو حق تعالیٰ کے ارادہ کی طرف راجع کرنے اور ان سے لذت

پانے کے بیان میں خواجہ شرف الدین حسین کی طرف صادر فرمایا ہے:-

حق تعالیٰ شریعت مصطفویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والحقیہ کے سیدھے راستہ پر استقامت عطا فرما کر بالکل اپنی جناب پاک کا گرفتار بنالے میرے عزیز با تمیز فرزند حوادث یومیہ جب واجب الوجود جل شانہ کے ارادہ سے پیدا ہوتے ہیں اور اسی کے فعل سے آتے ہیں۔ تو اپنے ارادہ کو حق تعالیٰ کے ارادہ کے تابع بنا کر ان حوادث کو اپنی مرادیں سمجھنا چاہئے اور ان سے لذت حاصل کرنی چاہئے اگر بندگی ہے تو یہ نسبت ضرور پیدا کرنی چاہئے ورنہ بندگی سے پاؤں نکالنا اور اپنے مولا جل شانہ سے مقابلہ کرنا ہے حدیث قدسی میں آیا ہے مَنْ لَمْ يَرْضَ بِقَضَائِي وَلَمْ يَضِرْ عَلَى بَلَائِي فَلْيَطْلُبْ رَبًّا سِوَانِي وَلْيَخْرُجْ مِنْ تَحْتِ سَمَانِي (جو میری قضاء پر راضی نہیں ہو تا اور میری بلا پر صبر نہیں کرتا اس کو چاہئے کہ میرے سوا کوئی اور خدا بنالے اور میرے آسمان کے نیچے سے نکل جائے) ہاں فقراء اور مساکین اور عاجز لوگ تمہاری رعایت و حمایت سے بہت آسودہ اور خوش حال تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کا بھی صاحب و مالک ہے۔ وہ ان کے لئے کافی ہے تمہاری نیک نامی باقی رہے گی حق تعالیٰ تم کو دنیا و آخرت کی جزا عطا فرمائے۔ وَالسَّلَام

مکتوب ۶۰

ذات انسان کی عدمیت اور اس میں حق تعالیٰ کے اسماء و صفات کے ظلال کے منعکس ہونے اور اس بیان میں کہ انسان کی ذات اس کا نفس ناطقہ ہے اور نفس و قلب کے فناء اور علم حصولی اور حضوری کے زوال کے بیان میں پیر زادہ خواجہ محمد عبد اللہ کی طرف صادر فرمایا ہے:-

هُوَ الْحَقُّ الْمُبِينُ سُبْحَانَ مَنْ لَا يَتَغَيَّرُ بِذَاتِهِ وَلَا بِصِفَاتِهِ وَلَا فِي أَسْمَانِهِ بِحُدُوثِ الْأَكْوَانِ (حق تعالیٰ حق اور ظاہر اور پاک ہے جو موجودات کے حادث ہونے سے اپنی ذات و صفات و اسماء میں متغیر نہیں ہوتا) کیونکہ موجودات کے حدوث میں جو تغیر و تکوین ہوا ہے۔ وہ سب مراتب عدم میں ہے اور حضرت وجود تعالیٰ میں کسی تغیر و تبدل کو نہ خارج میں نہ علم میں کوئی دخل نہیں۔ اس کا بیان یہ ہے۔ کہ حق تعالیٰ نے جب چاہا کہ اپنی ذاتی و صفاتی و اسمائی کمالات کو ظاہر کرے

اور اشیاء کے مظہروں اور آئینوں میں ان کو جلوہ دے۔ تو مراتب عدم میں ہر ایک کمال کے مقابل اس کی پاک نفیض جو اضافت و نسبت میں باقی تمام اعدام سے متمیز ہے۔ اس کمال کے۔ مظہر ہونے کے لئے تعین فرمائی کیونکہ شے کا آئینہ شے کے مقابل اور اس شے کے ظہور کا باعث ہوتا ہے بِضْدَہَا تَتَبَيَّنُ الْأَشْيَاءُ (اشیاء ضد سے ظاہر ہوتی ہیں) اور ان اعدام کو جو ان آلات کے آئینہ بننے کی قابلیت رکھتے ہیں۔ جب چاہا مرتبہ حس و وہم میں ایجاد فرمایا۔ اور استقرار و استحکام بخشا اور ان سب کمالات کو ان میں منعکس کیا اور اس کے باعث ان اعدام کو اس مرتبہ میں حی و عالم و قادر و مرید و سمیع و بصیر و متکلم بنایا۔ لیکن محسوس ہوا۔ کہ اول عدم میں تصرف فرماتے ہیں۔ بغیر اس کے کہ اس میں کوئی اور چیز ملائیں اور اس تصرف سے ملائم و نرم کر دیتے ہیں اور بعد ازاں وہاں کمال کا ظہور دکھاتے ہیں۔ جس طرح پہلے نرم و ملائم کر لیں۔ اور پھر اس سے صورتیں اور شکلیں پیدا کریں۔ جاننا چاہئے کہ مراد عدم سے اس جگہ عدم خارجی ہے۔ جو وجود خارجی کے مقابل ہے پس اس کے اس ایجاد کے جو مرتبہ وہم میں واقع ہوتا ہے۔ منافی نہیں اور ثبوت وہی اس کے مخالف نہیں یا ہم یہ کہتے ہیں کہ عدم کے منافی وجود ہے جو اس کی نفیض ہے اور عدم موجود نہیں ہوتا ہاں اگر عدم موجود ہو جائے تو اس سے کوئی محذور لازم نہیں آتا جس طرح وجود کے بارہ میں حکماء نے کہا کہ معقولات ثانیہ سے ہے جو خارج میں معدوم ہے اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ اشیاء کی حقائق اعدام ہیں جن میں مرتبہ وجود کے کمالات منعکس ہوئے ہیں اور حق تعالیٰ کی ایجاد سے انہوں نے وہی تحقق و ثبوت وہاں پیدا کیا ہے اور مرتبہ وہم و حس میں استقرار و استمرار حاصل کیا ہے گویا اشیاء کے ذوات یعنی اصول و اعدام ہیں اور ان میں کمالات کا انعکاس اعدام کے ہاتھ پاؤں اور قوی اور اعضاء کی طرح ہیں۔

ان مقدمات کی تمہید کے بعد اصلی مقصد کی نسبت چند باتیں جو ولایت خاصہ سے تعلق رکھتی ہیں بیان کی جاتی ہیں گوش ہوش سے سنی چاہئیں خدا آپ کو سیدھے راستہ کی ہدایت دے جاننا چاہئے کہ انسان کی حقیقت اور اس کی ذات عدم ہے جو نفس ناطقہ کی حقیقت ہے جس کو ابتداء میں نفس امارہ سے تعبیر کرتے ہیں اور ہر فرد انسان لفظ انا سے اس کی طرح اشارہ کرتا ہے پس انسان کی ذات نفس امارہ ہے اور انسان کے باقی لطائف اس کے قوائے اور اعضاء کی طرح ہیں جس طرح عدم فی حد ذاتہ محض شر ہے اور خیریت کی بو نہیں رکھتا اسی طرح نفس امارہ بھی شر محض ہے اور اس میں خیریت کی بو نہیں یہی اس کی شرارت و جہالت ہے کہ کمالات منعکسہ کو جو ظلیت کے طور پر اس میں ظاہر ہوئے ہیں اپنی طرف سے جانتا ہے اور انکے قیام کو جو ان کے اپنے اصل کے ساتھ ثابت ہے اپنی طرف منسوب کرتا ہے اور ان کمالات کے باعث اپنے آپ کو کامل اور بہتر جانتا ہے اور سرداری کا دعوے

کرتا ہے اور کمالات میں اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کا شریک بناتا ہے اور حول و قوت کو اپنے آپ سے تصور کرتا ہے اور متصرف و قابض اپنے آپ کو ہی خیال کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ سب اس کے تابع ہوں اور خود کسی کے تابع نہ ہو اور اپنے آپ کو سب سے زیادہ دوست رکھتا ہے اور دوسروں کو بھی اپنے لئے دوست رکھتا ہے نہ ان کے لئے اور اپنے بے ہیودہ تخیلات سے اپنے مولیٰ جل شانہ کے ساتھ عداوت ذاتی پیدا کر لیتا ہے اور حق تعالیٰ کے منزلہ احکام پر ایمان نہیں لاتا اور اپنی خواہشات کی متابعت و پرستش کرتا ہے حدیث قدسی میں آیا ہے عَادِ نَفْسَكَ فَإِنَّهَا انتَصَبَتْ بِمَعَاذَاتِي (اپنے نفس کو دشمن جان کیونکہ وہ میری دشمنی میں قائم ہے) حق تعالیٰ نے کمال رحمت و رافت سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو جو سراسر رحمت عالم ہیں مبعوث فرمایا تاکہ حق کی طرف دعوت فرمائیں اور اس دشمن کے گھر کو ویران کر کے اس کو اس کے مولیٰ و خالق کی طرف بلائیں اور اس جہل و جث سے اس کو نکالیں اور اس کو اپنے نقص اور شرارت پر اطلاع دیں جس کے نصیب میں سعادت ازلی تھی اس نے ان بزرگواروں کی دعوت کو قبول کر لیا اور اپنی جہل و جث کو چھوڑ کر احکام منزلہ کا فرمانبردار ہو گیا جاننا چاہئے کہ تزکیہ نفس کا طریق دو طرح پر ہے ایک وہ طریق ہے جو ریاضتوں اور مجاہدوں سے تعلق رکھتا ہے اور یہ انابت کا طریق ہے جو مریدوں کے ساتھ مخصوص ہے دوسرا طریق جذب و محبت کا طریق ہے جو اجہا یعنی برگزیدہ کرنے کا راستہ ہے اور مرادوں سے تعلق رکھتا ہے ان دونوں طریقوں میں بہت فرق ہے پہلا طریق مطلوب کی طرف چل کر جانے کا ہے اور دوسرا طریق مقصود کی طرف لے جانے کا ہے اور رفتن یعنی جانے اور مدد یعنی لے جانے میں بہت فرق ہے جب سابقہ کرم و عنایت سے کسی صاحب نصیب کو اجہا کے راستہ پر لے جاتے ہیں تو کوئی ایسا بھی سعادت مند ہوتا ہے جس کو حد فناء تک پہنچاتے ہیں اور ماسویٰ کی تردید و دانش سے چھڑا دیتے ہیں اور آفاق و انفس سے آگے لے جاتے ہیں آفاق کا نسیان فنائے قلب پر وابستہ ہے اور انفس کا فنا نفس امارہ کے فنا پر موقوف ہے پہلے فنا میں علم حصولی کا زوال ہے دوسرے فنا میں علم حضوری کا زوال جب تک نفس و ذات حاضر کا زوال ثابت نہ ہو علم حضوری کا زوال متصور نہیں ہوتا جب تک حاضر قائم ہے علم حضوری بھی قائم ہوتا ہے کیونکہ علم حضوری نفس و ذات حاضر سے مراد ہے نہ کوئی اور امر زائد پس زوال شہودی جو فنائے نفس میں اس کے زوال و جود سے مراد ہے برخلاف اس زوال شہودی کے جو فنا قلب میں اعتبار کیا جاتا ہے کہ وہ قلب کے زوال و جود کو مستلزم نہیں کیونکہ اس جگہ کا شہود شاہد و حاضر پر زائد ہے ایک کا فنا دوسرے کے فنا کو مستلزم نہیں۔

تنبیہ:- کوئی بیوقوف یہ خیال نہ کرے کہ نفس حاضر کا زوال مقام بقاء باللہ میں بھی جو توحید و جود

والوں کو میسر ہوتا ہے حاصل ہے کیونکہ حاضر اس مقام میں حق تعالیٰ ہے نہ کہ سالک کا نفس جو فنا پا چکا ہے تو میں کہتا ہوں کہ حاضر اس مقام میں سالک کا نفس ہے جس کو حق کے طور پر جانا ہے نہ کہ حق تعالیٰ جو اس تعین و حضور سے منزہ و مبرا ہے یہ بات اس مصرعہ کی مصداق ہے جو کسی نے کہا ہے۔ ع

بخواب اندر مگر موٹے شتر شد

ترجمہ ع خواب میں موٹ بن گیا اشتر

اس جگہ نفس حاضر کے علم کا زوال ہے جو علم حصولی کی قسم سے ہے نہ نفس حاضر کا زوال جو علم حضوری کے زوال کو مستلزم ہے اور نفس حاضر کا زوال اس کے عین و اثر کے زوال سے مراد ہے نہ کہ نفس حاضر کے علم کے زوال سے شَتَانُ مَا بَيْنَهُمَا (ان دونوں میں بہت فرق ہے)

مکتوب ۶۱

اس بیان میں کہ کبھی عارف کے لئے کسی مظہر کا دیکھنا عروج کا زینہ بن جاتا ہے۔

مخدوم زادہ حضرت خواجہ محمد سعید مدظلہ کی طرف صادر فرمایا ہے:-

جب عارف کا معاملہ حق تعالیٰ کی صرف ذات سے آپڑتا ہے۔ اور تمام نسبتیں اور اعتبارات ساقط ہو جاتے ہیں تو اس مقام میں عروج مشکل ہو جاتا ہے اور بغیر تعلق و علاقہ کے دشوار دکھائی دیتا ہے اس وقت کبھی ایسا ہوتا ہے کہ النَّظْرَةُ الْأُولَى لَكَ (پہلی بار کا دیکھنا تیرے لئے ہے) کے موافق پہلی نگاہ جو مظاہر جمیلہ سے تعلق رکھتی ہے اس مقام میں مدد کرتی ہے اور جلدی اوپر لے جاتی ہے اور مجاز سے جو حقیقت کا پل ہے حقیقت تک پہنچا دیتی ہے اس وقت دوسری نظر سے جس کے بارہ میں النَّظْرَةُ الثَّانِيَةُ عَلَيْكَ (دوسری نظر تیرے لئے وبال ہے) آیا ہے بچنا لازم ہے کیونکہ مضروب ہر قاتل ہے پھر امداد و اعانت کیا متصور ہوگی مَا جَعَلَ اللَّهُ فِي الْحَرَامِ شِفَاءً (حرام میں اللہ تعالیٰ نے کوئی شفا نہیں رکھی) محسوس ہوا ہے کہ اگر طمع خام سے نظر ثانی واقع ہوئی ہے تو سنگ و کلوخ کی طرح خالی معلوم ہوئی ہے جن لوگوں نے دوسری اور تیسری اور چوتھی نظروں کو جو مظاہر جمیلہ سے تعلق رکھتی ہیں مفید جانا ہے اور حقیقت کی طرف عروج کرنے کے اسباب میں سے خیال کیا ہے سب استدراج کی قسم سے ہیں اور وہ حقیقت کہ جس کی طرف عروج کرتے ہیں عالم مجاز سے ہے آیت کریمہ قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا أْفْرُ وُجْهَهُمْ (مومنوں کو کہہ دو کہ اپنی آنکھوں کو ڈھانپیں اور اپنی شرمگاہوں کو نگاہ رکھیں) ان لوگوں کے رد میں کافی ہے کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اس مقام میں قرب و جوار کی ظلمتیں نفع دیتی ہیں اور ہمسایوں کا کفر و فسق امداد کرتا ہے جس قدر یہ ظلمت زیادہ ہو اسی قدر امداد زیادہ کرتی ہے اس کا مطلب یہ نہیں جو کہتے ہیں کہ فیوض واردہ ان لوگوں پر جو غفلت کی ظلمت

میں غرق ہیں ان کی ناقابلی کی وجہ سے نہیں پہنچتے بلکہ اس شخص کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جو ان کے قرب و جوار میں حضور ہو اور وہ شخص دوسروں کے فیوض سے ترقیاں کرتا ہے ایسا نہیں کیونکہ اس عارف کے بلند درجہ کے باعث کہہ سکتے ہیں کہ وہ فیوض واردہ اس کے گرد نہیں پہنچ سکتے چہ جائیکہ اس کے عروج میں امداد کر سکیں ان بزرگواروں کا کارخانہ بلند ہے وہاں ہر عمل و فیض نافع نہیں بلکہ وہاں ایک ایسا پوشیدہ ستر ہے جو انہی حال والوں پر منکشف ہوتا ہے صرف اسی قدر بیان کرنا ضروری ہے کہ نور کے کمال ظہور کے لئے ظلمت بھی درکار ہے آپ نے سنا ہی ہو گا بِضْءٍ هَا تَتَّبِعُنَّ الْأَشْيَاءَ (کہ اشیا ضد سے پہچانی جاتی ہیں) چونکہ ظلمت کا ارتکاب ممنوع ہے اس لئے کمال کرم سے جوار کی ظلمت کو بھی باعتبار اور معتبر جانا ہے اور نور کے ظہور میں جو نور الانوار ہے نافع ثابت کیا ہے اگر کہیں کہ اطاعات و عبادات خصوصاً ادائے فرائض اس میں کیوں نافع نہیں اور عروج کی امداد کیوں نہیں کرتیں تو میں کہتا ہوں کہ کیوں نافع نہیں اور کیوں عروج کی امداد نہیں کرتیں لیکن وہ معتد بہ نفع و امداد جو پہلے متحقق ہوتا تھا اس وقت حاصل نہیں ہوتا اور اسباب خارجی و غیرہ کی طرح جو اوپر مذکور ہو چکے ہیں نافع نہیں ہیں وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ اَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْحَالِ (حقیقت حال کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے) سُبْحَانَكَ لَا اَعْلَمُ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ (یا اللہ تو پاک ہے ہم کو کوئی علم نہیں مگر جس قدر تو نے ہم کو دیا تو جاننے والا اور حکمت والا ہے) وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اَتَّبَعَ الْهُدٰی (سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی)

مکتوب ۶۲

انسان کے عدم ذاتی ہونے کے باعث اس کے فناء و جود کی نفی میں مخدوم زادہ

خواجہ محمد معصوم مدظلہ العالی کی طرف صادر فرمایا ہے:-

انسان کی ذات و حقیقت نفس ناطقہ ہے۔ جو لفظ انا کے ساتھ انسان کا مشار الیہ ہے اور نفس ناطقہ کی حقیقت عدم ہے جس نے وجود اور صفات وجودیہ کے انعکاس کے باعث اپنے آپ کو موجود تصور کیا ہے اور اپنے آپ کو مستقل طور پر حی و عالم و قادر جانا ہے اور حیات و علم و غیرہ صفات کمال کو اپنی طرف سے تصور کیا ہے اور ان کو اپنے ساتھ قائم خیال کیا ہے اور اس تو ہم سے اپنے آپ کو کامل اور بہتر یقین کیا ہے اور اپنے ذاتی نقص و شرارت کو جو عدم سے کہ شر محض ہے پیدا ہوا ہے فراموش کر دیا ہے جب اللہ تعالیٰ کی عنایت اس کے شامل حال ہو جائے اور جہل مرکب اور اس جھوٹی تصدیق سے اس کو نجات دیدے تو اس کو معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ کمالات کسی اور جگہ سے ہیں اور یہ صفات کاملہ اس کی اپنی نہیں ہیں اور نہ اس کے ساتھ قائم ہیں اور جان لیتا ہے کہ اس کی حقیقت و ذات عدم ہے جو محض شر اور خالص

نقص ہے جب اللہ تعالیٰ کے کرم سے یہ دید اس پر غالب آجاتی ہے اور ان تمام کمالات کو صاحب کمالات کی طرف سے جانتا ہے اور یہ امانت بالکل امانت والے کے حوالے کر دیتا ہے اور اپنے آپ کو محض عدم معلوم کرتا ہے اور خیریت کی بواپنے آپ میں نہیں دیکھتا ہے تو اس وقت نہ اس کا نشان رہتا ہے نہ نام اور نہ عین نہ اثر کیونکہ عدم لاشے محض ہے اور کسی مرتبہ میں ثبوت نہیں رکھتا اگر باہر کسی مرتبہ میں اس کا ثبوت ہوتا تو تمام کمالات اس سے مسلوب نہ ہوتے کیونکہ ثبوت عین کمال بلکہ ام الکملات ہے اس تحقیق سے واضح ہوا کہ اس فنا کے حاصل ہونے میں جو اتم و اکمل ہے فانی شخص کا وجودی فنا و زوال کچھ درکار نہیں کیونکہ اس کا وجود ہرگز نہ تھا تا کہ اس کا زوال متصور ہو سکے بلکہ وہ عدم تھا جو صرف توہم میں اپنے وجود کو قائم رکھتا تھا جب یہ توہم زائل ہو گیا اور زوال شہودی سے متحقق ہوا تو عدم محض رہ گیا جو ہالک و لاشے ہے پس زوال شہودی سے چارہ نہیں اور زوال وجودی درکار نہیں۔ وَ اللّٰهُ سُبْحَانَهُ اَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْحَالِ (حقیقت حال کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے)

مکتوب ۶۳

حق تعالیٰ کے قرب و معیت و احاطہ کے سر کے کشف میں اور اس سر عظیم کو کتاب کریم کے مجمل مشکل کی طرف رجوع کرنے میں میر منظور کی طرف صادر فرمایا ہے:-

قرب و معیت و احاطہ و سر بیان و وصل و اتصال و توحید و اتحاد و غیرہ اس بارگاہ جل شانہ میں تشابہات و شطیحات کی قسم سے ہیں۔ وہ قرب و معیت اور وہ وصل و اتصال جو ہماری عقل و فہم میں آسکے حق تعالیٰ کی پاک بارگاہ اس سے منزہ اور مبرا ہے لیکن آخر کار اس قدر معلوم ہوا ہے کہ یہ قرب و اتصال وغیرہ اس قرب و اتصال کی مانند ہے جو آئینہ اور اس صورت کے درمیان جو آئینہ میں متوہم ہوتی ہے حاصل ہے جو موجود کے موہوم کے ساتھ قرب و اتصال کی قسم سے ہے چونکہ حق تعالیٰ موجود حقیقی ہے اور عالم مرتبہ حس و وہم میں مخلوق ہوا ہے اس لئے واجب و ممکن کا درمیانی قرب و اتصال موجود اور موہوم کے درمیانی قرب و اتصال کی قسم سے ہو گا اس قرب و معیت سے اس پاک بارگاہ میں کوئی خلل و محذور عائد نہیں ہوتا اشیاء خسیہ جو آئینہ میں منعکس ہوتی ہیں اور آئینہ کو ان سے قرب و احاطہ حاصل ہوتا ہے اس سے کوئی نقص راستہ نہیں پاتا اور کوئی خست اس میں اثر نہیں کرتی کیونکہ جس مرتبہ میں کہ آئینہ ہے اس مرتبہ میں ان اشیاء خسیہ متوہمہ کا نام و نشان بھی نہیں تاکہ ان کی صفات اس میں تاثیر کریں حاصل کلام یہ ہے کہ چونکہ حق تعالیٰ نے عالم کو مرتبہ حس و وہم میں پیدا فرمایا ہے اور چاہتا ہے کہ اس مرتبہ کو ثبات و استقامت دے تو ان احکام و آثار کو جو وجود پر مرتب ہیں اس موہوم پر جاری کئے اور موجود کے آثار کو موہوم پر مرتب کیا اسی واسطے قرب و احاطہ موہومہ کو قرب و احاطہ موجودہ کی طرح

ثابت فرمایا اور احکام صادقہ میں سے بنایا کیا نہیں دیکھتے کہ جس طرح صورت جلیلہ کا خارج میں دیکھنا التذاور گرفتاری کا باعث ہے اسی طرح اس صورت کا دیکھنا بھی جو آمینہ میں منعکس ہو کر ثبوت وہمی پیدا کر لیتی ہے التذاور گرفتاری کا موجب ہے حالانکہ صورت اول موجود ہے اور صورت دوم موہوم لیکن اثر کے حصول میں دونوں شریک ہیں جب اللہ تعالیٰ کے کرم سے احکام کے مترتب ہونے میں موہوم کو موجود کے ساتھ شرکت حاصل ہو گئی اور موجود کی طرح موہوم پر بھی آثار مترتب ہوئے تو موہوم نامراد کو موجود سے بہت امیدیں پیدا ہوئیں اور موجود کے قرب و اتصال کی دولت کی بہت سی بشارتیں اس کو حاصل ہوئیں۔ بیت

هَيْثَا لِأَرْبَابِ النِّعَمِ نَعِيمُهَا وَلِلْعَاشِقِ الْمُسْكِينِ مَا يَتَجَرَّعُ

ترجمہ بیت

مبارک منعموں کو اپنی نعمت مبارک عاشقوں کو درد و کلفت

ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے) جاننا چاہئے کہ قرب و اتصال کو جس طرح کہ ذکر ہو چکا ہے اس کے بغیر اور جس طرح تصور و تعقل کریں تشبیہ و تجسیم کی آمیزش سے خالی نہ ہو گا ہاں یہ بہتر ہے کہ اس پر ایمان لے آئیں اور اس کی کیفیت میں مشغول نہ ہوں اور اس کو حق تعالیٰ کے علم کے حوالے کریں جب ان الفاظ کے ساتھ ایک قسم کا بیان لاحق ہو گیا تو ان کو اگر متشابہات سے نکال کر مجمل یا مشکل میں داخل کیا جائے تو ہو سکتا ہے وَاللَّهُ سُبْحَانَهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْحَالِ (اللہ تعالیٰ ہی حال کو جاننے والا ہے)

مکتوب ۶۴

اس فنائے اتم کے بیان میں جو عین و اثر کے زوال پر وابستہ ہے اور واجب تعالیٰ کے وجود کی تحقیق اور ممکن سے عدم کے زوال اور اس کے ثبوت کے بقاء اور عروج و جات کے بیان میں علوم و اسرار کے جامع بزرگ مخدوم زادوں خواجہ محمد سعید و خواجہ محمد معصوم سلمہما اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا ہے:-

فنائے اتم اس وقت تحقق ہوتی ہے جب فانی کے عین و اثر کا زوال حاصل ہو اور اس کا کوئی نام و نشان نہ رہے۔

سوال:- ممکنات کی حقیقت جب اللہ ام ہیں جو اضافت سے امتیاز پا کر واجب تعالیٰ کے اسماء و صفات کے جلوہ گاہ بنے ہیں جیسے کہ کئی مکتوبوں میں اس کی تحقیق ہو چکی ہے تو اس سے لازم آتا ہے کہ اس فناء کے حصول کی صورت میں عدم سے جو اس کی حقیقت ہے کوئی نام و نشان ممکن میں باقی نہ رہے اور وجود

محض کے سوا اس میں کچھ نہ رہے کیونکہ دو نفیضوں میں سے ایک کا زوال دوسری نفیض کے حصول کا باعث ہے تاکہ نفیضین کا ارتقاع لازم نہ آئے اور وجود صوفیہ کے نزدیک عین واجب تعالیٰ ہے یا حق تعالیٰ کی اخص صفات میں سے ہے اس صورت میں قلب حقیقت لازم آتا ہے جو الحاد و زندقہ کو مستلزم ہے۔

جواب:- عدم کی نفیض وہ وجود نہیں جو عین واجب تعالیٰ ہے۔ یا حق تعالیٰ کی صفات ذاتیہ میں سے اخص ہے بلکہ عدم کی نفیض اس وجود کے ظلال میں سے ایک ظل اور اس کے عکسوں میں سے ایک عکس ہے۔ غرض وہ وجود جس کے مقابلہ میں عدم ہے۔ وہ دائرہ امکان میں سے ہے اور عدم (جو اس کی نفیض ہے) کے رفع کرنے کی احتیاج رکھتا ہے۔

حق تعالیٰ کی صفات اگرچہ دائرہ امکان سے خارج ہیں۔ لیکن چونکہ حق تعالیٰ کی ذات کے ساتھ احتیاج رکھتی ہیں اور ہر ایک کے مقابل میں اعدام ثابت ہیں۔ اس لئے امکان کی آمیزش سے خالی نہیں ہیں اور حق تعالیٰ کی ذات کی احتیاج ہمیشہ ان کی دامنگیر ہے اگرچہ قدیم ہیں اور حق تعالیٰ کی ذات سے جدا نہیں ہیں۔ لیکن نفس احتیاج امکان کی دلیل ہے۔ اگر غیر کی طرف احتیاج ہے۔ تو کامل نقص ہے اور دائرہ امکان میں داخل ہے اور اگر غیر کی احتیاج نہیں تو بھی امکان کی بوپائی جاتی ہے اگرچہ دائرہ امکان میں داخل نہ ہو۔ جس طرح کہ حق تعالیٰ کی صفات جن کا کمال ذات کے کمال سے کمتر ہے۔ پس وجوب مطلق صرف حق تعالیٰ کی ذات کے لئے ثابت ہے۔ جو ہر طرح کے نقص و قصور کی آمیزش سے منزہ و مبرا ہے حق تعالیٰ کی صفات اگرچہ دائرہ وجوب میں قدم رکھتی ہیں لیکن چونکہ ذات کی احتیاج رکھتی ہیں اس لئے ان کا وجوب ذات کے وجوب سے کمتر ہے کیونکہ ان کا وجود عدم کی نفیض رکھتا ہے۔ جیسے کہ عدم علم اور عدم قدرت وغیرہ لیکن حق تعالیٰ کے وجود ذات کے مقابل کوئی عدم نہیں اور کوئی نقیض متصور نہیں اگر واجب تعالیٰ کے وجود کے لئے اعدام میں کوئی عدم نقیض ہو تو اس نقیض کے رفع کرنے کا محتاج ہو گا اور احتیاج نقص کی صفات میں سے ہے جو امکان کے حال کے مناسب ہے۔ تَعَالٰی اللّٰهُ عَنْ ذَٰلِكَ غُلُوًّا كَبِيرًا (اللہ تعالیٰ اس سے بہت ہی برتر اور بلند ہے) واضح ہو کہ حق تعالیٰ کی صفات میں لفظ امکان کے اطلاق سے پرہیز کرنی چاہئے کیونکہ اس سے حدوث کا وہم گزرتا ہے اللہ تعالیٰ کی صفات قدیم ہیں اگرچہ صفات واجبی فی ذاتہ واجب نہیں ہیں۔ لیکن واجب جل شانہ کی ذات کے اعتبار سے واجب ہیں جو ذات سے جدا نہیں ہیں اس معنی کا حاصل اگرچہ امکان کی طرف لے جاتا ہے۔ لیکن حدوث کے وہم سے خالی ہے اور واجب تعالیٰ کے وجود کے لئے نقیض یعنی عدم کا حاصل نہ ہونا کشفی اور شہودی ہے۔ اگرچہ استدلال کی صورت میں تنبیہ لائیں اب ہم اصل بات کی طرف آتے ہیں اور سوال کا جواب دیتے ہیں۔ کہ ممکن سے عدم کے زوال کے بعد فناء کی صورت میں وجود کے سوا اس میں کوئی چیز

نہیں رہتی اور ثبوت و تحقق کے سوا کچھ اس کے نصیب نہیں ہوتا کیونکہ عدم بمعین و اثر کے دور ہو چکا ہوتا ہے لیکن یہ وہ وجود ثبوت ہے جو ممکن کے مرتبہ حس و وہم میں ثابت ہوا ہے اور آثار کو اس پر مرتب کیا ہے اور عدم کے زوال کے بعد حضرت وجوب تعالیٰ کے کمالات کا آئینہ بنا ہے اور عدم زائل کی طرح ممکن کی ذات و حقیقت ثابت ہوا ہے۔ یہ ثبوت زوال عدم سے پہلے کی صفات سے تھا جس کو مرتبہ حس و وہم میں ثابت کیا ہے اور اب بھی زوال عدم کے بعد وہی ثبوت اس کے قائم مقام ہو کر ممکن کی ذات بن گیا ہے اور صفات کو اپنی طرف منسوب رکھا ہے اور عدم کا کارخانہ اس پر قائم کیا گیا ہے یہ کارخانہ جو عدم کی نیابت سے قائم ہوا ہے اس حد تک برپا ہے۔ جب تک ثبوت کی نقیض قائم ہے اور امکان کے لئے بقاء ہے۔ جب معاملہ ثبوت کی نقیض سے بالا ہو جاتا ہے اور وجود کا تقابل نہیں رہتا بلکہ عدم کو اس کے مقابلہ کی مجال نہیں ہوتی اور امکان کی ہر گز گنجائش نہیں رہتی اس وقت اور ہی کاروبار ہوتا ہے اور وہی دمساز اور غمگسار ہوتا ہے اَو اَذْنٰی کا سر اس جگہ طلب کرنا چاہئے کیونکہ جہاں تک کہ امکان کی آمیزش اور عدم کی مجال ہے۔ اگرچہ نقاضت سے ہو۔ قَابِ قَوْسَیْنِ میں داخل ہے۔ اور جب امکان اور عدم بالکل اپنا اسباب باندھ لیں اور کوچ کا نقارہ بجائیں تو پھر اَو اَذْنٰی کے کمالات پیش آتے ہیں۔ اس سے یہ مطلب نہیں۔ کہ ممکن واجب تعالیٰ کی ذات ہو جاتا ہے بلکہ اس کا یہ مطلب ہے۔ کہ اس کا قیام حق تعالیٰ کی ذات بحت کے ساتھ ثابت ہو جاتا ہے اور وہ قیام جو ذات کے خلال میں سے کسی ظل کے ساتھ تھا زائل ہو جاتا ہے۔ ع

کے کو در خدا گم شد خدا نیست

ترجمہ ع جو گم ہوا خدا میں ہر گز خدا نہیں ہے

اس عارف کا قیام حق تعالیٰ کی ذات کے ساتھ ایسا ہے۔ جیسے کہ حق تعالیٰ کی صفات کا قیام اس کی ذات کے ساتھ ہے۔ بلکہ اس کا قیام اس مرتبہ میں ہے۔ جہاں صفات میں سے کچھ ملحوظ نہیں۔ اگرچہ صفات حق تعالیٰ کی ذات سے جدا نہیں ہیں لیکن صفات کا قیام ازلی وابدی ہے اور قدم رکھتا ہے اور اس کا قیام ازلی نہیں ہے۔ حدوث کے داغ سے موسوم ہے لیکن صفات کے لئے نقیضین ہے۔ جو اعدام ہیں مثلاً عدم علم اور عدم قدرت اور اس عارف کا معاملہ اعدام کے نقیض ہونے سے برتر ہو جائے تو وجود متحقق ہو جاتا ہے اور ممکن واجب ہو جاتا ہے اور یہ محال ہے۔ میں کہتا ہوں۔ کہ ممکن اس وقت واجب ہوتا ہے۔ جب کہ وجود خارجی پیدا کرے لیکن جب مرتبہ حس و وہم کے سوا ممکن کا کوئی ثبوت نہیں تو پھر وجوب وجود کس طرح متصور ہو گا اس بیان سے صفات کے قیام اور عارف کے قیام کے درمیان ایک اور فرق ظاہر ہو

میا کہ صفات کا قیام وجود خارجی کے اعتبار سے ہے اور عارف کا قیام وجود وہی کے اعتبار سے اگرچہ ثبات و قرار رکھتا ہے اور انا کا مبداء ہے جاننا چاہئے کہ عارف کے انا کی بقا عدم کی بقا تک ہے جو اس کی حقیقت ہے۔ جب عدم زائل ہو جائے تو انا کے لئے کوئی محل و مورد نہیں رہتا۔ جس پر اس کا اطلاق کیا جائے۔ ثبوت کے معاملات زوال عدم کے بعد اگرچہ طول و طویل ہیں اور ثبوت اگرچہ ممکن کی ذات ہو گیا ہے لیکن وہاں کلمہ انا کا کوئی مورد و محل نہیں ہے۔ گویا لفظ انا حقیقت عدمیہ کیلئے وضع کیا گیا ہے جو حقیقت ثبوتیہ سے نفرت رکھتی ہے۔ ہاں ممکن میں جزو اعظم عدم ہی ہے اور ممکن عدم ہی سے ممکن ہوا ہے اور ممکن کا یہ کارخانہ عدم ہی سے لمبا چوڑا ہوا ہے اور وہ احتیاج جو ممکن میں ہے عدم ہی کی طرف سے آئی ہے اور وہ حدوث جو امکان کا دامگیر ہے وہ بھی عدم ہی سے ظاہر ہوا ہے اور اگر ممکن میں کثرت ہے۔ تو عدم ہی کی طرف سے ہے اور اگر امتیاز ہے تو عدم ہی کے باعث ہے وجود ممکن کے حق میں مستعار ہے اور وہ بھی تخیل و توہم میں ہے۔ اگرچہ ثبات و استقرار رکھتا ہے۔ جاننا چاہئے کہ وہ صفات جو حق تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قیام رکھتی ہے حق تعالیٰ کی ذات ان صفات میں سے ہر ایک صفت کے رنگ میں کامل طور پر ظہور فرماتی ہے۔ یہ نہیں کہ حق تعالیٰ کی ذات میں سے کچھ حصہ کسی صفت سے متصف ہو اور کچھ حصہ کسی صفت سے۔ کیونکہ اس بارگاہ میں تبعض و تجزی نہیں ہے بلکہ بسیط حقیقی ہے۔ وہاں جو حکم ثابت کریں۔ کلیت کے اعتبار سے ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ کی ذات کلمہ ارادہ ہے اور کلمہ علم ہے اور کلمہ قدرت ہے اور وہ قیام جو عارف کو اسماء و صفات کے ملاحظہ کے بغیر حق تعالیٰ کی ذات کے ساتھ حاصل ہوتا ہے وہ بھی اسی قسم سے ہے کہ حق تعالیٰ کلی طور پر اس کے رنگ میں ظہور فرماتا ہے اور دوسرے مظاہر کے برعکس اس کے تشخص و تعین میں اپنے مراتب یعنی آئینہ بننے کو ظاہر کرتا ہے۔ فہم من فہم (سمجھا جس نے سمجھا) بیت۔

قیامت میکنی سعدی بدیں شیریں سخن گفتن
مسلم نیست طوطی رابد و رانت شکر خالی

ترجمہ۔ بیت

غضب کرتا ہے اے سعدی تو یہ شیریں سخن کہہ کر
نہیں طوطی کو لائق اب کرے ظاہر شکر خالی

اس طرح کا ظہور کہ آئینہ کلی طور پر صورت کے رنگ میں آجائے۔ اگر عارف کو فناء اتم کے بعد اس ظہور کے ساتھ بقا پیدا ہو جائے۔ تو اس کے تعینات میں سے اکمل ہو گا۔ کیونکہ یہ وجود مہو بہو حقیقی یعنی حق کا بخشا ہوا ہے۔ جو ولادت ثانیہ سے اس کو میسر ہوا ہے اور یہ تعین باوجود حدوث اور امکان کے

چونکہ مرتبہ جمع سے پیدا ہوا ہے۔ اس لئے دوسرے تعینات پر جو اس مرتبہ سے پیدا نہیں ہیں۔ فضل و زیادتی رکھتا ہے۔ جس طرح کہ قرآن کے حروف و کلمات دوسرے حروف و کلمات پر فضل و زیادتی رکھتے ہیں۔ اگرچہ دونوں حدوث و امکان سے موسوم ہیں۔ وہ بہت ہی بیوقوف ہے۔ جو ظاہر بنی کے باعث اس تعین کو ان دوسرے تعینات کے برابر دیکھے اور قرآن کے حروف و کلمات کو دوسرے حروف و کلمات کے مساوی جانے۔ اس بیان سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ عارف کو دوسرے لوگوں پر وہی فضل و زیادتی حاصل ہے۔ جو کلام خداوندی کو دوسروں کی کلام پر فضل و زیادتی ہے۔ بیت

ہر کہ افسانہ بخواند افسانہ است وانکہ دیدش نقد خود مردانہ است

ترجمہ بیت

جس نے افسانہ پڑھا افسانہ ہے جس نے دیکھا نقد وہ مردانہ ہے

جن مجہوبوں نے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بشر کہا اور دوسرے انسانوں کی طرح تصور کیا۔ وہ منکر ہو گئے اور جن سعادتمندوں نے ان کو رسالت اور رحمت عالمیان کے طور پر دیکھا اور تمام لوگوں سے ممتاز اور سرفراز سمجھا۔ وہ ایمان کی دولت سے مشرف ہوئے اور نجات پا گئے۔

تنبیہ:- بعض ان پوشیدہ مطالب کے ادا کرنے میں جو حق تعالیٰ کی ذات و صفات سے تعلق رکھتے ہیں۔ میدان عبارت کی تنگی کے باعث ایسے ایسے الفاظ لائے گئے ہیں۔ جن سے ممکن کی صفات کا وہم گزرتا ہے اور جن سے نقص و قصور لازم آتا ہے۔ ان الفاظ کو ظاہر کی طرف سے پھیر لینا چاہئے اور حق تعالیٰ کی پاک بارگاہ کو نقص کے تمام صفات اور قصور کے تمام نشانات سے منزہ و مبرا جاننا چاہئے اور بعض الفاظ جو شرع میں حق تعالیٰ کی بارگاہ کی نسبت وارد نہیں ہوئے۔ مثلاً مراتب و غیرہ کہ حق تعالیٰ کی ذات پر ان کا اطلاق مشائخ عظام کی تقلید پر مجاز کیا جاتا ہے۔ ورنہ فقیر ان کے اطلاق سے بھی ڈرتا اور کانپتا ہے۔ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَسِينَا اَوْ اَخْطَاْنَا (یا اللہ تو ہماری بھول چوک پر ہمارا مواخذہ نہ کر) اگر کہیں کہ لفظ تجلی اور ظہور ظلی وغیرہ سے جو تیری عبارت میں واقع ہوتے ہیں۔ مراتب ظہورات میں وجود کا تنزل لازم آتا ہے۔ جیسے کہ دوسرے مشائخ نے کہا ہے۔ حالانکہ تو وجود کے تنزل کا انکار کرتا ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے۔ تو میں کہتا ہوں۔ کہ تنزل اس صورت میں لازم آتا ہے۔ جبکہ مظہر کو عین ظاہر کہیں۔ جیسے کہ دوسروں نے کہا ہے اور اگر عین نہ کہیں۔ تو پھر تنزل کیونکر ہو گا اس فقیر کے نزدیک مختار یہی ہے۔ کہ مظہر عین ظاہر نہیں ہے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْمُؤَفَّقُ (اللہ تعالیٰ توفیق دینے والا ہے)

مکتوب ۶۵

اس بیان میں کہ بقاء ذات کے بعد عارف کی صفات میں سے ہر ایک صفت اور

لطائف میں سے ہر ایک لطیفہ ذات کی کلیت میں ظہور کرتا ہے۔ مولانا ظفر احمد رومی کی طرف صادر فرمایا ہے:-

عارف کامل تمام المعرفت کو بقاء ذات کے بعد جب صفات و اخلاق کاملہ عطا فرماتے ہیں۔ تو ان صفات میں سے ہر ایک صفت اس کی ذات کی کلیت کے طور پر متصف ہو کر ظہور کرتی ہے۔ یہ نہیں کہ اس کی ذات کا کچھ حصہ کسی صفت سے متصف ہو اور کچھ حصہ کسی صفت سے۔ یعنی اس کی ذات تمامہ علم اور تمامہ سمع اور تمامہ بصر ہوتی ہے۔ جیسے کہ محققین صوفیہ نے حق تعالیٰ کی صفات کے بارہ میں کہا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کلمہ علم ہے اور کلمہ قدرت اور کلمہ سمع اور کلمہ بصر ہے یہی وجہ ہے کہ مومن لوگ بہشت میں اللہ تعالیٰ کو بے جہت دیکھیں گے کیونکہ بالکل بصر ہی بصر ہو جائیں گے اور جب ہمہ تن بصر ہوں گے۔ تو پھر جہت کی کیا گنجائش ہو گی۔ صوفیہ نے کہا ہے کہ جو کچھ عام مومنوں کو چشیں و چنناں کے بعد آخرت میں میسر ہو گا وہ خاص مومنوں یعنی اولیاء کو دنیا ہی میں میسر ہو جاتا ہے۔ کیونکہ ان کا ادھار ان کا نقد ہے۔ پھر قیاس کرنا چاہئے۔ کہ ان کا ادھار کیا کچھ ہو گا۔ ع

قیاس کن زگلستان من بہار مرا
مری بہار کو کر لے قیاس گلشن سے

ترجمہ ع

ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ جس کو چاہتا ہے دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے) اسی طرح اس عارف کے لطائف میں سے ہر ایک لطیفہ اس وقت اس کی کلیت کے رنگ میں ظہور کرتا ہے۔ یعنی عارف تمامہ لطیفہ روح اور تمامہ لطیفہ قلب ہو جاتا ہے۔ باقی انسانی لطائف یعنی نفس ناطقہ اور سر اور خفی اور انھیں بھی اسی قیاس پر ہیں۔ اسی طرح اس کے اجزاء میں سے ہر ایک جزو اور اس کے عناصر میں سے ہر ایک عنصر کل کا حکم پیدا کر لیتا ہے۔ یعنی عارف اپنے آپ کو ہمہ تن عنصر خاک معلوم کرتا ہے اور ہمہ تن عنصر آب تصور کرتا ہے۔ جب لطیفہ قلب جو حقیقت جامع ہے۔ کل کے رنگ میں رنگا جاتا ہے۔ تو وہ تعلق جو اس کو مضغہ قلبیہ سے ہوتا ہے۔ دور ہو جاتا ہے اور یہ مضغہ اس وقت خالی رہ جاتا ہے اور جسد بے روح کی طرح دکھائی دیتا ہے اور ایسا متحیل ہوتا ہے۔ کہ اس آمد و رفت میں اس کو اس راستہ کی گرد بھی نہیں لگی اور وہ اپنی اصلی صرافت پر ہے۔ جس طرح دیگ پختہ میں کوئی دانہ کچا اصلی صرافت پر رہ جائے۔ نہ آگ کی گرمی اس میں تاثیر کرے اور نہ پانی کی رطوبت اس کو پینچے۔ حاصل کلام یہ کہ قلب اس تعلق کے رفع ہونے اور خالی ہو جانے کے بعد تمام اجزاء کے رنگ میں رنگا جاتا ہے اور دوسرے اجزاء کی طرح کل کا حکم پیدا کر لیتا ہے۔

مکتوب ۶۶

اس سوال کے جواب میں کہ الْمَجَازُ قَنْطَرَةُ الْحَقِيقَةِ کے کیا معنی ہیں۔ محمد مقیم
 قصوری کی طرف صادر فرمایا ہے:-

برادر محمد مقیم نے پوچھا تھا کہ الْمَجَازُ قَنْطَرَةُ الْحَقِيقَةِ یعنی مجاز کو حقیقت کا پل کس معنی سے
 کہتے ہیں۔ جاننا چاہئے کہ مجاز حقیقت کا ظل ہے۔ جو ظل سے اصل کی طرف سیدھا شاہراہ ہے۔ شاید اسی
 اعتبار سے کہتے ہیں۔ کہ مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ (جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا۔ اس نے
 اپنے رب کو پہچان لیا) کیونکہ ظل کی معرفت اصل کی معرفت کو مستلزم ہے اس لئے کہ ظل اپنے اصل
 کی صورت پر موجود ہے۔ پس اصل کے انکشاف کا سبب ہو گا۔ لِأَنَّ صُورَةَ الشَّيْءِ مَا يَنْكَشِفُ بِهِ
 ذَلِكَ الشَّيْءُ (کیونکہ شے کی صورت وہ ہے جس سے اس شے کا انکشاف ہوتا ہے) لیکن جاننا چاہئے۔
 کہ مجاز حقیقت کا پل اس صورت میں ہے کہ مجاز کی گرفتاری درمیان نہ آئے اور نظر ثانیہ تک نہ پہنچے۔ وہ
 نظر اولیٰ ہی ہے۔ جو حقیقت کا پل ہے۔ جس کی نسبت مخبر صادق نے النَّظَرَةُ الْأُولَىٰ لَكَ (پہلا دیکھنا
 تیرے لئے ہے) فرمایا۔ گویا لفظ لک سے اس دولت کے حاصل ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے اور اگر نعوذ
 باللہ مجاز کی گرفتاری درمیان آجائے اور نظرہ ثانیہ تک نہ پہنچ جائے۔ تو وہی مجاز حقیقت تک پہنچنے
 کا مانع ہے۔ وہ قطرہ یعنی پل کیا ہو گا۔ بلکہ بت ہے جو اپنی پرستش کی طرف بلاتا ہے اور دیکھ ہے جو حقیقت
 کی طرف سے روگردان کرتا ہے۔ اسی واسطے مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نظرہ ثانیہ کو مضر جان کر
 النَّظَرَةُ الثَّانِيَةُ عَلَيْكَ (دوسری بار کی نظر تجھ پر وبال ہے) فرمایا ہے اس سے بڑھ کر زیادہ مضر چیز کون ہو
 گی جو حق سے ہٹا رکھتی ہے اور باطل کے ساتھ گرفتار کرتی ہے۔ جاننا چاہئے کہ نظرہ اولیٰ اس وقت نافع
 ہے۔ جب کہ اپنے اختیار سے نہ ہو اور اگر اختیار سے ہو۔ تو نظرہ ثانیہ کا حکم رکھتی ہے۔ اس مطلب کے
 ثابت کرنے کے لئے آیت کریمہ قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّونَ مِنْ أَبْصَارِهِمْ كَافِي ہے۔ بیوقوف کچے صوفی
 اس عبارت کے معنی غلط سمجھ کر صورت جمیلہ کے ساتھ گرفتاری پیدا کرتے ہیں اور اس کی ناز و اداء پر
 فریفتہ ہوتے ہیں۔ اس طمع پر کہ اس کو حقیقت تک پہنچنے کا وسیلہ اور مطلوب کے حاصل ہونے کا زینہ
 بنائیں۔ حاشا و کلا یہ امر سر اسر مطلوب کا سدر راہ ہے اور مقصود کے حاصل ہونے کا حجاب ہے۔ یہ ایک
 باطل ہے۔ جو ان میں سے بعض صوفیہ صورتوں کے حسن و جمال کو حق تعالیٰ کا حسن و جمال سمجھ کر ان
 کے تعلق کو عین حق تعالیٰ کا تعلق جانتے ہیں اور ان کے مشاہدہ کو حق تعالیٰ کا مشاہدہ خیال کرتے ہیں۔
 ان میں سے بعض اس طرح کہتے ہیں۔ بیت

امروز چوں جمال تو بے پردہ ظاہر است در حیرتم کہ وعدہ فردا برائے چیست

ترجمہ بیت

ظاہر ہے جب جمالِ ترابے حجابِ آج حیرت ہے پھر کہ وعدہ فردا کیوں ہوا
 تَعَالَى اللَّهُ عَمَّا يَقُولُونَ عُلُوًّا كَبِيرًا (اللہ تعالیٰ اس بات سے جو کہتے ہیں بہت ہی برتر ہے) معلوم
 نہیں ان بیوقوفوں نے حق تعالیٰ کو کیا گمان کیا ہے اور اس کے حسن و جمال کو کیا تصور کیا ہے۔ شائد
 انہوں نے نہیں سنا۔ کہ اگر بالفرض اس کی مخلوق میں سے جو بہشت کا ایک بال بھی دنیا میں آپڑے۔ تو
 اس بال کی چمک اور روشنی کے باعث دنیا میں کبھی رات نہ آئے اور اندھیرا نہ چھائے اور حق تعالیٰ کی ایک
 ہی تجلی سے کوہ طور کا جل کر ریزہ ریزہ ہونا اور حضرت موسیٰ کلیم اللہ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا باوجود
 اس قرب و منزلت کے بیہوش ہو کر گر پڑنا نص قرآنی سے ثابت ہو چکا ہے۔ لیکن یہ بیوقوف ہر وقت
 خدا تعالیٰ کو بے پردہ دیکھتے ہیں اور آخرت کے رویت کے وعدہ پر تعجب کرتے ہیں لَقَدْ اسْتَكْبَرُوا فِيْ
 اَنْفُسِهِمْ وَغَتَوْا عُتُوًّا كَبِيْرًا (انہوں نے اپنے نفسوں میں تکبر کیا اور سخت سرکش ہو گئے) علماء اہل
 سنت و جماعت نے بڑی کوششیں کی ہیں اور نقلی دلیلوں کے ساتھ مخالفوں کے سامنے آخرت کی
 رویت کو ثابت کیا ہے۔ کیونکہ اہل سنت و جماعت کے سوا باقی تمام مخالف گروہ کیا اہل ملت کیا غیر اہل
 ملت آخرت کی رویت کے قائل نہیں بلکہ اس کو محال عقلی سمجھتے ہیں۔ اہل سنت و جماعت نے بھی اس
 کو بے کیف کہا ہے اور عالم آخرت پر مخصوص رکھا ہے۔ لیکن ان بوالہوسوں نے اس اعلیٰ دولت کو اسی
 عالم فانی میں تصور کیا ہے اور اپنے خواب و خیال پر خوش ہو رہے ہیں۔ رَبَّنَا اِنَّا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةٌ
 وَهِيَءَ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشْدًا (یا اللہ تو اپنے پاس سے ہم پر رحمت نازل فرما اور ہمارے کام سے بھلائی
 ہمارے نصیب کر) وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اَتْبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلٰیہِ وَعَلٰی اٰلِہِ
 السَّلَامٰتِ وَالصَّلٰوۃُ اَتْمَمَهَا وَاَكْمَلَهَا (سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی اور حضرت محمد
 مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑا)

مکتوب ۶۷

کائنات کی حقیقت اور حضرت ایشانِ قدس سرہ اور صاحب فتوحات کے مکشوف

کے درمیان فرق کے بیان میں میر منصور کی طرف صادر فرمایا ہے:-

یہ عرصہ کائنات جو معائن و مشاہد و منہبط و مسطح و طویل و عریض خیال میں آتا ہے۔ حضرت شیخ
 محی الدین بن عربی اور اس کے تابعداروں کے نزدیک حضرت وجود ہے جس کے سوا خارج میں کچھ
 موجود نہیں اور وہ حق تعالیٰ کی ذات کا وجود ہے۔ جس کو ظاہر وجود کہتے ہیں۔ یعنی وہ وجود جو اپنی
 وحدت اور بساطت پر ہے۔ صور علمیہ منکفرہ (جن کو باطن وجود کہتے ہیں اور اعیان ثابتہ سے

تعبیر کرتے ہیں) کے انعکاس اور تلبس کے باعث متکثر اور منبسط اور طویل و عریض متخیل ہوتا ہے اور فرماتے ہیں کہ اس صفحہ میں اور کسی لباس میں اور مختلف صورتوں۔ شکلوں میں عام و خاص کا مشاہدہ محسوس حق تعالیٰ ہی ہے۔ جو عوام کو عالم محسوس ہوتا ہے۔ حالانکہ عالم ہر گز خانہ علم سے باہر نہیں آیا اور وجود خارجی کی بونہیں پائی بلکہ ان علمیہ صورتوں کے عکس ہیں۔ جنہوں نے حضرت وجود کے آئینہ میں ظاہر ہو کر خارج میں نمود پیدا کیا ہے اور عام کو وجود کے وہم میں ڈالا ہے۔ مولوی جامی علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے۔ ابیات

مجموعہ کون رابقا نون سبق کر دیم تصفح ورق قاعد ورق
حق کہ ندیدیم و نخواندیم درو جز ذات حق و شیون ذاتیہ حق

ترجمہ ابیات

سارے عالم کو سبق پڑھ کر دیکھا اس کے ہر ایک ورق کو الٹا کر دیکھا
ہر برگ میں ہر ذرہ میں ہر صورت میں حقائقہ خدائے بزرگ و برتر دیکھا

اور جو کچھ اس فقیر کا مکشوف اور معتقد ہے۔ وہ یہ ہے کہ یہ عرص عرصہ وہم ہے۔ اور یہ صورتیں اور شکلیں جو اس عرصہ میں ہیں۔ ممکنات کی صورتیں اور شکلیں ہیں۔ جنہوں نے حق تعالیٰ کی صفت سے مرتبہ حس وہم میں ثبوت و استحکام حاصل کیا ہے اور اس صفحہ میں جو کچھ مشہود و محسوس ہے۔ سب ممکنات کی قسم سے ہے۔ اگرچہ بعض سالکوں کو وہ مشہود واجب کے ساتھ متوہم ہوتا ہے اور حقیقت کے طور پر ظاہر ہوتا ہے۔ لیکن در حقیقت عالم کے افراد و اقسام سے ہے۔ حق تعالیٰ و راء الوراء ہے اور ہماری دید و دانش سے جدا اور ہمارے کشف و شہود سے مبرا ہے۔ بیت

خلق را وجہ کے نماید او در کدام آئینہ در آید او

ترجمہ بیت

کب وہ خلقت کو منہ دکھاتا ہے کونے آئینے میں آتا ہے

حاصل کلام یہ کہ یہ عرصہ متوہم اس عرصہ خارجیہ کا ظل ہے۔ جو مرتبہ وجود تعالیٰ کے لائق ہے جس طرح کہ اس مرتبہ کا وجود اس مرتبہ کے وجود کا ظل ہے۔ اس مرتبہ وہم کو اگر اس اعتبار سے کہ مرتبہ خارج کا ظل ہے۔ خارج بھی کہیں تو ہو سکتا ہے جس طرح کہ وجود ظلی کے اعتبار سے اس کو موجود بھی کہتے ہیں۔ یہ عرصہ وہم عرصہ خارجی کی طرح واقعی اور نفس الامری ہے اور احکام صادقہ رکھتا ہے اور دائمی معاملہ اسی پر وابستہ ہے جیسے کہ حضرت مخبر صادق نے اس کی نسبت خبر دی ہے۔ اب ملاحظہ کرنا چاہئے کہ ان دونوں مکشوفوں میں سے کونسا حق تعالیٰ کی تنزیہ و تقدیس کے زیادہ قریب اور لائق ہے اور

اس کی پاک بارگاہ کے لئے بہتر اور مناسب ہے اور ان دونوں میں سے کو نسا ہدایت و توسط حال کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے اور کو نسا انتہا کے حال کے مناسب ہے۔ کئی سالوں تک اس فقیر کا مکشوف و معتقد اول رہا ہے اور اس مقام میں بہت احوال عجیبہ اور مشاہدات غریبہ گزرے ہیں اور اس مقام سے بہت حظ حاصل کئے۔ آخر کار محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے معلوم ہوا کہ جو کچھ دیکھا اور جانا گیا ہے۔ سب حق تعالیٰ کا غیر ہے۔ جس کی نفی لازم ہے۔ کچھ مدت کے بعد حق تعالیٰ کے کرم سے معاملہ نفی سے انتفا تک پہنچ گیا اور وہ باطل جو اپنے آپ کو حق ظاہر کرتا تھا۔ دید و دانش سے گر گیا اور غیب الغیب کے ساتھ تعلق حاصل ہو گیا اور موہوم موجود سے اور حادث قدیم سے متمیز و جدا ہو گیا۔ جو مکشوف ثانی کا حاصل ہے۔

رباعی للمولف

در عرصہ کائنات بادقت فہم بسیار گزشتیم بسرعت چوں سہم
گشتیم ہمہ چشم و ندیدیم درو جز ظل صفات آمدہ ثابت درو ہم

ترجمہ رباعی

عرصہ عالم میں بہت غور کئے تیر کی مانند دنیا میں پھرے
آنکھ بنے پھر بھی بجز ظل صفات اور نشان کچھ نہ ہمیں اس کے ملے

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا أَنَّ هَدَانَا اللَّهُ لَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے ہم کو ہدایت دی اور اگر وہ ہدایت نہ دیتا۔ تو ہم کبھی ہدایت نہ پاتے۔ بیشک ہمارے رب کے رسول سچے ہیں) والسلام

مکتوب ۶۸

اس مرتبہ وہم کی تحقیق میں کہ جسم میں عالم وجود و نمود رکھتا ہے۔ فقیر محمد ہاشم کشمی

کی طرف صادر فرمایا ہے:-

عالم کو موہوم کہتے ہیں۔ تو اس کے یہ معنی نہیں۔ کہ عالم وہم کا تراشا ہوا اور بنایا ہوا ہے عالم وہم کا بنایا ہوا کس طرح ہو سکتا ہے۔ جبکہ وہم بھی عالم کی قسم سے ہے۔ بلکہ اس کے یہ معنی ہیں کہ حق تعالیٰ نے عالم کو مرتبہ وہم میں پیدا کیا ہے۔ اگرچہ وہم اس وقت وجود میں نہ آیا تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا اور مرتبہ وہم نمود بے بود سے مراد ہے۔ جس طرح کہ وہ دائرہ جو نقطہ جوالہ سے وہم میں پیدا ہوا ہے۔ نمود بے بود رکھتا ہے۔ حکیم مطلق جل شانہ نے عالم کو اس مرتبہ میں پیدا فرما کر محض نمود کو ثبوت و ثبات بخشا اور غلط سے صحت میں لایا اور کذب سے صدق میں لا کر نفس الامر بنایا۔ فَأُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ مِثْلَهُمْ حَسَنَاتٍ (یہ وہ لوگ ہیں جن کی برائیوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں سے بدل دیتا ہے) مرتبہ موہوم

ایک عجب مرتبہ ہے۔ جس کو موجود کے ساتھ کچھ مزاحمت نہیں اور کوئی مقابلہ اور مدافعہ نہیں اور نہ جہات میں سے کوئی جہت ثابت کرتا ہے۔ نہ اسکے لئے کوئی حد و نہایت پیدا کرتا ہے۔ دائرہ موہومہ کو نقطہ جو الہ موجودہ کے ساتھ کوئی مخالفت نہیں۔ نہ اس کے لئے جہات میں سے کوئی جہت ثابت ہے۔ نہ اس دائرہ کے حدوث سے اس نقطہ کی حد و نہایت پیدا ہو گئی ہے۔ نہیں کہہ سکتے کہ نقطہ دائرہ کے دائیں ہے یا بائیں یا آگے ہے یا پیچھے یا اوپر ہے یا نیچے۔ یہ دائرہ ان جہات کو ان اشیاء کے لئے ثابت کر سکتا ہے۔ جو اس کے مرتبہ میں ثبوت رکھتی ہیں۔ لیکن وہ چیز جو دوسرے مرتبہ میں ثابت ہے۔ دائرہ کو اس کے ساتھ کوئی جہت ثابت نہیں۔ نیز اس دائرہ کے پیدا ہونے سے نقطہ کی کوئی نہایت پیدا نہیں ہوئی۔ وہ اپنی پہلی ہی صرف حالت پر ہے۔ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْأَعْلٰی (مثال اعلیٰ اللہ تعالیٰ کے لئے ہے) اس بیان و تمثیل سے واضح ہو جاتا ہے۔ کہ عالم کو صانع عالم کے ساتھ کیا تعلق ہے۔ اس عالم کے ایجاد سے حق تعالیٰ کو کوئی حد و نہایت حاصل نہیں ہوئی اور حیات میں سے کوئی جہت ثابت نہیں ہوئی۔ وہاں یہ نسبت کس طرح متصور ہو سکے۔ جبکہ اس مرتبہ عالیہ میں ان کا نام و نشان بھی نہیں۔ جس سے نسبت کا تصور کیا جائے۔ بعض بد بختوں نے بیوقوفی کے باعث عالم اور صانع عالم کے درمیان اس نسبت کا حاصل ہونا اور ان جہات کا ثابت ہونا تصور کر کے حق تعالیٰ کی رویت کی نفی کی ہے اور ان کو محال سمجھا ہے اور اپنی جہل مرکب اور تصدیق کا ذب کو کتاب و سنت پر مقدم کیا ہے۔ ان لوگوں نے گمان کیا ہے۔ کہ اگر حق تعالیٰ دیکھا جائے۔ تو جہات میں سے کسی جہت میں ہو گا۔ نہ کہ ان کے ماسوا اور اس سے حد و نہایت لازم آتی ہے اور تحقیق سابق سے معلوم ہو چکا ہے۔ کہ حق تعالیٰ کو عالم کے ساتھ اس قسم کی کچھ نسبت بھی ثابت نہیں۔ خواہ رویت کو ثابت کریں۔ یا نہ کریں کیونکہ رویت موجود ہے اور کوئی جہت ثابت نہیں۔ چنانچہ اس کی تحقیق ابھی کی جائے گی۔ شاید یہ لوگ نہیں جانتے۔ کہ یہ محذور و اعتراض وجود عالم کے وقت بھی ثابت ہے۔ کیونکہ اس وقت صانع عالم کی جہات میں سے کسی جہت میں ہو گا اور عالم کے ماوراء بھی ہو گا۔ اس سے بھی حد و نہایت لازم آتی ہے اور اگر عالم کے تمام جہات میں کہیں۔ تو پھر حد و نہایت کی نسبت کیا کہیں گے جو روایت کو لازم ہے۔ نیز جہت کا فساد نہایت کے استلزام کے باعث ہے اور وہ خود لازم ہے۔ اس تنگی سے خلاصی تب ہوتی ہے۔ جب صوفیہ کے قول کو اختیار کریں۔ جو عالم کو موہوم کہتے ہیں اور جہت و نہایت کے اشکال سے چھوٹ جاتے ہیں۔ موہوم کہنے میں کوئی محذور محال لازم نہیں آتا۔ کیونکہ وہ موجود کی طرح احکام صادقہ رکھتا ہے اور ابدی معاملہ اور دائمی رنج و راحت اس پر وابستہ کیا ہے۔ وہ موہوم اور ہے جس کے سوسطائی نقرہ قائل ہیں۔ جو وہم کا اختراع اور خیال کا تراش و خراش ہے۔ ان دونوں میں بہت فرق ہے۔ اب ہم اصل بات کو بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دائرہ

موجودہ کو جو نقطہ جوالہ سے پیدا ہوا ہے۔ اس نقطہ کے ساتھ کوئی جہت ثابت نہیں۔ وہ نقطہ اس دائرہ کی جہات سے باہر ہے۔ اگر بالفرض وہ دائرہ تمامہ بصر ہو جائے۔ تو اس نقطہ کو بے جہت دیکھے گا۔ کیونکہ جہت ان کے درمیان مفقود ہے۔ صورت مذکورہ بالا میں بھی اگر دیکھنے والا ہمہ تن بصر ہو جائے اور حق تعالیٰ کو بے جہت دیکھے تو اس کی محظور و محال لازم آتا ہے مومن بہشت میں ہمہ تن بصر ہو کر حق تعالیٰ کو دیکھیں گے اور کوئی جہت ثابت نہ ہوگی۔ اولیاء کو تَخَلَّفُوا بِاخْلَاقِ اللّٰهِ (اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے متخلّق ہو) کے بموجب یہ دولت دنیا میں حاصل ہو جاتی ہے اور ہمہ تن بصر ہو جاتے ہیں۔ اگرچہ وہ رویت نہیں ہوتی۔ جو آخرت پر مخصوص ہے۔ لیکن رویت کا حکم رکھتی ہے اور یہ جو کہا ہے کہ تَخَلَّفُوا بِاخْلَاقِ اللّٰهِ کے موافق وہ اس لئے کہا ہے۔ کہ واجب تعالیٰ کے بارہ میں صوفیہ نے فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ کی ذات کلمہ بصر اور کلمہ سمع اور کلمہ علم ہے اور متخلّقین باخلاق اللہ کو ان صفات سے حصہ حاصل ہوتا ہے۔ اس مقام میں ان کی ہر ایک صفت بھی ان کی کلیت کے رنگ میں ظہور کرتی ہے۔ مثلاً ہمہ تن بصر ہو جاتے ہیں۔ آخرت میں تمام مومنوں کو یہ نسبت عطا فرما کر رویت کی دولت سے مشرف فرمائیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس صورت میں کوئی محظور و اشتباہ لازم نہیں آتا۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ اَعْلَمُ بِحَقِیْقَةِ الْحَالِ (حقیقت حال کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے)

مکتوب ۶۹

شریعت کے التزام اور ارباب جمعیت کی صحبت کی ترغیب میں قاضی موسیٰ شوچین

کی طرف صادر فرمایا ہے:-

حمد و صلوة اور تبلیغ دعوات کے بعد واضح ہو۔ کہ اس طرف کے فقراء کے احوال حمد کے لائق ہیں۔ آپ کا صحیفہ شریفہ جو درویش رحم علی کے ہمراہ بھیجا تھا پہنچا۔ بہت خوش ہوا۔ حق تعالیٰ آپ کو سلامت و استقامت عطا فرمائے۔ آپ نے نصیحتیں طلب فرمائی تھیں۔ میرے مخدوم سب سے اعلیٰ نصیحت یہی ہے۔ کہ حضرت سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دین اور متابعت کو لازم پکڑیں۔ متابعت کی کئی قسمیں ہیں۔ ان میں ایک احکام شریعہ کا بجالانا ہے۔ باقی اقسام کو فقیر نے ایک مکتوب میں جو بعض دوستوں کے نام لکھا ہے۔ مفصل ذکر کیا ہے۔ فقیر ان کو کہے گا۔ کہ اس کی نقل انشاء اللہ آپ کو بھیج دیں۔ غرض اس طریق کے افادہ و استفادہ کا مدار صحبت پر ہے۔ صرف کہنا اور لکھنا ہی کافی نہیں۔ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ نے فرمایا ہے۔ کہ ہمارا طریقہ صحبت ہے۔ اصحاب کرام حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت ہی کی بدولت تمام اولیاء امت میں سے افضل ہیں اور کوئی ولی صحابی کے مرتبہ کو نہیں پہنچتا۔ اگرچہ اولیں قرنی ہو۔ دوستوں سے التماس ہے۔ کہ سلامتی ایمان کی دعا کیا کریں

رَبَّنَا إِنَّا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةٌ وَهَبْنَا لَنَا مِنْ أَمْرِنَا رَشَدًا (یا اللہ تو اپنے پاس سے ہم پر رحمت نازل فرما اور ہمارے کام سے بھلائی ہمارے نصیب کر) رحم علی نے اب اپنی کایا پلٹ لی ہے اور اصلاح کی طرف آرہا ہے۔ حق تعالیٰ اس کو استقامت بخشے۔ والسلام

مکتوب ۷۰

ارباب جمعیت کی صحبت کی تحریص و ترغیب میں مولانا اسحاق ولد قاضی موسیٰ کی طرف صادر فرمایا ہے:-

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) آپ کا مکتوب شریف جو رحم علی درویش کے ہمراہ ارسال کیا تھا پہنچا۔ آپ کے ذوق و شوق کا حال پڑھ کر بہت مسرت ہوئی۔ علیحدہ کاغذ میں جو ظاہر شدہ ہوا واقعہ لکھا تھا۔ اس کے مطالعہ سے نہایت ہی خوشی ہوئی۔ اس قسم کے واقعات مبشر ہیں۔ کوشش کرنی چاہئے۔ کہ قوت سے فعل میں آئیں اور گوش سے آغوش تک پہنچ جائیں۔ آج تقصیروں کا تدارک ممکن ہے۔ فرصت کو غنیمت جاننا چاہئے اور تسویف و تاخیر پر نہ ڈالنا چاہئے۔ حضرت خواجہ احرار قدس سرہ نے فرمایا ہے۔ کہ ہم چند درویش ایک جگہ جمع ہوئے۔ اس ساعت کی نسبت جو جمعہ کے روز میں دعا کی قبولیت کے لئے مقرر ہے۔ گفتگو شروع ہوئی۔ کہ اگر میسر ہو جائے۔ تو اس وقت حق تعالیٰ سے کیا مانگنا چاہئے۔ کسی نے کچھ کہا۔ کسی نے کچھ۔ جب میری باری آئی۔ تو میں نے کہا کہ ارباب جمعیت کی صحبت طلب کرنی چاہئے۔ کیونکہ اس میں تمام سعادتیں حاصل ہوتی ہیں بعض مکتوبوں کی نقل کر کے حامل رقیمہ ہذا کے ہمراہ بھیجی گئی ہے۔ حق تعالیٰ آپ کو اس سے نفع دے۔ دوسرے یہ کہ برادر م شیخ کریم الدین مدت سے آیا ہوا ہے۔ شاید اپنے احوال آپ کی طرف لکھے گا۔ دوستوں سے دعا کی امید ہے۔ رَبَّنَا آتِنَا نُورًا وَافْغِرْ لَنَا إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (یا اللہ تو ہمارے نور کو کامل کر اور ہم کو بخش۔ تو تمام چیزوں پر قادر ہے) وَالسَّلَامُ عَلَىٰ مَنْ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَيْهِ وَعَلٰی اٰلِهِ الصَّلٰوٰتِ وَالتَّسْلِيْمٰتِ (سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی متابعت کو لازم پکڑا)

مکتوب ۷۱

حقائق و دقایق مہوم یعنی عالم اور موجود حقیقی یعنی صانع عالم کے درمیان تمیز

کرنے کے بیان میں جناب پیرزادہ خواجہ محمد عبید اللہ کی طرف صادر فرمایا ہے:-

وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْأَعْلٰی (مثال اعلیٰ اللہ تعالیٰ کے لئے ہے) نقطہ جوالہ جس سے دائرہ وہم میں پیدا ہوا

ہے۔ جس طرح خارج میں موجود ہے وہم میں بھی موجود ہے۔ لیکن وہاں یعنی خارج میں دائرہ کے روپوش کے بغیر ہے اور یہاں یعنی وہم میں دائرہ کے روپوش کے ساتھ ہے اور خارج وہم میں موجود اس طرح نہیں کہ ہر مرتبہ میں وجود علیحدہ رکھتا ہے۔ ہر گز نہیں۔ بلکہ خارج میں بھی اور وہم میں صرف ایک ہی موجود ہے۔ جو وہاں یعنی خارج میں دائرہ کے پردہ کے بغیر ہے اور یہاں یعنی وہم میں دائرہ کے پردہ کے ساتھ اور یہ دائرہ مہومہ جو وہم میں نمود بے بود رکھتا ہے اور حس کی غلطی سے پیدا ہوا ہے۔ اگر اس کو اس مرتبہ میں موجود کریں اور اثبات و تقرر دیں اور اس کو نمود بالبود بنائیں۔ تو اس وقت حس کی غلطی سے نکل کر نفس الامر ہو جائے گا اور احکام صادقہ پیدا کر لے گا۔ پس اس دائرہ کے لئے وہم میں حقیقت بھی ہے اور صورت بھی۔ اس کی حقیقت تو وہی نقطہ جوالہ ہے۔ جس کے ساتھ دائرہ قائم ہے اور اس کی صورت یہی دائرہ ہے۔ جس نے ثبوت و ثبات پیدا کیا ہے۔ یہ صورت اگرچہ اس حقیقت کا عین نہیں۔ کیونکہ الگ صفات و احکام رکھتی ہے۔ لیکن حقیقت سے دور اور جدا بھی نہیں۔ یہ حقیقت ہی ہے۔ جس نے اپنے آپ کو اس نمود میں متخیل کیا ہے۔ بیت

خوشر آں باشد کہ سردلبر اں گفتہ آید در حدیث دیگر اں

ترجمہ بیت

بھلے لگتے ہیں وہ دلبر کے اسرار کریں جو دوسرے لوگ ان کو اظہار

حضرت شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہ اس مقام میں کہتا ہے۔ اِنْ بَشَتْ قُلْتُ اِنَّهُ حَقٌّ وَاِنْ بَشَتْ قُلْتُ اِنَّهُ خَلْقٌ وَاِنْ بَشَتْ قُلْتُ اِنَّهُ حَقٌّ مِنْ وَجْهِهِ وَ خَلْقٌ مِنْ وَجْهِهِ وَاِنْ بَشَتْ قُلْتُ بِالْحَيَرَةِ لَعَدَمُ التَّمْيِزِ بَيْنَهُمَا (اگر تو عالم کو حق کہہ دے تو درست ہے اور اگر تو خلق کہہ دے تو بھی اچھا ہے اور اگر تو اس کو ایک جہت سے حق کہہ دے اور ایک جہت سے خلق تو بھی بجا ہے اور اگر دونوں میں تمیز نہ ہونے کے باعث حیرت کا قائل ہو۔ تو بھی ٹھیک ہے) لیکن جاننا چاہئے یہ تمیز حقیقت و صورت کے درمیان اگرچہ وہم میں ہے۔ لیکن چونکہ صورت اس مرتبہ وہم میں حق تعالیٰ کی ایجاد سے موجود ہوئی ہے اور اثبات و تقرر اس کو حاصل ہوا ہے۔ اس لئے نفس الامری ہو گئی ہے۔ بلکہ نفس الامری کی تمیز حاصل کر کے ظلیت کے طور پر موجود خارجی ہو گئی ہے۔ کیونکہ صورت کا وجود جس طرح حقیقت کے وجود کا ظل ہے۔ اسی طرح مرتبہ نمود بھی بود کے حاصل ہونے کے بعد خارج کا ظل ہے۔ پس جب صورت اور حقیقت کے درمیان تمیز نفس الامری بلکہ خارجی ہو گئی۔ تو پھر ایک کو دوسرے پر حمل کرنا ممنوع ہے اور ایک دوسرے کا عین نہیں ہو گا۔ جس نے عین کہا ہے۔ اس نے تمیز وہمی سے زیادہ کچھ نہیں سمجھا اور امتیاز علمی کے سوا کچھ نہیں جانا۔ سُبْحَانَ اللَّهِ مرتبہ وہم حق تعالیٰ کی ایجاد سے جو اس

مرتبہ میں واقع ہوئی ہے۔ خارج اور نفس الامر بن گیا ہے اور اس علم و خارج سے جو متعارف ہیں الگ ہو گیا چونکہ یہ مرتبہ خارج ہو گیا ہے۔ اس لئے اس میں مرتبہ وہم کو جدا کر دیا ہے اور نقطہ جوالہ موجود خارجی ہو گیا ہے اور دائرہ جو اس سے پیدا ہے۔ موہوم بن گیا۔ عجب معاملہ ہے۔ صورت جو حقیقت سے پیدا ہے اور جو کچھ رکھتی ہے۔ حقیقت ہی سے رکھتی ہے اور حقیقت سے اس کو کچھ جدائی نہیں۔ اس کو زبردستی حقیقت سے جدا کیا اور توہم سے تحقیق میں لا کر متمیز وہی کو خارجی بنادیا۔ آیت کریمہ صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِیْ اَتَقَنَ کُلَّ شَیْءٍ (اس اللہ تعالیٰ کی صنعت ہے۔ جس نے ہر شے کو مضبوط کیا) کو ملاحظہ کرنا چاہئے۔ کہ حق تعالیٰ نے لاشے محض کو اپنی قدرت کاملہ کے ساتھ شے کر دیا اور دانا و بیانا و مرید بنادیا۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں۔ بیت

چونکہ او شد گوش و چشم و دست و پاء خیرہ ام بر چشم بندی خدا

ترجمہ بیت جب ہو او شد گوش و چشم و دست و پاء چشم بندی دیکھ کر حیراں رہا

چشم بندی یہاں کیا گنجائش رکھتی ہے۔ چشم بندی وہاں ثابت ہوتی ہے۔ جہاں غیر واقع کو واقع ظاہر کیا جائے۔ یہاں قدرت خداوندی نے غیر واقع کو واقع کر دیا ہے اور احکام کا ذبہ کو جو اس مرتبہ میں ثابت تھے صادق بنادیا ہے حضرت شَخَّ لَعَدِمَ التَّمِیْزُ بَيْنَهُمَا (دونوں کے درمیان تمیز کا نہ ہونا) فرماتا ہے۔ حالانکہ عبد اور رب کے درمیان پچاس ہزار سال کا راستہ ہے۔ آیت کریمہ تَعْرُجُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَیْهِ فِیْ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَةٍ (فرشتے اور روح اس کی طرف چڑھتے ہیں۔ اس دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے) میں اسی امر کی طرف اشارہ ہے۔ شَخ بھی راستہ کی اس قدر دوری کا اقرار کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ حیرت کا قائل ہوا ہے۔ کوئی بیوقوف راستہ کی اس دوری سے حق تعالیٰ کو بعید نہ خیال کرے اور اپنے سے دور نہ جانے۔ کیونکہ حق تعالیٰ بندہ سے اس کے اپنے نفس سے بھی قریب بلکہ اقرب ہے۔ بلکہ بعد ادا رک و معرفت کے اعتبار سے ہے۔ نہ کہ مکان و مسافت کے اعتبار سے۔ دائرہ کا اخیر نقطہ تمام نقطوں کی نسبت مبداء دائرہ کے زیادہ نزدیک ہے لیکن چونکہ اس کی پشت کو مبداء دائرہ کی طرف کیا ہے اور اس کے رخ کو دوسری طرف پھیر دیا ہے۔ اس لئے اس کی یافت مبداء سے قریب ہونے کے باوجود دور جا پڑی ہے اور تمام نقطوں کے طے کرنے کے بعد وابستہ ہوئی ہے۔ ابیات

اے کمان و تیر ہا پر ساختہ صید نزدیک تو دور انداختہ

ہر کہ دور انداز تر اور دور تر از چش صید است او مجبور تر

ترجمہ ابیات

اے کمان و تیر کو بالکل بنایا تو نے پر صید تھا نزدیک لیکن تو نے ڈالا دور تر

جس قدر کوئی ہے دور انداز اتنا دور ہے اس طرح کے صید سے اتنا ہی وہ مجبور ہے
ہاں جب تک بعد کی تکلیفیں نہ اٹھائیں۔ دولت قرب کی قدر معلوم نہیں ہوتی۔ مَا صَنَعَ اللَّهُ سُبْحَانَهُ
فَهُوَ خَيْرٌ (جو کچھ اللہ تعالیٰ کرے وہی اچھا ہے) وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اَتْبَعَ الْهُدٰی (سلام ہو اس شخص
پر جس نے ہدایت اختیار کی)

مکتوب ۷۲

اس بیان میں کہ لشکر کی تلوینات ارباب جمعیت کے لئے تمکین ہے اور اس استفسار
کے جواب میں جو مولود خوانی کے بارہ میں کیا گیا تھا۔ خواجہ حسام الدین کی طرف صادر
فرمایا ہے:-

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ
بندوں پر سلام ہو) صحیفہ شریفہ جو از روئے کرم و شفقت کے اس فقیر کے نام لکھا تھا۔ اس کے مطالعہ
سے مشرف ہوا۔ اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا احسان ہے کہ آپ صحت و عافیت سے ہیں اور دور افتادہ
دوستوں کے حالات سے غافل نہیں ہیں اس طرف کے فقراء کے احوال و اوضاع حمد کے لائق ہیں۔
کہ عین بلا میں عافیت اور عین تفرقہ میں جمعیت حاصل ہے وہ فرزند و دوست جو ہمراہ ہیں۔ ان کے
اوقات بھی جمعیت سے گزر رہے ہیں اور ان کے احوال میں ترقی ہو رہی ہے۔ غرض لشکران کے حق
میں خانقاہ شخص ہے۔ کہ لشکریوں کی عین تلوینات میں ان کو تمکین حاصل ہے اور عین مختلف
گرفتاریوں میں جو اس مقام کو لازم ہیں ایک ہی مطلب کے گرفتار ہیں۔ نہ ان کے ساتھ کسی کا تعلق ہے
نہ ان کو کسی سے واسطہ اس کے علاوہ بے اعتبار و جس و قید میں گرفتار ہیں۔ یہ ایک قید ہے۔ جس کے
عوض خلاصی کو کوڑی کے برابر نہیں لیتے۔ الْحَمْدُ لِلّٰهِ سُبْحَانَهُ وَالْمِنَّةُ عَلٰی ذٰلِكَ وَعَلٰی جَمِیْعٍ
نِعْمَاتِهِ (اس نعمت پر اور اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتوں پر اس کی حمد اور احسان ہے) میرے مخدوم قُرَّةُ الْعَيْنِ
(یعنی دونوں فرزندوں) کی طرف خط بھیجنے سے مقصود ان بعض نعمتوں کے فوت ہو جانے پر اظہار
افسوس تھا۔ کہ وطن میں جن کے حاصل ہونے کی امید تھی اور لشکر میں آنا اور صحبت رکھنا آپ کی
صلاح پر وابستہ ہے۔ کیونکہ آپ لشکر اور لشکریوں کے اوضاع و احوال کو بہتر جانتے ہیں اور اس مقام کا
نفع ضرر اچھی طرح پہچانتے ہیں۔ آپ نے لکھا تھا۔ کہ اگر تم لکھو کہ آفات سے محفوظ ہوں گے۔ تو
آجائیں۔ الْغَيْبُ عِنْدَ اللّٰهِ (غیب اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے) اللہ تعالیٰ کی حمد ہے۔ کہ باوجود یہ کہ ارباب
تفرقہ سے بہت میل جول ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے کرم سے ہمراہیوں میں سے کسی کو بھی اب تک
تفرقہ کی آفت نہیں پہنچی اور مطلب سے نہیں روکا۔ نیز آپ نے مولود خوانی کے بارہ میں لکھا تھا۔ کہ

قرآن مجید کو خوش آواز سے پڑھنے اور نعت و منقبت کے قصائد کو خوش آوازی سے پڑھنے میں کیا مضائقہ ہے۔ ہاں قرآن مجید کے حروف کی تحریف اور ان کا تغیر تبدیل اور مقامات نغمہ کی رعایت اور اس طرز پر آواز کا پھیرنا اور سر نکالنا اور تالی بجانا وغیرہ جو شعر میں بھی ناجائز ہیں۔ سب ممنوع ہیں۔ اگر اس طرح پر پڑھیں۔ کہ کلمات قرآنی میں تحریف واقع نہ ہو اور قصیدوں کے پڑھنے میں بھی شرائط مذکورہ بالا ثابت نہ ہوں اور وہ بھی کسی غرض صحیح کے لئے تجویز کریں۔ تو کوئی ممانعت نہیں۔ میرے مخدوم فقیر کے دل میں آتا ہے۔ کہ جب تک آپ اس دروازہ کو بالکل بند نہ کریں گے۔ بوالہوس نہیں رکھیں گے۔ اگر آپ تھوڑا بھی جائز رکھیں گے۔ تو بہت تک پہنچ جائے گا۔ قَلِيلُهُ يَنْفُضِي الْهٰی کَثِيرُهُ (تھوڑا بہت کی طرف لے جاتا ہے) مشہور قول ہے۔ والسلام

مکتوب ۷۳

صفت حیات کے اسرار میں جو علم سے برتر ہے اور اس بیان میں کہ علم جس طرح صفات زائدہ سے ہے۔ اسی طرح شیون غیر زائدہ سے بھی ہے۔ اسی طرح دوسری صفات کا حال ہے۔ مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید کی طرف صادر فرمایا ہے:-

حضرت شیخ محی الدین قدس سرہ اور اس کے تابعین نے جو تنزلات خمسہ لکھے ہیں۔ تعین اول سے ان کی مراد حضرت علم کا جمال ہے اور اسی کو حقیقت محمدیہ بھی کہتے ہیں اور اس یقین کے کشف کو تجلی ذات جانتے ہیں اور تعین کے اوپر لا تعین سمجھتے ہیں۔ جو ذات بحت اور تمام نسبتوں اور اعتباروں سے مجرد احدیت کا مرتبہ ہے۔ پوشیدہ نہ رہے کہ شان العلم کے اوپر شان الحیۃ ہے۔ جس کے تابع علم ہے اور وہ تمام صفات کا اصل ہے خواہ علم ہو خواہ غیر علم حصولی ہو یا حضوری۔ یہ شان الحیۃ بڑی عظیم الشان شان ہے۔ دوسری صفات و شیون اس کے مقابلہ میں ایسے ہیں جیسے نہریں دریا کے مقابلہ میں تعجب ہے کہ شیخ بزرگوار نے اس وسیع مملکت کی سیر نہیں کی ہے اور ان علوم و معارف کے باغوں سے پھول نہیں چنے۔ یہ شان اگرچہ حق تعالیٰ کی ذات کے بہت ہی قریب ہے اور جہالت اور عدم ادراک کے بہت ہی مناسب ہے۔ لیکن چونکہ تنزل و ظلیت کی آمیزش رکھتا ہے۔ اس لئے کم و بیش معرفت و علم کے مقام سے ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کے کرم سے اس شان عظیم الشان میں اس فقیر کا سیر واقع ہوا تھا۔ تو اس مقام کے نچے بہت دور فاصلے پر شہود ہوا تھا۔ کہ شیخ وہاں مقام رکھتا ہے۔ جس میں اس نے اقامت اختیار کی ہے شاید اخیر میں اس مقام کا حظ حاصل کیا ہو گا۔ اس طرح کے بیچوں بعدوں کو دو اعتبار سے بعد مسافت کہہ سکتے ہیں یا میدان عبارت کی تنگی کے باعث۔ یا اس بعد بیچوں کی مثالی صورت کے باعث جو عالم مثال میں بعد مسافت کے طور پر مشہود ہوئی ہے۔ سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ (یا

اللہ تو پاک ہے۔ ہم کو کوئی علم نہیں۔ مگر جس قدر تو نے ہم کو سکھایا۔ تو جاننے والا اور حکمت والا ہے) وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اَتَّبَعَ الْهُدٰی (سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی) فصل بالخیر اس بیان سے لازم آیا۔ کہ علم مرتبہ حیات میں جو اس کے اوپر ہے ثابت نہیں خواہ علم حصولی ہو۔ خواہ علم حضوری۔ جب مرتبہ حیات میں علم ثابت نہ ہو۔ تو مرتبہ ذات عز شانہ میں کس طرح ثابت ہو گا۔ جو فوق الفوق ہے اور جب علم ثابت نہ ہو۔ تو اس کی نقیض ثابت ہو گی۔ تَعَالٰی اللّٰهُ سُبْحَانَهُ عَنْ ذٰلِكَ عُلُوًّا کَبِیْرًا (اللہ تعالیٰ اس سے بہت ہی برتر ہے) اس اشکال کا حل ایک دقیقہ کے پہچانے پر مبنی ہے۔ جس کو آج تک اولیاء اللہ میں سے کسی نے بیان نہیں کیا۔

جاننا چاہئے کہ حق تعالیٰ کا علم مثلاً جس طرح صفات ثنائیہ حقیقیہ زائدہ میں سے ہے۔ جیسے کہ اہل حق نے فرمایا ہے۔ اسی طرح شیون و اعتبارات ذاتیہ غیر زائدہ میں سے بھی ہے۔ قسم اول چونکہ ذات پر صفات زائدہ سے ہے۔ تو اس کا متعلق بھی ذات کے ماسوا ہے۔ خواہ عالم ہو یا صفات زائدہ واجبی۔ کیونکہ جو چیز ظلیت کے داغ سے آلودہ ہے اور جس نے اسم زیادتی پیدا کیا ہے۔ حضرت ذات تعالیٰ کے مرتبہ مقدسہ کے لائق نہیں اور اس جناب پاک کے ساتھ اس کا کچھ تعلق نہیں۔ خواہ وہ علم حصولی ہو یا حضوری۔ اگر حضوری ہے تو وہ بھی حضرت ذات کے ظلال میں سے کسی ظل کے متعلق ہے۔ اگرچہ اس نے علم و عالم و معلوم کے درمیان اتحاد پیدا کیا ہے۔ کیونکہ یہ مرتبہ اتحاد بھی مرتبہ مقدسہ ذات کے ظلال میں سے ایک ظل ہے۔ نہ کہ اس کا عین۔ اگرچہ بعض نے اس کی عینیت یعنی عین ہونے کا گمان کیا ہے۔ دوسری قسم جو شیون ذاتیہ غیر زائدہ سے ہے۔ اس کا متعلق صرف حضرت ذات ہے اور ماسوائے ذات کے ساتھ تعلق پیدا کرنے سے برتر ہے۔ حاصل کلام یہ کہ وہ علم جو زائدہ ہے اس کا تعلق ماسوائے ذات تعالیٰ تک محدود ہے اور وہ علم جو زائدہ نہیں اور مجرد اعتبار ہی ہے۔ اس کا تعلق صرف حضرت ذات پر موقوف ہے اور وہ علم جو حضرت ذات تعالیٰ میں منظم ہے۔ وہی علم زائدہ ہے۔ جو اس مرتبہ مقدسہ کے لائق نہیں۔ کیونکہ وہ شان علم غیر زائدہ کا ظل ہے۔ اس علم زائدہ کے انتقال سے اس کی نقیض یعنی جہل کا ثبوت لازم نہیں آتا۔ کیونکہ جب علم جو صفات کاملہ سے ہے وہاں گنجائش نہیں رکھتا۔ تو اس کی نقیض جو سر اسر نقص ہے۔ کیا گنجائش رکھتی ہے کہ اس بارگاہ میں دخل پائے غرض یہ دونوں نقیضیں اس بارگاہ سے مسلوب ہیں اور اس میں کوئی محذور و محال نہیں۔ ایک عارف کہتا ہے۔ عَرَفْتُ رَبِّیْ بِجَمْعِ الْاَضْدَادِ (میں نے اپنے رب کو تضاد کے جمع ہونے سے پہچانا) گویا اس مقام اقدس کے بلند مرتبہ ہونے کے باعث ان دونوں نقیضوں میں سے ایک بھی وہاں تک نہیں پہنچتی۔ جب تمام نسبتیں اور اعتبارات اس بارگاہ میں مسلوب ہیں تو علم اور عدم علم بھی جو نسبتوں کی قسم سے ہیں۔ مسلوب ہوں

گے۔ وہ ممکن ہی ہے۔ جس کو نسبتوں اور اعتباروں سے پارہ نہیں اور اس میں نقیض کا جمع و رفع نہیں نسبتوں اور اعتباروں کا پیدا کرنے والا تمام نسبتوں اور اعتباروں سے منزہ ہے۔ اس مقام میں حاضر پر غائب یعنی ممکن پر حق کا قیاس کرنا ممتنع ہے۔ یا یہ کہ ہم کہتے ہیں کہ علم خاص کے انقضاء سے علم مطلق کا عدم لازم نہیں آتا۔ بلکہ علم خاص کا عدم لازم آتا ہے۔ جس میں ظلیت کی آمیزش ہے اس صورت میں بھی کوئی محذور لازم نہیں آتا اور نقیضین کا ارتقاع نہیں ہوتا۔ فافہم جاننا چاہئے کہ وہ علم جو ذات تعالیٰ کے شیون سے ہے۔ اس علم کے ساتھ جو صفات زائدہ سے ہے کچھ مناسبت نہیں رکھتا۔ اگرچہ اس علم کا اصل وہی علم ہے۔ کیونکہ صفت زائدہ شان ذاتی کا قائل ہے۔ وہاں انکشاف ہی انکشاف ہے اور عین حضور میں حصول ہے اس علم کے درجہ کی بلندی کے باعث جبہل اس کے مقابل نہیں آسکتا اور اس کی نقیض نہیں بن سکتا۔ برخلاف صفت علم کے کہ جس کی نقیض میں جبہل قائم ہے۔ اگرچہ اس کا وقوع غیر جائز اور خطا ہے۔ نقیض کا یہی احتمال اس کے انحطاط اور پستی کا باعث ہوا ہے اور اسی نے جناب پاک کے تعلق سے اس کو روک رکھا ہے۔ کیونکہ اس بارگاہ مقدس میں کسی کمال کی نقیض کا احتمال نہیں ہو سکتا۔ خواہ کوئی کمال ہو وہ قدرت جو اس مرتبہ مقدسہ میں ثابت ہے۔ وہ وہی ہے جس کے مقابلہ میں عجز نہیں برخلاف صفت قدرت کے جو نقیض کا احتمال رکھتی ہے۔ اگرچہ واقع نہیں ہے۔ تمام شیون اور صفات واجبہ اسی قیاس پر ہیں۔ جب شان العلم کو صفت العلم سے کچھ مناسبت نہیں۔ تو مخلوقات کے علم کو اس شان عظیم الشان کے ساتھ کیا نسبت ہوگی اور اس مرتبہ مقدسہ کے ساتھ کیا مناسبت و تعلق متصور ہو گا۔ ہاں اگر بندہ نوازی فرمائیں اور مخلوق کے ناقص انکشاف کو اپنے انکشاف سے روشن کریں اور فناء اتم کے بعد اپنے پاس سے بقاء اکمل بخشیں۔ تو پھر ہو سکتا ہے کہ اس مرتبہ مقدسہ کے ساتھ تعلق بتیون حاصل ہو اور وہاں تک پہنچ جائیں۔ جہاں اصل بھی کو تابی کرے اور اصل کے زینہ سے اصل الاصل کے ساتھ اصل ہو جائیں۔ یہ خصوصیت بنی آدم ہی کو مرحمت ہوئی ہے اور انہی کے لئے ترقی کا راستہ کھلا ہے۔ اصل سے بھی گزر جاتے ہیں۔ بلکہ اصل الاصل سے گزر کر وہاں تک پہنچ جاتے ہیں۔ کہ اصل بھی قُل کی طرح راستہ میں رہ جاتا ہے۔ ذَلِك فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ جس کو چاہتا ہے دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے)

مکتوب ۷۴

صاحب فصوص کی اس کلام کی شرح میں جو تجلی ذات کے بارہ میں فرمائی ہے اور اس بارہ میں حضرت ایشاں قدس سرہ کی خاص تحقیق و رائے کے بیان میں حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد معصوم (قدس سرہ) کی طرف لکھا ہے۔ لیکن حوادث ایام کے باعث یہ مکتوب

شریف ناتمام رہا ہے:-

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) شیخ محی الدین بن عربی قدس سرہ نے فرمایا ہے۔ کہ تجلی ذات متجلی لہ کی صورت میں ہوتی ہے۔ کیونکہ متجلی لہ حق کے آئینہ میں اپنی ہی صورت کو دیکھتا ہے۔ نہ کہ حق کو اور نہ ہی حق کو دیکھ سکتا ہے۔ حق کے آئینہ سے مراد وہ شان ذاتی ہے۔ جس کا ظل وہ اسم زائد ہے۔ جو متجلی لہ کا مبداء تعین ہے۔ کیونکہ ہر ایک اسم زائد کے لئے جو مخلوقات کے تعینات میں سے ہر ایک تعین کا مبداء ہے مرتبہ ذاتیہ میں اس کا اصل ثابت ہے اور یہ شان وہ ہے جو ذات میں مجرد اعتبار ہے جیسے کہ کئی جگہ اس کی تحقیق ہو چکی ہے اور اس سے مراد مطلق ذات نہیں کیونکہ مطلق مقید کا آئینہ نہیں ہو سکتا چونکہ آئینہ بھی اس صورت کی طرح جو اس میں ثابت ہے مقید ہے اور اس صورت کا اصل الاصل ہے اس لئے آئینہ متجلی لہ کی نظر میں اس کی اپنی ہی صورت کے موافق جو آئینہ میں موجود ہے۔ تجلی کرتا ہے نہ صورت سے کم ہوتا ہے۔ نہ زیادہ کیونکہ اس مرتبہ میں کہ جس میں تجلی واقع ہوئی ہے۔ اس شان کی تجلی اور اس کا ظہور سوائے اس صورت کے کہ جس پر متجلی لہ ہے نہیں ہوتا لیکن اس صورت میں اس شان کا ظہور اس کی غنا اور عالم کے ساتھ عدم تعلق کے باعث اس اسم ظلی کے وسیلہ پر وابستہ ہے۔ جو صورت متجلی لہ کا مبداء تعین ہے یہ آئینہ مقدسہ تمام آئینوں سے الگ ہے۔ کیونکہ ان آئینوں میں صورت کا ظہور ان کے گوشوں میں سے کسی گوشہ میں ہوتا ہے اور آئینے ان صورتوں میں جو ان میں حلول کرتی ہیں بعینہ اور پورے طور پر ظہور نہیں کرتے اس لئے کہ دونوں میں مخالفت ہوتی ہے۔ برخلاف اس آئینہ مقدسہ کے کہ نہ اس میں صورت حلول کرتی ہے اور نہ اس کے کونوں میں سے کسی کونے میں حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ اس بارگاہ میں کوئی حالت و محلیت نہیں اگرچہ حسی ہو اور اس مرتبہ مقدسہ میں کوئی تبعض و تجزی نہیں اگرچہ وہی ہو۔ بلکہ یہ آئینہ مقدسہ کلی طور پر متجلی لہ کی صورت پر ظہور کرتا ہے۔ اسی واسطے یہ آئینہ اس وقت آئینہ بھی ہوتا ہے اور صورت بھی۔ پس متجلی لہ نے حق کے آئینہ میں جس سے مراد وہ شان ذات ہے۔ جس نے متجلی لہ کی صورت میں ظہور کیا ہے۔ اپنی صورت کے سوا کچھ نہیں دیکھا اور اس نے حق مطلق اور شان خاص کو تنزیہی اور تقدیسی طور پر نہیں دیکھا اور نہ ہی اس کو دیکھ سکتا ہے۔ یہ ہے شیخ کی رائے اور تحقیق جس میں اس نے تنزیہی رویت کے امکان کی نفی کی ہے اور ان ظہورات میں جو جامہ لطیفہ کی مانند ہیں تمثیل و مثال کے طور پر رویت کو ثابت کیا ہے۔ حالانکہ یہ تحقیق اس تحقیق کے مخالف ہے۔ جس پر علماء اہل سنت و جماعت کا اتفاق ہے۔ کہ حق تعالیٰ کی رویت دنیا میں جائز ہے۔ لیکن غیر واقع ہے اور آخرت میں بلا کیف حق اور واقع ہے۔ کسی تمثیل و مثال میں نہ ہوگی۔ بیت

يَرَاهُ الْمُؤْمِنُونَ بِغَيْرِ كَيْفٍ وَإِذْ رَأَيْكَ وَصَرَفَ مِنْ مِثَالِ

ترجمہ بیت *

مومن خدا کو دیکھیں گے جنت میں خوش خصال بے کیف و بے شہادت و بے شبہ و بے مثال
کیونکہ تمثیل کی رویت کیف کی رویت ہے حق تعالیٰ کی نہیں۔ بلکہ مخلوق کی رویت ہے۔ جس کو حق تعالیٰ
نے تمثیل و مثال کے طور پر ایجاد اور ظاہر کیا ہے۔ کیونکہ تمثیل و مثال اور توہم و خیال سب اس کی مخلوق
ہیں۔ حق تعالیٰ ان سے وراء الوریاء ہے۔ ان بڑے بڑے عارفوں پر تعجب آتا ہے۔ جو تنزیہ کو چھوڑ کر
تشبیہ پر اور قدیم کی طرف سے ہٹ کر حادث پر تسلی کئے بیٹھے ہیں اور مثال و تمثیل پر کفایت کی ہے۔
میرے خیال میں یہ سب کچھ اس مرض کا نتیجہ ہے۔ جو ان کو توحید و اتحاد کے قائل ہونے اور عالم کو حق
تعالیٰ کا عین کہنے سے پیدا ہوئی ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ افراد عالم میں سے ہر ایک فرد کی رویت کو اسی اتحاد
کے باعث حق تعالیٰ کی رویت جانتے ہیں۔ ان میں سے بعض اس طرح کہتے ہیں۔ بیت

امروز چوں جمال تو بے پردہ ظاہر است در حیرتم کہ وعدہ فردا برائے چیست

ترجمہ بیت

ظاہر ہے جب جمال ترابے حجاب آج حیرت ہے پھر کہ وعدہ فردا ہے کس لئے
لیکن شیخ نے ان افراد عالم میں سے خاص جامع فرد کو خاص کیا ہے جو تمثیل کے طور پر حاصل ہوا ہے۔ مگر
یہ بھی بے سود ہے۔ گویا شیخ قدس سرہ کتاب و سنت اور علماء کے اقوال سے واقف ہونے کے باعث
رویت کے اطلاق کرنے اور ان کی رویت کو مطلق طور پر حق تعالیٰ کی رویت جاننے کی برائی سے آگاہ ہو
کر اس طرف گیا ہے۔ لیکن پھر بھی سکر اور توحید کے غلبہ حال کے باعث تشبیہ کی تنگی سے مطلق طور
پر نہیں نکلا اور مفرد طور پر تنزیہ کے کمالات کو حاصل نہیں کر سکا۔ بلکہ شیخ نے خیال کیا ہے کہ مشبہ یعنی
تشبیہ والے کی طرح منزہ صرف یعنی تنزیہ والا بھی قاصر اور ناقص اور حق تعالیٰ کو محدود کرنے والا
ہے۔ اس لئے تنزیہ محض کی طرف سے ہٹ کر اس امر کا یقین کیا۔ کہ کمال تشبیہ و تنزیہ کے جمع کرنے
اور ایک کو دوسرے کا عین کہنے میں ہے۔ تاکہ تحدید اور تقیید مطلق طور پر رفع ہو جائے۔ لیکن ظاہر ہے
کہ شیخ کے نزدیک تشبیہ خارج میں معدوم ہے۔ اس کے نزدیک صرف تنزیہ ہی خارج میں موجود ہے۔
پس وجود خارجی عدم خارجی کے قیاس پر ایک دوسرے کا محدود و مقید نہ ہو گا۔ کیونکہ عدم وجود کا محدود یعنی
محدود کرنے والا نہیں اور نہ ہی وجود عدم کو محدود کرنے والا ہے کیونکہ وجود مع عدم اسی طرح اپنے
اطلاق پر ہے اور عدم مع الوجود بھی اپنے اطلاق پر ہے اور کوئی ایک دوسرے کا مقید نہیں۔ اگر عدم وجود کا
محدود ہوتا۔ تو چاہئے تھا۔ کہ اس طرح حکم کرتا۔ کہ کمال وجود و عدم کے جمع ہونے اور ایک دوسرے

کے عین ہونے میں ہے اور یہ سفسطہ ظاہرہ یعنی نکما اور باطل خیال ہے۔ پس ثابت ہوا کہ تنزیہ صرف قائل ہونا حق تعالیٰ کے لئے محدود نہیں اور نہ ہی تنزیہ و تشبیہ کے جمع کرنے میں کچھ کمال ہے۔ بلکہ اس میں سراسر نقص ہے اور ناقص کو کامل کے ساتھ ملانا ہے اور معلوم ہے کہ ناقص و کامل سے مرکب بھی ناقص ہوتا ہے۔ باقی رہا یہ امر کہ وہ معلومہ صورتیں جن کو شیخ اعیان ثابتہ کہتے ہیں۔ وہ حق تعالیٰ کے علم میں ثابت ہیں۔ اس سے بھی موجود خارجی کی تحدید لازم نہیں آتی۔ تاکہ دونوں کے درمیان (یعنی حق تعالیٰ اور معلومہ صورتوں کے درمیان) اتحاد عینیت کا حکم کیا جائے۔ کیونکہ موجود خارجی کی تحدید ویسا ہی موجود خارجی کر سکتا ہے۔ لیکن موجود علمی موجود خارجی کی تحدید اور اس کی مزاحمت نہیں کر سکتا۔ کیونکہ ہر دو مراتب مختلف ہیں۔ کیا نہیں جانتے کہ علم میں شریک باری تعالیٰ کا تصور اور ثبوت ہونا تاکہ اس پر محال ہونے کا حکم کیا جائے۔ باری تعالیٰ کا جو خارج میں موجود ہے ہرگز مزاحم و محدود و مقید نہیں۔ جس کے دفع کرنے میں نامناسب حیلے بہانے کئے جائیں اور کہا جائے کہ ایک دوسرے کا عین ہے۔ اب ہم شیخ کی کلام کی طرف جو اس نے تجلے ذاتی میں کہی ہے۔ رجوع کرتے اور کہتے ہیں۔ کہ شیخ نے اس تجلی کے ذکر کے بعد جو کچھ بیان کیا ہے اس کا حاصل یہ ہے۔ کہ یہ تجلی تمام تجلیات کی نہایت اور تمام عروج و جات کی غایت ہے۔ اس کے آگے سوائے عدم محض کے کچھ نہیں۔ اس سے اوپر عروج حاصل کرنے اور اس سے آگے پہنچنے کا طمع نہ کر اور ناحق اپنے آپ کو تکلیف میں نہ ڈال۔ کیونکہ تجلی ذاتی کے درجہ سے بڑھ کر اعلیٰ اور کوئی مقام نہیں۔

مکتوب ۷۵

تجلی افعال و تجلی صفات و تجلی ذات کے بیان میں فقیر محمد ہاشم کشمی کی طرف صادر

فرمایا ہے:-

برادر محمد ہاشم کشمی کو واضح ہو کہ تجلی افعال سے مراد یہ ہے۔ کہ سالک پر حق تعالیٰ کے فعل کا اس طرح ظہور ہو۔ کہ سالک بندوں کے افعال کو اس فعل کے ظلال دیکھنے اور اس فعل کو ان افعال کا اصل معلوم کرے اور ان افعال کا قیام اس فعل واحد کے ساتھ پہچانے اس تجلی کا کمال یہ ہے کہ یہ ظلال اس کی نظر سے بالکل پوشیدہ ہو کر اپنے اصل کے ساتھ ملحق ہو جائیں اور ان افعال کے فاعل کو جماد کی طرح بے حس و حرکت معلوم کرے اور جو کچھ توحید و جود والوں نے جو اشیاء کے عین ہونے کے قائل ہیں اور ہمہ اوست کہتے ہیں۔ اس مقام میں کہا ہے اور بندوں کے بیشمار افعال کو ایک ہی فاعل جل شانہ کا فعل جانا ہے۔ وہاں افعال کا اپنے فاعلوں کی طرف منتسب ہونے کا اختلاف ہے اور ان افعال کا فاعل واحد کی طرف منتسب ہونے کا حدوث ہے۔ نہ کہ نفس افعال کا انحصار اور ان کا اپنے اصل کے ساتھ ملحق

ہونا۔ شَتَّانَ مَا بَيْنَهُمَا وَأَنَّ يَكَادَ أَنْ يَخْفَى عَلَى الْبَعْضِ (ان دونوں میں بہت فرق ہے اور قریب ہے کہ بعض پر پوشیدہ رہے) تجلی صفات سے مراد یہ ہے کہ سالک پر حق تعالیٰ کی صفات کا ظہور اس طرح پر ہو۔ کہ بندوں کی صفات کو حق تعالیٰ کی صفات جانے اور ان کا قیام ان کے اصول کے ساتھ معلوم کرے۔ علم ممکن کو علم واجب کا ظل اور اس کے ساتھ قائم جانے۔ اسی طرح اس کی قدرت کو حق تعالیٰ کی قدرت جانے اور اس کا قیام اس کے ساتھ تصور کرے۔ اس تجلے کا کمال یہ ہے کہ یہ ظلال صفات سب کے سب سالک کی نظر سے مخفی ہو کر اپنے اصول سے مل جائیں اور اپنے آپ کو کہ ان صفات سے موصوف تھا جماد کی طرح بے حیات و بے علم جانے اور اپنے آپ میں وجود اور وجود کے توابع کمالات کا کوئی اثر نہ پائے۔ نہ وہاں اس کا ذکر رہے۔ نہ توجہ نہ حضور نہ شہود۔ اصل سے لاحق ہونے کے بعد اگر توجہ ہے۔ تو خود بخود متوجہ ہے اور اگر حضور ہے۔ تو خود بخود حاضر ہے۔ اس مقام سے سالک کا نصیب یہ ہے کہ اس کو حقیقت فنا اور نیستی حاصل ہو جاتی ہے اور ان کمالات کا انتساب جن کو اپنے خیال میں اپنی طرف منسوب کرتا تھا منقہ ہو جاتا ہے اور اس امانت کو کہ جس کو تہمت و کذب سے اپنی طرف سے خیال کرتا تھا۔ امانت والوں کے حوالہ کر دیتا ہے اور کلمہ انا کا مورد و محل یہاں تک زائل ہو جاتا ہے۔ کہ اگر اس کو بقاء باللہ بھی مشرف کر دیں۔ تو پھر بھی انا کا مورد نہیں ہو سکتا اور اپنے آپ کو انا کے ساتھ تعبیر نہیں کر سکتا اور اگرچہ اپنے آپ کو وہی اصل معلوم کرتا ہے۔ لیکن پھر بھی اس اصل پر کلمہ انا کا اطلاق میسر نہیں ہو سکتا اور اپنے آپ کو اپنے اصل کا عین نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ خودی اس سے بر طرف اور انانیت زائل ہو چکی ہوتی ہے۔ انا الحق کہنا اس نسبت کے حاصل نہ ہونے کا باعث ہے اور سبحانی زبان پر لانا اس دولت تک نہ پہنچنے کا سبب ہے۔ لیکن اس قسم کے الفاظ کو جو ان بزرگواروں سے صادر ہوئے ہیں۔ ان کے توسط احوال پر حمل کرنا چاہئے اور ان کے کمال کو اس گفتگو کے ماوراء اعتبار کرنا چاہئے۔ یہ دولت فنا جو نیستی کی حقیقت ہے۔ اگرچہ تجلی صفات کا منقہ ہے۔ لیکن اس کا حاصل ہونا تجلی ذات کے پر تو سے ہے۔ جب تک ذات متجلی نہ ہو۔ فنا کی یہ دولت میسر نہیں ہوتی۔ بلکہ تجلے صفات بھی انجام تک نہیں پہنچتی۔ تانیابی نہ رہی (جب تک تو اس کو نہ پائے گا آزاد نہ ہوگا) تجلی ذات ہی کے سبب سے عارف کا وہ بقیہ بھی جو اس کی نظر میں جماد میت یعنی جماد بے حس و بے جان کی طرح دکھائی دیتا تھا۔ زائل ہو جاتا ہے اور وہ عدم ہی تھا۔ جو ہر ممکن کا اصل ہے۔ جس نے حق تعالیٰ کی صفات کاملہ کے انعکاس کے باعث امتیاز و تشخیص پیدا کی تھی اور اس آئینہ داری کے باعث دوسرے عدموں سے جدا ہو گیا تھا۔ جب یہ ظلال منعکسہ اپنے اصول سے مل گئے۔ تو ان اعداد میں بھی کوئی امتیاز کی صورت نہ رہی اور یہ عدم خاص بھی عدم مطلق کے ساتھ مل گیا۔ اس وقت عارف کا نام و نشان اور اسم و رسم کچھ نہیں

رہتا لَا تُبْقِیْ وَلَا تَذَرُ (نہ باقی رہنے دیتا ہے اور نہ چھوڑتا ہے) جس طرح وجود اور توابع وجود اس سے وداع ہو گئے تھے۔ اسی طرح عدم بھی اس سے جدا ہو کر اپنے اصل سے جا ملتا ہے۔ جاننا چاہئے کہ وہ امتیاز جو اس عدم کو دوسرے اعداد سے ظلال صفات کے حاصل ہونے کے سبب حاصل ہوا تھا۔ تو ہم کے اعتبار پر تھا۔ درحقیقت اس میں کوئی ظل ثابت نہ تھا۔ جس طرح کہ دوسرے آئینوں میں صورتوں کا حاصل ہونا تو ہم کے اعتبار سے ہے۔ جب اس میں ظلال کا حاصل ہونا باعتبار تو ہم کے ہو گا اور اس کا امتیاز بھی وہی ہو گا۔ پس جس طرح ممکن کا وجود تو ہم کے اعتبار سے ہے۔ اس کا عدم بھی تو ہم کے اعتبار سے ہو گا۔ دائرہ وہم کے باہر کہیں اس کو قدم رکھنے کی جگہ نہیں ملی۔ کیونکہ درحقیقت وجود بھی اپنی صرافت و اطلاق پر ہے اور عدم بھی اپنی صرافت و اطلاق پر نہ وجود کو تنزل ہوا ہے۔ نہ عدم کی ترقی ہوئی ہے۔ یہ صانع تعالیٰ شانہ کی کمال قدرت ہے۔ جس نے مرتبہ وہم میں وجود عدم سے عالم کو پیدا فرمایا ہے اور کمال استحکام بخشا ہے اور ابدی معاملہ اور دائمی ثواب و عذاب اس پر وابستہ کیا ہے۔ وَمَا ذَلِكْ عَلَى اللَّهِ بَعِزٌ (اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ کوئی مشکل کام نہیں) اور یہ جو ہم نے اوپر کہا ہے کہ اس دولت فناء کا حاصل ہونا تجلی ذات کے پر تو سے ہے یعنی نفس تجلے ذات کا حاصل ہونا۔ اس دولت فناء کے حاصل ہونے کے بعد ہے۔ کہ تانہ رہی نیالی (جب تک تو آزاد نہ ہو گا اس کو نہ پائے گا) پر تو تجلی اور نفس تجلی کے درمیان وہی فرق ہے۔ جو صبح کی سفیدی اور آفتاب کے طلوع میں ہے۔ صبح کی سفیدی کا وقت تجلی آفتاب کا پر تو ہے اور طلوع کے بعد آفتاب کی نفس تجلی ہے۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے۔ کہ تجلے کے پر تو ڈالنے کے بعد بعض کو نفس تجلے سے مشرف نہیں فرماتے اور بعض عوارض کے لاحق ہونے سے اس اعلیٰ دولت تک نہیں پہنچاتے۔ جس طرح ممکن ہے کہ صبح کی سفیدی کو معلوم کریں اور زمینی یا آسمانی علت کے باعث طلوع آفتاب کو نہ پاسکیں اور نیز اسفار یعنی سفیدی صبح کے شہود میں قوت باصرہ کی چنداں ضرورت نہیں۔ لیکن شہود آفتاب میں کمال قوت باصرہ اور بڑی تیز نظر درکار ہے۔ بیچارہ چمگڈر اسفار کا ادراک کر سکتا ہے۔ لیکن آفتاب کو نہیں دیکھ سکتا۔ یہاں اور ہی آنکھ چاہئے۔ جو آفتاب کو دیکھ سکے کبھی ایسا ہوتا ہے کہ تجلی ذات کے پر تو کی استعداد ہوتی ہے اور نفس تجلی ذات کی استعداد نہیں ہوتی۔ جس طرح چمگڈر کو تجلی آفتاب کے پر تو کی استعداد ہے۔ لیکن نفس تجلی آفتاب کی استعداد نہیں۔ میں سر بستہ سخن کہتا ہوں۔ شاید نفع دے تجلی صفات کے سرانجام ہونے اور صفات و ذات کے فناء حاصل ہونے کے بعد عارف پر ایک ایسی تجلی ظاہر ہوتی ہے جو تجلی ذات کی دہلیز ہے۔ گویا یہ تجلی تجلی صفات اور تجلی ذات کے درمیان برزخ ہے اگر کسی صاحب دولت کو اس تجلی سے اوپر لے جائیں۔ تو اپنی استعداد کے موافق تجلے ذات سے حصہ حاصل کر لیتا ہے۔ فقیر کے خیال میں یہ تجلی برزخی اس تجلے ذاتی کا اصل ہے جس کو شیخ

محی الدین بن عربی قدس سرہ نے اس عبارت سے تعبیر فرمایا ہے۔ وَالتَّجَلَّى مِنَ الذَّاتِ لَا يَكُونُ إِلَّا بِصُورَةِ الْمُتَجَلَّى لَهُ فَإِلْمُتَجَلَّى لَهُ مَارَاءِ سَوَى صُورَتِهِ فِي مِرْءَةِ الْحَقِّ وَمَارِئِ الْحَقِّ وَلَا يُمَكِّنُ أَنْ يَرَاهُ (تجلی ذات متجلی نہ کی صورت کے سوا نہیں ہوتی۔ کیونکہ متجلی نہ نے اپنے آپ کو حق تعالیٰ کے آئینہ میں دیکھا ہے نہ کہ حق تعالیٰ کو اور نہ ہی اس کو دیکھ سکتا ہے) اور شیخ اس تجلی کو تمام تجلیات کا منہا کہتا ہے اور اس سے اوپر کوئی مقام نہیں جانتا اور اس طرح کہتا ہے۔ وَمَا بَعْدَ هَذَا التَّجَلَّى إِلَّا الْعَدَمُ الْمَحْضُ فَلَا تَطْمَعُ وَلَا تَنْعَبُ فِي أَنْ تَرْفِيَ مِنْ هَذِهِ الدَّرَجَةِ إِلَى التَّجَلَّى الذَّاتِي (اس تجلی کے بعد محض عدم ہے۔ تجلی ذات سے آگے ترقی کرنے کا طمع نہ کر اور ناحق اپنے آپ کو تکلف میں نہ ڈال) عجب معاملہ ہے کہ مطلوب حقیقی تک پہنچنا اسی تجلی سے آگے ہے اور شیخ وہاں سے ڈراتا ہے اور آیت کریمہ وَيُحَذِّرُكُمُ اللَّهُ نَفْسَهُ (اللہ تعالیٰ تم کو اپنے آپ سے ڈراتا ہے) کے موافق خوف و دھمکی دیتا ہے۔ ہم آوارہ اگر اس میں طمع نہ کریں اور اس کے حاصل ہونے میں رنج و تعب برداشت نہ کریں اور جو ہر نفس کو چھوڑ کر نکمی ٹھیکریوں پر تسلی کر بیٹھیں۔ تو پھر ہم کس کام کے ہیں۔ حاصل کلام یہ ہے کہ جیسا مرتبہ ہو ویسا ہی اس سے حصہ ملتا ہے۔ وہ حصہ جو یتیموں سے ملتا ہے۔ وہ بھی یتیموں ہوتا ہے۔ کیونکہ چون کو یتیموں کی طرف راستہ نہیں۔ پس وہ معرفت بھی جو اس مرتبہ کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔ اس معرفت کی طرح نہ ہوگی۔ جو چون سے تعلق رکھتی ہے۔ کیونکہ اس معرفت کی وہاں گنجائش نہیں۔ اسی واسطے کہتے ہیں۔ أَلْعِلْمُ فِي ذَاتِ اللَّهِ سُبْحَانَهُ جَهْلٌ اللَّهُ تَعَالَى كِي ذَاتِ مِثْلِ عِلْمِ سِرِّ اسرارِ جہل ہے یعنی اس علم کی قسم سے نہیں ہے۔ جو ممکن سے تعلق رکھتا ہے۔ کیونکہ یہ مقولہ کیف میں سے ہے اور اس بارگاہ میں کوئی کیف نہیں اور حق تعالیٰ کی ذات میں تفکر کرنے سے اس واسطے منع کیا گیا ہے۔ کہ حق تعالیٰ فکر و تخیل سے ماوراء ہے۔ حق تعالیٰ کو حق تعالیٰ ہی سے پاسکتے ہیں۔ نہ کہ فکر و خیال سے۔ رَبَّنَا آتِنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً وَهَبْ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا رَشَدًا (یا اللہ تو اپنے پاس سے ہم پر رحمت نازل فرما اور ہمارے کام سے بھلائی ہمارے نصیب کر) شیخ قدس سرہ کو چاہئے تھا۔ کہ یوں کہتا۔ وَمَا بَعْدَ هَذَا التَّجَلَّى إِلَّا الْوُجُودُ الصَّرْفُ وَالنُّورُ الْمَحْضُ (کہ اس تجلی کے بعد وجود صرف اور نور محض ہے)۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس تجلی کے بعد جو عدم کہا ہے۔ اس اعتبار سے کہا ہے۔ کہ عالم صفات کا ظل ہے۔ صفات سے اوپر گزرنا اپنے عدم میں کوشش کرنا ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ وہ عارف جو صفات سے کہ اس کا اصل ہے۔ اوپر نہ جائے اور شیون و اعتبارات ذاتیہ سے آگے نہ گزرے۔ تو اس نے کیا کام کیا اور کس لئے آیا۔ اس فناء و بقاء نے جو اس کو ہر مرتبہ میں میسر ہوا ہے۔ اس کو اصل سے اوپر جانے کے لئے دلیر کیا ہے اور اصل کے بقا سے اصل سے گزر کر اصل الاصل تک جا پہنچتا ہے۔ بیت

يُخَرِّقُ بِالنَّارِ مَنْ يَمَسُّ بِهَا وَمَنْ هُوَ النَّارُ كَيْفَ يَخْتَرِقُ

ترجمہ بیت

جلاتی آگ ہے اس کو جو ہاتھ اس کو لگاتا ہے جو خود ہو آگ پھر شعلہ اسے کیونکر جلاتا ہے
شیخ قدس سرہ اگر اس غل کے اصل تک پہنچتا تو فوق کی ترقی سے نہ خود ذراتانہ اوروں کو ذراتا۔ لیکن حسن
ظن اس امر کا تقاضا کرتا ہے۔ کہ اس بزرگوار نے اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس مقام سے ترقی کر لی ہوگی
اور اصل معاملہ کو معلوم کر لیا ہوگا۔ کسی بزرگ کے حال کو اس کے قال کی ترازو پر نہ تولنا چاہئے۔ شاید
اس نے اس کلام کو توسط وابتدا میں کہا ہو اور پھر وہاں سے اوپر کئی منزلیں ترقی کر گیا ہو۔ مَنْ أَسْتَوَى
يَوْمَئِذٍ فَهُوَ مَغْبُورٌ (جس کے دونوں دن برابر ہیں وہ خسارہ والا ہے) وَاللَّهُ سُبْحَانَهُ الْمَوْفِقُ (اللہ تعالیٰ
توفیق دینے والا ہے) تجلی ذات کی نسبت کیا لکھا جائے اور کیا لکھا جاسکے۔ کیونکہ وہ ذوقی ہے۔ جو وہاں پہنچے
گا۔ اس کو پالے گا۔ وَمَنْ لَمْ يَذُقْ لَمْ يَذُرْ (اور جس نے اس کا مزہ نہیں چکھا کچھ نہیں جانتا)۔ ع

قلم اینجا رسید و سر بشکست

ترجمہ ع قلم کا سر یہاں آکر گیا ٹوٹ

اتنا ظاہر کیا جاتا ہے۔ کہ تجلی ذات اس عارف کے حق میں جس کے فناء کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ دائمی ہے اور
جو کچھ دوسروں کے لئے برق کی طرح ہے۔ اس کے لئے دائمی ہے۔ تجلی برقی در حقیقت تجلی ذاتی نہیں۔
اگرچہ بعض نے اس کو تجلی ذات کہا ہے بلکہ شیون ذات میں سے کسی شان کی تجلی ہے۔ جو سر بیع الاستار
یعنی جلدی پوشیدہ ہو جانے والی ہے اور جہاں تجلی ذات ہے۔ شیون و اعتبارات کے ملاحظہ کے بغیر ہے۔
جس کے لئے دوام لازم ہے۔ وہاں استار اور پوشیدگی متصور نہیں۔ تجلیات کی تلو نیات شیون و صفات کا
نشان دیتی ہیں وہ حضرت ذات تعالیٰ ہی ہے۔ جو تلو نیات سے منزہ اور مبرا ہے اور استار یعنی پوشیدگی کی
وہاں گنجائش نہیں۔ ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ط یہ اللہ تعالیٰ کا فضل
ہے۔ جس کو چاہتا ہے بخشا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے

مکتوب ۷۶

شان العلم اور اس سے اوپر کے اس مرتبہ مقدسہ کی بلندی میں جس کو نور صرف

سے تعبیر کرتے ہیں۔ حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد معصوم کی طرف صادر فرمایا ہے:-

شان العلم اگرچہ شان الجمیۃ کے تابع ہے۔ لیکن صفات و شیون کے اعتبارات کے زوال اور گر
جانے کے بعد مرتبہ حضرت ذات تعالیٰ میں علم کا ایک الگ ہی شان اور گنجائش ہے۔ جو حیات کے لئے
نہیں ہے۔ پھر اور صفات و شیون کا کیا ذکر ہے۔ یہ ایک ایسا بلند مرتبہ ہے۔ جو تمام نسبتوں سے مجرد ہے

اور نور کے اطلاق کے سوا کچھ اپنے اوپر تجویز نہیں کرتا۔ میرے خیال میں علم ہی کی وہاں گنجائش ہے۔ مگر یہ علم وہ نہیں۔ جس کو حضوری یا حصولی کہتے ہیں۔ کیوں کہ یہ علم بمع دونوں قسموں کے حیاۃ کے تابع ہے۔ بلکہ وہ علم حضرت ذات کی طرح بے چون و بیچگون اور سراسر شعور بنیون ہے۔ جس میں عالم و معلوم کا اعتبار نہیں۔ اس مرتبہ کے اوپر ایک اور ایسا مرتبہ ہے۔ جس میں دوسرے شیون کی طرح علم کی بھی گنجائش نہیں۔ وہاں صرف نور ہی نور ہے۔ جو اس بنیون و بیچگون شعور کا اصل ہے۔ جب اس حضرت نور کا ظل بنیون اور بیچگون ہے۔ تو پھر اصل کی بنیونی کی نسبت جو عین نور ہے۔ کیا کہا جائے تمام وجوبی و امکانی کمالات اسی نور کے ظلال ہیں اور اسی نور کے ساتھ قائم ہیں۔ وجود اسی نور سے وجود ہوا ہے اور آثار کا مبداء بنا ہے۔ مرتبہ اول چونکہ حضرت نور صرف سے انحطاط کی بور کھتا ہے اور نور و شعور کا جامع ہے۔ اس لئے حضرت مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کو مخلوق کہا ہے اور اس کی تعبیر کبھی عقل سے کی ہے اور فرمایا ہے **أَوَّلُ مَا خَلَقَ اللَّهُ الْعَقْلُ** (جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اول پیدا کیا ہے وہ عقل ہے) اور کبھی اس کو نور سے یاد فرمایا ہے اور اس طرح کہا ہے۔ **أَوَّلُ مَا خَلَقَ اللَّهُ نُورِي** (جو چیز خدا تعالیٰ نے اول پیدا کی وہ میرا نور ہے) دونوں کا ایک ہی مطلب ہے۔ یعنی نور بھی ہے اور عقل و شعور بھی۔ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرتبہ نور کو اپنی طرف منسوب کیا ہے اور نوری فرمایا ہے۔ اس لئے کہہ سکتے ہیں۔ کہ یہ مرتبہ حقیقت محمدی ہے اور تعین اول ہے۔ یہ حقیقت و تعین اول وہ نہیں جو صوفیہ کے درمیان متعارف ہے۔ کیونکہ وہ تعین متعارف اگر اس تعین کا ظل بھی ہو جائے تو غنیمت ہے۔ اسی طرح عقل سے بھی وہ عقل مراد نہیں جس کو فلاسفہ نے ایجاب کے طور پر حق تعالیٰ سے صادر اول یعنی عقل فعال کہا ہے اور اس کو کثرت کے صادر ہونے کا مصدر بنایا ہے۔ جاننا چاہئے کہ جہاں عین ہے۔ وہاں امکان کی بو اور عدم کی آمیزش پائی جاتی ہے جو وجود تعالیٰ کے تعین و تمیز کا باعث ہے۔ **وَبِضْءِهَا تَتَبَيَّنُ الْأَشْيَاءُ** (اشیاء سے پہچانی جاتی ہیں) حق تعالیٰ کی صفات جنہوں نے تمیز و تعین پیدا کیا ہے۔ باوجود قدم کے واجب لذاتہا نہیں ہیں۔ بلکہ واجب لذات واجب تعالیٰ ہیں۔ جس کا حاصل واجب بالغیر ہے۔ جو امکان کی اقسام سے ہے۔ اگرچہ صفات قدیمہ میں لفظ امکان کے اطلاق سے کنارہ کرنا لازم ہے کیونکہ اس سے حدوث کا وہم گزرتا ہے۔ ان کے مناسب و جوب کا اطلاق ہے جو حضرت واجب تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے۔ لیکن درحقیقت امکان کی وہاں گنجائش ہے۔ کیونکہ ان کا وجوب لذاتہا نہیں۔ بلکہ غیر کی طرف سے آیا ہے۔ اگرچہ اس کو غیر نہیں کہتے اور غیر سے غیر مصطلح مراد لیتے ہیں۔ لیکن اثنیدیت یعنی دوئی غیریت کا تقاضا کرتی ہے۔ **الْأَلْثَنَانِ مُتَعَاوِرَانِ** (دو چیزیں ایک دوسرے کی مغائر ہوتی ہیں) معقول والوں کا مقررہ قضیہ ہے تعجب ہے کہ شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہ نے دو تعین کو وجوبی کہا ہے اور تین تعین کو

امکانی۔ حالانکہ درحقیقت تمام تعینات ظلیت کا داغ اور امکان کی بور کھتے ہیں۔ اگرچہ ممکن ممکن میں بہت فرق ہے۔ کہ ایک قدیم ہے دوسرا حادث۔ لیکن دائرہ امکان سے خارج نہیں اور عدم کی بور کھتے ہیں۔ مرتبہ دوم جو نور صرف ہے اور لا تعین سے متعین ہے۔ اس کو بھی تو دوسروں کی طرح ذات بحت اور احدیت مجردہ خیال نہ کرے کیونکہ وہ بھی نورانیت صرف کے حجابوں میں سے ایک حجاب ہے۔ کہ اِنَّ لِلّٰهِ سَبْعِيْنَ اَلْفَ حِجَابٍ مِّنْ نُورٍ وَظُلْمَةٍ (اللہ تعالیٰ کے لئے ستر ہزار نور و ظلمت کے پردے ہیں) اگرچہ تعین نہیں۔ لیکن مطلوب حقیقی کا حجاب ضروری ہے۔ اگرچہ تمام حجابوں میں سے اخیر ہے۔ حق تعالیٰ وراء الوراء ہے۔ یہ نور صرف چونکہ دائرہ تعین میں داخل نہیں۔ اس لئے عدم کی ظلیت سے منزہ و مبرا ہے۔ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی (مثال اعلیٰ اللہ تعالیٰ کے لئے ہے) اس کی مثال نور آفتاب کی چمک کی طرح ہے۔ جو اس کی قرص کی حجب ہے اور اس کے عین قرص سے پرآگندہ ہو کر اس کا حجاب بن گئی ہے۔ حدیث میں حجاب النور آیا ہے۔ کہ حِجَابُهُ النُّورُ (یعنی حجاب اللہ تعالیٰ کا نور ہے) یہ مرتبہ عالیہ تمام تجلیات ذاتیہ سے برتر ہے۔ پھر تجلیات فعل و صفت کا ذکر کیا ہے۔ کیونکہ تجلی تعین کی آمیزش کے بغیر متصور نہیں اور یہ مقام تمام تعینات سے برتر ہے۔ لیکن ان تجلیات ذاتیہ کا منشا ہی نور صرف ہے اور تجلی اسی کے تصور سے متصور ہوتی ہے۔ لَوْلَا هُ لَمَّا حَصَلَ التَّجَلُّی (اگر یہ نہ ہوتا تو تجلی بھی حاصل نہ ہوتی) میرے خیال میں کعبہ ربانی کی حقیقت یہی نور ہے۔ جو تمام کا مجبود اور تعینات کا اصل ہے۔ جب تمام تجلیات ذاتیہ کا مجاوداویٰ یہی نور ہے۔ تو پھر اوروں کے مجبود ہونے سے اس کی کیا تعریف کی جائے۔ جب حق تعالیٰ اپنے کمال فضل و عنایت سے ہزاروں میں سے کسی ایک عارف کو اس دولت کے وصل سے مشرف فرمائے اور اس مقام میں فناء و بقاء سے سرفراز کرے۔ تو ہو سکتا ہے کہ اس نور سے بقا حاصل کر کے فوق اور فوق الفوق سے حصہ حاصل کر لے اور اس نور کے ذریعے نور سے گزر کر اصل نور تک پہنچ جائے۔ ذَلِكُمْ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَن يَّشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ جس کو چاہتا ہے بخشتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے) پس معارف جس طرح نظر و فکر کے طور سے ماوراء ہیں۔ اسی طرح کشف و شہود کے طور سے بھی ماوراء ہیں۔ نیز ارباب کشف و شہود ان علوم کے سمجھنے میں ارباب علم و عقل کی طرح ہیں۔ نبوت کا نور فراست ہونا چاہئے۔ تاکہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کے باعث ان حقائق کے سمجھنے کی ہدایت فرمائے اور ان علوم و معارف کے حاصل کرنے کی رہنمائی کرے۔ جاننا چاہئے کہ یہ نور دوسرے انوار کی طرح ہر گز ہر گز امکان کی آمیزش نہیں رکھتا۔ نہ ہی ممکن ہے اور نہ ہی جو ہر و عرض کی قسم سے ہے۔ بلکہ یہ ایک ایسا مرتبہ ہے۔ جس پر نور کے سوا کچھ اطلاق نہیں کر سکتے۔ اگرچہ وجوب وجود یہی ہو۔ کیونکہ وجوب بھی اس سے کمتر ہے۔

تنبیہ:- اس بیان سے کوئی یہ وہم نہ کرے۔ کہ عارف کے حق میں حق تعالیٰ کی ذات سے تمام حجابوں کا دور ہو جانا ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ تمام حجابوں کے اخیر اسی نور کو کہتے ہیں اور یہ از روئے اس حدیث کے ممکن اور محال ہے۔ اِنَّ لِلّٰهِ سَبْعِيْنَ اَلْفَ حِجَابٍ مِّنْ نُورٍ وَظُلْمَةٍ لَّوْ كُشِفَتْ لَآخَرَتْ سُبْحَاتٌ وَجْهَهُ مَا اَنْتَهَىٰ فِيْهِ بَصَرُهُ مِّنْ خَلْقِهِ (اللہ تعالیٰ کے لئے ستر ہزار پردے نور اور ظلمت کے ہیں۔ اگر کھولے جائیں۔ تو اس کی ذات کے انوار تمام مخلوقات کو جہاں تک پڑیں جلادیں) کیونکہ اس جگہ حجابوں کے ساتھ تحقیق و بقا ہے۔ جو ایک دوسرے کے معدات و اسباب ہیں۔ نہ کہ حجابوں کا دور ہونا وَشَتَاۗنَ مَا بَيْنَهُمَا (ان دونوں میں بہت فرق ہے) رَبَّنَا اِنَّا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهِيَ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشْدًا (یا اللہ تو ہم پر اپنے پاس سے رحمت نازل فرما اور ہمارے کام سے بھلائی ہمارے نصیب کر) وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اَتَّبَعَ الْهُدٰی (سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی)

مکتوب ۷۷

حقیقت کعبہ ربانی کے اسرار اور عجز و معرفت کے دقائق اور صلوات و کلمہ طیبہ کی نفی و اثبات کی حقیقت کے بیان میں مخدوم زادہ حضرت خواجہ محمد سعید کی طرف صادر فرمایا ہے:-

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰنَا لِهٰذَا وَكُنَّا لِنَهْتَدِیْ لَوْلَا اَنْ هَدٰنَا اللّٰهُ لَقَدْ جَاءَتْ رُسُلٌ رَبِّنَا بِالْحَقِّ (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے ہم کو ہدایت دی اور اگر وہ ہم کو ہدایت نہ دیتا۔ تو ہم کبھی ہدایت نہ پاتے۔ بیشک ہمارے رب کے رسول سچے ہیں) مرتبہ عالیہ نور صرف کے بعد جس کو اس فقیر نے حقیقت کعبہ ربانی معلوم کیا اور لکھا ہے ایک نہایت ہی اعلیٰ مرتبہ ہے۔ جس کو قرآن مجید کی حقیقت کہتے ہیں۔ کعبہ معظمہ قرآن مجید کے حکم سے آفاق کا قبلہ بنا ہے اور سب کے مسبود ہونے کی دولت سے مشرف ہوا ہے۔ امام قرآن ہے اور ماموم یعنی مقتدی پیش قدم کعبہ معظمہ۔ یہ مرتبہ مقدسہ حضرت ذات تعالیٰ و تقدس کی بیچون و سعت کا مبداء ہے اور اس بارگاہ کی بیچوں و بیچوں امتیاز کا مبداء بھی یہی درجہ بلند ہے۔ اس درجہ مقدسہ کی وسعت طول و عرض کی رو سے نہیں ہے کیونکہ یہ نقص و امکان کے نشان ہیں۔ بلکہ ایک ایسا امر ہے۔ کہ جب تک اس کے ساتھ متحقق نہ ہوں۔ معلوم نہیں ہوتا۔ اسی طرح اس مرتبہ مقدسہ کی امتیاز مزالیت و مباہنت (ایک دوسرے کا زائل کرنا اور باہم فرق ہونا) کی رو سے نہیں۔ کیونکہ اس سے تبعض و تجزی یعنی بعض بعض اور جزو جزو ہونا لازم آتا ہے۔ جو جسم و جسمانی کے لوازم سے ہے۔ نَعَالٰی اللّٰهُ سُبْحٰنَہٗ عَنْ ذٰلِکَ (اللہ تعالیٰ اس سے بہت ہی برتر ہے) اس مقام میں شے کا غیر شے فرض کرنا متصور نہیں۔ کیونکہ غیریت اثبتیت اور مغائرت کی خبر دیتی ہے۔ بلکہ فرض کی بھی مجال

نہیں۔ کیونکہ فرض محال کی قسم سے ہے۔ مَنْ لَمْ يَذُقْ لَمْ يَذَرْ (جس نے مزہ نہیں چکھا۔ اس نے اس کو نہیں پایا) بیت

چہ گوئم با تو از مرغی نشانہ
ز عنقا ہست نامے پیش مردم
کہ با عنقا بود ہم آشیانہ
ز مرغ من بود آں نام ہم گم
ترجمہ بیت

کہوں کیا مرغ کا تجھ سے نشانہ
مگر ہے نام عنقا سب کو معلوم
کہ جو عنقا سے ہے ہم آشیانہ
مرے ہے مرغ کا بھی نام معدوم

اس مقام میں جو شے فرض کی جائے۔ اگرچہ فرض محال ہو اور اس شے میں جس قدر دور دور جائیں۔ اگرچہ کچھ بھی نہ چلے ہوں۔ ہرگز کوئی ایسا امر وہاں پیدا نہیں ہوتا۔ جس کو اس شے کے ساتھ ایسا اختصاص و خصوصیت حاصل ہو۔ جو دوسری شے مفروض میں پائی نہ جائے۔ اس کے علاوہ ان دو شے مفروض میں امتیاز ثابت ہوتا ہے اور باوجود ان احکام کے ایک دوسرے سے متمیز ہوتی ہیں۔ سُبْحَانَ مَنْ لَمْ يَجْعَلْ لِلْخَلْقِ إِلَيْهِ سَبِيلًا إِلَّا بِالْعِزِّ عَنْ مَعْرِفَتِهِ (پاک ہے وہ ذات جس نے معرفت سے عاجز ہونے کے سوا مخلوق کے لئے اپنی طرف کوئی راستہ نہیں بنایا) معرفت سے عاجز ہونا اولیاء بزرگ کا حصہ ہے۔ عدم معرفت اور ہے اور عجز از معرفت اور مثلاً اس مقام مقدس میں عدم امتیاز کا حکم کرنا اور ہر کمال ذاتی کو ایک دوسرے کا عین معلوم کرنا۔ جس طرح صوفیہ کہتے ہیں۔ کہ علم قدرت کا عین ہے اور قدرت ارادہ کا عین۔ یہاں اس مقام کے امتیاز کی عدم معرفت ہے اور اس مقام کے امتیاز کا حکم کرنا اور اس امتیاز کی کنہ کو نہ پانے کا اقرار کرنا اس مقام کے امتیاز کی معرفت سے عجز ظاہر کرتا ہے۔ عدم معرفت جہل ہے اور عجز از معرفت علم۔ بلکہ عجز دو علموں کو متضمن ہے۔ ایک شے کا علم دوسرے اس شے کی کمال عظمت و کبریا کے باعث اس شے کی کنہ و حقیقت کو نہ پانے کا علم اور اگر اس میں تیسرے علم کو بھی داخل کر لیں تو ہو سکتا ہے اور وہ اپنے عجز و قصور کا علم ہے۔ جو مقام عبدیت و عبودیت کی تائید کرتا ہے۔ عدم معرفت میں جو کہ سر اسر جہل ہے۔ بسا اوقات جہل مرکب کا مرض پیدا ہو جاتا ہے یعنی اپنے جہل کو جہل نہیں جانتا۔ بلکہ علم خیال کرتا ہے۔ لیکن عجز از معرفت میں اس مرض سے پوری پوری نجات حاصل ہوتی ہے۔ بلکہ اس مرض کی وہاں گنجائش ہی نہیں رہتی۔ کیونکہ اپنے عجز کا اقرار کرتا ہے۔ اگر عدم معرفت اور عجز از معرفت دونوں یکساں ہوتے تو تمام نادان عارف ہوتے اور ان کا جہل ان کے کمال کا باعث ہوتا۔ بلکہ جو کوئی وہاں زیادہ جاہل ہوتا۔ زیادہ عارف ہوتا۔ کیونکہ معرفت وہاں معرفت کا نہ پانا ہے اور عجز از معرفت میں یہ معاملہ صادق اور سچا ہے۔ کیونکہ جو کوئی معرفت سے زیادہ عاجز ہوگا۔

معارف میں اتنا ہی وہ زیادہ عارف ہو گا۔ عجز از معرفت ایک مدح ہے جو ذم سے مشابہ ہے اور عدم معرفت محض مذمت ہے۔ جس میں مدح کی بو بھی نہیں۔ رَبِّ ذُنْبِي عِلْمًا بِكَمَالِ الْعُجْزِ عَنْ مَعْرِفَتِكَ سُبْحَانَكَ (یا اللہ تو پاک ہے۔ مجھے اپنی معرفت سے کمال عجز کا علم زیادہ تر عطا فرما) شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہ اگر اس فرق کو ملاحظہ کرتا۔ جس کی طرف اس فقیر نے ہدایت پائی ہے۔ تو ہر گز عجز از معرفت کو جہل نہ کہتا اور اس کو عدم علم نہ جانتا۔ جیسے کہ اس نے کہا ہے۔ فَمِنَّا مَنْ عَلِمَ وَمِنَّا مَنْ جَهِلَ فَقَالَ الْعُجْزُ عَنْ ذَرْكَ الْإِذْرَاكِ إِذْرَاكِ (ہم میں سے بعض نے جان لیا اور بعض جاہل رہے۔ پھر کہا کہ ادراک سے عاجز ہونا بھی ادراک ہے) اس کے بعد شق اول کے علوم کو بیان کیا ہے اور ان پر بڑا فخر کیا ہے اور ان علوم کو اپنے ساتھ ہی مخصوص جان کر کہا ہے کہ خاتم الانبیاء ان علوم کو خاتم اولیاء سے اخذ کرتا ہے اور اس نے خاتم ولایت محمد یہ اپنے آپ کو کہا ہے اور اس سبب سے خلائق کے طعن و تشنیع کا محل ہوا ہے اور فصوص کے شارحین نے ان کی توجیہات میں بڑی ہمتیں اور کوششیں صرف کی ہیں۔ لیکن فقیر کے نزدیک یہ علوم جو شیخ نے کہے ہیں۔ اس عجز سے کئی مرتبے نیچے ہیں۔ بلکہ اس عجز کے ساتھ کچھ نسبت نہیں رکھتے۔ کیونکہ یہ علوم ظلال پر وابستہ ہیں اور عجز مقام اصل سے تعلق رکھتا ہے۔ سبحان اللہ اس قول کے قائل حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور وہی اس عجز کے ظہور کے مصدر ہیں جو تمام عارفوں کے سردار اور تمام صدیقیوں کے رئیس ہیں۔ علم کیا ہے۔ جو اس عجز سے سبقت لے جاسکے اور وہ کون سا قادر اور زور آور ہے جو اس عاجز یعنی حضرت صدیق سے آگے ہو سکے۔ ہاں جب حضرت صدیق کے خواجہ حضرت محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حق میں اس طرح کہتا ہے۔ تو پھر اگر حضرت صدیق کے حق میں اس طرح کہہ دے۔ تو کیا عجب ہے اور اس کا کیا علاج کیا جائے۔ عجب معاملہ ہے کہ شیخ باوجود اس گفتگو اور ان خلاف جواز اور مخالف شطیحات کے مقبولوں میں سے نظر آتا ہے اولیاء کے زمرہ میں گنا جاتا ہے۔ ع

برکریماں کارہا دشوار نیست

ترجمہ ع کریموں پر نہیں مشکل کوئی کام

ہاں کبھی دعا سے رنجیدہ ہوتے ہیں اور کبھی گالیوں پر ہنستے ہیں۔ شیخ کا رد کرنے والا بھی خطرہ میں ہے اور اس کو اور اس کی باتوں کو قبول کرنے والا بھی خطرہ میں ہے۔ شیخ کو قبول کرنا چاہئے اور اس کی مخالف باتوں کو قبول نہ کرنا چاہئے۔ شیخ کے قبول اور عدم قبول کے بارہ میں اوسط طریق فقیر کے نزدیک یہی ہے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ اَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْحَالِ (حقیقت حال کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے) اب ہم پھر اصل بات کو بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں۔ کہ اس مرتبہ مقدمہ میں جس کو ہم نے حقیقت قرآن مجید کہا ہے۔

نور کا اطلاق بھی گنجائش نہیں رکھتا اور تمام کمالات ذاتیہ کی طرح نور بھی راہ ہی میں رہ جاتا ہے۔ وہاں وسعت بچوں اور امتیاز بچکوں کے سوا کسی چیز کی گنجائش نہیں اور آیت کریمہ **فَذَجَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ** (اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے پاس نور آیا) میں اگر نور سے مراد نور قرآن ہو۔ تو ممکن ہے کہ تنزل و انزال کے اعتبار سے ہو۔ جیسے کہ کلمہ **فَذَجَاءَكُمْ** میں اسی امر کی طرف اشارہ ہے۔ اس مرتبہ مقدسہ کے اوپر ایک اور نہایت اعلیٰ مرتبہ ہے۔ جس کو حقیقت صلوات کہتے ہیں۔ جس کی صورت عالم شہادت میں منتہی نمازیوں کے ساتھ قائم ہے اور یہ جو قصہ معراج میں آیا ہے۔ کہ **قَفْ يَا مُحَمَّدُ فَإِنَّ اللَّهَ يُصَلِّي** (اے محمد ٹھہر جا کہ اللہ تعالیٰ صلوٰۃ پڑھ رہا ہے) ممکن ہے کہ اس حقیقت صلوٰۃ کی طرف اشارہ ہو۔ ہاں وہ عبادت جو مرتبہ تجرد و تنزہ کے لائق ہے۔ مراتب و جوب ہی سے صادر ہوتی ہے اور قدم کے اطوار سے ہی ظہور میں آتی ہے۔ **فَالْعِبَادَةُ اللَّاحِقَةُ بِجَنَابِ قُدْسِهِ تَعَالَى هِيَ الصَّادِرَةُ مِنْ مَرَاتِبِ الْوُجُوبِ لَا غَيْرُ فَهُوَ الْعَابِدُ وَالْمَعْبُودُ** (وہ عبادت جو اس کی پاک بارگاہ کے لائق ہے۔ وہ مراتب و جوب ہی سے صادر ہو سکتی ہے۔ پس وہی عابد ہے اور وہی معبود ہے) اس مرتبہ مقدسہ میں کمال وسعت و امتیاز بچوں ہے۔ کیونکہ حقیقت کعبہ بھی اس کا جزو ہے اور حقیقت قرآن بھی اسی کا حصہ ہے۔ کیونکہ صلوات مراتب عبادت کے ان تمام کمالات کی جامع ہے۔ جو اصل الاصل کی نسبت ثابت ہیں۔ کیونکہ معبودیت صرف اسی کے لئے ثابت ہے اور حقیقت صلوات جو تمام عبادات کی جامع ہے۔ اس مرتبہ مقدسہ کی عبادت ہے۔ جو اس کے اوپر ہے۔ جس کے لئے معبودیت صرف کا استحقاق ثابت ہے اور جو کل کا اصل اور سب کا جائے پناہ ہے۔ اس مقام میں وسعت بھی کو تاہی کرتی ہے اور امتیاز بھی راہ میں رہ جاتا ہے۔ اگرچہ بچوں و بچکوں ہو۔ کامل انبیاء اور اولیائے بزرگ کے اقدام کا منعہا مقام حقیقت صلوات کے نہایت تک ہی ہے۔ جو عابدوں کے مرتبہ عبادت کا نہایت ہے۔ اس مقام کے اوپر معبودیت صرف کا مقام ہے۔ جہاں کسی شخص کو کسی طرح بھی اس دولت میں شرکت نہیں کہ قدم اوپر رکھ سکے اور جہاں تک کہ عابد و عابدیت کی آمیزش ہے۔ وہاں تک نظر کی طرح قدم کے لئے بھی گنجائش ہے۔ لیکن جب معاملہ معبودیت صرف تک جا پہنچتا ہے۔ تو قدم کو تاہی کرتا ہے اور سیر ختم ہو جاتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی حمد ہے۔ کہ نظر کو وہاں سے منع نہیں فرمایا اور اس کو استعداد کے موافق گنجائش بخشی ہے۔ ع

بلا بودے اگر ایں ہم نبودے

مصیبت تھی اگر یہ بھی نہ ہوتا

ترجمہ ع

ممکن ہے کہ امر قف یا محمد میں اسی کو تاہی قدم کی طرف اشارہ ہو۔ یعنی اے محمد ٹھہر جاؤ اور قدم

آگے نہ رکھو۔ کیونکہ اس مرتبہ صلوٰۃ کے اوپر جو مرتبہ مقدسہ وجوب سے صادر ہے حضرت ذات تعالیٰ و تقدیس کے تجرّد و تنزہ کا مرتبہ ہے۔ جہاں قدم کے لئے کوئی جگہ اور گنجائش نہیں۔ کلمہ طیبہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کی حقیقت اسی مقام میں متحقق ہوتی ہے اور غیر مستحق خداؤں کی عبادت کی نفی اسی جگہ متصور ہوتی ہے اور معبود حقیقی کا اثبات کہ جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں۔ اسی مقام میں حاصل ہوتا ہے اور عابدیت و معبودیت کے درمیان کمال امتیاز اسی جگہ ظاہر ہوتا ہے اور عابد معبود سے کماحقہ جدا ہو جاتا ہے اور معلوم ہوتا ہے۔ کہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کے معنی متنہیوں کے حال کے مناسب لا معبود الا اللہ ہیں۔ جیسے کہ شرع میں اس کلمہ کے معنی قرار پائے ہیں اور لَا مَوْجُودٌ وَلَا وَجُودٌ وَلَا مَقْصُودٌ کہنا ابتداء و وسط کے مناسب ہے۔ لیکن لَا مَقْصُودٌ لَا مَوْجُودٌ وَلَا وَجُودٌ کے اوپر ہے۔ جو لَا مَعْبُودٌ الا اللہ کا دریچہ ہے۔ جاننا چاہئے۔ کہ اس مقام میں نظر کی ترقی اور بینائی کی تیزی عبادت صلوٰۃ پر وابستہ ہے۔ جو معنیوں کا کام ہے۔ دوسری عبادتیں صلوٰۃ کی تکمیل میں مدد دیتی ہیں اور اس کے نقص کی تلافی کرتی ہیں۔ شاید اسی واسطے نماز کو بھی ایمان کی طرح حَسَنٌ لِدَائِهِ یعنی اصل اور ذات میں خوب اور بہتر کہتے ہیں جبکہ دوسری عبادتوں کی خوبی ذاتی نہیں۔

مکتوب ۷۸

اشتیاق و اشفاق کے اظہار اور لشکر کے ثمرات کے بیان میں عالی مرتبہ مخدوم

زادوں خواجہ محمد سعید و خواجہ محمد معصوم کی طرف صادر فرمایا ہے:-

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور رسول اللہ ﷺ)

پر سلام اور درود ہو) فرزند ان گرامی اگرچہ ہماری دوام صحبت کے مشتاق اور خواہاں ہیں اور ہم بھی ان کے حضور ملاقات کے آرزو مند ہیں۔ لیکن کیا کریں۔ تمام امیدیں میسر نہیں۔ ع

تَجْرِي الرِّيحُ بِمَا لَا تَشْتَهِي السُّفُنُ

ترجمہ ع ہوا چلتی ہے کشتی کے مخالف

لشکر میں اس طرح بے اختیار و بے رغبت رہنا بہت ہی غنیمت ہے اور اس جگہ کی ایک ساعت دوسری جگہوں کی بہت سی ساعتوں سے بہتر دکھائی دیتی ہے۔ اس جگہ وہ کچھ میسر ہے۔ کہ دوسری جگہوں میں اس کے مثل بھی میسر نہیں ہوتا۔ اس مقام کے علوم و معارف جدا ہیں اور اس مجمع کے احوال و مقامات علیحدہ ہیں۔ وہ تکلیف جو بادشاہ کی طرف سے ہے۔ اس کو اپنے مولیٰ جل شانہ کی کمال مہربانی اور رضا مندی کا دروازہ جانتا ہے اور اپنی سعادت اس قید میں خیال کرتا ہے۔ خاص کر آج کل لڑائی اور مخالفت کے دنوں میں عجیب ہی معاملہ ہے اور ان پر اگندہ وقتوں میں عجیب و غریب ناز و کرشمے ظاہر ہوتے

ہیں۔ غرض ہر روز تازہ اور عجیب دولت جو پہنچتی ہے۔ اس کے لئے فرزندوں کی جدائی میں دل تڑپتا ہے اور ان کی دوری اور نایافت سے جگر جلتا ہے۔ خیال کرتا ہوں کہ میرا شوق تمہارے شوق پر غالب ہے اور مقرر ہے۔ کہ جس قدر باپ کو بیٹے کی محبت ہوتی ہے۔ اس قدر بیٹے کو باپ کی محبت نہیں ہوتی۔ اگرچہ فریت اور اصالت کا قضیہ اس امر کے برعکس حکم کرتا ہے کیونکہ اصل کو احتیاج نہیں ہوتی اور فرع سراسر اصل کی محتاج ہوتی ہے۔ لیکن بارگاہ الہی سے ایسا ہی ہوا ہے۔ کہ زیادہ شوق اصل کے لئے ثابت ہوا ہے۔ ع

در خانہ بکد خدا ماند ہمہ چیز

ترجمہ ع گھر میں سب چیز ہے گھر والے کی

اگر دہلی ہے۔ وہ بھی تمہارا ہمسایہ ہے اور اگر آگرہ ہے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کے کرم سے قریب ہے۔ والسلام

مکتوب ۷۹

عارف کی ذات مہبوب حقانی کے بیچونی اسرار اور تجلی ذات اور آخرت کی رویت

کے ثبوت میں خواجہ محمد معصوم کی طرف صادر فرمایا ہے۔

جب عارف کا معاملہ شیون و صفات سے گزر جاتا ہے اور ذات تعالیٰ و تقدس کے وجوہ و اعتبارات سے برتر پہنچ جاتا ہے اور اس مقام سے کہ جس کو ہم نے حقیقت صلوٰۃ سے تعبیر کیا ہے۔ برتری و بلندی حاصل کر لیتا ہے۔ تو اس وقت توجہ و متوجہ، متوجہ الیہ کی طرح بیچون ہوتی ہیں۔ کیونکہ چون کو بیچون کی طرف کوئی راستہ نہیں اور متوجہ سے مراد عارف کی ذات ہے۔ جس سے تمام وجوہ و اعتبارات دور ہو چکے ہوتے ہیں اور کنہ سے مراد وہی ذات مجردہ ہے جو بذات خود بلا کسی وجہ و اعتبار کے اپنی مطلوب و معروف ذات و کنہ کی طرف متوجہ ہے اور یہ جو ہم نے کہا ہے۔ کہ کنہ سے مراد ذات مجردہ ہے۔ اس لئے کہ شے کی کنہ وہ ہے۔ جو شے کے تمام وجہ و اعتبارات کے ماوراء ہے اور شے کی ذات بھی وہی ہے۔ جو تمام وجوہ و اعتبارات کے ماسوا ہے۔ کیونکہ شے کے وجوہ و اعتبارات سے جو کچھ بھی اعتبار کیا جائے۔ شے کی ذات ان سب سے ماوراء ہے۔ مرتبہ ذات میں کسی امر کے اثبات کی گنجائش نہیں۔ اس مرتبہ میں جو کچھ ثابت کیا جائے۔ وجوہ و اعتبارات میں داخل ہے۔ ذات ان سب سے ماوراء ہے۔ اس مقام میں نفی اور سلب کے سوا کوئی اور امر متصور نہیں۔ اگر علم بامتیاز ہے۔ تو وہ بھی سلب ہے اور اگر تعبیر و تفسیر ہے۔ تو وہ بھی مسلوب ہے اور وہ چیز جس میں اثبات کی گنجائش نہیں اور سلب کے بغیر تعبیر میں نہیں آتی۔ بیچونی کا حصہ رکھتی ہے اور مجہول الکفایت ہے اور وہ توجہ جو مرتبہ ذات میں ثابت کی جاتی ہے۔ وہ متوجہ کی عین ذات ہے۔ اور ایک ذات کے سوا اور کچھ نہیں رہتا۔ اس لئے وہ توجہ بھی جو عین ذات ہے۔ بیچونی کا حصہ پالیتی

ہے پس ثابت ہوا کہ توجہ و متوجہ متوجہ الیہ کی طرح بیچون ہو گئے۔ اگرچہ ایک بیچون اور دوسرے بیچوں میں بہت فرق ہے۔ مَا لِلتُّرَابِ وَرَبِّ الْأَرْبَابِ (چہ نسبت خاک را با عالم پاک) توجہ اور متوجہ میں ذات کی بیچونی کا حصہ اسی لئے ثابت کیا گیا ہے کہ متوجہ الیہ صرف بیچون حقیقی ہے۔ جب ممکن کی ذات و کنہ مجہول الکلیفیت و بیچون ہو اور کچھ بھی ثابت نہ ہو تو پھر واجب تعالیٰ کی ذات جو کمال لطافت و تقدس و تنزہ میں ہے۔ کس طرح اور اک میں آسکتی ہے اور اس سے کیا حاصل ہو سکتا ہے۔ بیت

آگاہ از خوشن چو نیست جنیں چہ خبر دار از چنناں و چنیں

ترجمہ۔ بیت

جنیں کو خبر جبکہ اپنی نہیں وہ کیا جانتا ہے چنناں و چنیں

اس ارجم الرحمین نے کمال رافت و مہربانی کو جو سر اسر چون ہے۔ بیچونی کا حصہ عطا فرمایا ہے۔ تاکہ بیچون حقیقی سے آگاہی پیدا کرے اور اس کے ساتھ گرفتاری حاصل کرے۔ وَلِلْأَرْضِ مِنْ شَأْسِ الْكَرَامِ نَصِيبٌ۔ ترجمہ ع

خنی کے کاسہ سے حصہ زمیں کو ملتا ہے

اور جنہوں نے کنہ ذات کی معرفت کو محال کہا ہے وہ معرفت متعارف ہے جو کیف و چون کی قسم سے ہے اس کا تعلق بیچون سے محال ہے لیکن وہ امر جو عالم بیچون سے ہو اور بیچون کے اتصال سے بیچون کے ساتھ واصل ہو جائے اور اس دولت عظمیٰ سے حظ حاصل کر لے۔ وہ کیوں محال ہو گا۔ مَعْرِفَةُ غَرِيبَةٍ وَمَسْئَلَةُ عَجِيبَةٍ فَلَمَّا ظَهَرَتْ إِلَى الْأَوَّلِ مِنْ أَهْلِ الْكُشْفِ وَالْعُرْفَانِ (اس معرفت غریب اور مسئلہ عجیب کو آج تک کسی اہل کشف و عرفان نے ظاہر نہیں کیا) یہ ذات مجرد جو بیچونی کا حصہ رکھتی ہے اور مفصل بیان ہو چکی ہے۔ اس تام المعرفت عارف کے ساتھ مخصوص ہے جو حضرت ذات مجرد سے واصل ہوتا ہے اور اس درجہ بلند میں فناء و بقاء حاصل کر لیتا ہے اور یہ دولت اس بقاء و ذات کا اثر ہے۔ سوائے اس عارف کے باقی تمام ممکنات کو ذات کا کچھ حصہ حاصل نہیں ہوتا۔ بلکہ ان کی ذات ہر گز نہیں ہوتی۔ تاکہ ان کی صفات اس ذات کے ساتھ قائم ہوں جو اپنے اصول یعنی اسماء و صفات کے ظلال اور شیون و اعتبارات کے عکس ہوتے ہیں جو اپنے اصول یعنی اسماء و صفات کے ساتھ قیام رکھتے ہیں۔ نہ کہ کسی ایسے امر کے ساتھ کہ جس کو ذات سے تعبیر کیا جائے۔ انسان کے ساتوں لطائف جو تمام ممکنات میں سے زیادہ تر جامع ہیں۔ کیا خفی اور کیا اظہی سب صفات ہی کا اثر ہوتے ہیں اور اس کے جسمانی و روحانی قوی ذات حق کے اسماء و اعتبارات کے پر تو ہوتے ہیں۔ نفس ذات کا کچھ حصہ بھی عطا نہیں فرمایا ہوتا اور ان کو ذات کے ساتھ قیام نہیں بخشا ہوتا۔

سوال: جب اسماء و صفات کا اپنا قیام خود بخود نہیں بلکہ ان کا قیام ذات تعالیٰ و تقدس کے ساتھ ہے تو پھر اور چیز کا قیام ان کے ساتھ کس طرح ہوگا؟

جواب: میں کہتا ہوں کہ دوسری چیز ان کے ساتھ اس وقت قائم نہیں ہو سکتی۔ جبکہ وہ موجود ہو اور اگر اس نے مرتبہ وہم میں ثبوت و استقرار پیدا کیا ہو۔ تو پھر ان کے ساتھ کیوں نہ قائم ہوگی۔ جبکہ نہایت ہی ضعیف ہے اور یہ جو ہم نے لکھا اور کہا ہے کہ ممکن کی ذات عدم ہے۔ یہ بعینہ ایسا ہے جیسے کہہ دیں کہ ممکن کی ذات ہے ہی نہیں۔ ذَاتُهُ عَدَمٌ (اس کی ذات عدم ہے) اور لَا ذَاتَ لَهُ (کوئی اس کی ذات نہیں) دونوں کے ایک ہی معنی ہیں۔ اگرچہ فلسفی تحقیق ان دونوں مفہوموں کے درمیان تغائر ثابت کرتی ہے لیکن وہ لا حاصل ہے۔ درحقیقت ان کا مرجع ایک ہی ہے۔ عدم جب اپنے لئے نہیں ہے تو پھر دوسروں کے کام کیا آسکے۔ اور جب اپنے آپ کو نہیں اٹھا سکتا تو دوسروں کو کس طرح اٹھا سکے۔ اس بحث کی تحقیق یہ ہے کہ چونکہ اسماء و صفات کے عکس عدم کے آئینہ میں ظاہر ہوئے ہیں۔ اس لئے ان کا قیام بظاہر اس آئینے کے ساتھ دکھائی دیتا ہے اور وہ آئینہ ان کے قیام کے اعتبار سے ان کی ذات کی طرح منکمل ہوتا ہے۔ ورنہ درحقیقت ان کا قیام اپنی اصل کے ساتھ ہے اور آئینے کے ساتھ کچھ تعلق نہیں رکھتے۔ اور وہم کے سوا عدم کے آئینہ کے ساتھ ان کا کچھ کام نہیں۔ اس آئینہ کا جو ہر ذات ہونا یہاں کیا گنجائش رکھتا ہے۔ جب عدم حاضر ہونے کی قابلیت نہیں رکھتا تو پھر جو ہر کس طرح ہو سکے۔ ایسا نام المعروف عارف جو مرتبہ ذات تعالیٰ و تقدس سے واصل ہے اور جس نے ذات کے ساتھ بقاء حاصل کیا ہے۔ ہمیشہ عنقائے مغرب کا حکم رکھتا ہے جو عزیز الوجود اور غریب الوقوع یعنی کیا ہے۔ اس فناء و بقاء کے بعد اس کو ایسی ذات کرامت فرماتے ہیں جس کے ساتھ اسماء و صفات کے ان ظلال و عکس کا قیام ہوتا ہے جو اس کی حقیقت ہیں۔ جس طرح کہ ان کے اصول یعنی اسماء کا قیام حضرت ذات کے ساتھ ہے ان اسماء کے ظلال کا قیام اس ذات کے پر تو کے ساتھ ہوتا ہے جو اس عارف کو عطا فرماتے ہیں۔ پس یہ عارف جو ہر و عرض سے مرکب ہوتا ہے اور ممکن کے باقی افراد سب اعراض ہی ہوتے ہیں جن میں جوہریت کی کچھ بو نہیں ہوتی۔ فتوحات مکی والے نے کیا اچھا کہا ہے کہ عالم اعراض مجتمع ہے جو ذات واحد کے ساتھ قیام رکھتے ہیں۔ لیکن شیخ قدس سرہ دو دقیقے اس جگہ چھوڑ گیا ہے ایک یہ کہ عارف اکمل کو اس حکم سے الگ نہیں کیا دوسرے یہ کہ اس کا قیام ذات واحد کے ساتھ مقرر کیا ہے حالانکہ اس کا قیام اپنے اصل کے ساتھ ہے جو اسماء و صفات ہیں نہ کہ ذات تعالیٰ کے ساتھ اگرچہ اسماء و صفات کا قیام ذات کے ساتھ ہی ہے کیونکہ حضرت ذات کو عالم سے ذاتی استغناء ہے اس درجہ بلند کے ساتھ عالم کا قیام کیسے ہو سکتا ہے اور عالم کیا ہے جو اس مرتبہ اعلیٰ کے ساتھ قیام کی ہوش رکھے۔ بیت

ماتماشکنان کو تادہ دست

تو درخت بلند بالائی

ترجمہ - بیت

ہم تماشا کنان ہیں کو تادہ دست

تو نہایت بلند بالا درخت

اس عارف کا معاملہ عالم سے جدا ہے اور اس کا حکم عالم کے احکام سے الگ ہے محبت ذاتی کے ذریعے اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ (آدمی اسی کے ساتھ ہے جس سے اس کو محبت ہے) کے موافق اپنے اصل سے گزر کر اپنے اصل الاصل کے ساتھ معیت پیدا کر لیتا ہے اور اپنے آپ کو اس اصل الاصول میں فانی کر دیتا ہے۔ اور اُنْکَرُمْ اِلَّا کَرَمِیْنَ آیت کریمہ هَلْ جَزَاءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ (احسان کا بدلہ احسان ہوتا ہے) کے موافق فنا کے عوض اس کو بقاء عطا فرماتا ہے اور جس چین میں وہ فانی ہوتا تھا۔ اسی کے ساتھ اس کو بقا بخش کر اپنی ذات و صفات و اسماء کا مظہر اور جامع آئینہ بنادیتا ہے۔ پس تمام افراد عالم اس عارف کی جامعیت کے مقابلہ میں ایسے ہیں جیسے قطرہ دریائے محیط کے مقابلہ میں۔ کیونکہ حضرت ذات تعالیٰ کے مقابلہ میں اسماء و صفات کا کچھ قدر و مقدار نہیں۔ قطرہ کا بھی دریا کے مقابلہ میں کچھ نہ کچھ قدر و مقدار ہے۔ لیکن ان کا اس کے مقابلہ میں اتنا بھی نہیں۔ اس بیان سے اس عارف کے علم و معرفت و درک و ادراک کو دوسروں کی نسبت قیاس کرنا چاہئے۔ اور اس کی عظمت و بلندی کو سمجھنا چاہئے۔ ذَلِکَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ط (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ جس کو چاہتا ہے بخشتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے) اس صاحب دولت کو جب بقاء ذاتی سے مشرف کرتے ہیں تو ایک ایسی ذات عطا کرتے ہیں جس کے ساتھ اس کی صفات مثل علم و قدرت وغیرہ کا قیام ہوتا ہے۔ جن کا قیام پہلے باقی تمام افراد عالم کی طرح ان کے اصول کے ساتھ تھا۔ اس بقاء اکمل کے حاصل ہونے کے باوجود کلمہ انا کا اطلاق جو اس سے زائل ہوا ہوتا ہے۔ پھر عود نہیں کرتا اور مراتب بقاء میں سے کسی مرتبہ میں اپنے اوپر کلمہ انا کا اطلاق نہیں کر سکتا۔ کیونکہ بقاء اکمل فناء اتم پر مترتب ہے۔ جو کلمہ انا کا نام و نشان مٹا دیتا ہے اور عود و رجوع کی بھی گنجائش نہیں چھوڑتا۔ اَلْزَّانِبُ لَا یُعْوَدُ (دور ہٹا ہوا پھر نہیں آتا) مشہور قضیہ ہے اور جو عود کرے۔ وہ زائل نہیں ہوتا بلکہ مغلوب و مستور ہوتا ہے اور کسی عارضہ کے باعث پوشیدہ ہوتا ہے جو اس عارضہ کے دور ہونے کے بعد غالب آ جاتا ہے۔ فَانَّ الْمَغْلُوبَ قَدْ یَغْلِبُ (کیونکہ کبھی مغلوب بھی غالب آ جاتا ہے)۔ جاننا چاہئے کہ مرتبہ عالیہ ذات تعالیٰ و تقدس کا حصہ اسی صاحب دولت کے ساتھ مخصوص ہے جو ذات کے حصول سے باقی ہوتا ہے اور صفات نے اس کے ساتھ قیام پایا ہوتا ہے اس کے سوا اور جو کوئی خواہ کسی قسم کا فناء و بقاء حاصل کرے۔ اس کا حصہ اسماء و صفات ہی سے ہو گا نہ کہ ذات سے۔ اگرچہ اسماء و صفات ذات سے الگ نہیں ہیں لیکن

ذات کا نصیب اور ہے اور صفات کا نصیب اور اگرچہ ذات سے صفات کا الگ نہ ہونا بعض لوگوں کو وہم میں ڈال دیتا ہے اور صفات کے نصیب کو ذات کا نصیب ظاہر کرتا ہے۔ لیکن ہر ایک کے نشانات و علامات الگ الگ ہیں اور ایک دوسرے کے علوم و معارف جدا جدا جو اس دولت عظمیٰ کے پانے والوں پر پوشیدہ نہیں ہیں۔ لیکن واضح رہے کہ تجلی ذاتی اس بزرگ کے ساتھ مخصوص نہیں ہو سکتا ہے کہ اس کے سوا کسی اور کو بھی تجلی ذاتی ہو لیکن نفس ذات تعالیٰ سے نصیب حاصل نہ ہو کیونکہ تجلی ایک قسم کی ظلیت چاہتی ہے جو مرتبہ ثانی کا ظہور ہے اور نفس ذات کا نصیب جو کہا گیا ہے ظلیت کی تاب نہیں لا سکتا۔ بلکہ نفس تجلے اور ظہور سے بھی روپوش ہو جاتا ہے۔ ذات کا وہ ظہور جو صفات میں سے کسی صفت کے ساتھ ثابت ہو۔ وہ بھی مرتبہ ثانی میں ذات کا ظہور ہے لیکن تجلی ذات نہیں۔ بلکہ ذات تعالیٰ کے اعتبارات میں سے کسی اعتبار کی تجلی ہے کیونکہ ذات عز شانہ تمام اعتبارات کی جامع بلکہ سب سے منزہ ہے۔ اسی لئے اعتبارات میں سے کسی اعتبار کی تجلی تجلی ذاتی نہیں ہوتی۔

سوال: شیخ محی الدین ابن عربی اور اس کے تابعین قدس سرہم نے تعین اول کو تجلی ذات کہا ہے اور تعین عملی جملی میں جو ذات کے اعتبارات میں سے ایک اعتبار ہے۔ ذات کا ظہور ہے جو جامعیت رکھتا ہے۔ جواب: جو کچھ اس درویش کا معتقد ہے۔ وہ یہ ہے کہ وہ ظہور عملی جملی بھی جس کو انہوں نے تعین اول سے تعبیر کیا ہے۔ تجلی ذاتی نہیں بلکہ ذات کے شیونات میں سے ایک شان سے ماخوذ ہے۔ تجلی ذات تمام شیون و اعتبارات کی جامع بلکہ تمام شیون و اعتبارات سے برتر ہے۔ اس جگہ علم کا اعتبار بھی دوسرے ان ذاتی اعتبارات کی طرح ہے جن کے وصول کا ہاتھ اس مرتبہ مقدسہ کے دامن غنا سے کوتاہ ہے اگر کہیں کہ مرتبہ ثانی کا ظہور علم پر منحصر ہے کیونکہ خارج میں نفس ذات ہے پس مرتبہ ثانی میں اس کا ظہور خانہ علم میں ہو گا۔ کیونکہ ظہور علم میں ہے یا خارج میں تیسری شق ظاہر نہیں ہوئی۔ جس میں ظہور ثابت کیا جائے تو میں کہتا ہوں کہ وہ قادر جس نے شان علم میں جو ذات کے اعتبارات میں سے ایک اعتبار ہے ظہور فرمایا ہے۔ اس بات پر بھی قادر ہے کہ اس طرح ظہور فرمائے کہ ظہور علم کا اعتبار اس ظہور جامع کا بعض اور جزو ہو بلکہ اس طرح ظہور فرمائے کہ اعتبار علم اور باقی تمام اعتبارات کی وہاں گنجائش ہی نہ ہو۔ اور وہ ظہور جامع کا مرتبہ مرتبہ خارج اور مرتبہ علم کے ماوراء ہو جو خارج کا ظل ہو اور علم سے کچھ تعلق نہ رکھتا ہو تجلی ذات کو تعین علم کے ساتھ مقید کرنا دریا کو کوزہ میں بند کرنا بلکہ پانی کو سراب میں ڈھونڈنا ہے ایک شاعر کہتا ہے۔ بیت

کُنتُ در صحن کاچی قلیہ جوید اَصْبَغَ الْعُمُرُ فِی طَلَبِ الْمُحَالِ

ہاں علم کا امتیاز تمام ذاتی اعتبارات میں سے زیادہ تر جامع ہے۔ جس قدر اس میں کمالات ذات کا

شمول ہے۔ اس قدر کسی اور اعتبار میں نہیں ہے۔ ہاں اگر مجاز کے طور پر ظہور علمی کو ظہور ذاتی کہیں اور اس پر تجلی ذات کا اطلاق کریں تو ہو سکتا ہے اگرچہ ان کے اطلاقات سے بعید ہے اور ان کے مذاق سے دور ہے جیسے کہ ان کے کلام کے دیکھنے والوں پر پوشیدہ نہیں۔

سوال:- شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہ نے آخرت کی رویت کو لطیفہ جامعہ مثالیہ کی صورت میں مقرر کیا ہے۔ تمہارا معتقد اس مسئلہ میں کیا ہے؟

جواب:- صورت جامعہ مذکورہ کی رویت حق تعالیٰ کی رویت نہیں ہے۔ بلکہ اس کے کمالات کے مظاہر میں سے ایک مظہر کی رویت ہے۔ جس نے عالم مثال میں حصول پیدا کیا ہے۔ بیت

بَرَاهُ الْمُؤْمِنُونَ بِغَيْرِ كَيْفٍ وَإِذْ رَأَوْا ضَرْبَ مَنْ مِثَالِ

ترجمہ:- بیت

مومن خدا کو دیکھیں گے جنت میں خوش خصال

بے کیف و بے تصور و بے شبہ و بے مثال

حق تعالیٰ کی رویت کو صورت کی رویت پر مقرر کرنا درحقیقت حق تعالیٰ کی رویت کی نفی کرنا ہے۔ نیز وہ صورت جو عالم مثال میں حاصل ہو۔ اگرچہ جامع ہو لیکن عالم مثال ہی کے اندازہ پر ہوگی۔ اور عالم مثال اگرچہ وسعت رکھتا ہے۔ لیکن اس کے عوالم مخلوقہ میں سے ہے۔ وہ جامعیت صورت جو اس میں ہے۔ کیا گنجائش رکھتی ہے۔ کہ تمام کمالات و جوبیہ ذاتیہ کی جامع ہو سکے اور سب کو ضبط کر سکے۔ تاکہ اس مرتبہ مقدسہ کا آئینہ بن سکے اور اس کی رویت حق تعالیٰ کی رویت ہو سکے۔ جب صفت علم جو صفات و جوبیہ میں سے ہے اور تمام ذاتی صفات میں سے زیادہ جامع ہے۔ اس امر کی گنجائش نہیں رکھتی۔ اگرچہ تمام ذاتی صفات و اعتبارات کی جامع ہے جیسے کہ اس کی تحقیق گذر چکی ہے۔ تو پھر عالم مثال جو ممکن و مخلوق ہے اس کی صورت تمام کمالات و جوبیہ کی جامع کس طرح ہو سکتی ہے۔ اور اگر فرضا اور تقدیر اس کو جامع کہیں بھی۔ تو اس مرتبہ مقدسہ کے ظلال میں سے ایک ظل ہوگی۔ اور ظل کی رویت درحقیقت اصل کی رویت نہیں ہے۔ مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے رویت آخرت کو چودھویں رات کے چاند کی رویت کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ اور کوئی پوشیدگی نہیں چھوڑی۔ اور ظل کی رویت ایسی ہے۔ جیسے طشت آب میں چاند کو دیکھیں۔ جس کو بلند فطرت والے لوگ پسند نہیں کرتے۔ اس قدر ادراک میں آتا ہے۔ کہ اس مرتبہ مقدسہ کا ظہور خانہ علم کے باہر حاصل ہو سکتا ہے۔ اور مرتبہ خارج کے ظل میں ثبوت پیدا کر سکتا ہے۔ جیسے کہ گذر چکا۔ اس ظہور جامع کا ایک ظل جامع خانہ علم میں ہوتا ہے جس کو تعین اول سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور اس ظل جامع کا عالم مثال میں ایک اور ظل جامع

ہوتا ہے جو کل جامع علمی کا آئینہ دکھائی دیتا ہے۔ یہ کل جامع مثالی جو عالم مثال میں لطیفہ کی صورت پر ظاہر ہوتا ہے۔ اس انسانی صورت پر ثابت ہوتا ہے۔ جو تمام مخلوقات میں سے زیادہ تر جامع ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِهٖ (اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا) ممکن ہے کہ اسی اعتبار سے آیا ہو۔ لیکن حق تعالیٰ کی رویت وہ ہے۔ جو ان ظہورات اور صورتوں کے ماوراء ہے۔ اور بے کیف و بیچون کی قسم سے ہے۔ رویت آخرت پر ایمان لے آنا چاہئے۔ اور اس کی کیفیت اور چند و چون میں مشغول نہ ہونا چاہئے۔ آخرت کے خلق و وجود کو دنیا کے خلق و وجود کے ساتھ کوئی نسبت نہیں۔ تاکہ ایک کے احکام کو دوسرے پر قیاس کیا جائے۔ وہاں کی آنکھ جدا ہے۔ اور وہاں کا فہم و ادراک الگ۔ اس کے لئے دوام ابدی ہے۔ اور اس کے لئے زوال و فنا اس کے لئے سراسر لطافت و نفاذ ہے۔ اور اس کے لئے خبث و کثافت۔ شیخ قدس سرہ خانہ علم کے باہر حق تعالیٰ کا ظہور ثابت نہیں کرتے اور مجالی و مظاہر کے ماسوا مشاہدہ و شہود و رویت تجویز نہیں کرتے۔ ع

آں ایشاند و من چہینم یارب

ترجمہ۔ ع

وہ ایسے ہیں میں ایسا ہوں خدایا

کیا کیا جائے اس میدان میں شیخ قدس سرہ ہی ہے جس کے ساتھ کبھی لڑائی ہے۔ اور کبھی صلح کیونکہ اسی نے سخن معرفت و عرفان کی بنیاد رکھی ہے۔ اور اس کو شرح و تفسیر و توحید و اتحاد کو مفصل طور پر بیان کیا ہے۔ اور تعدد و تکثیر کا منشا ظاہر فرمایا ہے۔ وہی ہے جس نے وجود کو بالکل حق تعالیٰ کی طرف منسوب کیا ہے۔ اور عالم کو موہوم و متخیل بنایا ہے وہی ہے۔ جس نے وجود کے لئے تنزلات ثابت کئے ہیں۔ اور ہر مرتبہ کے احکام کو جدا کیا ہے وہی ہے جس نے عالم کو عین حق جانا ہے۔ اور ہمہ اوست کہا ہے۔ اور باوجود اس کے حق تعالیٰ کے مرتبہ تنزیہ کو عالم کے ماوراء معلوم کیا ہے اور اس کو دید و دانش سے منزہ و مبرا سمجھا ہے۔ ان مشائخ نے جو شیخ قدس سرہ سے پہلے ہیں اگر اس بارہ میں گفتگو کی ہے۔ تو رموز و اشارات کے طور پر کچھ بیان کیا ہے۔ اور اس کی شرح و تفسیر میں مشغول نہیں ہوئے۔ اور وہ مشائخ جو شیخ کے بعد ہیں۔ ان میں سے اکثر نے شیخ کی تقلید کی ہے۔ اور اس کی اصطلاح کے موافق گفتگو کی ہے۔ ہم پسماندوں نے بھی اس بزرگ کی برکات سے استفادہ کیا ہے۔ اور اس کے علوم و معارف سے بہت فائدے حاصل کئے ہیں۔ جَزَاهُ اللّٰهُ سُبْحَانَهُ عَنَّا خَيْرَ الْجَزَاءِ (اللہ تعالیٰ اس کو ہماری طرف سے جزاء خیر دے) لیکن چونکہ بشریت کے موافق خطاء و صواب ایک دوسرے کے ساتھ ملا جلا ہے۔ اور انسان احکام میں کبھی خطا پر ہے۔ اور کبھی صواب پر اس لئے اہل حق کے سوا اعظم کے احکام کی موافقت کو صواب کا مصداق اور ان کی مخالفت کو خطا کی دلیل سمجھنا چاہئے۔ کہنے والا خواہ کوئی

ہو۔ اور خواہ کوئی کلام ہو۔ مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے عَلَیْكُمْ بِسَوَادِ الْأَعْظَمِ (تم پر سواد اعظم یعنی بڑے گروہ کی تابعداری لازم ہے) نیز مقرر ہے۔ کہ صنعت کی تکمیل مختلف فکروں اور بہت سی نظروں کے ملنے پر موقوف ہے۔ سیبویہ اگرچہ علم نحو کے احکام کا بانی ہے۔ لیکن وہ نحو جس نے متاخرین کے فکروں اور نظروں کے ملنے سے کمال و تنقیح پیدا کی ہے۔ وہ اور کچھ ہو گیا ہے۔ اور اور ہی زیب و زینت پایا گیا ہے۔ بلکہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ دوسری قسم کا بن گیا ہے۔ اور علیحدہ احکام حاصل کر چکا ہے۔ رَبَّنَا إِنَّا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةٌ وَهَبْنِي لَنَا مِنْ أَمْرِنَا رَشْدًا (یا اللہ تو اپنے پاس سے رحمت نازل فرما۔ اور ہمارے کام سے بھلائی ہمارے نصیب کر)

مکتوب ۸۰

عارف کی ذات مہبوب کی طرف اشیاء کے منسوب ہونے کے بیان میں حضرت

مخدوم زادہ خواجہ محمد معصوم سلمہ سبحانہ کی طرف صادر فرمایا ہے۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَذَا اَنَا لِهَذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْ لَا اَنْ هَذَا نَا لِلّٰه لَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے ہم کو ہدایت دی اور اگر وہ ہم کو ہدایت نہ دیتا۔ تو ہم کبھی ہدایت نہ پاتے بیشک ہمارے رب کے رسول سچے ہیں) ہر ایک ظل سے اصل کی طرف سیدھا شاہراہ جاتا ہے۔ اور کوئی خار و خس ان کے درمیان حائل نہیں۔ اور اگر خار و خس درمیان حائل ہو۔ تو اس کی توجہ اپنی طرف ہی ہے اور اصل کی طرف سے روگردان ہے ظل صرف اصل کا مانند رہے کیونکہ جو کچھ وہ وجود و توالیع وجود کا حسن و کمال رکھتا ہے۔ سب اس کو اصل ہی سے ملا ہے شاید عدم ہے جو اصل کے وسیلہ کے بغیر اس کے نصیب ہوا ہو۔ اور وہ لاشے محض اور مجر د اعتبار ہے۔ اس ظل نے اپنی کمال نادانی سے اپنے اصل کو فراموش کر دیا۔ اور اس کی امانتوں کو اپنی طرف سے خیال کر کے امانت میں خیانت کی اور باوجود ذاتی برائی کے جو عدم کے باعث رکھتا ہے اپنے آپ کو بہتر و کامل جانا لیکن اپنی طرف متوجہ ہونے اور اصل کی طرف سے روگردانی کرنے کے باوجود اس کو اپنے اصل کے ساتھ طبعی میلان و محبت حاصل ہے خواہ اس کو خود جانے یا نہ جانے۔ بلکہ وہ محبت جو اپنے آپ کے ساتھ رکھتا ہے درحقیقت اس کا تعلق بھی اصل کے ساتھ ہے کیونکہ وہ حسن و کمال جس سے محبت کا تعلق ہے اصل ہی کی طرف سے ہے نہ کہ اس کی اپنی طرف سے وہ اپنی طرف سے سوائے عدم اور قبح کے کچھ نہیں رکھتا جس کے ساتھ محبت کا تعلق ہو سکے جیسے کہ کئی دفعہ تحقیق ہو چکی ہے جب اللہ تعالیٰ کے کرم سے اس کی اس خود بینی کا مرض اس سے دور ہو جاتا ہے۔ اور جہل مرکب کو چھوڑ دیتا ہے۔ اور امانت کو امانت والوں کی طرف سے جانتا ہے۔ اور اپنی طرف متوجہ ہونے کی بجائے اپنی طرف سے منہ پھیر لیتا ہے۔ اور اس کا وہ اعراض

جو اصل کی طرف سے تھا اقبال کے ساتھ بدل جاتا ہے تو اس وقت اس کو رشتہ سعادت ہاتھ آ جاتا ہے۔ اور اصل تک پہنچنے کی امید حاصل ہو جاتی ہے حاصل کلام یہ ہے کہ چونکہ عالم حق تعالیٰ کے اسماء و صفات کے ظلال ہیں۔ اس لئے اس کے اصول بھی اسماء و صفات ہیں۔ اور یہ ظلال اعراض ہیں۔ جن کا قیام اپنے اصول یعنی اسماء و صفات کے ساتھ ہے۔ اور ان کے درمیان کوئی ایسا جوہر قائم نہیں جس کے ساتھ قائم ہوں نظام معزلہ نے *إِنَّ الْكَذُوبَ قَدْ يَضِدُّ* (جھوٹا کبھی کبھی سچ بھی کہتا ہے) کے موافق اس بھید سے آگاہ ہو کر کہا ہے۔ کہ عالم سب کا سب اعراض ہے اور کوئی جوہر درمیان نہیں جس کے ساتھ قائم ہو لیکن اس نے خطا کی ہے کہ اس نے ان اعراض کے قیام کو خود بخود کہا ہے اور ان کے اصول سے غافل رہا ہے جن کے ساتھ قیام رکھتے ہیں۔ اور صوفیاء میں سے شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہ نے عالم کو اعراض مجتمعه فرمایا ہے۔ اور ان کا قیام حق تعالیٰ کے ساتھ رکھا ہے نہ کہ اسماء و صفات کے ساتھ جو ان کے اصول ہیں۔ *فَيَالَيْتَ شِعْرِي مَا مَعْنَى الْقِيَامِ بِالذَّاتِ الْمُجَرَّدَةِ عَنْ جَمِيعِ الْوُجُوهِ وَ الْإِعْتِبَارَاتِ وَلَا مَعْنَى لِلْقِيَامِ ثُمَّ إِلَّا الْإِخْتِصَاصُ النَّاعِي وَلَا نَعْتٌ ثُمَّ فَلَا قِيَامٌ وَ أَيْضًا إِنَّ الْقِيَامَ مِنْ جُمْلَةِ الْوُجُوهِ وَ الْإِعْتِبَارَاتِ الْمُنْفِيَةِ فَلَا مَعْنَى لِإِتْبَاعِهِ فِي تِلْكَ الْمُرْتَبَةِ الْقَدْسَةِ* (کاش میں جانتا کہ تمام وجود و اعتبارات سے مجرد ذات کے ساتھ قیام کے کیا معنی ہیں۔ حالانکہ وہاں اختصاص ناعت کے سوا قیام کے کچھ معنی نہیں لیکن نہ وہاں نعت ہے نہ قیام اور نیز قیام وجود و اعتبارات منفیہ کی قسم سے ہے۔ اس لئے اس مرتبہ مقدسہ میں اس کا ثابت کرنا بے فائدہ ہے) چونکہ افراد عالم اسماء و صفات کے ظلال ہیں۔ اس لئے ان کا وصول بھی ان کے اصول تک ہو گا۔ جو اسماء و صفات ہیں۔ اور اگر اصول کے وصول تک پہنچ جائیں۔ تو پھر بھی ذات مجرد و مقدس تک منتہی ہو گئے۔ اور وہاں سے آگے نہ گذریں گے کیونکہ اسماء کی اصالت بھی وہاں گنجائش نہیں رکھتی۔ وہاں اسم و صفت و شان و اعتبار سے غنائے ذاتی ہے۔ پس عالم کو مرتبہ مقدسہ ذات سے مایوسی اور حرمان کے سوا کچھ نصیب نہیں۔ اور وصل و اتصال کی وہاں گنجائش نہیں لیکن عادت اللہ اسی طرح جاری ہے کہ بہت قرون اور بی شمار زمانوں کے بعد کسی صاحب دولت کو فناء اتم کے بعد بقاء اکمل بخشے ہیں۔ اور ذات مقدس کا نمونہ اس کو عطا فرماتے ہیں جس کے ساتھ اب اس کا قیام ہوتا ہے۔ جس طرح کہ پہلے اس کا قیام اپنے اصل کے ساتھ تھا۔ جو اسماء و صفات ہیں۔ اور وہ تمام اعراض سابقہ جو رکھتا تھا اور یہ ذات مہوب دونوں مل کر اس کی حقیقت ہوتی ہے یہاں پہنچ کر اس کا کمال انسانی ختم ہو جاتا ہے۔ اور نعمت اس کے حق میں تمام ہو جاتی ہے میں ایک بات کہتا ہوں۔ اس کو اچھی طرح سننا چاہئے۔ کہ اس ذات مہوب کے ساتھ صرف عارف ہی کا قیام مخصوص نہیں ہوتا۔ بلکہ تمام افراد عالم جو اعراض مجتمعه ہیں۔ جس طرح پہلے اسماء و صفات کے ساتھ

قیام رکھتے تھے اسی طرح اب ان کا قیام اس ذات مہبوب پر وابستہ کیا ہے۔ اور سب کو اس ایک ذات کے ساتھ قائم کیا ہے۔ ع

خاص کند بندہ مصلحت عام را

ترجمہ۔ ع خاص کر لیتا ہے اک کو تا بھلا ہو عام کا

انسان کی خلافت کا سر جو آیت کریمہ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَہٗ (میں زمین میں خلیفہ بنایا چاہتا ہوں) میں آیا ہے۔ اس جگہ متحقق ہوتا ہے۔ اور حدیث اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ (اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر پیدا کیا) کی حقیقت اس مقام میں واضح ہوتی ہے۔ اور یہ جو ہم نے کہا ہے۔ کہ ذات اقدس کا نمونہ اس کو عطا فرماتے ہیں۔ میدان عبارت کی تنگی کے باعث ہے ورنہ نمونہ کی وہاں مجال نہیں جاننا چاہئے۔ کہ اس قسم کے بزرگ ایک زمانہ میں متعدد و بیشمار نہیں ہوتے جب بیشمار قرونوں کے بعد ایک پیدا ہوتا ہے۔ تو پھر ایک زمانہ میں متعدد کس طرح ہو سکتے ہیں۔ اگر اس قسم کی دولت کے ظہور کی مدت مقرر کی جائے تو شاید ہی کوئی اعتبار کرے۔ رَبَّنَا اِنَّا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَۃٌ وَہِیْیَ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشْدًا (یا اللہ تو اپنے پاس سے ہم پر رحمت نازل فرما۔ اور ہمارے کام سے بہتری ہمارے نصیب کر) جاننا چاہئے کہ جب عارف کو بقاء ذات سے مشرف فرمائیں تو اس کی وہ ذات مہبوب بپنوں اور وجود اعتبارات کے وراء ہوگی۔ کیونکہ جو چون ہے وہ وجہ و اعتبار کے ساتھ مقید ہے۔ جب تک بپنوں نہ ہو وجہ و اعتبار سے نہیں چھوٹ سکتا۔ اس ذات کیلئے جو بپنوں سے حصہ رکھتی ہے۔ بپنوں حقیقی کی ذات کی طرف شاہراہ ہے۔ جس طرح گل کی وجہ و اعتبار کو اصل کے وجہ و اعتبار کی طرف راستہ ہے۔ اسی طرح گل کی عطا فرمائی ہوئی ذات مجرد کو ذات مجرد بپنوں کی طرف شاہراہ ہے اور یہ ذات مہبوب عارف کی کنہ ہے۔ کیونکہ کنہ وہ ہے جو تمام وجوہ و اعتبارات کے ماوراء ہو اور یہ ذات بھی تمام وجوہ و اعتبارات کے ماوراء ہے اور عالم کے باقی تمام افراد کی کوئی کنہ نہیں۔ کیونکہ ان کے تمام وجود سر اسر وجوہ و اعتبارات ہیں۔ اعتبارات کے سوا ان کی کوئی ذات نہیں جس کو کنہ کہا جائے۔ پس جب ان کی کنہ نہیں تو ان کو اصل کی کنہ سے کیا نصیب ہوگا۔ ہاں کنہ کو کنہ کی طرف راستہ ہے لیکن وجہ کو کنہ کے ساتھ کچھ مناسبت نہیں۔ کنہ گویا کنہ کے مقابل واقع ہے اور وجہ کو کنہ کی طرف سے انحراف ہے پھر کنہ تک کس طرح پہنچے بلکہ جوں جوں دور جائیگا اس سے دور ہوتا جائے گا۔ بیت

ترسم نرسی کعبہ اے اعرابی ایں راہ کہ تو میروی بترکستان است

ترجمہ۔ بیت

نہیں طرف کعبہ کو جائیگا تو ہر گز کہ ترکستان کو جاتا ہے یہ راہ

کنہ کا کنہ کے محاذی اور مقابل ہونے کا اطلاق میدان عبارت کی تنگی کے باعث کیا گیا ہے ورنہ اس بارگاہ میں محاذات متصور نہیں لیکن چونکہ وہ معنی نپتون صورت مثالی میں محاذات کے طور پر مستعمل ہوتے ہیں۔ اس لئے مجاز کے طور پر محاذات کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نُسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا (یا اللہ تو ہماری بھول چوک پر ہمارا مواخذہ نہ کر) سنو، سنو، جب افراد عالم کو جو اعراض مجتمعه ہیں۔ عارف کی ذات موبوب کے ساتھ قیام حاصل ہو گیا۔ جیسے کہ گزر چکا ہے تو ان کو اس ذات عارف کے ذریعے ذات اقدس جل شانہ کے ساتھ نسبت ظاہر ہو گئی اور ان میں سے ہر ایک کو اس وسیلہ سے اس مرتبہ مقدسہ کا کچھ کچھ حصہ بھی مل گیا۔ کیونکہ ان کی ذات ہی عارف کی ذات ہے گویا اپنی ذات کے وسیلہ سے ذات نپتون کے ساتھ نپتون رابطہ پیدا کیا ہے۔ باوجودیکہ ذات اقدس کی طرف ان کا منسوب ہونا عارف کے واسطے سے ہے۔ کیونکہ وہ ذات در حقیقت عارف کی ذات ہے ایک اور عجیب بات سنو کہ جس شخص کو بذات خود ذات اقدس کی طرف انتساب حاصل ہے اور اس مرتبہ میں نپتون وصول کے ساتھ واصل ہے۔ وہ شخص اس مرتبہ مقدسہ سے فیوض و برکات کے حاصل کرنے میں اصالت و استقلال رکھتا ہے۔ کوئی واسطہ درمیان نہیں ہوتا کیونکہ واسطے اور وسیلے اس مرتبہ مقدسہ سے نیچے نیچے ہیں۔ واصلوں میں سے ہر ایک شخص کو اپنی اپنی استعداد کے موافق اصالت کے طور پر اس جگہ سے حصہ حاصل ہوتا ہے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ اَعْلَمُ بِحَقَائِقِ الْأُمُورِ كُلِّهَا (تمام امور کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے) وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اَتَّبَعَ الْهُدٰی (سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی)۔

مکتوب ۸۱

ایک معاملہ کے حل اور واقعہ کی تعبیر میں خواجہ جمال الدین حسین کی طرف صادر

فرمایا ہے:-

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد میرے فرزند عزیز کو واضح ہو کہ صحیفہ شریفہ جو اس سال کیا تھا پہنچا ظاہری و باطنی عافیت و جمعیت کا حال پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔ تم نے ایک واقعہ ظاہر شدہ ہوا لکھا تھا جس کی تعبیر طلب کی تھی (کہ میں وضو کرنے کے درپے تھا کہ یکدم بیہوش ہو کر گر پڑا۔ گویا جان بدن سے نکل گئی۔ جب افاتہ ہوا میں نے ایک نور دیکھا۔ جو آفتاب کی طرح چمکتا تھا۔ جس نے نہایت لطافت سے مجھے بیہوش کر دیا تھا۔ جس طرح کوئی شخص اپنے محبوب کو دیکھتا ہے اور اس کے جمال کے پر تو میں محو ہو کر اس کا نام و نشان باقی نہیں رہتا)۔ میرے فرزند کو واضح ہو کہ انسان سات لطائف مشہورہ سے مرکب ہے ہر لطیفہ کا کاروبار الگ ہے۔ اور اس کے احوال و مواجید بھی جدا ہیں اب تک اس میرے

فرزند کے احوال و اذواق لطیفہ قلب سے تعلق رکھتے تھے۔ اور قلب کے تلوینات سے متلون تھے۔ اب یہ وارد قوی جس نے بے شعور کیا تھا۔ لطیفہ روح پر اثر آیا ہے اور روح کو اپنے تصرف میں لایا ہے۔ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْا اَعْرَۃً اَهْلِهَا اِذْلَةً (جب بادشاہ کسی گاؤں میں داخل ہو جاتے ہیں تو اس میں فساد برپا کر دیتے ہیں۔ اور اس کے رکیسوں کو ذلیل کر دیتے ہیں) چونکہ دانش و شعور کا منشاء روح ہے اس لئے وارد سے مغلوب ہو کر بیہوشی طاری ہو گئی ہے۔ اب تمہارا کاروبار لطیفہ روح کے متعلق ہے۔ آج کے حلقہ میں اس نسبت کی تکمیل کیلئے تھوڑی سی امداد و اعانت بھی وقوع میں آئی یہ اور اس کے اثر کا ظہور بھی مشہود ہوا ہے اور معلوم ہوا ہے کہ اس نے وسعت پیدا کی ہے اور اثر و سرایت کرنے کے درپے ہے۔ حق تعالیٰ اس کو انجام تک پہنچائے۔ دوسرا واقعہ جو لکھا تھا کہ پروین اور نبات النعش کی ملاقات اپنی منزل میں معلوم کی ہے۔ اس کی تعبیر بھی واقع اول کی تعبیر کے مناسب ہے کیونکہ نسبت قلبی و نسبت روحی کا جمع ہونا ان دونوں قسم کے ستاروں کی ملاقات میں ظاہر ہوا ہے۔ پروین میں چونکہ ستاروں کا انتظام اور اجتماع ہے۔ اس لئے قلب کے مناسب ہے اور نبات النعش میں چونکہ ستارے پر انگندہ ہیں۔ اس لئے روح کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے دوسرا واقعہ اگر پہلے واقعہ کے بعد ظاہر ہوا ہے تو درست ہے۔ اس میں دونوں نسبتوں کے حصول کو جمع کیا ہے اور اگر پہلے ہے تو بھی درست ہے کیونکہ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ نسبت حاصل ہوتی ہے لیکن ظاہر نہیں ہوتی یعنی اس کے حصول کو دکھایا ہے اور بعد ازاں دوسرے واقع میں ظاہر کیا ہے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ (اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے) سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا (تو پاک ہے ہمیں کوئی علم نہیں۔ مگر جس قدر تو نے ہم کو سکھایا) والسلام۔

مکتوب ۸۲

مہاجرت یعنی جدائی کے رنج و الم کے اظہار میں بمع بعض بشارتوں کے مخدوم

زادگان خواجہ محمد سعید و خواجہ محمد معصوم مدظلہما کی طرف صادر فرمایا ہے:-

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ

بندوں پر سلام ہو) فرزندان گرامی ظاہری و باطنی جمعیت کے ساتھ رہیں۔ اس سفر و محنت میں ان

دونوں بیٹوں کی جدائی کے برابر کوئی رنج و الم معلوم نہیں ہوتا۔ کسی وقت بھی ان کی یاد سے فارغ نہیں

ہوتا۔ منعم حقیقی جل شانہ کی طرف سے جس قدر زیادہ نعمت و دولت پہنچتی ہے اسی قدر دور افتادہ دوست

زیادہ زیادہ یاد آتے ہیں۔ ہر روز تازہ واقعات مسودہ اور بیاض میں لکھے جاتے ہیں۔ لیکن کوئی نہیں جو ان کا

ادراک کر سکے اور ان سے حظ اٹھائے۔ خواجہ محمد ہاشم کا وجود غنیمت ہے۔ جو سخن فہمی کا ذوق رکھتا ہے اور

کچھ نہ کچھ لذت حاصل کرتا ہے یہ لیکن اس سفرِ اجیر میں تکلیفوں کی شدت کے باعث متخلفوں یعنی صحبت سے دور ماندوں اور دوستوں کی طرف سے صحیح العذر ہوا ہوں۔ چند دن اور شاید ہی موافقت کریں۔ حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ (ہم کو اللہ تعالیٰ کافی ہے اور وہی اچھا کار ساز ہے) یار بھی کم ہیں اور خوراک بھی کم۔ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهُ (کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو کافی نہیں ہے) دوسری یہ کہ ایک رات تمہاری جدائی میں نہایت بیقرار تھا۔ نماز تہجد کے بعد کیا دیکھتا ہوں کہ تم دونوں بھائی ان یاروں میں سے ایک کے ساتھ پادشاہی وکیل کے پاس گئے ہو۔ تاکہ بادشاہ کے نوکر ہو اور نوکری کی تجویز اس وکیل کے سپرد کی ہے۔ کہ جس کو لائق و قابل جانے نوکر رکھ لے۔ اور وہ جس کو تجویز کرتا ہے ایک ورق پر اس کا چہرہ یعنی حلیہ لکھ لیتا ہے اور نوکر رکھ لیتا ہے۔ تم تینوں میں سے تم دونوں کے چہرہ کو لکھ لیا ہے اور نوکری کیلئے پسند کر لیا ہے اور اس تیسرے یار کا چہرہ نہیں لکھا اور اس کو نوکر نہیں رکھا۔ میں تم سے پوچھتا ہوں کہ اس تیسرے کا چہرہ کیوں نہیں لکھا تم نے کہا کہ چہرہ لکھنے کے وقت وکیل اپنے منہ کو اس کے منہ کے نزدیک لے گیا اور اچھی طرح ملاحظہ کر کے کہا کہ سیاہی رکھتا ہے یا اس کے قریب قریب کچھ کہا۔ اس لئے نہیں لکھا۔ اللہ تعالیٰ کی حمد ہے کہ تم دونوں کی طرف سے خاطر جمع اور تسلی ہوئی کہ تم کو قبول کر لیا لیکن اس تیسرے یار کی طرف سے دل بیزار رہا کہ تجویز دلپسند نہ ہوا۔ کاش اس کو بادشاہ کے نوکروں کی نوکری میں قبول فرمالیں۔ الْعَاقِبَةُ بِالْخَيْرِ (انجام بخیر ہو)۔

مکتوب ۸۳

لشکر کے برکات میں کہ جہاں بے اختیار رہنا پڑتا ہے۔ بزرگ مخدوم زادوں کی

طرف صادر فرمایا ہے:-

فرزندانِ گرامی جمعیت کے ساتھ رہیں۔ لوگ ہر وقت ہماری محنتوں کو مد نظر رکھتے ہیں اور اس تنگی سے خلاصی طلب کرتے ہیں۔ اور نہیں جانتے کہ نامرادی اور بے اختیاری اور ناکامی میں کس قسم کا حسن و جمال ہے اور کونسی نعمت اس کے برابر ہے کہ اس شخص کو اپنے اختیار سے بے اختیار کر دیں۔ اور اپنے اختیار کے موافق اس کو زندگانی بخشیں اور اس کے اپنے امور اختیاری کو بھی اس بے اختیاری کے تابع بنا کر اس کے دائرہ اختیار سے باہر نکال دیں۔ اور كَالْمَيْتِ بَيْنَ يَدَيِ الْغَسَّالِ (جیسے کہ مردہ نہلانے والے کے ہاتھ میں ہوتا ہے) بناویں۔ قید کے دنوں میں جب اپنی ناکامی اور بے اختیاری کا مطالعہ کرتا تھا تو عجب حظ حاصل ہوتا تھا اور نہایت ہی ذوق پاتا تھا۔ ہاں فراغت و آرام والے لوگ مصیبت والوں کے ذوق کو کیا معلوم کر سکتے ہیں اور ان کی بلا کے جمال کو کس طرح پا سکتے ہیں۔ بچوں کا حظ شیرینی پر ہی منحصر ہے۔ لیکن جس نے تلخی سے حظ حاصل کیا ہے وہ شیرینی کو جو کے برابر بھی نہیں خریدتا۔ ع

مرغ آتخوارہ کے لذت شناسد دانہ را
ترجمہ ع مرغ آتخوار کو آئے نہ لذت دانہ کی
وَالسَّلَامُ عَلَى مَنْ اتَّبَعَ الْهُدَى (سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی)۔

مکتوب ۸۴

اس طریقہ عالیہ کے آداب میں حافظ عبدالغفور کی طرف صادر فرمایا ہے:-
الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَى (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ
بندوں پر سلام ہو) اس راہ کے طالب کو چاہئے۔ کہ اول اپنے عقائد کو علماء اہل حق کے عقائد کے موافق
درست کرے۔ پھر فقہ کے ضروری احکام کا علم حاصل کرے اور ان کے مطابق عمل کرے۔ اس کے
بعد اپنے تمام اوقات کو ذکر الہی میں مصروف رکھے۔ بشرطیکہ ذکر کو شیخ کامل مکمل سے اخذ کیا ہو۔ کیونکہ
ناقص سے کامل نہیں ہو سکتا اور اپنے اوقات کو ذکر کے ساتھ اس طرح آباد رکھے کہ فرضوں اور مؤکدہ
سنّتوں کے بغیر کسی چیز میں مشغول نہ ہو۔ حتیٰ کہ قرآن مجید کی تلاوت اور عبادت نافلہ کو بھی موقوف
رکھے اور وضو ہو یا نہ ہو۔ ہر حال میں ذکر کرتا رہے اور کھڑے بیٹھے اور لیٹے ہوئے اسی کام میں مشغول
رہے اور چلنے پھرنے اور کھانے پینے اور سونے کے وقت ذکر سے خالی نہ رہے۔ بیت
ذکر گو ذکر تاترا جان است پاکئی دل ز ذکر رحمان است

ترجمہ بیت

ذکر کر ذکر جب تلک جان ہے دل کی پاکی یہ ذکر رحمان ہے
دوام ذکر میں اس قدر مشغول ہو۔ کہ مذکور کے سوا سب کچھ اس کے سینے سے دور ہو جائے اور مذکور
کے سوا اس کے باطن میں کسی چیز کا نام و نشان نہ رہے۔ حتیٰ کہ ماسواظہرہ کے طور پر بھی دل میں نہ
گزرے اور اگر تکلف سے بھی غیر کو حاضر کرنا چاہئے تو نہ ہو سکے۔ اس نسیان کے سبب سے جو مذکور
کے غیر سے دل کو حاصل ہوتا ہے۔ یہ نسیان جو دل کو مطلوب کے تمام کے ماسوی سے حاصل ہوتا
ہے۔ مطلوب کے حاصل ہونے کا مقدمہ ہے اور مطلوب تک پہنچنے کی خوشخبری دینے والا ہے۔ مقصود
حقیقی تک پہنچنے کی نسبت کیا لکھا جائے کہ وراء الوراہ ہے۔ بیت

كَيْفَ الْوُصُولُ إِلَى سَعَادٍ وَدُونَهَا قَلِيلُ الْجَبَالِ وَدُونُ نَهْنٍ خَيُوفٍ

ترجمہ بیت

ہائے جاؤں کس طرح میں یار تک راہ میں پر خطر کوہ اور غار ہیں
برادر عزیز کو واضح ہو۔ کہ جب اللہ تعالیٰ کی عنایت سے اس سبق کو انجام تک پہنچالے۔ تو پھر اور سبق

کی طلب کرے۔ وَاللّٰهُ مُبْحَثُهُ الْمُؤَفَّقُ (اللہ تعالیٰ توفیق دینے والا ہے) وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اَتٰیہِ الْہٰدِی (سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی)

مکتوب ۸۵

حفظ اوقات کی نصیحت میں حضرت مخدوم زادہ محمد معصوم کی طرف صادر فرمایا ہے:-
ان اطراف کے احوال و اوضاع حمد کے لائق ہیں اور تمہاری استقامت و سلامتی حق تعالیٰ سے مطلوب ہے۔ اگر اجیر پہنچ کر راستہ کی تکلیفوں اور گرمیوں سے کچھ نجات میسر ہوئی۔ تو انشاء اللہ تعالیٰ تم کو لکھوں گا اور بلا لوں گا۔ جمعیت کے ساتھ رہو اور اپنی ہمت کو حق تعالیٰ کی رضامندی کے حاصل کرنے میں صرف کرو۔ فراغت و آرام طلبی کو چھوڑ دو اور حفظ نفس کے پیچھے نہ پڑو اور اہل و عیال کے ساتھ حد سے زیادہ محبت اختیار نہ کرو۔ ایسا نہ ہو کہ اس ضروری کام میں فتور پڑ جائے۔ پھر ندامت اور مایوسی کے سوا کچھ فائدہ نہ ہو گا۔ اس صحبت و دولت کی غنیمت سمجھو اور ضروری امور میں عمر بسر کرو۔ اطلاع دینا ضروری تھا۔ نئے نئے معارف جو لکھے گئے ہیں۔ سب تم کو سبب کا کام نہ دیں گے۔ ان کو سرسری نہ جانو بلکہ بڑی کوشش سے ان کا مطالعہ کرو شاید ان کے پوشیدہ اسرار تم پر کھل جائیں اور سعادت کا سرمایہ ہاتھ آجائے۔ تمہارے حق میں ایک بشارت پہنچی ہے۔ اس کو ایک مکتوب میں لکھ کر خواجہ محمد ہاشم کے حوالہ کیا ہے۔ تاکہ تمہارے پاس پہنچا دے۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے تم کو ضائع نہ چھوڑے گا اور قبول فرمائے گا۔ لیکن اس سے ڈرتے رہنا چاہئے اور لبو و لعب میں مشغول نہ ہونا چاہئے۔ ایسا نہ ہو کہ صحبت کی دوری تاثیر کر جائے اور حق تعالیٰ کی بارگاہ میں التجا و تضرع کرتے رہو اور اہل حقوق کے ساتھ بقدر ضرورت میل جول رکھو اور ان کی خاطر و تواضع بجا لاؤ اور مستورات کے ساتھ وعظ و نصیحت سے زندگی بسر کرو اور ان کے حق میں امر معروف اور نہی منکر سے دریغ نہ رکھو اور تمام اہل خانہ کو نماز و صلاح اور احکام شرعی کے بجالانے کی ترغیب دیتے رہو۔ فَإِنَّكُمْ مَسْنُولُونَ عَنْ رِعْيَتِكُمْ (کیونکہ تم اپنی اپنی رعیت کی نسبت پوچھے جاؤ گے) حق تعالیٰ نے تم کو علم دیا ہے۔ اس کے موافق عمل بھی نصیب کرے اور اس پر استقامت بخشے۔ آمین

مکتوب ۸۶

خوارق کے بکثرت ظاہر ہونے کے بیان میں درویش حبیب خادم کی طرف صادر

فرمایا ہے:-

فضول مباحات کا مرتکب ہونا۔ خوارق کے کثر ظاہر ہونے کا باعث ہے۔ خاص کر جبکہ فضول میں بکثرت مشغول ہو کر مشتبہ کی حد تک پہنچ جائیں اور وہاں سے محرم و حرام کے گرد آجائیں پھر خوارق

کہاں اور کرامات کجا؟ مباحات کے ارتکاب کا دائرہ جس قدر زیادہ تنگ ہو گا اور قدر ضروری پر کفایت کی جائے گی۔ اس قدر کشف و کرامت کی زیادہ گنجائش ہوگی اور خوارق کے ظہور کا راستہ زیادہ تر کھل جائے گا۔ خوارق کا ظاہر ہونا نبوت کی شرط ہے۔ ولایت کی شرط نہیں۔ کیونکہ نبوت کا اظہار واجب ہے۔ ولایت کا اظہار واجب نہیں۔ بلکہ اس کا چھپانا اور پوشیدہ رکھنا بہتر ہے۔ کیونکہ نبوت میں خلق کی دعوت ہے اور ولایت میں قرب حق اور ظاہر ہے کہ دعوت کا ظاہر کرنا ضروری ہے اور قرب کا چھپانا لازم ہے۔ کسی ولی سے خوارق کا بکثرت ظاہر ہونا اس امر کی دلیل نہیں ہے کہ وہ ولی ان اولیاء سے افضل ہے جن سے اس قدر خوارق ظاہر نہیں ہوئے۔ بلکہ ممکن ہے کہ کسی ولی سے کوئی بھی خرق عادت ظاہر نہ ہوا ہو اور وہ ان اولیاء سے افضل ہو۔ جن سے خوارق بکثرت ظاہر ہوئے ہوں۔ جیسے کہ شیخ الشیوخ نے اپنی کتاب عوارف المعارف میں اس امر کی تحقیق کی ہے۔ جب انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں خوارق کا کم یا زیادہ ظاہر ہونا جو نبوت کی شرط ہے ایک سے دوسرے کے افضل ہونے کا موجب نہیں ہے تو پھر ولایت میں جہاں یہ شرط نہیں تفاضل کا سبب کیوں ہو گا۔ میرے خیال میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ریاضتوں اور مجاہدوں اور اپنی جانوں پر دائرہ مباحات کو زیادہ تر تنگ کرنے سے اصلی مقصود یہ تھا۔ کہ ظہور خوارق حاصل ہو۔ جو ان پر واجب ہے اور نبوت کے لئے شرط ہے۔ نہ کہ قرب الہی جل شانہ کے درجات تک پہنچنا۔ کیونکہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام مجتہبی اور برگزیدہ ہیں اور جن کو جذب و محبت کی رسی سے کھینچ لے جاتے ہیں اور بغیر تکلیف و مشقت کے ان کو قرب الہی کے درجات تک پہنچا دیتے ہیں۔ وہ انابت و ارادت ہی ہے۔ جہاں قرب الہی کے درجات تک پہنچنے کے لئے ریاضتوں اور مجاہدوں کی ضرورت ہے کیونکہ یہ مریدوں کا راستہ ہے اور مرادوں کو ناز و نعمت کے ساتھ اپنی طرف بلا لے جاتے ہیں اور محنت کے بغیر درجات قرب تک پہنچا دیتے ہیں۔ جاننا چاہئے کہ ریاضتیں اور مجاہدے راہ انابت و ارادت میں شرط ہیں لیکن راہ اجتناب میں مجاہدہ و ریاضت کی کوئی شرط نہیں۔ ہاں نافع اور سود مند ضرور ہیں۔ مثلاً کوئی شخص جس کو کشاں کشاں لے جائیں۔ اگر وہ اس کشش کے ساتھ اپنی کوشش اور مشقت کو بھی کام میں لائے۔ تو وہ بہت جلدی منزل مقصود تک پہنچ جائے گا۔ بہ نسبت اس کے کہ اپنی کوشش و مشقت کو چھوڑ دے۔ اگرچہ جائز ہے کہ کبھی کشش تنہا جو زیادہ قوی ہو۔ کشش مرکب مذکور سے زیادہ تر کام کر جاتی ہے۔ پس راہ اجتناب میں سعی و تردد و مشقت کمال وصول کی شرط بھی نہ ہوا۔ جیسے کہ نفس وصول کی شرط نہیں۔ ہاں کچھ نہ کچھ نفع کا احتمال ضرور ہے۔ ریاضتوں اور مجاہدوں سے جو ضروری مباحات پر کفایت کرنے سے مراد ہے ارباب اجتناب کو بھی اس معنی کے بغیر جو مذکور ہو چکے ہیں۔ بہت سے نفع اور فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ جیسے کہ دوام جہاد اکبر اور دنیا دانیہ کی آلودگی سے طہارت

ولطافت یعنی پاک و صاف ہونا وغیرہ وغیرہ۔ جس قدر ضروری حاجتیں ہیں۔ وہ دنیا میں داخل نہیں ہیں اور جو فضول ہیں وہ دنیا میں سے ہیں اور ریاضتوں اور قدر ضرورت پر کفایت کرنے میں دوسرا نفع آخرت کے محاسبہ اور مواخذہ کی کمی اور عاقبت کے درجات کی بلندی ہے۔ کیونکہ دنیا میں جس قدر محنت ہے۔ آخرت میں اس سے کئی گنا زیادہ مسرت ہے۔ پس انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ریاضتوں اور مجاہدوں کے لئے مذکورہ بالا وجہ کے سوا اور وجہ بھی پیدا ہو گئیں اور واضح ہو گیا۔ کہ ریاضتیں اور ضروری مباحات پر کفایت کرنا راہ اجباء میں اگرچہ وصل کی شرط نہیں لیکن فی حد ذاتہ محمود و مستحسن ہیں۔ بلکہ فوائد مذکورہ کے لحاظ سے ضروری و لازم ہیں۔ رَبَّنَا اِنَّا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً وَهِيَ اَنْتَا مِنْ اَمْرِنَا رَشْدًا (یا اللہ تو اپنے پاس سے ہم پر رحمت نازل فرما اور ہمارے کام سے ہمارے لئے بھلائی نصیب کر) وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اَتَّبَعَ الْهُدٰی (سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی)

مکتوب ۸۷

حضرت ایشاں مدظلہ العالی کے مرادی و مریدی کے اسرار میں مولانا محمد صالح کی طرف صادر فرمایا ہے:-

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) میں اللہ تعالیٰ کا مرید بھی ہوں اور مراد بھی میرا سلسلہ کرامت بالواسطہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ جا ملتا ہے اور میرا ہاتھ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ کا قائم مقام ہے اور میری ارادت حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بہت واسطوں سے ہے اور طریقہ نقشبندیہ میں اکیس اور قادر یہ میں پچیس اور چشتیہ میں ستائیس واسطے درمیان ہیں۔ لیکن میں حضرت محمد رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مرید بھی ہوں اور ان کا پس رو ہم پیر یعنی پیچھے چلنے والا پیر بھائی بھی۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک اس دولت کے دسترخوان پر اگرچہ طفیلی ہوں۔ لیکن بن بلائے نہیں آیا ہوں اور اگرچہ تابع ہوں۔ لیکن اصالت سے بے بہرہ نہیں ہوں اور اگرچہ امتی ہوں۔ لیکن اس دولت میں ان کا شریک ہوں۔ ہاں وہ شرکت نہیں جس سے ہم ساری اور برابری کا دعویٰ پیدا ہوتا ہو۔ کیونکہ وہ کفر ہے۔ بلکہ یہ وہ شرکت ہے۔ جو خادم کو اپنے مخدوم کے ساتھ ہوتی ہے۔ جب تک مجھے نہیں بلایا۔ تب تک اس دولت کے دسترخوان پر خاصر نہیں ہوا اور جب تک انہوں نے نہ چاہا۔ اس دولت کی طرف ہاتھ نہ بڑھایا۔ اگرچہ ایسی ہوں لیکن مربی حاضر و ناظر رکھتا ہوں۔ طریقہ نقشبندیہ میں اگرچہ میرا پیر عبدالباقی ہے۔ لیکن میری تربیت کا متکفل باقی جل جلالہ و عم نوالہ ہے۔ میں نے فضل سے تربیت پائی ہے اور اجباء کے راستہ پر چلا ہوں۔ میرا سلسلہ سلسلہ رحمانی ہے۔ میں عبد الرحمان ہوں میرا رب رحمان محل شانہ ہے اور

میرا ربی ارحم الراحمین ہے اور میرا طریقہ طریقہ سبحانی ہے۔ کیونکہ تنزیہ کے راستہ سے گیا ہوں اور اسم و صفت سے ذات اقدس تعالیٰ کے سوا کچھ نہیں چاہا۔ یہ سبحانی وہ سبحانی نہیں ہے۔ جو حضرت بایزید بسطامی نے کہا ہے کیونکہ اس کو اس کے ساتھ کسی قسم کی مساوات نہیں ہے۔ وہ سبحانی دائرہ نفس سے باہر نہیں اور یہ نفس و آفاق کے ماوراء ہے اور وہ تشبیہ ہے۔ جس نے تنزیہ کا لباس پہنچا ہے اور یہ تنزیہ ہے۔ جس کو تشبیہ کی گرد بھی نہیں لگی۔ اس سبحانی نے چشمہ سکر سے جوش مارا اور یہ عین صحو سے نکلا۔ ارحم الراحمین نے میرے حق میں تربیت کے اسباب کو معدات کے سوانہ رکھا اور علت فاعلی میری تربیت میں اپنے فضل کے سوا اور کچھ نہ بتائی۔ حق تعالیٰ کمال کرم سے اس اہتمام و غیرت کے باعث جو میرے حق میں رکھتا ہے۔ پسند نہیں فرماتا۔ کہ میری تربیت میں کسی دوسرے کے فعل کا دخل ہو۔ یا میں اس امر میں کسی دوسرے کی طرف متوجہ ہوں۔ میں حق تعالیٰ کا تربیت یافتہ اور اس کے نامتناہی فضل و کرم کا مجتبیٰ اور برگزیدہ ہوں۔ ع

برکریاں کارہا دشوار نیست

ترجمہ ع کریموں پر نہیں مشکل کوئی کام

الْحَمْدُ لِلَّهِ ذِي الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ وَالْمِنَّةِ وَالصَّلَوةُ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِهِ وَالتَّحِيَّةُ أَوَّلًا وَآخِرًا
(اللہ تعالیٰ کی حمد اور احسان ہے۔ جو بڑے جلال و اکرام والا ہے اور اس کے رسول پر اول آخر صلوٰۃ و سلام و تحیۃ ہو)

مکتوب ۸۸

خلیل کی خلت کے اسرار اور تعین وجودی کے اثبات میں مخدوم زادہ عالی مرتبہ

خواجہ محمد سعید سلمہ اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا ہے:-

جب حق تعالیٰ اپنے بندہ کو اپنی خلت کی دولت سے جو دراصل حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہے مشرف فرماتا ہے اور ولایت ابراہیمی سے سرفراز کرتا ہے۔ تو اس کو اپنا انیس و ندیم بنا لیتا ہے اور انس و الفت کی نسبت جو خلت کے لوازم سے ہے درمیان آجاتی ہے اور خلیل کے اخلاق و اوصاف کی قباحت و کراہت نظر سے دور ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اگر قبح نظر میں رہے۔ تو نفرت و بے الفتی کا باعث ہو گا جو مقام خلت کے منافی ہے۔ جو سر اسرافت ہے۔

سوال:- خلیل کے اوصاف کی قباحت کا نظر سے مرتفع ہونا مجاز میں ظاہر ہے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اس موطن میں خلت کی نسبت غالب آجائے اور خلیل کے اوصاف کی برائی کو چھپا دے لیکن مرتبہ حقیقت میں کہ جہاں شے کا علم کا حقہ ہے۔ قبیح کو غیر قبیح جاننا اور اس کا خلت کی نسبت مغلوب

ہونا جائز نہیں۔

جواب:- ہر ایک قبیح میں حسن و خوبی کی کوئی نہ کوئی وجہ ثابت ہے۔ پس ہو سکتا ہے کہ حسن و خوبی کی اس وجہ پر نظر کر کے اس کو حسن اور نیک جانیں اور اس کے بہتر اور نیک ہونے کا حکم کریں۔ جاننا چاہئے کہ اس قبیح میں اگرچہ حسن مطلق پیدا نہیں ہوا۔ لیکن چونکہ اس کے حسن کی وجہ موٹی جل شانہ کو ملحوظ و منظور ہے۔ اس لئے **إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْغَالِبُونَ** (اللہ تعالیٰ کا گروہ غالب ہے) کے موافق اس کے قبیح کی تمام وجوہ پر غالب آگیا ہے اور سب کو اپنے رنگ میں رنگ کر مستحسن کر دیا ہے۔ **فَأُولَئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ** (یہ لوگ ہیں جن کی برائیوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں کے ساتھ بدل دیتا ہے) خدا تجھے سیدھے راستہ کی ہدایت دے۔ جاننا چاہئے کہ خلت و محبت کے درمیان عموم و خصوص کی نسبت ہے۔ خلت عام ہے اور محبت اس کا فرد کامل۔ کیونکہ محبت زیادہ تر انس و الفت سے مراد ہے۔ جو گرفتاری کا باعث ہو جاتی ہے اور بے قراری و بے آرامی پیدا کرتی ہے۔ خلت سر اسر انس و الفت و آرام ہے۔ وہ محبت ہی ہے۔ جس نے گرفتاری کا موجب پیدا کیا ہے اور خلت کے دوسرے افراد سے متمیز ہوئی ہے۔ گویا الگ جنس بن گئی ہے اور وہ ہنر جو محبت نے اس امتیاز میں خلت کے باقی تمام افراد کی نسبت بڑھ کر حاصل کیا ہے۔ وہ درد و حزن ہے۔ ورنہ نفس خلت سر اسر عیش در عیش اور فرح در فرح اور انس در انس ہے۔ ممکن ہے کہ اسی سبب سے حق تعالیٰ نے اپنے خلیل علیہ السلام کو دنیا میں جو رنج و محنت کا گھر ہے۔ عمل کا اجر کرامت فرمایا ہے اور آخرت میں بھی اللہ تعالیٰ ان کے حق میں فرماتا ہے۔ **وَأَتَيْنَاهُ أَجْرَهُ فِي الدُّنْيَا وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لِمِنَ الصَّالِحِينَ** (ہم نے اس کو دنیا میں اجر عطا کیا اور آخرت میں وہ صالحین میں سے ہے) چونکہ محبت درد و حزن کا موجب ہے۔ اس لئے جس فرد میں محبت غالب ہوگی۔ اس میں درد و حزن زیادہ تر ہوگا۔ شاید اسی سبب سے کہا ہو کہ **كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ مُتَوَاصِلَ الْحَزَنِ وَدَائِمَ الْفِكْرِ** (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ دردناک اور فکر مند رہا کرتے تھے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ **مَا أَوْذَى نَبِيٍّ مِثْلَ مَا أَوْذِيْتُ** (جیسی مجھے ایذا پہنچی ہے ویسی کسی نبی کو نہیں پہنچی) کیونکہ افراد انسانی میں سے فرد کامل محبت کے حاصل ہونے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اگرچہ محبوب ہوئے ہیں۔ لیکن چونکہ محبت کی نسبت درمیان آگئی ہے۔ اس لئے محبوب بھی محبت کی طرح فریفتہ اور گرفتار ہوا ہے حدیث قدسی میں آیا ہے۔ **أَلَا طَالَ شَوْقُ الْأَبْرَارِ إِلَى لِقَائِي وَأَنَا إِلَيْهِمْ لَا شَدَّ شَوْقًا** (ابرار کا شوق میرے لقا کے لئے بڑھ گیا اور میں ان سے بھی زیادہ ان کا شائق ہوں)

سوال:- شوق مفقود میں ہوتا ہے۔ جب اس بارگاہِ جل و علیٰ سے کوئی چیز مفقود نہیں۔ تو پھر شوق کیسے ہو گا اور اشد شوق کیا ہو گا۔

جواب:- کمالِ محبت کا مقتضایہ ہے کہ دوئی دور ہو جائے اور محبتِ محبوب کے ساتھ متحد ہو جائے۔ چونکہ یہ بات مفقود ہے۔ اس لئے شوق موجود ہے اور چونکہ اتحاد کی تمنا اصلی طور پر محبوب میں موجود ہے۔ کیونکہ محبت صرف محبوب کے وصل پر بھی قناعت کر سکتا ہے۔ اس لئے اشد شوقِ محبوب کی جانب ہو گا اور متواصل الحزن حبیب کی صفت ہو گی۔

سوال:- حق تعالیٰ تمام امور پر قادر ہے اور جو کچھ چاہے۔ اس کے لئے میسر ہے۔ پس کوئی چیز حق تعالیٰ کے حق میں مفقود نہ ہو گی۔ تاکہ شوق محقق ہو۔

جواب:- تمنا اور چیز ہے اور اس کا ارادہ اور چیز۔ حق تعالیٰ کی مراد اس کے ارادہ کے برخلاف نہیں ہوتی۔ لیکن تمنا ہوتی ہے اور اس کے حاصل ہونے کا ارادہ نہیں ہوتا اور اس کا وجود نہیں چاہتی۔ ع
در عشق چنیں بوالعجبیا باشد

ترجمہ ع عشق میں ایسی ہی ہوتی ہیں بہت باتیں عجب

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ عشق میں صرف محبوب کا درد ہوتا ہے اور وصل کچھ ملحوظ نہیں ہوتا بلکہ وصل کو نہیں چاہتے اور محبوب کے اتصال سے بھاگتے ہیں۔ یہ عشق کے دیوانہ پن کی باتیں ہیں بلکہ عشق کے ہنر و فن ہیں۔ مَنْ لَمْ يَذُقْ لَمْ يَذَرْ (جس نے چکھا ہی نہیں وہ کیا جانے) اب ہم اصل بات کو بیان کرتے اور کہتے ہیں کہ خلعت نہایت ہی بلند اور بڑی برکت والا مقام ہے عالمِ مجاز میں جس کسی کو دوسرے کے ساتھ انس و الفت و سکونت و آرام ہے۔ سب مقامِ خلعت کے ظلال میں سے ہے وہ الفت جو بات کو بیٹے کے ساتھ اور بھائی کو بھائی کے ساتھ اور عورت کو شوہر کے ساتھ ہے۔ سب خلعت کی قسم سے ہے ایسے ہی ہر ایک حظ و لذت و آرام جو اچھی صورتوں اور جمیلہ مظہروں سے ثابت ہے۔ مقامِ خلعت ہی سے ہے لیکن محبت کچھ اور ہی چیز ہے اور اس کا منشاء بھی اور ہی ہے۔ اگر خلعت اور اس کا انس و الفت درمیان نہ ہو کوئی مرکب و ممکن وجود میں نہ آئے اور کوئی جزو دوسرے جزو کے ساتھ نہ ملے خاص کر جب کہ ایک دوسرے کے مخالف اور متضاد ہوں بلکہ کوئی وجود ماہیت کے ساتھ نہ ملے اور کوئی عالم واجب تعالیٰ کی ایجاد کے تحت میں داخل نہ ہو۔ کیونکہ حب ہی سلسلہ ایجاد کو حرکت میں لاتی ہے اور وجود اشیاء کا باعث ہوئی ہے۔ فَاحْبَبْتُ أَنْ أَعْرِفَ فَعَلَقْتُ الْخَلْقَ (میں نے چاہا کہ پہچان جاؤں پس خلق کو پیدا کیا) حدیث قدسی ہے اور حب خلعت کا فرد کامل ہے جیسے کہ گزر چکا پس اگر خلعت نہ ہوتی کوئی چیز موجود نہ ہوتی اور کوئی دوسرے کے ساتھ جمع نہ ہوتا اور الفت نہ پکڑتا۔ جہاں کا وجود اور اس کا نظام خلعت پر وابستہ ہے

اگر خلعت نہ ہوتی۔ نظام بھی وجود کی طرح مفقود ہوتا پس خلعت ہی ایجاد کا اصل ہے۔ موجد کی جانب میں بھی اور موجود کی جانب میں بھی کیونکہ خلعت ہی نے ممکن کو وجود کے قبول کرنے کے لئے مانوس کیا ہے اور اس کو ایجاد کی قید میں لائی ہے۔ بلکہ عدم نے بھی اپنے خلوت خانہ میں خلعت کی بدولت آرام پایا ہے اور اپنی نیستی کے ساتھ موافقت کی ہے بلکہ اپنے نقیض کے ساتھ بھی الفت و انس پکڑا ہے اور اس کے کمالات کا مظہر ہوا ہے اور وجود ممکنات کا واسطہ بنا ہے پس خلعت تمام اشیاء سے زیادہ برکت والی ہے اور اس کی برکتیں موجود و معدوم کو شامل ہیں۔ جب تو نے مقام خلعت کے دقائق و معارف کو جان لیا اور اس کی عام برکتوں کو معلوم کر لیا اور یہ بھی جان لیا کہ مقام خلعت اصالت کے طور پر حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہے اور اس کی ولایت ولایت ابراہیمی ہے۔ تو پھر معلوم کرنا چاہئے کہ ان معارف کے برکات کے وسیلے اس فقیر پر ظاہر کیا گیا ہے کہ تعین اول حضرت وجود میں حضرت ذات تعالیٰ و تقدس کا تعین ہے اور وہ تعین اول وجودی حضرت خلیل علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا رب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سب کے امام ہیں۔ اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا (میں تجھ کو سب کا امام بنانے والا ہوں) اور حضرت سید البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کی ملت کی متابعت پر مامور ہوئے۔ وَاتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰہِیْمَ حَنِیْفًا (حضرت ابراہیم کی سیدھی ملت کی متابعت کر) اور ان کے بعد جو پیغمبر مبعوث ہو اس کو انہی کی متابعت کا امر ہوا اور باقی جس قدر تعینات ہیں سب اسی وجود تعین کے ضمن میں مندرج ہیں۔ اگر تعین علمی اجمالی ہے تو وہ بھی اسی کے ضمن میں ہے اور اگر تفصیلی ہے تو وہ بھی اسی میں مندرج ہے۔ شاید اسی باعث سے ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اُبُوْتُ (پدرانہ طور) سے یاد کرتے تھے اور باقی تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اخوت (برادرانہ طور) سے اور اگر باقی تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بنوت (یعنی پسرانہ طور) کے ساتھ یاد فرماتے تو بھی ہو سکتا تھا کیونکہ ان بزرگواروں کے تعینات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تعین کے ضمن میں جس کو تعین علمی اجمالی کہا ہے۔ مندرج ہیں اور یہ جو صلوات منطوقہ میں آیا ہے۔ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰہِیْمَ ممکن ہے کہ اس کی وجہ یہ ہو کہ حضرت ذات تعالیٰ و تقدس تک پہنچنا تعین اول وجودی اور ولایت ابراہیمی کے تمام کمالات کے وسیلہ کے بغیر میسر نہیں کیونکہ اس مرتبہ مقدسہ کا پہلا پردہ یہی ہے اور اسی نے غیب الغیب کی آئینہ داری فرمائی ہے اور بطن بطون یعنی باطنوں کے باطن کو ظاہر کیا ہے پس کسی کو اس کے توسط و وسیلہ سے چارہ نہیں۔ حضرت خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کا امر اسی لئے ہوا ہے کہ ان کی تبعیت سے ان کی ولایت تک پہنچ جائیں اور وہاں سے حضرت ذات جل شانہ تک ترقی فرمائیں۔

سوال: اس بیان سے لازم آتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت خاتم الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام سے افضل ہیں۔ حالانکہ اجماع حضرت خاتم الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی افضلیت پر ہے اور نیز لازم آتا ہے کہ تجلی ذات دراصل حضرت خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نصیب ہے اور دوسروں کو ان کی تبعیت سے حاصل ہے حالانکہ اکابر صوفیہ کے نزدیک مقرر ہے کہ تجلی ذات بالاصالت حضرت خاتم الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہے اور دوسروں کے لئے ان کی تبعیت کے باعث ہے۔

جواب: وصول بذات بھی تجلی ذات کی طرح دو قسم پر ہے ایک باعتبار نظر کے ہے دوسری باعتبار قدم کے یعنی نظر واصل ہے یا ناظر بنفس خود واصل ہے۔ وہ قسم جو وصول نظری ہے۔ بالاصالت حضرت خلیل علیہ السلام کے نصیب ہے کیونکہ تمام تعینات میں سے زیادہ قریب حضرت ذات سے تعین اول یہ جو حضرت ابراہیم خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کا رب ہے جیسے کہ اوپر گزر چکا اور جب تک اس تعین تک نہ پہنچیں۔ نظر اس سے آگے نہیں گزرتی اور وہ قسم جو باعتبار قدم کے ہے بالاصالت حضرت حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہے جو محبوب رب العالمین ہیں۔ محبوبوں کو اس جگہ لجاتے ہیں جہاں خلیل نہیں جاسکتے سوائے اس کے کہ ان کی تبعیت سے ان کو وہاں تک لے جائیں۔ ہاں خلیل بھی ایسا ہی ہونا چاہئے کہ اس کی نظر وہاں تک پہنچ جائے۔ جہاں محبوبوں کے رئیس پہنچے ہیں اور رستہ ہی میں نہ رہ جائے۔ غرض تجلی ذات ایک وجہ سے بالاصالت حضرت خلیل علیہ السلام کے ساتھ مخصوص ہے اور دوسرے ان کے تابع ہیں اور دوسری وجہ سے وہ تجلی ذات حضرت خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے اور دوسرے ان کے تابع ہیں چونکہ دوسری وجہ کو مراتب قرب میں زیادہ قوت اور دخل ہے اس لئے تجلی ذات کو خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ زیادہ تر مناسبت حاصل ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے اسی لئے آنحضرت ﷺ حضرت خلیل اور باقی تمام انبیاء سے افضل ہیں۔ پس فضل کلی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے درمیان انہی دو بزرگواروں کے نصیب ہے۔ اگرچہ ایک دوسرے سے افضل ہیں اور حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام چونکہ محبوبوں کے رئیس ہیں۔ جیسے کہ ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام محبوبوں کے رئیس ہیں اس لئے المرء مع من احب کے موافق حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی حضرت ذات تعالیٰ کے ساتھ وہ معیت حاصل ہے جو دوسروں کے لئے نہیں۔ نیز اس بارگاہ میں ان کے لئے ایسا قدمگاہ اور مرتبہ ہے جو صرف ان کی محبت ہی کے باعث ہے جس میں کسی اور کا دخل نہیں لیکن یہ فضل ایک ایسی جزئی کی طرف راجع ہے۔ جس کو عدیل کلی یعنی کل کے برابر کہہ سکتے ہیں۔ کیونکہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں

سے بہت سے نبی اس مقام میں ان کے تابع ہیں۔ حالانکہ فضل کلی وہی ہے۔ جو حضرت حبیب و خلیل علیہما الصلوٰۃ والسلام کے نصیب ہے۔ اگرچہ ہر ایک ایک وجہ سے دوسرے کا تابع ہے۔ وصول نظری میں حضرت خلیل اصل ہیں اور حضرت حبیب علیہ السلام ان کے تابع ہیں اور وصول قدمی میں حضرت حبیب اصل ہیں اور حضرت خلیل علیہ السلام ان کے تابع ہیں اور حضرت کلیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے مخصوص کمالات و فضائل جس قدر اس فقیر پر ظاہر ہوئے ہیں۔ ان کو علیحدہ کاغذ میں درج کرنے کا ارادہ ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

جاننا چاہئے کہ وہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام جو نبی علیہ السلام کے ذریعے حضرت ذات تعالیٰ تک پہنچتے ہیں وہ نبی حضرت ذات اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے درمیان حائل نہیں ہوتے۔ ان کو حضرت ذات سے بالاصالت نصیب حاصل ہوتا ہے حاصل کلام یہ ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا اس درجہ تک پہنچنا اسی نبی علیہ السلام کی تبعیت پر وابستہ ہے برخلاف نبی کی امت کے جو نبی کے ذریعے پہنچتی ہے اور وہ پیغمبر درمیان میں حائل ہوتا ہے۔ ہاں افراد امت میں سے ایک فرد کو بالاصالت حضرت ذات سے نصیب حاصل ہوتا ہے اس جگہ بھی نبی کا حائل ہونا مفقود ہے اور اس کی تبعیت موجود ایسے شخص قلیل بلکہ اقل ہیں۔

سوال: اس تقدیر پر اس فرد امت اور تمام انبیاء کے درمیان کیا فرق ہے کیونکہ حائل ہونا دونوں میں مفقود ہے اور تبعیت موجود۔

جواب: تبعیت فرد امت میں باعتبار شریعت کے ہے یعنی جب تک وہ نبی کی شریعت کی متابعت نہ کرے نہیں پہنچتا اور تبعیت انبیاء میں اس اعتبار سے ہے کہ نبی مقبوع کے لئے اس درجہ تک پہنچنا اولاً اور بالذات ہے اور دوسروں کے لئے ثانیاً اور بالعرض کیونکہ دعوت سے مطلوب محبوب ہوتا ہے اور دوسروں کو اس کے طفیل بلاتے ہیں اور اس کی تبعیت سے طلب کرتے ہیں لیکن سب ایک ہی دستر خوان کے جلیس ہیں اور ایک ہی مجلس میں اپنے اپنے درجہ کے موافق کامل طور پر لذت و نعمت پاتے ہیں وہ امتی ہی ہیں۔ جوان بزرگواروں کا زلہ بردار اور پس خوردہ کھانے والے ہیں ہاں ہو سکتا ہے کہ ان کے افراد امت میں سے کوئی فرد کرم خداوندی سے مخصوص ہو جائے اور ان بزرگواروں کی مجلس کا ہم نشین ہو جائے۔ جیسے کہ گزر چکا۔

برکریماں کا رہا دشوار نیست

ترجمہ: کریموں پر نہیں مشکل کوئی کام

مگر پھر بھی امت امت ہے اور پیغمبر پیغمبر۔ امتی خواہ کتنا ہی سرفراز ہو جائے اور کتنا ہی بلند درجہ حاصل

کر لے پھر بھی ولی ہی ہے جس کا سر پیغمبر کے پاؤں تک پہنچتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلَقَدْ سَبَقَتْ
كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ إِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ (ہمارے مرسل
بندوں کے لئے ہمارا وعدہ ہو چکا ہے کہ یہی فتح مندر ہیں گے اور بیشک ہمارا لشکر غالب رہے گا)

سوال: ملت ابراہیم علیہ السلام کی متابعت سے کہ جس کا ہمارے پیغمبر کو امر ہوا کیا مراد ہے اور
حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اپنی مستقل شریعت کے ہوتے تبعیت کا امر کیا ہوگا؟

جواب: شریعت کا مستقل ہونا تبعیت کے مخالف نہیں ہو سکتا ہے کہ ہمارے پیغمبر نے شریعت کو
بالا صالت اخذ کیا ہو لیکن کسی خاص امر کے حاصل ہونے کے لئے حضرت خلیل علیہ السلام کی متابعت
کا امر ہوا ہو کیونکہ وہ امر اس متبوع کے خصائص میں سے ہے۔ جس کی متابعت کا امر ہوا ہے اور اس امر کا
حاصل ہونا اس متابعت کے حاصل ہونے پر موقوف ہے۔ مثلاً ایک شخص فرائض میں سے کسی فرض کو
ادا کرتا ہے اور اس کے علاوہ متابعت کی نیت بھی کر لے اور کہے کہ اس فرض کو چونکہ ہمارے نبی نے ادا
کیا ہے اس لئے ہم بھی ادا کرتے ہیں۔ اس صورت میں یقین ہے کہ ادائے فرض کے ثواب کے علاوہ
متابعت کا ثواب بھی پالے گا اور اس نبی علیہ السلام کے ساتھ مناسبت پیدا کر کے اس کی برکات سے
استفادہ بھی کرے گا اور اس امر کی تفتیش کہ ملت کی متابعت سے مراد تمام ملت کی متابعت ہے یا بعض کی
اور اگر تمام کی ہے تو بعض احکام کے منسوخ ہونے کے باوجود کل کی متابعت کس طرح درست ہے اور
اگر بعض کی ہے تو پھر بھی خدشہ کے بغیر نہیں ہے اس کو علماء تفسیر نے حل کیا ہے اس طرف رجوع کرنا
چاہئے کیونکہ یہ کام علماء ظاہر کا ہے اس کو علوم صوفیاء کے ساتھ کچھ مناسبت نہیں ہے۔ سبحان اللہ اس
قسم کے عجیب و غریب معارف مجھ سے ظاہر ہوتے ہیں۔ جن کو سن کر عجب نہیں کہ ابناء جنس بھی مجھ
سے نفرت کریں اور محرم بھی مخالفت کے درپے ہو کر نامحرم اور مجرم بن جائیں۔ نہ میرا ان معارف
کے حاصل ہونے میں کچھ اختیار ہے نہ ان کے اظہار میں میرا دخل ہے مجھے بتایا گیا ہے کہ تعین اول
تعین وجودی ہے جو حضرت خلیل علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا رب اور ان کا مبدء تعین ہے۔ اسی ہزار
سال کی مدت میں کسی نے نہیں سنا کہ تعین اول تعین وجودی ہے اور وہ حضرت خلیل الرحمن کا رب ہے۔
متقدمین میں اس قسم کی عبارت متعارف نہ تھی اور نہ ہی تنزل و تعین کی گنجائش تھی۔ لیکن متاخرین میں
جب اس قسم کی باتیں متعارف اور مشہور ہوئیں تو تعین اول تعین علمی جملی قرار پایا اور وہ حضرت خاتم
المرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رب مقرر ہوا۔ آج اگر اس مقرر اور ثابت شدہ امر کے برخلاف کسی
سے ظاہر ہو تو خیال کرتے ہیں کہ خلیل علیہ السلام کو حبیب پر فضیلت دیتا ہے اور حبیب علیہ السلام کو
خلیل علیہ السلام کا جزو بناتا ہے کیونکہ تمام تعینات کو تعین اول میں مندرج جانتا ہے اگرچہ اوپر ان کے

تو ہم کو دفع کیا گیا ہے اور جواب شافی کہا گیا ہے لیکن معلوم نہیں کہ اس پر کفایت کریں اور اس سے تسلی پائیں کیا کیا جائے جہالت و دشمنی و تعصب کا کوئی علاج نہیں سوائے اس کے کہ وہ مقلب القلوب اپنی قدرت کاملہ سے ان کے دلوں کو پھیر دے اور حق امر کے سننے اور قبول کرنے کے لائق بنادے۔ حضرت خلیل علیہ السلام کی بزرگی اور ان کی شان کی بلندی امر اتبع سے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو فرمایا ہے معلوم کر سکتے ہیں کہ متبوع کو تابع کے ساتھ کیا نسبت ہوتی ہے لیکن وہ محبوبیت جو حضرت خاتم الرسل کا حصہ ہے تمام مراتب قرب و فضائل پر غالب آگئی ہے اور سب سے پیش قدم اور برتر کر دیا ہے۔ قرب کے ہزار مراتب محبوبیت کی ایک نسبت کے برابر نہیں ہو سکتے محبت اپنے محبوب کو اپنی جان سے زیادہ عزیز جانتا ہے دوسروں کو لائق نہیں کہ اس کی مشارکت طلب کریں۔

سوال: تو نے اپنے رسالوں میں لکھا ہے کہ حضرت خلیل علیہ السلام کا رب بھی شان العلم ہے۔ جس طرح کہ حضرت حبیب علیہ السلام کا رب بھی شان العلم ہے صرف اس قدر فرق ہے کہ وہاں تفصیل کے طور پر ہے اور یہاں اجمال کے طور پر۔

جواب: وہ معرفت اس ولایت غلت کی حقیقت تک پہنچنے سے پہلے حاصل ہوئی تھی جب اس ولایت کی حقیقت سے متحقق ہوا تو معاملہ جیسا کہ تھا ظاہر ہو گیا۔ گویا وہ معرفت اس حقیقت کے حل سے تعلق رکھتی تھی۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْمُلْهُمُ لِلصَّوَابِ (اللہ تعالیٰ بہتری کو الہام کرنے والا ہے) ان معارف سے واضح ہوا کہ وجود عین ذات نہیں ہے بلکہ ایک تعین ہے۔ جو حضرت ذات کے تمام تعینات سے سبق اور برتر ہے اور جس نے وجود کو عین ذات کہا ہے اس نے تعین کو لا تعلق خیال کیا ہے اور غیر ذات کو ذات سمجھا ہے اور غیریت میں مناقشہ کرنا لا حاصل ہے کیونکہ میدان عبارت تنگ ہے۔

سوال: اس تعین اول وجودی کو کہ تو نے معلوم کیا ہے اس تعین علمی اجمالی کے ساتھ جس کو اوروں نے معلوم کیا ہے کیا نسبت ہے اور ان دونوں تعینوں کے درمیان کوئی اور تعین ہے یا نہیں؟

جواب: تعین وجودی تعین علمی سے برتر ہے اور تعین علمی سے اوپر جو حضرت ذات اور لا تعین کا مرتبہ کہا ہے یہی تعین وجودی ہے جس کو دوسروں نے حضرت ذات کا عین معلوم کیا ہے اور وجود کو ذات کا عین جانتا ہے ان دونوں تعینوں کے درمیان شان الحیات ہے جو تمام شیونات سے اقدم اور اول ہے بعد ازاں شان العلم ہے جو اجمالی اور تفصیلی طور پر اس کے تابع ہے لیکن اس درمیان والے تعین کا مظہر نظر نہیں آتا۔ اس کی مناسبت حضرت ذات تعالیٰ کے ساتھ سب سے زیادہ ہے اور اس میں سب سے زیادہ استغنائے ذاتی جلوہ گر ہے اس قدر مفہوم ہوتا ہے کہ اس کے فیوض و برکات صرف روحانیوں تک ہی پہنچتے ہیں۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْحَالِ (حقیقت حال کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے) سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ

لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ (یا اللہ تو پاک ہے ہمیں کوئی علم نہیں مگر جس قدر کہ تو نے ہمیں سکھایا بیشک تو ہی جاننے والا اور حکمت والا ہے)

تنبیہ: یہ جو اوپر گزرا ہے کہ وصول نظری بالا صالت حضرت خلیل علیہ السلام کے نصیب ہے اور وصول قدمی بالا صالت حضرت حبیب علیہ السلام کے نصیب ہے اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ وہاں شہود و مشاہدہ ہے یا قدم کی وہاں گنجائش ہے جب وہاں بال کی گنجائش نہیں تو پھر قدم کی کیا مجال ہے بلکہ وصول وہاں ایک مجہول الکفایت وصول ہے اگر صورت مثالیہ میں از روئے نظر کے ظاہر ہوا تو وصول نظری کہتے ہیں اور اگر بلحاظ قدم کے ہو تو وصول قدمی کہتے ہیں۔ ورنہ نظر و قدم دونوں اس بارگاہ سے حیران و پریشان ہیں۔ وَالسَّلَامُ عَلَیْ مَنْ اتَّبَعَ الْهُدَى (سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی)

مکتوب ۸۹

شیخ روز بھان بھلی قدس سرہ کے کلام کی شرح اور توحید و جود کی بعض دقائق کے بیان میں قاضی اسماعیل فرید آبادی کی طرف صادر فرمایا ہے:

شیخ ولی روز بھان بھلی قدس سرہ نے متصوفہ کی غلطیوں کے بیان میں فرمایا ہے کہ دوسری غلطی یہ ہے کہ ہمہ اوست کہتے ہیں اور ان تمام متفرقہ اور حادثہ جزئیات سے ایک ہی ذات چاہتے ہیں اور رمز کے ساتھ ایک دوسرے کو کہتے ہیں کہ ہم خود وہی ہیں۔ پس ان کافروں کے سینکڑوں خدا ہیں اور خدا تعالیٰ محدثات کے جمع و تفرقہ سے منزہ ہے وہ واحد ہے جس کی طرف جزو کو راستہ نہیں۔ وہ حلول کو قبول نہیں کرتا۔ متلون نہیں ہوتا۔ یہ لوگ اس بات سے کافر ہیں نہ اپنے آپ کو جانتے ہیں نہ خدا کو۔ اگر ان میں سے کوئی حق ہوتا۔ تو فنا نہ ہوتا۔ بعض لوگوں نے روح میں غلطی کھائی ہے اور انہوں نے جسم کے بارہ میں۔ تَلَهُمُ اللّٰهُ سُبْحَانَهُ (اللہ تعالیٰ ان کو ہلاک کرے) انٹھی (یہاں تک شیخ روز بھان قدس سرہ کا مقولہ ہے) پوشیدہ نہ رہے کہ عبارت ہمہ اوست اگرچہ متقدمین صوفیاء قدس سرہم میں متعارف نہ تھی۔ لیکن انا الحق اور سبحانی اور لیس فی جُتبی مِوَاہ وغیرہ وغیرہ کی مانند بہت باتیں سرزد ہوئی ہیں۔ اس کلمے اور ان کلاموں کا مطلب غالباً ایک ہی ہے۔

آب چوا سرگزشت چہ یک نیزہ چہ یک دست

ترجمہ: سر سے پانی جب بڑھا نیزہ بھر کیا ہاتھ بھر کیا

متاخرین صوفیاء میں بھی یہ عبارت شائع اور عام ہے اور بے تکلف ہمہ اوست کہتے ہیں اور اس قول پر اصرار کرتے ہیں ان میں سے بہت ہی کم لوگ ہیں جو اس قسم کی عبارتوں میں تردد رکھتے ہیں اور انکار ظاہر کرتے ہیں۔ جو کچھ اس فقیر نے ان کے اطلاقات سے ہمہ اوست کے معنی سمجھے ہیں یہ ہیں کہ یہ

تمام متفرقہ حادثہ جزئیات ایک ہی ذات تعالیٰ کا ظہور ہیں۔ جس طرح کہ زید کی صورت بیشمار اور متعدد آئینوں میں منعکس ہو جائے اور وہاں ظہور پیدا کر لے اور ہمہ اوست کہ دیں یعنی یہ تمام صورتیں جنہوں نے بیشمار آئینوں میں نمود و ظہور پیدا کیا ہے زید کی ایک ذات کا ظہور ہیں۔ یہاں کوئی جزئیت اور اتحاد ہے اور کون سا حلول و تکلون ہے زید کی ذات باوجود ان تمام صورتوں کے اپنی صرافت اور اصلی حالت پر ہی ہے۔ ان صورتوں نے اس میں نہ کچھ زیادہ کیا ہے نہ کچھ کم بلکہ جہاں زید کی ذات ہے وہاں ان صورتوں کا نام و نشان تک بھی نہیں تاکہ اس جزئیت اور اتحاد اور حلول و سریان کی نسبت پیدا کریں۔ اَلَا نِیْ كَمَا كَانَ کاسر اس جگہ ڈھونڈنا چاہئے کیونکہ جس مرتبہ میں حق تعالیٰ ہے وہاں جس طرح ظہور سے پہلے عالم کی گنجائش نہ تھی۔ ظہور کے بعد بھی وہاں عالم کی کوئی گنجائش نہیں۔ فَلَا جَوْمَ یُکُونُ اَلَا نِیْ كَمَا كَانَ (پس وہ بالضرور اب بھی ویسا ہی ہے جیسے کہ تھا) عجب معاملہ ہے کہ متقدمین صوفیاء میں سے بہت سے بزرگوار اس توحید آمیز عبارت سے حلول و اتحاد سمجھتے ہیں اور اس عبارت کے کہنے والوں کو کافر اور گمراہ کہتے ہیں۔ ان میں سے بعض اس قسم کی عبارتوں کی توجیہ اس طرح کرتے ہیں کہ کہنے والوں کے مذاق سے اس کو کچھ نسبت و مناسبت نہیں ہوتی۔ صاحب عوارف فرماتا ہے کہ منصور کا انا الحق اور بایزید رحمۃ اللہ علیہ کا سبحانی کہنا حق تعالیٰ کی طرف سے حکایت کے طور پر تھا اور اگر حکایت کے طریق پر نہ ہو بلکہ حلول و اتحاد کی آمیزش درمیان ہو تو پھر ہم ان اقوال کے کہنے والوں کو رد کرتے ہیں جس طرح کہ نصاریٰ کو رد کرتے ہیں جو حلول و اتحاد کے قائل ہیں۔ حالانکہ تحقیق سابق سے واضح ہو چکا ہے کہ اس قسم کی شطیہ عبارتوں میں کوئی حلول و اتحاد نہیں ہے۔ اگر حمل ہے تو باعتبار ظہور کے ہے نہ کہ باعتبار وجود کے جیسے کہ انہوں نے سمجھا ہے اور حلول و اتحاد کی طرف لے گئے ہیں۔ مانا کہ یہ مسئلہ توحید متقدمین صوفیاء میں صاف اور واضح نہیں ہوا تھا ان میں سے جو کوئی مغلوب الحال ہو جاتا تھا۔ اس سے اس قسم کے اتحاد نما توحیدی کلمات سرزد ہو جاتے تھے اور غلبہ سکر کے باعث اس کے سر کو نہ پاسکتے تھے اور ان عبارتوں کے ظاہر کو حلول و اتحاد کی آمیزش سے پھیر نہ سکتے تھے۔ جب شیخ محی الدین بن عربی قدس سرہ تک نوبت پہنچی۔ اس نے کمال معرفت سے اس مسئلہ دقیقہ کو شرح کیا اور بابوں اور فصلوں میں تقسیم کر کے صرف و نحو کی طرح جمع کیا باوجود اس امر کے پھر بھی اس طائفہ میں سے بعض نے اس کی مراد کو نہ سمجھ کر اس کو خطا کی طرف منسوب کیا اور اس پر طعن و ملامت کی۔ اس مسئلہ کی اکثر تحقیقات میں شیخ حق پر ہے اور اس کے طعنہ لگانے والے دور از صواب ہیں۔ شیخ کی بزرگی اور اس کے علم کی زیادتی اس مسئلہ کی تحقیق سے معلوم کرنی چاہئے اور اس کی رد و طعن نہ کرنی چاہئے اس مسئلہ پر جوں جوں غور و بحث کی جاتی ہے متاخرین کے مختلف فکروں کے

ملنے سے واضح اور صاف ہوتا جاتا ہے اور حلول و اتحاد کے شبہ سے دور تر ہوتا جاتا ہے۔ وہ نحو جو متاخرین نحویوں کے مختلف فکروں کے ملنے سے واضح و صاف ہوا ہے سیبویہ و اخفش کے زمانہ میں ہرگز ایسا نہ تھا کیونکہ ہر ایک فن و صنعت کی تکمیل مختلف فکروں کے ملنے پر موقوف ہے۔ حضرت امام اعظم اور ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہما مسئلہ خلق قرآن میں چھ مہینے تک ایک دوسرے کے ساتھ بحث کرتے رہے اور رد و بدل فرماتے رہے چھ مہینے کے بعد یہ بات قرار پائی کہ جو کوئی قرآن کو مخلوق کہے وہ کافر ہو جاتا ہے اتنی مدت تک یہ بحث و مباحثہ اسی لئے ہوتا رہا کہ یہ مسئلہ واضح و صاف نہیں ہوا تھا اب چونکہ مختلف فکروں کے ملنے سے واضح ہو چکا ہے اس لئے کہہ سکتے ہیں کہ نزاع کا موجب اگر حروف و کلمات ہیں جو کلام نفسی پر دلالت کرتے ہیں تو بیشک حادث اور مخلوق ہیں اور اگر مراد ان کی مدلولات ہیں تو قدیم اور غیر مخلوق ہیں۔ یہ تنقیح مختلف فکروں کے ملنے کی برکت سے ہے۔ اب ہم اصل بات کو بیان کرتے اور کہتے ہیں کہ اس عبارت کے اور معنی بھی ہیں جو حلول و اتحاد سے بعید ہیں یعنی سب نیست ہیں اور حق تعالیٰ ہی موجود ہے نہ یہ کہ یہ سب ہست ہیں اور اس کے ساتھ متحد ہیں اس قسم کی بات کوئی بیوقوف اور نادان بھی نہیں کہتا۔ بزرگوں سے کس طرح متصور ہو سکتی ہے۔ چونکہ غلبہ محبت کے باعث محبوب کے سوا سب کچھ ان بزرگوں کی نظر سے پوشیدہ ہو جاتا ہے اور اس کے سوا کچھ بھی ان کے شہود میں نہیں رہتا۔ اس لئے ہمہ اوست کہہ دیتے ہیں یعنی یہ سب کچھ جو ثابت دکھائی دیتا ہے سر اسر وہم و خیال ہی ہے موجود صرف حق تعالیٰ ہی ہے اس صورت میں نہ جزیت و اتحاد کی آمیزش ہے نہ حلول و تکلون کا گمان۔ لیکن یہ فقیر اس قسم کی عبارتوں کو پسند نہیں کرتا اور اس قسم کے مقاصد سے مبرا ہے کیونکہ حق تعالیٰ کے مرتبہ تقدس و تنزہ کے لائق نہیں یہ اشیاء کیا ہیں جو اس کا مظہر ہو سکیں۔

در کدام آئینہ در آید او

ترجمہ: وہ کسی آئینہ میں آتا نہیں

اور ان میں یہ طاقت و مجال کہاں ہے کہ ظہور کے اعتبار سے بھی اس پر محمول ہو سکیں اگر مظہر بھی ہیں تو اس کے کمالات کے ظلال میں سے کسی ظل کا مظہر ہیں اور وہ ظل کہ جس کا مظہر ہیں۔ حق تعالیٰ کے ظلال میں سے وہ ظل ہے جس سے لیکر ذات تعالیٰ تک کئی ہزار ظلال در میان ہیں۔ آپ نے سنائی ہوگا کہ إِنَّ لِلّٰہِ لَسَبْعِیْنَ اَلْفَ حِجَابٍ مِّنْ نُورٍ وَظُلُمَۃٍ (اللہ تعالیٰ کیلئے ستر ہزار نور و ظلمت کے پردے ہیں) پس حق تعالیٰ کے ظلال میں سے کسی ظل کا مظہر کو بے تحاشا حق تعالیٰ پر محمول کرنا بڑی بے ادبی اور دلیری ہے لیکن چونکہ غلبہ سکر و حال ہے اس لئے اس قدر مذموم نہیں۔ اسی طرح دوسری توجیہ کے موافق بھی اپنے مشہود کو حق تعالیٰ کا عین جاننا اور اس اعتبار سے اس پر محمول کرنا بے ادبی بلکہ خلاف واقع

ہے کیونکہ وہ مشہود بھی حق تعالیٰ کے کمالات کا ظل ہے حق تعالیٰ وراء الراء ثم وراء الراء ہے۔ نیز جو کچھ مشہود ہے وہ نفی کے لائق ہے پھر وہ حق تعالیٰ کیسے ہو سکتا ہے حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ فرماتے ہیں کہ جو کچھ دیکھا گیا اور سنا گیا اور جانا گیا سب حق تعالیٰ کا غیر ہے کلمہ لا کی حقیقت سے اس کی نفی کرنی چاہئے اس مسئلہ میں جو کچھ اس حقیر کے نزدیک مختار اور شان تقدیس و تزیہ کے مناسب ہے وہ ہمہ از دست کی عبارت ہے نہ ان معنی کے لحاظ سے جس پر علماء ظاہر کفایت کرتے اور کہتے ہیں کہ سب کا صدر اور خلق اسی سے ہے کیونکہ یہ خود صادق اور واضح ہے بلکہ اس کے علاوہ یہاں اور علاقہ اور نسبت بھی ہے جس کی طرف علماء نے ہدایت نہیں پائی اور صوفیاء اس کو دریافت کرنے سے ممتاز ہوئے ہیں وہ اصالت و ظلیت کا ارتباط اور باہمی رابطہ ہے یعنی اگر ممکن کا وجود ہے تو وجود واجب سے ناشی ہے اور اس کے وجود کا پر تو ہے اور اگر حیات ہے تو وہ بھی اسی کی صفت حیات سے پیدا ہے اور اسی کی حیات مقدسہ کا پر تو ہے۔ علم و قدرت وارادہ بھی اسی قیاس پر ہیں۔ پس صوفیاء کے طور پر عالم حق تعالیٰ سے صادر بھی ہے اور اس کے کمالات کا ظل بھی ہے اور اسی کے منزہ کمالات سے ناشی ہے مثلاً وہ وجود جو ممکن کو دیا گیا ہے وہ ایسا امر نہیں جو خود مختار ہو اور اس کو خود بخود استقلال حاصل ہو بلکہ وہ وجود واجب تعالیٰ کے وجود کا ظل و پر تو ہے اسی طرح حیات و علم وغیرہ جو ممکن کو بخشا گیا ہے اس قسم کے امور نہیں ہیں کہ انہوں نے صانع تعالیٰ شانہ سے ثبوت و استقلال پیدا کیا ہے بلکہ ان کا وجود و صدور حق تعالیٰ کی طرف سے ہے اور یہ سب حق تعالیٰ کے کمالات کے ظلال اور ان کمالات کی صورتیں اور مثالیں ہیں یہی اصالت اور ظلیت کا ارتباط ہے جس کی طرف صوفیہ نے ہدایت پائی ہے یہی معاملہ صوفیہ کو اعلیٰ علیین تک لے گیا ہے اور ان کو فناء و بقاء تک پہنچا کر ولایت خاصہ کے ساتھ متحقق کیا ہے چونکہ علماء ظاہر کو یہ دید میسر نہیں ہوئی اس لئے فنا و بقاء سے بہرہ مند اور ولایت خاصہ کے ساتھ متحقق نہیں ہوئے۔ صوفیاء اپنے کمالات کو واجب تعالیٰ کے کمالات کے عکس جانتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اپنے آپ کو حق تعالیٰ کے کمالات کا مانند ار دیکھتے ہیں اور ان کمالات کا آئینہ معلوم کرتے ہیں۔ جب اِنَّ اللّٰهَ بِأَمْرِكُمْ اَنْ تُوَدُّوا الْاَمَانَاتِ اِلٰی اَهْلِهَا۔ (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اپنی امانتوں کو امانت والوں کے حوالہ کر دو) کے موافق اس امانت کو امانت والے کے حوالہ کرتے ہیں اور پوری طرح ان کمالات کو بڑے ذوق کے ساتھ اصل کو دیدیتے ہیں تو اپنے آپ کو معدوم معلوم کرتے اور میت جانتے ہیں کیونکہ وجود و حیات جب اپنے اصل کی طرف چلے گئے تو پیچھے معدوم و میت رہ گیا اور فنا متحقق ہو گئی مولانا رومؒ فرماتے ہیں۔ ابیات

چوں بدانستی تو اور از نخست
سوئے آنحضرت نسب کردی درست
و آنکہ دانی کہ ظل کیستی
فادغی گر مردی و گر زیستی

ترجمہ ابیات

جبکہ تھا پہلے تو اس کو جانتا نسبتیں اس کی طرف کرتا رہا
ظلم ہے کس کا تو گریہ جان لے تو ہے فارغ گر مرے تو گر جنے

اس فنا کے بعد اگر اس کو بقاء سے مشرف کرنا چاہیں۔ تو دوبارہ اس کو وجود اور توابع وجود یعنی صفات کاملہ اس کو عطا فرماتے ہیں اور دوسری ولایت کے ساتھ اس کو متحقق کرتے ہیں۔ لَنْ يَلْجَ مَلَكُوتَ السَّمَوَاتِ مَنْ لَمْ يُولَدْ مَرَّتَيْنِ (جو شخص دوبارہ پیدا نہ ہو آسمانوں کے ملکوت میں داخل نہیں ہو سکتا)۔ ع

هَبْنَا لِارْبَابِ النَّعِيمِ نَعِيمَهَا

ترجمہ ع مبارک معنوں کو اپنی نعمت

بار خدا یا میدان عبارت کی تنگی کے باعث وہ الفاظ جن کا اطلاق شرع میں وارد نہیں ہوا ہے۔ جیسے کے ظلیت وغیرہ کا اطلاق کرتا ہوں اور کہتا ہوں۔ کہ ممکن کا وجود واجب تعالیٰ کے وجود کا ظل ہے اور اس کی صفات حق تعالیٰ کی صفات کاملہ کے ظلال ہیں۔ ان اطلاقات سے بہت ڈرنا اور کانپنا ہوں۔ لیکن چونکہ تیرے اولیاء نے مجھ سے پہلے ان اطلاقات پر سبقت کی ہے۔ اس لئے معافی کا امیدوار ہوں رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نُسِينَا اَوْ اَخْطَاْنَا (یا اللہ تو ہماری بھول چوک پر ہمارا مواخذہ نہ کر)

جاننا چاہئے کہ سابقہ تحقیق سے واضح ہوا۔ کہ صوفیاء جو کلام ہمہ اوست کے قائل ہیں عالم کو حق تعالیٰ کے ساتھ متحد نہیں جاننے اور حلول و سریان ثابت نہیں کرتے۔ بلکہ ظہور و ظلیت کے اعتبار سے حمل کرتے ہیں۔ نہ کہ وجود و تحقق کے اعتبار سے۔ اگرچہ ان کی ظاہر عبارت سے اتحاد و جود کی کا وہم گزرتا ہے۔ لیکن ہر گز ہر گز ان کی یہ مراد نہیں۔ کیونکہ یہ کفر والحاد ہے۔ جب ایک کا دوسری پر حمل کرنا باعتبار ظہور کے ہے۔ نہ باعتبار وجود کے۔ تو پھر ہمہ اوست کے معنی ہمہ ازوست ہیں۔ کیونکہ شے کا ظل اسی شے سے پیدا ہوتا ہے۔ اگرچہ غلبہ حال میں ہمہ اوست کہتے ہیں۔ لیکن درحقیقت اس عبارت سے ان کی مراد ہمہ ازوست ہے۔ پس اس بیان کے موافق ان کی کلام پر اعتراض کرنے اور اس کلام کے کہنے والے کو کافر و گمراہ کہنے کی کوئی مجال نہیں رہی۔ واضح ہو کہ ظل شے سے مراد اس شے کے ظہور سے ہے۔ دوسری یا تیسری یا چوتھی مرتبہ میں۔ مثلاً زید کی صورت میں جو آئینہ میں منعکس ہوئی ہے۔ وہ مرتبہ دوم میں زید کا ظل اور اس کا ظہور ہے اور زید فی حد ذلہ اپنے وجود اصلی کے مرتبہ میں ہے۔ جس نے اپنے آپ کو ظل کے طور پر آئینے میں ظاہر کیا ہے۔ بغیر اس بات کے کہ اس کی ذات و صفات میں تغیر و تبدل واقع ہو۔ جیسے کہ گزر چکا۔ رَبَّنَا اَنْجِمْ لَنَا نُورًا وَ اغْفِرْ لَنَا اِنَّكَ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (یا اللہ تو ہمارے نور کو کامل کر

اور ہم کو بخش۔ تو تمام چیزوں پر قادر ہے) وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اَتَّبَعَ الْهُدٰی (سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی)

مکتوب ۹۰

اس سوال کے جواب میں جو عارفوں کے مشاہدہ قلب کی حقیقت کے بارہ میں کیا گیا تھا فقیر ہاشم کشمی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

آپ نے پوچھا تھا۔ کہ بعض محقق صوفیاء دنیا میں دل کی آنکھ سے حق تعالیٰ کی رویت اور مشاہدہ ثابت کرتے ہیں۔ جیسے کہ شیخ عارف نے اپنی کتاب عوارف میں فرمایا ہے۔ کہ مَوْضِعُ الْمَشَاهِدَةِ بَصَرُ الْقَلْبِ (مشاہدہ کا محل دل کی آنکھ ہے) اور شیخ ابواسحاق کلابادی قدس سرہ جو اس طائفہ عالیہ کے قداما رؤسا میں سے ہے۔ اپنی کتاب تعرف میں لکھتا ہے۔ کہ اَجْمَعُوا عَلٰی اَنَّهُ لَا يُرٰى فِی الدُّنْيَا بِالْاَبْصَارِ وَلَا بِالْقُلُوبِ اِلَّا مِنْ جِهَةِ الْاِيْقَانِ (اس بات پر اجماع اور اتفاق ہے۔ کہ حق تعالیٰ کو دنیا میں ایقان کی جہت کے سوا آنکھوں اور دلوں سے نہیں دیکھ سکتے) ان دونوں تحقیقوں میں موافقت کس طرح ہے اور آپ کی رائے کس تحقیق کے مطابق ہے اور باوجود اختلاف کے اجماع کے کیا معنی ہیں۔ خدا تعالیٰ آپ کو ہدایت دے۔ آپ کو واضح ہو۔ کہ اس مسئلہ میں فقیر کے نزدیک صاحب تعرف قدس سرہ کا قول مختار ہے اور جانتا ہے کہ دلوں کو اس بارگاہ سے ایقان کے سوا کچھ حاصل نہیں۔ خواہ اس کو رویت خیال کریں یا مشاہدہ۔ جب دل کو رویت حاصل نہ ہو۔ تو آنکھ کو کیسے حاصل ہوگی۔ جو اس معاملہ میں بیکار و معطل ہے۔ حاصل کلام یہ ہے۔ کہ ایقان کے معنی و حقیقت جو قلب کو حاصل ہوتی ہے۔ عالم مثال میں رویت کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے اور موقن بہ (جس پر یقین لایا گیا ہے) مرئی کی صورت میں ظہور کرتا ہے۔ کیونکہ عالم مثال میں ہر معنی و حقیقت کی ایک صورت ہے۔ جو عالم شہادت کی صورت کے مناسب ہے۔ جب عالم شہادت میں کمال یقین رویت میں ہے۔ تو وہ ایقان بھی عالم مثال میں رویت کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور جب ایقان رویت کی صورت میں ظاہر ہو تو اس کا مُتَعَلِّقُ یعنی موقن بہ بھی مرئی کی صورت میں ظاہر ہوگا۔ جب سالک اس کو عالم مثال کے آئینہ میں مشاہدہ کرتا ہے۔ تو آئینہ کے واسطے سے غافل ہو کر صورت کو حقیقت جانتا ہے اور سمجھتا ہے۔ کہ رویت کی حقیقت حاصل ہو گئی ہے اور مرئی ظاہر ہوا ہے۔ نہیں جانتا کہ وہ رویت اس کے ایقان کی صورت ہے اور مرئی اس کے موقن بہ کی صورت۔ اس مقام پر بھی صوفیاء غلطی کھا جاتے ہیں اور صورتیں اپنی حقیقتوں سے مل جل جاتی ہیں۔ جب یہ دید غالب آجاتی ہے اور باطن سے ظاہر میں اثر کر جاتی ہے۔ تو سالک کو یہ وہم گزرتا ہے۔ کہ رویت بصری بھی حاصل ہو گئی ہے اور مطلوب گوش سے آغوش میں آگیا ہے اور نہیں جانتا کہ اس

مطلب کا حاصل ہونا جب اصل یعنی بصیرت میں بھی تلبس و توہم پر مبنی ہے۔ تو پھر جو اس عالم میں اس کی فرع ہے۔ اس مطلب کے لائق کیسے ہوگی اور اس کو کہاں رویت حاصل ہوگی۔ حالانکہ رویت قلبی میں بھی بہت سے صوفیاء نے وہم و شک کیا ہے اور اس کے وقوع کا حکم کیا ہے۔ کوئی احمق ہی ہوگا۔ جو رویت بصری کے وقوع کا وہم کرتا ہوگا۔ کیونکہ اہل سنت و جماعت کے اجماع کے مخالف ہے۔

سوال:- جب عالم مثال میں موقن بہ کی صورت پیدا ہوگی۔ تو لازم ہوا۔ کہ حق تعالیٰ کی وہاں

صورت ہے۔

جواب:- تجویز کیا ہے۔ کہ اگرچہ حق تعالیٰ کی کوئی مثل نہیں۔ لیکن مثال ہے اور جائز رکھا ہے کہ مثال میں کسی صورت پر ظہور فرمائے۔ چنانچہ صاحب فصوص قدس سرہ نے رویت اخروی کو بھی لطیفہ جامعہ مثالیہ کی صورت میں مقرر کیا ہے۔ اس جواب کی تحقیق یہ ہے۔ کہ مثال میں موقن بہ کی وہ صورت حق تعالیٰ کی صورت نہیں۔ بلکہ صاحب ایقان کے مکشوف کی صورت ہے۔ جس کے ساتھ اس کے ایقان کا تعلق ہے۔ اور وہ مکشوف حق تعالیٰ کی ذات کے بعض وجوہ و اعتبارات میں سے ہے۔ نہ کہ حق تعالیٰ کی ذات اسی واسطے جب عارف کا معاملہ ذات جل شانہ تک پہنچتا ہے۔ تو پھر اس قسم کے تخیلات پیدا نہیں ہوتے اور کوئی رویت و مرئی خیال میں نہیں آتا۔ کیونکہ مثال میں ذات اقدس کی کوئی صورت موجود نہیں۔ جس کو مرئی کی صورت میں ظاہر کرے اور اس کے ایقان کو رویت کی صورت میں جتلائے۔ یا ہم یوں کہتے ہیں۔ کہ عالم مثال میں معانی کی صورتیں ہیں۔ نہ کہ ذات کی صورت چونکہ عالم بتمامہ اسماء و صفات کے مظہر ہیں۔ اس لئے ذاتیت سے بہرہ نہیں رکھتے۔ چنانچہ ہم نے اس کی تحقیق کئی جگہ کی ہے۔ پس وہ مرئی بتمامہ معانی کی قسم سے ہوگا اور مثال میں اس کی صورت موجود ہوگی۔ کمالات و جوبی میں کہ جہاں صفت و شان ہے۔ جو ذات کے ساتھ قیام رکھتے ہیں اور معانی کی قسم سے ہیں۔ اگر مثال میں ان کی صورت ہو اگرچہ یہ بھی سراسر نقص ہے۔ تو ہو سکتا ہے۔ لیکن اس کی ذات اقدس ہر گز صورت کے مراتب میں سے کسی مرتبہ میں نہیں آسکتی۔ کیونکہ صورت سے تحدید و تقید لازم آتی ہے اور تقید خواہ کسی مرتبہ میں ہو جائز نہیں۔ کیونکہ مراتب جو سب اسی کی مخلوق ہیں۔ کہاں منجائش رکھتے ہیں کہ اپنے خالق کو محدود و مقید کر سکیں اور جس کسی نے اس بارگاہ جل شانہ میں مثال کو جائز قرار دیا ہے۔ وہ وجوہ و اعتبارات کے اعتبار سے ہے۔ نہ کہ عین ذات تعالیٰ کے اعتبار سے۔ اگرچہ حق تعالیٰ کے وجود و اعتبارات میں بھی مثال کا تجوز کرنا اس فقیر پر گراں ہے۔ ہاں اگر اس کے ظلال بعیدہ میں سے کسی ظل میں تجویز کی جائے۔ تو بجا ہے۔ اس بیان سے واضح ہوا۔ کہ عالم مثال میں معانی اور صفات کی صورتوں کے نقش موجود ہیں۔ نہ کہ

ذات اقدس کے۔ پس صاحب فصوص نے جو رویت اخروی کو صورت مثالیہ میں تجویز کیا ہے۔ جیسے کہ گزر چکا۔ وہ حق تعالیٰ کی رویت نہیں۔ بلکہ حق تعالیٰ کی صورت کی رویت بھی نہیں۔ کیونکہ حق تعالیٰ کی کوئی صورت نہیں۔ جس کے ساتھ رویت کا تعلق ہو اور اگر مثال میں کوئی صورت ہے۔ تو وہ اس کے ظلال بعیدہ میں سے کسی ظل کی ہے۔ پس اس کی رویت حق کی رویت نہیں۔ شیخ قدس سرہ حق تعالیٰ کی رویت کی نفی میں معتزلہ و فلاسفہ سے کچھ کم نہیں۔ کیونکہ رویت کو اس طرح ثابت کرتا ہے۔ جس سے رویت کی نفی لازم آتی ہے اور اس میں صریح طور پر رویت کی نفی کرنے کی نسبت زیادہ بلیغ طور پر رویت کی نفی ہے۔ کیونکہ الْكِتَابَةُ اَبْلَغُ مِنَ التَّصْرِيحِ (کنایہ تصریح سے زیادہ بلیغ ہوتا ہے) قضیہ مقررہ ہے۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ اس جماعت کا مقتدا ان کی اپنی بھدی عقل ہے اور شیخ کا مقتدا اپنا بعید از صحت یعنی غلط کشف۔ شاید مخالفوں کے ناقص دلائل نے شیخ کے متحملہ میں مقام کر کے اس کے کشف کو بھی اس مسئلہ میں صواب سے منحرف کر دیا ہے اور ان کے مذہب کی طرف مائل کر دیا ہے۔ لیکن چونکہ خود اہل سنت و جماعت سے ہے۔ اس لئے صورت کے طور پر اس کو ثابت کیا ہے اور اس پر کفایت کر کے اسی کو رویت خیال کیا ہے۔ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَسِينَا اَوْ اَخْطَاْنَا (یا اللہ تو ہماری بھول چوک پر ہمارا مواخذہ نہ کر) اس مسئلہ دقیقہ کی وہ تحقیق بھی جو کتاب عوارف کے بعض مقامات کے حل میں لکھی ہے۔ تحریر ہو چکی ہے اجماع کے بارہ میں جو آپ نے دریافت کیا تھا۔ ممکن ہے کہ اس وقت تک ایسا خلاف جو اعتبار کے لائق ہو۔ ظاہر نہ ہوا ہو یا اپنے زمانہ کے مشائخ کا اجماع مراد ہو۔ وَاللّٰهُ سَبْحَانَهُ اَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْحَالِ (اللہ تعالیٰ حقیقت حال کو زیادہ جانتا ہے)

مکتوب ۹۱

ان سوالوں کے جواب میں جو معرفت و ایمان حقیقی کے درمیانی فرق کی نسبت کئے

گئے تھے۔ مولانا ظاہر بدخشی کی طرف صادر فرمایا ہے:-

حمد و صلوة اور تبلیغ دعوات کے بعد واضح ہو کہ برادر م عزیز کا صحیفہ شریفہ جو شیخ سجاد کے ہمراہ ارسال کیا تھا پہنچا۔ اللہ تعالیٰ کی حمد ہے۔ کہ آپ سلامت و عافیت سے ہیں۔ چند سوال جو آپ نے درج کئے تھے۔ ان کے جواب میں جو کچھ دل میں آیا ہے لکھا جاتا ہے۔ اس پر اچھی طرح غور و توجہ فرمائیں۔

سوال اول:- معرفت اور ایمان حقیقی کے درمیان کیا فرق ہے؟

جواب:- معرفت اور ہے اور ایمان اور۔ کیونکہ معرفت کے معنی پہچاننے کے ہیں اور ایمان کے

معنی گرویدہ ہونا اور یقین کرنا شناخت اور پہچان ہو سکتی ہے۔ لیکن یقین نہیں ہو سکتا۔ اہل کتاب کو ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حق میں معرفت حاصل تھی۔ پہچانتے تھے کہ پیغمبر ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ يٰعَرَفُوْهُ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اٰنْءَآ هُمْ (اس کو پہچانتے ہیں۔ جیسے کہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں) لیکن چونکہ دشمنی کے باعث گرویدہ نہ ہوئے اور یقین نہ لائے۔ اس لئے ایمان بھی تحقق نہ ہوا۔ معرفت بھی ایمان کی طرح دو قسم پر ہے۔ ایک معرفت کی صورت ہے۔ جس طرح کہ ایمان کی صورت ہے۔ دوسرے معرفت کی حقیقت ہے۔ جیسے کہ ایمان کی حقیقت ہے۔ ایمان کی صورت وہی ہے۔ جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنی کمال مہربانی اور رحمت سے شریعہ میں آخرت کی نجات کے لئے کفایت فرمائی ہے اور وہ نفس امارہ کے انکار اور سرکشی کے باوجود قلب کا گرویدہ ہونا ہے۔ اسی طرح معرفت کی صورت بھی نفس امارہ کی جہالت کے باوجود اسی لطیفہ پر موقوف ہے۔ لیکن معرفت کی حقیقت یہ ہے۔ کہ نفس امارہ اپنی جبلی اور پیدائشی جہالت کو چھوڑ کر شناسائی پیدا کر لے اور ایمان کی حقیقت یہ ہے۔ کہ نفس امارہ اپنی طبعی اور پیدائشی امارگی اور سرکشی کو چھوڑ کر مطمئن ہو جائے اور شناسائی حاصل کر کے گرویدہ ہو جائے اگر کہیں کہ شریعت میں تصدیق قلبی کا اعتبار کیا ہے۔ یہ گرویدہ ہونا اس تصدیق کا عین ہے یا اس تصدیق کے ماسوا کوئی اور امر ہے اور اگر تصدیق کے ماسوا کچھ اور امر ہے تو لازم آتا ہے۔ کہ ایمان میں تین چیزیں معتبر ہیں اقرار اور تصدیق اور گرویدہ ہونا اور یہ بات علماء کے مقررہ امر کے برخلاف ہے اور عمل جس کو بعض علماء نے ایمان معتبر سمجھا ہے۔ ایمان کی چوتھی جزو بن جاتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ گرویدن عین تصدیق ہے۔ کیونکہ تصدیق جو حکم ہے۔ اذعان یعنی مان لینے سے مراد ہے۔ جس کو گرویدن سے تعبیر کرتے ہیں۔ اگر پوچھیں کہ اہل کتاب ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جب نبوت کے طور پر جانتے تھے۔ تو ضرور حکم بھی ان کی نبوت پر کرتے تھے اور اذعان اور گرویدن (مان لینا اور فرمانبردار ہونا) ان کو حاصل تھا۔ کیونکہ اس صورت میں حکم عین گرویدن ہے۔ پھر ایمان ان کے حق میں کیوں متحقق نہیں ہوتا اور کفر سے کیوں نہیں نکل سکتے۔ تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ گو نبوت کے طور پر جانتے تھے۔ لیکن تعصب و عناد کے باعث ان کے دلوں کو اذعان و یقین حاصل نہ ہوتا تھا۔ تاکہ نبوت کا حکم کرتے۔ ہاں معرفت و تصور تھا۔ لیکن اذعان حاصل نہ ہوا۔ تاکہ تصدیق ہو کر ایمان تک نوبت پہنچی اور کفر سے نکل آتے ہیں۔ یہ بہت ہی دقیق اور باریک فرق ہے اس کو غور سے سنیں اور اپنے وجدان سے سمجھیں۔ باوجود عناد اور دشمنی کے کہ سکتے ہیں۔ کہ نَبِيُّ اللّٰهِ فَعَلَ كَذَا (اللہ تعالیٰ کے نبی نے ایسا کام کیا) لیکن جب تک اذعان پیدا نہ ہو۔ تب تک نہیں کہہ سکتے۔ کہ اِنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ (وہ واقعی اللہ تعالیٰ کا نبی ہے) کیونکہ صورت اول میں تصور ہے اور معرفت

مشہورہ کا حوالہ ہے اور صورت دوم میں تصدیق ہے جو اذعان و گرویدن پر مبنی ہے۔ جب تک اذعان نہ ہو۔ تصدیق کس طرح متصور ہو سکتی ہے۔ نیز صورت اول میں نبوت کا ثابت کرنا مقصود ہے۔ جس کی تاب عناد و دشمنی نہیں لاسکتی اور اگر بالفرض اذعان کے حاصل ہونے کے بغیر تصدیق و حکم پیدا ہو جائے۔ تو وہ بھی تصورات میں داخل ہے اور تصدیق کی صورت ہے۔ جب تک اذعان حاصل نہ ہو۔ تب تک تصدیق کی حقیقت متصور نہیں ہوتی اور ایمان حاصل نہیں ہوتا۔ یہ مسئلہ مسائل کلام کے اصول اور ضروریات میں سے ہے اور بہت دقیق ہے۔ بڑے بڑے علماء اس کے حل کرنے میں عاجز ہیں ان میں سے بعض نے مجبوراً تیسرے رکن کو ایمان میں بڑھایا ہے اور گرویدن کو تصدیق پر زیادہ کیا ہے۔ بعض نے تصدیق کو عین گرویدن کہا ہے لیکن کما حقہ اس کو حل نہیں کیا اور مجمل طور پر ہی چھوڑ دیا ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ هَدَانَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیْ لَوْ لَا اَنْ هَدَانَا اللّٰہُ (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے ہم کو ہدایت دی اور اگر اللہ تعالیٰ ہم کو ہدایت نہ دیتا۔ تو ہم کبھی ہدایت نہ پاتے) واضح ہو کر مرکب اضافی جیسے کہ نبی اللہ اور مرکب توصیفی جیسے کہ ہَذَا النَّبِیُّ اگرچہ بَيَانُہٗ نَبِیِّ کے حکم پر مشتمل ہیں اور نبوت کے طور پر اس کی معرفت پر مضمّن ہیں۔ لیکن بَيَانُہٗ نَبِیِّ کی تصدیق کا حاصل ہونا اذعان پر موقوف ہے۔ جو ایمان کو ثابت کرتا ہے۔ غُلَامٌ زَبَدٌ فَعَلَ كَذَا (زید کے غلام نے ایسا کیا) اور رَجُلٌ صَالِحٌ حَكَمَ بِكَذَا (مرد صالح نے ایسا حکم کیا) دونوں اذعان کے بغیر ثابت و صحیح ہیں اور دونوں میں غلامیت اور صلاحیت کے طور پر معرفت ثابت ہے۔ لیکن اذعان نہیں ہے جس سے ہر ایک کی غلامیت اور صلاحیت کی تصدیق حاصل ہو اور اگر کہیں کہ تو نے قلب کے اذعان کے بعد نفس کا اذعان کہا ہے اور اذعان نفسی کو ایمان حقیقی سے تعبیر کیا ہے حالانکہ فلاسفہ اور معقول والوں نے تصدیق میں مطلق اذعان نفس کو لیا ہے اور اذعان قلب کی نسبت گفتگو نہیں کی۔ تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ معقول والے کبھی نفس سے روح مراد لیتے ہیں اور کبھی قلب۔ غرض ان کی فلسفی تدقیقات کا مقام اور ہے۔ جن میں سے اکثر لا طائل اور بیہودہ ہیں۔ اس جگہ وہ سب کی سب معطل و بیکار ہیں اور عوام کا حکم رکھتی ہیں۔ یہاں صوفیاء کی تحقیق و تدقیق کا موقع ہے جو ہر ایک لطیفہ کے احکام سے مجلس ہوتے ہیں اور سیر و سلوک کے ساتھ ہر ایک لطیفہ سے اوپر ترقی کرتے ہیں اور نفس کو قلب سے جدا کرتے ہیں روح کو سر سے اور خفی کو اخفی سے الگ کر دیتے ہیں۔ معقول والوں کو ان کے ناموں کی معرفت و پہچان کے سوا کچھ بھی حاصل نہیں۔ فلاسفہ نے نفس امارہ کو بڑی شے جانتا ہے اور اس کو مجردات سے شمار کیا ہے اور قلب و روح کا نام تک بھی نہیں لیا اور خفی و اخفی کا کچھ پتہ نہیں دیا۔ اِنَّ لِلّٰہِ سُبْحَانَهُ مَلٰئِکَۃً یُّسَوِّقُ الْاٰہِلَ اِلٰی الْاٰہِلِ (اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ ہے جو ہم جنس کو ہم جنس کی طرف لے جاتا ہے) اس کا

دوسرا جواب یہ ہے کہ معقول والوں نے عادی اور عرفی احکام پر نظر کر کے اذعان نفس کو جو ان کی سمجھ کے قریب ہے۔ ذکر کیا ہے۔ لیکن ہماری گفتگو احکام شرعیہ کی تصدیقات میں ہے۔ جن سے نفس کو ذاتی طور پر انکار ہے۔ پھر اذعان کیسے ہوگا۔ بلکہ یہ ایسا انکار ہے۔ جو منکر کو ان احکام کے صاحب کا دشمن بنا دیتا ہے۔ نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُورِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا (ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے نفسوں کی شرارتوں اور بد عملیوں سے پناہ مانگتے ہیں) اور حدیث قدسی میں آیا ہے۔ عَادِ نَفْسَكَ فَإِنَّهَا اِنْتَصَبَتْ بِمَعَادَاتِنِي (اپنے نفس کو دشمن جان کیونکہ وہ میری دشمنی پر اڑا ہوا ہے) ارحم الراحمین جل شانہ نے اپنی کمال مہربانی سے ابتدا حال میں اذعان نفس کو منظور نہ رکھا اور اذعان قلب پر نجات کو وابستہ کیا۔ پھر اگر حق تعالیٰ کے محض کرم سے اذعان نفس بھی میسر ہو جائے۔ تو نُورٌ عَلَى نُورٍ اور سُرُورٌ عَلَى سُرُورٍ اور درجات ولایت پر وصول اور حقیقت اور ایمان کا حصول ہے۔ آپ نے لکھا تھا کہ جواب فقیر کے فہم و دانش کے موافق لکھا جائے۔ تاکہ معلوم ہو سکے۔ کیا کیا جائے مسئلہ بہت دقت رکھتا ہے۔ اس کا حل بھی بغیر دقت کے مشکل ہے۔ بلکہ نفس حل دقت چاہتا ہے۔ عبارت کا کوئی گناہ نہیں۔ آپ کو چاہئے تھا۔ کہ پہلے اس بات کا فکر کرتے اور اس قسم کے پیچ دار اور معما سوال کا حل طلب نہ کرتے۔ فَلَا تَلُومُونِيْ وَلُومُوْا اَنْفُسَكُمْ (اب مجھے ملامت نہ کرو۔ بلکہ اپنے آپ کو ملامت کرو)

سوال دوم:- عابد اور زاہد ایمان حقیقی سے مشرف ہیں یا نہیں؟

جواب:- اگر مرتبہ مقربین تک پہنچ جائیں اور ان کے نفس مطمئنہ ہو جائیں۔ تو ایمان حقیقی سے مشرف ہو جاتے ہیں۔

سوال سوم:- معرفت اجمالی والے شخص کو جس کا منشاء کفر حقیقی ہے۔ کس معنی سے عارف کہہ سکتے ہیں۔

جواب:- اس عبارت کے معانی اچھی طرح معلوم نہیں ہوئے کہ کیا ہیں؟ کیا خوب! خود پیچیدہ اور مغلق عبارت لکھتے ہیں اور دوسروں کو منع کرتے ہیں۔ اگر اس عبارت سے آپ کا مقصود یہ ہے۔ کہ کافر طریقت کو کس اعتبار سے عارف کہہ سکتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ کافر طریقت نے بھی چونکہ خدا تعالیٰ کو واحد اور یگانہ پہچانا ہے اور اس کے ماسوا کو محو و لاشی کہا ہے اس لئے عارف ہے۔ لیکن مطلق عارف نہیں۔ کیونکہ تمیز سے نکل چکا ہے۔ جب تمیز میں آجائے تو عارف مطلق کہلاتا ہے اور ایمان حقیقی سے مشرف ہو جاتا ہے۔ والسلام

مکتوب ۹۲

اس سوال کے جواب میں کہ صوفیاء حق تعالیٰ کے کلام کو سنتے ہیں اور اس سے ہم

کلام ہوتے ہیں۔ فقیر محمد ہاشم کشمی کی طرف صادر فرمایا ہے:-

آپ نے پوچھا تھا کہ بعض عارفوں نے فرمایا ہے کہ ہم حق تعالیٰ کے کلام کو سنتے ہیں اور ہم اس کے ساتھ ہم کلام ہوتے ہیں۔ چنانچہ امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے۔ کہ انہوں نے فرمایا ہے کہ میں ایک آیت کو بار بار پڑھتا رہا۔ حتیٰ کہ میں نے اس کو اس کے متکلم سے سن لیا اور رسالہ غوثیہ سے بھی جو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کی طرف منسوب ہے۔ اسی طرح مفہوم ہوتا ہے۔ اس کے کیا معنی ہیں اور اس کی تحقیق کیا ہے۔

خدا تعالیٰ آپ کو ہدایت دے۔ جاننا چاہئے کہ حق تعالیٰ کا کلام بھی اس کی ذات و صفات کی طرح نیچوں ہے اور اس کلام نیچوں کا سننا بھی نیچوں ہے۔ کیونکہ چون کہ نیچوں کی طرف کوئی راستہ نہیں۔ وہ سننا سمع کی حس پر وابستہ نہیں ہے۔ کیونکہ وہ سراسر چون ہے۔ وہاں اگر بندہ سے استماع ہے۔ تو تلقی روحانی سے ہے جو نیچوں کی کا حصہ رکھتا ہے اور حروف و کلمات کے واسطے کے بغیر ہے اور اگر بندہ سے کلام ہے۔ تو وہ بھی القائے روحانی کے طور پر ہے۔ جو بغیر حروف و کلمات کے ہے اور یہ کلام نیچوں سے حصہ رکھتا ہے۔ جو نیچوں سنائی دیتا ہے۔ یا ہم یہ کہتے ہیں۔ کہ کلام لفظی جو بندہ سے صادر ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ اس کو بھی حروف و کلمات کے واسطے کے بغیر نیچوں کی سماعت سے استماع فرماتا ہے اور تقدیم و تاخیر کے بغیر سن لیتا ہے۔ اِذْ لَا يَجْرِي عَلَيْهِ تَعَالَى زَمَانٌ يَسَعُ فِيهِ التَّقْدِيمُ وَالتَّأْخِيرُ (کیونکہ حق تعالیٰ پر زمانہ کے احکام جاری نہیں ہو سکتے۔ تاکہ تقدیم و تاخیر کی گنجائش ہو) اور اس مقام میں اگر بندہ سے سماعت ہے۔ تو کلی طور پر سامع ہے اور اگر کلام ہے۔ تو کلی طور پر متکلم ہے۔ یعنی ہمہ تن کان اور ہمہ تن زبان ہے۔ روزیثاق میں ذات مخرجہ نے قول اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کو بالواسطہ اپنی اپنی کلیت کے طور پر سن لیا اور اپنی کلیت کے طور پر جواب میں ملی کہا یعنی ہمہ تن کان اور ہمہ تن زبان تھے۔ کیونکہ اگر کان زبان سے متمیز ہوتے تو سماعت و کلام نیچوں حاصل نہ ہوتے اور نیچوں کی ارتباط کے لائق نہ ہوتے۔ لَا يَحْمِلُ عَطَايَا الْمَلِكِ إِلَّا مَطَايَاهُ (بادشاہ کے عطیوں کو اسی کے اونٹ اٹھا سکتے ہیں) حاصل کلام یہ ہے کہ وہ معنی متعلق جو روحانیت کے طور پر اخذ کئے جاتے ہیں دوبارہ عالم خیال میں جو انسان میں عالم مثال کی تصویر ہے۔ حروف و کلمات مترتبہ کی صورت میں متمثل ہوتے ہیں اور وہ تلقی و القاء سماعت و کلام لفظی کی صورت میں مرسم و متعقش ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس عالم میں ہر ایک معنی کی ایک صورت ہے۔ اگرچہ وہ معنی نیچوں ہیں۔ لیکن وہاں نیچوں کا ارتسام اور انعکاش چون کی صورت پر ہے۔ جس پر فہم و افہام وابستہ ہے۔ جو اس ارتسام و انعکاش کا اصلی مقصود ہے۔ جب سالک متوسط اپنے آپ میں حروف و کلمات مترتبہ پاتا ہے اور کلام لفظی و سماعت محسوس کرتا ہے۔ تو خیال کرتا ہے کہ ان حروف و کلمات کو

اصل سے سنا ہے اور بلا تفاوت وہاں سے اخذ کیا ہے۔ نہیں جانتا کہ یہ حروف و کلمات اس معنی متعلق کی خیالی صورتیں ہیں اور یہ لفظی سماع و کلام بپتونی سماع و کلام کی تصویر ہے۔ عارف تامہ المعرفت ہونا چاہئے تاکہ ہر مرتبہ کے حکم کو جدا کر دے اور ایک کو دوسرے کے ساتھ نہ ملائے۔ پس ان بزرگواروں کا سماع و کلام جو مرتبہ بپتونی پر وابستہ ہے۔ تعلق اور القاء روحانی کی قسم سے ہے اور کلمات و حروف جن کے ساتھ اس معنی متعلق کی تعبیر کرتے ہیں۔ مثالی صورتوں کی قسم سے ہیں اور وہ لوگ جو یہ گمان کرتے ہیں۔ کہ ہم اس بارگاہ جل شانہ سے حروف و کلمات کے ساتھ استماع کرتے ہیں۔ دو فریق ہیں۔ جن میں ایک گروہ کے لوگ جن کا حال بہتر اور اچھا ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ حروف و کلمات حادثہ مسعودہ اس کلام نفسی قدیم پر دلالت کرنے والے ہیں اور دوسرے گروہ کے لوگ حق تعالیٰ کے کلام کے سماع پر قول کا اطلاق کرتے ہیں اور انہی حروف و کلمات مترتبہ کو حق تعالیٰ کا کلام جانتے ہیں اور اس بات میں کچھ فرق نہیں کرتے۔ کہ کونسا کلام حق تعالیٰ کی شان کے لائق ہے اور کونسا نہیں۔ وَهُمْ الْجُهَالُ الْبَطَالُ لَمْ يَعْرِفُوا مَا يَجُوزُ عَلَيْهِ وَلَا مَا لَا يَجُوزُ عَلَيْهِ (یہ لوگ جاہل و مکار ہیں۔ نہیں جانتے کہ کونسی چیز کا اطلاق اس پر جائز ہے اور کونسی چیز کا ناجائز ہے) سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ (یا اللہ تو پاک ہے ہم کو کوئی علم نہیں۔ مگر جس قدر کہ تو نے ہم کو سکھایا بیشک تو جاننے والا ہے) وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى خَيْرِ الْبَشَرِ وَآلِهِ وَأَصْحَابِهِ الْأَطْهَرِ (حضرت خیر البشر اور ان کے آل و اصحاب پاک پر صلوٰۃ و سلام)

مکتوب ۹۳

تعیین اول وجودی کی تحقیق اور حبیب و خلیل و کلیم علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مبادی تعینات کے درمیان فرق کے بیان میں حضرت مخدوم زاہد خواجہ محمد سعید کی طرف صادر فرمایا ہے:-

جو کچھ آخر کار میں فضل و کرم سے اس فقیر پر مکشوف کیا ہے۔ یہ ہے کہ حضرت ذات تعالیٰ کا تعین اول حضرت وجود کا تعین ہے۔ جو تمام اشیاء کو محیط ہے اور تمام اضداد کا جامع اور محض خیر اور بڑی برکت والا ہے۔ حتیٰ کہ اس طائفہ عالیہ کے اکثر مشائخ نے اس کو عین ذات کہا ہے اور ذات سبحانہ پر اس کی زیادتی کو منع کیا ہے۔ یہ تعین نہایت ہی دقت و لطافت والا ہے۔ کہ ہر ایک شخص کی آنکھ اس کو نہیں پا سکتی اور اصل سے جدا نہیں کر سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ یہ تعین اب تک پوشیدہ رہا اور متعین سے جدا نہ ہوا۔ بہت لوگ اسی کو خدا سمجھ کر اس کی پرستش کرتے رہے اور اس کے سوا کسی اور معبود و مطلوب کو طلب نہ کرتے رہے۔ آثار خارجی کا مبداء اسی کو جانتے رہے اور ہر روز و حوادث کا پیدا کرنے والا اسی کو سمجھتے

رہے۔ حق کی اس کے ماسوی سے یہ تمیز ایک دولت تھی جو اس مسکین کے لئے جمع تھی اور معبود حقیقی کے ساتھ غیر معبود کی مشارکت کی نفی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا پس خوردہ تھا۔ جو ان کے اس غلام کے لئے محفوظ تھا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ هَدَانَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیْ لَوْلَا اَنَّ هَدَانَا اللّٰہُ لَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے ہم کو ہدایت دی۔ اگر ہم کو وہ ہدایت نہ دیتا۔ تو ہم کبھی ہدایت نہ پاتے۔ بیشک ہمارے رب کے رسول سچے ہیں) فقیر پر ظاہر کیا گیا ہے کہ یہ تعین اول وجودی حضرت خلیل الرحمن علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا رب اور ان کا اور ان کی خلت کا مبداء تعین ہے او یہ بھی ظاہر کیا گیا ہے کہ اس تعین کا مرکز جو اس کے تمام اجزاء میں سے اشرف جزو ہے اور اصل کے ساتھ اقربیت کی نسبت زیادہ تر رکھتا ہے۔ حضرت حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رب اور ان کا اور ان کی محبت کا مبداء تعین ہے۔

سوال:- جب تعین اول حضرت خلیل کا رب ہوا۔ تو ہمارے پیغمبر نے کس لئے فرمایا ہے کہ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُورِدِیْ (سب سے اول خدا تعالیٰ نے میرے نور کو پیدا کیا)

جواب:- چونکہ دائرہ کامرکز دائرہ کے تمام اجزاء سے اسبق اور اول ہوتا ہے اور نیز جزو کل پر مقدم ہوتا ہے۔ اس لئے آنحضرت کا مبداء تعین جس کو حضور نے اپنے نور سے تعبیر فرمایا ہے۔ سب سے افضل اور اسبق ہوگا۔

دائرہ کامرکز دائرہ کا جزو ہے اور دائرہ اس کا کل ہے۔ لیکن یہ ایسا جزو ہے جس سے کل کے تمام اجزاء پیدا ہوئے ہیں۔ کیونکہ محیط دائرہ کے تمام اجزاء اس جزو کے خلال ہیں جو اس دائرہ کامرکز ہے۔ اگر یہ جزو نہ ہو۔ تو دائرہ کا نام و نشان ظاہر نہ ہو پس واضح ہوا کہ حضرت خلیل کا رب اور مبداء تعین تعین اول ہے اور تعین اول کا منشاء اور مبداء جو اس کامرکز اور اس کے تمام اجزاء میں سے اشرف جزو ہے۔ حضرت خاتم الرسل کا رب اور مبداء تعین ہے۔ پس سب سے اول و اسبق حضرت خاتم النبوت کی حقیقت ہے اور دوسروں کے ظہور کا منشاء و مبداء بھی یہی حقیقت ہے۔ اسی واسطے حدیث قدسی میں حضرت حبیب اللہ کی شان میں آیا ہے۔ لَوْلَاكَ لَمَّا خَلَقْتُ الْاَفْلَاقَ وَلَمَّا اَظْهَرْتُ الرُّبُوبِيَّةَ (اگر تو نہ ہوتا تو میں آسمانوں کو پیدا نہ کرتا اور اپنی ربوبیت کو ظاہر نہ کرتا) چونکہ حضرت خاتم الرسل کا مبداء تعین تعین اول (جو حضرت خلیل کا مبداء تعین ہے) کے دائرہ کامرکز ہے۔ اس لئے ولایت محمدی جس کا منشاء محبت ہے۔ ولایت خلیلی کامرکز ہے۔ جس کا منشاء خلت ہے اور ولایت خلیلی باوجود اولیت کے ولایت محمدی اور ذات تعالیٰ کے درمیان عاجز و حائل نہیں ہے کیونکہ دائرہ کامرکز دائرہ سے سبقت ذاتی رکھتا ہے۔ اس لئے خلف یعنی پچھلا سلف یعنی پہلے کا حائل نہیں بلکہ معاملہ برعکس ہے اس مرکز کی سبقت اور قرب کے لئے

دوسری وجہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی عنایت سے اس نقطہ مرکز میں جوں جوں دور جائیں اس نقطہ سے جو اس محبت کا حاصل ہے۔ محبت و محبوب متمیز ہو جاتے ہیں اور دائرہ کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ جس کا مرکز محبوبیت ہے اور اس کا محیط خصیت۔ یہ خصیت ولایت موسوی کا مبداء ہے اور محبوبیت ولایت محمدی کا مبداء پس یہ مرکز محبوبیت مرکز خصیت سے جو اس کا دائرہ ہوا ہے پیش قدم ہے اور حضرت ذات تعالیٰ کے بہت نزدیک ہے کیونکہ مرکز کیلئے وہ سبقت و قرب ہے جو دائرہ کے لئے نہیں۔ ایسے ہی اس مرکز کو محیط دائرہ کی نسبت بھی وہ سبقت و قرب حاصل ہے جو محیط کیلئے نہیں ہے۔ پس ولایت محمدی ولایت موسیٰ سے بھی اقرب و اسبق ہے ولایت محمدی کی سبقت و قرب کے لئے تیسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس مرکز محبوبیت میں جب دور تک جائیں تو یہ مرکز بھی دائرہ کی صورت پیدا کر لیتا ہے۔ جس کا مرکز محبوبیت صرف دکھائی دیتا ہے اور اس کا محیط خصیت سے ملی ہوئی محبوبیت ظاہر ہوتا ہے۔ جو آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تبعیت بلکہ ولایت موسوی کی تبعیت سے بھی جو محیط دائرہ کے ساتھ مناسبت رکھتی ہے۔ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے افراد امت میں سے کسی ایک فرد کو نصیب ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ولایت محمدی ہمیشہ کے لئے ہی مرکز ہے اور خصیت کا مبداء بھی اسی ولایت کے برکات سے ہے۔ جس کے ملنے سے مرکز ثانی دائرہ بنا ہے۔ جس سے ایک اور تیسرا مرکز پیدا ہوا ہے۔ جاننا چاہئے کہ یہ تیسری مرکزیت کام کو بہت آگے لے گئی اور نزدیک تر سے نزدیک تر بنادیا۔ ع

بر کریمیاں کا رہا دشوار نیست

ترجمہ ع کریموں پر نہیں مشکل کوئی کام

اس سے بڑھ کر دقائق و اسرار کیا ظاہر کئے جائیں اور تعین اول کے ماوراء کی نسبت اس سے زیادہ کیا کہا جائے۔ اگرچہ تعین اول کے ماوراء جو کچھ ہے ایک یاد و واسطہ سے اس کی جزو یا جزو کی جزو ہے۔ لیکن نظر تشفی میں کئی درجے تعین اول سے سبقت رکھتا ہے اور اس سے کئی مرتبے مطلوب کے نزدیک تر ہے۔

سوال :- جو کمال جزو کو میسر ہوتا ہے۔ وہ کل کو بھی میسر ہوتا ہے۔ کیونکہ کل اس جزو اور

دوسرے اجزاء سے مراد ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ سبقت و قرب جزو میں پیدا ہو اور کل میں نہ ہو۔

جواب :- جو کمال جزو میں بطریق اصالت پیدا ہوتا ہے۔ وہ کل میں جزو کی تبعیت اور وساطت کے طور پر ہوتا ہے نہ کہ اصالت کے طور پر اور شک نہیں کہ اصالت کو وہ سبقت ہے جو تبعیت کو نہیں اور اصل کو وہ قرب ہے جو فرع کو نہیں۔ پس اگر مرکز دائرہ اپنے کمالات مخصوصہ میں دائرہ سے آگے بڑھ جائے۔ تو ہو سکتا ہے۔ اس جواب کی تحقیق یہ ہے کہ جزو کا کمال کل میں اس وقت سرایت کرتا ہے۔ جبکہ وہ کمال اس جزو کی ماہیت اصلیہ سے پیدا ہوا ہو اور اگر جزو میں اس قسم کا کمال ہو۔ جو جزو کی ماہیت کے

بدلنے کے بعد پیدا ہوا ہو۔ تو پھر لازم نہیں کہ کل میں سرایت کرے۔ کیونکہ وہ جزو اپنی ماہیت کے بدل جانے کے بعد اس کل کا جزو نہیں رہا۔ تاکہ اس میں سرایت کرے۔ مثلاً چاندی جس کا ایک جزو اکسیر کے عمل سے سونا ہو جائے اور چاندی کی ماہیت سے سونے کی ماہیت میں بدل جائے۔ تو نہیں کہہ سکتے کہ اس جزو کا کمال سنہرا پن چاندی میں جو اس کا کل ہے سرایت کر جائے گا۔ کیونکہ وہ جزو ماہیت کے بدلنے کے بعد اس کا جزو نہیں رہا۔ تاکہ اس میں سرایت کرے۔ فَافْهَمْ وَقَسْ عَلَيْهِ مَعْرِفَةً مَا نَحْنُ فِيهِ (پس سمجھ اور مذکورہ بالا معرفت کو اسی پر قیاس کر لے)

سوال:- تعین اول وجودی کا وجود خارج میں ہے یا کہ صرف ثبوت علمی رکھتا ہے۔ ان دونوں قسموں سے ایک بھی درست نہیں۔ ان دونوں میں سے ہر ایک کی تردید ہو سکتی ہے کیونکہ ان بزرگواروں کے نزدیک خارج میں ایک ذات احد تعالیٰ کے سوا کچھ موجود نہیں ہے اور اس خارج میں تعینات و تنزلات کا کوئی نام و نشان نہیں اور اگر ثبوت عملی کہیں تو لازم آتا ہے۔ کہ تعین علمی اس سے سابق اور اول ہے اور یہ خلاف مقرر ہے۔

جواب:- میں کہتا ہوں کہ نفس امر میں ثابت ہے اور اس اعتبار سے کہ علم کے ماوراء میں اس کا ثبوت ہے۔ اگر اس کو ثبوت خارجی بھی کہہ دیں۔ تو بھی ہو سکتا ہے وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ اَلْمُتْلَمُّ لِلصَّوَابِ (اللہ تعالیٰ بہتری کا الہام کرنے والا ہے)

مکتوب ۹۴

کمال و جمال ذاتی اور اس سے فوق کے مرتبہ مقدسہ کے دقائق میں اور اس بیان میں کہ ان دونوں مرتبوں میں سے حضرت حبیب و خلیل و کلیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تعینات کا حصہ کیا ہے اور حضرت ایشاں قدس سرہ کے تعین کا بہرہ کونسا ہے۔ حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد معصوم سلمہ اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا ہے:-

حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ فی حد ذاتہ جمیل ہے اور ذاتی حسن و جمال اسی کے لئے ثابت ہے۔ یہ حسن و جمال وہ نہیں جو ہمیں مکشوف و مدرک ہو سکے یا ہمارے تعقل و تخیل میں آسکے اس کے علاوہ اس بارگاہ میں ایک اور اس قسم کا مرتبہ و مقدسہ ہے۔ جہاں تک یہ حسن و جمال باوجود نہایت عظمت و کبریا نہیں پہنچ سکتا اور اس کو حسن و جمال سے متصف نہیں کر سکتا۔ تعین اور ان کا پہلا قائل ہے لیکن اس مرتبہ اقدس میں جمال و کمال کی گنجائش نہیں۔ کیونکہ وہ مرتبہ نہایت عظمت و کبریا کے باعث کسی تعین کے ساتھ متعین نہیں ہو سکتا اور کسی آئینہ میں نہیں آ سکتا۔ ہاں اس مرتبہ اقدس کا ایک سرو نشان اس تعین اول کے مرکز دائرہ میں بطور امانت رکھا ہے اور اس بے نشان کا نشان اس میں پوشیدہ کیا ہے۔ یعنی جس

طرح تعین اول ولایت خلیلی کا منشاء ہے۔ وہ سرو نشان جو اس تعین کے مرکز دائرہ میں رکھا ہوا ہے۔ ولایت محمدی کا منشاء ہے۔ وہ ذاتی حسن و جمال جس کا ظل تعین اول ہے۔ صباحت سے مشابہت رکھتا ہے۔ جو عالم مجاز میں حسن رخسار اور جمال خال کی قسم سے ہے اور وہ سرو نشان جو مرکز میں امانت رکھا ہے۔ ملاحت کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے۔ جو درستی قد اور خوبی رخسار اور حسن چشم اور جمال خال کے ماسوا ایک ذوقی امر ہے۔ جب تک ذوق حاصل نہ ہو۔ اس کو نہیں پاسکتے۔ کوئی شاعر کہتا ہے۔ بیت

آں دارد آں نگار کہ آں ہست ہرچہ ہست

آں را طلب کنید حریفان کہ آں کجا است

ترجمہ بیت مرا معشوق رکھتا ہے وہ ہے جو کچھ کہ رکھتا ہے

اسے ڈھونڈو مرے یارو کہاں ہے کس جگہ وہ ہے

اس بیان سے ان دونوں ولایتوں کے درمیان فرق معلوم کر سکتے ہیں۔ اگرچہ دونوں حضرات ذات تعالیٰ کے قرب سے پیدا ہوتی ہیں۔ لیکن ایک کا مرجع ذات کے کمالات ہیں اور دوسرے کا معاد صرف ذات تعالیٰ۔ چونکہ ملاحت صباحت سے برتر ہے۔ اس لئے صباحت کے مراتب طے کرنے کے بعد ملاحت تک پہنچ سکتے ہیں۔ جب تک ولایت ابراہیمی کے تمام مقامات تک وصول میسر نہ ہو۔ ولایت محمدی کی بلندی تک نہیں پہنچ سکتے۔ ممکن ہے کہ اسی سبب سے حضرت خاتم الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملت کی متابعت پر مامور ہوئے ہوں تاکہ اس متابعت کے وسیلے سے اپنی ولایت کی حقیقت تک پہنچ جائیں اور اس سبب سے اپنی ولایت کی حقیقت کے ساتھ کہ جس کی تعبیر ملاحت سے کی گئی ہے۔ متحقق ہوں۔ چونکہ ہمارے حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ولایت خلت کے مرکز دائرہ کے ساتھ جو حضرت اجمال ذات کے بہت ہی قریب ہے۔ ذاتی مناسبت ہے اور محیط دائرہ کے ساتھ جو کمالات ذات کی تفصیل کی طرف توجہ رکھتا ہے۔ بہت ہی کم مناسبت ہے۔ اس لئے جب تک محیط دائرہ کے کمالات سے متحقق نہ ہوں ولایت خلت تمام نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ صلوات منطوقہ میں آیا ہے کَمَا صَلَّيْتُ عَلَىٰ اِبْرَاهِيمَ (جیسے کہ تو نے حضرت ابراہیم پر درود بھیجا ہے) تاکہ ولایت خلت کے تمام کمالات میسر ہو جائیں۔ جیسے کہ اس ولایت کے صاحب کو میسر ہوئے تھے۔ چونکہ ولایت محمدی کا مکان طبعی ولایت خلیلی کے مرکز دائرہ کا نقطہ ہے اور اس کا سیر بھی اس دائرہ کے سیر مرکزی تک محدود ہے۔ اس لئے وہاں سے نکلنا اور محیط دائرہ تک پہنچنا اور اس کے کمالات کا حاصل کرنا بہت مشکل ہے اور مقتضائے طبیعت کے برخلاف ہے۔ پس آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے افراد امت میں سے ایک متوسط ہونا چاہئے۔ جو آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تبعیت کے باعث اس مرکز

کے عین میں ہو اور دوسری طرف سے اس دائرہ کے محیط کے ساتھ مناسبت رکھتا ہو۔ تاکہ اس مرتبہ کے کمالات کو حاصل کرے اور اس مرتبہ کی حقیقت سے متحقق ہو اور اس کا پیغمبر متبوع بھی مَنْ سُنَّ سُنَّةَ حَسَنَةٍ فَلَهُ أَجْرُهَا وَأَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا (جس نے کوئی نیک سنت جاری کی۔ اس کے لئے اس کا اپنا اور اس پر عمل کرنے والوں کا اجر ہے) کے موافق اس فرد کے وصول کے ذریعے ان کمالات کے ساتھ متحقق ہو جائے اور ولایت خلیلی کے مراتب کو تمام کر لے اس معما کے سر کا بیان جو اس فقیر پر ظاہر کیا گیا ہے۔ یہ ہے کہ ولایت خلت کے مرکز دائرہ کا نقطہ جو خُصْبِیَّت کے باعث اس کے باقی تمام نقطوں سے ممتاز ہے۔ اگرچہ بسیط ہے۔ لیکن چونکہ خُصْبِیَّت کے اعتبار کے ساتھ محبوبیت کے اعتبار کو بھی متضمن ہے۔ اس لئے دائرہ کی صورت پیدا کر لیتا ہے۔ یعنی اس مرکز سے ایک اور دائرہ پیدا ہوتا ہے۔ جس کا محیط خُصْبِیَّت کا اعتبار ہے اور اس کا مرکز محبوبیت کا اعتبار۔ ولایت موسوی کا منشاء خُصْبِیَّت کا اعتبار ہے جو اس دائرہ کا محیط ہے اور ولایت محمدی کا منشاء محبوبیت کا اعتبار ہے جو اس دائرہ کا مرکز ہے۔ حقیقت محمدی کا حاصل ہونا اس جگہ تصور کرنا چاہئے۔ ہزار سال کے بعد دائرہ ثانی کے اس نقطہ مرکز نے بھی کہ جس سے حقیقت محمدی وابستہ ہے۔ وسعت پیدا کی اور دو اعتبار اس میں ظاہر ہو کر دائرہ کی طرح بن گیا۔ جس کا مرکز محبوبیت صرف ہے اور اس کا محیط خُصْبِیَّت سے ملی ہوئی محبوبیت ولایت احمدی کا منشاء اسی دائرہ کا مرکز ہے احمد آنحضرت کا دوسرا نام ہے جو آسمان والوں میں مشہور ہے۔ جیسے کہ علماء نے کہا ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت عیسیٰ نے جو اہل سموات میں سے ہوئے ہیں آنحضرت کے تشریف لانے کی خوشخبری اسم احمد سے دی ہے اور اسم مبارک کو ذات احد جل شانہ کے ساتھ بہت ہی تقرب حاصل ہے اور دوسرے اسم سے ایک درجہ حضرت ذات جل شانہ کے نزدیک تر ہے یہ اسم اسم مبارک احد سے ایک حلقہ میم سے جدا ہوا ہے۔ جو اس محبت کا مبداء ہے۔ جو تمام ظہور و اظہار کا باعث ہوئی ہے۔ نیز یہ میم جو اسم احمد میں مندرج ہے۔ قرآن کے حروف مقطعات میں سے ہے۔ جو سورتوں کے اول میں نازل ہوئے ہیں اور پوشیدہ اسرار میں سے ہیں۔ اس حرف مبارک میم کو آنحضرت کے ساتھ ایک خاص خصوصیت حاصل ہے۔ جو ان کی محبوبیت کا باعث ہوئی ہے اور ان کو سب پر برتری اور فوقیت دی ہے۔ اب ہم پھر اصل بات کو بیان کرتے اور کہتے ہیں۔ کہ اس دائرہ کا محیط جو خُصْبِیَّت سے ملی ہوئی محبوبیت سے مراد ہے۔ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے افراد امت میں سے اس فرد کی ولایت کا منشاء ہے۔ جو ولایت محمدی مرکزی کے حاصل ہونے کے باوجود محیط دائرہ کے ساتھ بھی مناسبت رکھتا ہو اور اس کے کمالات کو بھی حاصل کیا ہو ظاہر ہے۔ کہ یہ دوسری دولت اس کو ولایت موسوی سے حاصل ہوئی ہے۔ اور ان ہر دو ولایت عظمیٰ کے طفیل مرکز و محیط کے کمالات کا جامع ہوا ہے اور مقرر

ہے کہ جو کمال امت کو میسر ہوتا ہے۔ وہ کمال مَنْ سَنَّ سُنَّةَ حَسَنَةً کے موافق اس امت کے نبی کو بھی حاصل ہوتا ہے۔ پس آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس فرد کے وسیلے سے اس دائرہ کے کمالات بھی میسر ہوئے اور ولایت خلت آنحضرت کے حق میں بھی تمام ہوئی اور دعا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ ہزار سال کے بعد قبول ہوئی۔ ولایت خلت کے تمام ہونے کے بعد آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کاروبار اس سرو نشان کے ساتھ ہے جو مرکز میں امانت رکھا ہوا ہے۔ جس کو ملاحظہ سے تعبیر کیا گیا ہے اور اس فرد کو امت کی نگہبانی اور محافظت کے لئے اس مقام سے عالم کی طرف واپس لوٹا دیا ہے اور خود خلوت خانہ غیب الغیب میں محبوب کے ساتھ خلوت رکھی ہے۔ بیت

هٰنَا لَا رُبَّابِ النِّعَمِ نَعِيْمُهَا وَلِلْعَاشِقِ الْمُسْكِنِ مَا يَتَجَرَّعُ

ترجمہ بیت

مبارک منعموں کو اپنی نعمت مبارک عاشقوں کو درد و کلفت

جاننا چاہئے کہ تیسرے مرکز کا محیط اگرچہ تعین اول کے مرکز کے محیط کی نسبت بہت چھوٹا دکھائی دیتا ہے۔ لیکن اس سے زیادہ جامع ہے۔ کیونکہ جو چیز حضرت ذات جل شانہ کے نزدیک تر ہے۔ وہی زیادہ جامع ہے۔ اس کی چھوٹائی کو انسان کی چھوٹائی کی طرح جاننا چاہئے جو باوجود چھوٹا ہونے کے عالم کے تمام گروہوں سے زیادہ جامع ہے۔ نیز وہ شخص جو اس محیط کے کمالات سے متحقق ہوا ہے اور مرکز کے اجمال سے محیط کی تفصیل میں آیا۔ اس کی وہ بے مناسبتی جو محیط و تفصیل سے رکھتا تھا زائل ہوگی اور بے تکلف ایک تفصیل سے دوسری تفصیل میں نکل آیا ہے اور اس تفصیل کے کمالات کے ساتھ متحقق ہو گیا۔ واضح ہو کہ چونکہ نظام عالم باوجود کمال اقتدار کے حکمت پر وابستہ ہے۔ اس لئے محبوبوں کی تربیت کے لئے بھی اسباب کا ہونا ضروری ہے۔ اگرچہ اسباب صرف بہانہ اور قدرت کے روپوش ہی ہیں۔ لیکن سُنَّةَ اللّٰهِ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا (اللہ تعالیٰ کا طریق وہی ہے۔ جو پہلے گزر چکا اور تو اللہ تعالیٰ کے طریق کے لئے کوئی تبدیلی نہ پائے گا)

تنبیہ:- نبی اگرچہ بعض کمالات کو اپنی امت کے افراد میں سے ایک فرد کے واسطے سے حاصل کرتا ہے اور اس کے وسیلے سے بعض مقامات پر پہنچتا ہے۔ لیکن اس وجہ سے اس نبی کا نقص لازم نہیں آتا اور اس توسط کے باعث اس فرد کو اس نبی پر زیادتی حاصل نہیں ہوتی۔ کیونکہ اس فرد نے اس کمال کو اس نبی کی متابعت سے حاصل کیا ہے اور اسی کے طفیل اس دولت کو پایا ہے۔ گویا وہ کمال در حقیقت اس نبی کا کمال اور اسی کی متابعت کا نتیجہ ہے اور وہ فرد صرف ایک خادم کی طرح ہے۔ جو اسی کے خزانوں سے خرچ کر

کے نہایت فاخرہ اور بیش قیمت کپڑے تیار کر کے لاتا ہے۔ جو مخدوم کے حسن و جمال کو دو بالا کرتے ہیں اور اس کی عظمت و کبریا کو بڑھاتے ہیں۔ اس صورت میں مخدوم کا کیا نقص ہے اور خادم کو کونسی زیادتی حاصل ہے۔ ہاں ہمسروں سے مدد و اعانت لینا نقص کا موجب ہے۔ لیکن خادموں اور غلاموں سے امداد و اعانت لینا عین کمال اور جاہ و جلال کی زیادتی کا باعث ہے۔ کوئی ناقص اور بے سمجھ ہی ہو گا۔ جو ایک کو دوسرے سے ملائے اور نقص کا وہم کرے گا۔ بادشاہ اپنے خادموں اور لشکروں کی امداد سے ملک لیتے اور قلعے فتح کرتے ہیں اس امداد سے بادشاہوں کی عظمت و شان بڑھتی ہے خادموں اور لشکروں کو شرف عزت حاصل ہوتی ہے امت کے لوگ بھی انبیاء علیہم السلام کے خادم اور غلام ہیں۔ اگر ان سے ان بزرگواروں کو امداد پہنچے تو اس میں ان بزرگواروں کا کیا نقص ہے اور یہ جو کہتے ہیں کہ یہ بزرگوار ہر گز امداد کے محتاج نہیں ہیں اور کمال کے تمام مراتب ان کو بالفعل حاصل ہیں۔ یہ صریح مکابرہ اور ہیکڑ پن ہے کیونکہ یہ بزرگوار بھی حق تعالیٰ کے بندے ہیں اور ہمیشہ اس کے فضل و رحمت کے فیوض و برکات کے امیدوار اور ترقیات کے خواہاں ہیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ مَنْ اسْتَوَى يَوْمَهُ فَهُوَ مَغْبُونٌ (جس کے دو دن برابر ہیں وہ گھائے والا ہے) اور آنحضرت نے اپنی امت کو فرمایا ہے کہ سَلُّوْا لِيَ الْوَسِيْلَةَ (میرے لیے وسیلہ طلب کرو) صحاح کی حدیث میں آیا ہے۔ کہ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ يَسْتَفْتِحُ بِصَعَالِكَ الْمُهَاجِرِيْنَ یعنی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فقراء مہاجرین کے وسیلہ سے جنگوں میں فتح طلب کیا کرتے تھے۔ یہ طلب سراسر امداد و اعانت ہی ہے۔ وہ لوگ جو امتوں کی امداد و اعانت ان بزرگواروں کے حق میں تجویز نہیں کرتے اور ان بزرگواروں کو ان کی امداد و اعانت کا محتاج نہیں جانتے ان کی نظر ان کی بزرگی پر پڑی ہے اور ان کے درجات کی بلندی مد نظر ہے۔ ورنہ اگر ان کی نظر ان بزرگواروں کی عبودیت پر بھی پڑتی اور ان کی احتیاج جو ان کو اپنے مولا جل شانہ سے ہے۔ معلوم ہوتی۔ تو ہر گز امتیوں کی امداد سے انکار نہ کرتے اور خادموں اور غلاموں کی اعانت و امداد کو بعید نہ جانتے رَبَّنَا اَنْعِمْ لَنَا نُوْرًا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّكَ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (یا رب تو ہمارے نور کو کامل کر اور ہم کو بخش تو سب شے پر قادر ہے) وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی نَبِيِّنَا وَعَلٰی جَمِیْعِ الْاَنْبِیَاءِ وَعَلٰی الْمَلٰٓئِكَةِ الْکِرَامِ الْعِظَامِ

مکتوب ۹۵

ان اسرار کے بیان میں جو حضرت ایشاں مدظلہ العالی کی ولایت کے ساتھ مخصوص ہیں۔ مولانا محمد صالح کو لابی کی طرف صادر فرمایا ہے:-
اس فقیر کی ولایت اگرچہ ولایت محمدی اور ولایت موسوی کی تربیت یافتہ ہے اور ان دو بزرگواروں

کے طفیل نسبت محبوبی اور نسبت محبی سے مرکب ہے۔ کیونکہ محبوبوں کے رئیس حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور محبوبوں کے سردار حضرت موسیٰ کلیم اللہ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام۔ لیکن حضرت خاتم الرسل علیہ وعلیہم وعلیٰ کلِّ الِ الصَّلَوَاتِ وَالتَّسْلِيْمَاتِ کی متابعت کے باعث میری ولایت کے ساتھ اور ہی کاروبار متعلق ہے اور الگ ہی معاملہ اس پر وابستہ ہے۔ اگرچہ اس ولایت کا اصل اپنے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولایت ہے۔ جو ولایت محمدی ہے۔ جس کا منشاء بلا صالت محبوبیت صرف کی نسبت ہے۔ لیکن چونکہ ولایت موسیٰ کا اصل بھی جو بلا صالت نسبت صرف سے پیدا ہے۔ اس ولایت کے ساتھ مل گیا ہے۔ اس لئے اس کے رنگ سے بھی رنگین ہو کر اور ہی ہدایت پیدا کر لی ہے۔ بلکہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ ایک اور حقیقت بن گئی ہے اور علیحدہ ہی ثمرہ دیا ہے اور علیحدہ نتیجہ پیدا کیا ہے۔ کسی نے کیا اچھا کہا ہے۔ بیت

ازیں افیون کہ ساقی درمے افگند حریفان رانہ سرماند ونہ دستار

ترجمہ بیت

ملادی مے میں ساقی نے جو افیون حریفوں کی رہی سدھ بدھ نہ باقی

رَبَّنَا آتِنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً وَهَيِّءْ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا رَشَدًا (یا اللہ تو اپنے پاس سے ہم پر رحمت نازل فرما اور ہمارے کام سے بھلائی ہمارے نصیب کر) وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اتَّبَعَ الْهُدٰی (سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی)

فصل بالخیر

وہ کاروبار جو اس ولایت پر وابستہ ہے۔ اگر تھوڑا سا بھی ظاہر کیا جائے یا وہ معاملات جو ان دونوں ولائتوں کے متعلق ہیں۔ اگر اشارہ کے طور پر بھی ان کا کچھ بیان کیا جائے۔ تو قُطِعَ الْبَلْعُومُ وَذُبِحَ الْحَلْفُومُ (رگ بلعوم قطع کی جائے اور رگ حلقوم کاٹ دی جائے) یعنی قتل کر دیا جائے جب حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بعض ان علوم کے اظہار میں جو حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اخذ کئے تھے۔ قُطِعَ الْبَلْعُومُ کہا۔ تو پھر اوروں کی نسبت کیا کہنا ہے۔ یہ حق تعالیٰ کے پوشیدہ اسرار ہیں۔ جو اپنے ان خاص خواص بندوں پر ظاہر فرماتا ہے اور نامحرم کو ان کے گرد نہیں پھٹکنے دیتا۔ حضرت خاتم الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو رحمت عالمیان ہیں۔ کمال معرفت و قدرت سے ان اسرار کو حضرت ابوہریرہ وغیرہ کے سامنے بیان کیا اور ان میں سننے والوں کی قابلیت اور استعداد سمجھ کر ان بیش قیمت اور نایاب موتیوں کو ان پر تصدیق اور ایثار فرمایا ہے۔ لیکن مجھ جیسا بے سروسامان مفلس ان اسرار کے ذکر و اظہار سے ڈرتا اور خوف کرتا ہے اور باوجود اس خواری اور آوارگی کے ان بلند مطالب کے ساتھ کسی طرح اپنی

مناسبت نہیں پاتا۔ لیکن جانتا ہے کہ ع

بر کریمیاں کارہا دشوار نیست

ترجمہ ع کریموں پر نہیں مشکل کوئی کام

ہاں اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ایسا ہی ہونا چاہئے۔ یہ کرم ہمارے حق میں آج ہی سے نہیں ہے بلکہ اس دن سے ہے جبکہ ہماری مشیت خاک کو زمین سے لے کر اپنا خلیفہ بنایا ہے اور اپنا نائب بنا کر تمام اشیاء کا قیوم کیا اور اس کو بلا واسطہ تمام اشیاء کے نام سکھائے اور فرشتوں کو جو اس کے مکرّم و بزرگ بندے ہیں۔ اس کا شاگرد بنایا اور باوجود اس بزرگی کے اس کے آگے سجدہ کرنے کا حکم فرمایا اور ابلیس جو معلم ملکوت کے لقب سے ملقب تھا اور طاعت و عبادت میں بڑی اعلیٰ شان رکھتا تھا۔ جب اس نے سجدہ سے انکار کیا ہے اور اس کی تعظیم و توقیر بجانہ لایا۔ تو اس کو اپنی درگاہ معلیٰ سے دھتکار دیا اور ملعون و مردود کر دیا اور طعن و ملامت کا مستحق بنادیا اور اس مشیت خاک کو اس قدر ہمت و قدرت بخشی۔ کہ اس نے اس کی امانت کے بوجھ کو اٹھالیا جس کے اٹھانے سے زمین و آسمان اور پہاڑوں نے انکار کیا اور ڈر گئے اور نیز اس کو وہ قوت عطا فرمائی ہے۔ جس کے باعث اس نے باوجود اپنی چوں اور چگوں ہونے کے زمین و آسمان کے پیدا کرنے والے بیٹوں و بیچوں مولے کی رویت کی قابلیت پیدا کی۔ حالانکہ پہاڑ باوجود اس قدر سخت اور مضبوط ہونے کے حق تعالیٰ کی ایک ہی تجلے سے پارہ پارہ اور خاکستر ہو گیا۔ وہ خدائے قدیم الاحسان اور ارحم الراحمین اس بات پر قادر و توانا ہے۔ کہ مجھ جیسے پسماندہ کو سابقین کے درجات تک پہنچائے اور ان کے طفیل ان کی دولت کا شریک بنائے۔ بیت

اگر پادشہ بر در پیرزن . بیاید تو اے خواجہ سہل مکن

ترجمہ بیت

اگر بڑھیا کے در پر آئے سلطان تو اے خواجہ نہ ہر گز ہو پریشان

تنبیہ :- حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ ہمیشہ اپنی تنزیہ و تقدیس پر ہے اور حدوث کے صفات اور نقص کے نشانات سے منزہ اور مبرا ہے۔ اس درگاہ جل شانہ میں تغیر و تبدل کا دخل نہیں اور اس بارگاہ اعلیٰ میں اتصال و انفصال کی گنجائش نہیں۔ وہاں حالت و محلیت کا تجویز کرنا کفر ہے اور اتحاد و عینیت کا حکم کرنا عین الحاد و زندقہ ہے۔ حق تعالیٰ کے خاص بندے اس بارگاہ میں خواہ کتنا ہی قرب و وصل پیدا کریں۔ پھر بھی جسمانی قرب اور جوہر و عرض کے اتصال کی قسم سے نہیں ہو گا۔ وہاں قرب بھی بیچوں ہے اور وصل بھی بیچوں ان بزرگواروں کا کار و بار اس حضرت جل شانہ میں عالم بیچونی سے ہے اور عالم چون کو عالم بیچوں کے ساتھ وہ نسبت ہے۔ جو قطرہ کو دریائے محیط کے ساتھ ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ ممکن ہے اور یہ واجب نیز

عالم چون زمان و مکان کی تنگی میں محدود ہے اور عالم بپنوں اس تنگی سے آزاد اور زمان و مکان سے وراء الوراء ہے۔ ہاں عبارت و تعبیر کا میدان عالم چوں میں وسیع ہے اور عالم بپنوں میں تنگ و تاریک لُغْلُوهٍ مِنَ الْعِبَارَةِ وَبُعْدِهِ عَنِ الْإِشَارَةِ (کیونکہ وہ عبارت سے برتر و اشارہ سے بعید ہے)۔ یعنی کسی عبارت و اشارہ میں نہیں آسکتا۔ اس ارحم الراحمین نے اپنے خاص بندوں کو بپنوں کا حصہ دے کر عالم بپنوں میں داخل کیا ہے اور بپنوں کے معاملات سے مشرف فرمایا ہے۔ اگر بالفرض اس بپنوں کو چون کے ساتھ تعبیر کریں۔ تو اس سے بھی بعید تر ہے کہ بالغ لوگ نابالغوں کے آگے جماع کی لذت کو قند و شکر کی لذت سے تعبیر کریں۔ کیونکہ یہ دونوں لذتیں ایک ہی عالم چون سے ہیں۔ لیکر وہ تعبیر و معتبر دو مختلف اور متبائن عالموں سے ہیں۔ پس اگر کوئی بپنوں کو چون کے ساتھ تعبیر کرے اور بپنوں پر چوں کا حکم لگائے تو واقعی طعن و طرد و اور الحاد و زندقہ کے ساتھ متہم ہونے کا مستحق ہے۔ اس سے ثابت ہوا۔ کہ ان اسرار کا دقیق اور پوشیدہ ہونا عبارت کی تعبیر کی وجہ سے ہے۔ نہ کہ تحقق و حصول کی وجہ سے کیونکہ ان اسرار سے متحقق ہونا کمال ایمان ہے۔ لیکن بپنوں کو چون کی عبارات میں تعبیر کرنا عین کفر اور الحاد ہے۔ یہاں مَنْ عَرَفَ اللَّهَ كُلَّ لِسَانِهِ (جس نے اللہ تعالیٰ کو پہچانا اس کی زبان بند ہو گئی) پر عمل کرنا چاہئے رَبَّنَا أَنْتُمْ لَنَا نُورٌ نَا وَغَفِرْ لَنَا إِنَّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (یا اللہ تو ہمارے نور کو کامل کر اور ہم کو بخش تو تمام چیزوں پر قادر ہے) الْحَمْدُ لِلَّهِ أَوَّلًا وَآخِرًا وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِهِ دَائِمًا وَسَرْمَدًا (اول و آخر اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور ہمیشہ اس کے رسول پر صلوٰۃ و سلام ہو)

مکتوب ۹۶

ان اسرار کے بیان میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دونوں مبارک اسموں یعنی محمد و احمد کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ فقیر ہاشم کشمیری کی طرف صادر فرمایا ہے:-

ہمارے حضرت پیغمبر علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسلام دو اسموں سے مسمیٰ ہیں اور وہ دونوں اسم مبارک قرآن مجید میں مذکور ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ محمد رسول اللہ اور حضرت روح اللہ کی بشارت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے۔ اِسْمُهُ أَحْمَدُ۔ ان دونوں مبارک اسموں میں سے ہر ایک کی ولایت الگ الگ ہے۔ ولایت محمدی اگرچہ ان کے مقام محبوبیت سے پیدا ہے۔ لیکن محبوبیت صرف ثابت نہیں کیونکہ محسبیت کی آمیزش بھی رکھتی ہے۔ اگرچہ وہ آمیزش بالاصالت اس کے لئے ثابت نہیں لیکن مقام محبوبیت صرف کی مانع ہے اور ولایت احمدی محبوبیت صرف سے پیدا ہے جس میں محبت کی کوئی آمیزش نہیں یہ ولایت پہلی ولایت سے پیش قدم ہے اور ایک درجہ مطلوب کے نزدیک تر ہے اور محبت کو نہایت ہی مرغوب اور پسندیدہ ہے کیونکہ محبوب میں جس قدر محبوبیت زیادہ ہو اسی قدر اس کی استغنا اور بے

نیازی زیادہ ہوتی ہے اور محبت کی نظروں میں اسی قدر زیادہ خوب اور رعنا دکھائی دیتا ہے اور اسی قدر زیادہ محبت کو اپنی طرف کھینچتا اور اپنا دیوانہ و فریفتہ کرتا ہے۔ بیت

نہ تنہا آفتم زیبائے اوست بلائے من زنا پر وائے اوست

ترجمہ۔ بیت

نہیں آفت میری زیبائی اس کی بلائے جان ہے نا پر وائی اس کی
بلا سے مراد افراط عشق ہے جو عاشق کو مطلوب ہے سبحان اللہ! احمد ایک عجیب بزرگ اسم ہے جو کلمہ مقدسہ احد اور حلقہ حرف میم سے مرکب ہے جو عالم بیخون میں اللہ تعالیٰ کے پوشیدہ اسرار میں سے ہے۔ عالم چون میں گنجائش نہیں کہ اس پوشیدہ سر کو حلقہ میم کے سوائے تعبیر کر سکیں۔ اگر گنجائش ہوتی تو حق تعالیٰ اس سے تعبیر فرماتا احد احد ہے جس کا کوئی شریک نہیں اور حلقہ میم طوق عبودیت ہے جس نے بندہ کو مولیٰ سے متمیز کر دیا ہے۔ پس بندہ وہی حلقہ میم ہے اور احد اس کی تعظیم کے لئے آیا ہے جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیت و اختصاص کو ظاہر کیا ہے۔ بیت

چونام این است نام آور چہ باشد مکرم تر بود از ہر چہ باشد

ترجمہ۔ بیت

جب ایسا نام ہو پھر نام والا مکرم اور معزز سب سے ہوگا
ہزار سال کے بعد کہ اس قدر مدت کو امور عظام کے تغیر میں بڑی تاثیر ہے اس ولایت کا معاملہ اس ولایت تک پہنچ گیا اور ولایت محمدی ولایت احمدی سے مل گئی اور معاملہ عبودیت کے دو طوق سے ایک طوق کے متعلق ہوا یعنی محمد احمد بن گیا۔ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ السَّلَام۔ اس کا بیان یہ ہے کہ دو طوق عبودیت ان دو حلقہ میم سے مراد ہیں۔ جو اسم مبارک محمد میں مندرج ہیں ہو سکتا ہے کہ وہ دو طوق آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہر دو تعین سے مراد ہوں جن میں سے ایک تعین جسدی بشری ہے اور دوسرا تعین روحی ملکی۔ تعین جسدی میں اگرچہ موت کے لاحق ہونے کے باعث فنا ہو گیا تھا اور تعین روحی قوی ہو گیا تھا لیکن اس تعین کا اثر باقی رہا تھا۔ اس کے لئے ہزار سال کی ضرورت تھی تاکہ وہ اثر سے بھی زائل ہو جاتا اور اس تعین کا کوئی اثر نہ رہا تو ان دو طوق عبودیت میں سے ایک طوق ٹوٹ گیا اور زوال و فنا اس پر طاری ہوا اور الف الوہیت جس کو بقا باللہ کی مانند کہہ سکتے ہیں اس کی جگہ آ بیٹھا اور محمد احمد ہو گیا اور ولایت محمدی نے ولایت احمدی کی طرف انتقال فرمایا۔ پس محمد ﷺ دو تعین سے مراد ہے اور احمد صرف ایک ہی تعین ہے یہ اسم حضرت اطلاق کے بہت قریب ہے اور عالم سے دور تر ہے۔

سوال: وہ فنا و بقاء جو مشائخ نے مقرر کیا ہے اور ولایت کو اس پر وابستہ کیا ہے کس معنی سے ہے اور

یہ فنا و بقاء جو تعین محمدی میں کہا گیا ہے کس معنی سے ہے۔

جواب: وہ فنا و بقاء جس کے ساتھ ولایت و ابستہ ہے شہودی فنا و بقاء ہے کیونکہ اگر فنا و زوال ہے تو باعتبار نظر کے ہے اور اگر بقاء و ثبات ہے تو وہ بھی باعتبار نظر کے ہے اس جگہ صفات بشری صرف پوشیدہ ہو جاتی ہیں۔ زائل اور فانی نہیں ہوتیں لیکن یہ یقین ایسا نہیں ہے یہاں صفات بشری کے لئے زوال و جودی متحقق ہے اور جسد سے نکل کر روح کی طرف منتقل ہونا ثابت ہے اور بقاء کی جانب میں بھی اگرچہ بندہ حق نہیں ہو جاتا اور بندگی سے نہیں نکلتا لیکن حق کے بہت نزدیک ہو جاتا ہے اور معیت زیادہ تر پیدا کر لیتا ہے اور اپنے آپ سے دور تر ہو کر احکام بشری اس سے بالکل مسلوب ہو جاتے ہیں جانا چاہئے کہ اس عروج محمدی نے جو صفات بشری کے مٹنے ہونے پر وابستہ ہے۔ اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کار و بار کو بالاتر کر دیا اور نہایت ہی بلند درجہ تک پہنچا دیا اور غیر و غیریت کی کشاکش سے چھڑا دیا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امتوں پر معاملہ تنگ تر ہو گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایت کا نور جو بشریت کی مناسبت کے باعث تھا گھٹ گیا اور وہ توجہ جو اس پسماندوں کے حال پر رکھتے تھے کم ہو گئی اور کلی طور پر قبلہ حقیقی کی طرف متوجہ ہو گئی اس رعایا کا حال کیا ہو گا۔ جن کے حال پر بادشاہ نظر شفقت نہ فرمائے اور بالکل اپنے محبوب کی طرف متوجہ رہے۔ یہی باعث ہے کہ ہزار سال کے بعد کفر و بدعت کا اندھیرا غالب آ گیا ہے اور سنت و اسلام کا نور ماند ہو گیا ہے۔ رَبَّنَا آتِنَا نُورَنَا وَ اغْفِرْ لَنَا إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (یا اللہ تو ہمارے نور کو کامل کر اور ہمیں بخش تو تمام باتوں پر قادر ہے)۔

مکتوب ۹۷

عالم کے موہوم ہونے کے سر میں صوفی قربان جدید کی طرف صادر فرمایا ہے: صوفیہ نے جو عالم کو موہوم کہا ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ عالم محض وہم کا اختراع و تراش ہے کیونکہ یہ سونسطائی کم عقل کا مذہب ہے بلکہ موہوم اس اعتبار سے ہے کہ حق تعالیٰ کے خلق سے مرتبہ وہم میں مخلوق ہوا ہے اور اس مرتبہ میں حق تعالیٰ کی صنعت سے ثبوت و استقرار پیدا کیا ہے لیکن خیر و کمال جو اس میں ثابت ہے سب مرتبہ حضرت وجود تعالیٰ سے عاریت کے طور پر لیا گیا ہے اور اس مرتبہ مقدمہ کے کمالات کے ظلال میں سے ایک قفل ہے اور شر و نقص جو اس میں موجود ہے وہ عدم سے اس کو عاریت کے طور ملا ہے اور ان شر و نقصان کے ظلال میں سے ایک قفل ہے جو اس عدم میں کہ ہر شر و نقص کا مبداء و منشاء ہے پائے جاتے ہیں جب سالک اللہ تعالیٰ کی تربیت کے موافق ان امانتوں کو بالکل امانت والوں کے حوالہ کر دیتا ہے اور خیر و کمال اور شر و نقص کو ان کے اپنے اپنے مالکوں کو واپس دے

دیتا ہے تو اس وقت فنا کی دولت سے متحقق ہو جاتا ہے اور اس کا کوئی نام و نشان نہیں رہتا نہ اس میں خیر کا اثر رہتا ہے نہ شر کا ضرر۔ کیونکہ جو کچھ خیر و شر اس کو حاصل تھا۔ سب وجود و عدم کی طرف سے عاریت کے طور پر تھا اور اپنے باپ کے گھر سے کچھ نہیں لایا تھا۔ یہ سب ہنر اس میں صرف امانت کے طور پر تھے جب امانتوں کو امانت والوں کے حوالہ کر دیتا ہے تو مائی و منی کی زحمت سے چھوٹ جاتا ہے اور فنا و نیستی سے مل جاتا ہے۔

مکتوب ۹۸

حسن صوری یعنی ظاہری حسن سے بکثرت لذت پانے کے سر میں حاجی عبداللطیف خوارزمی کی طرف صادر فرمایا ہے:

خیر و کمال اور حسن و کمال جہاں کہیں کہ ہے وجود کا اثر ہے جو محض خیر ہے اور واجب الوجود جل شانہ کے ساتھ مخصوص ہے ممکن میں جس طرح وجود اس بارگاہ جل شانہ سے ظلیت کے طور پر منعکس ہوا ہے اسی طرح حسن و جمال بھی اسی مرتبہ مقدسہ سے ظلیت کے طور پر اس میں آیا ہے۔ ممکن کا ذاتی اس کے عدم ذاتی کے باعث محض شر اور سراسر قبح و نقص ہے لیکن یہ حسن و جمال جو ممکن میں مشہود ہوتا ہے اگرچہ وجود ہی سے آیا ہے لیکن چونکہ عدم کے آئینہ میں ظاہر ہوا ہے اس لئے آئینہ کارنگ پکڑ کر قبح و نقص حاصل کر چکا ہے اور ممکن جو ذاتی قبح و نقص رکھتا ہے اس حسن سے اس قدر حظ و لذت پاتا ہے جو حسن خالص یعنی اس حسن کے مبداء سے نہیں پاتا کیونکہ اس کے ساتھ اس کی مناسبت زیادہ تر ہے جس طرح خاکروب کو بدبودار چیزوں سے وہ لذت آتی ہے جو پاکیزہ اور خوشبودار چیزوں سے نہیں آتی۔ مشہور قصہ ہے کہ ایک خاکروب عطاروں کے محلہ سے گزرا جو نہی خوشبو اس کے دماغ میں پہنچی بیہوش ہو کر گر پڑا۔ ایک بزرگ بھی اسی راہ سے گزر رہا تھا جب اس معاملہ سے واقف ہوا فرمایا کہ اس کی ناک کے آگے نجاست لا کر رکھ دو تاکہ اس کی بدبو سے خوش ہو کر ہوش میں آجائے جب انہوں نے ایسا ہی کیا تو اس کو ہوش آگیا۔

مکتوب ۹۹

ان ظاہری باطنی نعمتوں کے شکریہ کے اظہار میں جو ماریاں النہر کے بزرگوں کی

برکات سے پہنچی ہیں سیادت مآب ارشاد پناہ میر مومن بلخی کی طرف صادر فرمایا ہے:

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کیلئے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) مَنْ لَمْ یَشْکُرِ النَّاسَ لَمْ یَشْکُرِ اللّٰهَ (جس نے بندوں کا شکر ادا نہ کیا اس نے گویا اللہ کا شکر بھی ادا نہ کیا) ماریاں النہر کے علماء و مشائخ شکر اللہ تعالیٰ سعیم کے حقوق ہم دور افتادہ پس ماندوں

بلکہ ہندوستان کے تمام مسلمانوں پر اس قدر ہیں کہ تحریر و تقریر میں نہیں آسکتے۔ اہل سنت و جماعت کے عقائد اور آراء صائبہ کے موافق اعتقاد کی درستی اور علماء حنفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مذہب کے بموجب عمل کی صحت انہی بزرگواروں کی تدقیقات و تحقیقات سے حاصل ہوئی ہے اور طریقہ عالیہ صوفیہ قدس سرہم کا سلوک بھی اس ملک میں اسی مکان شریف کی برکات سے میسر ہوا ہے اور مقامات جذبہ و سلوک و فنا و بقاء اور سیر الی اللہ و سیر فی اللہ جو مرتبہ ولایت خاصہ پر وابستہ ہیں ان کی تحقیق اسی مبارک جگہ کے بزرگواروں کے فیوض سے پہنچی ہے غرض ظاہر نے بھی وہیں سے اصلاح پائی ہے اور باطن نے بھی اسی جگہ سے فلاح و نجات حاصل کی ہے۔ بیت

شکر فیض تو چن چوں کنداے ابر بہار کہ اگر خار و اگر گل ہمہ پروردہ تست

ترجمہ۔ بیت

شکر تیرا باغ سے کیونکر ہواے ابر بہار سب تیرے پالے ہوئے ہیں خواہ گل خواہ خار
حَرَسَهَا اللَّهُ تَعَالَى وَ أَهْلُهَا مِنْ الْأَقَاتِ وَالْبَلِيَّاتِ بِحُرْمَةِ سَيِّدِ السَّادَاتِ عَلَيْهِ وَ عَلَى آلِهِ
الْصَّلَوَاتُ وَالسَّلَامَاتُ (اللہ تعالیٰ سید السادات علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل اس جگہ کو اور وہاں کے
رہنے والوں کو آفات و بلیات سے محفوظ رکھے) وہ یار جو، قنات و قناس بلند ملک سے اس پست ملک میں
آتے ہیں وہاں کے حضرات صاحب برکات کا لطف و کرم اور خاص کر ارشاد و ہدایت پناہ و افادت و
افاضت دستگاہ سلمہ اللہ تعالیٰ یعنی جناب کی شفقت و محبت اس حقیر کی نسبت ظاہر کرتے ہیں کہ وہ
شرافت کے نشان والے عالی جناب فقیر کے ساتھ حسن ظن رکھتے ہیں اور فقیر کے بعض ان علوم و
معارف کو جو لکھے گئے ہیں مطالعہ کرتے اور پسند فرماتے ہیں بزرگوں کی اس قسم کی بشارت زیادہ امید کا
باعث ہے اور بعض اذواق و مواجید کے لکھنے پر زیادہ زیادہ دلیر کرتی ہے چونکہ انہی دنوں میں از سر نو شیخ
ابوالکرام صوفی نے آکر آپ کے لطف و کرم کا اظہار کیا اور بڑی مہربانی فرمائی۔ اس لئے آپ کے کرم پر
بھروسہ کر کے یہ چند کلمے لکھ کر آپ کو تکلیف دی اور اپنی یاد آوری کی طرف آپ کو توجہ دلائی چونکہ
اس فقیر کے بعض مسودوں کی نقل برادر محمد ہاشم نے جو مخلص دوستوں میں سے ہے۔ صوفی مشارالہ
کے ہمراہ ارسال کر دی ہے اس لئے اسی پر کفایت کی گئی ہے اور اس طائفہ عالیہ کے علوم و معارف کی کوئی
بات اس خط میں درج نہیں کی جناب کی شفقت و عنایت سے امید ہے کہ خاص خاص وقتوں میں فقیر کو
سلامت خاتمہ کی دعائے خیر سے یاد فرماتے رہا کریں گے۔ رَبَّنَا آتِنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً وَ هِيَ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا
رَشْدًا (یا اللہ تو اپنے پاس سے ہم پر رحمت نازل فرما اور ہمارے کام سے بھلائی ہمارے نصیب کر)
حضرات عالی درجات یعنی شرافت و نجابت کی پناہ والے اور اہل اللہ کی جائے پناہ سید میرک شاہ بخاری اور

افادہ کے مرتبہ والے جہان کے علامہ جناب مولانا حسن اور شریعت کے ناصر اور ملت کے حافظ قاضی تو لک ادا اللہ برکاتہم کی خدمت میں اس فقیر کی فقیرانہ دعوت پہنچادیں اور فقیر زادوں کی طرف سے مخدوم زادوں کی خدمت میں سلام عرض کر کے دعا کی التماس کریں۔

مکتوب ۱۰۰

اس سر کے کشف میں کہ حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی گرفتاری کی وجہ کیا تھی اور بعض اسرار غریبہ اور علوم عجیبہ کے بیان میں شیخ نور الحق کی طرف صادر فرمایا ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کیلئے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) فضائل و کمالات کے پناہ والے برادر عزیزم شیخ نور الحق نے اس گرفتاری کی نسبت جو حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ تھی۔ بڑے شوق و اہتمام کے ساتھ دریافت کیا تھا اور فقیر کو بھی مدت سے اس امر کے انکشاف کا شوق تھا۔ جب آپ کا شوق اس شوق کے ساتھ مل گیا تو بے اختیار ہو کر ہمہ تن اس دقیقہ کے کشف کی طرف متوجہ ہو اور سرسری نظر میں ظاہر ہوا کہ حضرت یوسف علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی خلقت اور ان کا حسن و جمال اس عالم دنیا کے خلقت اور حسن و جمال کی قسم سے نہیں ہے اور یہ بھی ظاہر ہوا کہ ان کا جمال بہشتیوں کے جمال کی قسم سے ہے اور مشہود ہوا کہ باوجود اس جہان کے ان کا حسن صباحت حور و غلمان کے حسن کی مانند ہے اب اللہ تعالیٰ کے کرم و فضل سے جو کچھ مفصل طور پر اس بارہ میں فائض ہوا ہے تحریر کر کے ارسال کیا جاتا ہے۔ سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا (یا اللہ تو پاک ہے ہمیں کوئی علم نہیں۔ مگر جس قدر کہ تو نے ہم کو سکھایا) بیت

در پس آئینہ طوطی صفتم داشته اند آنچہ استاد ازل گفت ہماں میگویم

ترجمہ بیت

مجھ کو آئینے کے پیچھے مثل طوطی ہے رکھا کہتا ہوں جو کچھ کہ استاد ازل نے ہے کہا
سوال: یہ افراط محبت اور گرفتاری جو حضرت یعقوب علیہ السلام کو حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ تھی۔ کس سبب سے تھی حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بزرگ آباؤ اجداد علیہم الصلوٰۃ والسلام کے حق میں فرمایا ہے۔ اُولٰٓئِیْ الْاَیْدِیْ وَالْاَبْصَارِ (ہاتھوں اور آنکھوں والے یعنی توانا اور دانا) نیز ان کے آباء کرام کے شان میں فرماتا ہے۔ اِنَّا اَخْلَصْنَا ہُمْ بِخَالِصَۃٍ ذِکْرِی الدَّارِ وَ اِنَّہُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفٰییْنَ الْاَخِیَارِ (ہم نے ان کو دار آخرت کی یاد کے لئے چن لیا اور وہ ہمارے نزدیک برگزیدہ اور

بہتر لوگوں میں سے ہیں) پس حق تعالیٰ کے ماسوا کی گرفتاری اُولٰٓئِی الْاَیْدِیْ وَالْاَبْصَارِ انبیاء کے شان کے کیا مناسب ہے اور برگزیدہ مخلصوں کو مخلوق کے ساتھ کیسے تعلق ہو سکتا ہے کوئی یہ نہ کہے کہ یہ حق تعالیٰ کے ماسوا کی گرفتاری نہیں کیونکہ مخلوق حق تعالیٰ کے حسن و جمال کا آئینہ ہے جیسے کہ صوفیہ نے کہا ہے اور کثرت کے آئینہ میں وحدت کا شہود تجویز کیا ہے اور رویت آخرت کے سوا اس جہان میں ممکنات کی صورتوں کے مظہروں اور آئینوں میں مشاہدہ و مکاشفہ ثابت کیا ہے اس لئے کہ اس قسم کے کشف و شہود جو سالکان صوفیاء کو توحید کے غلبوں کے وقت اس جہان فانی میں حاصل ہوتے ہیں عجب نہیں کہ انبیاء کے امتوں میں سے خواص لوگوں کو ان سے انکار ہو اور یہ لوگ اس مکشوف و مشہود سے تنزہ اور پرہیز کریں جب اصل معاملہ اس طرح ہے تو پھر انبیاء برگزیدہ کے حق میں اس قسم کے احوال کا ثبوت کس احتمال پر ہے بلکہ اس امر کا ان بزرگواروں کے حق میں عین وبال ہے۔

جواب: اس سوال کی بنا پر ایک مقدمہ ہے اور وہ یہ ہے کہ آخرت کا حسن و جمال اور وہاں کی لذتیں اور نعمتیں دنیا کے حسن و جمال اور یہاں کی لذتوں و نعمتوں کی مانند نہیں ہیں کیونکہ وہ حسن و جمال خیر در خیر ہے اور وہ لذت و نعمت حق تعالیٰ کو مقبول اور پسندیدہ ہے اور یہ حسن و جمال سر اسر شر و نقص ہے اور یہ لذت و نعمت نامقبول و ناپسند ہے اسی واسطے دار آخرت دار رضا ہے اور دار دنیا مولیٰ جل شانہ کے غضب کا مقام۔

سوال: جب ممکن میں حسن و جمال مرتبہ حضرت وجود تعالیٰ سے عاریت کے طور پر آیا ہے اور ممکن اس مرتبہ کا مظہر اور آئینہ ہے کیونکہ ممکن اپنی کوئی چیز نہیں رکھتا سب کچھ حضرت وجود تعالیٰ سے عاریت کے طور پر رکھتا ہے تو پھر ان دونوں مقامات میں کیوں فرق ہے اور کیوں ایک مقبول اور پسندیدہ ہے اور دوسرا نامقبول اور ناپسند۔

جواب: چند مقدموں پر مبنی ہے مقدمہ اول یہ کہ عالم سب کا سب واجب تعالیٰ کے اسماء و صفات کا جلوہ گاہ اور مظہر اور حق تعالیٰ کے اسمائی و صفاتی کمالات کا آئینہ ہے مقدمہ دوم یہ کہ واجب تعالیٰ کی صفات اگرچہ دائرہ وجوب میں داخل ہیں لیکن چونکہ وجود قیام میں حضرت ذات تعالیٰ کی محتاج ہیں اس لئے امکان ان میں ثابت ہے اور وجوب ذاتی ان کے حق میں غیر ثابت ہے کیونکہ ان کا وجوب خود بخود نہیں بلکہ ذات واجب تعالیٰ کے ساتھ ہے اگرچہ ان کو غیر ذات نہیں کہتے لیکن غیریت سے چارہ نہیں رکھتے کیونکہ دوئی ان کے درمیان ثابت ہے وَالْاَشْیَاءُ مُتَغَايِرَاتٌ (دو چیزیں ایک دوسرے کی متغائر ہوتی ہیں) معقول والوں کے نزدیک قضیہ مقررہ ہے لیکن ان کے حق میں امکان کا اطلاق نہ کرنا چاہئے کہ اس سے حدوث کا وہم گزرتا ہے کیونکہ جو ممکن ہے وہ حادث ہے وجوب بالغیر بھی اس مقام میں تجویز نہ کرنا

چاہئے کہ حضرت ذات تعالیٰ سے ان کا الگ ہونا مفہوم ہوتا ہے تیسرا مقدمہ یہ ہے کہ جہاں امکان کی بو پائی جاتی ہے وہاں فی حد ذاتہ عدم کی بھی گنجائش ہے۔ اگرچہ اس عدم کا حاصل ہونا محال ہے لیکن وہ محال ہونا اس کے نفس سے پیدا نہیں ہوا بلکہ دوسری جگہ سے آیا ہے چوتھا مقدمہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے اسماء و صفات کے لئے جس طرح ان کے وجود کی جانب میں حسن و جمال ثابت ہے ان کے احتمال عدم کی جانب میں بھی حسن و جمال ثابت ہے۔ گو یہ حسن و جمال مرتبہ وہم و حس میں ثابت ہو جو عدم کے مناسب ہے اور اگرچہ ہمسایہ سے عاریت کے طور پر لیا ہو کیونکہ عدم فی حد ذاتہ شرف و قبح کے سوا کچھ نصیب نہیں رکھتا وہ وجود ہی ہے۔ جو سراسر خیر و کمال اور بہتہ حسن و جمال ہے۔ واضح ہو کہ یہ حسن و جمال جو عدم میں نمایاں ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے حظل یعنی اندرائن کو شکر سے غلامی کر کے شیریں دکھلائیں۔ پانچواں مقدمہ یہ ہے کہ نظر کشفی میں ظاہر ہوا ہے کہ جہان آخرت میں ممکن کی جانب وجود کو ترجیح دیکر صفات کے اس حسن و جمال کا مظہر بنائیں گی۔ جو ان کے وجود کی جانب میں ثابت ہے جب یہ پانچوں مقدمے معلوم ہو گئے اور دنیا کے حسن و جمال اور آخرت کے حسن و جمال کے درمیان فرق ظاہر ہو گیا اور ایک کی برائی اور دوسرے کی خوبی واضح ہو گئی اور ایک کا پسندیدہ اور دوسرے کا ناپسندیدہ ہونا معلوم ہو چکا۔ تو ان تحقیقات سے اس سوال کا حل بھی ہو گیا اور اس مقدمہ کی توضیح بھی ہو گئی جس پر سوال مبنی تھا۔ اب میں سوال اول کا جواب کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے کشف صریح کے ساتھ معلوم ہوا ہے کہ حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وجود اگرچہ اس جہان میں پیدا ہوا ہے لیکن اس جہان کے تمام موجودات کے برخلاف ان کا وجود عالم آخرت سے ہے اور ان کے وجود کی جانب کو ترجیح دیکر اس حسن و جمال کا مظہر بنایا ہے جو اسماء و صفات کے وجود سے تعلق رکھتا ہے اور عدمیت کی آمیزش کو جو ان کے نفس یا اصل سے تعلق رکھتی ہے مٹھنی کیا ہے اور عدم کی علت سے کہ ہر قبح و نقص کا منشاء ہے اور ان کو اور ان کے اصل کو پاک کیا ہے اور نور وجود کے غلبہ کے سوا جو بہشتیوں کے نصیب ہے ان میں کچھ نہیں چھوڑا۔ اسی واسطے ان کے حسن و جمال گرفتاری بہشت و بہشتیوں کے حسن و جمال کی طرح محمود اور پسندیدہ اور کاملوں کے نصیب ہوئی ہے اور محبت جس قدر زیادہ کامل ہو گا اسی قدر آخرت کے حسن و جمال کا زیادہ تر گرفتار ہو گا اور اسی قدر حق تعالیٰ کی رضا مندی میں اس کا قدم بڑھ کر ہو گا کیونکہ آخرت کی گرفتاری آخرت کے صاحب یعنی حق تعالیٰ کی عین گرفتاری ہے اس لئے کہ عالم آخرت حق تعالیٰ کی حکمت کا طلسم ہے اور رداء کبریا کی طرح پردگی کا روپوش نہیں ہے۔ وَاللّٰهُ يَذْعُوْا اِلٰی ذَا السَّلَامِ (اللہ تعالیٰ دار السلام کی طرف بلاتا ہے) نص قاطع ہے اور وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ (اللہ تعالیٰ آخرت چاہتا ہے) اس مطلب پر حجت واضح ہے جن لوگوں نے آخرت کی گرفتاری کو دنیا کی گرفتاری کی

طرح مذموم جانا ہے اور اس کو حق تعالیٰ کی گرفتاری کے سوا سمجھا ہے انہوں نے آخرت کی حقیقت کو پورے طور پر نہیں جانا اور باوجود فرق ظاہر کے حاضر پر غائب کا قیاس کیا ہے رابعہ بیچاری اگر بہشت کی حقیقت کو پورے طور پر جانتی تو اس کے جلانے کا فکر نہ کرتی اور اس کی گرفتاری کو حق تعالیٰ کی گرفتاری کے سوا نہ جانتی کسی اور نے کہا ہے کہ آیت کریمہ مِنْكُمْ مَنْ يُرِيدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَنْ يُرِيدُ الْآخِرَةَ (کوئی تم میں سے دنیا چاہتا ہے اور کوئی آخرت) میں فریقین کی شکایت ہے حق تعالیٰ اس شخص کو انصاف دے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ حق تعالیٰ بہشت کی طرف دعوت فرمائے اور دعوت کے بعد جو شخص قبول کر لے پھر اس کی شکایت کرے اگر اس مقام مقدس کی گرفتاری بری ہوتی یا برائی کی آمیزش رکھتی تو بہشت رضا کا گھر نہ ہوتا اور رضا جو مراتب قبول میں سے نہایت مرتبہ ہے وہ بھی دنیا کی طرح مغضوب یعنی غضب کا موجب ہوتی۔ غضب کا سبب اور ذم کا باعث عدم ہے جو ہر فتح و نقص کی جزا اور دنیا کا نصیب اور اس کی لعنت کا سبب ہے جب عدم کی کوئی چیز اس میں حاصل نہ ہوئی تو ذم و فتح کی آمیزش دور ہو گئی اور رضا مندی اور نامقبولی و دشمنوں کے نصیب ہوئی اور رضا و قبول اور وجود نور اور وصل و وصول اور راحت و سرور کے سوا کچھ نہ رہا۔ حضرت مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ تسبیح و تحمید و تہلیل سے بہشت میں درخت لگاؤ۔ یعنی سبحان اللہ کہو اور درخت لگاؤ یعنی وہ تنزیہ جو یہاں ان حروف و کلمات کے لباس میں ظاہر ہوئی ہے وہاں ایک درخت کی صورت میں متمثل ہوگی جس کی گرفتاری اور لذت معنی تنزیہی کی عین گرفتاری اور لذت ہے۔ علیٰ ہذا القیاس صوفیاء نے جو دقائق و اسرار توحید و اتحاد میں فرمائے ہیں اور اس جہان کے مظاہر جمیلہ پر لا کر عشق کی باتیں کی ہیں اور ان کے ضمن میں مشہود و مشاہدہ ثابت کیا ہے اور ان کے حسن و جمال کو مولیٰ جل شانہ کا حسن و جمال سمجھا ہے چنانچہ ایک کہتا ہے۔ دُقْتُكَ فِي كُلِّ طَعَامٍ لَذِيذٍ (میں نے تجھے ہر طعام لذیذ میں چکھا ہے) دوسرا اس طرح کہتا ہے۔ بیت

امروز چوں جمال تو بے پردہ ظاہر است

در حیرتم کہ وعدہ فردا برائے چیست

ترجمہ بیت

بے پردہ جب ہے آج ترے حسن کا ظہور

پھر اس کا وعدہ کل پر کرنا تھا کیا ضرور

تیسرا یوں بولتا ہے۔ بیت

عاطشاں گرد در قدح آبے خورند در دروں آب حق را ناظر اند

ترجمہ بیت

پیاسے گریں کا سرہ میں پانی نظر آتا ہے پانی میں خدا ہی

اس جہان میں اس قسم کی باتوں کا صادق آنا اس فقیر کے فہم و دریافت سے دور ہے فقیر اس جہان میں اس قسم کی نازک باتوں کے اٹھانے کی طاقت معلوم نہیں کرتا اور اس کو اس قسم کی دولت کے قبول کرنے کے قابل نہیں جانتا۔ اگر اس جہان میں یہ طاقت و قابلیت ہوتی تو مولیٰ جل شانہ کے غضب کا محل نہ ہوتا اور حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام الدُّنْيَا مَلْعُونَةٌ (دنیا پر لعنت ہے) نہ فرماتے۔ وہ بہشت ہی ہے جو ان کرامات کے لائق اور ان مقامات کے قابل ہے اور دُفُنُكَ فِیْ كُلِّ طَعَامٍ لَّدُنْیَ طَعَامٌ بِہِشْتِیْ میں صادق آتا ہے۔ نہ طعام دنیاوی میں کہ جس کے ساتھ عدم کا زہر آب ملا ہوا ہے اسی واسطے اس کا اختیار کرنا پسندیدہ نہیں۔ فقیر کے نزدیک ہر شخص کا بہشت اس اسم الہی جل شانہ کے ظہور سے مراد ہے جو اس شخص کا مبداء تعین ہے اور اس اسم نے اشجار و انہار اور حور و قصور اور ولدان و غلمان کی صورت اور لباس میں ظہور فرمایا ہے جس طرح اسماء الہی جل شانہ میں بلندی اور پستی اور جامعیت اور عدم جامعیت کے اعتبار سے فرق ہے۔ اسی طرح جنّتوں میں بھی ان کے اندازہ کے موافق فرق ہے۔ اگر اس ظہور کے ضمن میں شہود و مشاہدہ ثابت کیا جائے تو بہتر اور زیبا ہے اور شے کا اپنی مناسب جگہ میں استعمال کرنا ہے لیکن اس موضع کے سوا اس قسم کی باتوں کا اطلاق کرنا جرات ہے اور شے کو نامناسب جگہ پر استعمال کرنا ہے اس میں کچھ شک نہیں کہ صوفیاء نے فرط محبت اور کمال اشتیاق سے جو مطلوب کے ساتھ رکھتے ہیں جس قدر مطلوب کی خوشبو ان کی جان کے دماغ میں پہنچتی ہے غنیمت جانا ہے اور اس سکر اور غلبہ محبت کو عین مطلوب و مقصود سمجھا ہے اور اس قسم کی عشق بازیوں جو نفس مطلوب کے ساتھ ہونی چاہئیں اختیار کر کے حظ و لذت حاصل کی ہے اور مشاہدہ و مکاشفہ ثابت کیا ہے چنانچہ ایک بزرگ کہتا ہے۔ بیت

سوئے تواز جابر جہم مست و بخود زہر سو کہ آواز پائے بر آید

ترجمہ بیت

کہیں سے پاؤں کی آہٹ کو میں جس وقت پاتا ہوں

تو بخود مست دیوانہ تری جانب کو آتا ہوں

ہاں اس قسم کے معاملات عاشقی اور محبت کی بے آرامی میں جائز و پسندیدہ ہیں چونکہ یہ سب باتیں خدا تعالیٰ کے واسطے اور بے مثل مطلوب کے شوق دیدار کے لئے ہیں اس لئے ان کی خطا صواب کا حکم رکھتی ہے اور ان کا سکر صحو کا حکم۔ حدیث میں آیا ہے۔ سَبِّحْ بَلَّالَ عِنْدَ اللّٰہِ شَیْنٌ (بلال کا سین اللہ تعالیٰ کے نزدیک شین ہے)

براشہد تو خندہ زند اسہد بلال

ترجمہ: اشہد پہ تیرے ہنسا ہے اسہد بلال کا

جاننا چاہئے کہ اس فقیر کا مکشوف یہ ہے کہ بہشت میں ہر ایک بہشتی شخص کی رویت بھی اسی اسم الہی جل شانہ کے اندازہ کے موافق ہوگی جو اس کا مبداء تعین و تشخیص ہے اور بہشتی درختوں، نہروں اور حور و غلمان کے لباس میں ظاہر ہوا ہے اس طرح پر کہ کچھ مدت کے بعد حق تعالیٰ کے کرم سے یہ درخت و نہریں وغیرہ جو اس اسم مقدس کے مظہر ہیں تھوڑی دیر کے لئے عینک کا حکم پیدا کر لینگے اور اس شخص کے لئے رویت غیر متکلیفہ کی دولت کا وسیلہ ہو جائینگے اور پھر اصلی حالت میں آجائیں گے اور اس کو اپنے ساتھ مشغول رکھیں گے۔ جس طرح کہ تجلی ذاتی برقی ہے جس کو صوفیاء نے اس جہان میں ثابت کیا ہے۔ کہ حضرت ذات تعالیٰ کی تجلی اس دولت کے مستعدوں کے لئے ہمیشہ اسماء و صفات کے پردہ میں ہوتی ہے اور کچھ مدت کے بعد تھوڑی دیر کے لئے ان اسماء و صفات کے حجاب دور ہو جاتے ہیں اور حضرت ذات تعالیٰ اسماء و صفات کے پردہ کے بغیر متجلی ہوتی ہے۔ چونکہ وہ اسم الہی جل شانہ حضرت ذات تعالیٰ کے اعتبارات میں سے ایک اعتبار ہے۔ اس لئے ہر ایک شخص کی رویت بھی اسی اعتبار ذاتی کے متعلق ہوگی۔ جو اس شخص کا رب ہے اس مضمون سے کوئی شخص ذات تعالیٰ کے بعض و تجزی یعنی بعض بعض اور جزو جزو ہونے کا وہم نہ کرے۔ کیونکہ ذات جل شانہ تمامہ وہ اعتبار ہے۔ یہ نہیں کہ ذات کا بعض حصہ وہ اعتبار ہے اور بعض حصہ کوئی دوسرا اعتبار۔ کیونکہ یہ نقص و حدوث کی علامت ہے۔ تَعَالٰی اللّٰهُ سُبْحَانَهُ عَنْ ذٰلِكَ (اللہ تعالیٰ ان باتوں سے پاک و برتر ہے) اور اگرچہ ہر ایک اعتبار سراسر ذات ہے۔ لیکن مرئی وہی اعتبار ہے۔ نہ دوسرے اعتبارات لَا تَذَرُكُهُ الْاَبْصَارُ (آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں) کا سراسر اس جگہ طلب کرنا چاہئے۔

سوال:- جب اعتبارات میں کوئی تمیز نہیں اور ہر ایک عین ذات ہے۔ تو پھر رویت کو تمام

اعتبارات میں سے ایک اعتبار کے متعلق کرنا کس لئے ہے۔

جواب:- یہ اعتبارات اگرچہ عین ذات ہیں۔ بلکہ ایک دوسرے کے بھی عین ہیں اور وہ تمیز و امتیاز چونی جو عالم چون کے گرفتاروں کے نزدیک معتبر ہے۔ نہیں رکھتے لیکن ان کے درمیان امتیاز بپتونی ثابت ہے اور وہ صاحب نصیب لوگ جو عالم چون سے بپتون طور پر عالم بپتون کے ساتھ جا ملے ہیں۔ ان پر یہ امتیاز بپتونی واضح ہے اور اس کو گوش و چشم کے امتیاز کی مانند معلوم کرتے ہیں۔ ہاں وہ صاحب دولت جس کا مبداء تعین اعتدال کے طور پر اسم جامع ہوتا ہے۔ اس کو مجمل طور پر درجات کے تفاوت کے بموجب ذات تعالیٰ کے تمام اعتبارات سے حصہ حاصل ہوتا ہے اور اس کی رویت ان سب کے متعلق

ہوتی ہے لیکن چونکہ جامعیت اجمال کی تنگی جو اس کا نصیب ہے۔ ہر وقت اس کو دامنگیر ہوتی ہے اس لئے درک و احاطہ اس کے حق میں بھی مفقود ہوتا ہے۔ اور آیت کریمہ لَا تُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ صادق آتا ہے۔ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰہِ حَدِیثًا (اللہ تعالیٰ سے زیادہ سچے کلام والا کون ہے) جاننا چاہئے کہ جب اللہ تعالیٰ بندے کو اپنے کرم کے ساتھ مخصوص کر کے فناء اتم کی دولت سے مشرف فرماتا ہے اور عدم کی قید سے کہ اس کی ماہیت تھی خلاص کرتا ہے اور اس کا عین و اثرباقی نہیں چھوڑتا۔ تو اس فناء کے بعد اس کو ایک وجود بخشا ہے۔ جو عالم آخرت کے وجود کی مانند ہوتا ہے۔ جس کا تعلق ممکن کی جانب وجود کی ترجیح کے ساتھ ہوتا ہے اور اسماء صفات الہی جل شانہ کے جانب وجود کے کمالات کا مظہر ہوتا ہے۔ جس کی تحقیق پہلے گزر چکی ہے۔ حضرت یوسف علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام پہلے ہی وجود میں اس دولت سے مشرف ہوئے تھے اور یہ عارف دوسرے وجود اور دوسری ولادت میں۔ چونکہ وہ دولت جبلی اور پیدا نشی تھی۔ اس لئے ظاہری حسن بھی عطا فرمایا اور یہ چونکہ کسب کے بعد حاصل ہوئی ہے۔ اس لئے نور باطن پر کفایت کی اور اس کے ظاہری حسن کو آخرت کے لئے ذخیرہ رکھا۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد اس قسم کا دولتمند عزیز الوجود اور کیا ہے۔ یہ بزرگوار اگرچہ نبی نہیں۔ لیکن انبیاء کی تبعیت سے ان کی دولت خاصہ میں شریک ہے اور اگرچہ طفیلی ہے۔ لیکن ان کی نعمت کے دسترخوان پر بیٹھنے والا ہے اور اگرچہ خادم ہے۔ لیکن مخدوموں کا ہم نشین ہے اور اگرچہ تابع ہے۔ لیکن مقبوعوں کا مصاحب اور ہمزاز ہے۔ ابھی اس کے ساتھ وہ اسرار بیان کرتے ہیں۔ جن میں انبیاء رشک کرتے ہیں اور اس کے ساتھ شریک ہونے کی آرزو کرتے ہیں۔ جیسے کہ مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی اس کی خبر دی ہے۔ لیکن اس قسم کا معاملہ فضل جزوی میں داخل ہے فضل کلی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہی کے لئے ہے اور چونکہ یہ فضل بھی اس کو انبیاء کی متابعت کی بدولت حاصل ہوا ہے۔ اس لئے انہی کا ہے۔ وہ صرف ان کا ایک امانت دار ہے۔ وَلَقَدْ سَبَقَتْ کَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِیْنَ اِنَّہُمْ لَہُمْ الْمَنْصُورُونَ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَہُمْ الْغَالِبُونَ (ہمارے مرسل بندوں کے لئے ہمارا وعدہ ہو چکا ہے۔ کہ یہی لوگ فتح مند ہیں اور بیشک ہمارا لشکر ہی غالب رہے گا) نص قرآنی ہے۔ جس نے ان بزرگواروں کی شان کو سب سے آگے بڑھادیا ہے اور سب پر فخرمند اور غالب کیا ہے۔

سوال:- یہ وجود جو اس تام الصفات عارف کو بخشا جاتا ہے۔ یہ بھی اس جہان کے تمام موجودات کے وجود کی طرح مرتبہ حس میں ہے۔ یا اس مرتبہ سے خارج ہے اور اگر خارج ہے۔ تو اس نے وجود خارجی پیدا کیا ہے یا نہیں۔ حالانکہ قوم کے نزدیک مقرر ہے۔ کہ خارج میں حق تعالیٰ کے سوا کوئی چیز موجود نہیں۔

جواب:- جواب جو کچھ آخر کار معلوم ہوا ہے۔ میں کہتا ہوں مرتبہ حس و وہم سے خارج ہے اور نفس امری ہو چکا ہے۔ مرتبہ وہم نے اگرچہ ثبات و تقرر کے اعتبار سے نفس امر کا حکم پیدا کیا تھا۔ لیکن درحقیقت نفس امر نہ تھا۔ کیونکہ نفس امر اس مرتبہ کے ماسوا ہے۔ گویہ مرتبہ مرتبہ وہم و خارج کے درمیان برزخ ہے۔ عالم آخرت کی موجودات بھی مرتبہ نفس امر میں ہیں۔ بلکہ صفات ثنائیہ حقیقیہ کے سوا حق تعالیٰ کی باقی تمام صفات اسی مرتبہ میں ہیں اور مرتبہ خارج ذات اقدس جل شانہ اور اس کی صفات ثنائیہ کے سوا کچھ موجود نہیں۔ پس موجودات کے لئے تین مرتبے پیدا ہوئے۔ (۱) مرتبہ وہم جو اس جہان کے اکثر افراد کے نصیب ہے۔ سب کے سب انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ملائکہ کرام بھی اس مرتبہ سے نکلے ہوئے ہیں۔ ان کا وجود عالم آخرت کے وجود کے مناسب ہے اور اولیائے کرام میں سے بھی بعض اس دولت سے مشرف ہوئے ہیں اور وہم سے نکل کر نفس امر سے مل گئے ہیں۔ (۲) مرتبہ نفس امر ہے۔ جہاں حق تعالیٰ کی صفات و افعال ثابت ہیں اور ملائکہ کرام بھی اس مرتبہ میں موجود ہیں اور عالم آخرت کا وجود بھی اس مرتبہ میں ثابت ہے اور انبیاء سب کے سب اور اولیاء میں سے بہت کم بھی اس مرتبہ میں گئے ہیں۔ فرق صرف اسی قدر ہے۔ کہ حق تعالیٰ کی صفات اس مقام کے مرکز میں ہیں۔ جو اس کے تمام اجزاء میں سے اشرف جزو ہے اور باقی تمام موجودات اپنی اپنی استعداد کے موافق اس مرکز کے اطراف و اکناف میں ہیں۔ (۳) مرتبہ خارج ہے۔ جہاں واجب الوجود جل شانہ کی ذات اور صفات ثنائیہ موجود ہیں۔ فرق صرف مرکز اور غیر مرکز کا ہے کیونکہ اشرف اقدس کے بہت مناسب ہے۔

سوال:- مرتبہ وہم سے مرتبہ نفس الامر میں جانا کیا قرب رکھتا ہے اور کونسا قرب اس پر وابستہ ہے۔
جواب:- ہر خیر و کمال اور حسن و جمال کا مبداء وجود ہے اور وجود میں قوت و استقرار جس قدر زیادہ ہوگا۔ اسی قدر ان صفات کا ظہور زیادہ کامل ہوگا اور شک نہیں کہ وجود نفس امری وجود وہمی سے اقویٰ و اثبت ہے۔ اس لئے خیر و کمال اس میں اتم و کامل ہوگا اور اس کے قرب میں کیا کلام ہے۔ جبکہ حق تعالیٰ کی صفات افعال کے مرتبہ میں موجود ہوا ہے اور خالقیت و از قیت کی صفات سے حق تعالیٰ کا قرب و جوار پیدا کیا ہے۔

جاننا چاہئے کہ عدم کا ثبوت اور ایسے ہی ان کمالات کا ثبوت جن میں عدم کی آمیزش ملحوظ ہے۔ اگرچہ کمالات صفاتیہ میں سے ہوں۔ سب مرتبہ حس و وہم میں ہیں۔ جب تک عدم سے بالکل پاک نہ ہوں اور عدم کا عین و اثر زائل نہ ہو جائے۔ مرتبہ نفس الامر تک پہنچنے کے لائق نہیں ہوتے۔ اگرچہ ثبوت وہمی میں عدم کے قوت و ضعف کے اعتبار سے بہت سے درجات ہیں۔ یعنی عدم جس قدر زیادہ قوی ہوگا۔ اس قدر مرتبہ وہم کی گرفتاری زیادہ اتم و کامل ہوگی اور جس قدر زیادہ ضعیف ہوگا۔ اسی قدر

گرفتاری کم ہوگی۔ بہت سے اولیاء جو سیر سلوک کر کے عدم کے تمام مراتب سے گزر جاتے ہیں اور عدم کے اثر کے سوا ان میں کچھ باقی نہیں رہتا۔ اگرچہ جب تک وہ اثر باقی رہتا ہے۔ مرتبہ نفس الامر میں داخل نہیں ہوتے۔ لیکن مرتبہ وہم سے گزر کر اس کے نہایت نقطہ تک پہنچ جاتے ہیں اور مرتبہ نفس الامر کے نظارہ کرنے والے ہو جاتے ہیں اور اس مقام سے کچھ حصہ حاصل کر لیتے ہیں۔ محسوس ہوتا ہے۔ کہ انبیاء کرام اور ملائکہ عظام اپنے اپنے درجات کے موافق اور انبیاء کے بعض تابعدار گو تھوڑے ہی ہوں۔ مقام نفس امر کے نہایت تک پہنچے ہیں اور وہاں ہر ایک کے لئے درجات کے اختلاف کے بموجب خاص محل اور علیحدہ مقام ہے۔ قرآن مجید کے حروف و کلمات بھی وہاں مشہود ہوتے ہیں اور ظاہر ہوتا ہے۔ کہ ان کا مقام انبیاء علیہم السلام کے اوپر ہے۔ گویا اس مقام سے نکل چکے ہیں اور مقام فوق تک نہیں پہنچے ہیں اور درمیان میں برزخ بن کر اقامت اختیار کی ہے۔ کیونکہ مقام فوق واجب الوجود جل شانہ کی ذات اور صفات پاک کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس لئے کہ خارج میں سوائے حق تعالیٰ کے کچھ موجود نہیں۔ یہ حروف و کلمات چونکہ حدوث کے نشانات رکھتے ہیں۔ اس لئے اس مقام تک پہنچنے کی قابلیت نہیں رکھتے لیکن اس مرتبہ کی تمام موجودات سے پیش قدم ہیں اور اپنے اپنے مدلولات کے دامن میں بچے مارے ہوئے ہیں اور وہ بزرگ کہ جنہوں نے مرتبہ نفس امر کی نہایت میں اقامت اختیار کی ہے۔ مرتبہ فوق کے نظارہ کرنے والے ہیں اور کمال گرفتاری کے باعث نرگس کی طرح ہمہ تن آنکھ بن کر اس جناب مقدس کی طرف دیکھنے والے ہیں۔ عجب معاملہ ہے کہ یہ بزرگوار باوجود اس وطن و اقامت اختیار کرنے کے *الْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ* (آدمی اسی کے ساتھ ہے جس سے اس کو محبت ہے) کے موافق اپنے محبوب کے ساتھ مجہول الکلیفیت معیت رکھتے ہیں اور بیخود ہو کر اس کے ساتھ ہیں اور بغیر اتحاد و دودی کے اپنے مطلوب کے ساتھ مانوس و مالوف ہیں۔ اس اثنا میں کہ اس مرتبہ مقدسہ کے ساتھ حروف و کلمات قرآنی کی معیت کا ملاحظہ کیا گیا ہے۔ معلوم ہوا کہ اس معیت کو دوسروں کی معیت کے ساتھ کچھ نسبت نہیں۔ یہ معیت بہت ہی بلند ہے۔ ذرا بھی ادراک و سمجھ میں نہیں آسکتی۔ کیونکہ باطن بطون یعنی باطنوں کے باطن پر وابستہ ہے۔ مخلوق کے فہم کی وہاں کچھ گنجائش نہیں۔ *الْقُرْآنُ كَلَامُ اللَّهِ غَيْرُ مَخْلُوقٍ* (قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام غیر مخلوق ہے) آیا ہے۔ ان حروف و کلمات مقدسہ کی بلندی شان سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ کلام نفسی یہی حروف و کلمات ہیں۔ چنانچہ قاضی عضد نے اس کی تحقیق کی ہے اور تقدیم اور تاخیر کے بغیر انہی کو کلام قدیم نفسی کہا ہے اور ان کی تقدیم و تاخیر کو اپنے آلہ حادث یعنی زبان کے تصور پر موقوف رکھا ہے۔

سوال:- اگر یہی حروف و کلمات کلام نفسی ہوں۔ تو پھر چاہئے کہ مرتبہ خارج میں داخل ہوں اور

پہلے گزر چکا ہے۔ کہ اس مقام میں داخل نہیں ہوتے۔ اس کی وجہ کیا ہے؟

جواب:- یہ حروف و کلمات چونکہ ذہنوں میں مقدم و مؤخر مذکور ہوئے ہیں۔ اس لئے اس ملاحظہ سے نظر کشف میں ظاہر ہوتے ہیں۔ کہ مرتبہ خارج میں داخل نہیں۔ جب دوبارہ ان کو تقدیم و تاخیر کے ملاحظہ کے بغیر دیکھا ہے تو مشہود ہوا ہے۔ کہ داخل ہیں اور اپنے اصل کے ساتھ ملحق بلکہ متحد ہیں۔ پس دوسروں کی معیت کو ان کی معیت کے ساتھ کیا نسبت ہے۔ کیونکہ اس معیت میں اتحاد ہے اور دوسروں کی معیت میں اتحاد کی گنجائش نہیں۔ سبحان اللہ یہی حروف و کلمات قرآنی جب اللہ تعالیٰ کا کلام قدیم ہے۔ تو اس کا ظہور اس جہان میں برخلاف دوسری صفات قدیمہ کے بنفس خود ہو گا۔ کیونکہ اس صورت میں حروف و کلمات اس کلام قدیم کا نفس ہیں اور عارضی تقدیم و تاخیر کے سوا کہ وہ بھی آلہ تکلم کے قصور کے باعث ہے۔ کوئی اس کار و پوش نہیں ہے۔ پس خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں تمام اشیاء سے زیادہ قریب قرآن مجید ہے اور حق تعالیٰ کی صفات سے زیادہ ظاہر بھی یہی صفت ہے۔ جس کو ظلیت کی گرد بھی نہیں لگی اور تقدیم و تاخیر کے خس و خاشاک کو مجموعوں کی آنکھ میں ڈال کر اپنی اصالت کے ساتھ عالم ظلال میں جلوہ گر ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام عبارتوں سے افضل قرآن مجید کی تلاوت ہے اور اس کی شفاعت دوسروں کی شفاعت سے زیادہ مقبول ہے خواہ ملک مقرب کی شفاعت ہو اور خواہ بنی مرسل کی اور وہ نتائج و ثمرات جو قرآن مجید کی تلاوت پر مترتب ہوتے ہیں۔ تفصیل سے باہر ہیں۔ بسا اوقات تلاوت کرنے والے کو ایسے بلند درجات تک لے جاتا ہے۔ کہ وہاں بال کی بھی گنجائش نہیں ہو سکتی۔

سوال:- کیا قرآن مجید کے حروف و کلمات ہی اس دولت کے ساتھ مخصوص ہیں۔ یا تمام منزلہ کتابوں کے حروف و کلمات بھی اس دولت میں ان کے ساتھ شریک ہیں اور سب کلام قدیم نفسی ہیں۔ جواب:- سب اس دولت میں شریک ہیں۔ البتہ اس قدر فرق نظر کشفی میں پیدا ہوتا ہے کہ قرآن مجید گویا مرکز دائرہ ہے اور تمام کتب منزلہ بلکہ تمام وہ کلام جن کے ساتھ ازل سے ابد تک تکلم واقع ہوتا ہے۔ اس دائرہ کا محیط ہیں۔ پس قرآن مجید سب کا اصل اور تمام کتابوں میں سے اشرف ہے۔ کیونکہ مرکز دائرہ کے تمام اجزاء میں سے اشرف اور اس کے تمام نقطوں کا اصل ہوتا ہے۔ گویا تمام نقطے اس کی تفصیل ہیں اور وہ سب کا اجمال ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی شان میں فرماتا ہے۔ **وَإِنَّ لَفِي زُجْرِ الْأَوَّلِينَ** (بیشک وہ اولین کے صحیفوں میں تھا)

سوال:- تحقیق اول سے معلوم ہوا ہے کہ اس جہان میں مظاہر جلیلہ کے ضمن میں شہود و مشاہدہ جو بعض نے کہا ہے۔ واقع نہیں اور ان میں اس مقدمہ کے مظہر بننے کی قابلیت نہیں۔ کہ اس جہان میں ان مظاہر کے سوا نفس شہود و مشاہدہ متحقق ہے یا نہیں؟

جواب:- جو کچھ اس فقیر کے اعتقاد میں ہے۔ یہ ہے کہ اس جہان کے نصیب ایقان ہے کہ رویت بصری اور مشاہدہ جو درجہ جات کے اختلاف کے بموجب رویت قلبی سے مراد ہے اسی کا ثمرہ و نتیجہ ہے۔ جو آخرت پر وابستہ ہے۔ صاحب تعرف قدس سرہ جو اس طائفہ عالیہ کے بزرگواروں میں سے ہیں۔ اپنی کتاب میں مشائخ کا اجماع اس بارہ میں نقل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مشائخ نے اس بات پر اجماع کیا ہے۔ کہ اس جہان میں حق تعالیٰ کی رویت آنکھ اور دل سے واقع نہیں اور ایقان کے سوا کوئی اور امر ثابت نہیں۔ سوال:- اس طائفہ علیہ کے نزدیک ثابت و مقرر ہے کہ یقین کے تین درجے ہیں۔ علم الیقین و عین الیقین و حق الیقین۔ علم الیقین اثر سے مؤثر کی طرف استدلال کرنے سے مراد ہے۔ جس طرح آگ کے وجود کا یقین جو استدلال کے طور پر دھوئیں کے وجود کے علم سے حاصل ہوتا ہے اور عین الیقین آگ کے دیکھنے سے مراد ہے اور حق الیقین شان آتش کے ساتھ متحقق ہونے سے مراد ہے اور جب رویت قلبی بھی نہ ہوئی۔ تو پھر عین الیقین کس طرح درست ہے اور عدم رویت پر مشائخ کا اجماع کس طرح صادق ہے۔

جواب:- ہو سکتا ہے کہ اجماع سے مراد مشائخ متقدمین کا اجماع ہو اور متاخرین نے اس کے خلاف حکم کیا ہو اور رویت قلبی کو تجویز کیا ہو۔ لیکن اس فقیر کے نزدیک یہ حکم ثابت نہیں ہوا۔ اور اس تجویز کا ثبوت نہیں ملایا۔ تینوں درجے جو یقین میں کہے گئے ہیں۔ سب علم الیقین میں داخل ہیں اور استدلال سے نہیں نکلے اور علم سے عین تک نہیں پہنچے۔ یہ جو انہوں نے عین الیقین میں آگے کا دیکھنا کہا ہے۔ جس سے آگ کے وجود پر استدلال کیا ہے نہ کہ آگ کا دیکھنا جس طرح کہ علم الیقین میں دھوئیں کے علم سے آگ کے وجود پر استدلال تھا یہاں دھوئیں کے دیکھنے سے آگ کے وجود پر استدلال ہے۔ یہ دوسرا یقین اپنی دلیل کے قوی ہونے کے باعث پہلے یقین سے اتم و اکمل ہے۔ کیونکہ وہاں علم دلیل یعنی دلیل کا علم ہے اور یہاں رویت دلیل یعنی دلیل کا دیکھنا اسی طرح حق الیقین میں دھوئیں کے ساتھ متحقق ہونا ہے نہ کہ آگ کے ساتھ اور اس آگ پر استدلال کرنا ہے۔ یہ یقین پہلے دونوں یقینوں کی نسبت زیادہ کامل ہے۔ کیونکہ اپنے نفس سے جو دخان ہے۔ آگ کے وجود پر استدلال کرتا ہے اور نفس سے آفاق تک فرق واضح ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ سُرِّبْهُمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاَفَاقِ وَفِیْ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰی یَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ۚ وَفِی الْاَرْضِ اٰیٰتٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ وَفِیْ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تَبْصُرُوْنَ (ہم آفاق میں اور ان کے نفس میں اپنے نشان دکھائیں گے۔ تاکہ واضح ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ حق ہے اور زمین میں یقین کرنے والوں کے لئے نشانات ہیں اور تمام جانوں میں بھی ہیں۔ تم کیوں نہیں دیکھتے) جو کچھ آفاق و انفس میں دیکھا جاتا ہے۔ سب مطلوب کے نشان ہیں۔ نہ نفس مطلوب۔ پس مرئی انفس و آفاق میں دخان

ہے۔ جو آتش کا نشان ہے نہ کہ آتش۔ پس معاملہ نفس و آفاق میں استدلال ہے جو علم الیقین کی حقیقت ہے اور عین الیقین و حق الیقین کو نفس و آفاق کے ماوراء تشخیص کرنا چاہئے۔ سبحان اللہ بزرگوں نے مطلوب کی یافت کو نفس میں مقرر کیا ہے اور نفس کے باہر لا حاصل سمجھا ہے۔ چنانچہ کوئی کہتا ہے۔ بیت

ہچونایمنا مبرہر سوئے دست باتودر زیر گلیم است آنچہ ہست

ترجمہ بیت

ہاتھ اندھوں کی طرح ہر گز نہ مار گودڑی میں ہے وہ تیرے ہم کنار
کوئی اس طرح کہتا ہے۔ بیت

چوں جلوہ آں جمال بیروں ز تو نیست پایدلمان و سر بجیب اندر کش

ترجمہ بیت

جب جلوہ اس جمال کا باہر ترے نہیں خاموش بیٹھ اور ڈھونڈ اس کو تو کہیں
کوئی یوں پکارتا ہے۔ بیت

ذرہ گر بس نیک و ر بس بد بود گرچہ عمرے تنگ زندر خود بود

ترجمہ بیت

ذرہ گر ہو نیک یا ہو بس برا عمر تک دوڑے رہے اس جا پڑا

صاحب فصوص فرماتے ہیں۔ کہ تجلی ذاتی متجلی لہ صورت پر ہوتی ہے۔ ایک بزرگ اس طرح کہتے ہیں کہ اہل اللہ فناء و بقا کے بعد جو کچھ دیکھتے ہیں۔ اپنے آپ ہی میں دیکھتے ہیں اور جو کچھ جانتے ہیں اپنے آپ میں ہی پہچانتے ہیں اور ان کی حیرت اپنے ہی وجود میں ہے۔ وَفِي أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ (اپنی جانوں میں تم کیوں نہیں دیکھتے) فقیر کے نزدیک نفس بھی آفاق کی طرح لا حاصل ہے اور مطلوب کے آفاق سے خالی اور بے نصیب ہے۔ وہ ہنر جو نفس و آفاق میں ہے مطلوب کی طرف استدلال اور مقصود پر دلالت ہے۔ مطلوب تک پہنچنا نفس و آفاق کے ماوراء پر وابستہ ہے اور جذبہ و سلوک کے ماسواء پر موقوف ہے۔ کیونکہ سلوک سیر آفاقی ہے اور جذبہ سیر انفسی پس سلوک و جذبہ اور سیر انفسی و آفاقی سب سیر الی اللہ میں داخل ہیں۔ نہ کہ جس طرح صوفیاء نے کہا ہے کہ سیر و سلوک آفاقی سیر الی اللہ ہے اور جذبہ و سیر انفسی سیر فی اللہ۔ کیا کہا جائے۔ ان کو ایسا بتلایا گیا ہے اور مجھے ایسا سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا (یا اللہ تو پاک ہے ہم کو کوئی علم نہیں۔ مگر جو تو نے سکھایا) ان کے پس خوردہ کھانے والے مجھ مسکین کی کیا طاقت ہے۔ کہ ان کے مذاق کے برخلاف کلام کرے۔ لیکن چونکہ معاملہ تقلید سے گزر چکا ہے اس لئے جو کچھ پاتا ہے کہتا ہے۔ خواہ قوم کے مخالف ہو یا موافق۔ امام ابو

یوسف کے لئے تقلید سے گزر کر اپنے استاد امام ابو حنیفہؒ کے ساتھ موافقت کرنا حظا ہے رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نُسِينَا اَوْ اَخْطَاْنَا (یا اللہ تو ہماری بھول چوک پر ہمارا مواخذہ نہ کر)

سوال:- یقین کے یہ تینوں درجے جب علم الیقین میں داخل ہیں۔ تو پھر تمہارے نزدیک عین الیقین کیا ہے؟

جواب:- عین الیقین اس حالت سے مراد ہے۔ جو نفس دخان کو آتش کے ساتھ ثابت ہے اور جب مستدل درجہ دلیل کے معہاتک پہنچ جائے۔ جو کہ دخان ہے۔ تو اس کے لئے بھی آگ کے ساتھ وہ حالت پیدا ہو جائے گی جو دخان کو آتش کے ساتھ ثابت ہے۔ فقیر کے نزدیک یہ حالت عین الیقین سے تعبیر کی گئی ہے۔ جو علم استدلال سے برتر ہے اور نفس و آفاق کے باہر ہے۔ چونکہ استدلال کا پردہ درمیان سے اٹھ گیا ہے جو مرتبہ علم کی نہایت ہے۔ اس لئے علم سے کشف میں آگیا ہے اور غیب سے شہود و حضور میں پہنچ گیا ہے۔ جاننا چاہئے کہ شہود و حضور اور ہے اور رویت و احساس اور ضعیف البصر کے لئے آفتاب کی تیز روشنی میں آفتاب کا شہود و ثابت ہے اور اس کی رویت و احساس متحقق نہیں۔

تنبیہ:- دخان کے ساتھ متحقق ہونا دور رہے رکھتا ہے اور علم الیقین و عین الیقین کو شامل ہے۔ جیسے کہ اس کی تحقیق گزر چکی۔ دخان کے ساتھ متحقق ہونے میں جب تک اس کے تمام نقطوں کو طے کر کے اس کے آخر نقطہ تک نہ پہنچیں۔ تب تک علم الیقین ہے کیونکہ ہر ایک نقطہ جو باقی رہا ہے۔ اس کا جواب ہے۔ جس سے استدلال لازم آتا ہے اور جب تمام نقطوں سے متحقق ہو کر اس کے آخر نقطہ تک پہنچ جائیں۔ تو پھر استدلال سے نکل آتے ہیں۔ کیونکہ جب یعنی پردے سب کے سب دور ہو جاتے ہیں اور نفس دخان کی طرف عین الیقین ثابت ہو جاتا ہے۔ فافہم حق الیقین کی نسبت کیا لکھا جائے۔ کیونکہ اس کے ساتھ کامل طور پر متحقق ہونا عالم آخرت پر وابستہ ہے۔ اگر اس دولت کا کچھ حصہ دنیا میں ثابت ہے۔ تو اخص خواص کے ساتھ ہی مخصوص ہے۔ جن کے نزدیک سیرانفسی جو حق الیقین کے مشابہ ہے علم الیقین میں داخل ہے اور ان کے نفس نے آفاق کا حکم حاصل کیا ہے اور ان کا علم حضوری جو انفس کے متعلق ہے علم حصولی ہو گیا ہے اور عین الیقین نفس و آفاق کے ماوراء ان کے حق میں حاصل ہوا ہے۔ ایسے لوگ بہت ہی کم ہیں۔

خاتمہ حسن:- حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے اس حسن و جمال کے بیان میں جو پروردگار عالمیان جل شانہ کی محبت کا باعث ہے اور جس کے سبب آنحضرت رب العالمین کے محبوب ہوئے ہیں۔ حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام اگرچہ اس صباحت کے سبب جو ان میں پائی جاتی تھی۔ حضرت یعقوب علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے محبوب تھے۔ لیکن ہمارے حضرت پیغمبر خاتم الرسل اس

ملاحظت کے باعث جو ان میں موجود تھی۔ خالق زمین و آسمان کے محبوب ہیں اور زمین و آسمان کو انہی کے طفیل پیدا فرمایا ہے۔ گمما و رَدَّ جاننا چاہئے کہ پیدائش محمدی تمام افراد انسان کی پیدائش کی طرح نہیں بلکہ افراد عالم میں سے کسی فرد کی پیدائش کے ساتھ نسبت نہیں رکھتی۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باوجود غصری پیدائش کے حق تعالیٰ کے نور سے پیدا ہوئے ہیں۔ جیسے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ خُلِقْتُ مِنْ نُورِ اللَّهِ (میں اللہ تعالیٰ کے نور سے پیدا ہوا ہوں) اور دوسروں کو یہ دولت میسر نہیں ہوئی۔ اس دقیقہ کا بیان یہ ہے کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ حضرت واجب الوجود جل شانہ کی صفات ثنائیہ حقیقیہ اگرچہ دائرہ وجوب میں داخل ہیں۔ لیکن اس احتیاج کے باعث جو ان کو حضرت ذات تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ ان میں امکان کی ہوپائی جاتی ہے اور جب صفات حقیقیہ قدیمہ میں امکان کی موجود ہے۔ تو حضرت واجب الوجود جل شانہ کی صفات اضافیہ میں بطریق اولیٰ امکان ثابت ہو گا اور ان کا قدیم نہ ہونا ان کے امکان پر پختہ دلیل ہو گا۔ کشف صریح سے معلوم ہوا ہے۔ کہ آنحضرت ﷺ کی پیدائش اس امکان سے پیدا ہوئی ہے۔ جو صفات اضافیہ کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ نہ کہ اس امکان سے جو تمام ممکنات عالم میں ثابت ہے۔ جو ممکنات عالم کے صحیفہ کو خواہ کتنا ہی باریک نظر سے مطالعہ کیا جائے۔ لیکن وہاں آنحضرت ﷺ کا وجود مشہود نہیں ہوتا بلکہ ان کی خلقت و امکان کا منشاء صفات اضافیہ کا وجود اور ان کا امکان محسوس ہوتا ہے۔ جب آنحضرت کا وجود عالم ممکنات میں ہے ہی نہیں۔ بلکہ اس عالم سے برتر ہے۔ تو یہی وجہ ہے کہ ان کا سایہ نہ تھا۔ نیز عالم شہادت میں ہر ایک شخص کا سایہ اس کے وجود کی نسبت زیادہ لطیف ہوتا ہے اور جب جہان میں آنحضرت سے زیادہ لطیف کوئی نہیں۔ تو پھر ان کا سایہ کیسے متصور ہو سکتا ہے۔

واضح ہو کہ صفت علم صفات حقیقیہ میں سے ہے اور موجود خارجی کے دائرہ میں داخل ہے اور جب اس صفت کو اضافت عارض ہو جائے اور اس سے تقسیم ہو جائے۔ جیسے کہ علم اجمالی اور علم تفصیلی۔ تو یہ قسمیں صفات اضافیہ میں سے ہوں گی اور ثبوت نفس امری کے دائرہ میں داخل ہوں گی۔ جو صفات اضافیہ کا مقرر مقام ہے جیسے کہ گزر چکا اور مشہود ہوتا ہے۔ کہ علم جملی جو صفات اضافیہ میں سے ہے۔ وہی نور ہے جس نے عالم غصری میں بہت سی پشتوں سے رحموں میں منتقل ہونے کے بعد بعض حکمتوں اور مصلحتوں کے بموجب صورت انسانی میں جو احسن تقویم ہے ظہور فرمایا ہے اور جس کا نام محمد و احمد ہوا ہے۔

غور سے سننا چاہئے کہ اس قید اجمال نے اگرچہ علم مطلق کو مقید کیا ہے اور اس کو حقیقت سے اضافت میں لایا ہے۔ لیکن مقسم یعنی علم میں کوئی زیادتی پیدا نہیں کی اور اس کی کسی چیز کو مقید نہیں کیا۔

کیونکہ اجمال علم نفس علم سے مراد ہے نہ کہ کوئی زائد امر جو علم سے ملا ہو۔ برخلاف تفصیلی علم کے جو بیشمار جزئیات کو چاہتا ہے۔ تاکہ تفصیل متصور ہو سکے۔ یہ عجب قید ہے جو اطلاق کی مظہر ہے اور عجیب مقید ہے جو نفس مطلق ہے۔ اس قسم کی نزاکت مطلق علم میں ذات عالم جل شانہ کی نسبت ملاحظہ کرنی چاہئے۔ جہاں علم نفس عالم اور نفس معلوم ہو سکتا ہے جیسے کہ علم حضوری میں ثابت ہے۔ برخلاف دوسری صفات کے کہ یہ قابلیت نہیں رکھتیں نہیں کہہ سکتے۔ کہ قدرت عین قادر اور عین مقدور ہے یا ارادت عین مرید اور عین مراد ہے پس علم کو ذات عالم کے ساتھ وہ اتحاد و نیستی ہے جو غیر کو نہیں۔ یہاں احمد کا قرب جو احد کے ساتھ ہے معلوم کرنا چاہئے اور جاننا چاہئے کہ ان کے درمیان کو نسا واسطہ ہے وہ صفت علم ہی ہے جو ایک ایسا امر ہے جو مطلوب کے ساتھ اتحاد رکھتا ہے۔ پھر حجاب ہونے کی کیا گنجائش ہے۔ نیز علم کے لئے ایک ایسا ذاتی حسن ہے جو صفات میں سے کسی اور کیلئے ثابت نہیں ہے اسی واسطے اس فقیر کے خیال میں جو صفات واجبی سے زیادہ محبوب حق تعالیٰ کے نزدیک صفت علم ہے۔ چونکہ اس کا حسن پتھوئی کی آمیزش رکھتا ہے۔ اس لئے حس اس کے ادراک سے قاصر ہے اس حسن کا پورا پورا ادراک عالم آخرت پر وابستہ ہے۔ جو رویت کا مقام ہے۔ جب خدا تعالیٰ کو دیکھیں گے۔ حضرت محمد کے جمال کو بھی پالیں گے۔ اگرچہ اس جہان میں حسن کا دو تہائی حصہ حضرت یوسف کو عطا ہوا اور باقی تیسرا حصہ سب میں تقسیم ہوا۔ لیکن عالم آخرت میں سارا حسن حسن محمدی ہے اور تمام جمال جمال محمد ہے۔ جو خدا تعالیٰ کو محبوب ہے۔ صفت علم کے حسن کے ساتھ کسی دوسری صفت کے حسن کو کس طرح مشارکت ہو سکتی ہے۔ جبکہ اس کا حسن مطلوب کے ساتھ متحد ہونے کے باعث عین مطلوب کا حسن ہے۔ دوسری صفت کے لئے چونکہ اس قسم کا اتحاد نہیں۔ اس لئے ایسا حسن بھی نہیں۔ پس پیدائش محمد باوجود حدوث کے قدم ذات کی طرف منسوب ہے اور اس کا امکان بھی وجود ذات تعالیٰ تک منتہی ہے اور اس کا حسن حسن ذات تعالیٰ ہے۔ جس میں حسن کے سوا اور کسی چیز کی آمیزش نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے ساتھ جمیل مطلق کی محبت کا تعلق ہے اور حق تعالیٰ کی محبوب ہے۔ اَللّٰهُ جَمِیْلٌ یُّحِبُّ الْجَمَالَ (اللہ تعالیٰ جمیل ہے جمال کو دوست رکھتا ہے)

سوال:- آیت کریمہ وَیُحِبُّهُمْ (اللہ تعالیٰ ان کو دوست رکھتا ہے) اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ آنحضرت کے سوا اوروں کے ساتھ بھی حضرت حق سبحانہ کی محبت کا تعلق ہے اور دوسرے بھی حق تعالیٰ کے محبوب ہیں۔ اس تخصیص کی وجہ کیا ہے۔ جو دوسروں میں موجود نہیں۔

جواب:- محبت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ محبت ہے جو ذات محبت کے متعلق ہے دوسری وہ محبت ہے جو اسکی ذات کے سوا غیر سے تعلق رکھتی ہے۔ پہلی قسم ذاتی محبت ہے اور محبت کی تمام قسموں سے

بڑھ کر ہے۔ کیونکہ کوئی شخص کسی چیز کو اتنا دوست نہیں رکھتا۔ جتنا کہ اپنے آپ کو نیز اس قسم کی محبت نہایت محکم اور مضبوط ہوتی ہے۔ جو کسی عارضہ سے زائل نہیں ہوتی۔ نیز یہ محبت محبوب صرف سے تعلق رکھتی ہے۔ جس میں خصیت کی آمیزش نہیں۔ برخلاف دوسری قسم کی محبت کے۔ کہ جو عارضی اور زوال پذیر ہے۔ یہ محبت بھی اگرچہ ایک وجہ سے محبوب کے ساتھ تعلق رکھتی ہے لیکن کئی وجہ سے خصیت کی آمیزش رکھتی ہے۔ چونکہ حضرت خاتم الرسل کا حسن و جمال حضرت ذات تعالیٰ کے حسن و جمال کی طرف منسوب ہے جیسے کہ گزر چکا۔ اس لئے قسم اول کی محبت جو ذات تعالیٰ کے متعلق ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق ہوئی اور ذات سبحانہ کی طرح محبت کے تعلق سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی محبوب صرف ہوئے دوسروں کو چونکہ یہ دولت میسر نہیں ہوئی اور ایک وجہ سے ان کو محبوب بنادیا محبوب مطلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ہیں۔ جو محبت کی ذات کی طرح ہمیشہ محبوب ہیں۔ محسوس ہوتا ہے کہ جس طرح حضرت موسیٰ کو حضرت حق سبحانہ کے ساتھ محبت غالب ہے اور وہ اس محبت کے باعث محبوبوں کے سردار اور رئیس ہیں۔ اسی طرح حق تعالیٰ کو حضرت خاتم الرسل کے ساتھ غالب محبت ہے۔ یہ فقیر ان دونوں محبتوں کے دریا میں ہر چند غوطہ لگاتا اور تیرتا ہے کہ قوت و ضعف کے لحاظ سے ان دونوں محبتوں کے درمیان فرق ظاہر کرے اور آیت کریمہ **إِنَّا حِزْبُ اللَّهِ هُمُ الْغَالِبُونَ** (خبردار اللہ کا گروہ غالب ہے) کے موافق خالق کی محبت کو مخلوق کی محبت سے زیادہ مضبوط و محکم معلوم کرے لیکن کوئی فرق ظاہر نہیں ہوتا۔ گویا ان محبتوں کو عدالت کی میزان پر برابر تو لایا ہے اور بال بھر بھی کمی بیشی تجویز نہیں کی۔

سوال :- صوفیاء نے تمام افراد عالم کو اسماء الہی جل شانہ کا ظہور مقرر کیا ہے اور انہی اسماء کو اشیاء کی حقائق معلوم کیا ہے اور اشیاء کو ان کا ظلال جانا ہے۔ گویا انہوں نے تمام عالم کو اسماء الہی جل شانہ کا ظہور مقرر کیا ہے۔ پھر بعض اسماء کے ظہور کو آنحضرت ﷺ کی پیدائش کے ساتھ مخصوص کرنے کی کیا وجہ ہے؟

جواب :- اشیاء کی حقائق صوفیاء کے نزدیک وہ اعیان ثابتہ ہیں۔ جو اسماء الہی کی علیہ صورتیں ہیں۔ نہ کہ اسماء الہی بذات خود اور اس عالم کو ان علیہ صورتوں کا ظہور کہا ہے۔ اگرچہ مجاز کے طور پر ان کو اسماء کا ظہور بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک شے کی صورت علمی بھی اس شے کا عین ہے۔ نہ کہ اس شے کا شجہ و مثال اور یہ جو اس فقیر نے آنحضرت ﷺ کی پیدائش کے بارہ میں کہا ہے۔ وہ نفس اسم الہی کا ظہور ہے۔ نہ کہ اس اسم کی صورت علیہ کا ظہور۔ **فَشَتَّانَ مَا بَيْنَ نَفْسِ الشَّيْءِ وَبَيْنَ صُورَتِهِ الْعِلْمِيَّةِ** (شے کے نفس اور اس کی صورت علیہ میں بہت فرق ہے) آگ کو جب تصور کرتے ہیں۔ تو اس

صورت علمیہ میں اس کی چمک اور روشنی کہاں ہے۔ جو آگ کا کمال و جمال ہے۔ صورت علمیہ میں صرف آگ کی شجہ و مثال ثابت ہے۔ مقبول والے لوگ اس بات کو پسند کریں یا نہ کریں۔ خواہ عین آتش کہیں۔ لیکن ہمارا کشف صریح عینیت کی تکذیب کرتا ہے۔ آگ کی صورت علمیہ میں صرف اس آگ کی شجہ و مثال ہے۔ جو خارج میں موجود ہے یہ بھی محسوس ہوتا ہے۔ کہ جو اسماء کی علمیہ صورتوں کا ظہور ہے۔ اس کا امکان و وجود امکان عالم اور اس کے وجود کی قسم سے ہے۔ جس نے مرتبہ وہم میں حق تعالیٰ کی صنعت سے ثبات و تقرر پیدا کیا ہے اور جو نفس اسم الہی کا ظہور ہے جیسے کہ آنحضرت ﷺ کی پیدائش میں گزر چکا ہے۔ اس کا امکان صفات اضافی کے امکان کی قسم سے ہے اور اس کا وجود بھی ان صفات کے وجود کی طرح مرتبہ نفس امر میں مقرر و ثابت ہے اور آنحضرت ﷺ کے بغیر کوئی شخص نظر نہیں آتا۔ جو نفس اسم الہی کا ظہور ہو۔ مگر قرآن مجید کہ وہ بھی نفس اسم الہی کا ظہور ہے۔ جیسے کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ ظہور قرآنی کا منشاء صفات حقیقیہ میں سے ہے اور ظہور محمدی کا منشاء صفات اضافیہ میں سے۔ اسی واسطے اس کو قدیم و غیر مخلوق کہتے ہیں اور اس کو حادث و مخلوق۔ لیکن کعبہ ربانی کا معاملہ ان ہر دو ظہور اسی سے بھی زیادہ عجیب ہے۔ وہاں صورتوں اور شکلوں کے لباس کے بغیر معنی تنزیہی کا ظہور ہے۔ کیونکہ کعبہ جو خلألق کا مبدوء الیہ ہے۔ پتھر، ڈھیلے، چھت اور دیواروں سے مراد نہیں ہے۔ کیونکہ یہ چیزیں اگر نہ بھی ہوں۔ تو بھی کعبہ کعبہ اور مبدوء الیہ ہے۔ پس یہ نہایت ہی عجیب بات ہے کہ وہاں ظہور ہے۔ لیکن اس کی کوئی صورت نہیں۔

واضح ہو کہ اس دولت خاصہ محمدی میں اگرچہ کوئی دوسرا شریک نہیں۔ لیکن اس قدر معلوم کرتا ہے کہ آنحضرت کی تخلیق و تکمیل کے بعد آنحضرت کی دولت خاصہ سے کچھ بقیہ رہ گیا تھا۔ کیونکہ کریموں کی دولت ضیافت کے دسترخوان میں زیادتی لازم ہے۔ تاکہ پس خوردہ خادموں کے نصیب ہو۔ غرض وہ بقیہ آنحضرت کی امت کے دو لہندوں میں سے ایک کو پس خوردہ کے طور پر عطا فرمایا ہے اور اس کو خمیر مایا بنا کر اس کے وجود اور ذات کو اس سے گوندھا ہے اور آنحضرت ﷺ کی تبعیت اور وراثت کے طور پر آنحضرت کی دولت خاصہ میں شریک کیا ہے۔ ع

بر کریمیاں کارہا دشوار نیست
ترجمہ۔ ع کریموں پر نہیں مشکل کوئی کام

یہ بقیہ حضرت آدم کی اس بقیہ طینت کی طرح ہے۔ جو درخ خرما کو نصیب ہوا ہے جیسے کہ آنحضرت نے فرمایا ہے۔ اَکْرِمُوا عَمَّتْکُمْ النُّخْلَةَ فَإِنَّهَا خُلِقَتْ مِنْ بَقِیَّةِ طِیْنَةِ آدَمَ (اپنی پھوپھی نخلہ کی عزت کرو۔ کیونکہ وہ حضرت آدم کی بقیہ طینت سے پیدا کی گئی ہے) ہاں سچ ہے۔ ع

وَلِلَّازِضِ مِنْ كَاسِ الْكَرَامِ نَصِيبٌ

ترجمہ۔ ع ہے کاسہ کریم میں حصہ زمین کا

سوال:- حضرت محی الدین ابن عربی قدس سرہ اور اس کے تابعین نے حقیقت محمدی کو حضرت اجمال علم سے تعبیر کیا ہے اور اس کو تعین اول کہا ہے اور تجلی ذات جانا ہے اور اس کے اوپر مرتبہ لا تعین ثابت کیا ہے۔ جو مرتبہ حضرت ذات بخت ہے اور تم نے اس کو قسم علم اور صفات اضافیہ میں داخل کیا ہے۔ جو صفات حقیقیہ سے نیچے ہیں۔ اس کی وجہ کیا ہے۔

جواب:- شیخ محی الدین قدس سرہ خارج میں ذات احدیت مجردہ کے سوا کچھ موجود نہیں جانتا اور صفات کا وجود اگرچہ حقیقیہ ہوں۔ علم کے سوا ثابت نہیں کرتا۔ اسی واسطے اس کے نزدیک تعین اول علم جملی ہے اور ثبوت بعد ازاں متصور ہوتا ہے۔ اس لئے کہ ان کا ثبوت علم کی فرع ہے۔ کیونکہ علم کے سوا ان کا ثبوت نہیں جانتا۔ پس اس کے نزدیک علم سب سے اسبق ہے اور تمام کمالات کا جامع ہے۔ فقیر کے نزدیک جو کچھ مکشوف ہوا ہے۔ یہ ہے کہ صفات حقیقیہ ثنائیہ ذات واجب تعالیٰ کی طرح خارج میں موجود ہیں۔ اگر کچھ تفاوت ہے۔ تو مرکزیت اور غیر مرکزیت کے اعتبار سے ہے۔ جیسے کہ گزر چکا ہے۔ یہ قول علماء اہل سنت و جماعت شکر اللہ تعالیٰ علیہم کے عقائد کے موافق ہے۔ جو فرماتے ہیں۔ کہ صفات کا وجود ذات تعالیٰ کے وجود پر زائد ہے۔ اس صورت میں علم جملی کو تعین اول کہنا بے معنی ہے۔ بلکہ تعین کا اطلاق کرنا گنجائش نہیں رکھتا۔ کیونکہ تمام صفات میں سے اسبق اور اول صفت حیات ہے۔ جس کے تابع صفت علم ہے۔ علم کو اس پر سبقت دینا ناممکن ہے۔ خاص کر جبکہ علم کے ساتھ کوئی قید بھی لگی ہو۔ وہ مطلق علم سے بھی بہت نیچے اور اضافات میں داخل ہے۔ جیسے کہ گزر چکا۔ ہاں اگر علم جملی کو علم کا تعین اول کہیں تو ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اس کا تعین ثانی علم تفصیلی ہے۔

سوال:- شیخ محی الدین قدس سرہ نے جو علم جملی کو حقیقت محمدی کہا ہے اور اس عالم غصری کو اس کا ظہور جانا ہے۔ اس کی مراد نفس اسم کا ظہور ہے۔ جیسے کہ تم نے کہا ہے یا اس اسم کی صورت کا ظہور ہے جیسے کہ تمام ممکنات میں ہے۔

جواب:- صورت اسم کا ظہور ہے۔ کیونکہ تعین اول شیخ قدس سرہ کے نزدیک تعین علمی ہے اس لئے کہ اس نے پہلے دونوں تعینوں کو تعین علمی کہا ہے اور آخر کے تینوں تعینوں کو تعین خارجی فرمایا ہے تعین علمی شان العلم کی صورت ہے۔ جس کو اس نے خارج میں عین ذات کہا ہے اور علم میں اس کی صورت کو ثابت کیا ہے اور اس صورت علمی نے جو حقیقت محمدی ہے۔ عالم غصری میں صورت انسانی محمدی میں ظہور کیا ہے۔ غرض شیخ کے نزدیک جہاں کہیں ظہور ہے۔ صورت علمیہ کا ظہور ہے۔ خواہ

صفات واجبی جل شانہ ہوں۔ کیونکہ اس کے نزدیک علم کے سوا صفات کا ثبوت نہیں اور خارج میں سوائے ذاتِ بخت کے کچھ بھی اس کے نزدیک موجود نہیں۔

سوال:- اس مرتبہ میں علم و عالم و معلوم کا اتحاد ہے۔ جس کا حاصل علم حضور ہے۔ پس اسم کی صورت کی بھی وہاں گنجائش نہ ہوگی۔ کیونکہ علم حصولی میں صورت کا حصول ہے اور علم حضوری میں نفس معلوم حاضر ہے نہ کہ معلوم کی صورت۔

جواب:- وہ مرتبہ ذاتِ بخت کا مرتبہ نہیں ہے۔ اس واسطے اس کو تعین و تنزل کہا ہے پس خارج میں موجود نہ ہوگا اور جب خارج میں موجود نہ ہو۔ تو ثبوت علمی سے اس کو چارہ نہیں اور اسی واسطے اس کو تعین علمی کہا ہے۔ کہ ثبوت علمی کے لئے معلوم کی صورت کا ہونا ضروری ہے اس بیان سے لازم آیا۔ کہ علم حضوری میں نفس معلوم کے حاضر ہونے کے باوجود معلوم کی صورت بھی ثابت ہے۔ کیونکہ نفس معلوم خالص طور پر حاضر نہیں ہے۔ بلکہ ایک اعتبار نے اس میں راہ پایا ہے۔ جو اس کو نفس سے صورت میں لایا ہے۔ لیکن ہر شخص کا فہم اس دقت تک نہیں پہنچتا اور جب تک ذاتِ بخت جل شانہ سے بیچونی و وصول کے ساتھ واصل نہ ہوں تب تک اس دقیقہ کو نہیں پاسکتے۔ سبحان اللہ! مجھ در ماندہ اور پسماندہ فقیر میں کہاں طاقت ہے۔ کہ حضرت خاتم الرسل کی بعثت سے ہزار سال کے بعد انبیاء اولوالعزم علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اسرار و معارف کی نسبت گفتگو کروں اور معاد کے دامن میں آکر مبدء کے کمالات کے دقائق بیان کروں۔

ابیات

دلے چوں شہ مرا برداشت از خاک سزد گر بگذرانم سرز افلاک
من آں خاکم کہ ابر نو بہاری کند از لطف بر من قطرہ باری
اگر بروند از تن صد زبانم چو سبزہ شکر لطفش کے تو انم

ترجمہ۔ ابیات

مجھے جب خاک سے شہ نے اٹھایا ہے لائق ہو فلک سے اونچا پایا
میں ہوں وہ خاک ابر نو بہاری کرے جس پر کرم سے قطرہ باری
اگر ہر بال میں میری زباں ہو نہ شکر اس کا کبھی مجھ سے عیاں ہو

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا أَنْ هَدَانَا اللَّهُ لَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے۔ جس نے ہم کو ہدایت دی اور اگر وہ ہدایت نہ دیتا۔ تو ہم کبھی ہدایت نہ پاتے۔ بیشک ہمارے رب کے رسول حق امر لائے ہیں) دل تو چاہتا تھا کہ اس صباحت و ملاحت کا کچھ حال بیان

کروں۔ جس کی نسبت حدیث نبوی میں آیا ہے۔ اَخِي يُوسُفُ اصْبَحْ وَاَنَا اَمْلَحْ (میرا بھائی یوسف صبحت والا تھا اور میں ملاحت والا ہوں) اور اس بارہ میں رمز و اشارہ سے گفتگو کروں لیکن دیکھا کہ رمز و اشارہ مقصود کے ادا کرنے میں قاصر ہے اور سننے والے اس کے سمجھنے سے عاجز ہیں۔ قرآن کے حروف مقطعات سب کے سب ان حقائق احوال اور دقائق اسرار کے رموز و اشارات ہیں۔ جو محبت و محبوب کے درمیان ثابت ہیں۔ لیکن کون ہے۔ جو ان کو معلوم کر سکے۔ علماء راہنہ جو حبیب رب العالمین کے خادموں اور غلاموں کا حکم رکھتے ہیں۔ خادموں کے لئے جائز ہے کہ ان کو مخدوم کے بعض خفیہ اسرار پر اطلاع ہو۔ بلکہ ہو سکتا ہے۔ کہ مخدوم کی تبعیت کے باعث خادم کے ساتھ معاملات بیان کریں اور پس خوردہ کھانے والے کی طرح مخدوم کی دولت خاصہ میں شریک ہو۔ لیکن اگر وہ ان اسرار کو کچھ بھی بیان کرے۔ تو خیانتی ہوتا ہے اور اپنے سر کو برباد کرتا ہے اور قُطِعَ الْبَلْعُومُ جو حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا ہے۔ اس کے حق میں صادق آتا ہے۔ وَيُضِيقُ صَدْرِي وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِي (میرا سینہ تنگ اور میری زبان بند ہو جاتی ہے) اس کا نقد وقت ہے۔ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِي أَمْرِنَا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ (یا اللہ تو ہمارے گناہوں اور کام میں زیادتیوں کو بخش اور ہمارے قدموں کو ثابت رکھ اور کافر لوگوں پر ہمیں فتح دے) وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلَىٰ سَائِرِ مَنْ اتَّبَعَ الْهَدْيَ وَالتَّزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفَىٰ عَلَيْهِ وَعَلَىٰ آلِهِ وَأَصْحَابِهِ الْبَرَّةِ النَّقِيِّ (سلام ہو آپ پر اور ان تمام پر جنہوں نے ہدایت اختیار کی اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑا)

مکتوب ۱۰۱

فلاسفہ کے مذاق کے موافق آیات قرآنی کی تاویل و تفسیر کرنے سے منع کرنے

کے بیان میں شیخ عبد اللہ کی طرف صادر فرمایا ہے:-

سَلِّمُكُمُ اللَّهُ تَعَالَىٰ وَعَافَاكُمُ عَنِ الْبَلِيَّاتِ (اللہ تعالیٰ آپ کو آفات و بلیات سے سلامتی و عافیت بخشے) کتاب تبصرة الرحمن جو آپ نے بھیجی تھی۔ اس کو بعض مقامات سے مطالعہ کر کے واپس بھیج دیا ہے۔ اس کتاب کا مصنف فلاسفہ کے مذہب کی طرف بہت میلان رکھتا ہے اور نزدیک ہے کہ حکماء کو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے برابر کر دے سورہ ہود کی ایک آیت نظر آئی جس کا بیان اس نے حکماء کے طرز پر کیا ہے۔ جو سر اسر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے طرز کے برخلاف ہے اور حکماء و انبیاء کے قول کو باہم برابر کیا ہے اور اس آیت کریمہ میں اس طرح کہا ہے کہ اُولَئِكَ الَّذِينَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ إِلَّا النَّارُ بِإِتْفَاقِ الْأَنْبِيَاءِ وَالْحُكَمَاءِ إِلَّا النَّارُ الْحَسْبَىٰ أَوِ الْعَقْلَىٰ (یہ وہ لوگ ہیں۔ جن کا آخرت میں سوائے آگ کے کوئی حصہ نہیں۔ انبیاء کے اتفاق سے آگ سے مراد آگ حسی ہے اور حکما

کے اتفاق سے آگ عقلی) انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اجماع کے باوجود حکماء کے اجماع کی کیا گنجائش ہے اور عذاب آخرت میں ان کے قول کا کیا اعتبار ہے۔ خاص کر جبکہ انبیاء کے قول کے مخالف ہو۔ فلاسفہ جو عذاب عقلی ثابت کرتے ہیں اس سے عذاب حسی کا رفع کرنا مقصود ہے۔ جس کے ثبوت پر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا اجماع ہے۔ اسی طرح اور بھی کئی جگہ آیات قرآنی کو حکماء کے مذاق کے موافق بیان کرتا ہے۔ اگرچہ مذہب ملین (اہل سنت کے مذہب) کے مخالف ہی ہو یا درہے کہ اس کتاب کا مطالعہ پوشیدہ اور ظاہری ضرروں سے خالی نہیں۔ چونکہ اس امر کا اظہار ضروری تھا اس لئے چند کلمات لکھ کر آپ کو تکلیف دی گئی۔ والسلام

مکتوب ۱۰۲

مجاہدہ اور گوشہ نشینی اور طالبان حق کی تربیت کی ترغیب میں جناب میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا ہے:-

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ (اللہ تعالیٰ کیلئے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا احسان ہے ان حدود کے فقرا کے احوال و اوضاع حمد کے لائق ہیں۔ مدت گزری ہے کہ آپ نے اپنے احوال خیر مال کی اطلاع نہیں دی۔ امید ہے کہ آپ نے اپنی حالت کو بدل لیا ہو گا اور سستی کو چھوڑ کر عمل کے درپے ہو گئے ہوں گے اور فراغت کو ترک کر کے مجاہدہ کی طرف توجہ کی ہو گی۔ اب کاشتکاری کرنے اور بیج بونے کا وقت ہے۔ صرف کھانے اور سو رہنے کا موسم نہیں۔ آدھی رات سونے کے لئے مقرر کریں اور آدھی رات طاعت و عبادت کے لئے۔ اگر اس قدر ہمت نہ ہو سکے۔ تو رات کا تیسرا حصہ جو نصف سے سدس یعنی چھٹے حصے تک ہے۔ ہمیشہ جاتے رہیں اور کوشش کریں۔ کہ اس دولت کے دوام حصول میں فتور نہ پڑے۔ خلق کے ساتھ اسی قدر اختلاط و انبساط رکھیں۔ کہ ان کے حقوق ادا ہو سکیں۔ الضَّرُورَةُ تَقْدَرُ بِقَدْرِهَا (ضرورت اندازہ کے موافق ہوتی ہے) قدر حاجت سے زیادہ خلق کے ساتھ انبساط رکھنا فضول ہے اور لایعنی میں داخل ہے۔ بسا اوقات بڑے بڑے ضرر اس پر مرتب ہوتے ہیں اور شریعت و طریقت کے ممنوعات امور میں داخل ہوتا ہے۔ وہ شیخ جو مریدوں کے ساتھ حد سے زیادہ انبساط رکھتا ہے۔ وہ مریدوں کو ارادت سے نکالتا اور ان کی طلب میں فتور ڈالتا ہے۔ نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذَلِكَ اس امر کی برائی کو اچھی معلوم کریں اور طالبوں کے ساتھ اس قسم کا سلوک کریں۔ جو ان کی الفت و انس کا سبب ہو۔ نہ کہ نفرت و بیگانگی کا موجب۔ خلق سے تنہائی اور گوشہ نشینی بھی ضروری ہے۔ کیونکہ حاجت سے زیادہ ان کے ساتھ آشنائی رکھنا زہر قاتل ہے۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے آپ کو یہ بات بڑی آسانی سے میسر ہے۔ ارباب اختلاط یعنی بلا

وامتحان میں پھنسے ہوئے جوگ جو ہمیشہ اہل تفرقہ کے ساتھ جمع رہتے ہیں اور اس بلا میں مبتلا ہیں۔ وہ کیا کر سکتے ہیں۔ آپ اس نعمت کی قدر جانیں اور اس کے موافق عمل کریں اور طالبوں کے حال سے بخوبی خبردار رہیں اور ظاہر و باطن میں ان کی تربیت کی طرف متوجہ رہیں۔ زیادہ کیا لکھا جائے۔

مکتوب ۱۰۳

قصور احوال پر تربیت کرنے اور تکمیل و کمال کے حاصل کرنے پر ترغیب دینے کے بیان میں شیخ حمید احمدی کی طرف صادر فرمایا ہے:-

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کیلئے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) برادر م عزیز شیخ حمید کا مکتوب شریف پہنچا۔ اس نے بہت خوش وقت کیا۔ یہ کس قدر اعلیٰ نعمت ہے۔ کہ اس قسم کے فتنہ و فساد کے زمانہ میں لوگ ایک شخص کی صحبت میں جائیں اور ان کو خدا تعالیٰ کی پاک بارگاہ کی طرف رغبت پیدا ہو اور ان کے دل ماسوی اللہ کی طرف سے سرد ہو جائیں اور باوجود اس امر کے وہ برادر عزیز اس دولت پر مغرور نہ ہو اور اپنے کام سے فارغ نہ ہو۔ مثل مشہور ہے کہ ہنوز دہلی دور است (ابھی دلی دور ہے) معلوم نہیں کہ سو میں سے ایک نے انجام کو پایا ہو۔ یہ احوال جو طالبوں کو ابتداء میں ظاہر ہوتے ہیں اور ذوق و لذت بخشتے ہیں۔ اسی طرح ہیں جس طرح بچوں کو الف با سکھاتے ہیں۔ اصل معاملہ یہ ہے کہ تجھی سے مولویت حاصل کریں اور ذوق و لذت سے ولایت خاصہ کے درجہ تک پہنچ جائیں۔ بیت

ہنوز ایوان استغنا بلند است مرا فکر رسیدن ناپسند است

ترجمہ۔ بیت

بہت اونچا ہے استغنا کا ایوان نہ کر کوشش وہاں چڑھنے کی اے جاں چاہئے کہ اپنی اوقات کو آباد رکھیں او ظاہر و باطن میں شریعت و طریقت کے ساتھ آراستہ رہیں۔ دوسرے کی تکمیل اپنے کمال کی شاخ ہے۔ جو ولایت خاصہ کا درجہ ہے۔ لیکن جب آپ کی صحبت میں طالبوں کو رشد و ہدایت پیدا ہو اور احوال و مواجید ظاہر ہوں۔ اگرچہ فناء و بقاء کی حد تک نہ پہنچیں۔ تو یہ بھی غنیمت ہے اور اس زمانہ میں سرخ گندھک کا حکم رکھتا ہے۔ اس کو بھی کرتے ہیں۔ لیکن استخاروں اور توجہوں کے بعد جس کسی کو طریقہ کی تعلیم دیں۔ مناسب بلکہ لازم ہے اور اس امر سے ڈرتے اور خوف کرتے رہیں۔ ایسا نہ ہو کہ اسی راہ سے آپ پر شیطان کا غلبہ ظاہر ہو۔ اَعَاذَنَا اللّٰهُ سُبْحَانَهُ مِنْ شَرِّهِ (اللہ تعالیٰ ہم کو اس کے شر سے بچائے) وہ شمار و تعدا جو آپ کو کبھی گئی تھی۔ اگر آپ نے پوری کر لی ہے۔ تو اس سے دگنی تعدا پر عمل کریں اور پھر خبر کریں تاکہ حال کے مناسب اطلاع دی جائے۔

انشاء اللہ تعالیٰ ان یاروں کو کہ جن کا تعلق آپ کے ساتھ ہے۔ دعا پہنچائیں۔ صحیفہ شریفہ جو سید یحییٰ نے لکھا تھا پہنچا۔ اللہ تعالیٰ کیلئے حمد ہے۔ کہ ایسے زمانہ میں کہ قیامت کا کمال قرب رکھتا ہے۔ جیسے کہ حدیث میں آیا ہے۔ کہ تَقُومُ السَّاعَةُ عَلَىٰ أَشْرَارِ النَّاسِ (قیامت برے لوگوں پر قائم ہوگی) لوگوں کے دل حق تعالیٰ کی طرف کھچے ہوئے ہیں اور اس درگاہ پاک کے شوقین اور فریفتہ ہیں۔ دوستوں سے غائبانہ دعا کی توقع اور سلامتی خاتمہ کی امید ہے۔ رَبَّنَا أَنْتُمْ لَنَا نُورٌ نَا وَاعْفِرْ لَنَا إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (یا اللہ تو ہمارے نور کو کامل کر اور ہم کو بخش۔ بیشک تو ہر شے پر قادر ہے)

مکتوب ۱۰۴

بعض مراتب تک پہنچنے کی خوشخبری میں حضرات ذوالبرکات حضرت خواجہ محمد سعیدؒ و حضرت خواجہ محمد معصومؒ کی طرف صادر فرمایا ہے:-

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ (اللہ تعالیٰ کیلئے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) مدت گزری ہے کہ فرزند ان گرامی نے اپنے ظاہری و باطنی احوال کی نسبت کچھ نہیں لکھا۔ شاید دیر تک جدا رہنے کے باعث مجھ دور افتادہ کو بھول گئے ہو۔ ہم بھی ارحم الراحمین رکھتے ہیں۔ آیت کریمہ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهُ (کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کو کافی نہیں) نامراد غریبوں کو تسلی بخشنے والی ہے۔ عجب معاملہ ہے۔ کہ تمہاری اس قدر ناپرواہی کے باوجود ہمیشہ دل تمہارے احوال کی طرف متوجہ ہے اور تمہارے کمال کا خواہاں ہے۔ کل صبح کی نماز کے بعد مجلس سکوت یعنی مراقبہ و خاموشی کے وقت ظاہر ہوا۔ کہ وہ خلعت جو میں نے پہنی ہوئی تھی۔ مجھ سے دور ہو گئی اور بجائے اس کے اور خلعت مجھے پہنائی گئی۔ دل میں آیا کہ یہ خلعت زائلہ کسی کو دیتے ہیں یا نہیں۔ مجھے یہ آرزو ہوئی۔ کہ اگر یہ خلعت زائلہ میرے فرزند محمد معصوم کو دیدیں تو بہتر ہے۔ ایک لمحہ کے بعد دیکھا کہ میرے فرزند کو مرحمت فرمائی گئی ہے اور وہ خلعت سب کی سب اس کو پہنائی گئی ہے۔ یہ خلعت زائلہ معاملہ قیومیت سے مراد ہے۔ جو تربیت و تکمیل سے تعلق رکھتا ہے اور اس عرصہ مجتمعہ میں ارتباط کا باعث ہے۔ اس خلعت جدیدہ کا معاملہ جب انجام تک پہنچ جائے گا اور خلع کی مستحق ہو جائے گی۔ تو امید ہے کہ کمال کرم سے فرزند عزیز محمد سعید کو عطا فرمائیں گے۔ فقیر ہمیشہ عاجزی سے یہ سوال کرتا ہے اور قبولیت کا اثر پاتا ہے اور فرزند عزیز کو اس دولت کا مستحق معلوم کرتا ہے۔ ع

برکریماں کارہا دشوار نیست

ترجمہ۔ ع کریموں پر نہیں مشکل کوئی کام

استعداد بھی اس کی دی ہوئی ہے۔ بیت

نیاورد دم از خانہ چیزے نخست تو دای ہمہ چیز و من چیز تست

ترجمہ۔ بیت

نہیں لایا میں کچھ بھی اپنے گھر سے مجھے سب کچھ ملا ہے تیرے در سے
 اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِعْمَلُوا اِلٰی دَاوُدَ شُكْرًا وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشُّكُوْرُ (اے آل داؤد عمل کرو اور شکر بجالاؤ۔ میرے بندے شکر گزار تھوڑے ہی ہیں) تم جانتے ہی ہو کہ شکر سے مراد یہ ہے کہ بندہ اپنے ظاہری باطنی اعضاء و جوارح و قوی کو جس جس غرض کے لئے خدا تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے۔ ان میں صرف کرے۔ کیونکہ اگر یہ نہ ہوتے۔ تو شکر بھی حاصل نہ ہوتا۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْمَوْفِقُ (اللہ تعالیٰ توفیق دینے والا ہے) اس قسم کے علوم پوشیدہ اسرار میں سے ہیں۔ اگرچہ صرفہ کے ساتھ کہے جاتے ہیں۔ لیکن پھر بھی ان کا پوشیدہ رکھنا ضروری ہے تاکہ لوگ فتنہ میں نہ پڑ جائیں۔ دوسرے یہ کہ وہ مشکل جو درپیش تھی۔ شاید وہ معاملہ عالم مثال میں تھا۔ ان دنوں میں وہ بھی حل ہو گئی ہے اور کوئی پوشیدگی نہیں رہی۔ شاید اس امر میں خواجہ معین الدین کی روحانیت کا بھی دخل ہو گا۔ حمد معصوم بھی شاید اس مشکل کو دل میں رکھتا ہو گا۔ والسلام

مکتوب ۱۰۵

سنت کے زندہ کرنے اور بدعت سے ڈرانے کے بیان میں شیخ حسن برکی کی طرف اس کے اس خط کے جواب میں جو اس نے اپنے احوال کے بیان میں لکھا تھا صادر فرمایا ہے:-
 الْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کیلئے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) برادر مر عزیز شیخ حسن (کہ خدا اس کا انجام اچھا کرے) کا صحیفہ شریفہ پہنچا۔ بہت خوش کیا۔ ان علوم و معارف کے مطالعہ سے جو اس میں لکھے تھے نہایت ہی خوشی حاصل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کیلئے حمد ہے کہ کتاب و سنت کے مطابق اور فرقہ ناجیہ کے عقائد کے موافق تمام علوم صحیح اور معارف صادق ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو استقامت بخشے اور اعلیٰ اور بلند مقاصد تک پہنچائے۔ آپ نے بدعتوں کے دور کرنے کی نسبت کچھ حال لکھا تھا۔ یہ کیسی اعلیٰ نعمت ہے۔ کہ اس بدعتوں کی تاریکی سے بھرے ہوئے زمانہ میں حق تعالیٰ کسی صاحب دولت کو یہ توفیق دیدے کہ بدعتوں میں سے کسی بدعت کو دور کرے اور سنتوں میں سے کسی سنت کو زندہ کرے۔ صحیح احادیث میں آیا ہے۔ کہ جو شخص سنت کو زندہ کرے۔ بعد ازاں کہ اس کا علم دور ہو چکا ہو۔ اس شخص کے لئے سوشہید کا ثواب ہے۔ اس مضمون سے اس کا کام کی بزرگی معلوم کریں۔ لیکن اس بات کو بھی مد نظر رکھیں کہ یہ امر فتنہ کے بیدار کرنے تک نہ پہنچے اور ایک نیکی بہت سی برائیوں کے اظہار کا باعث نہ ہو۔ کیونکہ آخر زمانہ ہے اور ضعف

اسلام کا وقت ہے۔ وہ رسالہ جو آپ نے بھیجا تھا۔ اس کے مطالعہ سے بھی بہت خوشی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کیلئے حمد ہے۔ کہ یہ علوم فقیر کے علوم کے موافق اور کشف کے مطابق ہیں اور آپ کی نظر بہت بلند ہے۔ آپ کے اس خط کو جس میں آپ کے حالات اور بعض علوم کے استفسار درج تھے۔ برادر محمد ہاشم کشمی کے سپرد کیا تھا۔ تاکہ جواب لکھنے کے وقت حاضر کر دے۔ اتفاقاً وہ خط اس سے گم ہو گیا۔ اس لئے تفصیل وار جوابوں کے لکھنے میں توقف واقع ہوا۔ جس قدر دل میں یاد رہ گیا تھا۔ اس کا جواب لکھا گیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ احوال پسندیدہ ہیں اور علوم صحیح دوسرے یہ کہ گزارش ہے کہ مغفرت پناہ مولانا احمد کے فرزندوں کی تعلیم و تربیت میں بہت کوشش بجالاتیں اور ظاہری و باطنی آداب کے ساتھ آراستہ ہونے کے ہدایت کریں۔ تمام مخلص یاروں بلکہ وہاں کے تمام مسلمانوں کو شریعت کی متابعت اور سنت کے بجالانے کی رہنمائی کریں اور بدعتوں کے اختیار کرنے سے ڈرائیں۔ وَاللّٰهُ مُبْحَاثُهُ الْمَوْفِقُ (اللہ تعالیٰ توفیق دینے والا ہے) خواجہ محمد ہاشم نے تیسری جلد کے بعض مکتوبات کی نقل کرا کر آپ کی طرف بھیجی ہے۔ اس سے فائدہ اٹھائیں۔ اس فقیر کے اوقات مختلف ہیں۔ بعض اوقات علوم و معارف کے لکھنے پر بے اختیار رغبت پیدا ہو جاتی ہے اور بعض اوقات حالانکہ اسرار غریبہ کا افادہ فرماتے ہیں۔ لکھنے سے اس قدر نفرت آتی ہے۔ کہ ہاتھ میں قلم پکڑنے کو جی نہیں چاہتا۔ اسی واسطے آپ کے آئے ہوئے خطوں کے تفصیل وار جواب دینے میں فتور پڑ جاتا ہے اور تکلف سے بھی کچھ نہیں لکھ سکتا۔ باقی احوال حمد کے لائق ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی عنایت سے لشکر کی ہمراہی سے خلاصی ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ استقامت کے ساتھ رکھے۔ وہاں کے سب یاروں کے لئے دعوات مخصوصہ ہیں۔ والسلام

مکتوب ۱۰۶

اس واقعہ کے بیان میں کہ جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا تھا اور ان سے بہت اعلیٰ بشارتیں پائی تھیں۔ حضرت مخدوم زادگاں سلمہم اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا ہے:-

فرزند ان گرامی کا صحیفہ شریفہ پہنچا۔ اللہ تعالیٰ کیلئے حمد ہے کہ صحت و عافیت سے ہیں۔ آج ایک تازہ معاملہ ظاہر ہوا ہے۔ جو لکھتا ہوں۔ آج شنبہ کی رات کو بادشاہی مجلس میں گیا تھا۔ ایک پہر رات گزرے وہاں سے واپس آیا اور تین پارہ قرآن مجید حافظ سے سنا۔ دو پہر رات گزر چکی تھی۔ کہ نیند میسر ہوئی صبح کے حلقہ کے بعد چونکہ رات کا تھکا ماندہ تھا۔ سو گیا۔ خواب میں دیکھتا ہوں کہ حضرت رسالت پناہ ﷺ نے فقیر کے لئے اجازت نامہ لکھا ہے۔ جس طرح کہ مشائخ کی عادت ہے۔ کہ اپنے خلفاء کے لئے لکھتے ہیں اور فقیر کے مخلص یاروں میں سے ایک یار بھی اس معاملہ میں ہمراہ ہے۔ اس اثنا

میں ظاہر ہوا۔ کہ اس اجازت نامہ کے اجرا میں سے تھوڑا سا فتور ہے۔ اس فتور کی خاص وجہ بھی اسی وقت معلوم ہو گئی۔ وہ یار جو اس خدمت کا پیش کار ہے۔ دوبارہ اس اجازت نامہ کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لے گیا اور آنحضرت نے اس اجازت نامہ کی پشت پر دوسرا اجازت نامہ لکھایا لکھوایا۔ یہ تشخیص نہیں ہوا۔ لیکن آنحضرت کی نسبت معلوم ہے۔ کہ لکھنے کے بعد اپنی مہر سے مزین فرمایا ہے۔ اس اجازت نامہ کا مضمون یہ ہے۔ کہ دنیا کے اجازت نامہ کے عوض آخرت کا اجازت نامہ دیا ہے اور مقام شفاعت میں نصیب و حصہ عطا فرمایا ہے اور کاغذ بھی بہت لمبا ہے اور اس میں سطریں بہت سی لکھی ہیں۔ میں اس یار سے پوچھتا ہوں۔ کہ پہلا اجازت نامہ کیسا ہے اور دوسرا اجازت نامہ جو لکھا ہے وہ کونسا ہے۔ میں اس وقت معلوم کرتا ہوں۔ کہ میں اور آنحضرت باہم ایک ہی جگہ میں ہیں اور باپ بیٹے کی طرح زندگی بسر کرتے ہیں اور آنحضرت ﷺ اور ان کے اہل بیت مجھ سے بیگانے نہیں ہیں۔ میں اس کاغذ کو لپیٹ کر اور اپنے ہاتھ پر رکھ کر محرم فرزندوں کی طرح ان کے حرم شریف میں داخل ہوا ہوں۔ امہات المؤمنین مومنوں کی ماؤں میں سے بڑی ماں (حضرت خدیجہ الکبریٰ) مجھے آنحضرت کے حضور میں بعض بعض خدمات بڑے اہتمام سے فرماتی ہیں اور کہتی ہیں۔ کہ میں تیرا انتظار کرتی تھی۔ اس طرح اس طرح کرنا چاہئے۔ اسی اثنا میں افادہ ہو گیا۔ یہ بات دل سے دور ہو گئی۔ کہ اس فتور کی وجہ کیا تھی۔ جو معلوم ہوتی تھی۔ جوں جوں آنکھ کھلتی جاتی تھی۔ اس واقع کی خصوصیتیں دل سے نکلتی جاتی تھیں۔ تم کو یاد ہو کہ میں اس بارہ میں پہلے بھی یہ بات کہا کرتا تھا۔ کہ یہ بلند نسبت عجیب ہے کہ اپنے انداز کے موافق ظہور نہیں کرتی۔ یہ بات ہر گز دل میں نہ آتی تھی۔ کہ اس کا ظہور ظاہر آخرت کے لئے ذخیرہ رکھا ہے۔ جس کا نعم البدل میسر ہو گا۔ اس واقعہ سے ان ترددات سے تشفی حاصل ہوئی۔ قیامت قریب ہے اور ظلمتوں کے گھٹائیں چھا رہی ہیں۔ کہاں خیریت اور کجا نورانیت۔ شاید حضرت مہدی علیہ الرضوان خلافت ظاہر کی تائید پا کر اس کو رواج دیں گے اور اس نعمت کے شکریہ میں آج فرمایا ہے۔ کہ قسم قسم کے کھانے آنحضرت ﷺ روحانیت کے لئے پکائیں اور شادی کی مجلس لگائیں۔ اس مکتوب کے اٹھانے کے والے بھی شاید ان کھانوں میں سے تناول فرمائیں گے۔ دوسری یہ ہے۔ کہ ایک مکتوب میں ایک واقعہ کے بیان میں لکھا تھا۔ کہ تیسرے یار کو نوکری میں قبول نہ کیا۔ کچھ دیر کے بعد ظاہر ہوا۔ کہ محض کرم سے اس کو بھی قبول فرمایا اور قبولیت کے آثار ظاہر ہوئے۔ **لِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ عَلٰی ذٰلِكَ وَعَلٰی جَمِیْعِ نِعَمَائِهِ** (اس نعمت پر بلکہ تمام نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کی حمد اور احسان ہے) ان دنوں میں معارف غریبہ او علوم عجیبہ ظاہر ہوئے ہیں۔ گویا وہ ورق مقرر مر قوم ہوا ہے اور ہر ایک کا معاملہ جدا ظاہر ہوا ہے فرزند دور ہیں اور عمر کا معاملہ نزدیک

ہوتا جاتا ہے۔ دیکھیں کیا ہوتا ہے۔ اَلْخَيْرُ فِيمَا صَنَعَ اللّٰهُ تَعَالٰی (بہتر وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کرے) کہتا ہوں اور صبر کرتا ہوں۔ رَبَّنَا اِنَّا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً وَهَيَّا لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا (یا اللہ تو اپنے پاس سے ہم پر رحمت نازل فرما اور ہمارے کام سے بھلائی نصیب کر) وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اَتْبَعَ الْهُدٰی (سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی)

مکتوب ۱۰۷

نسبت رابطہ میں فتور آنے اور طاعات میں لذت نہ پانے کے سبب میں خواجہ محمد اشرف کی طرف صادر فرمایا ہے:-

حمد و صلوة اور تبلیغ دعوات کے بعد گزارش ہے۔ کہ برادر م عزیز کا صحیفہ شریفہ پہنچا۔ اللہ تعالیٰ کی حمد ہے کہ صحت و عافیت سے ہیں۔ آپ نے پوچھا تھا کہ کیا باعث ہے کہ نسبت رابطہ میں فتور آجاتا ہے۔ تو طاعات میں لذت نہیں پاتا۔ واضح ہو کہ جو امر رابطہ کے فتور کا سبب ہے طاعات میں لذت کا مانع بھی وہی ہے۔ کبھی قبض بھی اس فتور کا باعث ہوتی ہے اور کبھی خطا و لغزش کے ہو جانے کے باعث کدورت طاری ہو جاتی ہے۔ پہلی وجہ مذموم نہیں۔ بلکہ سلوک طریقہ کے لوازم سے ہے۔ دوسری وجہ کا تدارک توبہ و استغفار سے کرنا چاہئے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ کے کرم سے اس کا اثر دور ہو جائے چونکہ قبض اور کدورت کے درمیان تمیز بمشکل ہو سکتی ہے۔ اس واسطے ہر حال میں توبہ و استغفار فائدہ مند ہے۔ حق تعالیٰ استقامت عطا فرمائے۔ والسلام

مکتوب ۱۰۸

ان معاملات کے بیان میں جو اصل الاصل کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں اور یہ

معرفت معنی سے منقول ہے۔ ملاطافہ خادم کی طرف صادر فرمایا ہے:-

وہ معاملات جو اصل الاصل سے تعلق رکھتے ہیں۔ دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ ہیں۔ جن کو مثالی صورتوں یا کسی اور امر کے طور پر وہاں سے معلوم کر سکتے ہیں۔ یہ معاملہ اس وقت تک ہے جب تک ان مقامات میں سیر ہے جن کو عالم کے ساتھ مناسبت یا مشارکت ہے۔ خواہ وجہ واسم کے طور پر ہو۔ یہ سیر مقام رضا کے نہایت تک ہے۔ جب کسی شخص کو مقام رضا سے اوپر سیر میسر ہوتا ہے۔ تو اس کو وہاں سے کچھ معلوم نہیں ہوتا۔ نہ ہی مثالی صورتوں کے طور پر اور نہ کسی اور امر کے طور پر۔ اس وقت اس عارف کو مقامات فوق کے صرف حصول کا علم ہوتا ہے۔ بغیر اس بات کے کہ اس کو وہاں سے کچھ معلوم ہو۔ ان مقامات میں اسم نبوت و رسالت وغیرہ بھی بغیر مفقود ہے۔ میرا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ کل کو دار خلد میں ان مقامات کا علم نصیب کرے گا۔ اس سیر کی نہایت مرتبہ مخصوص تک ہے۔ جو اس

کے ارباب پر پوشیدہ نہیں۔ والسلام۔

مکتوب ۱۰۹

اس بیان میں کہ عالم کا ایجاد مرتبہ وہم میں ہے۔ لیکن ایجاد کے استقرار و تعلق کے باعث نفس امری ہو گیا ہے اور یہ مرتبہ علم و خارج کے مرتبہ کے ماسوا ہے اور اس بیان میں کہ وحدت بھی نفس امری ہے اور کثرت بھی اور اس بات کی تحقیق میں کہ باوجود ثبات و استقرار کے سالک کی فناء کیونکر ہے۔ حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد معصوم سلمہ اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا ہے:-

(یہ مکتوب حوادث ایام کے باعث ناتمام رہا ہے) مرتبہ وہم اس مرتبہ سے مراد ہے جہاں نمود بے بود ہے۔ جس طرح کہ زید کی صورت جو آئینہ میں متوہم ہو۔ نمود بے بود ہے۔ کیونکہ آئینہ میں ہر گز کوئی صورت موجود نہیں۔ اس میں صرف نمود وہی ثابت ہے اور کشف صحیح اور شہود صادق سے ظاہر ہوا ہے۔ کہ حق تعالیٰ نے اپنی کمال قدرت سے عالم کو اس مرتبہ میں پیدا فرمایا ہے اور اپنی کامل صنعت سے محض نمود کو بود بخشا ہے۔ اس مرتبہ میں اگرچہ نمود بے بود ہے لیکن چونکہ عالم اس مرتبہ میں مخلوق ہوا ہے اس لئے نمود بے بود ہو چکا ہے۔ کیونکہ حق تعالیٰ کا ایجاد بود و وجود کو ثبوت بخشنے والا ہے اور جب نمود با بود ہوا تو نفس امری ہو گیا اور احکام و آثار صادقہ اس پر مترتب ہوئے یہ مرتبہ وہم مرتبہ علم و خارج سے الگ ہے۔ یہ مرتبہ وہم مرتبہ علم کی نسبت مرتبہ خارج کے ساتھ زیادہ شباهت و مناسبت رکھتا ہے اور اس کا ثبوت خارجی ثبوت کی مانند ہے۔ برخلاف ثبوت علمی کے کہ جس کو وجود ذہنی کہتے ہیں جو وجود خارجی کے مقابل ہے اور وہ ظہور بھی جو مرتبہ وہم میں ہے۔ ظہور خارجی کے ساتھ پوری پوری مشابہت رکھتا ہے۔ برخلاف مرتبہ علم کے کہ وہاں بطون و کمون ہے گویا مرتبہ وہم میں مرتبہ خارج کا ظل ڈال کر اس میں عالم کو ایجاد فرمایا ہے اور وجود خارجی کے ظل سے عالم کو ظل خارج کے مرتبہ میں موجود کیا ہے۔ پس نفس خارج میں ذات احدیت جل شانہ کے سوا کچھ موجود نہیں اور ظل خارج میں ظل وجود کے ساتھ عالم باوجود اس قدر تعدد و کثرت کے حق تعالیٰ کے ایجاد سے موجود ہے۔ یعنی خارج میں نفس امر کثرت ہے۔ پس وحدت بھی نفس امری ہے اور کثرت بھی اور ہر ایک کا اعتبار الگ الگ ہے۔ وَلَا مَحْذُورَ فِيهِ (اس میں کوئی ڈر نہیں) جس طرح عالم کا یہ خارج اور وجود ظلی ہے۔ اسی طرح باقی تمام صفات یعنی حیات و علم و قدرت وغیرہ بھی اس میں صفات واجبی جل شانہ کے ظلال ہیں۔ بلکہ نفس امر جو ثبوت عالم میں ثابت کیا جاتا ہے۔ وہ بھی مرتبہ خارج کے نفس امر کا ظل ہے۔ بیت

تو داوی ہمہ چیز و من چیز تست

نیاوردن از نمانہ چیزے نخست

ترجمہ بیت

نہیں لایا میں کچھ بھی اپنے گھر سے مجھے سب کچھ ملا ہے تیرے در سے
 اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَلَمْ تَرَ اِلٰی رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الْبَطْلُ (کیا تو نے اپنے رب کو نہیں دیکھا کہ اس
 نے کس طرح سایہ دراز کیا ہے)۔

سوال: تم نے اپنے رسالوں میں لکھا ہے کہ ظل جو کچھ رکھتا ہے۔ اپنے اصل سے رکھتا ہے اور ظل
 اپنے اصل کا صرف امانت دار ہے اگر سالک مستعد سب کچھ خیر و کمال جو ظلیت کے طور پر رکھتا ہے۔ یعنی
 وجود اور توابع وجود کے کمالات سب اپنے اصل کو دیدے اور اپنے آپ کو تمام کمالات سے خالی پائے تو
 فناء و نیستی سے متحقق ہو جائے گا اور اس کا کوئی نام و نشان نہ رہے گا۔ اس کلام کا حاصل کیا ہے اور کمالات
 کو اصل کی طرف دینے کے کیا معنی ہیں اور سالک کے ثبوت و استقرار کے باوجود اس کو فناء و نیستی کس
 اعتبار سے ہے۔

جواب: اس فنا کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے عاریت کے کپڑے پہنے ہوں اور اس کو معلوم
 ہو کہ یہ کپڑے میرے اپنے نہیں ہیں بلکہ کسی اور کے ہیں جو عاریت کے طور پر پہنے ہیں۔ جب یہ دید
 بہت ہی غالب آجائے تو ہو سکتا ہے کہ باوجود کپڑے پہننے کے ان تمام کپڑوں کو ان کے مالک کی طرف
 منسوب کرے اور اپنے آپ کو برہنہ اور ننگا معلوم کرے۔ حتیٰ کہ اپنے برہنہ ہونے کے باعث ہمنشینوں
 سے شرمندگی اٹھائے اور حیاء کے مارے اپنے آپ کو گوشہ میں چھپائے۔ چونکہ سالک کا وجود مرتبہ وہم و
 تخیل میں مخلوق ہوا ہے اس لئے فناء تخیلی بھی اس کیلئے کافی ہے۔ کیونکہ اس تخیل کا غلبہ اس کو یقین قلبی
 تک پہنچا دیتا ہے اور ذوقی و وجدانی کر دیتا ہے اور جو کچھ فناء نیستی سے مقصود ہے۔ ظاہر کر دیتا ہے کیونکہ
 فناء سے مقصود یہ ہے کہ ظل کی گرفتاری دور ہو جائے اور اصل کی گرفتاری حاصل ہو جائے جب ظل کا
 اصل کی طرف رجوع کرنا یقینی اور ذوقی و وجدانی ہو جاتا ہے تو ظل کی گرفتاری زائل ہو جاتی ہے اور
 بجائے اس کے اصل کی گرفتاری آ جاتی ہے۔ اگر یہ تخیل حاصل نہ ہوتا تو ظل کی گرفتاری کے دور
 ہونے کی دولت میسر نہ ہوتی بلکہ اس راہ کے سلوک کا مدار توہم و تخیل پر ہے احوال و مواجید جو اس راہ
 کے جزئی امور ہیں وہم ہی سے ادراک میں آتے ہیں اور سالکوں کی تجلیات و تلونیات خیال کے آئینہ
 میں شہودی ہوتی ہیں۔ فَلَوْلَا الْوَهْمُ لَقَصَرَ الْفَهْمُ وَلَوْلَا الْخِيَالُ لَسَرَ الْحَالُ (اگر وہم نہ ہوتا تو فہم
 قاصر رہتا اور اگر خیال نہ ہوتا تو حال پوشیدہ رہتا) اس راہ میں وہم و خیال سے زیادہ فائدہ مند کوئی چیز
 نہیں۔ ان کے ادراک و انکشاف اکثر واقع کے مطابق ہیں وہم ہی ہے جو پچاس ہزار سال کا راستہ جو
 اور رب کے درمیان ہے۔ اللہ تعالیٰ کے کرم سے تھوڑی مدت میں طے کر لیتا ہے اور در بات وصول

تک پہنچا دیتا ہے اور خیال ہی ہے جو غیب الغیب کے دقائق و اسرار کو اپنے آئینہ میں منکشف کرتا ہے اور سالک مستعد کو ان پر اطلاع بخشتا ہے یہ وہم کی شرافت کے باعث ہے کہ حق تعالیٰ نے عالم کو اس مرتبہ میں پیدا کرنا اختیار فرمایا ہے اور اس کو اپنے کمالات کے ظاہر ہونے کا محل بنایا ہے اور یہ خیال ہی کی بزرگی کے سبب سے ہے کہ حضرت واجب الوجود جل شانہ نے اس کو عالم مثال کا نمونہ بنایا ہے۔ جو تمام عالموں سے زیادہ وسیع ہے حتیٰ کہ اس عالم میں مرتبہ و جوب جل شانہ کی صورت بھی بیان کی ہے اور حکم کیا ہے کہ حق تعالیٰ کی مثل نہیں لیکن مثال ہے۔ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْأَعْلٰی (مثال اعلیٰ اللہ تعالیٰ کیلئے ہے) یہ احکام و جوبہ ہی کی صورتیں ہیں۔ جن کو عارف اپنے خیال کے آئینہ میں محسوس کرتا ہے اور ان کو دریافت کرنے کے ذوق پر ترقی فرماتا ہے۔

سوال: پہلی تحقیق سے واضح ہوا کہ فنا و نیستی تخیل کے اعتبار سے ہے اگرچہ وہ تخیل یقین قلبی تک پہنچا دیتا ہے اور وجدانی اور ذوقی بنا دیتا ہے اور احکام صادقہ اس پر مترتب ہوتے ہیں لیکن تحقیق و وجود کے اعتبار سے نہیں اور تم نے بعض رسالوں میں لکھا ہے کہ یہ فنا اعتبار و وجود کے ہے اور اس میں عین و اثر کا زوال ہے اس معاملہ کی حقیقت کیا ہے؟

جواب: چونکہ ظل کے وجود کا اصل کی طرف رجوع کرنا یقین تک پہنچ جاتا ہے اور وجدانی اور ذوقی ہو جاتا ہے اس لئے وجود کے زوال کا حکم کیا گیا ہے اور عین و اثر کا زوال کہا گیا ہے۔

سوال: فانی کے ثبوت اور استقرار کے باوجود فنا و وجودی کا یہ حکم صادق ہے یا کاذب؟

مکتوب ۱۱۰

اس بیان میں کہ عارف کا معاملہ یہاں تک پہنچ جاتا ہے کہ کسی معلوم کی صورت اس میں حاصل نہیں ہوتی۔ اس وقت ہر ایک ذرہ اس کیلئے مطلوب کی طرف شاہراہ ہوتا ہے اور اس بیان میں کہ اس عارف کی حب حق تعالیٰ کی حب تک پہنچا دیتی ہے اور اس کا بغض حق تعالیٰ کے بغض کا باعث ہوتا ہے اسی طرح اس کی تعظیم و اہانت کا حال ہوتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کی آل و اصحاب کو بھی آنحضرت ﷺ کے ساتھ یہی نسبت ہے۔ یہ معارف معنی سے نقل کئے گئے ہیں۔ حضرت مخدوم زادہ محمد معصوم سلمہ اللہ کی طرف صادر فرمایا ہے:-

جب عارف مقامات ظل کو طے کر کے معاملہ کے اصل تک پہنچا جاتا ہے۔ اس وقت اس کا وہ علم جو اشیاء سے تعلق رکھتا ہے۔ ظلیت کی قید سے پاک ہو جاتا ہے۔ یعنی اشیاء اس کو اس طرح معلوم ہوتی ہیں کہ اس میں سے کچھ بھی اس میں حاصل نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس وقت جو کچھ اس میں حاصل ہو گا وہ شے

کی صورت و ظل ہو گا نہ اس شے کا عین۔ جیسے کہ علم کی تعریف میں کہا گیا ہے کہ وہ عقل میں شے کی صورت کا حصول ہے کیونکہ اس میں کچھ شک نہیں کہ شے کی وہ صورت جو عقل میں حاصل ہے وہ اس شے کا شے ہے نہ کہ اس کا عین جیسے کہ کشف صریح اور الہام صحیح اس پر شاہد ہے۔ اس وقت عارف عالم کی حق تعالیٰ کے ساتھ صانعیت و مصنوعیت کی نسبت کے سوا اور کوئی نسبت ثابت نہیں کرتا اور ظَلِیْتُ و عِیْنَت و مِرَاقِبَت کی نسبت سے بر طرف ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ معاملہ کمالات ذاتیہ پر وابستہ ہے اور حق تعالیٰ کی ذات کو عالم سے غناء ذاتی ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنٰی عَنِ الْعَالَمِیْنَ (اللہ تعالیٰ تمام جہان والوں سے غنی ہے) برخلاف بعض اسماء و صفات کے مراتب کے جن میں یہ نسبت متصور ہے۔ پس جب تک ان مقامات سے نہ گزریں اور اصل الاصل تک نہ پہنچیں۔ اس نسبت سے بے نصیب رہتے ہیں۔ اس مقام میں عارف کیلئے ہر ایک ذرہ حق تعالیٰ کی جناب پاک کی طرف شاہراہ بن جاتا ہے۔ برخلاف علم حصولی کے کہ جس میں عالم کی صورت ہر شے کو اپنی طرف کھینچتی ہے اور عالم خود تمام اشیاء کا آئینہ بن جاتا ہے۔ ایسے ہی ظلیت اور مراتبیت کی صورت میں ہر شے اس علم والے کو اپنی طرف کھینچتی ہے اور اس کی نظر بصیرت کو اپنے باہر نہیں رہنے دیتی۔ جب اللہ تعالیٰ کے فضل سے حصول ظلیت کی قید سے نکل جاتا ہے تو موجودات کے ذرات میں سے ہر ایک ذرہ یعنی عرض و جواہر اور آفاق و انفس اس کیلئے گویا غیب الغیب کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ جاننا چاہئے کہ جس طرح پہلے وہ شخص تمام اشیاء کا آئینہ تھا اور جو کچھ کرتا تھا اپنے لئے کرتا تھا اور جو کچھ اس سے صادر ہوتا تھا۔ اسی شخص کی طرف راجع ہوتا ہے۔ خواہ نیت کرتا تھا یا نہ کرتا تھا۔ اب جبکہ اپنے آئینے کو آئینہ داری سے ہٹا چکا ہے اور ظل کی قید سے نکل چکا ہے اور ناودان یعنی پر نالہ کی طرح ہو گیا ہے کہ جو کچھ اس میں آ پڑتا ہے اس کو اپنے اندر نہیں رہنے دیتا اور باہر ڈال دیتا ہے تو اب جو کچھ کرتا ہے اپنے لئے نہیں کرتا۔ بلکہ حق کیلئے کرتا ہے خواہ نیت کرے یا نہ کرے کیونکہ نیت احتمال میں ہوتی ہے نہ یقین میں اس وقت اس عارف کی حب حق تعالیٰ کی حب کی طرف لے جاتی ہے اور اس کا بغض حق تعالیٰ کے بغض کا باعث ہوتا ہے۔ اسی طرح اس کی تعظیم و توقیر حق تعالیٰ کی تعظیم و توقیر ہوتی ہے اور اس کی اہانت و بے ادبی حق تعالیٰ کی اہانت و بے ادبی۔ آنحضرت ﷺ کے اصحاب کو بھی آنحضرت ﷺ کے ساتھ اپنے اپنے درجات کے مطابق یہی نسبت ہے کہ ان کا حب و بغض آنحضرت ﷺ کے حب و بغض تک پہنچا دیتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ مَنْ أَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّیْ أَحَبَّهُمْ وَمَنْ أَبْغَضَهُمْ فَبِابْغَضِیْ أَبْغَضَهُمْ (جس نے ان کو دوست رکھا اس نے میری محبت کے باعث ان کو دوست رکھا اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے میرے بغض کے باعث ان سے بغض رکھا) آنحضرت ﷺ کے اہل بیت کو بھی

آنحضرت ﷺ کے ساتھ یہی نسبت ہے لیکن اس نسبت علیہ کا ظہور حضرت مرتضیٰ اور حضرت فاطمہ الزہراء اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں کامل طور پر ہے اور باقی بارہ اماموں میں بھی اس کا اثر مشہود ہوتا ہے ان کے سوا اور کسی میں یہ نسبت محسوس نہیں ہوتی۔ والسلام۔

مکتوب ۱۱۱

قَاب قَوْسَيْنِ اور اَوْ اَذْنِي کے بعض اسرار غریبہ کے بیان میں اور اس سر میں کہ عارف کامل اپنے کاتب شمال یعنی بائیں طرف کے عمل نامہ لکھنے والے فرشتہ کو نہیں پاتا۔ یہ معارف بھی معنی سے منقول ہیں۔ شیخ نور محمد نہاری کی طرف صادر فرمایا ہے:-

معاملہ قَاب قَوْسَيْنِ میں ظاہر میں مظہر کارنگ پیدا ہوتا ہے کیونکہ سالک سے عین و اثر کا زائل ہونا حاصل نہیں ہوتا۔ برخلاف معاملہ اَوْ اَذْنِي کے کہ اس میں مظہر کا کوئی حکم و اثر نہیں رہتا۔ اسی واسطے اس دوسرے مرتبہ میں مظہر ایک ایسا امر ہوتا ہے جو مرتبہ وجوب سے حاصل ہوتا ہے اور وہ ایک خلعت خاص ہوتی ہے جو عارف کے معاملہ کے ختم ہونے کے بعد مرتبہ اصلی سے اسے عنایت فرماتے ہیں اور اس کو صورت کے افاضہ سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں۔ یہ ایک نہایت ہی پوشیدہ سر ہے۔ اس کی تفصیل انشاء اللہ کسی اور جگہ بیان کی جائیگی پس اس معاملہ میں مظہر ایک ایسا امر ہوتا ہے۔ جس میں عدم کی بو اور امکان کی آمیزش نہیں ہوتی۔ بیت

وَلَوْ جِهَهُ مِنْ وَجْهِهِ قَمَرٌ
وَلَعَيْنُهُ مِنْ عَيْنِهِ كُنْجُلٌ

ترجمہ بیت

چمکتا اسکے چہرہ پر ہے روشن نور یزدان کا
پڑا ہوتا ہے آنکھوں میں خدائی کا سرما

اگرچہ وہ انفعال بھی جو مرتبہ قَاب قَوْسَيْنِ میں ثابت کیا جاتا ہے حق ہے اور وہ ظہور جو اس مرتبہ میں ہے اصل کا ظہور ہے لیکن ظلیت کی آمیزش سے خالی ہے اور اس مرتبہ بلند کے لائق نہیں وہ انفعال جو اس مرتبہ مقدسہ کے لائق ہے وہ ہے جس میں ظلیت کی کچھ بو نہیں اور درمیان میں غیر کا کسی طرح دخل نہیں کیونکہ غیر عدم کی آمیزش سے خالی نہیں اور امکان کے نقص سے باہر نہیں۔ ہاں اگر مراتب ظلال کے انفعال ایسے ہوں تو ہو سکتا ہے۔ جاننا چاہئے کہ معاملہ اودانی میں جس کا تھوڑا سا ذکر ہو چکا ہے عارف کامل اپنے کاتب شمال یعنی بائیں ہاتھ کے عمل نامہ لکھنے والے فرشتہ کو نہیں پاتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا شمال (بایاں ہاتھ) یمین (دایاں ہاتھ) کا حکم پکڑ جاتا ہے کیونکہ شمال (بایاں ہاتھ) عدم کے متقضیات میں سے ہے۔ جب عدم کے احکام زائل ہو جاتے ہیں تو باقی وجود صرف رہ جاتا ہے جہاں کوئی شمال نہیں بلکہ حق تعالیٰ کے دونوں ہاتھ یمین یعنی دائیں ہاتھ کا حکم رکھتے ہیں۔ فَافْهَمُوا وَلَا تَفْغُوا فِي

الزُّنْدَقَةُ (پس سمجھ اور زندقہ میں نہ پڑ) جب ان پوشیدہ اسرار اور عجیب و غریب معارف کو معلوم کر لیا تو اب سننا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تُمْ دَنِّیْ فَتَدَلِّیْ (پھر قریب ہو اور پھر نیچے کو جھکا) واضح ہو کہ اس دنو یعنی قرب کے ساتھ متحقق ہونا اودانی کے اسرار سے متحقق ہونے کے بعد ہے جس کا اوپر ذکر ہو چکا ہے کیونکہ جب تک عارف کا حکم و اثر باقی ہے اور عدم کی آلودگی سے آلودہ ہے تب تک اس کو کچھ بھی اس دنو کی لیاقت نہیں اس دنو کے ساتھ متحقق ہونے کے بعد تدلی ہے جس کی توجہ نزول کی طرف ہے جب تدلی متحقق ہوتی ہے اور عارف کو خلق کی طرف لاتے ہیں تو اس وقت تو سین کی صورت ظاہر ہوتی ہے۔ اگرچہ اس وقت قوس اول کا حکم و اثر نہیں رہتا۔ لیکن جب اس کو تدلی سے مشرف فرماتے ہیں تو اس وقت تو سین کی صورت متوہم ہوتی ہے۔ پس تدلی کے بعد فکان قاب اسی اعتبار سے فرمایا ہے کہ اس وقت تو سین کی صورت ثابت ہے۔ نہ کہ اس کی حقیقت اودانی کے معنی میں۔ کیونکہ اس مقام میں قوس ثانی کا کوئی حکم و اثر نہیں رہتا۔ اس لئے اس جگہ تو سین حقیقت کے طور پر نہیں ہوتیں۔ یہ معارف اللہ تعالیٰ کے ان اسرار میں سے ہیں۔ جن کو اللہ تعالیٰ اپنے اخص خواص بندوں پر ظاہر فرماتا ہے۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اَتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِہٖ الصَّلٰوٰتِ وَالْبَرَکٰتِ الْعَلٰی (سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی اور حضرت مصطفیٰ ﷺ کی متابعت کو لازم پکڑا)۔

مکتوب ۱۱۲

اس بیان میں کہ حق تعالیٰ کی صفات حقیقیہ نہ ذات کا عین ہیں نہ ذات کا غیر شریعت

پناہ قاضی اسلام کی طرف صادر فرمایا ہے:-

الْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کیلئے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) علماء اہل سنت شکر اللہ تعالیٰ سَعِیْہُمْ نے واجب الوجود جل شانہ کی صفات ثمانیہ حقیقیہ میں کیا اچھا کہا ہے کہ لَا هُوَ وَلَا غَیْرُہٗ (نہ ذات ہیں اور نہ اس کے غیر) یہ معرفت طور عقل سے برتر ہے۔ جو انہوں نے نور فراست اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کی برکت سے حاصل کی ہے۔ عَقْلَاء اور حکماء اس عبارت سے نَفِیْضِیْن کا رفع ہونا سمجھتے ہیں لیکن نہیں جانتے کہ تناقض کے حصول میں زمان و مکان کا متحد ہونا شرط ہے اور جب اس بارگاہ جل شانہ میں مکان و زمان کی گنجائش نہیں تو پھر تناقض کس طرح متصور ہو سکتا ہے اور یہ جو علماء نے تناقض کے دفع کرنے میں لفظ غیر میں تصرف کیا ہے اور غیر سے خاص معنی مراد لئے ہیں اس کی کچھ ضرورت نہیں نظر کشنی اس تخصیص سے منع کرتی ہے اور غیریت کی نفی خواہ کسی معنی سے ہو۔ ثابت کرتی ہے ہم معلوم کرتے ہیں کہ حق تعالیٰ کی صفات جس طرح ذات اقدس کی عین نہیں کیونکہ اسی طرح حق تعالیٰ کی ذات کے غیر بھی نہیں۔ اگرچہ زائد

ہیں اور اِثْنِیْنِیَّت یعنی دوئی کی نسبت پیدا کی ہے۔ یہاں معقول والوں کا یہ قضیہ مقررہ کہ اَلْاِثْنَانِ مُتَعَاوِنَانِ (دو چیزیں ایک دوسرے کے متغائر ہوتی ہیں) جھوٹا ثابت ہوتا ہے اور ان کے اصول کو توڑتا ہے اور یہ جو کہا ہے کہ طور عقل سے برتر ہے اس کا یہ مطلب ہے کہ عقل اس کی طرف ہدایت نہیں پاسکتی اور نہ ہی اس کا ادراک کر سکتی ہے۔ نہ یہ کہ عقل اس کے برخلاف حکم کرتی ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے اور کیونکر اس کے خلاف حکم کر سکتی ہے۔ جبکہ عقل نے اس کا تصور بھی نہیں کیا۔ جب اس کے احاطہ ادراک ہی سے باہر ہے تو پھر اس کے اثبات اور نفی کا حکم کس طرح کر سکتی ہے۔ رَبَّنَا اِنَّا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً وَهِيَ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشْدًا (یا اللہ تو اپنے پاس سے ہم پر رحمت نازل فرما اور ہمارے کام سے بھلائی ہمارے نصیب کر)۔

مکتوب ۱۱۳

اس بیان میں کہ حق تعالیٰ کی صفات حیات اور علم اور تمام کمالات کے ساتھ متصف ہیں اور صفات کے اس قیام کے معنی کی تحقیق میں جو ذات جل شانہ کے ساتھ رکھتی ہیں۔ ملاسلطان سرہندی کی طرف صادر فرمایا ہے:-

واجب الوجود جل شانہ کی صفات مثل حیات و قدرت و علم وغیرہ کے جو حق تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قیام رکھتی ہیں۔ کمال تنزہ و تقدس کے باعث صفات ممکن کے ساتھ کچھ نسبت نہیں رکھتیں۔ کیونکہ ممکن کی صفات سراسر اعراض ہیں جو جو اہر کے ساتھ قیام رکھتی ہیں اور واجب الوجود جل شانہ کی صفات جو اہر مَقْضُوم ہیں۔ کیونکہ جو اہر کا قیام ان کے ساتھ ہے۔ نیز ممکن کی صفات میت کا حکم رکھتی ہیں اور جماد محض ہیں اور حیات و علم وغیرہ سے بے نصیب ہیں۔ اس قدر ہے کہ ممکن ان کے ذریعے سے حی و عالم و قادر ہوتا ہے لیکن وہ بھی بِذَاتِهَا حَیٌّ و عالم نہیں ہے۔ برخلاف واجب الوجود جل شانہ کی صفات مقدسہ کے کہ وہ بھی اس حقیر کی نظر کشفی میں اپنے موصوف جل شانہ کی طرح حی و عالم ہیں اور اپنے مندرجہ کمالات کی تفصیل سے دانا اور اس پر فریفتہ ہیں۔ لیکن ان کا علم علم حضوری کی قسم سے مفہوم ہوتا ہے نہ کہ علم حصولی کی قسم سے۔ اسی طرح ہر ایک صفت و شان جو مرتبہ وجوب تعالیٰ میں ثابت کیا جاتا ہے۔ سب علم و حیات کے ثبوت سے ظاہر ہوتے ہیں اور محض نور نظر آتے ہیں۔ گویا وہ نور سراسر حیات ہے اور سراسر علم و انکشاف اور کمال کی یہ دونوں صفتیں وہاں ظاہر ہیں۔ برخلاف دوسری صفات یعنی قدرت و ارادت وغیرہ کے کہ وہاں اس طرح واضح ہو کر مکشوف نہیں ہوتیں۔ ہاں جو کچھ اس مقام میں درکار ہے۔ وہ کمالات کا انکشاف ہے جو صفت علم سے تعلق رکھتا ہے چونکہ علم حیات کے تابع ہے۔ اس لئے صفت حیات بھی ضروری ہے اور قدرت و ارادت مقدور و مراد سے وابستہ ہے

اور سمع و بصر کے علم پر کفایت کر سکتے ہیں اور کلام سے مقصود افادہ ہے اور سکون مکونات کیلئے ہے۔ اس کے علاوہ ہر ایک صفت چونکہ جامع ہے۔ اس لئے ہر ایک میں یہ کمال ثابت ہے۔ خواہ ظاہر ہو یا نہ ہو کوئی یہ نہ کہے کہ اس بیان سے معنی کا معنی کے ساتھ قیام لازم آتا ہے۔ کیونکہ صفات جب جی و عالم ہیں۔ تو ان کے ساتھ حیات و علم کا قیام ضروری ہے۔ اس لئے کہ میں کہتا ہوں کہ دونوں ذات واجب تعالیٰ کے ساتھ قائم ہیں ایک اصالت کے طور پر اور دوسری تبعیت کے طور پر۔ جیسے کہ علماء نے اعراض کی بقاء میں کہا ہے کہ عرض اور عرض کا بقاء دونوں عرض کے محل سے قائم ہیں۔ اس بحث کی تحقیق یہ ہے کہ صفات واجبہ جل شانہ کا قیام ذات تعالیٰ کے ساتھ ایسا نہیں ہے جیسے کہ عرض کا قیام جوہر کے ساتھ ہے۔ حاشا و کلا بلکہ ایسا ہے جیسے مصنوع کا قیام صانع کے ساتھ ہے۔ صانع مصنوع کا قیوم ہے اگرچہ وہاں اتصاف ہے اور یہاں اتصاف نہیں۔ لیکن وہ قیام ایسا ہے جیسے شے کا اپنی ذات کے ساتھ قیام ہوتا ہے۔ صرف اس قدر فرق سے کہ وہاں زیادتی ثابت ہے اور یہاں زیادتی متصور نہیں لیکن وہ زیادتی غیریت کی حد تک نہیں پہنچاتی۔ اس کے حق میں لاغیرہ فرمایا ہے۔ پس دونوں جگہ تغائر اعتباری ثابت ہو اور قیام متحقق ہوا۔ اس مقام میں اتصاف کا حاصل ہونا ایسا ہے جیسے انسان کا انسانیت کے ساتھ یا جوہر کا جوہریت کے ساتھ متصف ہونا بلکہ میں کہتا ہوں کہ جس مقام میں ذات اقدس اور صفات حقیقیہ مقدسہ ہیں جو حضرات ذات سے قائم ہیں۔ وہاں صفت و اتصاف کا کوئی ملاحظہ ثابت نہیں۔ نہ حضرات ذات میں موصوف ہونے کا ملاحظہ ہے۔ نہ صفات مقدسہ میں صفت ہونا ملحوظ ہے جب اس بارگاہ میں وجود اور وجود وجوب کی گنجائش نہیں۔ تو پھر صفت و اتصاف کی کیا مجال ہے۔ جو وجود کی فرع ہیں۔ اس مقام مقدس میں نور کے سوا کسی چیز کی گنجائش نہیں اور وہ بھی بیچون ہے اگر حیات ہے تو وہ بھی نور ہے اور اگر علم ہے تو وہ بھی نور ہے۔ علی ہذا القیاس۔ اگر اس نور اقدس بیچون کا ظہور مرتبہ دوم میں تغیر و انتقال کے بغیر ثابت کیا جائے تو وجود کے سوا کوئی چیز اس کا مظہر بننے کے قابل نہ ہوگی۔ اسی واسطے تعین اول اس حقیر کے نزدیک تعین وجودی ہے۔ اور باقی تمام تعینات اس تعین اول کے تابع ہیں۔ اگرچہ لفظ تعین کا اطلاق اس جگہ اس فقیر کے علوم کے موافق گنجائش نہیں رکھتا۔ لیکن چونکہ یہ لفظ قوم میں متعارف و مشہور ہے۔ اس لئے ہم بھی اس کے اطلاق میں دلیری کرتے ہیں۔ رَبَّنَا أَنْبِئْهُمْ لَنَا نُورٌ زَاوَاغْفِرْ لَنَا إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (یا اللہ تو ہمارے نور کو کامل کر اور ہم کو بخش تو سب شے پر قادر ہے)۔

مکتوب ۱۱۴

صفات واجبہ کی تحقیق اور اپنے کمالات کے ساتھ حق تعالیٰ کے علم کے تعلق کی کیفیت میں اور اس بیان میں کہ معنی کو عین کے قیام سے چارہ نہیں لیکن اس کیلئے محل کا

ثابت کرنا ضروری نہیں اور تعین وجودی اور انبیاء متبوعین اور انبیاء تابعین علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ملائکہ کرام کے مبادی تعینات اور اولیاء و عوام مومنین و کفار اور عالم آخرت کی موجودات کے مبادی تعینات کے بیان میں صادر فرمایا ہے:-

صفات حقیقیہ جو ہم حق تعالیٰ کے مرتبہ ذات میں ثابت کرتے ہیں۔ اس اثبات سے اس بارگاہ میں کوئی تعین و تنزل پیدا نہیں ہوتا اور مرتبہ اول کے سوا کوئی دوسرا مرتبہ ثابت نہیں ہوتا اور کسی طرح بھی ان کا الگ ہونا متصور نہیں ہوتا۔ حضرت ذات تعالیٰ اور اس کی صفات حقیقیہ گویا ایک مرتبہ میں ثابت ہیں اور باوجود زیادت کے عین ذات ہیں اور اگرچہ یہ صفات مقدسہ حضرت ذات تعالیٰ کے مندرجہ کمالات کی تفصیل ہیں۔ لیکن ان کا حکم تمام اجمال و تفصیل کے حکم سے علیحدہ ہے۔ کیونکہ اجمال اس مرتبہ میں ہے جہاں تفصیل ثابت نہیں بلکہ مرتبہ تفصیل مرتبہ اجمال سے نیچے ہے اس بارگاہ جل شانہ میں یہ امر مفقود ہے وہاں مرتبہ تفصیل عین مرتبہ اجمال ہے یہ معرفت طور عقل سے برتر ہے۔ جس کی طرف نظر کشفی نے ہدایت پائی ہے۔ اس مرتبہ میں واجب تعالیٰ کا علم جو ان صفات کے متعلق ہے اپنی ذات اور اپنی ذات کے مندرجہ کمالات کے علم کی طرح علم حضوری ہے۔ گویا یہ سب باوجود زیادتی کے عین عالم ہیں۔ اور ان کا حضور نفس عالم کے حضور کی طرح ہے۔ چونکہ حضرت ذات تعالیٰ کے ساتھ ان کا کمال اتحاد ہے۔ اس لئے صوفیہ کی ایک بڑی بھاری جماعت نے صفات کو عین ذات کہا ہے اور صفات کی زیادتی کا انکار کیا ہے اور لاہو سے منع کر کے لاغیرہ کا اثبات فرمایا ہے۔ لیکن کمال اس بات میں ہے کہ لاہو کی تصدیق کے باوجود لاغیرہ کا اثبات کیا جائے اور باوجود زیادتی کے غیریت کو سلب کیا جائے۔ یہ کمال انبیاء کے علوم کے مذاق کے موافق اور فرقہ ناجیہ اہل سنت و جماعت جو شکر اللہ تعالیٰ سَعْبِهِمْ کی رائے صائب کے مطابق ہے۔ جاننا چاہئے کہ اس مرتبہ میں وہ ذاتی انکشاف جو حضرت ذات تعالیٰ اور اس کی صفات مقدسہ سے تعلق رکھتا ہے علم حضوری کی قسم سے ہے۔ کیونکہ صفات مقدسہ کا حکم بھی ذات تعالیٰ کے حکم کی طرح ہے جیسے کہ گزر چکا اور یہ جو ہم نے کہا ہے کہ علم حضوری کی قسم سے ہے۔ اس لئے کہ علم حضوری نفس عالم کے حضور سے مراد ہے اور صفات چونکہ نفس عالم نہیں ہیں۔ اس لئے ان کا علم بھی حضوری نہیں لیکن چونکہ کوئی صورت ان سے الگ نہیں ہوتی۔ اور ان کا حضور نفس ثابت ہے۔ اس لئے علم حضوری کی قسم سے ہے اور وہ انکشاف جو صفت علم سے تعلق رکھتا ہے علم حصولی کی قسم سے ہے۔ اور یہ جو ہم نے کہا ہے کہ علم حصولی کی قسم سے ہے اس لئے کہ علم حصولی علم میں معلوم کی صورت حاصل سے مراد ہے اور اس فقیر کے نزدیک متحقق و مکشوف ہوا ہے کہ واجب تعالیٰ کے علم میں کسی معلوم کی صورت متعقش نہیں اور اس کا علم کسی صورت معلومہ

کا محل نہیں۔ تو پھر عالم تعالیٰ شانہ کی ذات میں کس طرح صورت حاصل ہو سکے بلکہ اس کے علم کو معلوم کے ساتھ ایک خاص تعلق اور انکشاف ہے بغیر اس بات کے کہ علم میں معلوم کی صورت ثابت ہو۔ کیونکہ خانہ علم تمام نقوش اور علمیہ صورتوں سے خالی اور مصفا ہے۔ مَعَ ذٰلِكَ لَا يَغُوبُ عَنْ عِلْمِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ (باوجود اس کے ایک ذرہ بھی زمین و آسمان میں اس کے علم سے پوشیدہ نہیں) اس قدر مکشوف ہوتا ہے کہ جب حق تعالیٰ کا علم کسی معلوم سے تعلق پکڑتا ہے تو اس تعلق کے باعث ایک صورت معلوم سے جدا ہو جاتی ہے اور اس علم کے ساتھ قیام پیدا کرتی ہے۔ بغیر اس بات کے کہ علم میں حلول و حصول پیدا کرے اور جب علم کے تعلق کے باعث ایک صورت معلوم سے جدا ہو جاتی ہے اور علم بلکہ عالم کے ساتھ قیام پیدا کر لیتی ہے تو راست آتا ہے کہ علم حصولی کی قسم سے ہو اور جب صفت علم حق تعالیٰ کی ذات کے مندرجہ کمالات سے تعلق پیدا کرتی ہے تو اس تعلق کے باعث ان کمالات سے علمیہ صورتیں الگ ہوتی ہیں اور علم کے ساتھ قیام پیدا کرتی ہیں اگرچہ ان کا حلول و حصول علم میں ثابت نہیں ہوتا۔

سوال: تم نے صفت علم کے ساتھ ان علمیہ صورتوں کا قیام پیدا کر دیا لیکن معلوم نہ ہوا کہ ان صورتوں کے ثبوت کا محل کون ہے جس طرح معنی کیلئے عین کا قیام ضروری ہے۔ اسی طرح اس کیلئے عین کا محل ہونا ضروری ہے۔

جواب: ہاں معنی کیلئے عین کا قیام ضروری ہے لیکن اس کیلئے محل کا ثابت کرنا ضروری نہیں۔ معنی کیلئے محل کے ثابت کرنے سے مقصود اس کے ساتھ معنی کے قیام کا ثابت کرنا ہے۔ نہ کہ قیام پر کوئی اور زائد امر۔ جب ممکن کے جواہر مجردہ میں جو ان علمیہ صورتوں کے ظلال کی مانند ہیں اور یہ صورتیں ان جواہر کی مبادی تعینات ہیں کہتے ہیں کہ ان کیلئے کوئی محل و مکان ثابت نہیں۔ بلکہ کچھ ضروری نہیں تو اگر ان جواہر مجردہ کے اصول کیلئے محل نہ ہو تو کیا تعجب ہے۔ ان علمیہ صورتوں کو اعراض کی طرح تصور نہ کریں کہ غیر سے قیام رکھتی ہیں اور اعراض کے قیام پر ان کے محل کے ثابت کرنے کے پیچھے نہ پڑیں کیونکہ یہ علمیہ صورتیں اصول بلکہ جواہر (جن کے ساتھ اعراض کا قیام ہے) کے مبادی تعینات ہیں۔ پھر اعراض کی ان کے ساتھ کیا نسبت ہے۔ بلکہ میں اعراض میں بھی کہتا ہوں کہ ان کیلئے محل کے ثابت کرنے سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ محل کے ساتھ ان کا قیام ثابت ہو جائے نہ یہ کہ محل مستقل طور پر مقصود ہوتا ہے اس کی تحقیق یہ ہے کہ یہ علمیہ صورتیں مرتبہ وجوب میں ثابت ہیں۔ جہاں محل و مکان کی گنجائش نہیں اور قیام کے سوا وہاں کچھ متصور نہیں۔ واجب الوجود جل شانہ کی صفات حقیقیہ میں جو حضرات ذات اقدس سے قیام رکھتی ہیں۔ کوئی حالیّت و مَحَلِّیّت ثابت نہیں۔ اور ثبوت ذہنی اور

خارجی جو کہتے ہیں۔ وہ مرتبہ امکان میں تقسیم پاتا ہے۔ کیونکہ اس بارگاہ میں نہ خارج کی گنجائش ہے نہ علم کی۔ جب اس بارگاہ میں وجود کا دخل نہیں تو پھر وجود ذہنی اور خارجی جو اس کی قسمیں ہیں وہاں ان کی کیا مجال ہوگی اور وجود کیلئے خارج و علم کی ظرفیت کی کیا گنجائش ہوگی۔ پس یہ علمیہ صورتیں ثابت اور صفت علم کے ساتھ قائم ہیں اور کوئی ثبوت علمی اور خارجی ان میں متحقق نہیں۔ بلکہ وجود علمی اور خارجی کا ہونا ان کیلئے عار ہے۔ کیونکہ وہ امکان کی صفات اور حدوث کے نشانات میں سے ہے۔ فَإِنَّ كُلَّ مُمَكِّنٍ حَدِثٍ عِنْدَهُمْ (کیونکہ ان کے نزدیک ہر ممکن حادث ہے) اور مرتبہ وجوب و وجود میں اگرچہ وجود ثابت ہوا ہے۔ لیکن علم و خارج کی ظرفیت اس وجود کیلئے ظاہر نہیں ہوئی۔ کیونکہ وہاں ظرف و مظروف ہونے کی مجال نہیں۔ اس بات کو غور سے سننا چاہئے کہ جب صورت معلوم نفس علم سے مراد ہے تو اس کا حصول و حلول علم میں کس طرح ہوگا۔ صوفیاء میں سے متاخرین نے کہا ہے کہ علمیہ صورتیں جو اعیان ثابتہ سے مراد ہیں اور ممکنات کی حقائق ہیں ان کا ثبوت صرف خانہ علم ہی میں ہے اور علم کے خارج میں وجود کی بوجہ ان کو نہیں پہنچی۔ لیکن چونکہ ان علمیہ صورتوں کے عکس ظاہر وجود کے آئینہ میں کہ جس کے سوا خارج میں کچھ موجود نہیں پڑے ہیں۔ اس لئے متوہم ہوتا ہے کہ وہ صورتیں خارج میں موجود ہیں۔ جس طرح کوئی صورت جب آئینہ میں منعکس ہوتی ہے تو یہ وہم گزرتا ہے کہ وہ صورت آئینہ میں ہے۔ نہیں معلوم ان بزرگواروں کی کیا مراد ہے اور علم میں صورتوں کے حصول سے ان کا کیا مطلب ہے۔ حالانکہ صورتیں شاہد و حاضر میں نفس علم ہیں اور غائب میں اللہ تعالیٰ کا علم ازلی قدیم بسیط وحدانی ہے جس کا تعلق بیشمار معلومات کے ساتھ ہے اور اس تعلق سے متعدد صورتیں حاصل ہوتی ہیں۔ جو ان معلومات کو ایک دوسرے سے الگ الگ کر دیتی ہیں۔ بغیر اس بات کے کہ اس علم ازلی میں ان کا حصول و حلول ثابت ہو اور اس میں متعدد صورتیں کس طرح حلول کر سکیں جب کہ اس سے محل کا تبعض و انقسام لازم آتا ہے۔ نیز اس میں شے کا غیر شے کے ساتھ فرض کرنا پایا جاتا ہے اور یہ امر ترکیب کا موجب ہے۔ جو قدم اور ازلیت کے منافی ہے۔ عجب معاملہ ہے کہ معقول والوں نے معلوم کی صورت حاصلہ کو ذہن میں ثابت کیا ہے اور ذہن ہی میں اس کا حلول سمجھا ہے نہ علم میں۔ کیونکہ وہ صورت ان کے نزدیک عین علم ہے نہ کہ اس نے علم میں حلول کیا ہے۔ لیکن متاخرین صوفیاء کی عبارت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ علم میں اس صورت کا حصول و حلول ہے جس کو باطن وجود کہتے ہیں۔ وَهُوَ مُبْحَاثُهُ اَعْلَمُ (اللہ تعالیٰ زیادہ جانتا ہے) جاننا چاہئے کہ یہ علمیہ صورتیں جو حق تعالیٰ کی ذات کے مندرجہ کمالات کے ساتھ صفت علم کے متعلق ہونے سے ثابت ہوئی ہیں نظر کشفی میں ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے حیات و علم ثابت ہے اور ان کے لئے وہ انکشاف جو علم حضوری کے مناسب ہے ان کمالات

کی نسبت جو ان میں مندرج ہیں حاصل ہے۔ چنانچہ اس بحث کی تحقیق ایک مکتوب میں مفصل طور پر لکھی جا چکی ہے۔ اگر اس کی معرفت کے عجیب و غریب ہونے کے باعث کچھ پوشیدگی رہ جائے اور حاجت پڑ جائے تو اس کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ جب بیان سابق سے واضح ہوا کہ حق تعالیٰ کی ذات اقدس اور اس کی صفات مقدسہ ایک ہی مرتبہ میں ثابت ہیں اور صفات کی زیادتی کے ثبوت سے کوئی تعین و تنزل اس بارگاہ جل شانہ میں پیدا نہیں ہوا تو جاننا چاہئے کہ اس مرتبہ مقدسہ کا کہ حضرت ذات مع الصفات ہے۔ مرتبہ دوم میں پہلا ظہور وہ ہے جس میں تغیر و تبدل کی آمیزش نہیں اور وہ اس فقیر کے نزدیک کشف و شہود کی رو سے حضرت وجود ہے۔ جو محض خیر اور صرف کمال ہے اور ظلیت کے طور پر تمام کمالات کے ظہور کی قابلیت رکھتا ہے وجود کے سوا کسی اور کو یہ دولت میسر نہیں ہوئی۔ اسی واسطے اگر علم اس مرتبہ مقدسہ کے متعلق ہو جائے اور اس کے کمالات کو کھینچ لے جیسے کہ گزر چکا۔ تو اول اول جو کچھ اس بارگاہ جل شانہ سے الگ ہو گا وہ حضرت وجود ہی ہو گا اور دوسرے کمالات اس کے تابع ہونگے یہی وجہ ہے کہ صوفیاء وغیرہ کی ایک جماعت نے وجود کو عین ذات سبحانہ تصور کیا ہے اور وجود کے تعین کو ال تعین سمجھا ہے اور اس تعین اسبق کا ثبوت علم و خارج کے ماسوا ہے۔ جیسے کہ اس امر کی تحقیق کئی جگہ بیان ہو چکی ہے۔ یہ حضرت وجود ظلیت کے طور پر اجمالاً تمام ذاتیہ اور صفاتیہ کمالات کا جامع ہے اور اس مرتبہ جامعہ اجمالیہ کی تفصیل بھی ہے جس کو تعین ثانی کہہ سکتے ہیں۔ اول اول جس چیز نے مرتبہ تفصیل میں ثبوت پیدا کیا ہے۔ وہ صفت حیات ہے جو تمام صفات کی ماں یعنی اصل ہے یہ صفت حیات گویا اس صفت حیات کا ظل ہے جو مرتبہ حضرت ذات تعالیٰ میں ثابت ہے اسی واسطے لَا هُوَ وَلَا غَيْرُهُ اس کے حق میں ثابت ہے اور یہ ظل چونکہ اس مرتبہ میں پیدا ہوا ہے جو حضرت ذات تعالیٰ کے مرتبہ کے سوا ہے اس لئے لَا غَيْرُهُ اس کے حق میں ثابت نہیں کیونکہ اس پر غیریت کا داغ پڑا ہے۔ صفت الحیۃ کے بعد ظلیت کے طور پر صفت علم ثابت ہے۔ جیسے کہ صفت حیات میں گزرا۔ یہ صفت تمام صفات کی جامع ہے اور صفت قدرت و ارادت وغیرہ باوجود استقلال کے گویا اس کے اجزاء ہیں۔ کیونکہ اس صفت کو حضرت ذات تعالیٰ کے ساتھ اس قسم کا اتحاد ہے جو اس کے سوا غیر کے لئے نہیں اس لئے کہ علم حضوری میں علم و عالم و معلوم کا اتحاد ہے اور قدرت ہر گز قادر و مقدور کے ساتھ متحد نہیں ہوتی اور ارادت میں بھی کہ اخذ المَقْدُورِ یعنی دو مقدروں میں سے ایک کی تخصیص سے یہ اتحاد ثابت نہیں۔ اسی طرح دوسری صفات کا حال ہے۔ اس حقیر کے نزدیک حضرت خلیل علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا مبدا تعین بالاصالت تعین اول یعنی تعین وجود ہے اور اس تعین کا مرکز جو اس کے تمام اجزاء میں سے اشرف ہے بالاصالت حضرت خاتم الرسل ﷺ کا مبدا تعین ہے۔ چنانچہ اس صحبت کی تحقیق ایک

مکتوب میں مفصل طور پر لکھی جا چکی ہے چونکہ حضرت خلیل علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولایت اسرائیلی ولایت ہے۔ اس لئے حضرت اسرافیل علیہ السلام کا مبداء تعین بھی یہی تعین وجودی ہے اور ہر ایک پیغمبر اور رسول کا مبداء تعین بالاصالت اس تعین اول وجودی کے حصوں میں سے ایک ایک حصہ ہے اور امتوں میں سے اگر کسی کو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کی بدولت اس تعین وجودی میں سے حصہ مل جائے یا اس تعین وجودی کے حصوں اور نقطوں میں سے کوئی حصہ یا نقطہ اس شخص کا مبداء تعین ہو جائے تو جائز بلکہ واقع ہے۔ جب تک اس تعین میں مبداء تعین پیدا نہ ہو۔ بالاصالت حضرت ذات تعالیٰ تک پہنچنا میسر نہیں ہوتا۔ ملائکہ اعلیٰ جو حضرت ذات جل شانہ کے مقرب ہیں۔ ان کے مبادی تعینات بھی اسی تعین وجود میں ہیں۔ جس پر حضرت ذات تعالیٰ تک پہنچنا وابستہ ہے۔ جاننا چاہئے کہ یہ صفت علم جو تعین وجودی کے مرتبہ تفصیل میں پیدا ہوئی ہے۔ اگرچہ اس تعین وجودی کے حصوں میں سے ایک حصہ ہے لیکن چونکہ جامعیت رکھتی ہے اس لئے گویا نفس وجود کی طرح اس تعین کے تمام حصوں کی جامع ہے اس کا اجمال بھی ہے اور تفصیل بھی۔ اجمال مرکز دائرہ کا حکم رکھتا ہے اور تفصیل محیط کا حکم۔ پس اس تعین علمی کا مرکز جو اجمال ہے گویا اس تعین اول وجودی کے مرکز کا ظل ہے اور اسی علاقہ سے بعض نے یقین کیا ہے کہ حضرت خاتم الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مبداء تعین حضرت علم کا اجمال ہے۔ نہیں۔ بلکہ یہ اجمال آنحضرت ﷺ کے مبداء تعین کا ظل ہے جو تعین اول وجودی کا مرکز ہے جیسے کہ اوپر گزر چکا۔ نیز بعض نے اس علم کے اجمال کو تعین اول کہا ہے اور مرتبہ فوق کو لا تعین جانا ہے اور حضرت وجود کا عین خیال کیا ہے۔ ہاں عین وجود ہے لیکن تعین کے ساتھ منسوب ہے۔ جیسے کہ اوپر گزر چکا۔ پوشیدہ نہ رہے کہ تعین اول کے مندرجہ حصے اگرچہ انبیاء کرام اور ملائکہ عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مبادی تعینات ہیں۔ لیکن چونکہ اس مرتبہ میں اجمال ہے۔ اس لئے ہر ایک کا مبداء علیحدہ علیحدہ مفصل طور پر معلوم نہیں ہوتا اور اس کا کوئی نام مقرر نہیں کیا جاتا۔ جب اس نے تفصیل پائی ہر ایک کا مبداء الگ ہو اور علیحدہ نام پایا۔ مثلاً اس تعین اول وجودی کا ایک حصہ اسم الحیۃ ہے اور دوسرا حصہ اسم العلم ہے۔ علی ہذا القیاس اور مشہود ہوتا ہے کہ اسم الحیۃ اس جامعیت کے اعتبار سے کہ رکھتا ہے۔ ملائکہ علیین علی نبینا وعلیہم السلام کا مبداء تعین ہے۔ حضرت روح اللہ علیہ السلام کو بھی جو ملا اعلیٰ کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں۔ اس مقام سے حصہ حاصل ہے اور حضرت مہدی علیہ الرضوان بھی چونکہ حضرت روح اللہ علیہ السلام کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں۔ اس مقام کے امیدوار ہیں۔ جاننا چاہئے کہ صفات ثمانیہ میں سے ہر ایک صفت جنہوں نے مرتبہ تعین ثانی میں تفصیل پائی ہے ہر ایک بزرگ مقتدا پیغمبر علیہ السلام کا مبداء ہے چنانچہ علم حضرت خاتم الرسل علیہ السلام کا مبداء تعین ہے اور قدرت

حضرت عیسیٰ علیہ السلام علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا مبداء تعین ہے اور تکوین حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا مبداء تعین ہے۔ ان اسماء کلیہ مقدسہ کے جزئیات باقی تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مبادی تعینات ہیں۔ ان بزرگواروں میں سے وہ گروہ جو خاص اسم کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں اور خاص مقتداء نبی کے ساتھ ان کی مناسبت ہے ان کے مبادی تعینات اس اسم کی جزئیات ہیں اور وہ اولیاء جو مقتداء پیغمبروں میں سے کسی پیغمبر کے قدم پر ثابت ہیں۔ ان کے مبادی تعینات اس اسم کے جزئیات کی جزئیات ہیں۔ جو اس پیغمبر کا مبداء تعین ہے۔ اسی طرح تمام مومنوں کے مبادی تعینات اس اسم کی جزئیات ہیں۔ جو اس پیغمبر کا مبداء تعین ہے جس کے قدم پر وہ چلتے ہیں۔ کفار کے مبادی تعینات اس اسم مفصل سے تعلق رکھتے ہیں اور ان مبادی مذکورہ سے الگ ہیں۔ جب ممکنات کے مبادی تعینات معلوم ہو چکے تو اب جاننا چاہئے کہ دائرہ وجوب ان تعینات کی منتہا پر ختم ہو جاتا ہے اس کے بعد دائرہ ممکنات شروع ہوتا ہے حق تعالیٰ نے جب چاہا کہ اپنے کمال کرم و احسان سے اپنے فیوض و انعامات دوسروں کو عطا فرمائے اور گنج بخشی ظاہر کرے۔ تو خلقت کو پیدا کیا اور اپنے وجود اور توابع وجود کے کمالات ان کو بخشے۔ بغیر اس بات کے کہ وہاں سے کچھ جدا ہو کر ان کے ساتھ ملحق ہو جائے کیونکہ یہ امر نقص کا موجب ہے۔ تَعَالٰی اللّٰهُ عَنْ ذٰلِكَ غُلُوًّا کَبِیْرًا (اللہ تعالیٰ اس سے بہت ہی برتر ہے) خلق سے مقصود یہ ہے کہ ان کو اپنے انعام و احسان پہنچائے۔ نہ یہ کہ ان کے ذریعے اسمائی و صفاتی کمالات کی تکمیل و تسمیم ہو۔ حاشا وکلا۔ صفات فی حد ذاتہا کامل ہیں۔ ظہور و مظہر کی ان کو کچھ حاجت نہیں۔ اس بارگاہ جل شانہ میں تمام کمالات بالفعل حاصل ہیں۔ بالقوہ نہیں۔ جس کا حاصل ہونا کسی دوسرے امر پر وابستہ ہو۔ اس بارگاہ جل شانہ میں اگر شہود و مشاہدہ ہے تو خود بخود ہے اور اگر علم و معلوم ہے تو خود ہی عالم ہے اور خود ہی معلوم۔ اسی طرح خود متکلم ہے اور خود ہی سامع ہے۔ وہاں تمام کمالات مفصل و متمیز ہیں۔ لیکن بیچونی کے طور پر کیونکہ چون کو بیچون کی طرف کوئی راہ نہیں خلق کیا ہے۔ جو حق تعالیٰ کے کمالات کا آئینہ بن سکے۔

در کدام آئینہ در آید او

ترجمہ: وہ کسی آئینہ میں آتا نہیں

اور عالم کیا ہے جو اس اجمال کی تفصیل کرے۔ کیونکہ وہ بارگاہ جل شانہ عین اجمال میں تفصیل ہے اور عین تنگی میں وسعت ہے۔ چونکہ اس جگہ کی تفصیل دو وسعت بیچون ہے۔ اس لئے متوہم ہوتا ہے کہ اجمال کے لئے تفصیل کی ضرورت ہے۔ جو خلق عالم پر وابستہ ہے اور اس اجمال کی تکمیل اس تفصیل پر موقوف ہے۔ لیکن حق یہ ہے کہ وہاں اجمال بھی ہے اور تفصیل بھی جیسے کہ گزر چکا۔ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ

عَلَيْهِمُ (اللہ تعالیٰ گھیرنے والا جاننے والا ہے) جاننا چاہئے کہ اس عالم کی پیدائش اس مرتبہ میں واقع ہوئی ہے۔ جس کو اس مرتبہ مقدسہ کے ساتھ کسی قسم کی مزاحمت و مدافعت نہیں۔ اَحَدُ الْمَوْجُودِیْنَ یعنی دو موجودوں میں سے ایک کا وجود اگرچہ دوسرے وجود کی حد بندی کرنا چاہتا ہے۔ لیکن یہ قاعدہ اس جگہ مفقود ہے کیونکہ عالم کے وجود نے اس وجود اقدس کے لئے کوئی حد و نہایت پیدا نہیں کی اور کسی نسبت و جہت کو ثابت نہیں کیا۔ وہ صورت جو آئینہ میں متوہم ہوتی ہے اس کا ثبوت مرتبہ وہم میں ثابت ہے اس ثبوت کو زید کے ثبوت کے ساتھ جو اس صورت کا اصل ہے۔ کسی قسم کی مزاحمت و مدافعت حاصل نہیں اور اس صورت کے ثبوت نے اپنے اصل کے ثبوت میں کوئی حد و نہایت پیدا نہیں کی اور کوئی جہت و نسبت حاصل نہیں کی۔ عالم کا وجود اس صورت کے وجود کی طرح ہے جو مرتبہ وہم میں ثابت ہے۔ جس کو اپنے اصل کے ساتھ جو خارج میں موجود ہے کوئی مزاحمت نہیں اور صورت کے اس وہمی ثبوت سے اس خارجی ثبوت میں جو صورت کا اصل ہے کسی قسم کی حد و نہایت پیدا نہیں ہوئی۔ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی (مثال اعلیٰ اللہ تعالیٰ کے لئے ہے) اس تحقیق سے اس بات کی حقیقت معلوم ہو گئی۔ جو کہتے ہیں کہ عالم مرتبہ وہم میں ثابت ہے یعنی عالم اس مرتبہ میں پیدا ہوا ہے۔ جو مرتبہ وہم کے مشابہ ہے۔ جو آئینہ کی منعکس صورت کے لئے اپنے اصل کی نسبت کہ خارج میں موجود ہے۔ ثابت ہے بلکہ کہہ سکتے ہیں کہ اس مرتبہ مقدسہ میں وجود خارجی کا اطلاق بھی تشبیہ و تنظیر کی قسم سے ہے۔ کیونکہ خارج کی وہاں گنجائش نہیں۔ جب وجود اس مرتبہ اقدس سے کوتاہ ہے تو پھر خارج کیا ہے جو وجود کی فرار اور قسم ہے۔

خاتمہ حسنہ۔ یہ سب مبادی تعینات جو مذکور ہوئے ہیں۔ خواہ تعین وجودی اجمالی ہو یا تفصیلی۔ سب اس عالم دنیا کی موجودات ممکنہ کے ساتھ نسبت رکھتے ہیں اور اس عالم دنیا کی موجودات کا وجود و تشخیص ان مبادی عالیہ پر وابستہ ہے لیکن موجودات آخرت (مشہود ہوتا ہے کہ) ان مبادی مذکورہ پر وابستہ نہیں بلکہ ان کے مبادی تعینات اور امور ہیں۔ وہ امور اس فقیر کے نزدیک وہ کمالات ذاتیہ ہیں جن کے دامن پاک تک ظلیت کی گرد نہیں پہنچی اور اس مرتبہ اقدس میں مندرج ہیں۔ بلکہ اس مرتبہ مقدسہ میں بیچونی تفصیل و تمیز کے ساتھ مفصل و متمیز ہیں۔ ان کمالات مقدسہ مفصلہ ذاتیہ میں سے ہر ایک کمال عالم آخرت کی موجودات میں سے ہر ایک موجود کا مبداء تعین ہے۔ اہل بہشت کے وجود کو ان تعینات وجودی کے ساتھ خواہ اجمالی ہوں یا تفصیلی جو عالم دنیا سے تعلق رکھتے ہیں۔ کسی قسم کا مس نہیں۔ عالم آخرت کی موجودات گویا اس مرتبہ مقدسہ کے مواجہ اور مقابل ہیں۔ برخلاف عالم دنیا کی موجودات کے کہ اس مواجہ اور مقابلہ سے بے نصیب ہیں۔ اس عالم دائمی کی موجودات کو اس مرتبہ

مقدسہ سے اس قسم کے نصیب و حظ حاصل ہیں۔ جو بیان سے باہر ہیں

هَيْبًا لِأَرْبَابِ النَّعِيمِ نَعِيمُهَا

ترجمہ: مبارک معنوں کو اپنی نعمت

بیت

وَمِنْ بَعْدِ هَذَا مَا يَدْفُ صِفَاتُهُ وَ كُنْهَهُ أَحْطَى لَدَيْهِ وَ أَجْمَلُ

ترجمہ بیت

بعد ازاں وہ امر ہے جس کا نہیں ملتا پتا اس کا پوشیدہ ہی رکھنا اور چھپانا ہے بھلا
رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا (یا اللہ تو ہماری بھول چوک پر ہمارا مواخذہ نہ کر)۔
وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ أَتْبَعَ الْهُدٰی (سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی)

مکتوب ۱۱۵

بعض استفساروں کے جواب میں عرفان پناہ مرزا حسام الدین احمد کی طرف صادر

فرمایا ہے:-

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کیلئے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ
بندوں پر سلام ہو) اس طرف کے فقراء کے احوال و اوضاع حمد کے لائق ہیں اور آپ کی صحت و عافیت
اللہ تعالیٰ سے مطلوب ہے۔ صحیفہ شریفہ جو شفقت و مہربانی سے اس فقیر کے نام ارسال کیا تھا۔ اس کے
مطالعہ سے مشرف ہوا۔ آپ نے اشتیاق ظاہر فرمایا تھا کہ حرمین شریفین میں سے کسی ایک میں مع
متعلقین وطن اختیار کریں اور وہیں دفن ہوں۔

میرے مخدوم مکرم۔ متعلقین کا جانا نظر نہیں آتا۔ بلکہ نزدیک ہے کہ منع مفہوم ہو۔ اگر آپ تنہا
چلے جائیں تو پسندیدہ نظر آتا ہے اور امید ہے کہ سلامتی سے پہنچ جائیگے وَالْأَمْرُ إِلَى اللَّهِ سُبْحَانَهُ
(سب کام اللہ تعالیٰ کے اختیار ہے) اور سیادت مآب کے بارہ میں جو آپ نے لکھا ہے کہ طبیبوں نے ان
کے ضرر کا حکم دیا ہے۔ میرے مشفق مخدوم فقیر نے بڑے غور سے دیکھا ہے لیکن ان کے حق میں کوئی
ضرر نظر نہیں آتا۔ البتہ ایک ظلمت محسوس ہوتی ہے جو اس ضرر کی ظلمت سے الگ ہے۔ دیکھیں اس کی
کیا وجہ ہے۔ غرض طبیبوں کا ضرر مفقود ہے اور یہ ظلمت جو نظر آتی ہے کسی اور طرف سے ہے۔ وَالْأَمْرُ
إِلَى اللَّهِ سُبْحَانَهُ۔ دوسرے یہ کہ فرزند می محمد سعید بہت ہی کمزور ہو گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا
احسان ہے کہ اب اس کو صحت و عافیت ہوتی جاتی ہے۔ فقیر دعا کرتا ہے کہ قرۃ العین خواجہ جمال الدین
حسین مع بھائی بہنوں کے اخیر زمانہ کے حادثوں سے محفوظ رہے اور بزرگ مخدوم زادے ظاہری باطنی

جمعیت سے آراستہ رہیں۔

مکتوب ۱۱۶

خلق اللہ کی خدمتگاری کی ترغیب میں خواجہ ابوالکلام کی طرف صادر فرمایا ہے:

حق تعالیٰ آپ کو حد اعتدال اور مرکز عدالت پر استقامت عطا فرمائے۔ یہ کس قدر اعلیٰ دولت ہے کہ عطیات کا بخشے والا حضرت حق جل شانہ اپنے کسی بندہ کو بعض بزرگیوں اور فضیلتوں کے ساتھ مخصوص کر کے اپنے بندوں کی حاجتوں کی کنجی اس کے دست تصرف کے حوالہ کر دے اور اس کو ان لوگوں کا جائے پناہ بنائے اور یہ کس قدر اعلیٰ نعمت ہے کہ بہت سی مخلوقات کو جن کو اللہ تعالیٰ نے کمال کرم سے اپنے عیال فرمایا ہے۔ اس کے متعلق کرے اور ان کی تربیت اس کے سپرد فرمائے۔ وہ شخص بہت ہی سعادت مند ہے جو اس دولت حمد میں قیام کرے اور وہ شخص بہت ہی ہوشمند ہے جو اس نعمت کا شکر ادا کرے اور اپنے مالک کے عیال کی خدمت گزاری کو اپنی سعادت جانے اور اپنے مولیٰ کے غلاموں اور لونڈیوں کی تربیت کو اپنا شرف سمجھے۔ اللہ تعالیٰ کیلئے حمد ہے کہ وہاں کے لوگ آپ کے ذکر خیر سے تر زبان ہیں اور آپ کے کرم و احسان کا ذکر ان کی زبان پر ہے۔ والسلام

مکتوب ۱۱۷

آیت کریمہ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِّخ کے معنی اور دوسرے اعتراض کے بیان

میں مولانا شیخ غلام محمد کی طرف صادر فرمایا ہے:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کیلئے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) شیخ اجل قدس سرہ نے اپنی کتاب عوارف کے دوسرے باب میں آیت کریمہ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِّمَنْ كَانَ لَهُ قَلْبٌ اَوْ اَلْقٰی السَّمْعَ وَهُوَ شَهِیْدٌ (اس میں نصیحت ہے اس شخص کے لئے جس کا دل حاضر ہے اور جس نے توجہ کے ساتھ کانوں کو اس طرف لگایا) کے معنی میں فرمایا ہے کہ واسطی نے کہا ہے کہ قوم مخصوص کے لئے نصیحت ہے سب لوگوں کیلئے نہیں۔ اور یہ وہ لوگ ہیں جن کے حق میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَوْ مَنْ كَانَ مُتِمِّنًا فَآخِیْنًا (کیا جو مردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندہ کیا) اور واسطی نے یہ بھی کہا ہے کہ مشاہدے سے فراموشی پیدا ہوتی ہے اور حجابوں سے فہم حاصل ہوتا ہے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ کسی شے کے لئے تجلی کرتا ہے تو وہ اس کے لئے جھک جاتی ہے اور پست ہو جاتی ہے۔ شیخ قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ یہ قول جو واسطی نے کہا ہے بعض اقوام کے حق میں صحیح ہے۔ حالانکہ یہ آیت اس امر کے برخلاف دوسری قوم کے لئے حکم کرتی ہے اور وہ لوگ ارباب تمکین ہیں۔ جن کے لئے مشاہدہ اور فہم جمع ہوتے ہیں پوشیدہ نہ رہے کہ جو کچھ واسطی

نے اول کہا ہے وہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ خاص اہل تمکین کے لئے نصیحت ہے کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے موت کے بعد زندہ کیا ہے یعنی فنا کے بعد ان کو بقا بخشی ہے اور اہل تلوین کے لئے نہ فنا ہے نہ بقاء اور نہ حیات جو دوبارہ ان کو دی گئی ہو کیونکہ وہ وسط راہ میں ہوتے ہیں اور فنا بقاء معنیوں کے احوال ہیں اور اس کا دوسرا قول جو آیت کے بیان میں ذکر کیا ہے اگر تو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ احتجاب اور استتار (یعنی پردہ اور حجاب میں آنے) کے وقت اہل تلوین کے لئے نصیحت ہے نہ کہ مشاہدہ اور مکاشفہ کے وقت کیونکہ یہ ذہول و فراموشی کے وقت ہیں۔ پس یہ قول پہلے قول کے منافی ہے اور اگر اس نے دوسری جگہ تو وسط حال میں اس معرفت کا ذکر کیا ہے اور آیت کے بیان میں ذکر نہیں کیا تو پھر کوئی منافات نہیں اور نہ ہی شیخ قدس سرہ کا یہ اعتراض کہ واسطی نے کہا ہے کہ بعض اقوام یعنی اہل تلوین کے حق میں صحیح ہے حالانکہ یہ آیت اس امر کے برخلاف دوسرے لوگوں کے لئے حکم کرتی ہے اور وہ ارباب تمکین ہیں درست نہیں۔ کیونکہ واسطی نے آیت کے معنی میں بیان کیا ہے کہ نصیحت ارباب تمکین کے ساتھ مخصوص ہے اس لئے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو موت کے بعد زندہ ہیں نہ کہ اہل تلوین حاصل کلام یہ ہے کہ اہل تلوین کے بیان میں اس کا دوبارہ ذکر کرنا ایک مستقل معرفت ہے جس کا آیت کے بیان سے کچھ تعلق نہیں۔ اس صورت میں یہ اعتراض عائد نہیں ہوتا کہ یہ امر آیت کے حکم کے برخلاف ہے کیونکہ آیت ایک قوم کے حق میں وارد ہے اور یہ معرفت دوسری قوم کے احوال کا بیان ہے۔ اگر واسطی پہلے فعل کو اہل تمکین کے ساتھ مخصوص نہ کرتا اور پھر دوبارہ اہل تلوین کے لئے بھی ان کے احتجاب کی حالت میں نصیحت کو ثابت کرتا تو اس کے دونوں قولوں میں منافات حاصل نہ ہوتی اور شیخ کا اعتراض اس پر وارد نہ ہوتا اور جو کچھ میرے نزدیک ظاہر ہے وہ یہ ہے کہ اس آیت کریمہ میں دونوں فریقوں کے حال کا بیان ہے۔ یعنی مَنْ كَانَ لَهُ قَلْبٌ مِّنْ اَرْبَابِ قُلُوبٍ کا حال ہے۔ جن کے احوال بدلتے رہتے ہیں انہی کو اصحاب تلوین بھی کہتے ہیں اور اُولَیِّ السَّمْعِ وَهُوَ شَهِيدٌ میں اہل تمکین کے حال کا بیان ہے کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے عین شہود کی حالت میں فہم کے لئے اپنے کانوں کو لگا رکھا ہے فرق صرف اسی قدر ہے کہ قوم اول کے لئے بعض بعض وقتوں میں نصیحت ہے اور دوسری قوم کے لئے تمام احوال میں نصیحت ہے جیسے کہ خود واضح ہے۔ اگر شیخ قدس سرہ اس طرح کہتا کہ یہ آیت اس امر کے برخلاف اور قوم کے لئے بھی حکم کرتی ہے تو بہت ہی مناسب ہوتا اور کلمہ او منع خلو کے لئے ہے۔ پس فریقین کو نصیحت میں جمع کرنے کے منافی نہیں اس کے بعد شیخ نے فرمایا ہے کہ فہم کا مقام محاذ اور مکالمہ یعنی گفتگو اور کلام کا محل ہے اور وہ دل کی سمع ہے اور مشاہدہ کا مقام قلب کی بصر ہے۔ پس جو شخص سکر کی حالت میں ہے اس کی سمع اس کی بصر میں غائب ہوتی ہے اور جو شخص خود تمکین

کی حالت میں ہے اس کی سمع اس کی بصر میں غائب نہیں ہوتی کیونکہ وہ اپنے حال کا مالک ہے اور ظرف وجودی سے جو کلام کے سمجھنے کے لئے مستعد ہے۔ سمجھتا ہے کیونکہ فہم الہام و سماع کا محل ہے اور سماع و الہام ظرف وجودی کو چاہتے ہیں اور یہ وجود و موهوب یعنی بخشا ہوا اس شخص کو جو فنا کے راستہ سے گزر کر بقا کے محل تک پہنچا ہو۔ مقام صحو میں متمکن ہونے کیلئے دوبارہ بخشا جاتا ہے۔ اور یہ وجود اس وجود کے سوا ہے جو نور مشاہدہ کے چمکنے کے وقت نیست و نابود ہو جاتا ہے۔ انتہی (یہاں تک شیخ کا کلام ہے) پس محادثہ اور مکالمہ سے مراد اللہ تعالیٰ کے ساتھ کلام و گفتگو کرنا ہے اور سمع کا بصر میں غائب ہونے کے یہ معنی ہیں کہ مشاہدہ کے وقت نہیں سمجھتا اور یہ اہل تلوین کا حال ہے جو مشاہدہ کے وقت اپنے آپ کو فراموش کر دیتے ہیں جیسے کہ واسطی نے کہا ہے اور سمع کے بصر میں غائب نہ ہونے سے یہ مراد ہے کہ عین مشاہدہ میں سمجھتا ہے اور یہ حال اہل تمکین کا ہے جو مشاہدہ اور فہم کے درمیان جمع کرتے ہیں جیسے گزر چکا پوشیدہ نہ رہے کہ اہل تلوین میں مشاہدہ کے کچھ معنی نہیں ہیں۔ کیونکہ مشاہدہ ذات میں ہوتا ہے اور وہ ابھی ذات تک نہیں پہنچا۔ اس کے حق میں صفات متخیلہ متلونہ کا مکاشفہ بہتر ہے اور جو کچھ ذات میں ہے۔ اس کیلئے تلوین نہیں اور نہ ہی اس بارگاہ مقدس میں تغیر ہے کہ کبھی ذہول و فراموشی ہو اور کبھی شعور بلکہ وہاں عین ذہول میں شعور ہے اور نفس شہود میں فہم ہے نیز شیخ قدس سرہ کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ دنیا میں دل کی آنکھ سے مشاہدہ کا واقع ہونا جائز ہے اور صاحب تعرف قدس سرہ نے جو امام طائفہ ہے کہا ہے کہ دنیا میں دل اور آنکھ دونوں سے حق تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکتے اور اس پر اجماع ثابت کیا ہے اور کہا ہے کہ مشائخ نے اس بات پر اجماع کیا ہے کہ حق تعالیٰ دنیا میں ایقان کی جہت کے بغیر دلوں اور آنکھوں سے دیکھا نہیں جاتا۔ میرے نزدیک جو کچھ صاحب تعرف نے کہا ہے بہت ہی بہتر ہے۔ کیونکہ جس کو حق تعالیٰ کی رویت خیال کرتے ہیں وہ خیالی رویت ہے یعنی خیال میں اس ایقان کی صورت کا کشف ہے جو دل کو حاصل ہوتا ہے اور موقن بہ کی بھی ایک صورت ہے جو دل کیلئے کشف کی جاتی ہے کیونکہ مشائخ نے اللہ تعالیٰ کیلئے مثال کو جائز رکھا ہے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کیلئے کوئی مثل نہیں۔ فَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْأَعْلٰی (پس مثال اعلیٰ اللہ تعالیٰ کیلئے ہے) یعنی خیال میں ایقان کی صورت اور موقن بہ کی صورت نقش ہو جاتی ہے۔ اگرچہ واقع میں حق تعالیٰ کی کوئی صورت نہیں کیونکہ قلب اور دوسرے لطائف کے معانی حاصل کیلئے بلکہ ہر ایک موجود شے کیلئے خیال میں ایک صورت ہے جو اس عالم مثال کی تمثال ہے جو تمام عالموں سے زیادہ وسیع ہے پس قلب کو ایقان کے سوا کچھ حاصل نہیں۔ بلکہ ایقان کی صورت اور موقن بہ کی صورت رویت و مرئی کی صورت میں متمثل ہوتی ہے اور کوئی رویت حقیقی نہیں۔ پس جب قلب کو رویت حاصل نہ ہو تو پھر بصر یعنی آنکھ کو کب حاصل ہوگی۔ وہ ایک مثالی صورت ہے یعنی قلب کا ایقان

رویت کی صورت میں اور موقن بہ مرئی کی صورت میں متمثل ہوتا ہے جس سے گمان ہوتا ہے کہ اس نے حقیقۃً حق تعالیٰ کو دیکھا ہے۔ حالانکہ وہ خیالی رویت ہے بلکہ ہم کہتے ہیں کہ موقن بہ کی صورت حق تعالیٰ کی صورت مثالیہ نہیں ہے۔ بلکہ ایک کشفی صورت ہے جس کے ساتھ ایقان کا تعلق ہے جو خیال میں ظاہر ہوتی ہے اور ہر گز ہر گز حق تعالیٰ کی کوئی صورت نہیں۔ اگرچہ خیال ہی میں ہو۔ یہ صورت قلب سالک کے بعض مکشوفات یعنی ان وجوہ و اعتبارات کی صورت ہے جن کا تعلق ذات تعالیٰ کے ساتھ ہے یہی وجہ ہے کہ جب عارف ذات تعالیٰ سے واصل ہو جاتا ہے تو اس قسم کی خیالی مثالیں متخیل نہیں ہوتیں۔ کیونکہ حق تعالیٰ کی ذات کی کوئی صورت نہیں۔ نہ خیال میں اور نہ مثال میں اور میرے نزدیک جس طرح اس کی مثل نہیں۔ مثال بھی نہیں کیونکہ صورت خواہ کسی مرتبہ میں ہو حد و نہایت کو مستلزم ہے اور حق تعالیٰ تحدید و تقید سے منزہ ہے۔ یہ تمام مراتب اسی کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔ فافہمُ اللہ تعالیٰ کیلئے حمد ہے کہ اس نے ہم کو سلطان خیال عطا فرمایا اور اس کو معانی کمال کی صورتوں کے حصول کا آئینہ بنایا۔ اگر خیال نہ ہوتا تو ہم انفصال کے درکات سے اتصال کے درجات کو نہ پاسکتے اور احوال کی واردات کو نہ جان سکتے۔ کیونکہ اس میں ہر ایک معنی اور حال کی صورت ہے کہ اگر وہ صورت مکشوف ہو جائے تو اس کے ساتھ وہ معنی اور حال ادراک میں آجاتے ہیں پس ساتوں لطائف کا شان سیر و سلوک اور ایک حال سے دوسرے حال کی طرف انتقال کرنا ہے۔ اور خیال کا شان سالک کو اپنی منقشہ صورتوں میں سیر و سلوک و انتقال کے درجات کا دکھانا ہے اور اس کا دکھانا فوق کی طرف رغبت بڑھاتا ہے۔ نیز اس کے دکھانے سے سیر بصیرت پر حاصل ہوتا ہے اور سلوک معرفت پر آسان ہوتا ہے اور اس کے غلبہ سے سالک جبہل سے نکل کر اہل علم میں سے ہو جاتا ہے۔ فَلِلّٰهِ مُبْحَنَةُ دَرَجَاتِهِ (اللہ تعالیٰ ہی کیلئے ہے اس کی خوبی) وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اتَّبَعَ الْهُدٰی (سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی)۔

مکتوب ۱۱۸

مولانا عبد القادر انبالوی کی طرف صادر فرمایا ہے:-

شیخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی کتاب عوارف کے دوسرے باب میں اس حدیث کے بیان میں جو رسول اللہ ﷺ کی طرف مرفوع ہے۔ مَا نَزَلَ مِنَ الْقُرْآنِ آيَةً إِلَّا وَلَهَا ظَهْرٌ وَبَطْنٌ وَلِكُلِّ حَرْفٍ حَدٌّ وَلِكُلِّ حَدٍّ مَطْلَعٌ (قرآن مجید کی ہر ایک آیت کیلئے ایک ظاہر ہے اور ایک باطن اور ہر ایک حرف کیلئے ایک حد اور ہر ایک حد کیلئے ایک مطلع ہے) کے بیان میں کہا ہے کہ میرے دل میں کھٹکتا ہے کہ مطلع سے یہ مراد نہیں کہ صفاء فہم سے آیت کے پوشیدہ ستر اور بار یک معنی پر واقف ہوں۔ بلکہ مطلع سے یہ مراد ہے کہ ہر ایک آیت کے نزدیک متکلم کے شہود پر اطلاع ہو۔ کیونکہ ہر ایک آیت متکلم کے

اوصاف میں سے کسی وصف اور اس کی لغوت میں سے کسی لغت کی امانت گاہ ہے۔ پس آیات کی تلاوت اور ان کے سننے سے نئی نئی تجلیات ظاہر ہوتی ہیں۔ اور آئینے بن کر عظیم جلال کی خبر دیتی ہیں۔ الٰہی اجور مَا قَالَ فِي تَأْيِيدِ هَذَا التَّوْحِيدِ وَشَرْحِهِ (آخر کلام تک جو اس توحید اور اس کی شرح میں کہی ہے) اللہ تعالیٰ کے کرم سے جو کچھ میرے دل میں گزرتا ہے وہ یہ ہے کہ ظہر سے مراد نظم قرآن ہے جو حد اعجاز تک پہنچنے والی ہے اور بطن صفاء فہم کے اختلاف کے بموجب باریک معنی اور پوشیدہ سر پر اس کی تفسیر و تاویل سے مراد ہے اور حد سے مراد مراتب کلام کی نہایت ہے۔ جو متکلم کا شہود ہے اور وہ تجلی نعتی ہے۔ جو عظیم جلال کی خبر دیتی ہے اور مطلع وہ ہے جو تجلی نعتی سے برتر ہے اور وہ تجلی ذاتی ہے۔ جو تمام نسبتوں اور اعتباروں سے خالی ہے نبی ﷺ نے کلام کی حد اور اس کے نہایت کے لئے مطلع ثابت کیا۔ گویا مطلع کلام اور نہایت کلام کے ماوراء ہے اور کلام حق تعالیٰ کی صفت ہے اور متکلم کا شہود اس صفت کے آئینے میں اس صفت کی تجلی ہے اور اس کے مراتب کمال کی نہایت ہے۔ اس تجلی کے ماوراء پر اطلاع تب ہوتی ہے۔ جب اس تجلی سے تجلے ذاتی کی طرف ترقی کریں۔ پس اس جگہ ذات تک پہنچنا صفت کلام کے ذریعے اور نظم قرآنی کی تلاوت کے وسیلے سے ہے۔ جو اس صفت پر دلالت کرتا ہے۔ پس دو قدموں کا ہونا ضروری ہے۔ ایک قدم نظم قرآنی کا جو مدلول یعنی صفت کی طرف دلالت کرنے والا ہے۔ دوسرا قدم صفت کا اپنے موصوف کی طرف عارف قدس سرہ نے فرمایا ہے۔ مَشَيْتُ خَطْوَتَانِ وَقَدْ وَصَلْتُ (میں دو قدم چلا اور واصل ہو گیا) لیکن شیخ قدس سرہ نے صرف پہلا قدم ذکر کیا ہے اور اس سیر کو اسی کے ساتھ تمام کیا ہے اور تلاوت کے فائدہ کو اسی سے مقید کیا ہے اور کچھ بیان نہیں کیا۔ سُبْحَنَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ط (یا اللہ تو پاک ہے۔ ہم کو کوئی علم نہیں۔ مگر جس قدر کہ تو نے ہم کو سکھایا۔ بیشک تو جاننے والا حکمت والا ہے) اس کے بعد شیخ قدس سرہ نے کہا ہے کہ امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت منقول ہے۔ کہ ایک دفعہ آپ نماز میں بیہوش ہو کر گر پڑے۔ جب اس کا باعث پوچھا گیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ میں ایک آیت کا تکرار کرتا رہا۔ حتیٰ کہ میں نے اس کو اس کے متکلم سے سنا۔ پس جب صوفی کے لئے توحید کا نور چمکتا ہے اور وعدہ و وعید کے سننے کے وقت اپنے کانوں کو اس طرف لگاتا ہے اور اس کا دل ماسوی اللہ سے آزاد ہو کر اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر اور شہید ہو جاتا ہے۔ تو اس وقت تلاوت میں اپنی اور غیر کی زبان کو حضرت موسیٰ کے درخت کی طرح دیکھتا ہے۔ جہاں سے اللہ تعالیٰ نے اِنِّیْ اَنَا اللّٰہُ کا خطاب سنایا تھا۔ جب اس کا سنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اس کا سنا بھی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہو جاتا ہے۔ تو اس کے کان آنکھ ہو جاتے ہیں اور آنکھیں کان بن جاتی ہیں اور اس کا علم سر اسر عمل اور اس کا عمل بالکل علم ہو جاتا ہے اور اس کا آخر اول سے اور اول

آخر سے بدل جاتا ہے۔ پس جب صوفی اس وصف کے ساتھ متحقق ہو جاتا ہے۔ تو اس کا وقت سرمدی اور اس کا شہود دائمی اور اس کا سماع ہر دم نیا ہوتا ہے۔ (ختم ہوا کلام شیخ کا) (جب صوفی کے لئے توحید کا نور چمکتا ہے) یہ جملہ حضرت امام کے قول کا بیان ہے (متکلم سے سننے کے یہ معنی ہیں) کہ جب صوفی پر توحید کا حال غالب ہو جاتا ہے اور غیر کا شہود اس کی نظر سے دور ہو جاتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کے سامنے اس طرح حاضر اور شہید رہتا ہے۔ کہ جب اپنے آپ سے یا غیر سے کلام سنتا ہے۔ تو اس کو گویا اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے سنتا ہے اور اپنی اور غیر کی زبان کو حضرت موسیٰ کے درخت کی طرح دیکھتا ہے۔ یعنی پہلے حضرت امام جوں جوں آیت کا تکرار کرتے رہے تو اس کو اپنے نفس اور زبان سے سنتے رہے جب تکرار کرتے کرتے توحید کا حال ظاہر ہوا تو اس کو متکلم سے سنا۔ اگرچہ حضرت امام کی زبان سے صادر ہوئی تھی۔ کیونکہ اس وقت انہوں نے اپنی زبان کو حضرت موسیٰ کے درخت کی طرح معلوم کیا تھا۔ گویا وہ کلام جو اس وقت زبان سے ظاہر ہوا تھا۔ اس کلام کی طرح تھا۔ جو اس درخت سے ظاہر ہوا تھا۔ کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ اَقُولُ وَبِاللّٰهِ الْعِصْمَتُ وَالتَّوْفِیْقُ (میں کہتا ہوں اور اللہ تعالیٰ ہی سے عصمت و توفیق ہے) کہ جو کلام حضرت موسیٰ کے درخت سے سنا گیا تھا۔ وہ بیشک اللہ تعالیٰ کا کلام تھا۔ اگر کوئی اس کا انکار کرے۔ تو کافر ہو جاتا ہے اور یہ کلام جو زبانوں سے سنا جاتا ہے۔ یہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں ہے اگرچہ صوفی غلبہ توحید میں اس کو اللہ تعالیٰ کا کلام خیال کرے۔ اگر کوئی اس کا انکار کر دے تو کافر نہیں ہو گا۔ بلکہ محقق صادق ہو گا۔ کیونکہ یہ کلام زبان کی حرکت اور مخارج کے اعتماد سے حاصل ہوا ہے اور درخت کا حال ایسا نہیں تھا۔ ان دونوں کلاموں میں بہت فرق ہے۔ کیونکہ اول تحقیقی ہے اور دوسرا تخیلی۔ بڑے تعجب کی بات ہے کہ شیخ قدس سرہ نے اس جگہ توحید میں اس قدر مبالغہ کیا ہے کہ تخیلی کو تحقیقی بنا دیا ہے اور غلبہ حال میں بندہ سے صادر ہونے والے کلام کو اللہ تعالیٰ سے صادر شدہ کلام کی طرح سمجھا ہے۔ حالانکہ اپنی اسی کتاب میں ایک جگہ شیخ قدس سرہ نے ان اقوال سے جو غلبہ حال کے وقت توحید والوں سے توحید کے بارہ میں صادر ہوتے ہیں۔ انکار کیا ہے اور حلول و اتحاد کی آمیزش سے ڈر کر ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکایت پر محمول کیا ہے۔ لیکن اس جگہ حلول کی آمیزش سے نہیں ڈرا۔ بلکہ اتحاد و عینیت کا حکم کیا ہے۔ اس مقام میں حق بات یہ ہے کہ غلبہ حال میں اتحاد و عینیت کا حکم کرنا تخیلی ہے تحقیقی نہیں۔ خواہ اتحاد ذات میں ہو۔ خواہ صفات و افعال میں۔ فُسُبْحَانُ مَنْ لَا یَتَغَیَّرُ بِذَاتِهِ وَلَا بِصِفَاتِهِ وَلَا فِیْ اَفْعَالِهِ بِحُدُوْثِ الْاَشْوَآنِ (پاک ہے وہ اللہ تعالیٰ جو موجودات کے پیدا کرنے سے ذات و صفات و افعال میں متغیر نہیں ہوتا) اس کی ذات و صفات و افعال کے ساتھ کسی کی ذات و صفات و افعال متحد نہیں ہو سکتے۔ وہ مالک پاک ہے۔ جیسے کہ ہے اور ممکن ممکن ہے اور ذات

وصفات و افعال میں حادث ہے۔ پس قدیم و حادث کے درمیان اتحاد کا حکم کرنا عشق کی تلوینات اور محبت و سر کے غلبات کے باعث ہے اور حلول کی آمیزش اور اتحاد کے گمان کے باعث کہ جس سے کفر و الحاد لازم آتا ہے۔ ان کا کوئی مواخذہ نہیں۔ کیونکہ یہ ان کی مراد نہیں ہے اور وہ امر جو حق تعالیٰ کی پاک جناب کے لائق نہیں۔ ہر گز ہر گز ان کی مراد نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے دوست اور محبت ہیں اور اس قسم کی نامناسب باتوں کے تجویز کرنے سے جو اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں۔ محفوظ ہیں۔ لیکن جن لوگوں نے حال و صدق کے بغیر ان کی مشابہت کی اور ان کے کلام کی طرح کلام کیا اور اس سے ان کی مراد کے برخلاف سمجھا۔ وہ الحاد و زندقہ میں پڑ گئے۔ حتیٰ کہ ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ اور ممکن کے درمیان حلول و اتحاد ثابت کیا اور ممکن کے واجب ہو جانے کا حکم کیا۔ یہی لوگ زندیق ہیں۔ جو اس بحث سے خارج ہیں۔ **فَاتْلَهُمُ اللَّهُ فَأَنَّى يُؤْفَكُونَ** (اللہ تعالیٰ ان کو ہلاک کرے یہ کدھر بھٹکتے پھرتے ہیں) پوشیدہ نہ رہے۔ کہ شیخ قدس سرہ نے جو کچھ امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کے بیان میں فرمایا ہے۔ اگرچہ اہل تلوین میں سے ان لوگوں کے حق میں صادق ہے۔ جن پر سرور اور توحید غالب ہے۔ لیکن چونکہ امام کی شان میں میرا حسن ظن ہے۔ اس لئے میں ان کے حق میں اس امر کا صدق تجویز نہیں کرتا۔ کیونکہ وہ میرے نزدیک ارباب تمکین و صحو میں سے ہیں۔ ان کے نزدیک متخیل اور متحقق ظاہر ہے اور غیر سے سننا اور حق تعالیٰ سے سننا پوشیدہ نہیں۔ امام کے کلام کیلئے اس وجہ کے سوا کوئی اور اچھا محمل تلاش کرنا چاہئے۔ جو ان کے حال کے مناسب ہو اور وہ یہ ہے۔ کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو بلا کیف سنے۔ جس طرح کہ حضرت موسیٰ نے کوہ طور پر سنا۔ اگر تو پوچھے کہ اللہ تعالیٰ سے کلام کے سننے کے کیا معنی ہیں کیونکہ یہ جو سنا جاتا ہے۔ صرف حرف ہیں یا آواز۔ تو میں کہتا ہوں کہ ممنوع ہے۔ کیا نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کلام کو حرف و صوت کے بغیر سنتا ہے۔ بندہ بھی جب اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے متعلق ہو جاتا ہے۔ تو حرف و صوت کے بغیر کلام کو سنتا ہے۔ لیکن ظاہر و ہم میں جو باوجود فارق کے حاضر پر غائب کے قیاس کرنے سے پیدا ہوتا ہے۔ محال نظر آتا ہے۔ بھلا حاضر پر غائب کا قیاس کس طرح کیا جائے۔ جبکہ حاضر زمانہ کی تنگی میں ہے۔ جو ترتب و تقدم و تاخر کو چاہتا ہے اور غائب پر زمانہ اور تقدم و تاخر و ترتب کے احکام جاری نہیں ہوتے۔ غائب میں ان اشیاء کا ثبوت جائز ہے۔ جن کا ثبوت حاضر میں جائز نہیں۔ **فَلْيَفْهَمُوا وَاللَّهُ سُبْحَانَهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ** تحقیق یہ ہے کہ اگر سماع سمع کی حس کے ساتھ ہو۔ تو ضروری ہے کہ مسموع حرف و صوت ہو۔ لیکن جب سماع سماع کے اجزاء میں سے ہر ایک جزو کے ساتھ ہو۔ تو حس کے ساتھ مخصوص نہیں۔ اس وقت جائز ہے۔ کہ مسموع حرف و صوت کے بغیر حاصل ہو۔ کیونکہ ہم اپنی کلیت اور اپنے اجزاء میں سے ہر ایک جزو کے ساتھ ایسے کلام کو سنتے

ہیں۔ جو حروف و اصوات کی جنس سے نہیں ہیں۔ اگرچہ خیالی حروف و اصوات کے ساتھ خیال میں مکمل ہوتا ہے۔ لیکن ہم جانتے ہیں۔ کہ یہ کلام ماخوذ مسموع یعنی ہماری کلیت سے سنا ہوا کلام پہلے حروف و اصوات سے مجرد تھا۔ پھر خیال میں خیالی حرف و صوت کے ساتھ متلبس ہوا۔ تاکہ فہم و افہام کے قریب ہو۔ اس کے علاوہ ہم زیادہ عجیب بات یہ کہتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ ہمارے کلام کو جو مترتبہ و متقدمہ و متاخرہ حروف و کلمات سے مرکب ہے سنتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا سننا حرف و کلمہ اور ترتب و تقدم و تاخر کے وسیلہ کے بغیر ہے۔ کیونکہ مرکب و مترتب و متقدم و متاخر کلام زمانہ کو چاہتا ہے اور حق تعالیٰ پر زمانہ جاری نہیں ہوتا۔ زمانہ کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔ جب حرف و کلمہ کے وسیلہ کے بغیر حروف و کلمات سے مرکب کلام کا سننا جائز ہے تو اس کلام کا سننا جو حروف و اصوات کی جنس سے نہیں ہے۔ بطریق اولیٰ جائز ہو گا۔ فَافْهَمُ وَلَا تَكُنْ مِنَ الْقَاصِرِينَ وَلَا مِنَ الْغَفْلَةِ الْجَاهِلِينَ وَاللَّهُ سُبْحَانَهُ الْمُلْهِمُ لِلصَّوَابِ (سمجھ اور کوتاہ فہم اور جاہل و غافل نہ ہو اور اللہ تعالیٰ بہتری کی طرف الہام کرنے والا ہے) اس کلام کی تحقیق میں ان سطروں کے لکھنے کے بعد دوبارہ جو کچھ مجھے الہام ہوا ہے۔ وہ یہ ہے کہ مستعد بندہ کا حق تعالیٰ کے خطاب کو سمجھنا اور حق تعالیٰ سے اس کا اخذ کرنا پہلے حروف و کلمہ کے واسطے اور صوت و ندا کے وسیلہ کے بغیر تلقی روحانی سے ہوتا ہے۔ پھر یہ معنی متلقی سلطان خیال میں جہاں تمام اشیاء کی صورتیں منقش ہیں۔ حرف و صوت کی صورت پر متمثل ہوتے ہیں۔ کیونکہ عالم شہادت میں افادہ و استفادہ الفاظ و حروف ہی کے ذریعے سے ہے۔ اس تلقی پر سماع بلا کیف کا اطلاق کرنا بھی جائز ہے۔ کیونکہ کلام بے کیف ہے اور ضرور ہے کہ اس کا سماع بھی بلا کیف ہو کیونکہ کیف کو مالا کیف فیہ (جس میں کوئی کیفیت نہیں) کی طرف کوئی راستہ نہیں۔ پس ثابت ہوا۔ کہ حروف و اصوات سے مجرد کلام کا بلا کیف سننا جائز ہے۔ پھر اس کے بعد کلام خیال میں حرف و کلمہ کی صورت پر متمثل ہوتا ہے۔ تاکہ عالم اجسام میں بھی افادہ و استفادہ حاصل ہو اور جن لوگوں نے اس دقیقہ پر اطلاع نہیں پائی۔ ان حروف و کلمات کے ذریعے سے جو حادث ہیں اور اس پر دلالت کرنے والے ہیں۔ ان لوگوں کا حال اچھا ہے اور بعض نے یوں کہا ہے۔ کہ ہم اللہ تعالیٰ کے کلام کو سنتے ہیں اور انہوں نے کچھ فرق نہیں کیا۔ کہ یہ بات اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ہے اور یہ لائق نہیں یہ لوگ جاہل اور جھوٹے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کے حق میں جائز و ناجائز کو نہیں جانتے اور حق وہی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے فضل سے میں نے تحقیق کی اور شیخ قدس سرہ نے جو یہ کہا ہے۔ کہ اس کے کان اس کی آنکھیں ہو جاتے ہیں اور اس کی آنکھیں اس کے کان بن جاتی ہیں اور اس کا اول آخر سے بدل جاتا ہے۔ اس کے یہ معنی ہیں۔ کہ اس کے کان اس کی آنکھوں کا حکم اور اس کی آنکھیں اس کے کانوں کا حکم پکڑ لیتی ہیں۔ یعنی اپنی کلیت سے سنتا ہے اور اپنی

کلیت سے جانتا ہے۔ کیونکہ اگر اپنے بعض سے سنے اور بعض سے دیکھے تو اس صورت میں سمع عین بصیر نہ ہو گا۔ اسی پوشیدگی کے لئے آگے بیان کیا ہے۔ کہ اس کا آخر اول اور اس کا اول آخر ہو جاتا ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب ذرات کو مخاطب کر کے اَلْسْتُ بِرَبِّكُمْ فرمایا۔ تو ذرات نے نہایت صفائی کے باعث بلا واسطہ اس ندا کو سن لیا۔ پھر وہ ذرات مختلف پشتوں میں بدلتے اور مختلف رحموں میں منتقل ہوتے رہے۔ حتیٰ کہ اپنے بدنوں میں ظاہر ہو گئے۔ پس قدرت پر حکمت کا حجاب آگیا اور مختلف اطوار و حالات میں بدلنے کے باعث ان پر بہت سی ظلمتیں چھا گئیں۔ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندہ سے حسن استماع کا ارادہ کرتا ہے۔ تاکہ اس کو صوفی صافی بنائے۔ تو اس کو ہمیشہ تزکیہ اور تجلیہ کے رتبہ میں ترقی دیتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ عالم حکمت سے میدان قدرت کی طرف آزاد ہو جاتا ہے اور اس کی گم شدہ بصیرت سے حکمت کا حجاب دور ہو جاتا ہے۔ اس وقت اس کا اَلْسْتُ بِرَبِّكُمْ کو سننا کشف و عیان ہوتا ہے اور اس کی توحید و عرفان سر اسر تبیان و برہان ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ اس کی اپنی زبان اور غیر کی زبان بھی اس کے حق میں حضرت موسیٰؑ کے درخت کا حکم پکڑ لیتی ہے جس سے وہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو سنتا ہے جیسے کہ حضرت موسیٰؑ نے اس درخت سے اللہ تعالیٰ کے کلام کو سنا تھا۔ پس ثابت ہوا کہ اس کا اول آخر اور اس کا آخر اول ہو جاتا ہے کیونکہ وہ آخر میں اللہ تعالیٰ کے کلام کو اس طرح سنتا ہے۔ جس طرح اس نے اول سنا تھا۔ اس پر محمول ہے کسی کا قول جو اس نے کہا ہے کہ میں اَلْسْتُ بِرَبِّكُمْ کا خطاب یاد رکھتا ہوں یعنی اس خطاب کو گویا اب زبانوں پر سنتا ہوں۔ پوشیدہ نہ رہے کہ اللہ تعالیٰ کا پہلا خطاب تحقیقی تھا اور اللہ تعالیٰ سے ذرات کا سننا حقیقت کے طور پر تھا۔ لیکن یہ خطاب جو زبانوں سے ماخوذ و مسموع ہے۔ صرف تخیل و توہم کے طور پر اللہ تعالیٰ کا خطاب ہے۔ جیسے کہ گزر چکا پھر کس طرح ایک دوسرے کا عین ہو سکتا ہے۔ بڑے تعجب کی بات ہے کہ شیخ قدس سرہ نے باوجود اس قدر بلند قدر کے ایک کو دوسرے کا عین بنا دیا ہے اور متحقق و متخیل کے درمیان کچھ فرق نہیں کیا۔ حالانکہ متخیل عین سکر اور صرف توحید ہے اس کی مثال بعینہ قول اَنَا الْحَقُّ اور مُسَبِّحَانِی اور لَيْسَ فِیْ جَنَّتِیْ سِوِی اللّٰہِ وغیرہ کی طرح ہے اور اس سے بھی بڑھ کر تعجب کی بات یہ ہے کہ شیخ نے اس کے بعد کہا ہے کہ جب صوفی اس وصف سے متحقق ہو جاتا ہے تو اس کا وقت سرمدی اور اس کا شہود دائمی اور اس کا سماع ہر دم نیا ہوتا ہے۔ حالانکہ صاف ظاہر ہے کہ صوفی اس مقام میں صرف تجلی معنوی صفاتی سے متحقق ہے جیسے کہ گزر چکا اور یہ مقام تلوین کا مقام ہے پھر کس طرح اس کا وقت سرمدی اور شہود دائمی ہو گا کیونکہ دائمی وقت ذات تعالیٰ تک پہنچنے اور تجلی ذات میں ہوتا ہے۔ ایسے ہی شہود و مشاہدہ بھی ذات تعالیٰ تک پہنچنے والے کیلئے ہوتا ہے۔ جیسے کہ مشائخ نے فرمایا ہے اور جو کچھ مرتبہ صفات میں حاصل ہوتا ہے اس کا نام مکاشفہ ہے

اور شہود اور اس کا دوام ان ارباب تمکین کا نصیب ہے جو ذات تک واصل ہے نہ کہ اہل تلوین کا حصہ جو صفات کے ساتھ مقید ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ ارباب قلوب و تقلب ہیں۔ سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ط (یا اللہ تو پاک ہے ہمیں کوئی علم نہیں مگر جس قدر کہ تو نے ہمیں سکھایا۔ بیشک تو جاننے والا حکمت والا ہے)۔

مکتوب ۱۱۹

مولانا مودود محمد کی طرف صادر فرمایا ہے:-

شیخ قدس سرہ نے اپنی کتاب عوارف کے نویں باب میں ان لوگوں کے بیان میں جو صوفیاء کی طرف منسوب ہیں کہا ہے کہ ان میں سے بعض وہ لوگ ہیں جو حلول کے قائل ہیں۔ خَذَلَهُمُ اللَّهُ سُبْحَانَهُ (اللہ تعالیٰ ان کو خوار کرے) اور خیال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان میں حلول کئے ہوئے ہے اور ان جسموں میں کہ جن کو وہ دوست رکھتا ہے۔ حلول کرتا ہے اور قول نصاریٰ کے معنی لاہوت اور ناسوت میں ان کے فہموں کی طرف بڑھتے ہیں اور ان میں سے بعض وہ لوگ ہیں جو اسی وہم کے باعث محسنات یعنی خوبصورت چیزوں کی طرف نظر کرنا مباح جانتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ جن لوگوں نے اپنے بعض غلبوں کے وقت کلمات کہے ہیں۔ ان کلمات میں کچھ نہ کچھ وہی امر مضمر اور پوشیدہ ہے جو انہوں نے گمان کیا ہے جیسے کہ حلاج کا انا الحق کہنا اور حضرت بایزیدؒ کا سبحانی وغیرہ فرمانا۔ حاشا وکلا کہ حضرت بایزیدؒ کے حق میں یہ اعتقاد کریں کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکایت کے معنی کے سوا کچھ اور کہا ہے حلاج کے قول میں بھی یہی اعتقاد ہونا چاہئے۔ اگر ہم جانتے کہ اس قسم کے قول میں کچھ نہ کچھ حلول مضمر اور پوشیدہ ہے تو ہم ان کو بھی کر رد کرتے۔ جیسے کہ ان کو رد کرتے ہیں۔ فقط۔ نہیں معلوم۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکایت کے کیا معنی ہیں اور ارباب سکر کو معنی حکایت کے طور پر اس قسم کے قول کے ساتھ مخصوص کرنے کی کیا وجہ ہے۔ سوائے اس کے کہ کہا جائے کہ شیخ قدس سرہ کی مراد یہ ہے کہ اس قسم کے قول کا کہنے والا اگر بندہ ہے جیسے کہ اکثر کے نزدیک ظاہر ہے تو بیشک یہ قول اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکایت ہے۔ کیونکہ بندہ رب نہیں بن جاتا لیکن اس قول کا کہنے والا درحقیقت اللہ تعالیٰ ہے اور بندہ کی زبان درخت موسوی کی طرح ہے۔ اس صورت میں حلاج اور بایزید قدس سرہما پر کوئی طعن و اعتراض نہیں مگر شیخ قدس سرہ کی عبادت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر وہ اس قول کو حکایت کے معنی پر محمول نہ کرتا تو اس سے حلول کے معنی سمجھے جاتے۔ حالانکہ ایسا نہیں کیونکہ توحید کے غلبے اور واحد مشہود کے ماسوا کے پوشیدہ ہو جانے اور نور شہود کے چمکنے کے وقت حلول و اتحاد کی آمیزش کے بغیر اس قسم کی باتوں کا کہنا جائز ہے۔ قول انا الحق کے معنی یہ ہیں کہ میں کچھ نہیں ہوں اور موجود حق تعالیٰ ہی ہے

نہ یہ کہ میں حق تعالیٰ کے ساتھ متحد ہوں یا حق تعالیٰ میں حلول کئے ہوئے ہوں کہ یہ کفر ہے اور توحید شہودی کے منافی ہے۔ کیونکہ اس میں واحد واحد کے سوا کچھ مشہود نہیں اور حلول و اتحاد کی صورت میں مشہود متعدد ہو جاتے ہیں۔ گو اتحاد و حاکمیت کے طور پر ہوں اور شیخ قدس سرہ کا یہ قول کہ ان میں سے بعض وہ لوگ ہیں جو اسی وہم یعنی حلول کے باعث خوبصورت چیزوں کا دیکھنا مباح جانتے ہیں۔ تعجب کی بات ہے کہ شیخ اجل قدس سرہ اس قسم کی عبارتوں سے حلول و اتحاد سمجھتا ہے۔ حالانکہ ان اقوال سے ظہور ثابت ہوتا ہے جو حلول کے ماوراء ہے کیونکہ حلول کے یہ معنی ہیں کہ ایک شے بنفسہ دوسری شے میں موجود ہے جیسے کہ زید کا بنفسہ گھر میں موجود ہونا اور ظہور کے یہ معنی ہیں کہ ایک شے کا عکس دوسری شے میں موجود ہو جیسے کہ زید کا عکس آئینے میں۔ امر اول مرتبہ وجوب میں محال ہے اور اس مرتبہ مقدمہ کیلئے نقص کا موجب ہے اور امر دوم اپنے ثبوت کے باعث ممکن و جائز ہے اور اس کے حصول میں کوئی نقص نہیں۔ کیونکہ امر اول سے تغیر لازم آتا ہے جو قدم کے منافی ہے اور امر دوم میں یہ بات نہیں جیسے کہ ظاہر ہے پس اگر وجوبی کمالات امکانی عدموں کے آئینوں میں ظاہر ہوں تو اس سے ان کمالات کا ان آئینوں میں حلول و تغیر و انتقال جو قدم کے منافی ہے لازم نہیں آتا کیونکہ یہ حق تعالیٰ کے کمال کا ظہور اور اراءت یعنی دکھا دیا نمود ہے جیسے کہ آئینہ میں ہوتا ہے۔ پس امکانی آئینوں میں حق تعالیٰ کے کمالات کا مشہود تجویز کرنا ان میں ان کمالات کے حلول کا تجویز کرنا نہیں ہے۔ بلکہ آئینہ میں کمالات کے ظہور کا تجویز کرنا ہے اور اس میں کوئی نقص نہیں اگرچہ اس قسم کے مشہود کو جائز رکھنے والا صاحب نقص اور راستہ پر غیر مستقیم ہے لیکن مقصود یہ ہے کہ اس سے حلول کی تہمت رفع ہو جائے نہ کہ اس کا کمال ثابت ہو کہ وہ کچھ ہے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ اَعْلَمُ بِحَقَائِقِ الْأُمُورِ كُلِّهَا (تمام امور کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے)۔

مکتوب ۱۲۰

عزالت یعنی گوشہ نشینی کے اختیار کرنے کے بیان میں میر مصور کی طرف صادر

فرمایا ہے:-

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کیلئے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) برادر م عزیز کے بزرگ صحیفوں نے یکے بعد دیگرے پہنچ کر خوش کیا۔ اللہ تعالیٰ کیلئے حمد ہے کہ بے مناسبتی کے اسباب کے باوجود اس محبت و ارتباط میں جو آپ کو فقراء کے ساتھ ہے کسی قسم کا تغیر و تبدل نہیں آیا اور فتور کا باعث نہیں ہوا بلکہ اس ارتباط و محبت میں زیادتی پیدا ہوئی ہے۔ حق تعالیٰ آپ کو اس گروہ کی محبت میں استقامت عطا فرمائے کیونکہ یہی محبت سعادت کا سرمایہ ہے۔ اے

شفقت کے نشان والے اس فرصت میں گوشہ نشینی کا شوق غالب آکر گوشہ نشینی اختیار کی ہے۔ جمعہ کے سوامجد میں نہیں جاتا۔ جماعت پنج وقتی اس گوشہ میں منعقد ہو جاتی ہے۔ لوگوں کی ملاقات کا راستہ بند ہے۔ اوقات بڑی جمعیت سے گزر رہے ہیں۔ گویا تمام عمر کی آرزو اب حاصل ہوئی ہے۔ اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کیلئے حمد ہے۔ باقی ظاہری احوال بھی عافیت کے ساتھ ہیں اور تمام فرزند و متعلقین جمعیت کے ساتھ بسر کر رہے ہیں۔ جناب خواجہ عبداللہ ماہ مبارک رمضان سے پہلے دہلی تشریف لے گئے۔ اللہ تعالیٰ کیلئے حمد ہے کہ خواجہ نے اس آنے میں بہت فائدے حاصل کئے اور حالت تمام بدل لی اور توحید کے غلبات سے دریائے تزیہہ میں غوطہ لگایا اور عمق یعنی گہرائی کی طرف متوجہ ہیں اور ظاہر سے باطن بلکہ باطنوں کے باطن کی طرف جارہے ہیں۔ باقی احوال حافظ بہاؤ الدین وہاں آکر مفصل طور پر بیان کریگا۔

مکتوب ۱۲۱

ایک مکتوب کی عبارت کے حل میں جو اسرار پر مشتمل ہے۔ مرزا احسام الدین احمد کی طرف صادر فرمایا ہے:-

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کیلئے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) آپ کا صحیفہ گرامی جو شفقت و مہربانی سے اس فقیر کے نام لکھا تھا۔ اس کے مطالعہ سے مشرف ہوا۔ اس میں لکھا تھا کہ ایک عزیز نے اس مکتوب کی عبارت پر جو اجمیر میں لکھا گیا تھا بہت اعتراض کئے ہیں ان کا حل لکھنا چاہئے اور چونکہ بعض یاروں نے اشتباہ کی جگہوں کو مقرر کر کے لکھا تھا۔ اس لئے اس کے اندازہ کے موافق اس اشتباہ کے حل میں چند مقدمے لکھے جاتے ہیں۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْهَادِيَ إِلَى سَبِيلِ الرَّشَادِ (اللہ تعالیٰ ہی سیدھے راستہ کی طرف ہدایت دینے والا ہے) میرے مخدوم و مکرم سیر مرادی اور سیر مریدی ایک ایسا امر ہے جو اس سیر والے کے وجدان سے تعلق رکھتا ہے اور کسی ایسے امر کا التزام نہیں جو غیر سے تعلق رکھتا ہو۔ پس اس کے اثبات پر حجت و برہان طلب کرنا گنجائش نہیں رکھتا۔ اس کے علاوہ جس شخص کو خدا تعالیٰ نے قوت حدسیہ دی ہے وہ اگر اس سیر والے شخص کے احوال و اوضاع میں اچھی طرح ملاحظہ کرے اور حق تعالیٰ کے فیوض و برکات اور علوم و معارف جن کے ساتھ وہ ممتاز ہے۔ مشاہدہ کرے تو ہو سکتا ہے کہ اس کی سیر مرادی کا حکم کرے اور کسی دلیل کا محتاج نہ ہو جس طرح اس قرب و بعد و مقابلہ و اجتماع کے ملاحظہ کے بعد جو چاند کو سورج کے ساتھ ہے حکم کرے کہ چاند کا نور سورج کے نور سے حاصل ہوا ہے اگرچہ یہ امر ارباب حدس کے سو اکیس دوسرے پر حجت نہیں۔ نیز ہمارے خواجہ قدس سرہ نے ابتداء حال میں اس فقیر کے سیر کو سیر مرادی فرمایا۔ یاروں نے بھی شاید اس بات کو ان سے سنا ہو گا اور مثنوی کے ان آیات کو فقیر کے حال کے مطابق جان کر پڑھا

کرتے تھے۔ ایات

عشق معشوقان نہان است و ستر
عشق عاشق باد و صد طبل و نفیر
لیک عشق عاشقان تن زہ کند
عشق معشوقان خوش و فرہ کند

ترجمہ ایات

عشق معشوقان ہے پردہ میں چھپا
عشق عاشق دھوم دیتا ہے مچا
عاشقوں کا عشق تن لاغر کرے
عشق معشوقان بدن خوشتر کرے

اور مرادوں میں سے جو کوئی واصل ہوا ہے۔ اجتہاء (برگزیدہ ہونا) کے راستہ ہی سے گیا ہے۔ اجتہاء کا راستہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہے۔ صاحب عوارف قدس سرہ نے مجذوب سالک اور سالک مجذوب کے بیان میں اس امر کی تصریح فرمائی ہے اور مریدوں کے راستہ کو انابت کا راستہ اور مرادوں کے راستہ کو اجتہاء کا راستہ کہا ہے اللہ یَجْتَبِیْ اِلَیْہِ مَنْ یَّشَاءُ وَ یَهْدِیْ اِلَیْہِ مَنْ یُّنِیْبُ (اللہ تعالیٰ برگزیدہ کرتا ہے جس کو چاہتا ہے اور جو شخص اس کی طرف رجوع کرے اس کو اپنی طرف ہدایت دیتا ہے)۔ ہاں اجتہاء کا راستہ بالاصالت انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہے اور امتوں کو دوسرے کمالات کی طرح اس سے بھی ان کی تبعیت کے باعث حصہ حاصل ہے۔ یہ نہیں کہ اجتہاء کا راستہ مطلق طور پر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہی کے ساتھ مخصوص ہے اور امتوں کو اس سے ہرگز حصہ حاصل نہیں۔ کیونکہ یہ غیر واقع ہے۔ میرے مخدوم سالک کو فیوض کا پہنچنا حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے توسط اور حیولت سے اسی وقت تک ہے۔ جب تک اس سالک محمدی المشرّب کی حقیقت حقیقت محمدی سے منطبق نہیں ہوئی اور اس کے ساتھ متحد نہیں ہوئی۔ جب کمال متابعت بلکہ محض فضل سے مقامات عروج میں اس حقیقت کو اس حقیقت کے ساتھ اتحاد حاصل ہوا۔ تو توسط دور ہو گیا۔ کیونکہ توسط و حیولت مغائرت میں ہے اور اتحاد میں توسط و متوسط واجب و محبوب کوئی نہیں۔ جہاں اتحاد ہے وہاں معاملہ شرکت کے ساتھ ہے۔ لیکن چونکہ سالک تابع اور الحاقی اور طفیلی ہے۔ اس لئے یہ شرکت ایسی ہے جیسے خادم کو اپنے مخدوم کے ساتھ ہوتی ہے اور یہ جو ہم نے کہا ہے کہ سالک کی حقیقت کو آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حقیقت کے ساتھ انطباق و اتحاد پیدا ہو جاتا ہے۔ اس کا بیان یہ ہے کہ حقیقت محمدی تمام حقائق کی جامع ہے۔ اس کو حقیقت الحقائق کہتے ہیں اور دوسروں کے حقائق اس کے اجزاء کی طرح ہیں یا جزئیات کی طرح۔ کیونکہ اگر محمدی المشرّب ہے۔ تو سالک کی حقیقت اس کلی کے لئے جزئی کی طرح ہے اور اس پر محمول ہے اور محمدی المشرّب کے سوا کسی غیر کی حقیقت اس کل کے لئے جزو کی طرح ہے اور اس پر غیر محمول ہے۔ غیر محمدی المشرّب کی اس حقیقت کو اگر عروج میں

اتحاد پیدا ہو۔ تو اس پیغمبر کی حقیقت کے ساتھ ہو گا۔ جس کے قدم پر وہ ہے اور اسی حقیقت پر محمول ہو گی اور اس کے کمالات میں شرکت پیدا کر لیگی۔ لیکن یہ شرکت خادم مخدوم کی شرکت کی قسم سے ہو گی جیسے کہ گزر چکا اور جب اس جزئی کو کمال متابعت کے علاقہ سے بلکہ محض فضل سے اپنی کلی کے ساتھ محبت خاص پیدا ہو جاتی ہے اور وہاں تک پہنچنے کا شوق اس کو دام نکیر ہو جاتا ہے۔ تو وہ قید جو کلی کو جزئی میں لائی تھی۔ خداوند تعالیٰ کے فضل سے دور ہونے لگتی ہے اور آہستہ آہستہ زوال کے بعد اس جزئی کو اس کلی کے ساتھ انطباق والحاق حاصل ہو جاتا ہے اور یہ جو ہم نے کہا ہے۔ کہ محبت خاص پیدا ہو جاتی ہے۔ جس طرح کہ محض فضل سے اس فقیر کو پیدا ہوئی تھی اور اس محبت کے غلبہ میں کہا کرتا تھا۔ کہ میری محبت حق تعالیٰ کے ساتھ اس لئے ہے کہ حق تعالیٰ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا رب ہے اور میاں شیخ تاج اور دوسرے یار اس بات پر تعجب کرتے تھے میرے خیال میں شاید آپ کو بھی یہ بات یاد ہو گی۔ غرض جب تک اس قسم کی محبت پیدا نہ ہو۔ الحاق واتحاد متصور نہیں ہوتا۔ ذَلِكْ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے) اب توسط وعدم توسط کی حقیقت کو بیان کرتا ہوں۔ غور سے سنیں۔ طریق جذبہ میں چونکہ مطلوب کی طرف سے کشش ہے اور اللہ تعالیٰ کی عنایت طالب کے حال کی متکفل ہے۔ اس لئے واسطہ اور وسیلہ کو قبول نہیں کرتا اور طریق سلوک میں چونکہ طالب کی انابت و رجوع ہے۔ اس لئے اس میں وسیلہ اور واسطہ کا ہونا ضروری ہے نفس جذبہ میں اگرچہ وسیلے درکار نہیں لیکن جذبہ کا تمام ہونا سلوک پر وابستہ ہے کیونکہ جب تک سلوک جو شریعت کے بجالانے یعنی توبہ و زہد وغیرہ سے مراد ہے۔ جذبہ کے ساتھ نہ ملے تب تک جذبہ ناقص رہتا ہے۔ ہم نے بہت سے ہنود اور ملحدوں کو دیکھا ہے کہ جذبہ رکھتے ہیں۔ لیکن چونکہ صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت سے آراستہ نہیں ہیں۔ اس لئے خراب و ابتر ہیں اور جذب کی صورت کے سوا کچھ نصیب نہیں۔

سوال:- جذبہ کا حاصل ہونا ایک قسم کی محبوبیت چاہتا ہے۔ پس کفار کے لئے جو اللہ تعالیٰ کے دشمن ہیں۔ جذبہ کا نصیب کس طرح تصور کیا جاتا ہے۔

جواب:- ہو سکتا ہے کہ بعض کفار ایک قسم کی محبوبیت رکھتے ہوں۔ جو ان کے جذبہ کے حاصل ہونے کا باعث ہوئی ہو۔ لیکن چونکہ ان کو صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت سے آراستہ نہیں کیا۔ اس لئے خوار اور زیا نکار رہے ہیں اور اس جذبہ نے حجت کے سوا اور کچھ ان پر درست نہیں کیا۔ کیونکہ ان کی استعداد کو جتلا دیا ہے۔ جس کو وہ جہل و عداوت کے باعث قوت سے فعل یعنی پوشیدگی سے ظہور میں نہیں لائے۔ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ (اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم

نہیں کیا۔ بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے) طریق جذبہ میں اگر صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کے وسیلہ سے جو کہ سلوک سے مراد ہے مطلوب تک پہنچنا میسر ہو جائے۔ تو کسی امر کے واسطے اور حیلولہ کے بغیر ہو گا۔ بزرگوں نے فرمایا ہے۔ وَلَوْ ذَلَّيْتُمْ بَدَلُوْا لَوْ قَعْتُمْ عَلَى اللّٰهِ عِنِّ اِذَا تَمَّ حَقُّ تَعَالٰی کی طرف کھینچے جاؤ اور باطنوں کے باطن کی طرف پہنچائے جاؤ۔ تو تمہارے اور حق تعالیٰ کے درمیان کسی امر کا حیلولہ اور حجاب نہ ہو گا شائد آپ کو بھی یاد ہو گا۔ کہ ہمارے حضرت خواجہ قدس سرہ فرمایا کرتے تھے۔ کہ اگر اس معیت کے راستہ سے جو حق تعالیٰ کو بندہ کے ساتھ ہے۔ وصول میسر ہو جائے۔ تو کسی امر کے وسیلہ کے بغیر ہو گا کہ معیت کے مناسب ہے۔ کیونکہ واسطہ تربیت کے سلسلہ میں ضروری ہے۔ جو سلوک سے مراد ہے اور راہ معیت جذبہ کے راستوں میں سے ایک راستہ ہے اور حدیث الْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ (آدمی اسی کے ساتھ ہو گا۔ جس کے ساتھ اس کو محبت ہے) بھی اسی مضمون کی تائید کرتی ہے کیونکہ انسان کو جب اپنے محبوب کے ساتھ معیت ثابت ہو جاتی ہے۔ تو واسطہ درمیان سے اٹھ جاتا ہے۔ ذرا غور سے سنیں۔ کہ ہر ایک ظل کو اپنے اصل کی طرف ایک شاہراہ ہے اور کوئی چیز ان کے درمیان حائل نہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کی عنایت سے ظل کو اپنے اصل کی خواہش پیدا ہو جائے اور اس کی طرف کشش ظاہر ہو جائے۔ تو صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کی بدولت اس ظل کو اس اصل کے ساتھ وصل اور الحاق حاصل ہو جائے گا اور وہ کسی امر کے واسطے اور حیلولہ کے بغیر ہو گا۔ چونکہ وہ اصل اسماء الہی جل شانہ میں سے ایک اسم ہے۔ اس لئے اسم اور اس کے مسمیٰ میں کوئی حائل نہ ہو گا۔ پس ظل کا اس راستہ سے اصل الاصل تک جو اس اسم کا مسمیٰ ہے پہنچنا کسی امر کے وسیلہ کے بغیر ہو گا۔ نیز جو شخص بیوقوفی وصول کے ساتھ حضرت ذات تعالیٰ کا واصل ہے۔ اس کے حق میں کسی امر کا واسطہ اور حیلولہ مفقود ہے۔ جب حضرت ذات تعالیٰ کے وصول کی صورت میں حق تعالیٰ کی صفات کا حجاب اور حیلولہ ہونا دور ہو جاتا ہے۔ تو پھر صفات کے سوا کسی اور امر کا حجاب اور حیلولہ ہونا کب گنجائش رکھتا ہے۔

سوال :- جب حضرت ذات تعالیٰ سے صفات واجبی جل شانہ کا جدا ہونا جائز نہیں۔ تو پھر اصل اور موصول الیہ کے درمیان سے صفات کے حیلولہ کا دور ہو جانا کس طرح ہے؟

جواب :- جب سالک کو اپنے اصل کے ساتھ (جو اسماء الہی میں سے ایک اسم ہے اور وہ سالک اس کا ظل ہے) وصل و تحقیق حاصل ہو جائے۔ تو سالک اور حضرت ذات تعالیٰ کے درمیان کوئی واسطہ اور حیلولہ نہ ہو گا۔ جس طرح کہ اسم اور اس کے مسمیٰ میں کسی امر کا حیلولہ ثابت نہیں۔ پس نہ ارتفاع لازم آیا اور نہ انفکاک۔ اسی قسم کی تحقیق حقیقت سالک اور حقیقت محمدی کے اتحاد میں اوپر گزر چکی ہے۔ اس

تحقیق کا تھوڑا سا حال ظل کے اپنے اصل تک پہنچنے کے بیان میں گزر چکا ہے۔

تنبیہ:- اس عدم توسط یعنی واسطہ کے نہ ہونے سے جو طریق جذبہ وغیرہ میں کہا گیا ہے کوئی بیوقوف یہ گمان نہ کرے کہ حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کی کچھ حاجت نہیں اور ان کی تبعیت و متابعت کی کچھ پرواہ نہیں۔ کیونکہ یہ کفر والحادوزندقہ اور شریعت حقہ کا انکار ہے حالانکہ اوپر گزر چکا ہے۔ کہ جذبہ سلوک کے واسطہ کے بغیر جو شریعت کے بجالانے سے مراد ہے ابترونا تمام اور سراسر نعمت اور عذاب ہے۔ جو نعمت کی صورت میں ظاہر ہوا ہے اور جذبہ ناتمام کے صاحب پر حجت کو پورا کیا ہے۔ عرض کشف صحیح اور الہام صریح سے یقینی طور پر معلوم ہو چکا ہے۔ کہ اس راہ کے دقائق میں سے کوئی دقیقہ اور اس گروہ کے معارف میں سے کوئی معرفت آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کے واسطہ اور وسیلہ کے بغیر میسر نہیں ہوتی اور مبتدی اور متوسط کی طرح منتہی کو بھی اس راہ کے فیوض و برکات آنحضرت کی طفیل و تبعیت کے بغیر حاصل نہیں ہوتے۔ بیت

محال است سعدی کہ راہ صفا تو اں رفت جز در پے مصطفیٰ

ترجمہ بیت

قدم پکڑیں نہ جب تک مصطفیٰ کا پتہ ملتا نہیں راہ صفا کا

افلاطون بے وقوف نے اس صفائی کے باعث جو ریاضتوں اور مجاہدوں سے اس کے نفس کو حاصل ہوئی۔ اپنے آپ کو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے مستغنی جانا اور کہا کہ نَحْنُ قَوْمٌ مُّهْتَدُونَ لَا حَاجَةَ بِنَا إِلَىٰ مَنْ يَهْدِينَا (ہم ہدایت یافتہ لوگ ہیں۔ ہم کو کسی ہادی کی حاجت نہیں) اس بیوقوف نے یہ نہ جانا کہ یہ صفائی جو انبیاء کی متابعت کے بغیر ریاضتوں اور مجاہدوں سے حاصل ہوئی ہے۔ ایسی ہے جیسی سیاہ تانبے پر سونا چڑھا دیں۔ زہر کو شکر سے غلافی کریں۔ وہ انبیاء کی متابعت ہی ہے۔ جو تانبے کی حقیقت کو بدل کر خالص سونا بنادیتی ہے اور نفس کو امارہ پن سے نکال کر اطمینان میں لے آتی ہے۔ حکیم مطلق جل شانہ نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بعثت اور شرائع کو امارہ کے عاجز اور خراب کرنے کے لئے مقرر کیا ہے اور اس کی خرابی بلکہ اس کی اصلاح کو ان بزرگواروں کی متابعت کے سوا اور کسی چیز میں نہیں رکھا۔ ان بزرگواروں کی متابعت کے بغیر اگر ہزاروں ریاضتیں اور مجاہدے کئے جائیں۔ اس کا امارہ پن بال بھر بھی کم نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کی سرکشی اور ہی بڑھ جاتی ہے۔ ع

ہرچہ گیرد علتی علت شود

ترجمہ۔ ع جو کچھ مریض کھائے اس کا مرض بڑھ جائے

اس کے ذاتی مرض کا دور ہونا انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شرائع پر موقوف ہے۔ وَبِذَوْنِهَا خَرَطَ

الْفَتَادِ (ورنہ بیفائدہ تکلیف ہے) جاننا چاہئے۔ کہ جذبہ کے لئے اگرچہ سلوک کا ہونا ضروری ہے خواہ جذبہ سلوک پر مقدم ہو یا مؤخر۔ لیکن جذبہ کے مقدم ہونے میں فضیلت ہے۔ کیونکہ اس صورت میں سلوک اس کا خادم ہے اور جذبہ کے مؤخر ہونے میں سلوک اس کا مخدوم ہے۔ کیونکہ وہ اس کی بدولت اس کو جذب میسر ہوا ہے۔ لیکن جذبہ کے مقدم ہونے میں ایسا نہیں۔ کیونکہ وہ بالذات مطلوب و مدعو ہے۔ اسی واسطے یہ مراد ہوا اور وہ مرید۔ مرادوں کے سردار اور محبوبوں کے رئیس حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ کیونکہ اس دعوت سے مقصود ذاتی اور مدعو اولی (سب سے اول بلایا ہوا) آنحضرت ﷺ ہی ہیں اور دوسروں کو خواہ مراد ہوں یا مرید۔ حضور ہی کی طفیل بلایا ہے۔ لَمْ يَلَهُ لَمَّا خَلَقَ اللَّهُ الْخَلْقَ وَلَمَّا أَظْهَرَ الرُّسُلَ بَيِّنَةً (اگر وہ نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ خلقت کو پیدا نہ کرتا اور نہ اپنی ربوبیت ظاہر کرتا) چونکہ دوسرے سب ان کے طفلی ہیں اور وہ اس دعوت کے اصلی مقصود ہیں۔ اس لئے سب ان کے محتاج ہیں اور انہی کے ذریعہ سے فیوض و برکات اخذ کرتے ہیں۔ اس لحاظ سے اگر سب کو ان کی آل کہیں تو بجا اور درست ہے۔ کیونکہ سب ان کے پیچھے پیچھے چلنے والے ہیں اور ان کے وسیلہ کے بغیر کمال حاصل نہیں کر سکتے۔ جب ان سب کا وجود ان کے وجود کے وسیلہ کے بغیر متصور نہیں ہو سکتا تو دوسرے کمالات جو وجود کے تابع ہیں ان کے وسیلہ کے بغیر کس طرح متصور ہو سکتے ہیں۔ ہاں محبوب رب العالمین ایسا ہی ہونا چاہئے۔ ذرا کان لگا کر سنیں۔ مشکوف ہوا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی محبوبیت حق تعالیٰ کی اس محبت کے ساتھ ثابت ہے۔ جو شیون و اعتبارات کے بغیر حق تعالیٰ کی ذات بحت سے تعلق رکھتی ہے اور جس محبت کے سبب حق تعالیٰ کی ذات محبوب ہے۔ برخلاف دوسروں کی محبوبیت کے جو اس محبت کے ساتھ ثابت ہے۔ جس کا تعلق شیون و اعتبارات کے ساتھ ہے اور اسماء و صفات با اسماء و صفات کے ظلال کے ساتھ درجہ بدرجہ متلبس ہے۔

فَإِنَّ فَضْلَ رَسُولِ اللَّهِ لَيْسَ لَهُ حَدٌّ فَيُعْرَبُ عَنْهُ نَاطِقٌ بِفَمِ

ترجمہ بیت

رسول پاک کی شان و فضیلت بے نہایت ہے

کرے ظاہر زبان کیونکر کہاں اس میں یہ طاقت ہے

اس مقام کی تحقیق یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کا توسط یعنی واسطہ و وسیلہ ہونا دو وجہ پر ہو سکتا ہے۔

ایک یہ کہ آنحضرت ﷺ سالک اور اس کے مطلوب کے درمیان حائل و حاجب ہوں۔ دوسرے یہ کہ

سالک آنحضرت کے طفیل اور آنحضرت کی تبعیت و متابعت کے واسطہ سے مطلوب تک واصل ہو۔

طریق سلوک میں حقیقت محمدی تک پہنچنے سے پہلے دونوں طرح کا واسطہ ثابت ہے۔ بلکہ میں خیال کرتا

ہوں۔ کہ اس طریق میں جو شیخ درمیان آیا ہے۔ شہود سالک کا متوسط و حاجب ہے۔ اگر آخر میں جذبہ کے ساتھ اس کا تدارک نہ کریں اور اس کا معاملہ پورے بے پردگی تک نہ پہنچے۔ تو اس کا حال قابل افسوس ہے۔ کیونکہ طریق جذبہ میں حقیقت الحقائق یعنی حقیقت محمدی تک پہنچنے کے بعد دوسری وجہ کا واسطہ ثابت ہے۔ جو طفیلیت اور تبعیت ہے۔ نہ کہ حیولت و حجاب جو شہود و مشاہدہ وغیرہ کا پردہ ہو۔ کوئی یہ نہ کہے کہ اس واسطہ کے نہ ہونے سے اگرچہ ایک ہی وجہ سے ہو۔ حضرت خاتمیت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جناب پاک میں قصور لازم آتا ہے کیونکہ میں کہتا ہوں۔ کہ واسطہ کا نہ ہونا آنجناب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کمال کو مستلزم ہے نہ قصور کو۔ کیونکہ قصور وسیلہ و واسطہ کے ہونے میں ہے۔ اس لئے کہ متبوع کا کمال یہ ہے کہ طبع اس کی طفیل و تبعیت سے کمال کے تمام درجات تک پہنچ جائے اور کوئی دقیقہ نہ چھوڑے۔ یہ امر واسطہ کے نہ ہونے میں ثابت ہے۔ نہ کہ واسطہ کے ہونے میں۔ کیونکہ وہاں شہود بے پردہ ہے۔ جو درجات کمال کی نہایت ہے اور یہاں درپردہ۔ پس کمال وسیلہ و واسطہ کے نہ ہونے میں ہے اور قصور واسطہ کے ہونے میں۔ یہ مخدوم کی عظمت و شوکت کا باعث ہے۔ کہ اس کا خادم کسی مقام میں اس سے پیچھے نہیں رہتا اور اس کی تبعیت سے سب کی دولت میں شریک ہوتا ہے۔ اسی واسطے آنحضرت نے فرمایا ہے کہ **عُلَمَاءُ اُمَّتِي كَاَنْبِيَاءِ بَنِي اِسْرَآئِيْلَ** (میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے نبیوں کی طرح ہیں) رویت اخروی کسی امر کے واسطہ اور حیلولہ کے بغیر ہوگی۔ حدیث میں آیا ہے۔ کہ جب بندہ نماز میں داخل ہوتا ہے۔ تو وہ حجاب جو بندہ اور خدا کے درمیان ہے۔ دور ہو جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ نماز مومن کی معراج ہے اور اس سے بہت ساحصہ منتہی واصل کو حاصل ہوتا ہے۔ کیونکہ حجاب کا دور ہونا واصل منتہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ پس واسطہ اور حیلولہ کا اٹھ جانا اور دور ہونا ثابت ہوا۔ یہ معرفت اس فقیر کی خاص لدنی معرفتوں میں سے ہے۔ جو محض فضل و کرم سے اس فقیر کو عطا فرمائی ہے اور اس کی حقیقت سے متحقق کیا ہے۔ بیت

من آں خاکم کہ ابرنو بہاری کند از لطف بر من قطرہ باری

ترجمہ بیت

وہ مٹی ہوں کہ ابرنو بہاری کرے جس پر کرم سے قطرہ باری

کسی نے اچھا کہا ہے۔ بیت

اگر پادشہ برادر پیر زن بیاید تو اے خواجہ سہل مکن

ترجمہ بیت

اگر بڑھیا کے در پر آئے سلطان تو اے خواجہ نہ ہو ہر گز پریشان

آنحضرت ﷺ کے توسط و عدم توسط میں مشائخ طریقت قدس سرہم کا بہت اختلاف ہے۔ بعض توسط کی طرف گئے ہیں اور بعض عدم توسط کی طرف۔ لیکن کسی نے توسط و عدم توسط کی تحقیق نہیں کی اور کمال قصور کی نسبت کچھ بیان نہیں کیا۔ نزدیک ہے کہ ارباب ظواہر یعنی علماء ظاہر عدم توسط کو کہ کمال ایمان ہے۔ کفر جانیں اور بے سوچے سمجھے اس کے قائل کو گمراہی کی طرف منسوب کریں اور توسط کو کمال ایمان تصور کریں اور اس کے قائل کو کامل تابعداروں سے جانیں۔ حالانکہ عدم توسط متابعت کے کمال کی خبر دیتا ہے اور توسط متابعت کے قصور کو ظاہر کرتا ہے۔ جیسے کہ گزر چکا۔ ان کا یہ کہنا حقیقت حال سے ناواقف ہونے کے سبب سے ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ **بَلْ كَذَّبُوا بِمَا لَمْ يُحِيطُوا بِعِلْمِهِ وَلَمَّا بَأْتِهِمْ تَأْوِيلَهُ كَذَلِكْ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ** (بلکہ جھٹلایا انہوں نے اس سبب سے کہ اس کے علم کا احاطہ نہ کیا۔ حالانکہ ابھی اس کی تاویل ان کے پاس نہیں آئی۔ اسی طرح ان سے پہلے لوگوں نے جھٹلایا) میرے مخدوم! ویسی کہنے میں پیر ظاہر کا انکار نہیں۔ کیونکہ ویسی وہ شخص ہے۔ جس کی تربیت میں روحانیوں کا دخل ہو۔ حضرت خواجہ احرار قدس سرہ کو پیر ظاہر کے باوجود چونکہ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ کی روحانیت سے امداد پہنچی تھی۔ اس لئے ویسی کہتے تھے۔ اسی طرح حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ نے باوجود پیر ظاہر کے چونکہ حضرت خواجہ عبدالحق قدس سرہ کی روحانیت سے مدد پائی تھی۔ اس لئے وہ بھی ویسی تھے۔ خصوصاً وہ شخص جو ویسی ہونے کے باوجود پیر ظاہر کا اقرار رکھتا ہے۔ اس زبردستی پیر کا انکار اس کے ذمے لگانا عجب انصاف ہے۔ میرے مخدوم۔ لفظ عبد الباقی کی ترکیب سے مراد اضافی معنی ہیں۔ نہ علمی معنی۔ اگرچہ علمی معنی بھی اس سے بخوبی ظاہر ہوتے ہیں۔ یعنی میرا پیر اگرچہ بندہ باقی کا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا بندہ ہے۔ لیکن میری تربیت کا مستफल اور ذمہ دار اللہ باقی ہے۔ اس میں کوئی تحریف اور بے ادبی ہے۔ اللہ تعالیٰ انصاف دے۔ میرے مخدوم وہ قصور جو معنی سبحانی میں کہ غلبات سکر میں حضرت بسطامی قدس سرہ سے صادر ہوا ہے۔ کہا ہے اس سے لازم نہیں آتا۔ کہ وہ قصور اس کے کہنے والے میں دائمی ہو۔ تاکہ دوسرا اس سے افضل ہو۔ کیونکہ بہت سے ایسے معارف ہیں۔ جو ایک وقت میں اس قوت کے حال کے موافق صادر ہوتے ہیں اور دوسرے وقت میں اللہ تعالیٰ کی عنایت سے جب ان کا قصور معلوم ہوا ہے تو ان سے گزر کر اوپر کے مقام میں پہنچے ہیں۔ آپ کے مکتوب شریف میں لکھا تھا۔ کہ اگر ارباب سکر اس قسم کی شطح آمیز باتیں لکھیں۔ تو بجا ہے۔ لیکن ارباب صحو سے اس قسم کی باتوں کا ظاہر ہونا تعجب کا باعث ہے۔ میرے مخدوم جس کسی نے ان باتوں کو لکھا ہے۔ سکر ہی کے باعث لکھا ہے۔ سکر کی آمیزش کے بغیر اس بارہ میں کوئی قلم نہیں پکڑتا۔ حاصل کلام یہ ہے۔ کہ سکر میں بہت سے مرتبے ہیں۔ جس قدر سکر زیادہ ہوگا۔ اسی قدر شطح غالب ہوگا۔

بسطائی جیسا شخص ہونا چاہئے۔ کہ قول لَوْ اَلِیْ اَرْفَعُ مِنْ لَوِاِءِ مُحَمَّدٍ (میرا جھنڈا حضرت محمد کے جھنڈے سے برتر ہے) اس سے بے تحاشا سرزد ہو۔ پس جو کوئی صحو رکھتا ہے۔ گمان نہ کریں کہ سکر اس کے ہمراہ نہیں۔ کیونکہ یہ عین قصور ہے۔ صحو خالص عام کا نصیب ہے۔ جس نے صحو کو ترجیح دی ہے۔ اس کی مراد غلبہ صحو ہے نہ صرف صحو۔ اسی طرح جس نے سکر کو ترجیح دی ہے۔ اس کی مراد غلبہ سکر ہے نہ سکر خالص کہ وہ سر اسر آفت ہے حضرت جنید قدس سرہ جو ارباب صحو کے رئیس ہیں اور صحو کو سکر پر ترجیح دیتے ہیں۔ ان کی اس قدر سکر آمیز عبارتیں ہیں۔ جن کا شمار نہیں ہو سکتا۔ فرماتے ہیں۔ هُوَ الْعَارِفُ وَالْمَعْرُوفُ (وہی عارف ہے اور وہی معروف) اور فرماتے ہیں لَوْ اَلِیْ الْمَاءِ لَوْ اِنَّا بَہِ (پانی کا رنگ اس کے برتن کا رنگ ہے) اور فرماتے ہیں۔ اَلْمُحَدِّثُ اِذَا قُوِرَ بِالْقَدِیْمِ لَمْ یَبْقَ لَہُ اَثَرٌ (حادث جب قدیم کے ساتھ مل جاتا ہے۔ تو اس کا کوئی اثر باقی نہیں رہتا) صاحب عوارف جو کاملین ارباب صحو میں سے ہے۔ اس کی کتاب میں اس قدر معارف سکر یہ ہیں۔ جن کا بیان نہیں ہو سکتا۔ اس فقیر نے اس کے معارف سکر یہ کو ایک ورق میں جمع کیا ہے۔ سکر کے بقیہ کا سبب ہے۔ کہ اسرار کا ظاہر کرنا جائز سمجھتے ہیں اور سکر ہی کا باعث ہے۔ جو فخر و مباہات کرتے ہیں۔ سکر ہی سے ہے۔ کہ دوسروں پر اپنی زیادتی ظاہر کی جاتی ہے۔ جہاں صحو خالص ہے۔ وہاں اسرار کا ظاہر کرنا کفر ہے اور اپنے آپ کو دوسرے سے بہتر جاننا شرک ہے۔ صحو میں سکر کا بقیہ نمک کی طرح ہے۔ جو طعام کا اصلاح کرنے والا ہے۔ اگر نمک نہ ہو۔ طعام معطل و بیکار ہوتا ہے۔ بیت

گر عشق نبودے و غم عشق نبودے چندیں سخن نغز نہ گفتے و نشودے

ترجمہ بیت

گر نہ ہوتا عشق اور ہوتا نہ اس کا درد و غم ایسی ایسی عمدہ باتیں پھر نہ کہتے سنتے ہم
صاحب عوارف قدس سرہ نے قول قَدْ مِیْ ہٰذِہٖ عَلٰی رَقَبَۃِ کُلِّ وَلِیٍّ (میرا قدم ہر ایک ولی کی گردن پر ہے) جو شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ سے صادر ہوا ہے۔ سکر کے بقیہ پر محمول کیا ہے۔ اس کی مراد اس قول کا قصور نہیں۔ جیسے کہ بعض نے وہم کیا ہے۔ بلکہ عینِ محمدت و تعریف ہے اور واقعہ کا بیان کیا ہے۔ یعنی اس قسم کی باتوں کا صادر ہونا جو فخر و مباہات کی خبر دیتی ہیں۔ سکر کے بقیہ کے بغیر ثابت نہیں۔ کیونکہ صحو خالص میں اس قسم کی باتوں کا سرزد ہونا دشوار ہے۔ اس فقیر نے جو یہ دفتر کے دفتر اس گروہ کے علوم و اسرار میں لکھے ہیں۔ کیا آپ سمجھتے ہیں۔ کہ سکر کی آمیزش کے بغیر صحو خالص سے لکھے ہیں۔ ہر گز نہیں۔ کیونکہ وہ حرام و منکر اور گزاف و سخن بانی ہے۔ سخن بانف یعنی بیہودہ باتیں بنانے والے جو خالص صحو سے متصف ہیں بہت ہیں۔ وہ اس قسم کی باتیں کیوں نہیں بناتے اور لوگوں کے دلوں

کو اس طرف کیوں نہیں مائل کرتے۔ بیت
 فریاد حافظ ایس ہم آخر بہرہ نیست ہم قصہ غریب و حدیث عجیب ہست

ترجمہ بیت

نہیں حافظ کی یہ بیہودہ فریاد عجب ہے ماجر اس کا سراسر

میرے مخدوم اس قسم کی باتیں جو اسرار کے اظہار پر مبنی ہیں اور ظاہر کی طرف سے مصروف اور پھری ہوئی ہیں۔ ہر وقت مشائخ طریقت قدس سرہم سے سرزد ہوتی رہی ہیں اور ان بزرگواروں کی عادت مستمرہ ہو گئی ہے۔ کوئی نیا امر نہیں۔ جس کو اس فقیر نے شروع کیا ہے یا اس کا اختراع کیا ہے۔ لیسَ ہذا اَوَّلُ قَارُورَةِ کُحْسِرَتِ فِی الْاِسْلَامِ (یہ پہلی شیشی نہیں جو اسلام میں توڑی گئی ہو) پھر یہ سب شور و غوغا کیا ہے۔ اگر کوئی ایسا لفظ صادر ہوا ہے۔ جس کا ظاہر علوم شریعہ کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتا۔ تو تھوڑی سی توجہ کے ساتھ اس کو ظاہر سے پھیر کر مطابق کرنا چاہئے اور ایک مسلمان کو متہم نہ کرنا چاہئے۔ جب شریعت میں فاحشہ کار سوا کرنا اور فاسق کا خوار کرنا حرام و منکر ہے۔ تو پھر صرف اشتباہ ہی سے ایک مسلمان کا خوار کرنا کیا مناسب ہے اور شہر بشہر اس کی منادی کرنا کونسی دینداری ہے۔ مسلمانی اور مہربانی کا طریق یہ ہے کہ اگر کسی شخص سے کوئی ایسا کلمہ صادر ہو۔ جو بظاہر علوم شریعہ کے مخالف ہو تو دیکھنا چاہئے کہ اس کا کہنے والا کون ہے۔ اگر ملحد و زندیق ہو۔ تو اس کو رد کرنا چاہئے اور اس کی اصلاح میں کوشش نہ کرنی چاہئے اور اگر اس کلمہ کا کہنے والا مسلمان ہو اور خدا و رسول پر ایمان رکھتا ہو۔ تو اس کی اصلاح کی کوشش کرنی چاہئے اور اس کے واسطے مناسب اصلاح پیدا کرنا چاہئے۔ یا اس کے کہنے والے سے اس کا حل طلب کرنا چاہئے اور اگر اس کے حل کرنے میں عاجز ہو۔ تو اس کو نصیحت کرنی چاہئے اور نرمی کے ساتھ امر معروف اور نہی منکر کرنا چاہئے۔ کیونکہ اجازت و قبولیت کے نزدیک ہے اور اگر مقصود اجابت نہ ہو اور خوار کرنا ہی مطلوب ہو۔ تو یہ الگ بات ہے۔ اللہ تعالیٰ توفیق دے۔ زیادہ تر تعجب کی بات یہ ہے۔ کہ آپ کے مکتوب شریف سے مفہوم ہوتا ہے۔ کہ اس عزیز سے اس فقیر کے مکتوب کو سننے کے بعد آپ کے ملازموں میں بھی اشتباہ و انحراف طاری ہو گیا تھا۔ مانا کہ انعکاسی ہو گا۔ آپ کو چاہئے تھا۔ کہ اشتباہ کے مقامات کو خود حل کر دیتے اور اس فقیر پر نہ ڈالتے اور فتنہ کو فرو کر دیتے۔ فقیر دوسرے یاروں کا گلہ کرے جن میں سے بعض یار جو اس اشتباہ کے دفع کرنے کی طاقت بھی رکھتے تھے۔ کچھ نہ کر سکے اور خاموش رہے۔ بیت

مازیار اں چشم یاری داشتیم خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم

ترجمہ بیت

ہم کو تھیادروں سے یاری کا خیال
 پر سر اسر وہ غلط نکلا خیال
 رَبَّنَا إِنَّا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً وَهِيَءَ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا رَشْدًا (یا اللہ تو اپنے پاس سے ہم پر رحمت نازل
 فرما اور ہمارے کام سے بھلائی ہمار نصیب کر) وَالسَّلَامُ أَوَّلًا وَآخِرًا

مکتوب ۱۲۲

مولانا حسن دہلوی کی طرف صادر فرمایا ہے:-

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کیلئے
 حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) حقیقت محمدی جو ظہور اول اور حقیقہ الحقائق ہے۔ اس کا
 مطلب یہ ہے کہ دوسری حقائق کیا انبیاء کرام کی حقائق اور کیا ملائکہ عظام کی حقائق سب اس کے اظلال
 کی مانند ہیں اور وہ تمام حقائق کا اصل ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُورِی (سب
 سے اول خدا تعالیٰ نے میرے نور کو پیدا کیا) اور فرمایا ہے خَلَقْتُ مِنْ نُورِ اللّٰهِ وَالْمُؤْمِنُونَ مِنْ نُورِی
 (میں اللہ تعالیٰ کے نور سے پیدا ہوا ہوں اور مومن میرے نور سے) پس وہ حقیقت باقی تمام حقائق اور
 حق تعالیٰ کے درمیان واسطہ ہے اور آنحضرت ﷺ کے واسطہ کے بغیر کوئی مطلوب تک نہیں پہنچ
 سکتا۔ فَهُوَ نَبِیُّ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَاَرْسَالُهُ رَحْمَةٌ لِّلْعَالَمِیْنَ عَلَیْهِ وَعَلٰی الْاٰلِہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ
 (وہ تمام انبیاء اور مرسلین کے نبی ہیں اور ان کا بھیجنا جہان کے لئے رحمت ہے) یہی وجہ ہے کہ انبیاء
 اولوالعزم باوجود اصالت کے ان کی تبعیت طلب کرتے رہے اور ان کی امت میں داخل ہونے کی آرزو
 کرتے رہے۔ جیسے کہ حدیث میں وارد ہے۔

سوال:- وہ کونسا کمال ہے۔ جو حضور کی امت ہونے پر وابستہ ہے اور انبیاء کو دولت نبوت کے
 باوجود میسر نہیں ہوا۔

جواب:- وہ کمال اس حقیقہ الحقائق کے ساتھ واصل اور متحد ہونا ہے۔ جو وراثت و تبعیت پر وابستہ
 ہے۔ بلکہ حق تعالیٰ کے کمال فضل پر موقوف ہے۔ جو حضور کی امتوں میں سے اخص خواص کے نصیب
 ہے۔ جب تک امت نہ ہوں۔ اس دولت تک نہیں پہنچتے اور توسط کا حجاب رفع نہیں ہوتا۔ جو اتحاد کے
 وسیلہ سے میسر ہے۔ شاید اسی واسطے حق تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ کہ کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ (تم تمام امت میں سے
 بہتر ہو) پس آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام جس طرح انبیاء کرام اور ملائکہ عظام کے ہر ایک فرد سے
 افضل ہیں۔ اسی طرح کل ہونے کی حیثیت سے کل سے افضل ہیں۔ اس لئے کہ اصل کو اپنے ظل پر
 فضیلت ہے اگرچہ اس ظل کے آگے اور ہزار ہا ظل ہوں۔ کیونکہ اس بارگاہ جل شانہ سے ظل تک فیوض
 کا پہنچنا اس اصل ہی کے واسطہ اور طفیل سے ہے۔ فقیر نے اپنے رسالوں میں تحقیق کی ہے۔ کہ اوپر کے

نقطہ کو نیچے کے تمام نقطوں پر جو اس کے ظلال کی طرح ہیں۔ فضیلت ہے اور عارف کا اس اوپر کے نقطہ کو (جو اصل کی طرح ہے) قطع کرنا نیچے کے تمام نقطوں کو (جو اس کے ظلال کی مانند ہیں) قطع کرنے سے زیادہ درجہ رکھتا ہے۔

سوال:- اس بیان سے لازم آتا ہے۔ کہ اس امت کے خواص کو انبیاء پر فضیلت ہے۔
جواب:- کوئی فضیلت لازم نہیں آتی۔ البتہ اس قدر ثابت ہے۔ کہ اس امت کے خواص اس دولت میں انبیاء کے شریک ہیں۔ اس کے علاوہ اور بہت سے کمالات ہیں۔ جن کے ساتھ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو زیادتی اور خصوصیت حاصل ہے۔ اس امت میں سے اخص خواص خواہ کتنی ہی زیادہ ترقی کرے۔ اس کا سر اس پیغمبر کے پاؤں تک بھی نہیں پہنچتا۔ جو تمام پیغمبروں سے کم درجہ ہے۔ پھر برابری اور زیادتی کی کیا گنجائش ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ اَنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُورُونَ ط (ہمارے مرسل بندوں کے لئے ہمارا وعدہ ہو چکا ہے۔ کہ یہی لوگ فتح مند ہیں) اگر امتوں میں سے کوئی فرد اپنے پیغمبر کے طفیل و تبعیت کے باعث بعض پیغمبروں سے اوپر چلا جائے۔ تو خادمیت اور تبعیت کے طور پر ہو گا۔ کیونکہ معلوم ہے کہ خادم کو مخدوم کے ہمسروں کے ساتھ خادمیت و تبعیت کے سوا اور کوئی نسبت نہیں۔ خادم و طفیلی ہر وقت طفیلی ہے۔ جو کچھ آخر کار مراتب ظلال کے طے کرنے کے بعد اس فقیر پر منکشف ہوا ہے۔ یہ ہے کہ حقیقت محمدی جو حقیقۃ الحقائق ہے۔ اس حب کا تعین اور ظہور ہے۔ جو ظہورات کا مبداء اور مخلوقات کی پیدائش کا منشاء ہے۔ جیسے کہ اس حدیث قدسی میں آیا ہے۔ جو مشہور ہے۔ کُنْتُ كُنْزًا مَخْفِيًّا فَارْدْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ (میں ایک پوشیدہ خزانہ تھا میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں پس میں نے خلق کو پیدا کیا) اول اول وہ چیز جو اس پوشیدہ خزانہ سے میدان ظہور میں آئی۔ یہی حب ہے جو مخلوقات کی پیدائش کا سبب ہوئی ہے۔ اگر یہ حب نہ ہوتی تو ایجاد کا دروازہ نہ کھلتا اور عالم عدم میں راسخ اور مستمر رہتا۔ حدیث قدسی لَوْلَاكَ لَمَّا خَلَقْتُ الْاَفْلَاقَ (اگر تو نہ ہوتا۔ تو میں آسمانوں کو پیدا نہ کرتا) کے ستر کو جو حضرت خاتم الرسل کے شان میں ہے۔ اس جگہ ڈھونڈھنا چاہئے اور لَوْلَاكَ لَمَّا اَظْهَرْتُ الرَّبُّوْبِيَّةَ (اگر تو نہ ہوتا تو میں اپنی ربوبیت کو ظاہر نہ کرتا) کی حقیقت کو اس مقام میں طلب کرنا چاہئے۔

سوال:- فتوحات مکیہ والے نے تعین اول جو حقیقت محمدی ہے۔ حضرت اجمال علم کو کہا ہے اور تم نے اپنے رسالوں میں تعین اول تعین وجودی کو کہا ہے اور اس کے مرکز کو جو اس کے تمام اجزا میں سے اشرف و اسبق ہے۔ حقیقت محمد قرار دیا ہے اور حضرت اجمال علم کو اس تعین وجودی کا ظل سمجھا ہے اور یہاں لکھتے ہو۔ کہ تعین اول جی ہے اور وہ حقیقت محمدی ہے۔ ان اقوال کے درمیان موافقت کی وجہ

کیا ہے؟

جواب:- بسا اوقات شے کا ظل اپنے آپ کو شے کے اصل پر ظاہر کرتا ہے اور سالک کو اپنے ساتھ گرفتار کر لیتا ہے۔ پس وہ دونوں تعین تعین اول کے ظلال ہیں۔ جو عروج کے وقت عارف پر تعین اول یعنی تعین جہی کے اصل کی طرح ظاہر ہوتے ہیں۔

سوال:- تعین وجودی کو تعین جہی کا ظل کہنا کس طرح درست ہے۔ حالانکہ وجود کو حب پر سبقت ہے۔ کیونکہ حب وجود کی فرع ہے۔

جواب:- اس فقیر نے اپنے رسالوں میں تحقیق کی ہے۔ کہ آنحضرت حق سبحانہ و تعالیٰ بذات خود موجود ہے۔ نہ کہ وجود کے ساتھ۔ اسی طرح حق تعالیٰ کی صفات ثمانیہ واجب الوجود کی ذات کے ساتھ موجود ہیں۔ نہ کہ وجود غیر کے ساتھ۔ کیونکہ وجود بلکہ وجوب کو بھی اس مرتبہ میں گنجائش نہیں۔ کیونکہ وجوب وجود دونوں اعتبارات میں سے ہیں۔ عالم کے ایجاد کے لئے پہلے جو اعتبار پیدا ہوا۔ وہ حب ہے۔ بعد ازاں اعتبار وجود جو ایجاد کا مقدمہ ہے۔ کیونکہ حضرت ذات جل شانہ اس حب اور اس وجود کے اعتبارات کے بغیر عالم اور عالم کی ایجاد سے مستغنی ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ (اللہ تعالیٰ تمام جہانوں سے غنی ہے) اور تعین علمی اجمالی کو ان دونوں تعینوں کا ظل کہنا اس اعتبار سے ہے کہ وہ دونوں تعین صفات کے ملاحظہ کے بغیر ذات تعالیٰ کے اعتبار سے ہیں اور اس تعین میں صفت ملحوظ ہے۔ جو ذات عز شانہ کے لئے ظل کی طرح ہے۔ جاننا چاہئے کہ تعین اول میں کہ تعین جہی ہے۔ جب بڑی باریک نظر سے دیکھا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس تعین کا مرکز حب ہے۔ جو حقیقت محمدی ﷺ ہے اور اس کا محیط (جو صورت مثال میں دائرہ کی طرح ہے اور اس مرکز کے ظل کی مانند ہے) خلقت ہے۔ جس کو حقیقت ابراہیمی کہتے ہیں۔ پس جب اصل ہے اور خلقت اس کے ظل کی طرح اور یہ مجموعہ مرکز و محیط کہ ایک دائرہ ہے تعین اول ہے اور اس کے اجزاء میں سے اشرف اور اسبق جزو یعنی مرکز کے نام سے کہ حب سے مراد ہے۔ مسمیٰ ہے اور نظر کشفی میں بھی اصالت کے اعتبار اور اس جزو کے غلبہ سے تعین جہی ظاہر ہوتا ہے چونکہ محیط دائرہ مرکز کے ظل کی طرح ہے اور اسی سے پیدا ہے اور وہ مرکز اس کا اصل و منشا ہے۔ اس لئے اگر اس محیط کو جو حب و خلقت پر مشتمل ہے۔ جو ایک ہی دائرہ کے مرکز و محیط ہیں اور تعین ثانی نظر کشفی میں تعین وجودی ہے جو تعین اول کے ظل کی طرح ہے جیسے کہ گزر چکا۔ چونکہ مرکز محیط کا اصل ہے۔ اس لئے محیط کے لئے مطلوب تک پہنچنے میں مرکز کا واسطہ و وسیلہ ضروری ہے۔ کیونکہ مطلوب تک پہنچنا مرکز ہی کی راہ سے ہے۔ جو دائرہ کا اصل اور اجمال ہے۔ اس بیان سے اس مناسبت و اتحاد کو جو حضرت حبیب اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حضرت خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ہے۔

معلوم کرنا چاہئے۔ چونکہ ظل کے مطلوب تک پہنچنے میں اصل واسطہ دو سیلہ ہے۔ اس لئے حضرت خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت حبیب اللہ ﷺ کا واسطہ دو سیلہ طلب کیا ہے اور یہ آرزو فرمائی ہے کہ ان کی امت میں داخل ہو جیسے کہ وارد ہے۔

سوال:- جب معاملہ ایسا ہے تو پھر حضرت حبیب اللہ کو حضرت خلیل اللہ کی ملت کی متابعت کا امر کس لئے ہے اور آنحضرت ﷺ نے اپنے اوپر صلوٰۃ و سلام کے بیان میں کَمَا صَلَّيْتُ وَسَلَّمْتُ عَلَىٰ اِبْرَاهِيْمَ کیوں فرمایا؟

جواب:- شے کی حقیقت جس قدر زیادہ بلند اور تنزیہ کے زیادہ قریب ہوگی اسی قدر اس حقیقت کا مظہر عالم عناصر میں زیادہ پست اور صفات بشریت کے ساتھ زیادہ متلبس ہوگا۔ پس اس مظہر کا عروج کی راہ سے اس حقیقت تک پہنچنا بہت مشکل ہے اور وہ خلت جو حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو عطا ہوئی ہے۔ حقیقت ابراہیمی تک پہنچنے کے لئے جو حقیقت محمدی کے قرب و جوار میں واقع ہوئی ہے۔ سیدھی شاہراہ ہے جیسے کہ گزر چکا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اسی راستہ سے وہاں تک پہنچے ہیں۔ اسی واسطے امر ہوا ہے کہ اس ملت کی متابعت کر کے حقیقۃ الحقائق تک وصول فرمائیں اور آنحضرت ﷺ نے اسی واسطے کما صلیت فرمایا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر صلوٰۃ و سلام وصول حقیقت کی دولت کے حاصل ہونے کے بعد ہے یا ہم یوں کہتے ہیں کہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ فاضل کو مفضول کی متابعت کا حکم کرتے ہیں اور اس متابعت کے امر سے اس کی فاضلیت میں کوئی قصور لازم نہیں آتا۔ اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فرمایا ہے۔ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ (امر میں ان سے مشورہ کر) اصحاب کے ساتھ مشورہ کرنے کا حکم ان کی متابعت کے حکم سے خالی نہیں۔ ورنہ مشورت کا کیا فائدہ ہے۔

جاننا چاہئے کہ حضرت صدیق کی حقیقت یعنی اسماء الہی جل شانہ میں سے ان کا رب جو ان کا مبداء تعین ہے۔ کسی امر کے توسط کے بغیر حقیقت محمد کا ظل ہے۔ اس طرح پر کہ جو کچھ اس حقیقت میں موجود ہے۔ اس ظل میں تبعیت و وراثت کے طور پر ثابت ہے۔ اسی واسطے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ اس امت کے وارثوں میں سے اکمل و افضل ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔ مَا صَبَّ اللَّهُ شَيْئًا فِي صَدْرِي إِلَّا وَقَدْ صَبَّيْتُهُ فِي صَدْرِ أَبِي بَكْرٍ (جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے میرے سینے میں ڈالا میں نے اسی چیز کو ابو بکر کے سینے میں بھی ڈالا) اور یہ بھی ظاہر ہوا ہے۔ کہ حقیقت اسرافیلی بھی یہی حقیقت محمدی ہے۔ لیکن اصالت و ظلیت کے طریق پر نہیں۔ جیسے کہ حضرت صدیق کی حقیقت اس حقیقت کا ظل ہے۔ بلکہ یہاں دونوں اصالت رکھتی ہیں۔ کوئی ظلیت درمیان حائل نہیں۔ فرق صرف تخیل اور جُزْئِیَّت کا ہے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ کل ہیں۔ اسی واسطے وہ حقیقت آنحضرت کے نام سے مسمیٰ

ہے۔ اور ملائکہ کرام کے حقائق اس حقیقت اسرافیلی سے پیدا ہوئے ہیں۔

سوال:- عارف کو اپنی حقیقت سے جو اس اسم الہی جل شانہ سے مراد ہے۔ جو اس کا رب ہے۔ اس حقیقت تک پہنچنے کے بعد ترقی جائز ہے یا نہیں۔

جواب:- اس حقیقت تک پہنچنا مراتب سلوک کے طے کرنے کے بعد جو سیر الی اللہ کے تمام ہونے سے مراد ہے۔ دو قسم پر ہے۔ ایک قسم وہ ہے۔ کہ جس میں اس اسم کے ظلال میں سے اس ظل تک پہنچنا ہے۔ جس نے اپنے آپ کو مظاہر و جوبہ میں اپنی حقیقت کے طور پر ظاہر کیا ہے اور اصل کے رنگ پر نمایاں ہے۔ اس راستہ میں یہ اشتباہ بہت واقع ہوتا ہے اور سالک کے لئے بڑی بھاری گھاٹی ہے۔ محض فضل کے ساتھ اس گھاٹی سے خلاصی میسر ہوتی ہے اور شک نہیں کہ اس حقیقت نما ظل سے ترقی جائز بلکہ واقع ہے اور اگر اپنی نفس حقیقت تک وصول واقع ہو جائے تو دوسرے کے طفیل و تبعیت کے بغیر اس سے ترقی کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ وہ حقیقت اس کے ذاتی استعداد کے مراتب کی نہایت ہے۔ ہاں اگر طفیل سے اس کو دوسری حقیقت تک جو اس کی حقیقت کے اوپر ہے پہنچائیں۔ تو جائز بلکہ واقع ہے یہ سیر گویا سیر قسری ہے جو سیر طبعی اور استدادی کے ماسوا ہے۔ چنانچہ اس کا تھوڑا سا حال حقیقت محمدی کے وصول کے بیان میں پہلے گزر چکا ہے۔

سوال:- حقیقت محمدی جو حقیقۃ الحقائق ہے اور ممکنات کی حقیقتوں میں سے کوئی حقیقت اس سے اوپر نہیں۔ اس سے ترقی جائز ہے یا نہیں۔ تم نے اپنے رسالوں میں لکھا ہے کہ حقیقت محمدی سے ترقی واقع ہوئی ہے۔ یہ معاملہ کیا ہے؟

جواب:- جائز نہیں کیونکہ اس مرتبہ کے اوپر مرتبہ لائقین ہے۔ جس کے ساتھ متعین کا وصول و الحاق محال ہے۔ وصول و الحاق بے تکلیف کہنا صرف ایک زبانی بات ہے۔ جس کے ساتھ حقیقت معاملہ تک پہنچنے سے پہلے تسلی کی جاتی ہے۔ لیکن حقیقت معاملہ تک پہنچنے کے بعد وصول و الحاق کے نہ ہونے کا حکم کرنا لازم ہے۔ کیونکہ وہاں شک کی آمیزش نہیں اور یہ جو میں نے لکھا ہے۔ کہ حقیقت محمدی سے ترقی واقع ہوئی۔ اس حقیقت سے مراد اس حقیقت کا ظل تھا۔ جو حضرت اجمال علم سے مراد ہے۔ جس کو وحدت سے تعبیر کرتے ہیں اس وقت ظل اپنے اصل کے ساتھ مشتبہ ہوا تھا۔ جب اللہ تعالیٰ کے محض فضل سے اس ظل اور باقی تمام ظلال سے خلاصی میسر ہوئی۔ تو معلوم ہوا۔ کہ حقیقۃ الحقائق سے ترقی واقع بلکہ جائز نہیں۔ کیونکہ وہاں سے قدم اٹھنا اور آگے رکھنا وجوب میں جانا اور امکان سے نکلنا ہے۔ جو عقلی اور شرعی طور پر محال ہے۔

سوال:- اس تحقیق سے لازم آتا ہے کہ حضرت خاتم المرسلین ﷺ کی بھی اس حقیقت سے ترقی

واقع نہیں ہوئی۔

جواب: آنحضرت ﷺ بھی باوجود اس قدر بلند شان اور جاہ و جلال کے ہمیشہ ممکن ہی ہیں اور ہر گز امکان سے نکل کر وجوب کے ساتھ نہ ملیں گے کیونکہ یہ امر الوہیت کے ساتھ متحقق ہونے کا موجب ہے۔ تَعَالٰی اللّٰهُ اَنْ يَّكُوْنَ لَهُ نِدْوٌ شَرِيْكَ (اللہ تعالیٰ ہمسرا اور شریک سے برتر ہے)

دُعَا مَا اَدْعَتْهُ النَّصَارَىٰ فِيْ نَبِيِّهِمْ

ترجمہ: چھوڑ دو عیسیٰ جو نصاریٰ نے کیا اپنے نبی میں

سوال: تحقیق سابق سے واضح ہوا کہ دوسروں کو بھی آنحضرت ﷺ کے طفیل اور وراثت سے حقیقہ الحقائق کے ساتھ وصول والحاق و اتحاد ثابت ہے اور ان کے خاص کمال میں شرکت حاصل ہے۔ پھر اس کمال کے حاصل ہونے کی صورت میں جو حجاب کے رفع ہونے اور واسطہ کے دور ہونے پر مشتمل ہے اور تمام کمالات سے برتر ہے۔ تابع و متبوع اور اصلی اور طفیلی کے درمیان کیا فرق ہے اور متبوع اور اصل میں کون سی زیادتی ہے جو تابع و طفیلی میں نہیں۔

جواب: اس حقیقت کے ساتھ دوسروں کا وصول والحاق ایسا ہے جیسے خادم کا مخدوم کے ساتھ اور طفیلی کا اصل کے ساتھ ہے اگر واصل اخص خواص میں سے ہے جن کا وجود بہت ہی کم ہے تو خود خادم ہی ہے اور اگر انبیاء میں سے ہے تو وہ بھی طفیلی اور پس خوردہ کھانے والا ہے اس کو مخدوم کے ساتھ کیا شرکت ہے اور اس کے مقابلہ میں اس کی کونسی عزت و آبرو ہے۔ طفیلی اگرچہ ہم نشین و ہم لقمہ ہے لیکن پھر بھی طفیلی ہی ہے۔ خادم جو مخدوم کی تبعیت سے بلند مکانوں میں جاتے ہیں اور خاص خاص کھانوں سے پس خوردہ کھاتے ہیں اور عزت و احترام پاتے ہیں۔ یہ سب کچھ مخدوم کی بزرگی اور اس کی متابعت کی بلندی کے باعث ہے۔ گویا مخدوم کو اپنی ذاتی عزت کے باوجود ایک اور عزت خادموں کے الحاق کے باعث حاصل ہو جاتی ہے اور ان کی شان زیادہ بلند ہو جاتی ہے۔ غور فرمائیں کہ حدیث نبوی ﷺ میں آیا ہے کہ مَنْ سَنَّ سُنَّةَ حَسَنَةٍ فَلَهُ اَجْرُهَا وَ اَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا (جس نے کوئی نیک سنت یا طریقہ جاری کیا اس کے لئے اس کا اجر ہے اور اس شخص کا اجر بھی ہے جس نے اس پر عمل کیا) پس سنت حسنہ میں متبوع کے جس قدر زیادہ تابعدار ہو گئے۔ ان کے اجر کی مانند اسی قدر زیادہ اس کا اجر ہو گا اور اسی قدر اس کا مرتبہ زیادہ ہو گا۔ اس صورت میں تابع کو متبوع کے ساتھ کیا شرکت و مساوات ہو گی۔ سنئے سنئے جائز ہے کہ بہت سے لوگ ایک مقام میں ہوں اور ایک ہی دولت میں شریک ہوں لیکن ان میں سے ہر ایک کے ساتھ جدا جدا معاملہ ہو اور ایک کو دوسرے سے اطلاع نہ ہو۔ ازواج مطہرات بہشت میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ ایک ہی مقام میں ہوں گی اور ایک ہی طعام و شراب سے تناول

فرمائیں گی لیکن وہ معاملہ جو آنحضرت ﷺ کے ساتھ ہو گا ان کے ساتھ نہ ہو گا اور وہ لذت و سرور جو آنحضرت ﷺ کو حاصل ہو گا ان کو نہ ہو گا اگر وہاں ان کو آنحضرت ﷺ کے ساتھ تمام امور میں شرکت ہو تو آنحضرت ﷺ کی افضلیت کی طرح ان کی افضلیت بھی سب پر لازم آئے گی۔ کیونکہ وہاں کی افضلیت اللہ تعالیٰ کے نزدیک کثرت ثواب کے لحاظ سے ہے۔

سوال: یہ تعین اول جو تعین جی اور حقیقت محمدی ہے ممکن ہے یا واجب اور حادث ہے یا قدیم۔ صاحب فصوص نے تعین اول کو حقیقت محمدی کہا ہے اور اس کو وحدت سے تعبیر کیا ہے۔ اسی طرح تعین ثانی کو واحدیت کہا ہے اور اعیان ثابتہ جن کو حقائق ممکنات کہتے ہیں اس مرتبہ میں ثابت کئے ہیں اور ان دونوں تعینوں کو تعین وجوبی کہتا ہے اور قدیم جانتا ہے اور باقی تین تنزلوں کو جوری و مثالی و جسدی ہیں۔ تعین امکانی کہتا ہے تمہارا اعتقاد اس مسئلہ میں کیا ہے؟

جواب: اس فقیر کے نزدیک کوئی تعین و متعین نہیں وہ کون سا تعین ہے جو لا تعین کو متعین کرے یہ الفاظ حضرت شیخ محی الدین قدس سرہ کے مذاق کے موافق ہیں۔ اس فقیر کی عبارت میں اگر اس قسم کے الفاظ واقع ہوں تو صنعت مشاکلت کی قسم سے جاننے چاہئیں۔ بہر حال میں کہتا ہوں کہ وہ تعین تعین امکانی اور مخلوق و حادث ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے **أَوَّلُ مَا خَلَقَ اللَّهُ نُورِي** (سب سے اول اللہ نے میرے نور کو پیدا کیا) اور دوسری حدیثوں میں اس نور کے پیدا ہونے کے وقت کا تعین بھی آیا ہے چنانچہ فرمایا ہے کہ **قَبْلَ خَلْقِ السَّمَوَاتِ بِأَلْفِي عَامٍ** (آسمانوں کے پیدا ہونے سے پہلے دو ہزار برس) جو چیز مخلوق اور عدم کے ساتھ مسبوق ہے وہ ممکن و حادث ہے۔ جب حقیقتہ الحقائق جو تمام حقائق سے اسبق و اول ہے۔ مخلوق و ممکن ہوئی تو دوسری حقیقتیں بطریق اولیٰ مخلوق ہو گئی اور ان میں حدوث و امکان ہو گا۔ تعجب ہے کہ شیخ قدس سرہ حقیقتہ محمدی بلکہ تمام ممکنات کی حقائق کے لئے جن کو اس نے اعیان ثابتہ کہا ہے وجوب کا حکم کس طرح کرتا ہے اور کیونکر قدیم جانتا ہے اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قول کے برخلاف کرتا ہے ممکن بمع اپنے تمام اجزاء کے ممکن ہے اور اپنی صورت و حقیقت میں ممکن ہے ممکن کی حقیقت کے لئے تعین وجوبی کیسے ہو سکتا ہے ممکن کی حقیقت بھی ممکن ہی ہونی چاہئے کیونکہ ممکن مخلوق ہے اور حق تعالیٰ اس کا خالق ہے جب شیخ واجب اور ممکن کے درمیان تمیز نہیں کرتا اور خود فرماتا ہے کہ ان دونوں میں کوئی تمیز نہیں تو اگر واجب کو ممکن اور ممکن کو واجب کہ دے تو کیا ڈر ہے اور اگر اس کو معاف و معذور فرمائیں تو کمال کرم و عضو ہے۔ **رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنَّا نَسِينَا أَوْ أَخْطَاْنَا** (یا اللہ تو ہماری بھول چوک پر ہمارا مواخذہ نہ کر)

سوال: تم نے اپنے رسالوں میں واجب اور ممکن کے درمیان اصالت و ظلیت کی نسبت ثابت کی

ہے اور ممکن کو واجب کا غل کہا ہے نیز واجب تعالیٰ کو اصالت کے طور پر ممکن کی حقیقت کہ اس کا غل ہے لکھا ہے اور بہت سے معارف اس پر مترتب کئے ہیں اگر اس اعتبار سے شیخ قدس سرہ بھی واجب تعالیٰ کو ممکن کی حقیقت کہہ دے تو کیا ڈر ہے اور کیوں ملامت کا باعث ہے؟

جواب: اس قسم کے علوم جو واجب اور ممکن کے درمیان کسی قسم کی نسبت کو ثابت کرتے ہیں شرع میں ان کے ثبوت کے لئے کچھ وارد نہیں ہوا سب سکر یہ معارف میں سے ہیں اور حقیقت معاملہ تک نہ پہنچنے کا باعث ہیں۔

ممکن چہ بود کہ غل واجب باشد

ترجمہ: نہیں ہوتا ہے ممکن غل واجب

اور واجب تعالیٰ کا کیوں غل ہو کیونکہ غل سے مثل کے پیدا ہونے کا وہم گزرتا ہے اور اصل میں کمال لطافت کے نہ ہونے کا شک پیدا ہوتا ہے جب حضرت محمد رسول اللہ کا کمال لطافت کے باعث سایہ و غل نہ تھا۔ تو خدائے محمد کا سایہ و غل کس طرح ہو سکے۔ خارج میں بالذات وبالا استقلال حضرت ذات تعالیٰ اور اس کی صفات ثنائیہ حقیقیہ ہی موجود ہیں۔ باقی سب کچھ حق تعالیٰ کی ایجاد سے موجود ہوا ہے اور ممکن و مخلوق و حادث ہے کوئی مخلوق اپنے خالق کا غل نہیں اور اس نسبت کے سوا کہ جس کی نسبت شرع وارد ہے یعنی مخلوقیت کے سوا اور کوئی نسبت خالق تعالیٰ کے ساتھ نہیں رکھتا۔ عالم کے غل ہونے کا یہ علم سالک کو راستہ میں بہت کام آتا ہے اور اس کو کھینچ کر اصل کی طرف لیجاتا ہے اور جب محض کمال عنایت سے ظلال کے منازل کو طے کر کے اصل تک پہنچ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے محض فضل سے معلوم کر لیتا ہے کہ یہ اصل بھی غل کا حکم رکھتا ہے اور مطلوب ہونے کے لائق نہیں ہے کیونکہ اس پر امکان کا داغ لگا ہے اور مطلوب اور اک کے احاطہ اور وصل و اتصال سے ماوراء ہے۔ رَبَّنَا إِنَّا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً وَهِيَ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا رَشَدًا (یا اللہ تو اپنے پاس سے ہم پر رحمت نازل فرما اور ہمارے کام میں بھلائی ہمارے نصیب کر)

فصل

فضائل مآب و کمالات اکتساب مولانا حسن کشمیری دہلوی نے (خدا اس کے احوال کو اچھا کرے اور اس کی امیدوں کو پورا کرے) ایک رسالہ فقیر کو بھیجا تھا۔ جس میں چند سوال درج تھے۔ جن کا حل مطلوب تھا چونکہ ان کا حل بہت سے اسرار کے ظاہر کرنے پر مشتمل تھا۔ اس لئے بعض موانع کے باعث فقیر ان کے جواب میں جرأت نہ کر سکتا تھا اور لیت و لعل میں گزارتا تھا۔ چونکہ فقیر پر مشار الیہ کے بہت حقوق ہیں۔ کیونکہ انہی کے حسن دلالت سے ولایت پناہ طریق اندراج النہایت فی البدایت

کے حاوی و ہادی قدس سرہ کی دولت حضور سے مشرف ہوا ہے اور اس طریق میں الف با کا سبق انہی سے لیا ہے اور انہی کی خدمت میں بے اندازہ فیوض و برکات کا استفادہ کیا ہے۔ اس لئے بعض سوالوں کا حل جو اس رسالہ کے علوم کے مناسب ہے۔ اس رسالہ کے ذیل میں درج کیا ہے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْهَادِي إِلَى سَبِيلِ الرُّشَادِ (اللہ تعالیٰ ہی سیدھے راستہ کی ہدایت دینے والا ہے) آپ نے پوچھا تھا کہ جب کمالات صوری و معنوی ظاہری و باطنی علمی و عملی اور دینی و اخروی جس قدر کہ نوع بشر میں ممکن ہیں۔ سب حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام میں بالفعل حاصل و متمکن ہیں۔ جیسے کہ حدیث نفیس اَنَا سَيِّدٌ وَلِدَادَمْ وَلَا فَخْرَ وَادَمْ وَمَنْ دُونُهُ تَحْتَ لِوَانِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَعَلِمْتُ عِلْمَ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ (میں اولاد آدم کا سردار ہوں اور کوئی فخر نہیں اور آدم اور ان کے سوا سب قیامت کے دن میرے جھنڈے کے نیچے ہونگے مجھے تمام اولین و آخرین کا علم دیا گیا ہے) وغیرہ سے سمجھا جاتا ہے اور جو کچھ کسی چیز پر مشروط یا کسی وقت پر موقوف ہو گا۔ وہ بھی بہت اچھی وجہ سے جلوہ گر ہو گا تو پھر اس صورت میں آنحضرت ﷺ کا حزن و غم جو دوام و کثرت کے ساتھ معروف و موصوف ہے کیوں ہے اور اس کا سبب کیا ہے؟ کیونکہ حزن و اندوہ کسی ایسی چیز کے گم ہونے کے باعث ہوتا ہے جس کو وہ چاہتا ہے میرے مخدوم مکرم۔ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے جاہ و جلال اور خدا تعالیٰ کی عنایت پر جو آنحضرت ﷺ کے حال خیر مال کو شامل ہے۔ نظر کرنے کے اعتبار سے اس حضرت خاتمیت سے حزن و اندوہ کا بعید نظر آنا اور کمال کا گم ہونا مسلم و مستحسن ہے اور جب آنحضرت ﷺ کی عبدیت اور عجز و بشریت پر نظر کی جائے اور حق تعالیٰ کی عزت و جلال اور کبریا اور ذاتی استغنا کا ملاحظہ کیا جائے تو آنحضرت ﷺ کے حق میں بھی اللہ تعالیٰ کے بے نہایت کمالات میں سے کسی کمال کا گم ہونا اور حزن کا حاصل ہونا کچھ بعید نہیں معلوم ہوتا۔ بلکہ بندگی کے حال کے لائق ہے۔ آیت کریمہ وَلَا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا اور آیت کریمہ لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ۔ دونوں اس بات پر گواہ عادل ہیں اور سب کے حق میں فقد ان ثابت کرتی ہیں ہاں سچ ہے ممکن خواہ کتنا ہی بلند درجوں تک پہنچ جائے پھر بھی واجب کی حقیقت کو نہیں پاسکتا اور حادث قدیم کو نہیں گھیر سکتا اور متناہی غیر متناہی کا احاطہ نہیں کر سکتا اور یہ جو آپ نے لکھا ہے کہ جو کمال نوع بشر میں ممکن ہیں۔ حضرت خاتمیت میں بالفعل حاصل ہیں ہاں کل پر فضلی کلی آنحضرت ﷺ کے ساتھ ہی مخصوص ہے۔ لیکن بعض کمال ایسے ہوتے ہیں جو جزئی فضیلت کی طرف راجع ہوتے ہیں اور ہو سکتا ہے کہ انبیاء کرام اور ملائکہ عظام میں سے بعض کے ساتھ مخصوص ہوں اور آنحضرت ﷺ کی کلی فضیلت میں کچھ کمی نہ کریں۔ احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ امتوں کے افراد میں بعض کمالات ایسے ہوتے ہیں جن پر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام رشک کرتے ہیں۔ حالانکہ انبیاء علیہم

الصلوة والسلام کو امتوں کے تمام افراد پر فضل کلی ہے۔ نیز حدیث میں آیا ہے کہ شہداء فی سبیل اللہ چند چیزوں سے انبیاء پر زیادتی رکھتے ہیں شہداء کو غسل کی حاجت نہیں اور انبیاء کو غسل دینا چاہئے۔ شہداء پر نماز جنازہ نہیں آئی جیسے کہ امام شافعیؒ کا مذہب ہے اور انبیاء علیہم السلام پر نماز جنازہ ادا کرنی چاہئے۔ قرآن مجید میں آیا ہے کہ شہداء کو مردہ نہ جانو کہ وہ زندہ ہیں اور انبیاء کو مردہ فرمایا ہے یہ سب جزئی فضائل ہیں جو انبیاء علیہم السلام کے فضل کلی میں قصور پیدا نہیں کرتے پس ہو سکتا ہے کہ ان فضائل جزئیہ میں سے بعض کے گم ہونے کے باعث آنحضرت ﷺ پر حزن و اندوہ طاری ہو تاکہ ان فضائل کی استعداد کے حاصل ہونے اور وہاں تک پہنچنے کا باعث ہو۔ مثلاً نبوت کے ساتھ درجہ شہادت بھی جمع ہو جائے اور اگر ہم مان بھی لیں کہ انسان کے تمام افراد کے تمام کمالات اس حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام میں بالفعل حاصل ہیں۔ تو ہم کہتے ہیں کہ چونکہ آنحضرت ﷺ کی ہمت بلند ہے اس واسطے ان کمالات پر کفایت نہیں کرتے اور ہل من مزید کہتے ہوئے بلندی و برتری کا شوق ظاہر فرماتے ہیں اور چونکہ فوق کے کمالات حصول بشری کے امکان سے خارج ہیں۔ اس لئے دائمی غم و اندوہ نقد وقت ہے۔ اس بحث کی تحقیق و اللہ سُبْحَانَهُ اَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْحَالِ (حقیقت حال کو اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے) یہ ہے کہ طریقت و حقیقت و قربت و معرفت میں کام کا مدار فناء پر اور صفات بشریت اور احکام امکان کے دور ہو جانے پر ہے۔ بیت

بچ کس را تا نگر دو اوفنا نیست رہ در بار گاہ کبریا

ترجمہ بیت

جب تلک انسان نہ ہو جائے فنا تب تلک اس کو نہیں ملتا خدا
جس قدر بھی صفت بشریت باقی ہے اسی قدر راستہ کا حجاب ہے اور صفات بشریت کا بالکل دور ہو جانا کل میں ممکن نہیں۔ خواہ خواص ہوں۔ خواہ اخص خواص۔ شیخ عطا فرماتے ہیں۔ بیت
نئے مینی کہ شاہے چوں پیسیر نیابد فقر کل تورنج کم بر

ترجمہ بیت

نیا فقر کل جبکہ پیسیر ملا تھ کو نہیں گر کچھ نہ غم کر
فقر کل سے مراد صفات بشریت و امکان کا بالکل دور ہو جانا ہے جس کا حاصل ہونا متصور نہیں کیونکہ اس سے قلب حقائق یعنی حقیقتوں کا بدلنا لازم آتا ہے اس لئے کہ ممکن اگر ترقی کرے گا تو اپنے مکان سے نکل کر واجب ہو جائے گا اور یہ محال عقلی اور شرعی ہے اور یہ جو کسی بزرگ نے کہا ہے کہ۔

بیت

چو ممکن گرد امکان بر فشانند بجز واجب در و چیزے نماند

ترجمہ بیت

ہوا ممکن سے جس دم دور امکان تو واجب ہو گیا بالکل وہ انسان
تشبیہ و تمثیل پر محمول ہے۔ نہ تحقیق و تقریر پر۔ کہ یہ غیر واقع ہے ایک عزیز فرماتا ہے۔ بیت
سیاہ روئی نہ ممکن در دو عالم جدا ہر گز نشد واللہ اعلم

ترجمہ بیت

سیاہ روئی نہ ممکن کی ہوئی دور رہا دونوں جہانوں میں یہ بے نور
سوال: امکان کے احکام و آثار کا باقی رہنا مقام قاب قوسین میں ظاہر ہے جہاں امکان کی قوس اور
وجوب کی قوس برپا ہے لیکن مقام اوادنیٰ میں جو بالاصالت آنحضرت ﷺ کے ساتھ مخصوص ہے
امکان کے احکام کا باقی رہنا کس طرح ہے۔

جواب: جس چیز سے جواب و امکان میں تمیز ہو سکتی ہے وہ عدم ہے جو امکان کے ایک طرف ہے
کیونکہ امکان کی دوسری طرف کہ وجود ہے۔ وجوب و امکان کے درمیان قدر مشترک ہے مقام اوادنیٰ
میں اس عدم کے احکام زائل ہو جاتے ہیں اور قوسین کی امتیاز دور ہوتی دکھائی دیتی ہے۔ نہ یہ کہ امکان
بالکل رفع ہو جاتا ہے اور وجوب میں منقلب ہو جاتا ہے کیونکہ یہ محال ہے جیسے کہ گزر چکا۔ اس قدر ہے
کہ مقام قاب قوسین میں ظلمانی حجابوں سے جو عدم کے آثار میں سے ہیں باہر نہیں ہو سکتے اور مقام او
ادنیٰ میں جو حجاب ہیں وہ نورانی ہیں اور امکان کی طرف وجود کی راہ سے آئے ہیں اس بزرگ کے بیت کے
معنی کو جو اوپر گزر چکا ہے اسی توجیہ پر محمول کر سکتے ہیں اور گرد امکان کے دور ہونے سے عدم کے احکام
کا وجود جو سر اسر کدورت ہے دور ہونا مراد لے سکتے ہیں۔

سوال: جب امکان کی طرف عدم زائل ہو گئی اور وہ جو وجوب و امکان میں تمیز کا باعث تھا رفع
ہو گیا اور وجود کے سوا جو امکان کی دوسری طرف ہے اور وجوب و امکان کے درمیان قدر مشترک ہے
وہاں کچھ نہ رہا تو لازم آیا کہ امکان اپنی حقیقت سے نکل کر وجوب کے ساتھ جو وجود صرف ہے ملحق ہو
گیا اور حقیقت کا بدلنا لازم آیا اور اس بزرگ کے مذکورہ بالا بیت کے معنی کے موافق واجب کے سوا اس
میں کچھ نہ رہا اور وہ بیت حقیقت پر محمول ہوا۔

جواب: یہ وجود جو ممکن کی طرف میں ثابت ہے اس وجود کا ظل ہے جو وجوب میں ہے نہ کہ اس
وجود کا عین اور یہ وجوب جو ممکن میں طرف عدم کے زائل ہونے سے پیدا ہوا ہے وجوب بالغیر ہے جو
ممکن کی ایک قسم ہے نہ کہ وجوب بالذات تاکہ قلب حقیقت لازم آئے کیونکہ یہ عدم ذات ممکن کی راہ

سے رفع نہیں ہوا تاکہ واجب بالذات ہو اور محال لازم آئے بلکہ ممکن میں اس عدم کا ارتقاع ممکن کی ذات پر حضرت واجب کے وجود اور حضرت وجوب تعالیٰ کے غلبہ کے باعث ہے لیکن اس وجوب سے جو مصرعہ سابق میں واقع ہوا ہے۔ وجوب ذاتی ظاہر ہوتا ہے نہ کہ وجوب بالغیر اور وجود کو وجوب و امکان کے درمیان قدر مشترک کہنا اشتراک لفظی کی قسم سے ہے نہ کہ معنی اشتراک کی قسم سے۔ اگرچہ اس کو کلی مشکل کہتے ہیں کیونکہ ممکن کے وجود کو واجب تعالیٰ کے وجود کے ساتھ درحقیقت کوئی شرکت نہیں تاکہ کلی اور جزئی ہونا متصور ہو۔

سوال: فنا و بقا جو صوفیاء نے کہا ہے اور اس کو ولایت سے تعبیر کیا ہے۔ اس کے کیا معنی ہیں جب صفات بشریت کا دور ہو جانا متصور نہیں۔ تو پھر فنا کی کیا گنجائش ہے۔

جواب: وہ فنا جو ولایت میں معتبر ہے۔ وہ شعور و شہود کے اعتبار سے ہے جو ماسوائے حق کے نسیان سے مراد ہے نہ کہ ماسوی کے ارتقاع سے۔ حاصل کلام یہ کہ اس فنا کا صاحب سکر کے غلبوں میں اشیاء کے عدم شعور کو عدم اشیاء خیال کرتا ہے اور اس کو ماسوی کا رفع ہونا سمجھتا ہے اور اس سے تسلی پاتا ہے اور اگر محض فضل سے اس کو ترقی دے کر صحو کی دولت سے مشرف فرمائیں اور صاحب تمیز کریں تو جان لیتا ہے کہ وہ فنا اشیاء کا نسیان تھا۔ نہ اشیاء کا معدوم ہونا اور اس نسیان سے اگر زائل ہوئی ہے تو اشیاء کی گرفتاری ہی زائل ہوئی ہے جو ثابت و برقرار اور مذموم تھی۔ نہ کہ نفس اشیاء کیونکہ اشیاء اپنی اسی صرافت پر قائم اور موجود ہیں اور اس کی نفی اور معدوم کرنے سے متشکی نہیں ہو سکتیں۔

سیاہی از حبشی کے رود کہ خود رنگ است

ترجمہ: سیاہی دور حبشی سے نہیں ہوتی کہ ہے اصلی

اور جب فضل سے یہ دید اور یہ تمیز عطا ہوئی تو وہ تسلی دور ہو گئی اور اس کی جگہ حزن و اندوہ و بے آرامی آگئی اور جان لیا کہ اس کی بود ایک ایسا مریض ہے جو اس کی کوشش و اہتمام سے نابود نہیں ہوتا اور معلوم کیا کہ مور کے دونوں پاؤں کی طرح کہ ہمیشہ کے لئے اس کے جانکاہ ہیں۔ امکان کا نقص اور حدوث کا قصور ہمیشہ کیلئے اس کے جانکاہ ہیں۔ میں عجب معاملہ ہے کہ عارف جوں جوں زیادہ بلند ہوتا جاتا ہے اور زیادہ زیادہ ترقیات و عروجات کرتا جاتا ہے۔ توں توں دید نقص اس میں اسی قدر زیادہ ہوتی جاتی ہے اور قصور زیادہ تر اس کی نظر میں آتا جاتا ہے اور بے آرام ہوتا جاتا ہے اور اس کا حال اس رسن تاب یعنی رسی بٹنے والے شاگرد کی طرح ہو جاتا ہے جس نے اپنے استاد کو کہا کہ میں جس قدر زیادہ کام کرتا ہوں اسی قدر زیادہ دور ہوتا جاتا ہوں۔ شاید اسی واسطے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ يَا لَيْتَ رَبِّ مُحَمَّدٍ لَمْ يَخْلُقْ مُحَمَّدًا (کاش محمد کا رب محمد کو پیدا نہ کرتا) نیز فرمایا ہے۔ مَا أَوْ ذِي نَبِيٍّ مِثْلَ مَا

اَوْ ذِيْنَتْ (جیسی مجھے ایذا پہنچتی ہے ویسی کسی نبی ﷺ کو نہیں پہنچی) شاید اس ایذا سے مراد نقص و قصور کا دیکھنا ہے جو کمال حزن و اندوہ کا موجب ہے کیونکہ اور دوسری ایذائیں دوسرے پیغمبروں کو زیادہ تر پہنچی ہیں۔ حضرت نوح علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نو سو پچاس سال تک اپنی قوم میں رہ کر دعوت کرتے رہے اور طرح طرح کی ایذائیں برداشت کرتے رہے۔ لکھا ہے کہ ان کی قوم کے لوگ دعوت کے وقت اس قدر پتھران کو مارتے تھے کہ بے ہوش کر گر پڑتے تھے اور پتھروں کے نیچے دب جاتے تھے جب ہوش میں آتے تو پھر دعوت کرنے لگ جاتے اور قوم کے لوگ وہی معاملہ ان کے ساتھ کرتے اِلٰی اَنْ یُّبَلِّغَ الْکِتٰبُ اَجَلَهٗ (یہاں تک کہ لکھا ہوا اپنے وقت تک پہنچ گیا)۔ جاننا چاہئے کہ یہ نقص و قصور کا دیکھنا دوری کے سبب سے نہیں۔ بلکہ قرب و حضوری کے باعث ہے کیونکہ صاف اور شفاف جگہ میں تھوڑی سی کدورت بھی بہت نظر آتی ہے اور سیاہ و مکدر جگہ میں بہت سی کدورت بھی تھوڑی دکھائی دیتی ہے اور یہ جو پہلے کہا گیا ہے کہ قرب و معرفت کے کام کا مدار فنا پر ہے اس لئے ہے کہ سالک جب تک اپنے آپ سے فانی نہ ہو جائے اور بشریت و امکان کی صفات سے بالکل خالی نہ ہو جائے مطلوب تک نہیں پہنچتا کیونکہ مطلوب کے ساتھ اس کا جمع ہونا دو نقیضوں کے جمع ہونے کی قسم سے ہے اس لئے کہ امکان میں عدم کا ثبوت ضروری ہے اور وجوب میں عدم کا سلب ضروری ہے اور جب تک مطلوب تک نہ پہنچے مطلوب کے کمالات سے کیا پاسکتا ہے اور اس کے کمالات کو اپنے کمالات کی مانند جاننے کے سوا کیا سمجھ سکتا ہے۔ لَا یُذَرِّکَ الشَّیْءُ اِلَّا بِمَا یُضَادُّہٗ وَ یُعَاوِزُہٗ (ہر شے اپنی ضد اور غیر سے معلوم ہوتی ہے) معقول والوں کا مقررہ قضیہ ہے وہ لڑکا جو ابھی لذت جماع تک نہیں پہنچا ہے۔ اگر جماع کی لذت کا کمال بیان کرے تو اس کو شیریں بیان کرے گا نہ کڑوا اور اس کی شیرینی کو بھی نبات و قند کی شیرینی کی طرح جانے گا کیونکہ اس کو اس کے سوا اور کچھ معلوم ہی نہیں اور یہ کمال اس کا کمال نہیں بلکہ ایسا کمال ہے جو اس لڑکے کا اپنا بنایا ہوا اور اختراع کیا ہوا ہے۔ جو درحقیقت اس کی طرف راجع ہے نہ کہ اس کے ساتھ متصف ہے۔ پس سالک مطلوب کے جتانے کے بغیر جو کچھ اپنی طرف سے مطلوب کی نسبت کہے گا وہ گویا اپنی نسبت ہی کہا ہو گا اور جو کچھ اس کی تعریف کرے گا اپنی ہی تعریف کی ہو گی۔ اس جگہ ایک عارف فرماتا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ آیت کریمہ وَ اِنْ مِنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ (کوئی چیز نہیں جو اس کی تسبیح اور حمد نہ بیان کرتی ہو) میں حمد کی ضمیر شے کی طرف راجع ہو یعنی کوئی چیز تسبیح و تقدیس و ستائش نہیں کرتی مگر اپنی شاید حضرت بسطامی قدس سرہ نے اسی واسطے سحانی کہا ہو تاکہ تسبیح کا اعادہ اس کی اپنی طرف ہو کیا اچھا کہا ہے۔ ایات

قسم خلاق زانجمال وراں کمال ہست گر برہم نہی مشیت خیال
گرز معشوق خیالے در سر است نیست معشوق آں خیال دیگر است

ترجمہ ابیات

اے کہ تو ہے سر بسر محو جمال ہے فقط تیر ہی اپنا یہ خیال
یار کا اصلی ہے جو حسن و کمال پاسکے مخلوق ہے یونہی خیال
گر ترے سر میں ہے دلبر کا خیال وہ نہیں معشوق ہے تیرا خیال

صاحب فصوص فرماتا ہے۔ وَالْتَجَلَّى مِنَ الذَّاتِ لَا يَكُونُ إِلَّا بِصُورَةِ الْمُنْجَلَّى لَهُ، لِأَنَّهُ مَا رَأَى سِوَى صُورَتِهِ فِي مِرْءَةِ الْحَقِّ وَ مَرَأَى الْحَقِّ وَلَا يُمَكِّنُ أَنْ يَرَاهُ (جلی ذات متجلی نہ کی صورت پر ہوتی ہے کیونکہ وہ حق کے آئینے میں اپنی ہی صورت کو دیکھتا ہے نہ کہ حق کو اور نہ ہی اس کو دیکھ سکتا ہے) رویت کے عدم امکان کو مبالغہ کے رو سے کہا ہے نہ تحقیق کی رو سے۔ کیونکہ رویت دنیا میں جائز ہے اور آخرت میں واقع ہے چونکہ سالک کا کلی طور پر فانی ہونا ممنوع اور محال ہے اور اس کے بغیر مطلوب کا وصول و اتصال ممنوع ہے اور معرفت بغیر وصول کے ناممکن ہے اس لئے معرفت سے عجز لازم آیا اور معرفت سے عاجز ہونا عین معرفت ہوا۔ کوئی یہ نہ کہے کہ معرفت سے عاجز ہونا جو معرفت کی نقیض ہے معرفت کس طرح ہے کیونکہ معرفت سے عاجز ہونا معرفت ہی ہے۔ بَلَّغْهُ لَا يُعْرِفُ (اس طرح کہ وہ پہچانا نہیں جاتا) حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔ اَلْعَجْزُ عَنْ ذَرِّكَ الْاِذْرَاكِ اِذْرَاكٌ (ادراک کے پانے سے عاجز ہونا ادراک ہے) سُبْحَانَ مَنْ لَمْ يَجْعَلْ لِلْخَلْقِ اِلَيْهِ سَبِيْلًا اِلَّا بِالْعَجْزِ عَنْ مَعْرِفَتِهِ (پاک ہے وہ ذات جس نے معرفت سے عاجزی کے سوا کوئی راستہ خلق کو اپنی طرف نہیں بتایا) ایک بزرگ فرماتا ہے۔ بیت

سبحان خالقے کہ صفاتش ز کبریا برخاک عجزے قلند عقل انبیاء

ترجمہ بیت

وہ پاک ذات اکبر جس کی صفات برتر پیغمبروں کی عقلیں عاجز ہیں جن سے یکسر
جب انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام صفات کبریا کی معرفت میں عاجز ہیں اور ملائکہ کرام علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام سُبْحَانَكَ مَا عَرَفْنَكَ حَقَّ مَعْرِفَتِكَ (پاک ہے تو ہم نے تجھے نہیں پہچانا جیسے کہ حق ہے) نہیں اور حضرت صدیق اکبرؓ جو اس امت خیر الامم کے رئیس و سردار ہیں۔ عاجزی کا اقرار کریں تو پھر اور کون ہے جو معرفت کا دم مارے۔ سوائے اس کے کہ اپنے جہل مرکب کو معرفت خیال کرے اور غیر حق کو حق پہنچانے یہ معرفت سے عاجز ہونا مراتب عروج کے نہایت کی نہایت اور مدارج قرب کا

منعہا ہے جب تک سالک آخر نقطہ تک نہ پہنچے اور تجلیات و ظہورات کے مراتب کو طے نہ کرے اور اس وصل و اتصال کو جس پر مد توں تک خوش تھا عین فصل و انفصال خیال نہ کرے اس عجز کی دولت سے مشرف نہیں ہوتا اور خدا تعالیٰ کی ناشناسی سے خلاص نہیں ہوتا اور حق اور غیر حق میں تمیز نہیں کر سکتا۔

سوال: پھر خدا کی معرفت کا وجوب کس معنی سے ہے؟

جواب: معرفت کا وجوب اس معنی سے ہے کہ ذات و صفات کی معرفت میں جو کچھ شریعت نے فرمایا ہے اس کا پہچانا واجب ہے اور جو معرفت شریعت کے بغیر حاصل ہوتی ہے اس کو خدا کی معرفت کہنا دلیری ہے اور ظن و تخمین سے حق پر حکم کرنا ہے۔ اَنْقُولُوْنَ عَلٰی اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (کیا تم اللہ تعالیٰ پر وہ کہتے ہو جو نہیں جانتے) امت کے چراغ روشن اور اماموں کے امام حضرت امام اعظم کو فی رضی اللہ عنہ نے شاید اسی واسطے فرمایا ہے۔ سُبْحَانَكَ مَا عِبَدْنَاكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ وَلَكِنْ عَرَفْنَاكَ حَقَّ مَعْرِفَتِكَ (پاک ہے تو ہم سے تیری عبادت کا حق ادا نہیں ہوا لیکن تجھے پہچان لیا جو تیرے پہچاننے کا حق تھا) اگرچہ یہ قول اکثر لوگوں کو گراں معلوم ہوتا ہے لیکن بہتر توجیہ کے قابل ہے کیونکہ حق تعالیٰ کی معرفت یہ ہے کہ حق تعالیٰ کو ان تمام چیزوں کے ساتھ کہ جن کو شریعت نے بیان کیا ہے یعنی کمالات و تنزیہات و تقدیسات کے ساتھ پہچانا جائے کیونکہ ان کے سوا معرفت کی کوئی ایسی چیز نہیں جو حق معرفت کی مانع ہو۔

سوال: اس معرفت میں عوام و خواص شریک ہیں۔ بلکہ مساوات رکھتے ہیں اور لازم آتا ہے کہ عام مومنوں کی معرفت خواص انبیاء کی معرفت کی مانند ہو کیونکہ یہ حق معرفت سب کو حاصل ہے یہ مسئلہ بھی اسی مسئلہ کی طرح ہے۔ جو امام اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔ الْاِيْمَانُ لَا يَزِيْدُ وَلَا يَنْقُصُ (ایمان نہ کم ہوتا ہے نہ زیادہ) اس عبارت سے بھی لازم آتا ہے کہ عام مومنوں کا ایمان انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ایمان کی طرح ہوگا۔

جواب: اس شبہ قویہ کا حل ایک دقیقہ پر مبنی ہے جس پر اس فقیر نے محض فضل و کرم سے ہدایت پائی ہے وہ دقیقہ یہ ہے کہ معرفت کا حق یہ ہے کہ ان معارف شریعہ سے عارف کو معرفت سے عجز لاحق ہو۔ مثلاً شریعت میں آیا ہے کہ حق تعالیٰ کیلئے علم کی صفت ثابت ہے اور وہ علم بھی ذات واجب تعالیٰ کی طرح بیچون و بیچگون ہے اور ہمارے ادراک کے احاطہ سے باہر ہے۔ اگر اس علم کو سالک اپنے علم کے قیاس پر پہچانے تو یہ اس کی پہچان نہیں بلکہ اپنے مجعول و مخترع (بنایا ہوا اور گھڑا ہوا) کی پہچان ہے نہ کہ حق تعالیٰ کے علم کی معرفت۔ جو حق تعالیٰ کے کمال کی صفت ہے۔ پس اس صورت میں جب نفس معرفت حاصل نہیں تو حق معرفت کب حاصل ہوگا اور اگر اس کا معاملہ قیاس و تخمین سے عاجزی میں

آجائے اور وجدان و حال سے معلوم کرے کہ اس کو نہیں پہچان سکتا اور جان لے کہ اس صفت کمال کے ثبوت پر ایمان لانے کے سوا کچھ حاصل نہیں۔ تو اس وقت معرفت بھی حاصل ہوگی اور حق معرفت بھی۔ پس جب عوام کو حق معرفت میں خواص کے ساتھ شرکت نہ ہوئی تو پھر مساوات کی کیا گنجائش ہے۔

سوال: جب حق معرفت نفس معرفت ہے تو پھر چاہیے کہ عوام کو نفس معرفت بھی حاصل نہ ہو جب حق معرفت حاصل نہیں۔

جواب: معرفت کی ایک صورت ہے اور ایک حقیقت۔ وہ معرفت جو عین حق معرفت ہے معرفت کی حقیقت ہے جو معرفت سے عجز پر وابستہ ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ اس عجز کی حد تک نہ پہنچے اور صفات امکان کے قیاس کی آمیزش سے خالی نہ ہو جیسے کہ گزر چکا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا کمال فضل ہے کہ معرفت کی صورت کا بھی نفس ایمان میں اعتبار کیا ہے اور نجات کو اس پر وابستہ کیا ہے جیسے کہ ایمان کی صورت کو بھی معتبر رکھا ہے اور جنت میں داخل ہونا اس پر مترتب کیا ہے۔ صورت ایمان میں صورت معرفت کافی ہے اور حقیقت ایمان میں حقیقت معرفت سے چارہ نہیں۔ اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ ایمان کے بھی دو فرد ہیں صورت و حقیقت۔ جو عوام کا حصہ ہے وہ صورت ہے اور جو خواص کو عطا ہوا ہے وہ حقیقت ہے پس عوام کا ایمان انبیاء کے ایمان کی طرح نہ ہوا۔ جو اخص خواص ہیں کیونکہ وہ ایمان اور ہے اور یہ ایمان اور۔ دونوں میں کوئی مماثلت و مشابہت نہیں اور حقیقت ایمان میں چونکہ معرفت کا عجز حاصل ہے اور بآئہ لا یُعَرَف (وہ نہیں پہچانا جاتا) کی معرفت موجود ہے اس لئے اس میں کمی و زیادتی مفقود ہے کیونکہ سلب معرفت کی معرفت میں درجات کے تفاوت کا احتمال نہیں۔ وہ ثبوت ہے جس میں درجات کا تفاوت ہے۔ پس ثابت ہوا کہ حقیقت ایمان میں کمی بیشی نہیں ہوتی۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ اَعْلَمُ بِحَقِیْقَةِ الْحَالِ (اللہ تعالیٰ ہی حقیقت حال کو جانتا ہے)

سوال: اس تقریر سے لازم آتا ہے کہ صوفیاء کے علوم و معارف کشفیہ اعتبار سے ساقط ہیں اور حق تعالیٰ کی معرفت ان پر وابستہ نہیں کیونکہ حق معرفت علوم شرعیہ سے حاصل ہوا اور کوئی معرفت نہ رہی جس کو صوفیاء تلاش سے حاصل کریں۔ پس حق تعالیٰ کی معرفت میں صوفیاء کے لئے علماء پر کوئی زیادتی ثابت نہ ہوئی۔

جواب: صوفیاء کے کشفیہ علوم و معارف اس عجز کے اسباب و معدات ہیں۔ جو صوفیاء میں سے معتبروں کو نہایت النہایت میں میسر ہوتا ہے۔ یہ بزرگوار ان کشفیہ معارف کے زینوں کے ذریعے اس عجز کی دولت سے مشرف ہوتے ہیں۔ پس ان بزرگواروں کے معارف معتبر ہونگے۔ کیونکہ حق

معرفت کے حاصل ہونے کا وسیلہ اور ایمان حقیقی تک پہنچنے کا ذریعہ ہیں۔

سوال: جب معرفت سے عجز ثابت ہو اور کمال عجز میں منحصر ہو تو پھر صوفیاء نے جو مراتب سے

گانہ اعتبار کئے ہیں ان کا کیا مطلب ہے اور علم الیقین اور عین الیقین اور حق الیقین سے کیا مراد ہوگی؟

جواب: اس مسئلہ میں یہ فقیر قوم کیسا تھ اختلاف رکھتا ہے ان بزرگواروں نے ان تینوں مراتبوں

کو حق تعالیٰ کی ذات کی نسبت اعتبار کیا ہے اور علم الیقین اور عین الیقین اور حق الیقین کو اس بارگاہ جل شانہ

میں ثابت کیا ہے اور اس کی مثال اس طرح بیان کی ہے کہ آگ کے اس علم کو جو دھوئیں کے استدلال

سے حاصل ہوتا ہے۔ علم الیقین کہا ہے اور آگ کے دیکھنے کو عین الیقین تصور کیا ہے اور آگ کے ساتھ

محقق ہونا حق الیقین لیکن اس فقیر نے ان تینوں مراتبوں کو ان آیات و نشانات میں جو حق تعالیٰ کی ذات پر

دلالت کرنے والے ہیں اعتبار کیا ہے اور علم و عین و حق دلالت کرنے والے نشانات میں کہاں ہے۔ نہ

مدلول میں کیونکہ وہ علم و عین و حق دھوئیں کی نسبت جانا ہے۔ نہ آگ کی نسبت کیونکہ دھوئیں کا علم جو

استدلال سے حاصل ہوا ہے وہ دھوئیں کا ہی علم الیقین ہے جو آگ کو مستلزم ہے اور اگر دھوئیں کو دیکھا

ہے اور اس سے آگ کے ہونے پر استدلال کیا ہے تو یہ بھی دھوئیں کا عین الیقین ہے اور اگر دھوئیں

کے ساتھ متحقق ہوا ہے اور اس سے آگ پر استدلال کیا ہے تو یہ بھی دھوئیں کا حق الیقین ہے یہ

استدلال پہلے سے زیادہ کامل ہے کیونکہ وہ استدلال آفاق سے ہے اور یہ نفس سے کہ دھوئیں کیساتھ

محقق ہوا ہے۔ نیز عین الیقین میں دھواں واسطہ ہے اور حق الیقین میں واسطہ نہیں بلکہ وہی نسبت جو

دھوئیں کو آگ کے ساتھ ہے اس کو بھی وہی نسبت حاصل ہو جاتی ہے اور قرب کے اعلیٰ درجات تک

پہنچا دیتی ہے جو علم و عین و حق کے باوراء ہیں کوئی یہ نہ کہے کہ جب واسطہ مرتفع ہو گیا تو رویت ثابت ہو

گئی۔ جو عین الیقین ہے کیونکہ میں کہتا ہوں کہ رویت کے متحقق ہونے میں صرف واسطہ کا دور ہو جانا

کفایت نہیں کرتا اور بھی بہت سی چیزیں ہیں جن کا وجود مفقود ہے جب یقین کے تمام مراتب آیات و

نشانات کی طرف راجع ہوئے اور کوئی معرفت نہ رہی جو مدلول کی طرف راجع ہو تو بیشک مدلول کی

معرفت سے عجز لازم آیا اور سلب معرفت کے سوا وہاں کوئی معرفت متحقق و ثابت نہ ہوئی اور اگر یقین

کے ان تینوں مراتب کو آیات و دلائل کی طرف راجع نہ کیا جائے اور مدلول کی طرف راجع ہوں تو اس

معرفت سے عجز کس طرح متصور ہو گا اور سلب معرفت کے کیا معنی ہوں گے۔

مکتوب ۱۲۳

اس بیان میں کہ وہ راہ جو جناب قدس جل شانہ کی طرف پہنچانے والے ہیں دو ہیں۔

نور محمد تہاری کی طرف صادر فرمایا ہے:

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝ الْحَمْدُ لِلَّهِ وَ سَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ (اللہ تعالیٰ کیلئے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) وہ راہ جو جناب قدس جل شانہ کی طرف لے جانے والے ہیں دو ہیں۔ ایک وہ راستہ ہے جو قرب نبوت سے تعلق رکھتا ہے اور اصل الاصل تک پہنچانے والا ہے۔ اس راہ کے پہنچنے والے بالاصالت انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ان کے اصحاب ہیں اور امتوں میں سے بھی جس کسی کو چاہیں اس دولت سے سرفراز کرتے ہیں۔ مگر یہ لوگ قلیل بلکہ اقل ہیں۔ اس راستہ میں واسطہ اور حیلولہ نہیں۔ ان واصلوں میں سے جو کوئی فیض حاصل کرتا ہے کسی کے واسطہ کے بغیر اصل سے حاصل کرتا ہے اور کوئی ایک دوسرے کا حائل نہیں ہوتا دوسرا وہ راستہ ہے جو قرب ولایت سے تعلق رکھتا ہے۔ تمام قطب اور اوتاد اور ابدال اور نجیب عام اولیاء اللہ سب اسی راستہ سے واصل ہوئے ہیں راہ سلوک اسی راہ سے مراد ہے بلکہ جذبہ متعارفہ بھی اسی میں داخل ہے۔ اس راستہ میں واسطہ اور حیلولہ ثابت ہے اس راہ کے واصلوں کے پیشوا اور ان کے سرگروہ اور ان بزرگواروں کے فیض کا سرچشمہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم ہیں اور یہ عظیم الشان مرتبہ انہی کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ اس مقام میں گویا آنحضرت ﷺ کے دونوں مبارک قدم حضرت علی المرتضیٰ کے سر مبارک پر ہیں اور حضرت فاطمہ اور حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی اس مقام میں ان کے ساتھ شریک ہیں میرے خیال میں حضرت حضرت امیر رضی اللہ عنہ وجود غضریٰ یعنی پیدائش سے پہلے بھی اسی مقام کی پناہ میں رہے ہیں۔ جیسے کہ وجود غضریٰ کے بعد ہیں اور اس راہ سے جس کسی کو فیض و ہدایت پہنچتا ہے انہی کے وسیلہ سے پہنچتا ہے کیونکہ اس راہ کا آخری نقطہ یہی ہیں اور اس مقام کا مرکز انہیں سے تعلق رکھتا ہے۔ جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا دور تمام ہوا یہ عظیم الشان مرتبہ ترتیب وار حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کے سپرد ہوا اور ان کے بعد بارہ اماموں میں سے ہر ایک کے ساتھ ترتیب و تفصیل وار قرار پایا ان بزرگواروں کے زمانہ میں اور ایسے ہی ان کے انتقال فرما چکنے کے بعد جس کسی کو فیض و ہدایت پہنچتا رہا انہی بزرگواروں کے واسطہ اور حیلولہ سے ہی پہنچتا رہا۔ گواپنے زمانہ کے اقطاب و نجباء ہی ہوئے ہوں۔ لیکن سب کا طباء و ماویٰ یہی بزرگوار ہوئے ہیں کیونکہ اطراف کو مرکز کے ساتھ ملحق ہونے سے چارہ نہیں حتیٰ کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کی نوبت آپہنچی اور منصب مذکور اس بزرگ قدس سرہ کے سپرد ہوا۔ مذکورہ بالا اماموں اور حضرت شیخ قدس سرہ کے سوا اور کوئی شخص اس مرکز پر مشہود نہیں ہوتا۔ اس راستہ میں تمام اقطاب و نجباء کو فیوض و برکات کا پہنچنا شیخ قدس سرہ ہی کے وسیلہ شریف سے مفہوم ہوتا ہے کیونکہ یہ مرکز شیخ قدس سرہ کے سوا کسی اور کو میسر نہیں ہوا اسی واسطہ شیخ قدس سرہ نے فرمایا ہے۔ شعر

أَفَلْتُ شَمُوسُ الْأَوَّلِينَ وَشَمْسُنَا أَبْدَأُ عَلَى أَفْقِ الْعُلَى لَا تَغْرُبُ
ترجمہ شعر

ہو اسورج غروب پہلوں کا پر نہ سورج ہمارا ماند ہوا

شمس یعنی آفتاب سے مراد ہدایت و ارشاد کے فیضان کا آفتاب ہے اور اس کے غروب ہونے سے مراد فیضان مذکور کا نہ ہونا ہے چونکہ حضرت شیخ قدس سرہ کے وجود سے وہ معاملہ جو اولین سے تعلق رکھتا تھا۔ شیخ قدس سرہ کے سپرد ہوا اور رشد و ہدایت کے پہنچنے کا واسطہ و وسیلہ ہو گئے جیسے کہ ان سے پہلے بزرگوار ہوئے ہیں۔ نیز جب تک فیضان کے وسیلہ کا معاملہ برپا ہے۔ شیخ قدس سرہ کے توسل و توسط ہی سے ہے اس لئے درست ہوا کہ أَفَلْتُ شَمُوسُ الْأَوَّلِينَ وَشَمْسُنَا

سوال: یہ حکم مجدد الف ثانی میں نقص پیدا کرتا ہے کیونکہ مکتوبات جلد دوم کے ایک مکتوب میں مجدد الف ثانی کے معنی اس طرح لکھے ہیں کہ اس مدت میں جس قسم کا فیض امتوں کو پہنچتا ہے۔ اسی کے وسیلہ سے پہنچتا ہے اگرچہ وقت کے اقطاب و اوتاد اور ابدال و نجباء ہوں۔

جواب: میں کہتا ہوں کہ مجدد الف ثانی سے مراد اس مقام میں حضرت شیخ قدس سرہ کا قائم مقام ہے اور حضرت شیخ کی نیابت و قائم مقامی کے باعث یہ معاملہ اس پر وابستہ ہے جیسے کہتے ہیں۔ نُورُ الْقَمَرِ مُسْتَفَادٌ مِنْ نُورِ الشَّمْسِ (چاند کا نور سورج کے نور سے حاصل ہوا ہے)

سوال: مجدد الف ثانی کے معنی جو اوپر مذکور ہوئے ہیں مشکل ہیں کیونکہ مدت مذکورہ میں حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نزول فرمائیں گے اور حضرت مہدی علیہ الرضوان بھی ظہور کریں گے اور ان بزرگواروں کا معاملہ اس سے برتر ہے کہ کسی کے وسیلہ سے فیوض اخذ کریں۔

جواب: میں کہتا ہوں کہ توسط و وسیلہ کا معاملہ مذکورہ بالا راہوں میں سے دوسرے راستہ پر موقوف ہے۔ جو قرب ولایت سے مراد ہے لیکن راہ اول میں جو قرب نبوت سے مراد ہے توسط و وسیلہ کا معاملہ مفقود ہے۔ اس راستہ سے جو کوئی واصل ہوا ہے کوئی حائل و متوسط درمیان نہیں آیا۔ دوسرے کے وسیلہ کے بغیر اس کو فیوض و برکات حاصل ہوئے ہیں۔ توسط و حیلہ فقط دوسرے راستہ میں ہے اور اس مقام کا معاملہ علیحدہ ہے جیسے گزر چکا۔ حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت مہدی علیہ الرضوان راہ اول سے واصل ہیں۔ جیسے کہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تبعیت کے ضمن میں راہ اول سے واصل ہوئے ہیں اور اپنے اپنے درجوں کے موافق وہاں شان خاص رکھتے ہیں۔

تنبیہ: واضح ہو کہ ممکن ہے کہ آدمی قرب ولایت کے راستہ سے قرب نبوت تک پہنچ جائے اور ہر

دو معاملہ میں شریک ہو اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے طفیل اس کو بھی جگہ دیدیں اور دونوں جگہوں کا معاملہ اس پر وابستہ کر دیں۔

خاص کند بندہ مصلحت عام را

ترجمہ: خاص کر لیتا ہے اک کو تا بھلا ہو عام کا

ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے) سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (پاک ہے تیرا رب اس وصف سے کہ جو وہ کرتے ہیں بزرگ اور برتر ہے اور اللہ تعالیٰ کیلئے حمد ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے)

مکتوب ۱۲۴

شیخ محمد طاہر بد خشی کی طرف صادر فرمایا ہے:

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَ سَلَامٌ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَى (اللہ تعالیٰ کیلئے حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) برادر م شیخ محمد طاہر بد خشی نے دریافت کیا تھا کہ رسالہ مبدء و معاد میں واقع ہے کہ صورت کعبہ جس طرح صورت محمد کی مجبود ہے اسی طرح حقیقت کعبہ بھی حقیقت محمدی سے افضل ہے حالانکہ ظاہر و مقرر ہے کہ جہان کی پیدائش سے مقصود آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں اور آدم اور آدمیان سب ان کے طفلی ہیں جیسے کہ وارد ہے۔ لَوْ لَا كَلِمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ وَلَمَّا اَظْهَرْتُ الرُّبُوبِيَّةَ (اگر تونہ ہوتا تو میں آسمانوں کو پیدا نہ کرتا اور اپنی ربوبیت و خدائی ظاہر نہ کرتا)

جاننا چاہئے کہ صورت کعبہ پتھر و مٹی سے مراد نہیں ہے کیونکہ بالفرض پتھر و مٹی نہ بھی ہوں تو پھر بھی کعبہ کعبہ ہے اور خلأئق کا مجبود ہے بلکہ صورت کعبہ باوجودیکہ عالم خلق سے ہے۔ لیکن اور اشیاء کی خلق کی طرح نہیں ہے بلکہ ایک ایسا پوشیدہ امر ہے جو حس و خیال کے احاطہ سے باہر ہے گو عالم محسوسات میں سے ہے لیکن کچھ بھی محسوس نہیں اور اگرچہ اشیاء کا متوجہ الیہا (جس کی طرف توجہ کی جائے) ہے لیکن کچھ بھی توجہ میں نہیں ہے وہ ایک ہست ہے جس نے نیستی کا لباس پہنا ہے اور ایک نیست ہے۔ جو ہستی کے لباس میں ظاہر ہے جہت میں ہو کر بے جہت ہے اور سمت میں ہو کر بے سمت ہے غرض یہ صورت حقیقت نما نہایت ہی عجیب ہے جس کی تشخیص میں عقل عاجز ہے اور عقلمند اس کے تعین میں حیران ہیں گویا عالم نیچونی و نیچکونی کا نمونہ رکھتی ہے اور بے شبہی اور بے نمونی کا نشانہ اس میں پوشیدہ ہے ہاں اگر ایسی نہ ہوتی تو مجبود ہونے کے لائق نہ ہوتی اور بہترین موجودات علیہ الصلوٰۃ والسلام بڑے شوق سے اس کو اپنا قبلہ نہ بناتے۔ فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ (اس میں نشان ظاہر ہیں) اس کی شان میں

نص قاطع ہے۔ اور مَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا (جو اس میں آگیا وہ امن میں ہو گیا) اسی کے حق میں ہے بیت اللہ ہے کہ صاحب خانہ جل شانہ کی بیوتت خاص (رہنا سہنا گھر والا ہونا) اسی میں ہے اور بیٹوں و نیچکوں کا مجہول الکفایت اتصال و نسبت اسی کے ساتھ ہے۔ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْأَعْلٰی (مثال اعلیٰ اللہ تعالیٰ کے لئے ہے) عالم مجاز میں جو حقیقت کا پل ہے بیت یعنی خانہ و گھر اس بیوتت کی خبر دیتا ہے کہ صاحب خانہ کے قرار و آرام کی جگہ ہے۔ اگرچہ دولت مندوں اور اہل دول کی نشست و برخاست کے مکان بے شمار ہیں لیکن یہ ایسا گھر ہے جو اغیار کی مزاحمت سے بیگانہ ہے اور معشوق حقیقی کا مکان اور آرام گاہ ہے۔ اگرچہ حدیث قدسی وَلٰكِنْ يَسْعٰى قَلْبُ عَبْدِ الْمُؤْمِنِ۔ (لیکن میں اپنے مومن بندے کے دل میں سماتا ہوں) کے موافق مومن بندے کا دل بیٹونی ظہور کی گنجائش حاصل کر لیتا ہے لیکن بیعت یعنی گھر ہونے کی نسبت جو بیوتت کی خبر دیتی ہے کہاں حاصل کر سکتا ہے اور اغیار کی مزاحمت کو جو گھر کے لوازم سے ہے کس طرح دور کر سکتا ہے۔ چونکہ غیر و غیریت کا اس مقام میں دخل نہیں۔ اس لئے خلاق کا مجود ہے تاکہ غیر کو سجدہ نہ ہو۔ کیونکہ غیریت مجود ہونے کے منافی ہے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنی طرف سجدہ تجویز نہ کیا۔ لیکن بیت اللہ کی طرف بڑے شوق و رغبت کے ساتھ سجدہ کیا اس بیان سے فرق معلوم کر لیں۔ شَتَّانَ مَا بَيْنَ السَّاجِدِ وَالْمَسْجُودِ (ساجد و مجود کے درمیان بہت فرق ہے) میرے بھائی جب تو نے صورت کعبہ کا تھوڑا سا حال سن لیا تو اب حقیقت کعبہ کی نسبت بھی کچھ سن لے حقیقت کعبہ اس بیٹوں واجب الوجود کی ذات سے مراد ہے جہاں تک ظہور اور طلب کی گرد بھی نہیں پہنچی اور مجود اور مجود ہونے کے لائق ہے اس حقیقت جل شانہ کو اگر حقیقت محمدی کی مجود کہیں تو اس میں کیا ڈر ہے اور اس سے اس کے افضل ہونے میں کیا ہرج ہے۔ ہاں حقیقت محمدی جہان کے تمام افراد کی حقیقتوں سے افضل ہے لیکن کعبہ معظمہ کی حقیقت عالم کی قسم سے نہیں۔ تاکہ اس کی طرف یہ نسبت کی جائے اور اس کے افضل ہونے میں توقف کیا جائے۔ تعجب ہے کہ ان دونوں صاحب دولتوں کی صورتوں کا فرق ساجد و مجود ہونے کے باعث ہے۔ صاحب ہنر عقلمندوں نے ان دونوں کے حقائق کا تفاوت معلوم نہیں کیا۔ اسی لئے اعراض و انکار کے مقام میں رہے ہیں اور طعن و تشنیع کے لئے زبان دراز کی ہے حق تعالیٰ ان کو انصاف دے تاکہ بے سوچے سمجھے ملامت نہ کریں۔ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِي أَمْرِنَا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ (یا اللہ تو ہمارے گناہوں اور کام کی زیادتی کو بخش اور ہم کو ثابت قدم رکھ اور کافروں پر ہمیں غلبہ دے) وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اتَّبَعَ الْهُدٰی (سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی)

مبدأ و معاد

ہدایت و نہایت بمعنی آغاز و انجام میں ہیں اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتا ہوں اور اس کے حبیب محمد ﷺ اور اس کی بزرگ اوزاد پر درود کہتا ہوں۔ بعد ازاں ناظرین باتمکین کی خدمت میں گزارش کرتا ہوں کہ اس رسالہ شریفہ میں امام ہمام جتہ اللہ علیہ الانام پیشوائے اقطاب و اوتاد قبلہ ابدال و افراد سبع مثانی (نورہ خاتمہ) کے کاشف اسرار مجدد الف ثانی، روسی، رحمانی، عارف ربانی شیخ الاسلام و المسلمین ہمارے شیخ اور ہمارے امام شیخ احمد فاروقی حنفی نقشبندی (خدا کرے آنحضرت کی ہدایت کے آفتاب افق اعلیٰ پر چمکتے رہیں اور لوگ آنحضرت کے قاضیہ کے باغوں میں بڑھتے رہیں) کے اشارات لطیفہ و صافی اور اسرار دقیق و بلند مندرج ہیں۔ اللہ تعالیٰ مددگار ہے اور اس پر بھروسہ ہے۔

منہا:- جب مجھے راہ سلوک کی ہوس پیدا ہوئی۔ تو اللہ تعالیٰ جل شانہ کی عنایت نے مجھے خانوادہ نقشبندیہ کے ایک خلیفہ کی خدمت میں پہنچایا۔ جن کی توجہ کی برکت سے خواجگان کا جذبہ جو بلحاظ فنا صفت قومیت میں جا ملتا ہے۔ حاصل ہوا اور اندراج النہایہ فی البدایہ کے طریق سے بھی ایک گھونٹ حاصل ہوا۔ اس جذبہ کے حاصل ہو جانے کے بعد سلوک شروع ہوا اور یہ راہ میں نے اسد اللہ الغالب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی روحانیت کی تربیت سے اس انجام تک طے کی۔ یعنی اس اسم سے جو میرا پرورش کنندہ ہے۔ بعد ازاں اس اسم سے حضرت خواجہ نقشبند قدس اللہ تعالیٰ سرہ کی روحانیت کی مدد سے قابلیت اولیٰ تک جس کو حقیقت محمدیہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ ترقی کی۔ وہاں سے اوپر حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روحانیت کی مدد سے عروج حاصل ہوا۔ وہاں سے آگے حضرت ختم المرسلین ﷺ کی روحانیت کی مدد سے مقام اقطاب محمدیہ تک ترقی کی۔ یہ مقام قابلیت اولیٰ کے مقام سے اوپر ہے اور یوں سمجھو کہ یہ مقام قابلیت اولیٰ کا اجمال ہے اور قابلیت اولیٰ اس کی تفصیل ہے۔ اس مقام میں پہنچتے وقت حضرت خواجہ نقشبند کے خلیفہ حضرت خواجہ علاؤ الدین عطار قدس اللہ اسرارہم کی روحانیت سے بھی ایک طرح کی مدد مجھے ملی۔ قطب کا انتہائی عروج اسی مقام (اقطاب محمدیہ) تک ہوتا ہے۔ دائرہ ظلیت بھی اسی مقام پر ختم ہو جاتا ہے۔ بعد ازاں یا تو خالص اصل ہے۔ یا اصل اور ظل ملے ہوئے۔ یہ مقام افراد کے لئے مخصوص ہے۔ ہاں بعض قطب بھی افراد کی ہمنشین کے سبب مقام ممتاز (جہاں اصل اور سایہ ملے جلتے ہیں) تک ترقی کرتے ہیں اور اس اصل و سایہ ملے ہوئے کو دیکھتے ہیں۔ لیکن محض اصل خالص تک پہنچنا یا اسے دیکھنا حسب درجہ افراد کا خاصہ ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہے عنایت کرے۔ اللہ تعالیٰ صاحب فضل عظیم ہے۔ اس مقام اقطاب پر پہنچ کر جناب سرور کائنات ﷺ سے مجھے قطبیت ارشاد کی خلعت عنایت ہوئی اور اس منصب سے مجھے سرفراز فرمایا

بعد ا۔ پھر عنایت الہی جل شانہ و عم نوالہ کی عنایت میرے شامل حال ہوئی اور اس مقام سے اوپر کی طرف ترقی نصیب ہوئی حتیٰ کہ مجھے عنایت الہی نے اصل ممتزج (اصل و سایہ ملا ہوا) تک پہنچایا اور وہاں بھی فنا و بقا نصیب ہوئی۔ جیسا کہ گذشتہ مقامات میں ہوتی آتی تھی۔ وہاں سے آگے مقامات اصل میں ترقی عنایت فرمائی اور اصل الاصل تک پہنچادیا۔ اس آخری عروج میں جو مقامات اصل کا عروج ہے۔ حضرت غوث اعظم محی الدین شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ سرہ الاقدس کی روحانیت سے مدد نصیب ہوئی جس نے اپنی قوت تصرف سے ان مقامات سے عبور کرا کے اصل الاصل میں پہنچادیا۔ وہاں سے پھر جہان کی طرف لوٹا۔ چنانچہ لوٹتے وقت ہر مقام سے عبور حاصل ہوا۔

مجھے یہ نسبت فردینہ جس سے عروج اخیر مخصوص ہے۔ اپنے والد ماجد (شیخ عبد الواجد بن زین العابدینؑ) سے حاصل ہوئی اور انہیں ایک بزرگ (حضرت شاہ کمال قادری قدس سرہ) سے جن کو جذبہ قوی حاصل تھا۔ اور جو خوارق عادات میں شہرہ آفاق تھے ہاتھ آئی۔ لیکن مجھے شروع میں ضعف بصیرت اور اس نسبت کی قلت ظہور کے باعث اپنے آپ میں اس نسبت فردیہ کا ہونا معلوم نہ تھا۔ جب سلوک کی منزلیں طے کیں۔ تو مجھے معلوم ہوا کہ یہ نسبت شروع ہی میں مجھ میں تھی۔ نیز مجھے عبادت نافلہ کی توفیق خصوصاً نماز نافلہ کا ادا کرنا بھی اپنے والد ماجد سے حاصل ہوا اور انہیں یہ سعادت اپنے شیخ (شیخ عبد القدوس) سے جو سلسلہ چشتیہ سے منسوب تھے حاصل ہوا۔ جب تک میں مقام اقصاب سے عبور نہ کر چکا مجھے علوم لدنی حضرت خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روحانیت سے حاصل ہوتے رہے۔ جب اس مقام سے عبور کر کے مقامات عالیہ میں ترقی کی۔ تو پھر اپنی حقیقت سے علوم اخذ کرنے لگا۔ اس وقت کسی غیر کی مجال نہ تھی کہ بیچ میں دخل دیتا۔ نیز مجھے نزول کے وقت جس سے مراد سیر عن اللہ باللہ ہے دوسرے سلسلوں کے مشائخ کے مقامات میں عبور واقع ہوا اور ہر ایک مقام سے کافی حصہ لیا اور ان مقامات کے مشائخ نے میرے کام میں میری مدد و اعانت کی اور اپنی نسبتوں کے خلاصے مجھے عنایت فرمائے پہلے پہل اکابر چشتیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرار ہم کے مقام میں عبور واقع ہوا۔ اس مقام سے کافی حصہ حاصل ہوا۔ ان مشائخ عظام میں سے حضرت خواجہ قطب الدین قدس سرہ کی روحانیت نے دوسروں کی نسبت زیادہ امداد فرمائی۔ واقعی اس مقام میں ان کی شان نہایت اعلیٰ ہے اور آپ اس مقام کے سردار ہیں۔ بعد ازاں اکابر کبرویہ قدس اللہ تعالیٰ اسرار ہم کے مقام میں گزر ہوا۔ یہ دونوں مقام یعنی چشتیہ و کبرویہ بلحاظ عروج برابر ہیں۔ لیکن یہ مقام (کبرویہ) نزول کے وقت شاہراہ کی دائیں طرف پڑتا ہے اور پہلا (چشتیہ) بائیں طرف۔ یہ شاہراہ وہی ہے۔ جس سے بعض بڑے بڑے اقصاب ارشاد ہو کر مقام فردیت میں جاتے ہیں اور وہاں سے نہایت النہایت میں پہنچتے ہیں۔ صرف افراد کی راہ اور ہے۔ بغیر قطبیت کے اس راہ سے نہیں

گزر سکتے۔ یہ مقام (کبرویہ) مقام صفات اور اس شاہراہ کے مابین واقع ہے۔ گویا یہ دونوں مقاموں کا رخ ہے۔ دونوں طرف سے اسے حصہ ملتا ہے۔ پہلا مقام (چشتیہ) شاہراہ کی دوسری طرف واقع ہے جو صفات سے بہت کم مناسبت ہے۔ اس کے بعد مجھے اکابر سہروردیہ کے مقام میں جو شیخ شہاب الدین قدس سرہ سے اس طرف ہیں۔ عبور واقع ہوا۔ یہ مقام سنت نبوی علی مصدرہا الصلوٰۃ والسلام والحتیات کے اتباع کے نور سے آراستہ اور مشاہدہ فوق الفوق کی نورانیت سے مزین ہے۔ تو فیق عبادات اس مقام کی رفیق ہے۔ بعض سالک جو ابھی اس مقام تک نہیں پہنچے اور عبادات نافلہ میں مشغول ہیں اور اس سے مطمئن ہیں۔ انہیں بھی اس مقام کی مناسبت کی وجہ سے اس مقام سے کچھ حصہ نصیب ہوتا ہے۔ عبادات نافلہ اصالتاً اسی مقام کے مناسب ہیں۔ دوسرے کیا مبتدی اور کیا منتہی سب اس مقام کی مناسبت کی وجہ سے بہرہ ور ہیں۔ یہ مقام (سہروردیہ) نہایت عجیب و بزرگ ہے۔ جو نورانیت اس مقام میں دیکھنے میں آئی ہے۔ دوسرے مقامات میں بہت کم دکھائی دیتی ہے۔ اس مقام کے مشائخ بہ سبب کمال اتباع عظیم الشان اور رفیع القدر ہیں اپنے ہم جنسوں میں پورے طور پر ممتاز ہیں۔ جو کچھ ان بزرگوں کو اس مقام میں نصیب ہوا ہے۔ دوسرے مقامات میں گو وہ بلحاظ عروج اوپر ہی ہیں۔ میسر نہیں ہوتا۔ بعد ازاں مجھے مقام جذبہ میں اتار لائے۔ اس مقام میں بیشمار جزئیات کے مقامات شامل ہیں وہاں سے بھی نیچے لائے نزول کا آخری مرتبہ مقام قلب ہے۔ جو حقیقت جامع ہے اور ارشاد و تکمیل اسی مقام پر نزول کرنے کے متعلق ہے جب اس مقام میں لائے۔ تو پیشتر اس کے کہ مجھے اس مقام میں استقرار حاصل ہو۔ پھر عروج نصیب ہوا۔ اس وقت اصل کو سائے کی طرح پیچھے چھوڑا۔ اس عروج سے جو مقامات قلب میں ہو استقرار حاصل ہوا۔

منہا: قطب ارشاد جس میں فردیت کے محال کمالات بھی پائے جاتے ہیں۔ نہایت قلیل الوجود ہوتا ہے۔ کئی صدیوں بلکہ بے شمار زمانہ کے بعد اس قسم کا موتی ظاہر ہوتا ہے۔ جس کے نور ظہور سے تاریک دنیا روشن ہو جاتی ہے۔ اس کی ہدایت و ارشاد محیط عرش سے لے کر مرکز زمین تک تمام جہان کو حاصل ہوتی ہے۔ جس شخص کو رشد و ہدایت اور ایمان و معرفت حاصل ہوتے ہیں۔ اسی کی وساطت سے ہوتے ہیں۔ اس کے وسیلے کے بغیر براہ راست کسی کو یہ نعمت حاصل نہیں ہو سکتی گویا اس کا نور ہدایت سمندر کی طرح تمام جہان کو گھیرے ہوتا ہے اور وہ ایک منجمد سمندر ہے جو بالکل حرکت نہیں کرتا۔ جو شخص اس بزرگ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس کا مخلص ہوتا ہے باوہ بزرگ کسی طالب کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ تو توجہ کے وقت طالب کے دل میں گویا ایک سورخ کھل جاتا ہے۔ جس کی راہ اس دریا سے توجہ اور اخلاص کے موافق سیر آب ہوتا ہے۔ اسی طرح جو شخص ذکر الہی میں مشغول ہے۔

لیکن اس بزرگ (قطب ارشاد) کی طرف متوجہ نہیں مگر انکار کی وجہ سے نہیں بلکہ اس واسطے کہ وہ اسے جانتا نہیں۔ تو بھی اسے اسی قسم کا فائدہ پہنچتا ہے مگر پہلی صورت میں بہ نسبت دوسرے کے زیادہ فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ لیکن جو شخص قطب ارشاد کا منکر ہے۔ یا وہ بزرگ اس سے ناراض ہے۔ خواہ وہ کتنا ہی ذکر الہی میں مشغول رہے پھر بھی رشد و ہدایت کی حقیقت سے محروم رہتا ہے۔ اور اس کا انکار اس کے فیض کا سد راہ ہوتا ہے۔ خواہ قطب ارشاد اسے فائدہ نہ پہنچانے کے لئے یا نقصان پہنچانے کیلئے توجہ نہ ہی کرے۔ ایسے شخص کو ہدایت کی حقیقت میسر نہیں ہو سکتی۔ گویا اسے رشد کی صورت حاصل ہوتی ہے۔ لیکن محض صورت سے کیا کام نکل سکتا ہے۔ صورت بے معنی سے بہت تھوڑا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ جو لوگ قطب ارشاد کے محبت و مخلص ہوتے ہیں۔ گو وہ ذکر الہی اور توجہ مذکور سے خالی ہی ہوں۔ تو بھی محض محبت کی وجہ سے رشد و ہدایت کا نور پالیتے ہیں۔ والسلام علی من اتبع الهدی

منہا:- پہلے پہل جو دروازہ میرے لئے کھولا گیا۔ وہ یافت کا ذوق تھا۔ نہ کہ یافت بعد ازاں دوسرے درجے پر یافت نصیب ہوئی۔ تو ذوق یافت مفقود ہو گیا تیسرے درجے پر یافت بھی ذوق یافت کی طرح مفقود ہو گئی۔ دوسری حالت حالت کمال اور ولایت خاصہ کے درجے کا حاصل کرنا ہے۔ تیسرا مقام تکمیل اور دعوت کے لئے خلقت کی طرف لوٹنا ہے۔ پہلی حالت صرف بلحاظ جذبہ کمال ہے۔ جب اس کے سلوک کو پورے طور پر حاصل کر لیا جاتا ہے۔ تو دوسری حالت حاصل ہوتی ہے۔ بعد ازاں تیسری حالت۔ لیکن مجذوب کو سلوک سے یہ دوسری اور تیسری حالت بالکل نصیب نہیں ہوئی۔ جو کامل و مکمل ہے وہ مجذوب سالک ہے۔ اس سے دوسرے درجے پر سالک مجذوب۔ جو ان دونوں کے بغیر ہے وہ نہ کامل ہے۔ نہ مکمل تم نے کم ہمت نہ بننا۔ والسلام علی خیر البشر سیدنا محمد وآلہ الاطہر۔

منہا:- ماہ ربیع الآخر کے آخری حصے میں اس بزرگ خانوادہ کے ایک بزرگ خلیفہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان بزرگوں کا طریقہ اخذ کیا۔ اسی سال ماہ رجب کے نصف کے قریب حضور نقشبندیہ کی سعادت جو اس مقام میں اندراج نہایت در بدایت ہے حاصل ہوئی۔ ان بزرگ نے فرمایا۔ کہ نسبت نقشبندیہ سے مراد یہی حضور ہے پورے دس سال کچھ مہینے اوپر ماہ ذوالقعدہ کے نصف میں وہ نہایت جو بدایت میں بدایات و واسطہ کے اتنے پردوں کے پیچھے سے جلوہ گر ہوئی تھی۔ نقاب اتار کر نمودار ہوئی اس وقت یقین ہو گیا۔ کہ بدایت میں اس اسم کی صورت تھی۔ اس جسم کا ڈھانچہ تھا اور اس مسکی کا اسم تھا۔ ان دونوں میں بڑا بھاری فرق ہے۔ کام کی حقیقت یہاں آکر کھلی اور معاملہ کا مجید اس جگہ ظاہر ہوا۔ جس نے چکھا نہیں اسے معلوم نہیں ہوا۔ والصلوة والسلام علی سید الانام وآلہ الکرام واصحابہ العظام۔

منہا:- واما بنعمة ربك فحدث اپنے پروردگار کی نعمت کا ذکر کر میں ایک روز اپنے یاروں کے

حلقے میں بیٹھا تھا اور اپنی خرابیوں کو دیکھ رہا تھا۔ یہ دید یہاں تک غالب آئی کہ میں نے اپنے آپ کو اس وضع کے بالکل مناسب نہ پایا۔ اسی اثنا میں ”من تواضع لله رفعه الله“ جس نے اللہ تعالیٰ کی خاطر تواضع کی اللہ تعالیٰ نے اس کا درجہ بلند کر دیا“ کے موافق اس دور پڑے ہوئے کو رسوائی کی خاک سے اٹھا کر یہ آواز سر میں دی غفرت لك ولمن توصل بك الى بواسطة او بغير واسطة الى يوم القيمة میں نے تجھے اور اس شخص کو بھی جو تجھے میری بارگاہ کا وسیلہ بالواسطۃ یا بلا واسطۃ بنائے گا بخشا اور یہ سلسلہ قیامت تک یونہی ہی رہے گا اور ازراہ بندہ نوازی بار بار مجھے یہ فرمایا حتیٰ کہ شک و شبہ کی گنجائش نہ رہی۔ اس بات کے لئے اللہ تعالیٰ کا بہت بہت شکر ہے۔ اللہ تعالیٰ اس میں برکت دے والصلوة والسلام علیٰ رسولہ سیدنا محمد والہ کما یحری

بعد ازاں اس واقعہ کے ظاہر کرنے کا مجھے حکم ہوا۔

اگر بادشاہ پر در پیرزن بیاید تو اے خواجہ سہل مکن

بے شک تیرے پروردگار کی مغفرت بہت وسیع ہے۔

منہا:- سیر الی اللہ سے مراد کسی ایک اسم الہی تک کی سیر ہے جو سالک کا مبداء تعین ہے اور سیر فی اللہ سے مراد اس اسم میں یہاں تک سیر کرنا ہے۔ کہ اسماء و صفات اور شیون و اعتبارات کے لحاظ سے مجرد ذات احدیت کی بارگاہ میں پہنچ جائے یہ تقریر اس وقت درست معلوم ہوتی ہے۔ جب کہ اسم مبارک اللہ سے مراد مرتبہ وجوب لیا جائے۔ جو اسماء و صفات کا جامع ہے۔ لیکن اگر اس اسم مبارک سے مراد ذات محض لی جائے تو پھر سیر فی اللہ بھی سیر الی اللہ میں داخل ہوتی ہے اور اس طرح سیر فی اللہ بالکل حاصل نہیں ہوتی۔ کیونکہ آخری سے آخری نقطہ میں سیر کرنا وہم و خیال میں بھی نہیں آسکتا۔ اس نقطے پر پہنچ کر بلا توقف جہان کی طرف لوٹنا ہوتا ہے جسے سیر عن اللہ باللہ کہتے ہیں۔ یہ شناخت آخری سے آخری نقطہ تک کے واصلوں کے لئے مخصوص ہے۔ میرے سوا کسی ولی اللہ نے اس شناخت کے بارے میں کچھ نہیں کہا۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے۔ اپنی طرف چن لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے۔

والسلام علی سید المرسلین محمد وآلہ اجمعین

منہا:- امانت ولایت کی سیر میں اولیاء کے مختلف مراتب ہیں۔ بعض میں صرف ایک درجہ ولایت کی استعداد ہوتی ہے۔ بعض میں دو کی بعض میں تین کی اور بعض میں چار کی۔ خال خال ایسے ہوتے ہیں۔ جو ولایت یکے پانچویں درجے کو حاصل کرتے ہیں۔ ان پانچ درجوں میں سے پہلا درجہ تجلی افعال سے وابستہ ہے۔ دوسرا تجلی صفات سے اور باقی کے تین حسب مرتبہ تجلیات ذاتی سے وابستہ ہوتے ہیں۔ میرے اکثر یار تیسرے درجہ سے مناسبت رکھتے ہیں اور ان میں تھوڑے ایسے ہیں۔ جو

چوتھے درجے کے قابل ہیں اور خال خال ایسے بھی ہیں۔ جو ولایت کے آخری یعنی پانچویں درجے سے مناسبت رکھتے ہیں۔ لیکن جس کمال کو میں معتبر سمجھتا ہوں۔ وہ ان پانچوں سے بھی بڑھ کر ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے زمانے کے بعد اس کمال کا ظہور نہیں ہوا جو جذبہ و سلوک کے کمال سے بڑھ کر ہے۔ انشاء اللہ یہ کمال آخری زمانے میں حضرت مہدی موعود میں ظاہر ہو گا۔

والصلوة والسلام علی خیر البریہ

منہا:- نہایت نہایت (آخری مقام) کے واصل رجوع قہقری (الئے پاؤں واپس آتے) کے وقت نچلے سے نچلے مقام میں اتر آتے ہیں۔ یہی نچلے سے نچلے مقام میں اتر آنا ہی اس بات کی تصدیق کرتا ہے۔ کہ وہ اعلیٰ سے اعلیٰ اور آخری سے آخری مقام تک ترقی کر چکے ہیں۔ جب نزول اس خصوصیت سے وقوع میں آتا ہے۔ تو صاحب رجوع ہمہ تن عالم اسباب کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ یہ نہیں ہوتا کہ اس کا کچھ حصہ بارگاہ الہی کی طرف متوجہ ہو اور کچھ خلقت کی طرف۔ کیونکہ ایسی حالت اس بات کو ظاہر کرتی ہے۔ کہ وہ آخری سے آخری مقام تک نہیں پہنچا۔ نیز اسے نچلے سے نچلے مقام تک نزول بھی حاصل نہیں ہوا۔ اب میں اصل بات کو بیان کرتا ہوں۔ وہ یہ کہ نماز پڑھتے وقت جو کہ مومن کے لئے معراج ہے صاحب رجوع کے تمام لطایف بارگاہ الہی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور نماز سے فارغ ہو کر بالکل خلقت کی طرف۔ لیکن فرائض و سنن ادا کرتے وقت چھ لطفے بارگاہ الہی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور نفل ادا کرتے وقت صرف عمدہ سے عمدہ لطفے۔ ممکن ہے کہ حدیث ”لی مع اللہ وقت“ کا اشارہ اس خاص وقت کی طرف ہو۔ جو نماز سے مخصوص ہے اور اس اشارہ کا قرینہ تعین حدیث قرۃ عین فی الصلوۃ مجھے نماز میں آنکھوں کی ٹھنڈک حاصل ہوتی ہے۔ اس قرینے کے علاوہ کشف صحیح اور الہام صریح بھی اس بارے میں مجھے ہوا ہے۔ یہ جو معارف مجھ سے ہی مخصوص ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے دوسرے مشائخ نے اس کمال کو جمع بین التوجہین میں جانا ہے۔ میں اپنا کام اور معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں۔ اس شخص کو سلامتی ہو جس نے ہدایت کی پیروی کی اور جناب سرور کائنات ﷺ کی فرمانبرداری اور تابعداری کی۔

منہا:- مشائخ نے فرمایا ہے کہ اہل اللہ مرتبہ ولایت پر پہنچ کر اپنے اندر ہی مشاہدہ کرتے ہیں۔ بیرونی مشاہدہ جو سیر الی اللہ کے وقت اثنائے راہ میں حاصل ہوتا ہے۔ معتبر نہیں جو کچھ مجھ پر منکشف ہوا ہے وہ یہ ہے کہ مشاہدہ اندرونی بھی مشاہدہ بیرونی کی طرح قابل اعتبار نہیں۔ اس واسطے کہ وہ مشاہدہ دراصل حقیقت حق سبحانہ تعالیٰ کا مشاہدہ نہیں۔ کیونکہ جب حق تعالیٰ بیچون و بیچکون ہے۔ پھر چوں کے آئینہ میں کیونکر سما سکتا ہے۔ خواہ وہ آئینہ اندرونی ہو یا بیرونی۔ اللہ تعالیٰ نہ جہان کے اندر ہے اور نہ اس

سے باہر ہے۔ نہ جہان سے ملا ہوا اور نہ ہی الگ ہے۔ اسی واسطے جو بقاء حق آخرت میں حاصل ہونا ہے۔ اسے بھی بلا کیف ہی لکھا ہے۔ جو عقل و وہم کے احاطہ سے باہر ہے دنیا میں بھی یہ بھید خواص الخواص پر منکشف کیا ہے اگرچہ اسے رویت تو نہیں کہہ سکتے لیکن پھر بھی رویت ہی کی طرح ہے۔ یہ دولت عظمیٰ ایسی ہے۔ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے کے بعد بہت کم اشخاص کو نصیب ہوئی ہے۔ گو یہ بات آج کل بعید از قیاس معلوم ہوتی ہے اور اکثر لوگ اسے یقین نہیں کرتے۔ لیکن میں اس نعمت عظمیٰ کا اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ خواہ کوئی اندیش لوگ اسے مانیں یا نہ مانیں۔ یہ نسبت اس خصوصیت سے انشاء اللہ آخری زمانے میں حضرت مہدی موعود میں ظاہر ہوگی۔ اس شخص پر سلامتی ہوں۔ جس نے ہدایت کی پیروی کی اور جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فرمانبرداری کی اور آنحضرت ﷺ کی متابعت کو لازم جانا۔

منہا:- جب کوئی طالب کسی شیخ کی خدمت میں حاضر ہو۔ تو شیخ پہلے اس سے تین سے لے کر سات تک استخارہ کرائے۔ اگر استخاروں کے بعد طالب میں کسی قسم کا تذبذب پیدا نہ ہو۔ تو اس کے کام کو شروع کرے۔ سب سے پہلے اسے توجہ کا طریقہ سکھائے اور دو رکعت نماز توبہ پڑھنے کے لئے کہے۔ کیونکہ توبہ کئے بغیر اس راہ میں قدم رکھنا مفید نہیں پڑتا۔ لیکن توبہ کے حصول میں مجمل پر ہی اکتفا کرے۔ یہ نہ کرے کہ طالب اسی وقت ہی توبہ نصوحی کرے۔ بلکہ یہ کرے۔ کہ طالب آہستہ آہستہ تمام بری باتوں سے توبہ کر سکے گا۔ کیونکہ آج کل ہمتیں بالکل پست ہو گئی ہیں۔ اگر پہلے ہی مفصل توبہ کی تکلیف دی جائے۔ تو اس کے لئے عرصہ درکار ہے۔ ممکن ہے۔ اس عرصہ میں طالب اس کام سے ہمت ہار جائے۔ بلکہ توبہ ہی کو سرانجام نہ دے سکے۔ جب توبہ مجمل ہو چکے تو پھر طالب کی استعداد کے موافق خاص طریقہ کی تعلیم کرے اور جو ذکر اس کی قابلیت کے مناسب ہو تلقین کرے اور اس کے کام میں اپنی توجہ صرف کرے اور اس کے حال کو مد نظر رکھے اور راستے کے آداب و قواعد اور شرائط اسے بتادے کتاب و سنت اور آثار سلف صالحین کی متابعت کی ترغیب دلائے اور اس کے ذہن نشین کر دے۔ کہ اس متابعت کے بغیر مطلوب حاصل نہیں ہو تا اور اس کو جتنا دے کہ جو کشف و خواب کتاب و سنت سے بال بھر بھی اختلاف رکھتا ہو۔ وہ قابل اعتبار نہیں۔ بلکہ اس سے استغفار کرنی چاہئے اور اس بات کی نصیحت کرے۔ کہ عقائد کو فرقہ ناجیہ یعنی اہل سنت و جماعت کی رائے کے موافق صحیح کرے اور اس بات کی تاکید کرے۔ کہ وہ فقہ کے ضروری احکام سیکھ کر ان پر عمل کرے۔ کیونکہ اس راہ میں بغیر ان دو بازوؤں یعنی اعتقاد اور علم کے اڑنا محال ہے۔ نیز اس بات کی سخت تاکید کرے۔ کہ مشتبہ اور حرام لقمہ میں نہایت احتیاط سے کام لے۔ جو کچھ یا جہاں سے مل جائے نہ کھائے۔ تاوقتیکہ اس کا

کھانا شرعاً جائز نہ ہو۔ مختصر یہ کہ تمام کاموں میں اس آیت کریمہ کو ملحوظ و مد نظر رکھے قولہ تعالیٰ مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا جو کچھ رسول خدا ﷺ نے کرنے کے لئے فرمایا۔ اسے کرو اور جس سے منع فرمایا ہے۔ اس سے باز آ جاؤ طالب دو حالتوں سے خالی نہیں یا اہل کشف و معرفت ہیں یا صاحب جہل و حیرت۔ لیکن جب پردے اٹھ جاتے ہیں اور منزلیں طے ہو جاتی ہیں۔ تو اس وقت دونوں برابر ہوتے ہیں۔ یعنی پہنچ جانے میں یکساں ہوتے ہیں۔ مثلاً دو شخص دو دراز کی منزلیں طے کر کے جب کعبے پہنچ جائیں۔ ایک راہ میں ہر منزل پر نظارے دیکھتا آئے اور دوسرا آنکھوں پر ٹھیکری رکھ کر آئے۔ تو دونوں شخص کعبہ پہنچنے میں برابر ہیں۔ کسی کو دوسرے پر فوقیت نہیں۔ گوراہ کے نظاروں کے لحاظ سے ان میں فرق ہے۔ مطلوب کے پاس پہنچ جانے کے بعد دونوں کے لئے جہل لازم ہے۔ کیونکہ ذات الہی کی معرفت یہی ہے۔ کہ اس کی معرفت سے جہل و عجز کیا جائے۔

واضح رہے کہ سلوک کی منزلیں طے کرنے سے مراد دس مقامات کا طے کرنا ہے اور ان دس مقامات کا طے کرنا ان تین قسم کی تجلیات سے وابستہ ہے یعنی تجلی افعال تجلی صفات اور تجلی ذات ان مقامات سے سوائے مقام رضا کے سب تجلی افعال اور تجلی صفات کے متعلق ہیں۔ مقام رضا تجلی ذات سے وابستہ ہے۔ نیز محبت ذاتیہ کے متعلق ہے۔ جس میں محبت کی یہ حالت ہوتی ہے کہ محبوب کی طرف سے خواہ اسے تکلیف ہو یا آرام دونوں کر برابر سمجھے۔ جب ایسی حالت ہو جاتی ہے تو فی الواقع رضا حاصل ہوتی ہے اور کراہیت اٹھ جاتی ہے۔ اسی طرح باقی مقامات پر بدرجہ کمال پہنچنا بھی تجلی ذات کے وقت نصیب ہوتا ہے۔ جس سے فناء و اتم وابستہ ہے۔ لیکن نو مقامات کا نفس حصول تجلی افعال اور تجلی صفات میں ہو جاتا ہے۔ مثلاً جب یہ دیکھنا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ مجھ پر اور تمام اشیاء پر قادر ہے۔ تو بے اختیار توبہ کرتا ہے۔ ڈرتا ہے اور تقویٰ کو اپنی عادت بنا لیتا ہے۔ اس کی تقدیروں پر صبر کرنے لگتا ہے بے طاقتی و بے صبری چھوڑ دیتا ہے اور کسی نعمت کا دینا یا روکنا اسی سے یقین کرتا ہے۔ جب چاہتا ہے کہ نعمتوں کا مولا وہی ہے اور چاہے دے چاہے نہ دے۔ تو ناچار شکر گزار بنتا ہے اور توکل میں راسخ قدم ہو جاتا ہے۔ جب مہربانی اور نرمی متجلی ہوتی ہے تو مقام رجا آتا ہے۔ جب اس کی عظمت اور کبریائی کا مشاہدہ کرتا ہے اور دنیائے دوں اس کی نگاہوں میں خوار و بے اعتبار دکھائی دینے لگتی ہے۔ تو مجبوراً دنیا سے دل ہٹا لیتا ہے۔ فقر اختیار کرتا ہے اور زہد کو اپنا طریقہ بنا لیتا ہے لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ یہ مقامات مفصل و ترتیب وار صرف سالک مجذوب کو حاصل ہوتے ہیں۔ مجذوب سالک ان مقامات کو مجمل طور پر طے کرتا ہے۔ کیونکہ عنایت نرمی نے اسے ایسی محبت میں گرفتار کیا ہے کہ وہ بالتفصیل ان مقامات میں مشغول نہیں ہو سکتا۔ اسی محبت کے ضمن میں اسے ان مقامات کا وہ لب لباب اور ان منازل کا وہ خلاصہ پورا پورا حاصل ہو

جاتا ہے۔ جو صاحب تفصیل کو بھی نصیب نہیں ہوتا۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اَتَّبَعَ الْهُدٰی
 منہا:۔ طالب کو چاہئے کہ اندرونی و بیرونی باطل معبودوں کی نفی کی کوشش کرے اور معبود حقیقی
 کے اثبات کیلئے جو کچھ اس کے ہم و خیال آئے اسے بھی برطرف کر دے صرف اس کو موجودیت
 پر اکتفا کرے اگرچہ اس مکان میں وجود کی بھی گنجائش نہیں اسے وجود کے علاوہ تلاش کرنا چاہئے علمائے
 اہل سنت نے یہ خوب کہا ہے کہ واجب تعالیٰ کا وجود اس کی ذات اقدس پر زائد ہے وجود کو ہمیں ذات کہنا
 اور وجود کے سوائے کسی اور بات کا ثابت نہ کرنا نظر کی کوتاہی کی وجہ سے ہے۔ شیخ علاؤالدولہ فرماتے ہیں
 کہ عالم وجود کے اوپر ملک و دود کا عالم ہے۔ مجھے (حضرت مجدد الف ثانی) عالم وجود سے اوپر گزارا۔ تو کچھ
 عرصہ میں مغرب الحال رہا اپنے آپ کو علم تقلید کی رو سے اپنے آپ کو مسلم خیال کرتا رہا۔ مختصر یہ کہ
 جو کچھ ممکن کے حوصلہ میں آتا ہے۔ وہ بدرجہ ادنیٰ ممکن ہوتا ہے وہ ذات پاک ہے۔ جس نے اپنی طرف
 خلقت کی راہ سوائے اس کے اور کوئی نہیں بنائی کہ اس کی معرفت سے عاجزی ظاہر کی جائے اس سے یہ
 خیال نہ کہ اس فنا فی اللہ بقا۔ سے ممکن واجب ہو جاتا ہے کیونکہ ایک تو ایسا ہونا محال ہے اور
 دوسرے اس سے قلب حقائق لازم آتا ہے۔ پس جب ممکن واجب نہیں ہو سکتا۔ تو ممکن کو واجب تعالیٰ
 کے اوروں کے سوائے عجز کے اور کیا حاصل ہو سکتا ہے۔

عنقا شکار کس نشود دام باز چین کایں جا ہمیشہ باد بدست است دام را

بلند ہمت اشخاص اس طرح مطلب کو چاہتے ہیں کہ اس سے کچھ بھی ہاتھ نہیں آتا اور اس کا نام
 و نشان تک پیدا نہیں ہوتا۔ بعض ایسے ہیں کہ کسی خاص مطلب کے متوالے ہوتے ہیں۔ تو اسی کو اپنا
 عین پا کر اس سے قرب و معیت پیدا کرتے ہیں۔ مصرعہ آں ایشانند من چہ نیم یارب۔ والسلام۔
 منہا:۔ حضرت خواجہ نقشبند قدس اللہ تعالیٰ سرہ الاقدس فرماتے ہیں کہ ہر ایک شیخ کے آئینے
 کے دور رخ ہوتے ہیں لیکن میرے آئینے کے چہ رخ ہیں۔ اس میں کلام نہیں کہ آج تک اس بزرگ
 خانوادہ کے کسی خلیفہ نے اس کلمہ قدسیہ کی شرح بیان نہیں کی بلکہ اشار نا اور کنایتا بھی اس بارے میں
 کوئی بات نہیں کی۔ مجھ حقیر و قلیل البصاعت کی کیا حیثیت کہ اس کی شرح کی جرأت کر سکے اور اس کی
 کشف کے لئے زبان کھولے۔ لیکن چونکہ حق تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے اس معما کا بھید مجھ پر
 منکشف فرمایا ہے اور کما حقہ اس کی حقیقت مجھ پر ظاہر فرمائی ہے۔ اس واسطے اس پوشیدہ بھید کو بیان کی
 انگلیوں سے رشتہ تحریر میں پروتا ہوں اور زبان ترجمان سے بھی تقریر میں لاتا ہوں۔ استخارہ کے بعد
 اور اللہ تعالیٰ سے غلطی سے بچنے اور توفیق کی دعا کر کے شروع کرتا ہوں۔ واضح رہے کہ آئینہ سے مراد
 عارف کا دل ہے جو روح اور نفس کے مابین برزخ (وسیلہ) ہے۔ آئینے کے دور رخوں سے مراد ایک رخ

روح کا اور دوسرا رخ نفس کا لیا ہے جس وقت مشائخ مقام قلب پر پہنچتے ہیں تو ان دونوں رخوں سے وہ علوم و معارف جو قلب کے مناسب ہوتے ہیں منکشف ہونے لگتے ہیں۔ برخلاف اس کے حضرت خواجہ نقشبند قدس اللہ سرہ العریز کے طریقہ میں ہدایت ہی میں نہایت مندرج ہے۔ اس طریقہ میں آئینہ کے چھ رخ ہو جاتے ہیں اس کی مفصل حقیقت یہ ہے کہ اس طریقہ عالیہ کے بزرگوں پر منکشف ہو رہے کہ جو کچھ تمام افراد انسانی میں ثابت ہے وہ چھ لطیفوں سے اکیلے دل میں متحقق ہے۔ ان چھ طرفوں سے مراد نفس، قلب، روح، سرخفی، اخفی لئے ہیں۔ باقی تمام مشائخ کی سیر قلب کے ظاہر تک محدود ہے۔ لیکن نقشبندیہ بزرگوں کی سیر قلب کے باطن تک بلکہ اس سیر کے ذریعے اس کے اندرونی سے اندرونی نقطے تک ہے اور انہیں ان چھ لطیفوں کے علوم و معارف مقام قلب میں منکشف ہوتے ہیں۔ لیکن وہ علوم منکشف ہوتے ہیں۔ جو مقام قلب کے مناسب ہیں۔ یہ ہے حضرت خواجہ قدس اللہ سرہ الاقدس کے کلمہ قدسیہ کا بیان۔ مجھ حقیر کو ان بزرگوں کی برکت سے اور زیادہ تحقیق و تدقیق معلوم ہوئی۔ سو میں اس تحقیق و تدقیق میں سے کچھ اشارتاً اس آیت کریمہ کے بموجب ”واما بنعمۃ ربک فحدث“ بیان کرتا ہوں۔ واضح رہے کہ قلب قلب میں بھی قلب کی طرح لطائف پائے جاتے ہیں۔ لیکن قلب قلب میں یاد ارہ کی تنگی یا کسی اور بھید کی وجہ سے مذکورہ بالا چھ لطیفوں میں سے دو لطیفے بطریق جزو یعنی لطیفہ نفس اور لطیفہ اخفی ظاہر نہیں ہوتے اور یہی حالت اس دل کی ہے جو تیسرے مرتبے میں ہو۔ کیونکہ اس میں خفی بھی ظاہر نہیں ہوتا اور یہی حالت اس دل کی ہے جو چوتھے مرتبے میں ہو کیونکہ اس میں صرف قلب و روح کا ظہور ہوتا ہے۔ سر کا نہیں ہوتا۔ پانچویں مرتبے میں لطیفہ روح کا بھی ظہور نہیں ہوتا۔ صرف قلب ہی قلب رہ جاتا ہے جو بسیط محض اور ناقابل اعتبار ہے اس موقع پر بعض معارف عالیہ کا معلوم کرنا ضروری ہے تاکہ ان کے ذریعے واضح ہو جاوے کہ نہایت نہایت اور غایت الغایت سے کیا مراد ہے میں ان معارف کو بتوفیق الہی بیان کرتا ہوں۔ وہ یہ کہ جو کچھ عالم کبیر میں مفصل طور پر ظاہر کیا گیا ہے۔ وہ عالم صغیر میں مجمل طور پر ظاہر ہوتا ہے۔ عالم صغیر سے میری مراد انسان ہے۔ پس جب عالم صغیر کو صیقل کر کے منور کر لیا جاتا ہے۔ تو اس میں آئینے کی طرح عالم کبیر کی تمام چیزیں مفصل دکھائی دینے لگتی ہیں۔ کیونکہ صیقل اور منور کرنے سے اس کا احاطہ وسیع ہو جاتا ہے اس وقت صغیر کا لفظ اس پر عاید نہیں ہوتا اور یہی حالت اس دل کی ہے جس کو عالم صغیر سے وہی نسبت ہے۔ جو عالم صغیر کو عالم کبیر سے ہے جب دل کو صیقل کیا جاتا ہے اور اس سے تاریکی دور ہو جاتی ہے تو اس میں بطریق آئینہ عالم صغیر کی تمام چیزیں مفصل دکھائی دینے لگتی ہیں اور یہی نسبت قلب القلب اور قلب میں ہوتی ہے جو قلب اور عالم صغیر میں ہوتی ہے جب قلب القلب کا تصفیہ کر لیا

جاتا ہے۔ تو اس میں تمام چیزیں مفصل طور پر دکھائی دینے لگتی ہیں علیٰ ہذا القیاس دل تیسرے اور چوتھے اور پانچویں مرتبے میں بہ سبب صقالت و نورانیت سابقہ مراتب کی تمام چیزوں کو مفصلاً دکھلانے لگتا ہے اسی طرح جو دل پانچویں مرتبے میں بسیط محض اور ناقابل اعتبار ہوتا ہے جب اسے پورے طور پر صیقل کیا جاتا ہے تو اس میں عالم کبیر، صغیر اور صغیر اور بعد کے باقی تمام عوالم کی چیزیں مفصلاً دکھائی دینے لگتی ہیں۔ سو وہ تنگ لیکن سب سے فراخ اور بسیط سے بسیط نہایت چھوٹا۔ لیکن سب سے بڑا ہے اس وصف کی کوئی اور چیز اللہ تعالیٰ نے پیدا نہیں کی اس لطیفہ بدیعہ سے بڑھ کر کوئی چیز اللہ تعالیٰ سے مناسبت نہیں رکھتی اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے حدیث قدسی میں فرمایا ہے لَا يَسْعُنِي أَرْضِي وَلَا سَمَانِي وَلَكِنْ يَسْعُنِي قَلْبُ عَبْدِ الْمُؤْمِنِ میرے آسمان اور میری زمین میں میری گنجائش نہیں میں صرف اپنے مومن بندے کے دل میں سما سکتا ہوں۔

عالم کبیر اگرچہ بلحاظ ظہور نہایت وسیع ہے اور اس کی کثرت و تفصیل کی وجہ سے اسے اس چیز کے ساتھ جنس میں کثرت و تفصیل بالکل نہ ہو۔ کوئی مناسبت نہیں وہ تنگ لیکن بہت وسیع ہے اور بسیط الابطہ ہے بہت ہی تھوڑا ہے لیکن ساتھ ہی بہت ہی کثیر بھی ہے جب وہ عارف جو بلحاظ معرفت مکمل اور از روئے شہود اکمل ہو اس مقام پر پہنچتا ہے جو عزیز الوجود اور شریف رتبہ ہے تو وہ عارف تمام جہاں اور اس کے ظہورات کے لئے بمنزلہ دل ہو جاتا ہے تب اسے ولایت محمدیہ حاصل ہوتی ہے اور دعوت مصطفویہ سے مشرف ہوتا ہے قطب، اوتاد اور ابدال کبھی اس کی ولایت کے دائرہ کی تحت میں داخل ہوتے ہیں اور ہر قسم کے اولیاء اللہ مثلاً افراد و آحاد کبھی اس کے انوار ہدایت کے تحت مندرج ہیں کیونکہ وہ جناب رسول خدا ﷺ کا نائب منائب اور حبیب الہی کی ہدایت سے ہدایت یافتہ ہوتا ہے۔ یہ عزیز الوجود اور شریف نسبت مرادوں میں سے کسی ایک سے مخصوص ہوتی ہے مریدین کو یہ کمال نصیب نہیں ہوتا یہ بڑی نہایت اور آخری غایت ہے اس کے اوپر کوئی کمال نہیں اور اس سے عمدہ کوئی بخشش نہیں خواہ اس قسم کا عارف ہزار سال بعد پایا جائے تو بھی غنیمت ہے۔ اس کی برکت مدت مدید اور عرصہ بعید تک جاری رہتی ہے ایسے عارف کا کلام بمنزلہ دوا اور اس کی نظر بمنزلہ شفا ہوتی ہے اس آخری امت میں سے انشاء اللہ حضرت مہدی موعود اس نسبت شریفہ پر پائے جائیں گے یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہے عطا فرمائے اور اللہ تعالیٰ صاحب فضل عظیم ہے یہ دولت عظمیٰ سلوک و جذبہ کے دونوں رستے بالترتیب و بالتفصیل طے کرنے سے وابستہ ہے نیز فنائتم اور بقائے اکمل کو ایک ایک درجہ کر کے حاصل کرنے پر منحصر ہے سو یہ باتیں جناب سرور کائنات ﷺ کی فرمانبرداری کے بغیر نصیب نہیں ہو سکتیں اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے ہمیں آنحضرت ﷺ کی فرمانبرداری و پیروی عنایت فرمائی

ہم اللہ تعالیٰ سے آں حضرت کی متابعت کا کمال اس پر ثابت قدم رہنا اور آں حضرت کی شریعت کی استقامت مانگتے ہیں۔ آمین کہنے والے بندے پر اللہ تعالیٰ رحم کرے یہ معارف پوشیدہ اسرار اور مخفی رموز سے ہیں بڑے اولیاء میں سے کسی نے بھی ان کا ذکر نہیں کیا اور بڑے بڑے اصفیاء میں سے کسی نے بھی ان کی طرف اشارہ نہیں کیا اللہ تعالیٰ نے اپنے اس بندے کو اپنے حبیب ﷺ کے صدقے ان اسرار سے مطلع فرما کر ان کے ظاہر کردینے کا حکم فرمایا۔ کسی نے کیا اچھا کہا ہے۔

اگر بادشاہ برادر پیر زن بیاید تو اے خواجہ سہل کمن

اللہ تعالیٰ کی قبولیت کسی شے یا سبب پر منحصر نہیں جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو چاہتا ہے حکم کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت سے مخصوص کر لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ صاحب فضل عظیم ہے۔
وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّآلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم وَّبَارَكَ عَلٰی جَمِیْعِ الْاَنْبِیَاءِ
وَالْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی الْمَلَائِکَہِ الْمُقَرَّبِیْنَ وَعَلٰی عِبَادِہِ الصَّالِحِیْنَ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اَتَّبَعَ
الْهُدٰی وَالتَّزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ

منہا: روح بھی چونکہ عالم بیچونی سے ہے اس واسطے اس کے لئے بھی لامکان ہونا متحقق ہے لیکن اس کی بیچونی بمقابلہ وجوب ذات حق عین چوں ہے اور اس کا لامکان ہونا حقیقی لامکان کی لامکانیت کے سامنے عین مکانیت ہے گویا عالم ارواح اس عالم اور مرتبہ بیچونی کے مابین برزخ ہے چونکہ روح میں دونوں رنگ پائے جاتے ہیں۔ اس واسطے عالم بیچون اسے بے چوں جانتے ہیں لیکن اصلی بیچون کے مقابلہ میں عین چوں ہے یہ برزخ ہونے کی نسبت اسے اس کی اصلی فطرت کے اعتبار سے حاصل ہے لیکن جب اس (روح) کا تعلق اس کا ایک ہیکل اور قفس غصری سے ہو جاتا ہے تو عام برزخیت سے نکل کر بالتمام عالم چوں میں اتر آتا ہے اس واسطے بیچونی کا رنگ اس سے جاتا ہے اس کی مثال ہاروت کی سی ہے جیسا کہ مفسرین نے بیان کیا ہے کہ ارواح ملائکہ بعض خاص مصلحت کے لئے بشریت کی پستی میں اترے ہیں۔ پس اگر عنایت الہی مدد کرے اور اس سفر سے لوٹ کر اپنی اصلی جگہ جاتے جو در حقیقت تنزل سے عروج ہے تو تاریک نفس اور بدن غصری بھی اس کی متابعت سے ضرور عروج حاصل کریں گے اور منزلیں طے کر لیں گے اس ضمن میں وہ مقصود بھی ظاہر ہو جائے گا جو روح کے تعلق اور اس کے نزول سے مطلوب تھا۔ نفس امارہ نفس مطمئنہ بن جائے گا اور ظلمانی نورانی سے بدل جائے گا جب روح اس سفر کو ختم کر لیتا ہے اور نزول کے مقصود کو انجام تک پہنچا لیتا ہے تو اصلی برزخیت پر پہنچتا ہے اور نہایت بدایت کی طرف لوٹنے وقت حاصل کرتا ہے چونکہ قلب بھی عالم ارواح سے ہے اس واسطے اسے بھی برزخیت میں وطن نصیب ہوتا ہے اور نفس مطمئنہ بھی جو عالم امر کا

رنگ رکھتا ہے کیونکہ وہ قلب و بدن کے مابین برزخ ہے اس جگہ اقامت کرتا ہے اور بدن غصری جو اربعہ عناصر کا بنا ہوا ہے۔ عالم کون و مکان میں قرار پکڑتا ہے اور طاعت و عبادت میں مشغول ہو جاتا ہے بعد ازاں اگر سرکشی اور مخالفت واقع ہوتی ہے تو اسے عناصر کی طبعیتوں سے منسوب کیا جاتا ہے۔ مثلاً جزو ناری جو بالذات سرکش اور مخالفت طلب ہے ابلیس لعین کی طرح ”انا خیر منه“ میں اس سے اچھا ہوں پکارے گا۔ نفس مطمئنہ سرکشی سے باز آچکا ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ سے راضی و ناسخ ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے سو جو ایک دوسرے سے راضی ہوں ان میں سرکشی کا خیال تک نہیں ہوتا اگر سرکشی ہے بھی تو قالب سے شاید جناب سرور کائنات ﷺ نے اس شیطانی سرکشی کو جہاد اکبر سے تعبیر فرمایا ہو۔ کیونکہ اس کی پیدائش بھی جزو قاسی ہے اور یہ جو فرمایا ہے اَسْلَمَ شَيْطَانِي اس سے مراد ہے میرے شیطان نے اسلام قبول کیا۔ یا تو شیطان ظاہری ہے جو آنحضرت کا قرین ہے لیکن جہاد اکبر والی حدیث میں اندرونی شیطان سے مراد ہے اگرچہ اس شیطان کی شان و شوکت کو بھی توڑا ہوا ہے اور وہ سرکشی سے باز آیا ہوا ہے لیکن پھر بھی جو شے کسی کی ذات میں داخل ہو وہ اس سے جدا نہیں ہو سکتی یہی از جسمی کے رود کہ خود رنگ است۔ یا اس سے مراد اندرونی شیطان ہے اس کے اسلام قبول کرنے سے لازم آتا ہے کہ اس نے سرکشی بالکل ترک دی ہو باوجود اسلام کے اگر عزیمت کو ترک کر کے رخصت کا مرتکب ہو تو جائز ہے اور اگر کوئی ایسا صغیرہ سرزد ہو جس میں نیکی نہ ہو تو بھی اس کی گنجائش ہے بلکہ نیکیوں کی نیکیاں مقربوں کے نزدیک برائی میں داخل ہیں۔ کبھی اسی قسم سے ہے یہ سب سرکشی کی قسمیں ہیں یہ سرکشی جو تھوڑی بہت اس میں باقی رہتی ہے وہ اس کی اصلاح و ترقی کے لئے ہے کیونکہ ان امور کے حاصل ہو جانے کے بعد جن میں کمی کا انتہائی درجہ ترک کے حصول سے بہتر ہے ایسی ندامت پشیمانی توبہ اور استغفار ہاتھ آتی ہے جو بے نہایت ترقیوں کا موجب ہوتی ہے جب بدن غصری اپنی جائے قرار میں آ جاتا ہے تو لطائف ستہ کی جدائی اور ان کے عالم امر میں چلے جانے کے بعد اس جہان میں ان کا خلیفہ بلا شک و شبہ یہی بدن رہ جاتا ہے اور یہی ان سب کے کام کرتا ہے بعد ازاں اگر الہام ہوتا ہے تو گوشت کے اسی ٹکڑے کو جو حقیقت جامعہ قلبیہ کا خلیفہ ہے اور اس حدیث نبوی مَنْ اَخْلَصَ لِلّٰهِ اَرْبَعَيْنِ صَبَاحًا ظَهَرَ ثَنَاءُ بَيْعِ الْحُكْمَةِ مِنْ قَلْبِهِ عَلٰی لِسَانِهِ جو شخص اخلاص سے چالیس دن اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے حکمت کے چشمے اس کے دل سے اس کی زبان پر جاری ہو جاتے ہیں میں قلب سے مراد واللہ اعلم یہی گوشت کا ٹکڑا ہے دوسری حدیثوں میں بھی یہی مراد مقرر ہے۔ جیسا کہ جناب سرور کائنات ﷺ فرماتے ہیں اِنَّهُ لِيُغَاثِ عَلٰی قَلْبِيْ بِشُكِّ مِرَّةٍ دل پر پردہ کیا جاتا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ پردہ اگر ڈھانپا ہوا ہے تو اس گوشت کے ٹکڑے پر نہ کہ حقیقت

جامعہ پر کیونکہ وہ تو بالکل پردے سے بری ہے دوسری حدیثوں میں دل کے پلٹنے کا ذکر آیا ہے چنانچہ جناب سرور کائنات ﷺ فرماتے ہیں۔ قُلُوبُ الْمُؤْمِنِينَ بَيْنَ أَصْبَعِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ مَوْسَمٍ كَادِلُ اللَّهِ تَعَالَى كِي دَوَائِكُمْ يَوْمَئِذٍ كَيْفَ هِيَ۔ نیز آں حضرت ﷺ نے فرمایا ہے قُلُوبُ الْمُؤْمِنِينَ كَبَرِيشَةٍ فِي أَرْضِ فَلَاةٍ مَوْسَمٍ كَادِلُ بَيَابَانِ كَيْفَ هِيَ گھاس کی طرح ہے نیز فرمایا ہے اَللّٰهُمَّ ثَبِّتْ قَلْبِي عَلٰى طَاعَتِكَ اے معبود! میرے دل کو اپنی طاعت پر ثابت رکھنا، پلٹنا اور عدم اسی گوشت کے ٹکڑے کیلئے ہے کیونکہ حقیقت جامعہ ہرگز نہیں پلٹی اس واسطے کہ وہ راسخ و مطمئن ہے جب حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے دل کے واسطے اطمینان کی درخواست کی تو اس وقت آپ کی مراد اسی گوشت کے ٹکڑے سے تھی۔ نہ کہ کسی اور چیز سے کیونکہ آپ کا حقیقی دل تو بلا شک و شبہ مطمئن تھا بلکہ آپ کا نفس بھی آپ کے حقیقی قلب کی سیاست کی وجہ سے مطمئن تھا عوارف المعارف کے مصنف قدس سرہ فرماتے ہیں کہ الہام اسی نفس مطمئنہ کی صفت ہے جو مقام قلب تک عروج کر گیا ہو اور بیشک تمکون و تقلب نفس مطمئنہ کی صفات ہیں اور یہ جیسا کہ ہم دیکھتے ہو مذکور بالا حدیثوں کی خلاف ہے اگر اس مقام سے جس کا ذکر شیخ صاحب نے لکھا ہے۔ عروج حاصل ہو اس واسطے کہ شیخ نے جب سے اس کی حقیقت معلوم کر لی ہے اب جو کچھ میں نے کہا ہے کہ اس کی صداقت بھی تم پر عیاں ہو گئی ہو گی کیونکہ کشف الہام اور اخبارات نبویہ میں باہمی مطابقت ہو گئی ہے اور یہ بھی تمہیں معلوم ہو گیا ہو گا کہ اسی گوشت کے ٹکڑے پر الہام ہوتے ہیں اور یہی خلیفہ ہے اور اسی کے احوال بدلتے رہتے ہیں اگر میرا کہنا بالفرض ہٹ دھرم اور اصل حقیقت سے قاصر و جاہل لوگوں کو ناگوار گزرے تو حدیث نبوی کا ان کے پاس کیا جواب ہے خود جناب سرور کائنات ﷺ فرماتے ہیں۔ اِنَّ فِيْ جَسَدِ بَنِي اٰدَمَ لِمَضْغَةٍ اِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَاِذَا فَسُدَّتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ اَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ اس میں شک نہیں کہ بنی آدم کے جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے جب وہ سنورا ہو او تو سارا جسم سنورا ہوتا ہے اور جب اس میں بگاڑ ہو تو تمام جسم میں بگاڑ ہوتا ہے اور وہ دل ہے آں حضرت ﷺ نے مبالغہ کے طور پر فرمایا ہے کہ دل وہ ہے اور سارے جسم کا سنورا نا بگڑنا اسی کے سنورنے بگڑنے پر منحصر ہے سو سنوار بگاڑ گوشت کے ٹکڑے کیلئے ہے نہ کہ قلب حقیقی کیلئے خواہ نیابت اور خلافت کے طریق پر ہی ہو۔ واضح رہے کہ جب روح جسم سے مُوتُوا قَبْلَ اَنْ تُمُوْتُوْا مرنے سے پہلے مر جاؤ والی موت کے سبب جدا ہو جاتی ہے تو عارف واصل اپنی روح کو نہ جسم میں داخل اور نہ اس سے خارج نہ اس سے ملی ہوئی اور نہ اس سے جدا پاتا ہے اسے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ روح اور جسم کا یہ تعلق اس واسطے ہے کہ جسم کی بھی اصلاح ہو جائے اور روح بھی اپنے اصلی کمال پر پہنچ جائے اور اس تعلق کا منشا یہی ہے یہ کہ نیکی اور بہتری ہو جائے اگر یہ

تعلق نہ ہوتا تو جسم سارے کا سارا شریر اور ناقص رہ جاتا اور یہی حالت ہے واجب تعالیٰ کی روح وغیرہ کے ساتھ کہ ذات حق نہ عالم میں داخل ہے نہ خارج نہ اس سے ملی ہوئی ہے اور نہ اس سے جدا۔ اللہ تعالیٰ کو جہاں سے پیدا کرنے باقی رکھنے کمالات کا فیض پہنچانے اور نعمت اور نیکیوں کیلئے مستعد بنانے کا تعلق ہے اگر تم یہ کہو کہ علمائے اہل حق نے روح کے بارے میں اس قسم کا کلام نہیں کیا بلکہ ایسا کرنے کو جائز ہی نہیں فرمایا اور آپ ہر چھوٹی بڑی بات میں ان کی موافقت کو لازم جانتے ہیں پھر آپ کے اس طرح کلام کرنے کی وجہ کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ روح کی حقیقت جاننے والے عالم بہت کم ہیں انہوں نے کمالات روح کے کشف کے متعلق مفصل کچھ نہیں لکھا بلکہ مجمل طور پر لکھنے پر اس واسطے اکتفا کی ہے کہ عوام الناس چونکہ اس کو اچھی طرح نہیں سمجھ سکتے ایسا نہ ہو کہ الٹا گمراہی میں پڑ جائیں بیشک کمالات روحی کمالات وجوبیہ کی شبیہ اور صورت ہیں ان میں ایک باریک فرق ہے جسے صرف علمائے راسخ ہی جانتے ہیں اس لئے انہوں نے مصلحت اسی میں دیکھی کہ اس کی حقیقت کو مجمل بیان کیا جائے یا بالکل نہ بیان کیا جائے لیکن وہ روح کے مذکورہ بالا کمالات کے منکر نہیں ہیں نے جو روح کے بعض خواص منکشف کئے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی مدد و توفیق اور جناب سرور کائنات ﷺ کے صدقے کشف صریح اور علم صحیح حاصل ہے اور ساتھ ہی مجھ سے وہ شبہ دور کر دیا گیا ہے جو بیان کرنے سے روکتا ہے اب غور و فکر کر دے جاننا بھی ضروری ہے کہ جس طرح جسم کو روح سے بے شمار فوائد حاصل ہوئے ہیں اسی طرح روح کو بھی جسم سے بڑے بڑے فوائد پہنچتے ہیں۔ چنانچہ جسم ہی کی حرکت سے اسے سننے دیکھنے بات کرنے مجسم ہونے مختلف افعال کرنے اور عالم اجتہاد سے مناسب ہونے کی طاقت نصیب ہوئی۔ جب نفس مطمئنہ روحانیوں سے مل جاتی ہے جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے تو عقل اس کی بجائے اس کا خلیفہ بن کر عالم اجتہاد میں بیٹھتی ہے اور اس کا نام عقل معاد ہو جاتا ہے اس وقت اس کی تمام سوچ بچار صرف آخرت کے لئے محدود ہو جاتی ہے دنیاوی زندگی کے اسباب کی طرف سے فارغ ہو جاتی ہے اور جو نور اسے عطا ہوا ہے اس کے سبب فراست کے لائق ہو جاتی ہے یہ مرتبہ کمالات عقل کا انتہائی مرتبہ ہے ناقص یہاں پر یہ اعتراض نہ کرے کہ کمالات عقل کا انتہائی مرتبہ نسیان معاش و معاد میں متحقق ہونا چاہئے کیونکہ شروع میں اسے سوائے حق سبحانہ تعالیٰ کے اور کسی کا خیال و اندیشہ نہیں ہوتا کیا دنیا کیا آخرت دونوں کی طرف سے فارغ ہوتی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ نسیان و فراموشی اسے اثنائے راہ میں مرتبہ فنا فی اللہ پر پہنچ کر حاصل ہوئی اور یہ کمال اس سے بدرجہا متجاوز ہے یہاں حصول جہلی کے بعد رجوع علم تحقیق جمع کے بعد فرق کالوٹ آنا اور مرتبہ جمع کے کفر طریقت کے بعد اسلام حقیقی حاصل ہوتا ہے کوہ اندیش اور احمق فلسفیوں نے عقل کے چار

مراتب ثابت کر کے انہیں پر اس کے کمالات کا انحصار رکھا ہے یہ ان کی کمال نادانی ہے عقل کی حقیقت اور اس کے کمالات کا اندازہ عقل و وہم سے نہیں ہو سکتا بلکہ اس مطلب کے لئے کشف صحیح اور الہام صریح درکار ہے جو انوار نبوت کی مشکوٰۃ سے مقتبس ہوں اگر یہ پوچھیں کہ مشائخ نے جو عقل کو روح کا ترجمان لکھا ہے اس کا کیا مطلب ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ علوم و معارف جو روحانی تلقی کے باعث مبداء فیاض سے حاصل ہوتے ہیں انہیں قلب جو کہ عالم ارواح سے ہے اخذ کرتا ہے ان کا ترجمان عقل ہے کہ ان کو چھانٹ کر عالم خلق کے گرفتاروں کی سمجھ کے لائق بناتا ہے کیونکہ اگر وہ ترجمانی نہ کرے تو ان کا سمجھنا مشکل بلکہ محال ہو جاتا ہے چونکہ دل گوشت کا لو تھڑا قلبی حقیقت جامعہ کا خلیفہ ہے اس واسطے وہ اصل کی طرح ہو گیا ہے اس کی تلقی بھی روحانی تلقی ہو گئی ہے اس واسطے اسے ترجمان کی ضرورت ہوئی ہے واضح رہے کہ عقل معاد پر ایک ایسا وقت بھی آتا ہے جو نفس مطمئنہ کی ہم سائیگی کے شوق کا باعث ہوتا ہے یہاں تک کہ نفس مطمئنہ کو اس کے مقام تک پہنچاتا ہے اور جسم کو خالی چھوڑتا ہے اس وقت تعلق تذکر و تعقل بھی قلبی مکڑے میں قرار پکڑتا ہے اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰی لِمَنْ كَانَ لَهُ قَلْبٌ صاحب قلب کے لئے اس میں ذکر ہے وہی قلب خود آپ ہی اپنا ترجمان ہو جاتا ہے اس وقت عارف کو قالب سے پالا پڑتا ہے ناری جزو جس کے وجود سے ”افا خیر منہ“ میں اس سے اچھا ہوں کی آواز نکلتی تھی فرمانبردار ہونے لگتا ہے اور ہوتے ہوتے اسلام حقیقی کے شرف سے مشرف ہو جاتا ہے تب ابلیسی جامہ اس سے اتار کر نفس مطمئنہ کے اصلی مقام میں پہنچاتے ہیں اور اس کا نائب منائب بنادیتے ہیں پس قالب میں قلب حقیقی کا خلیفہ یہی گوشت کا مکڑا ہے اور نفس مطمئنہ کا نائب مناب جزو ناری ہے۔

مصرعہ:- زرشد مس وجود من از کیمیائے عشق۔ جزو ہوائی روح سے مناسبت رکھتا ہے یہی وجہ ہے کہ سالک جب مقام ہوا تک عروج کر جاتا ہے۔ تو اسی ہوا کو حقانیت کا عنوان جاننے لگتا ہے اور اسی میں گرفتار رہتا ہے چنانچہ مقام روح میں بھی یہی شہود ہوتا ہے اور اس میں گرفتار رہتا ہے۔ ایک شیخ نے فرمایا ہے۔ کہ میں تیس سال روح کو خدا سمجھ کر اس کی پرستش کرتا رہا۔ لیکن جب اس مقام سے مجھے عبور حاصل ہوا۔ تو حق و باطل میں تمیز ہو گئی۔ یہ جزو ہوائی مقام روحی کی مناسبت کے سبب اس قالب میں روح کا قائم مقام ہوتا ہے اور بعض امور میں روحی ہی کا کام دیتا ہے۔ جزو آبی حقیقت جامعہ قلبیہ سے مناسبت رکھتا ہے۔ اسی واسطے اس کا فیض تمام اشیاء کو پہنچتا ہے۔ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَیٍّ ہم نے پانی سے تمام چیزوں کو زندہ کیا ہے اس کی بازگشت بھی یہی قلبی گوشت کا لو تھڑا ہے۔ جزو خاکی جو اس قالب کا جزو اعظم ہے۔ اپنی ذات صفات آلودگی کمینگی اور خست سے پاک ہو کر

اس غالب میں قالب و حاکم بن جاتا ہے۔ قالب میں ہر طرح کا حکم اسی کو حاصل ہوتا ہے اور اسی کا رنگ اختیار کرتا ہے۔ یہ بات اسے خاک کی جامعیت تامہ کے سبب حاصل ہوتی ہے۔ تمام اجزائے قالب درحقیقت اسی کے اجزاء ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کرہ زمین تمام عناصر افلاک کا مرکز ہے اور کرہ زمین کا مرکز تمام جہان کا مرکز ہے اس وقت قالب کا معاملہ بھی انجام تک پہنچ جاتا ہے اور عروج و نزول کا انتہائی درجہ حاصل ہو جاتا ہے اور اعلیٰ درجہ کی تکمیل نصیب ہو جاتی ہے۔ یہ ہے وہ نہایت جو بدایت کی طرف رجوع رکھتی ہے۔ واضح رہے کہ روح مع اپنے تواضع و مراتب کو بطریق عروج اپنی جائے قرار پر پہنچ چکی ہو۔ لیکن چونکہ ابھی اسے قالب کی تربیت کرنا ہوتی ہے۔ اس واسطے اس جہان کی طرف اس کے لئے متوجہ ہونا ضروری تھا۔ سو جب قالب کا معاملہ انجام تک پہنچ جاتا ہے۔ تو روح مع سر، خفی، اخفی، قلب نفس اور عقل جناب باری کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور اس قلب سے بالکل منہ پھیر لیتی ہے۔ اس وقت قالب بھی ہمہ تن مقام عبودیت کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے پس روح مع اپنے مراتب کے شہود و حضور کے مقام میں جگہ پکڑتی ہے اور غیر حق کی دید و دانش سے بالکل منہ پھیر لیتی ہے اور قالب سر بسر مقام طاعت و بندگی میں راسخ ہو جاتا ہے۔ اس مقام کو ”فرق بعد الجمع“ وصال کے بعد جدائی کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی کی لذت کی توفیق عنایت کرتا ہے مجھے اس مقام میں خاص قدم حاصل ہے اور اس خاص قدم سے مراد روح کا مع اپنے مراتب کے عالم خلق کی طرف لوٹنا ہے۔ تاکہ حق سبحانہ تعالیٰ کی طرف بلائے۔ اس وقت روح بمنزلہ قالب ہوتی ہے اور اس کی تابع ہوتی ہے یہاں تک نوبت پہنچ جاتی ہے کہ اگر قالب حاضر ہے۔ تو روح بھی حاضر ہے اگر قالب غافل ہے تو روح بھی غافل ہے مگر نماز کے وقت خواہ قالب غافل ہی ہو روح مع اپنے مراتب بارگاہ قدس کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔ اس واسطے نماز مومن کی معراج ہے۔ واضح رہے کہ یہ رجوع واصل جو بالتمام واقع ہوتا ہے۔ دعوت کا سب سے کامل مقام ہے۔ یہ غفلت جمع کثیر کے حضور کا سبب ہے۔ غافلوں کو اس غفلت کی خبر نہیں اور حاضروں کو اس رجعت کا علم نہیں۔ یہ مقام بظاہر برا لیکن باطن اچھا ہے۔ ہر ایک کو تہ اندیش اسے نہیں سمجھ سکتا اگر میں اس غفلت کے کمالات بیان کروں تو کوئی شخص بھی حضور کی آرزو نہ کرے۔ یہ وہ غفلت ہے جس نے خواص بشر کو خواص ملک پر فضیلت دی۔ یہ وہ غفلت ہے جس کے سبب جناب سرور کائنات ﷺ رحمت عالمیان بنے یہ وہ غفلت ہے جو ولایت سے نبوت تک پہنچاتی ہے۔ یہ وہ غفلت ہے جو نبوت سے رسالت تک لے جاتی ہے یہ وہ غفلت ہے جو اولیائے عشرت کو اولیائے عزلت پر زیادتی بخشتی ہے یہ وہ غفلت ہے جو جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صدیق اکبر پر سبقت دیتی ہے۔ یہ وہ غفلت ہے جو ہوش کو مستی پر ترجیح دیتی ہے یہ وہ غفلت ہے جو

نبوت کو ولایت سے افضل بناتی ہے۔ یہ وہ غفلت ہے جس کے سبب قطب ارشاد قطب ابدال سے افضل سمجھا جاتا ہے۔ یہ وہ غفلت ہے جس کی آرزو صدیق اکبر کیا کرتے تھے چنانچہ فرماتے ہیں يَا لَيْتَنِي صَحُوْتُ مُحَمَّدًا كَاشَ مُحَمَّدٍ كِي سِي هُوشِ مُجْه نَصِيبِ هُوْتِي۔ یہ وہ غفلت ہے کہ حضور اس کا ایک ادنیٰ خادم ہے یہ وہ غفلت ہے کہ وصول اس کے حصول کا پیش خیمہ ہے یہ وہ غفلت ہے کہ بظاہر تنزل ہے لیکن حقیقت میں عروج ہے یہ وہ غفلت ہے۔ جس سے خواص پر عوام کا شبہ پڑتا ہے اور ان کے کمالات کے قبول میں پھرتی ہے۔ ع۔ اگر بگوئیں شرح ایس بجد شود۔ یہ مشتے نمونہ از خروارے اور سمندر میں سے قطرہ کے مطابق لکھا گیا ہے۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اَتَّبَعَ الْهُدٰی وَالتَّوَمُّ مُتَابَعَةُ الْمُصْطَفٰی عَلَیْهِ وَ عَلٰی اِلٰهِ مِنَ الصَّلَوَاتِ وَالتَّسْلِيْمَاتِ اَتَمُّهَا وَ اَكْمَلُهَا

منہا:- حضرت ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام انبیاء علیہم السلام میں تجلی ذاتی سے ممتاز ہیں اور اس دولت سے جو تمام کمالات سے بڑھ کر ہے مخصوص ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کامل تابعین کو بھی اس خاص مقام سے مفاد حاصل ہوتا ہے۔ لیکن یاد رکھنا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ امت محمدی کے کامل باقی تمام انبیاء سے افضل ہیں یہ اہل سنت و جماعت کے اعتقاد کے سراسر خلاف ہے۔ یہ فضیلت جزئی نہیں کہ اس سے شبہ رفع ہو سکے بلکہ کلی ہے کیونکہ مردان خدا کو بسبب قرب الہی فضیلت حاصل ہوتی ہے اور جو فضیلت سے کم ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ کہنے سے کہ اس امت کے کامل آدمیوں کو اس فضیلت سے نصیب حاصل ہے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ اس مقام کے واصل ہیں کیونکہ نصیب حاصل ہونے اور واصل ہونے میں بڑا فرق ہے فضیلت واصل ہونے پر حاصل ہوتی ہے اس امت کے کاملوں کا انتہائی عروج اتمام انبیاء علیہم السلام کے نیچے تک ہے چنانچہ امیر المومنین صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جو انبیاء کے بعد تمام بنی نوع انسان سے افضل ہیں کا انتہائی عروج قدم نبی کے تلے تک ہے جو تمام انبیاء سے ادنیٰ ہے۔ آدم بر سر مطلب اس امت کے کامل تابعین کو مقام تحت میں پیغمبروں کے مخصوصہ مقام فوق الفوق کے کمالات سے نصیب حاصل ہوتا ہے۔ خادم خواہ کہیں ہو اسے مخدوم کا پس خوردہ پہنچ رہتا ہے۔ دور کا خادم مخدوم کے طفیل سے وہ چیز حاصل کر سکتا ہے۔ جو خدمت کی دولت کے بغیر نزدیکوں کو بھی ہاتھ نہیں آئی۔

در قافلہ کہ اوست د انم نرسم ایس بس کہ رسد ز دور بانگ جرسم

واضح رہے کہ کبھی مریدوں کو اپنے پیروں کے حق میں یہ وہم پیدا ہوتا ہے۔ چنانچہ جب وہ پیروں کے مقامات حاصل کر لیتے ہیں تو خیال کرنے لگتے ہیں کہ ہم اور ہمارے پیروں برابر ہیں۔ لیکن معاملہ کی اصل حقیقت وہی ہے جو اوپر بیان ہوئی ہے برابری اسی واسطے ہوئی جب اس مقامات پر پہنچ جائیں نہ کہ

حاصل ہو جائیں۔ کیونکہ حصول طفیلی ہے اس سے یہ بھی خیال کرنا چاہئے کہ مرید اپنے پیر کے مساوی نہیں ہوتا۔ ایسا نہیں ہوتا۔ بلکہ مساوی ہونا جائز ہے اور ایسا ہوا ہے لیکن کسی خاص مقام کے حصول اور اس کے وصول میں بڑا باریک فرق ہے ہر مرید کو یہ دولت نصیب نہیں ہوتی۔ اس فرق کو معلوم کرنے کے لئے کشف صحیح اور الہام صریح درکار ہے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْمُلْهِمُ بِالْصَّوَابِ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اتَّبَعَ الْهُدٰی

منہا: ایک درویش نے پوچھا۔ اس کا کیا سبب ہے کہ سالک طریقت پر ایسی حالت بھی آتی ہے کہ عرصہ نہ آگے بڑھتا ہے نہ پیچھے ہٹتا ہے کہ بعد ازاں پوشیدہ ہو جاتا ہے مدت بعد پھر وہی حالت ظاہر ہوتی ہے۔ پھر عرصہ بعد پوشیدہ ہو جاتا ہے اور جب تک اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے ایسا ہی ہوتا رہتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ آدمی میں سات لطیفے ہیں ہر ایک لطیفے کی مدت سلطنت جدا جدا ہے۔ پس اگر کوئی قوی حالت ان میں سے نہایت لطیف پر نزول فرمائے تو سالک کی کلیت اس لطیفے کے رنگ میں رنگی جاتی ہے اور وہ حال تمام لطائف میں سرایت کر جاتا ہے اور جتنی اس لطیفے کی مدت سلطنت مقرر ہوتی ہے اتنا عرصہ وہ حالت قائم رہتی ہے جب وہ عرصہ گزر جاتا ہے تو وہ حالت بھی زائل ہو جاتی ہے مدت بعد اگر پھر وہی حالت طاری ہو جائے۔ تو دو حال سے خالی نہیں یا تو پھر اسی پہلے لطیفے پر لوٹ آتا ہے اس وقت راہ ترقی سالک کے لئے مسدود ہو جاتی ہے یا دوسرے لطیفے پر وارد ہو رہے اس صورت میں ترقی کی راہ کھل جاتی ہے اور دوسرے لطیفے میں بھی پہلے لطیفے کی سی حالت طاری ہوتی ہے پھر اس حالت کے زائل ہونے کے بعد اگر وہی حالت طاری ہو تو مذکورہ بالا دو حالتوں سے خالی نہیں اسی طرح سارے لطائف میں یہ حالت ہوتی ہے پس اگر وہ وارد تمام لطائف میں بطریق اصالت سرایت کرے تو ایک مقام سے دوسرے میں منتقل ہوتا ہے اور زوال سے محفوظ رہتا ہے اللہ تعالیٰ حقیقت حال کو اچھی طرح جانتا ہے۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَيِّدِ الْبَشَرِ وَالِہِ الْاَظْہَرُ۔

منہا: قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی یٰۤاَيُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰکُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ کُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ اے ایمان والو! جو کچھ ہم نے تمہارا رزق مقرر کیا۔ اس میں سے پاکیزہ کھاؤ اور اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاؤ۔ اگر تم اسی کی پرستش کرتے ہو۔ ممکن ہے کہ یہ کھانے کے حکم کی قید من طیبات مارزقناکم یعنی لذیذ چیزیں کھاؤ۔ جو ہم نے تمہارے لئے بطور رزق مقرر کی ہیں۔ بشرطیکہ تم بذریعہ عبادت اسے مخصوص اور درست کر لو۔ اگر تم اسے درست نہ کرو بلکہ لہو و لعب میں مشغول ہو۔ تو ملذذ اشیاء کا استعمال نہ کرو۔ کیونکہ تم مرض باطنی میں مبتلا ہو اور ملذذ اشیاء تمہارے لئے زہر قاتل ہیں جب تم سے باطنی مرض زائل ہو جائے۔ تو پھر تمہارے لئے ملذذ اشیاء کا استعمال درست ہو سکتا ہے۔ صاحب

کشاف نے لکھا ہے کہ طلبِ شکر کو ملحوظ رکھتے ہوئے طیبات سے مراد لذیذ اشیاء ہیں۔

منہا:- بعض مشائخ قدس اللہ اسرار ہم نے فرمایا ہے مَنْ عَرَفَ اللّٰهَ لَا يَضُرُّهُ ذَنْبٌ جو شخص اللہ تعالیٰ کو پہنچا لیتا ہے۔ اسے گناہ نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ یعنی وہ گناہ جو خدا شناسی حاصل ہونے سے پہلے سرزد ہوئے تھے۔ کیونکہ اسلام تمام ان باتوں کو قطع کر دیتا ہے۔ جو اس سے پہلے ظہور میں آئی ہوں۔ اسلام کی حقیقت سے مراد صوفیاء کے طریقے کے موافق فنا و بقا حاصل ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ کی شناخت کا حاصل ہونا ہے۔ سو ایسی خدا شناسی ان تمام گناہوں کو جو اس سے پہلے سرزد ہوئے ہیں۔ زائل کر دیتی ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہاں گناہ سے مراد وہ گناہ ہوں جو اس معرفت کے بعد سرزد ہوئے ہوں اور ان سے مراد گناہِ صغیرہ ہوں۔ کیونکہ اولیاء اللہ کبیرہ گناہوں سے محفوظ ہوتے ہیں۔ صغیرہ گناہ اس واسطے نقصان نہیں دے سکتے۔ کہ انہیں چھپایا اور جس وقت کوئی صغیرہ ظہور میں آتا ہے۔ اسی وقت توبہ و استغفار سے اس کا تدارک کیا جاتا ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ اس کے یہ معنی ہوں۔ کہ خدا شناسی کے بعد اس سے کوئی گناہ سرزد ہی نہیں ہوتا کیونکہ جب گناہ صادر ہی نہ ہو گا۔ تو نقصان کیونکر پہنچا سکے گا۔ یوں سمجھو کہ لازم کا ذکر کر کے ملزوم مراد لیا ہے۔ ملحدوں نے اس عبارت کے جو یہ معنی نکالے ہیں کہ عارف کے لئے گناہوں کا ارتکاب وسیع ہو جاتا ہے کیونکہ وہ اسے نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ یہ محض باطل اور صریح بے دینی ہے۔ یہ لوگ شیطانی گروہ ہیں۔ سنو شیطانی گروہ ہمیشہ نقصان اٹھاتے ہیں اے پروردگار ہدایت عطا کرنے کے بعد ہمارے دلوں کو معرفت عنایت فرما اور اپنی طرف سے رحمت عطا کر۔ واقعی تو بہت بخشے والا ہے "صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَسَلَّمَ وَبَارَكَ" وسیع مغفرت والے خدای تعالیٰ سے ہم امید کرتے ہیں کہ حقیقت اسلام سے واقف عارف کو خدا شناسی حاصل ہونے سے پہلے کے گناہ نقصان و تکلیف نہیں پہنچا سکیں گے خواہ وہ گناہ مظالم و حقوق العباد کے متعلق ہی کیوں نہ ہوں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ مالک علی الاطلاق ہے اور بندوں کے دل اس کی دوائیوں کے مابین ہیں جس طرح چاہتا ہے انہیں التا پلٹتا ہے۔ ظاہر ہے کہ مطلق اسلام سے مظالم و حقوق العباد کے سوا باقی گناہ منقطع ہو جاتے ہیں کسی چیز کی حقیقت اور اس کی کمالت کیلئے زیادتی ہوتی ہے۔ نہ کہ اس کے مطلق کے لئے۔

منہا:- حق سبحانہ و تعالیٰ اپنی ذات سے موجود ہے۔ نہ کہ وجود سے اس کے برخلاف تمام موجودات وجود سے موجود ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ کے موجود ہونے کے لئے وجود کا ہونا لازم نہیں۔ اگر حق سبحانہ و تعالیٰ اپنی موجودیت کے لئے وجود کا محتاج ہوتا۔ تو ہمیں وجود کی عینیت کا قائل ہونا پڑتا اور اس کے ثبوت کے لئے بڑی لمبی چوڑی دلیلیں دینی پڑتیں اور ایسا کرنے میں ہم جمہور اہل سنت والجماعت کی

مخالفت کرتے۔ کیونکہ یہ بزرگ عینیت وجود کے قائل نہیں۔ بلکہ وجود کو زائد خیال کرتے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ وجود کی زیادتی سے واجب الوجود کو غیر احتیاج لازم آتی ہے۔ اگر زائد وجود سے واجب تعالیٰ کو موجود کہیں اور خواہ بذات خود موجود کہیں اور اس وجود کو عرض عام فرض کریں۔ تو بھی اہل حق جمہور متکلمین کی بات درست ہوتی ہے اور احتیاج کا اعتراض جو مخالف لوگ کرتے ہیں بالکل دور ہو جاتا ہے۔ واجب تعالیٰ کو اپنی ذات سے موجود رکھنے اور اس میں وجود کو بالکل دخل نہ دینے میں اور اس وجود کو عین ذات ثابت کرنے میں بڑا واضح فرق ہے۔ یہ معرفت وہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے مجھے مخصوص فرمایا۔ اس بات کے لئے اللہ تعالیٰ کا شکر ہے۔ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِهِ

منہا:- حضرت واجب الوجود کی ایک یہ بھی خصوصیت ہے کہ وہ اپنی ذات سے موجود ہے اور اس موجودیت میں وجود کا مطلق محتاج نہیں۔ خواہ وجود کو عین ذات فرض کریں۔ خواہ ذات پر زائد برابر ہے۔ دونوں طرح ہی عینیت اور زیادتی خطرناک لازم آتی ہیں۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کی عادت یونہی جاری ہے کہ جو چیز مرتبہ وجوب میں ہے۔ اس کا نمونہ ہر مرتبہ امکان میں ظاہر کرتا ہے۔ خواہ وہ کسی کو معلوم ہو یا نہ ہو۔ اسی طرح کا اس خاصہ کا نمونہ عالم امکان میں وجود کو سنایا ہے۔ کیونکہ وجود گو موجود نہیں لیکن تاہم معقولات ثانویہ سے ضرور ہے لیکن اگر ہم اس کے وجود کو فرض کر بھی لیں۔ تو بھی وہ اپنی ذات سے موجود ہو گا۔ نہ کہ کسی اور وجود سے جیسا کہ عام طور پر مخلوق ہے یعنی عام مخلوق موجودیت کے لئے وجود کی محتاج ہے۔ کیونکہ مخلوق کی موجودیت کے لئے اس کی ذات ہی کافی نہیں۔ بلکہ وجود کی ضرورت پڑتی ہے۔ پس جب کہ ایسا وجود جسے چیزوں کی موجودیت میں مدخل بنایا ہے۔ اگر وہ موجود ہو گا۔ تو اپنی ذات سے موجود ہو گا اور کسی اور وجود کا محتاج نہ ہو گا۔ تو کیا تعجب ہے کہ موجودات کا خالق مستقل طور پر اپنی ذات سے موجود ہو اور وجود کا بالکل محتاج نہ ہو دور افتادوں کا اس بات کو بعید از عقل خیال کرنا خارج از بحث ہے۔ سو اللہ تعالیٰ ملہم بالصواب ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ امام ابو الحسن اشعری کے پیرو حکما اور بعض صوفی ذات الہی کے لئے عینیت وجود کے قائل نہیں۔ ان کی مراد بھی وہی ہے جو آپ نے بیان فرمائی ہے کہ واجب الوجود اپنی ذات سے موجود ہے۔ نہ کہ وجود سے تو اس کا جواب میں دوں گا۔ کہ اس لحاظ سے تو وہ اہلسنت سے متفق الرائے ہیں۔ کیونکہ اگر مخالف ہوتے تو اہل حق یہ کہتے کہ حق تعالیٰ وجود سے موجود ہے۔ نہ کہ ذات سے اس پہلو سے تو زیادتی وجود کا اثبات زائد ہے۔ پس زیادتی وجود کا اثبات اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ دونوں فریق نفس وجود کے بارے میں مختلف الرائے ہیں۔ مگر ان کا اختلاف رائے ہے تو حق تعالیٰ کے وصف کے بارے میں ہے۔ جو عینیت و زیادتی ہے یعنی دونوں فریق اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ وجود سے موجود ہے۔ صرف اختلاف ہے تو

عینیت و زیادتی کا ہے اگر یہ نہیں کہ جب واجب الوجود اپنی ذات سے موجود ہے۔ پھر واجب تعالیٰ کو موجود کہنے کے کیا معنی؟ موجود اسی کو کہتے ہیں جس کا کوئی وجود نہیں اور یہاں وجود کا ذکر تک نہیں اس کا جواب یہ ہے کہ واقعی وہ وجود جس سے ذات حق موجود ہو۔ واجب تعالیٰ میں مفقود ہے لیکن جو وجود بطور عرض عام ذات حق کے لئے کہا جاتا ہے اور بطریق اشتقاق گمان کیا جاتا ہے۔ اگر اس کے قیام کے لحاظ سے واجب الوجود کو موجود کہیں۔ تو اس میں گنجائش ہے اور اس سے کسی قسم کا استحالہ لازم نہیں آتا۔ والسلام۔

منہا:۔ میں ایسے خدا کی ہر گز پرستش نہیں کرتا۔ جو شہود کے احاطہ میں آجائے دکھائی دے معلوم ہو جائے اور وہم و خیال میں سما سکے۔ کیونکہ ظاہر ہونے والا دکھائی دینے والا معلوم ہو جانے والا۔ وہم و قیاس اور خیال میں آنے والا۔ شاہد۔ دیکھنے والے۔ عالم۔ وہم و خیال کرنے والے کی طرح مخلوق و محدث ہوتا ہے۔ مصرعہ آں لقمہ کہ درد ہاں کنجد ظلم سیر و سلوک کی اصلی غرض پر دو نکا پورا آتا ہے خواہ وہ حجاب و جوبی ہوں یا امکانی حتیٰ کہ بلا پر وہ وصل میسر ہو جائے نہ یہ کہ مطلوب کو قید میں لا کر شکار کریں۔

عنقا شکار کس نشود دام باز چیں کایں جا ہمیشہ باد بدست است دام را
باقی رہا کہ آخرت میں دیدار حق ہو گا۔ سو اس پر ہمارا ایمان ہے۔ لیکن ہم اس کی کیفیت اس واسطے بیان نہیں کرتے کہ عوام الناس اسے نہیں سمجھ سکتے۔ خواص اسے سمجھ سکتے ہیں کیونکہ انہیں دیدار الہی دنیا میں بھی نصیب ہوتا ہے۔ گواہ دیدار نہ ہی کہا جائے۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اَتْبَعَ الْهُدٰی
منہا:۔ جو چیز دید و دانش میں آسکتی ہے وہ تقید اور اطلاق کے معیار سے گری ہوئی ہے۔ لیکن مطلوب وہ ہے جو تمام قیود سے منزہ مبرا ہو۔ بس اسے دید و دانش کے علاوہ ڈھونڈنا چاہئے یہ معاملہ نظر عقل کے طور سے پرے ہے کیونکہ عقل دید و دانش کے پرے ڈھونڈنا محال جانتی ہے۔

راز درون پر وہ زردان مست پر س کیں حال نیست صوفیے عالی مقام را
منہا:۔ مطلق اپنے اطلاق کے معیار پر ہے۔ کسی قسم کی قید کا اس میں دخل نہیں لیکن چونکہ مقید کے آئینے میں ظاہر ہوتا ہے۔ اس واسطے اس کا عکس اس آئینے کے موافق رنگا جاتا ہے اور مقید و محدود دکھائی دیتا ہے۔ اس واسطے وہ دید و دانش میں آتا ہے۔ اگر ہم دید و دانش پر اکتفا کریں تو گویا ہم اس مطلوب کے ایک عکس پر اکتفا کرتے ہیں۔ بلند اشخاص اخروٹ و متقے سے سیر نہیں ہوتے اللہ تعالیٰ عالی ہمت آدمیوں سے پیار کرتا ہے۔ اے پرودگار! ہمیں بھی جناب سید البشر علیہ و علی آلہ الصلوٰت والتسلیمات کے صدقے عالی ہمت بنا۔

منہا:- شروع حال میں ایک روز کیا دیکھتا ہوں کہ میں ایک مکان میں طواف کر رہا ہوں اور کچھ اور لوگ بھی میرے ساتھ اس طواف میں شریک ہیں۔ لیکن وہ اس قدر سست رو ہیں کہ جتنے عرصہ میں میں ایک دفعہ طواف کرتا ہوں وہ صرف دو تین قدم اٹھاتے ہیں۔ اسی اثناء میں معلوم ہوا کہ یہ مکان فوق العرش ہے اور باقی کے طواف کرنے والے ملائکہ کرام ہیں صلی اللہ علیہم وسلم۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے۔ اپنی رحمت سے مخصوص کرتا ہے واقعی اللہ تعالیٰ صاحب فضل عظیم ہے۔

منہا:- اولیاء اللہ کے حجاب و پردے ان کی بشری صفات ہیں۔ جن چیزوں کی باقی تمام لوگوں کو ضرورت ہوتی ہے۔ ان بزرگوں کو بھی ہوتی ہے۔ ان کا ولی ہونا انہیں احتیاج سے بری نہیں سکتا۔ ان کی ناراضگی بھی عام آدمیوں کی ناراضگی کی طرح ہوتی ہے اور تو اور خود جناب سید الانبیاء علیہ السلام فرماتے ہیں اَغْضَبُ كَمَا يَغْضَبُ الْبَشَرُ میں بھی عام انسانوں کی طرح ناراض ہوتا ہوں۔ جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ کیفیت ہے۔ تو اولیاء اللہ کیونکر اس سے بری ہو سکتے ہیں۔ کھانے پینے اور اہل و عیال سے زندگی بسر کرنے اور ان سے انس کرنے میں اولیاء اللہ اور باقی آدمی شریک ہیں۔ مختلف تعلقات جو لازمہ بشریت ہیں خواص و عوام سے زائل نہیں ہو سکتے۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے حق میں فرمایا ہے۔ وَمَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا لَا يَأْكُلُونَ الطَّعَامَ ہم نے ان کے جسم بھی کھانا کھانے والے بنائے ہیں۔ ظاہر میں کفار کہتے ہیں کہ یہ کیسا رسول ہے کہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے پس جس کی نگاہ اولیاء اللہ کے صرف ظاہر پر پڑتی ہے وہ نعمت الہی سے محروم رہتا ہے اور دنیا و آخرت کا نقصان اٹھاتا ہے۔ اسی ظاہر بینی نے ابو جہل اور ابو لہب کو دولت اسلام سے محروم رکھا اور ابدی نقصان میں ڈالا باسعادت وہی شخص ہے جو اہل رتبہ کے ظاہر کا چنداں خیال نہیں کرتا۔ بلکہ اس کی نظر کی تیزی ان بزرگوں کے باطنی اوصاف تک پہنچتی ہے اور صرف ان کے باطن ہی کو دیکھتا ہے۔ اولیاء اللہ دریائے نیل کی طرح ہیں کہ مجھو بوں کے لئے بلا اور محبوبوں کے لئے پانی ہیں۔ یہ عجیب معاملہ ہے۔ کہ جس قدر صفات بشریت کا ظہور اہل اللہ میں ہوتا ہے باقی آدمیوں میں نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہموار اور مصفا مقام پر میل کچیل اور تاریکی خواہ تھوڑی بھی ہو۔ تو بھی زیادہ ظاہر ہوتی ہے اور ناہموار اور غیر مصفا مقام پر میل کچیل اور تاریکی خواہ زیادہ ہی ہو۔ کم دکھائی دیتی ہے۔ صفات بشریت کی تاریکی عوام الناس کے قلب و قالب اور روح و نفس میں سرایت کرتی ہے۔ لیکن خواص میں صرف قالب اور نفس تک محدود رہتی ہے اور خواص الخاص میں نفس بھی اس تاریکی سے بری ہوتا ہے صرف قالب تک محدود رہتی ہے۔ نیز یہ تاریکی عوام الناس کے لئے باعث نقصان و خسارہ ہے خواص میں موجب کمال و تروتازگی خواص ہی کی تاریکی عوام الناس

کی تاریکیوں کو زائل کرتی ہے ان کے دلوں کو صاف اور ان کے نفوس کو پاک کرتی ہے۔ اگر یہ تاریکی نہ ہوتی تو خواص کو عوام سے کوئی مناسبت نہ ہوتی اور فائدہ اٹھانے اور پہنچانے کی راہ بند ہو جاتی۔ یہ تاریکی خواص میں اتنا عرصہ نہیں رہتی۔ کہ انہیں میلا کر دے بلکہ اس کے بعد جو ندامت و استغفار ہاتھ آتی ہے وہ کئی کدرو توں اور تاریکیوں کو زائل کرتی ہے اور ترقی دیتی ہے یہی تاریکی ہے جو فرشتوں میں نہ ہونے کے باعث وہ ترقی نہیں کر سکتے۔ اس تاریکی پر لفظ تاریکی کا اطلاق ایسا ہے کہ بظاہر باعث مذمت ہے۔ لیکن بحقیقت موجب مدح ہے۔ عوام الناس جو ڈھور ڈنگروں کی طرح ہیں۔ وہ اہل اللہ کی صفات بشری کو اپنی صفات بشریت کی طرح خیال کرتے ہیں اس واسطے محروم و خوار رہتے ہیں۔ یوں سمجھو کہ وہ غائب کو باطل موجود پر قیاس کرتے ہیں۔ لیکن یاد رکھو۔ ہر مقام کی خصوصیتیں علیحدہ ہوتی ہیں اور محل کے لوازمات جدا۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اَتَّبَعَ الْهُدٰی وَالنَّزَمَ مُتَابِعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ الصَّلٰوٰتِ وَالتَّسْلِیْمٰتِ

منہا:- جب تک انسان علم و دانش میں گرفتار ہے اور ماسوا اللہ کے نقوش سے منقش ہے تب تک خوار و بے اعتبار ہے۔ ماسوا اللہ کو بھلا دینا راہ سلوک کی شرط ہے اور ماعد اکافنا کر دینا قدم پیش گاہ ہے جب تک باطنی آئینہ امکان کے زنگار سے صاف نہ ہو جائے حضرت وجوب کا ظہور محال ہے۔ کیونکہ علوم امکانی اور معارف وجوبی کا جمع ہونا گویا جمع اضداد ہے۔ یہاں پر ایک زبردست سوال پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ جب عارف کو بقا سے مشرف کر کے ناقصوں کی تعلیم کے لئے واپس لوٹاتے ہیں۔ تو جو علوم زائل ہو گئے تھے وہ پھر عود کر آتے ہیں۔ تو اس صورت میں علوم امکانی اور معارف وجوبی باہم جمع ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ یہ ضدیں ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ عارف باقی باللہ اس وقت برزخ ہوتا ہے۔ گویا وجوب اور امکان کے مابین وسیلہ ہے اور دونوں مقام کے رنگ سے رنگا ہوا ہوتا ہے۔ گویا یہی صورت میں اگر دونوں مقاموں کے علوم و معارف جمع ہو جائیں۔ تو کوئی مشکل نہیں۔ کیونکہ ضدین کے اجتماع کا مقام ایک نہیں رہتا، بلکہ کئی مقام ہو جاتے ہیں۔ سود و نون جمع نہیں کہلا سکتے۔

منہا:- چیزوں کے علوم جو مرتبہ فنا میں زائل ہو گئے تھے۔ بقا کے بعد اگر پھر لوٹ آئیں تو اس سے عارف کے کمال میں نقص لازم نہیں آتا۔ بلکہ ان کالوٹ آنا کمال پر دلالت کرتا ہے بلکہ اس کا کمال اسی لوٹ آنے پر وابستہ ہے۔ کیونکہ عارف بقا کے بعد اخلاق الہی سے متعلق ہو جاتا ہے واجب تعالیٰ میں اشیا کا علم عین کمال ہے اور اس کی ضد موجب نقصان ہے سو یہی حال عارف کا ہے۔ جو متعلق باخلاق اللہ ہوتا ہے۔ پس ضروری ہے کہ معلوم کی صورت کا حصول عالم پر اثر کرتا ہے جس قدر علم زیادہ ہو گا اسی قدر عالم میں تاثر بھی زیادہ ہو گا اور اس میں تغیر و تکون بھی زیادہ وسیع و وسیط ہو گا۔ یہ واقعی نقص ہے اس

واسطے طالب کے لئے ضروری ہے کہ ان تمام علوم کی نفی کرے اور تمام چیزوں کو فراموش کر دے۔ لیکن واجب تعالیٰ کے علم کی یہ کیفیت نہیں کیونکہ ذات الہی اس بات سے منزہ ہے کہ اس میں اشیائے معلومہ کی صورتیں حلول کریں بلکہ ان سے علم کا تعلق ہوتے ہی تمام اس سے منکشف ہو جاتی ہیں۔ پس وہ ذات پاک ہے جو حدوث مخلوق سے بلحاظ ذات صفات اور افعال بالکل نہیں بدلتا۔ جو عارف متخلق باخلاق اللہ ہو جاتا ہے۔ اس کا علم بھی اسی طرح کا ہوتا ہے۔ اس میں بھی اشیاء کے معلومات کی صورتیں حلول نہیں کر سکتیں۔ نہ اس کے حق میں تاثر ہوتا ہے۔ نہ تغیر و تبدل اور نہ ہی یہ بات اس کے لئے نقصان کا باعث ہوتی ہے۔ بلکہ موجب کمال ہوتا ہے۔ یہ اسرار الہی میں سے ایک پوشیدہ راز ہے اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے اسے وہ حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حرمت سے اس سے مخصوص کرتا ہے۔

منہا:- جب میں اپنے پیر کے وسیلے سے راہ حق کی طرف متوجہ ہوا۔ تو بارہویں سال مجھے مقام رضا سے مشرف فرمایا گیا پہلے نفس کو اطمینان عنایت فرمایا۔ بعد ازاں بتدریج فضل الہی سے یہ سعادت (مقام رضا) نصیب کی اور اس دولت سے اس وقت تک مشرف نہ ہوا جب تک رضائے الہی حاصل نہ ہوئی۔ پس نفس مطمئنہ اپنے مولیٰ سے راضی ہوا اور اس کا مولا اس سے راضی ہوا۔ اس بات کے لئے اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ مبارک مبارک والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ محمد وآلہ اگر یہ کہیں کہ جب نفس اپنے مولیٰ سے راضی ہو گیا۔ تو پھر دعا اور دفع بلا کی طلب کا کیا مطلب۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مولیٰ کے راضی ہونے سے اس کی مخلوق کی رضا لازم نہیں آتی بلکہ بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے۔ کہ مخلوق سے رضا بصورت کفر و معاصی بری ہوتی ہے۔ پس خلق قبیح سے راضی ہونا لازم اور نفس قبیح سے کراہت کرنا واجب ہے۔ جب مولیٰ نفس قبیح سے راضی نہیں ہو سکتا ہے۔ بلکہ بندہ اس صورت میں شدت و غلظت کے لئے مامور ہے۔ پس مخلوق سے کراہت کرنا اس کے خلق کی رضا کا منافی نہیں ہو سکتا اسی واسطے دفع بلا کا طلب ضروری ہے۔ جن لوگوں نے رضا حاصل ہو جانے کے بعد وجود کراہت میں مفعول سے کراہت اور فعل سے راضی ہونے میں فرق نہیں کیا۔ وہ شبہ میں رہے ہیں اسی شبہ کو دور کرنے کے لئے انہوں نے طرح طرح کے تکلفات سے کام لیا ہے اور کہا ہے کہ وجود کراہت حال رضا کا منافی ہے نہ مقام رضا کا سو حال اور مقام میں بوا فرق ہے۔ حق بات وہی ہے جو میں نے بذریعہ الہام الہی تحقیق کر دی ہے۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اَتَّبَعَ الْهُدٰی۔

منہا:- مدت تک میری یہ آرزو رہی کہ حنفی مذہب میں کوئی معقول وجہ ہو۔ تاکہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھی جائے۔ کیونکہ جب نماز میں قرآن شریف کا پڑھنا فرض ہے تو حقیقی قرأت سے

اعراض کر کے حکمی قرأت قرار دینا قرین قیاس معلوم نہیں ہوتا۔ حالانکہ حدیث نبوی میں بھی ہے۔ ”علیہ الصلوٰۃ والسلام“ لَا صَلَوةَ إِلَّا بِقَایِحَةِ الْکِتَابِ ”الحمد کے بغیر نماز نہیں ہوتی لیکن پاس مذہب مجبوراً ترک کرتا رہا اور اس ترک کو ریاضت و مجاہدہ خیال کرتا رہا۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے مذہب کے پاس کی برکت سے اس بات کی حقیقت مجھ پر ظاہر کر دی۔ کہ مذہب حنفی میں مقتدی کو امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ کیوں نہیں پڑھنی چاہئے۔ نیز مجھے قرأت حقیقی سے قرأت حکمی زیادہ اہم معلوم ہوئی۔ حقیقت یہ ہے کہ امام اور مقتدی دونوں مقام مناجات میں کھڑے ہوتے ہیں۔ جیسا کہ ”لَا اِنَّ الْمُصَلِّیْنَ یَنَاجِیْ رَبَّهُ“ نمازی اپنے پروردگار سے مناجات کرتا ہے سے ظاہر ہے امام کو اس کام میں پیشوا بناتے ہیں۔ پس جو کچھ امام پڑھتا ہے گویا وہ مقتدیوں کی طرف سے ہوتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے۔ جیسے کچھ لوگ کسی عظیم الشان بادشاہ کی خدمت میں کسی ضرورت کے لئے حاضر ہوں اور ایک کو اپنا پیشوا بنائیں تاکہ سب کی طرف سے وہ بادشاہ کی خدمت میں صورت حال عرض کرے اس صورت میں اگر دوسرے بھی پیشوا کے ساتھ ہی بولنے لگ جائیں۔ تو سخت بے ادبی ہے اور بادشاہ کی ناراضگی کا باعث ہے۔ پس ان لوگوں کی حکمی بات چیت پیشوا کی زبانی عرض کرنا حقیقی بات چیت سے بہتر ہے بعینہ یہی حال ہے۔ امام اور مقتدیوں کا کہ امام کی قرأت کے وقت مقتدیوں کا پڑھنا شور و فساد میں داخل اور دور از ادب ہے اور جدائی کا موجب ہے جو اجتماع کے منافی ہے اکثر مسائل حنفی و شافعی جن میں اختلاف ہے اس قسم کے ہیں کہ ظاہر میں شافعی پہلو کو ترجیح ہوتی ہے۔ لیکن باطن و حقیقت میں حنفی پہلو زبردست ہوتا ہے۔ مجھ پر یہ بھی ظاہر کیا گیا ہے کہ کلام حق میں جہاں جہاں فریقین کا اختلاف ہے اس میں حنفی حق بجانب ہیں کہ تکوین ایک علیحدہ صفت ہے۔ علیٰ ہذا القیاس۔ فقہی خلافت میں اکثر مسائل میں یقیناً حنفی حق بجانب ہی بہت کم مسائل ایسے ہیں جن میں فریق ثانی کو ترجیح حاصل ہے۔ مجھے تو سب سے حال ایک رات جناب پیغمبر خدا ﷺ نے فرمایا کہ تم علم کلام کے ایک مجتہد ہو اس وقت سے لے کر مسائل کلامیہ میں میری رائے خاص اور میرا علم مخصوص اکثر مسائل خلافیہ جن میں ماتریدیہ اور اشاعرہ کا خلاف ہے شروع مسئلہ میں اشاعرہ حق بجانب معلوم ہوتے ہیں لیکن جب نور فراست سے دیکھا جائے تو واضح ہو جاتا ہے کہ ماتریدیہ حق بجانب ہیں۔ علم کلام کے متعلق تمام مسائل خلافیہ ہیں۔ میری رائے علمائے ماتریدیہ کی رائے کے موافق ہے واقعی ان بزرگوں کی شان بہ سبب پیروی سنت نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتَّجِیُّہُ نہایت عظیم ہے ان کے مخالفوں کو فلسفی مسائل میں مشغول ہونے کے سبب وہ شان حاصل نہیں گودونوں فریق اہل حق ہیں۔ دیکھو ان بزرگوں میں سے سب سے بزرگ اور سب سے بڑے پیشوا ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی بابت کیا شافعی کیا مالک اور کیا احمد بن حنبلؒ سبھی اعلیٰ

رائے رکھتے ہیں۔ چنانچہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں اَلْفَقْهَاءُ كُلُّهُمْ عِبَالُ اِبْنِ حَنْفِيَّةٍ ”تمام فقیہ ابو حنیفہ کے عیال ہیں“ منقول ہے کہ جب امام شافعیؒ امام اعظمؒ کی قبر کی زیارت کرنے جاتے تو اپنے اجتہاد کو ترک کر دیتے اور ان کے مذہب پر عمل کرتے اور فرماتے مجھے شرم آتی ہے۔ کہ ان کے حضور میں اپنے لئے ایسا عمل کروں۔ جو ان کی رائے کے خلاف ہو۔ چنانچہ آپؒ نہ ہی امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھا کرتے اور نہ ہی فجر کے وقت قنوت۔ واقعی امام ابو حنیفہؒ کی شان کو امام شافعیؒ ہی اچھی طرح جانتے ہیں آخری زمانے میں جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول فرمائیں گے تو مذہب حنفی کے مطابق عمل کریں گے چنانچہ خواجہ محمد پارساقدس سرہ فصول ستہ میں فرماتے ہیں اور یہی ان کی بزرگی کی کافی علامت ہے کہ ایک پیغمبر اولی العزم ان کے مذہب پر عمل کرے گا۔ کسی اور کی سینکڑوں بزرگیاں بھی اس کی ایک بزرگی کے برابر نہیں ہو سکتیں۔ ہمارے حضرت خواجہ صاحب (خواجہ باقی قدس سرہ) فرماتے تھے۔ کہ میں بھی کچھ عرصہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھا کرتا تھا۔ آخر ایک رات خواب میں میں نے امام اعظمؒ کو دیکھا۔ کہ اپنی مدح میں ایک نہایت اعلیٰ درجے کا قصیدہ پڑھ رہے ہیں جس کے مضمون سے ظاہر ہوتا تھا۔ کہ بہت سے اولیا میرے مذہب کے پابند ہوئے ہیں۔ تب سے میں نے امام کے پیچھے سورہ فاتحہ کا پڑھنا ترک کر دیا۔

منہاج:- کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی کامل کسی ناقص کو تعلیم طریقہ کی اجازت دے دیتا ہے اور جب اس کے مرید بہت ہو جاتے ہیں۔ تو اس ناقص کے مرید اس کا کام مکمل کر دیتے ہیں۔ چنانچہ حضرت خواجہ نقشبند رضی اللہ عنہ نے مولانا یعقوب چرخانی علیہ الرحمۃ کو درجہ کمال پر پہنچنے سے پیشتر تعلیم طریقہ کی اجازت عنایت فرمائی اور حکم دیا۔ کہ یعقوب جو کچھ مجھ سے تجھے ملا۔ ہے وہ لوگوں کو پہنچا دینا۔ مولانا یعقوب کا کام بعد ازاں خواجہ علاؤ الدین عطار قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں سرانجام ہوا۔ اسی واسطے مولانا عبد الرحمن جامی نجات الانس میں لکھتے ہیں۔ کہ مولانا یعقوب پہلے خواجہ علاؤ الدین عطار کے مرید تھے۔ بعد میں خواجہ نقشبند کے مرید ہوئے۔ اسی طرح جب کوئی کامل اپنے مرید کو جس نے ولایت کا ایک درجہ طے کر لیا ہو۔ تعلیم طریقہ کی اجازت دے۔ تو وہ مرید ایک لحاظ سے کامل ہے اور ایک لحاظ سے ناقص۔ یہی حال اس مرید کا ہے جس نے ولایت کے دو یا تین درجے طے کئے ہوں۔ وہ ناقص بھی ہے اور کامل بھی۔ کیونکہ جب تک آخری درجہ طے نہ کر لے۔ وہ کامل بھی ہوتا ہے اور ناقص بھی جب کامل اپنے مرید کو تعلیم طریقت کی اجازت دینے کا مختار ہے۔ تو یہ ضروری نہیں کہ مرید انتہائی درجہ طے کر چکا ہو۔ واضح رہے کہ گو نقص اجازت کا منافی ہے لیکن جب کوئی کامل و مکمل کسی ناقص کو اپنا نائب بناتا ہے اور اس کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ جانتا ہے۔ تو نقص کا ضرر

تجاوز نہیں کر سکتا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

منہا: یادداشت سے مراد دائمی حضور ذات حق ہے اور یہ بات کبھی ارباب قلوب کو بھی دل کی جمعیت کی وجہ سے خیال میں آ جاتی ہے۔ اس واسطے کہ جو کچھ سارے انسان میں ہے وہ اکیلے دل میں ہے۔ گوان میں مجمل و مفصل کا فرق ہے۔ پس مرتبہ قلب میں بھی حضور ذات تعالیٰ و تقدس دائم طور پر حاصل ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ بات یادداشت کے طور پر ہے نہ کہ یادداشت کی حقیقت ہو سکتا ہے کہ بزرگوں نے جیسے ہدایت میں نہایت فرمایا ہے۔ اس سے مراد یہی یادداشت ہو لیکن یادداشت کی حقیقت اسی وقت حاصل ہوتی ہے جب نفس کا تزکیہ اور قلب کا تصفیہ ہو سکے۔ اگر ان کی مراد ذات حق کے مرتبہ وجوب سے ہو۔ کیونکہ ذات اس مرتبہ میں صفات وجوبیہ کی جامع ہے۔ تو پھر تمام مراتب امکانی طے کرنے کے بعد اس مرتبہ کے شہود میں پہنچنے ہی یادداشت حاصل ہو جاتی ہے۔ تجلیات صفاتی میں بھی یہ بات حاصل ہو سکتی ہے۔ کیونکہ اشارے میں صفات کا ملاحظہ حضور ذات حق کا منافی نہیں ہوتا۔ اگر ان کی مراد حضرت ذات تعالیٰ سے مرتبہ احدیت مجرودہ ہو۔ جو اسماء و صفات اور نسبت و اعتبارات سے مبرا ہے۔ تو پھر اسمائے صفاتی نسبی اور اعتباری تمام مراتب طے کرنے کے بعد یادداشت حاصل ہوتی ہے۔ میں نے جہاں کہیں یادداشت کا بیان کیا ہے اس سے مراد آخری معنی لئے ہیں۔ گو اس مرتبہ میں حضور کا اطلاق کچھ نامناسب معلوم ہوتا ہے جیسا کہ ارباب یادداشت سے مخفی نہیں کیونکہ وہ غیبت و حضور سے اعلیٰ و ارفع ہے۔ حضور کے اطلاق کے لئے کسی ایک صنعت کا ملاحظہ درکار ہے جو کچھ لفظ حضور کے مناسب ہے۔ یادداشت کی تفسیر دوسرے معنوں میں ہے۔ اس لحاظ سے یادداشت کو نہایت کہنا باعتبار شہود و حضور ہے۔ کہ اس مرتبہ کے آگے شہود و حضور کی گنجائش نہیں۔ وہاں یا حیرت ہے یا جہل یا معرفت لیکن وہ معرفت نہیں جسے تم معرفت جانتے ہو۔ کیونکہ جس کو تم معرفت خیال کرتے ہو۔ وہ افعالی و صفاتی معرفت ہے اور یہ مقام اسماء و صفات سے بدرجہا اوپر ہے۔ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَيِّدِ الْبَشَرِ وَعَلٰی اٰلِهٖ الْاَظْهَرِ۔

منہا: یہ راستہ طے کرنا اور نہایت التہایت پر پہنچنا دس مقامات مشہورہ کے طے کرنے سے وابستہ ہے۔ جن میں سے پہلا توبہ ہے اور آخری رضا۔ مراتب کمال میں کوئی مرتبہ و مقام مقام رضا سے بڑھ کر نہیں حتیٰ کہ آخرت میں رویت الہی بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ مقام رضا کی اصلی حقیقت پورے طور پر آخرت میں ظاہر ہوگی۔ باقی مقامات آخرت میں سیر نہیں ہو سکتے توبہ کے وہاں کچھ معنی نہیں۔ زہد کی وہاں گنجائش نہیں توکل ہو ہی نہیں سکتا۔ صبر کا احتمال نہیں۔ ہاں شکر وہاں سیر ہو سکتا ہے لیکن وہ شکر بھی رضا کی ایک شاخ ہے۔ رضا سے علیحدہ نہیں۔ اگر یہ پوچھیں کہ کبھی کامل

و مکمل میں دنیاوی رغبت پائی جاتی ہے اور بعض ایسی باتیں دیکھنے میں آتی ہیں جو توکل کی منافی ہیں اور بے طاقتی جو منافی صبر ہے ظاہر ہوتی ہے اور کراہت جو رضا کی ضد ہے پائی جاتی ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان مقامات کا حاصل ہونا قلب و روح سے مخصوص ہے۔ خاص الخاص کو یہ مقامات نفس مطمئنہ میں بھی حاصل ہو جاتے ہیں۔ لیکن قالب اس بات سے محروم و بے نصیب ہے۔ اگرچہ جسم تیزی اور قوت کی وجہ سے مفتضی ہوتا ہے۔ ایک شخص نے شیخ شبلی علیہ الرحمۃ سے پوچھا کہ آپ محبت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ لیکن آپ کا موٹا پامنا منافی محبت ہے۔ آپ نے جواب میں یہ شعر پڑھایا

أَحَبُّ قَلْبِي وَمَا دَرَى بَدَنِي وَلَوْ ذَرَى مَا أَقَامَ فِي السَّمَانِ

محبوب حقیقی سے میرے دل نے محبت کی۔ میرے بدن کو وہ معلوم نہ ہوا۔ اگر وہ بھی جانتا تو اتنا موٹا نہ ہو جاتا۔

پس اگر کوئی ایسی بات جو مقامات مذکورہ کے منافی ہو۔ کسی کامل کے قالب میں ظاہر ہو۔ تو وہ ضرر نہیں دے سکتی۔ اور وہ اس بزرگ کے باطن کے لئے ان مقامات کے حصول میں حارج نہیں ہو سکتی۔ غیر کامل میں ان مقامات کے نقائص پورے طور پر ظاہر و باطن میں ظہور کرتے ہیں۔ اس لئے وہ ظاہر و باطن میں دنیا کی طرف راغب ہو جاتا ہے اور صورت و حقیقت میں منافی توکل ہوتا ہے اس قلب و قالب میں بے طاقتی اور گھبراہٹ ظاہر ہوتی ہے روح اور بدن میں کراہت کا ظہور ہوتا ہے۔ یہی باتیں ہیں جنہیں حق تعالیٰ نے اپنے اولیاء کا پردہ بنایا ہے اور انہیں باتوں کی وجہ سے اکثر لوگ ان بزرگوں کے کمالات سے محروم رہتے ہیں اولیاء اللہ میں جو یہ باتیں پائی جاتی ہیں اس میں یہ حکمت ہے کہ حق و باطل میں تمیز نہیں ہو سکتی۔ جو اس دنیا کی لازم بات ہے جو امتحان کا مقام ہے۔ دوسری حکمت اس میں یہ ہے کہ یہ ان کے لئے ترقی کا باعث ہے اگر اولیاء اللہ سے یہ باتیں بالکل مفقود ہو جائیں۔ تو ان کی ترقی مسدود ہو جائے اور فرشتوں کی طرح مقید رہ جائیں۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اَتْبَعَ الْهُدٰی وَالتَّزَمَ مُتَابِعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی اِلٰهِ مِنَ الصَّلٰوٰتِ وَالسَّلَامٰتِ اَتَمُّهَا وَاسْمَلُّهَا۔

منہا:- الہی! یہ کیا بات ہے کہ تو نے اپنے اولیاء کے باطن کو آب حیات بنا رکھا ہے۔ کہ جس نے ایک قطرہ چکھا۔ اسے حیات ابدی نصیب ہو گئی اور ان کے ظاہر کو زہر قاتل بنا رکھا ہے کہ جس نے اس کو دیکھا۔ وہ ابدی موت میں گرفتار ہوا۔ یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کا باطن رحمت اور ان کا ظاہر زحمت ہے۔ ان کے باطن کو دیکھنے والا انہیں میں سے ہے اور ان کے ظاہر کو دیکھنے والا بدکیش ہے بظاہر جو ہیں اور حقیقت گیہوں بظاہر عوام بشر ہیں اور بہا طن خواص ملک ظاہر میں زمین پر ہیں اور حقیقت میں آسمان پر۔ ان کا ہم نشین بد بختی سے بچا ہوا ہے اور ان کا غمخوار سعادت مند ہے یہ لوگ گروہ الہی ہیں اور یہی لوگ

اہل نجات و فلاح ہیں۔ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّآلِهِ وَسَلَّمَ۔

منہا:- حق سبحانہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء کو اس طرح پوشیدہ کیا ہے کہ ان کے ظاہر کو بھی ان کے باطنی کمالات کی خبر نہیں۔ چہ جائے کہ غیر ان سے واقف ہوں۔ ان کے باطن کو جو نسبت بے چونی و بے چگونگی کے مرتبہ سے حاصل ہے۔ وہ بھی نپکون ہے۔ ان کا باطن چونکہ عالم امر سے ہے۔ اس واسطے نپکونی سے انہیں بھی حصہ حاصل ہے اور ظاہر جو سراسر چون ہے ان کے باطن سے کیونکر واقف ہو سکتا ہے۔ بلکہ قریب ہے کہ بسبب نہایت جہالت اور عدم مناسبت اس نسبت کے نفس حصول سے بھی انکار کر لے ہو سکتا ہے کہ حصول نسبت کے نفس کو جانے لیکن یہ نہ جانے کہ اس کا متعلق کون ہے بلکہ بہت دفعہ ایسا ہوا ہے کہ اس کے حقیقی متعلق کی نفی کرتا ہے اور یہ ساری باتیں اس واسطے ہیں کہ یہ نسبت بہت اعلیٰ ہے اور ظاہر بہت ادنیٰ ہے خود باطن اس نسبت کا مغلوب ہوتا ہے اور دید و دانش سے گیا گزرا ہوتا ہے اسے کیا معلوم کہ کون رکھتا ہے اور کس سے رکھتا ہے اس واسطے معرفت سے عجز کے سوا اور کوئی معرفت کی راہ نہیں یہی وجہ ہے کہ امیر المومنین صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا **اَلْعَجْزُ عَنْ ذَرِّكَ اِلَّا ذَرَاكَ اِذْ رَاكَ** معلوم کرنے سے عاجز آنا ہی معلوم کرنا ہے اور اک کے نفس سے مراد وہ نسبت خاصہ ہے کہ جس کے ادراک سے عجز لازم ہے۔ کیونکہ صاحب ادراک مغلوب ہوتا ہے نہ اسے ادراک معلوم ہوتا ہے نہ غیر اور نہ اسے حال کی خبر ہوتی ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔

منہا:- ایک شخص صوفیوں کے لباس میں رہ کر بدعت اعتقادی میں مبتلا تھا۔ مجھے اس کے حق میں تردد تھا۔ اتفاقاً کیا دیکھتا ہوں کہ تمام انبیاء علیہم الصلوٰات جمع ہیں اور متفق ہو کر اس شخص کے حق میں فرماتے ہیں کہ وہ ہم سے نہیں اسی اثنا میں مجھے ایک اور شخص کا بھی خیال آیا جس کے بارے میں میں متردد تھا۔ اس کے بارے میں تمام نے فرمایا کہ وہ ہم میں سے ہے اللہ تعالیٰ انبیاء کے طعن اور ان کے حق میں بدعتقاد ہونے سے بچائے۔

منہا۔ مجھ پر ظاہر کیا گیا کہ قرآن شریف میں جو قرب معیت اور احاطہ حق سبحانہ تعالیٰ کے الفاظ آتے ہیں۔ یہ مشابہات قرآنی ہیں۔ جیسے ہاتھ اور چہرہ وغیرہ۔ اسی طرح لفظ اول و آخر ظاہر و باطن وغیرہ گو ہم اللہ تعالیٰ کو قریب کہتے ہیں لیکن قریب کے معنی نہیں جانتے کہ قرب کیا ہے اسی طرح ہم اسے اول کہتے ہیں لیکن نہیں جانتے کہ اول سے مراد کیا ہے قرب و اولیت کے جو معنی ہمارے علم و فہم میں آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سے منزہ و برتر ہے اور جو کچھ ہمارے کشف و شہود میں آسکتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے اللہ تعالیٰ کا قرب و معیت جو بعض صوفیاء نے بطریق کشف دریافت کیا ہے اور ان کشفی معنوں کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کو قریب و مع جانتے ہیں ٹھیک نہیں بلکہ وہ مذہب مجسمہ میں قدم رکھتے

ہیں۔ بعض علما نے جو اس کی تاویل کی ہے اور قرب سے مراد علمی قرب لی ہے یہ ایسے ہے جیسے یہ کی تاویل قدرت و وجہ سے کریں گو یہ مجوزان تاویل کے نزدیک جائز ہے لیکن ہم تاویل کو جائز قرار نہیں دیتے اس کی تاویل علم حق کے حوالے کرتے ہیں اس کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو حاصل ہے۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اتَّبَعَ الْهُدٰی۔

منہا:- میں وتر کی نماز کبھی رات کے پہلے حصے میں ادا کیا کرتا تھا اور کبھی پچھلے حصے میں ایک رات مجھ پر ظاہر کیا کہ تاخیر کی صورت میں ادائے وتر کی نیت سے جو نمازی سو جاتا ہے کہ رات کے آخری حصہ میں ادا کروں گا تو کرنا کاتین رات بھر وتر ادا کرنے تک اس کی نیکیاں درج کرتے رہتے ہیں۔ پس وتر کو جتنی دیر سے ادا کریں۔ اتنا ہی اچھا ہے باوجود اس بات کے مجھے وتر کی تعیل و تاخیر سے سوائے متابعت نبوی کے اور کچھ مقصود نہیں میں کسی فضیلت کو متابعت نبوی کے برابر نہیں سمجھتا۔ جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وتر کی نماز کبھی رات کے پہلے حصے میں ادا کرتے تھے اور کبھی آخری حصے میں۔ میں اپنی سعادت اس بات میں جانتا ہوں۔ کہ کسی کام میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تشبیہ حاصل کروں اگرچہ تشبیہ بحسب صورت ہی ہو۔ لوگ بعض سنتوں میں شب بیداری کی نیت کرتے ہیں اور دوسری باتوں کو دخل دیتے ہیں مجھے ان کی کوئی اندیشی پر تعجب آتا ہے۔ ہم تو جو بھر متابعت کے بدلے ہزار شب بیداری کو بھی نہ خریدیں جب ہم ماہ رمضان کے آخری دس دنوں میں معکف ہوتے تو یاروں کو بلا کر کہا کہ سوائے متابعت کے اور کچھ نیت نہ کرنا۔ کیونکہ ہماری قطع تعلقی کچھ وقعت نہیں رکھتی ہم ایک متابعت کو سو گرقاری سے قبول کرتے ہیں لیکن غیر متابعت سے ہزار قطع تعلقی کو بھی قبول نہیں کرتے۔

آں را کہ در سرائے نگارست فارغست از باغ و بوستان و تماشاے لالہ زار
اللہ تعالیٰ جناب سرور کائنات ﷺ کی متابعت ہمارے نصیب کرے۔

منہا:- ایک دفعہ میں چند درویشوں سمیت بیٹھا تھا۔ میں نے اس محبت کے غلبہ کی وجہ سے جو مجھے جناب سرور کائنات سے ہے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت مجھ پر اس طرح غالب ہے کہ میں حق تعالیٰ کو صرف اس واسطے پیار کرتا ہوں کہ وہ محمد کا رب ہے حاضرین یہ سن کر حیران رہ گئے۔ لیکن مخالفت نہ کر سکتے تھے یہ بات رابعہ بھری علیہا الرحمۃ کی بات کا بالکل نقیض ہے کہ فرماتی ہیں کہ میں نے جناب سرور کائنات ﷺ کی خدمت میں خواب میں عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ کی محبت مجھ پر اس درجہ غالب ہے کہ آپ کی محبت کی گنجائش نہیں رہی۔ یہ دونوں باتیں سکر سے ہیں۔ لیکن میری بات اصلیت رکھتی ہے مگر رابعہ نے محض سکر کی حالت میں کہی ہے اور میں نے ہوش کے آغاز میں۔ اس کی

بات صفات کے مرتبہ کے متعلق ہے اور میری مرتبہ ذات سے رجوع کرنے کے بعد کی اس واسطے کہ مرتبہ ذات میں اس قسم کی محبت کی گنجائش نہیں۔ تمام نسبتیں اس مرتبہ سے نیچے ہی رہ جاتی ہیں وہ ان پر سر بریا حیرت ہے یا جہل۔ بلکہ اس مرتبہ میں بڑے ذوق سے محبت کی نفی کرتا ہے اور کسی طرح سے بھی اپنے آپ کو اس کی محبت کے لائق نہیں جانتا۔ محبت اور معرفت صرف صفات میں ہوتی ہے جسے محبت ذاتی کہتے ہیں۔ اس سے مراد ذات احدیت نہیں۔ بلکہ ذات معہ بعض اعتبارات ذات ہے۔ پس رابعہ کی محبت مرتبہ صفات میں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَيِّدِ الْبَشَرِ وَاِلٰهِ الْاَظْهَرُ۔

منہا:- علم کی شرافت معلوم کے شرف و مرتبہ کے موافق ہوا کرتی ہے۔ معلوم جس قدر شریف ہوگا۔ علم اسی قدر عالی ہوگا۔ پس باطنی علم جس سے صوفیا ممتاز ہیں۔ ظاہری علم سے جو علمائے ظاہر کے نصیب ہے اشرف ہے۔ جس طرح کہ علم ظاہری علم حجامت و کپڑا بننے سے اشرف ہے پس پیر کے آداب کا ملحوظ رکھنا جس سے علم باطن اخذ کیا ہو۔ علم ظاہری کے استاد کے آداب ملحوظ رکھنے سے بدرجہا زیادہ ہے۔ اسی طرح ظاہری علم کے استاد کا ادب حجام اور جولاہے سے بدرجہا زیادہ کرنا چاہئے۔ یہی فرق ظاہری علوم میں باہمی ہے چنانچہ صرف و نحو کے استاد سے علم کلام اور فقہ کا استاد افضل ہے اور علوم فلسفہ کے استاد سے صرف و نحو کا استاد افضل ہے کیونکہ علوم فلسفی معتبر علوم میں داخل نہیں اس واسطے کہ ان کے اکثر مسائل بیہودہ اور بے حاصل ہیں اور جو تھوڑے مسائل اسلامی کتابوں سے اخذ کئے ہیں ان میں بھی ایسے تصرفات کئے ہیں جو جہل مرکب سے خالی نہیں عقل میں ان کی بوتیک نہیں نبوت کا طور اور ہے اور عقل نظری کا اور۔ واضح رہے کہ پیر کے حقوق تمام حقوق سے فائق ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے حقوق کو چھوڑ کر دوسرے حقوق کو پیر کے حقوق سے کوئی نسبت ہی نہیں بلکہ سب کے حقیقی پیر جناب پیغمبر خدا ﷺ ہیں ظاہری ولادت اگرچہ والدین سے ہوتی ہے لیکن معنوی پیدائش پیر سے مخصوص ہے ظاہری ولادت کی زندگی چند روزہ ہوتی ہے اور حقیقی ولادت کی زندگی ابدی ہوتی ہے مرید کی باطنی پلیدی کو صاف کرنے والا پیر ہی ہے جو اپنے قلب و روح سے مرید کے باطن کی پلیدی کو صاف کرتا ہے اور اس کے معدے کو پاکیزہ بناتا ہے بعض طالبوں کو جب توجہ دی جاتی ہے تو واقعی محسوس ہوتا ہے کہ ان کی باطنی نجاستوں کو صاف کرنے کا صاحب توجہ پر بھی آلودگی اثر کرتی ہے اور دیر تک مکرر کہتی ہے پیر ہی کے وسیلے سے انسان خدا رسیدہ ہوتا ہے یہ خدا رسیدگی تمام دنیاوی اور اخروی سعادتوں سے افضل ہے پیر ہی کے وسیلے نفس امارہ سے جو بالذات خبیث ہے پاکیزہ ہو جاتا ہے اور لمارگی کو چھوڑ کر اطمینان حاصل کرتا ہے اور ذاتی کفر ترک کر کے حقیقی اسلام اختیار کرتا ہے۔ مصرعہ گریویم شرح ایں بیحد شود پس اپنی سعادت پیر کی قبولیت میں خیال کرنی

چاہئے اور اپنی بد بختی اس کے رد کرنے میں نَعُوذُ بِاللّٰهِ سُبْحَانَهُ مِنْ ذٰلِكَ رَضَائے حق رَضَائے پیر کے پردہ پیچھے رکھی ہوئی ہے جب تک مرید اپنے آپ کو پیر کے مرضیات میں گم نہیں کرتا حق تعالیٰ کی مرضیات تک نہیں پہنچتا۔ مرید کی آفت پیر کو ناراض کرنے میں ہے اس کے بغیر جو خواری ہے اس کا تدارک ہو سکتا ہے لیکن پیر کی ناراضگی کا تدارک ناممکن ہے پیر کی ناراضگی مرید کے لئے بد بختی کی جڑ ہے۔ نَعُوذُ بِاللّٰهِ سُبْحَانَهُ مِنْ ذٰلِكَ اس ناراضگی سے اسلامی معتقدات میں خلل اور احکام شریعہ کے بجالانے میں فتور آجاتا ہے باطنی احوال و مواجید کا تو کچھ پوچھو ہی نہیں اگر پیر کو ستانے کے بعد بھی احوال کا کچھ اثر رہے تو اسے استدراج سمجھنا چاہئے کیونکہ آخر اس کا نتیجہ خراب ہوتا ہے سوائے نقصان کے اور کچھ نتیجہ نہیں نکلتا۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اَتَّبَعَ الْهُدٰی۔

منہا:- قلب عالم امر سے ہے اسے عالم خلق سے تعلق اور تعشق دے کر عالم خلق سے نیچے لایا گیا اور گوشت کے ٹکڑے سے جو بائیں طرف ہے۔ خاص تعلق بخشا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے بادشاہ کسی خاکروب پر عاشق ہو اور اس کے سبب سے اس خاکروب کے گھر رہے اور روح جو قلب سے زیادہ لطیف ہے۔ اصحاب یمین سے ہے اور تین لطیفوں سے جو لطیفہ روح سے اوپر ہیں خَيْرُ الْأُمُورِ أَوْسَطُهَا کے شرف سے مشرف ہیں جتنے زیادہ لطیفہ ہیں اتنے ہی وسط سے زیادہ مناسب ہیں صرف اتنی بات ہے کہ سر اور خفی خفی کے دونوں طرف ہیں ایک دائیں طرف دوسرا بائیں طرف نفس حواس کا مجاور ہے اس کا تعلق دماغ سے ہے۔ قلب کو ترقی اس وقت ہوتی ہے جب وہ مقام روح اور اس کے روبرو کے مقام میں پہنچتا ہے اسی طرح روح اور اس کے مافوق کی ترقی ان سے بالائی مقامات سے وابستہ ہے لیکن ابتدا میں یہ وصول بطریق احوال ہوتا اور انتہاء میں بطریق مقام نفس کو اس وقت ترقی ہوتی ہے جب وہ مقام قلب میں ابتداء میں بطریق احوال اور انتہاء میں بطریق مقام پہنچ جائے آخر کار یہ چھ لطائف مقام انھی میں پہنچ جاتے ہیں اور تمام مل کر عالم قدس کی طرف پرواز کرنے کا قصد کرتے ہیں اور لطیفہ قلب کو خالی چھوڑ جاتے ہیں لیکن پرواز بھی ابتداء میں بطریق احوال ہوتی ہے اور انتہاء میں بطریق مقام و ح حاصل ہوتی ہے مرنے سے پہلے جس موت کی بابت کہا ہے اس سے مراد قلب سے انہیں چھ لطائف کی جدائی ہے قالب میں ان کی مفارقت کے بعد بھی حس و حرکت رہتی ہے اس بات کا بیان اور جگہ لکھا گیا ہے وہاں سے مطالعہ کرنا چاہئے اس کتاب میں اس کی تفصیل کی گنجائش نہیں اس کتاب میں صرف اشارہ اور کنایہ باتیں درج ہیں یہ ضروری نہیں کہ تمام لطائف ایک مقام میں جمع ہو کر وہاں سے پرواز کریں کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ قلب اور روح دونوں متفق ہو کر یہ کام کرتے ہیں کبھی تین کبھی چار مل کر یہ کام کرتے ہیں لیکن جب چھ مل کر پرواز کریں تو یہ نہایت اعلیٰ و اکمل درجہ ہے اور

ولایت محمدی ﷺ سے مخصوص ہے اس کے سوا جو ہے وہ ولایت کی ایک قسم ہے اگر وہ چھ لطائف قالب سے جدا ہونے کے بعد مقام وصول میں پہنچ کر اسی رنگ سے رنگے جائیں اور پھر قالب میں لوٹ آئیں اور جی تعلق کے سوا اور کوئی تعلق پیدا کریں قالب کا حکم پیدا کریں ملنے کے بعد ایک قسم کی فنا پیدا کریں اور بطور مردہ ہو جائیں تو اس وقت خاص تجلی سے متجلی ہو جاتے ہیں۔ از سر نو زندگی پیدا کر کے مقام بقاء باللہ حاصل کرتے ہیں اور اخلاق الہی سے متعلق ہو جاتے ہیں۔ ایسے وقت میں اگر وہ خلعت نکش کر پھر عالم میں بھیجے جائیں تو معاملہ نزدیک سے دور جا پڑتا ہے اور مقدمہ میں تکمیل پیدا ہو تا ہے اگر پھر جہان میں نہ بھیجیں اور قرب کے بعد بعد حاصل نہ ہو۔ تو وہ اولیائے عزلت سے شمار ہو گا اور اس کے ہاتھ سے طالبوں کی تربیت اور ناقصوں کی تکمیل نہ ہو گی۔ یہ ہے کہانی ہدایت و نہایت کی بطریق رمز و اشارہ لیکن اس کا سمجھنا بغیر ان منزلوں کو طے کئے محال ہے۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اَتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی آلِهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ۔

منہا:- حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ ازل سے ابد تک ایک ہی کلام سے متکلم ہے اس کلام کے اجزا نہیں ہیں کیونکہ حق تعالیٰ کے حق میں خاموشی یا گونگا پن کا ہونا محال ہے کوئی عجب نہیں کہ ازل سے ابد تک وہاں ایک ہی ساعت ہو۔ کیونکہ وہاں زمانے کا دخل نہیں ایک گھڑی میں سوائے کلام واحد اور بسیط کے اور کیا وقوع میں آسکتا ہے۔ اسی کلام واحد سے کئی قسم کے کلام پیدا ہوتے ہیں جو بلحاظ تعلقات مختلف قسم کے ہیں۔ مثلاً اگر مامور کے متعلق ہے تو امر پیدا ہوا ہے اور اگر رکاوٹ کے متعلق ہے تو نہی نام پایا ہے۔ اگر رضا کے متعلق ہے تو خبر ہو گئی ہے آدم برسر مطلب۔ ماضی و مستقبل کی خبر دینا بہت سارے لوگوں کو شک میں ڈال دیتا ہے دلالت کرنے والے کا تقدم و تاخر مدلول کے تقدم و تاخر کو ظاہر کرتا ہے۔ سو یہ کوئی شبہ نہیں کیونکہ ماضی و مستقبل دلالت کرنے والوں کی مخصوصہ صفات ہیں۔ جو اسی گھڑی کے انبساط کے لحاظ سے پیدا ہوئی ہیں جب مرتبہ مدلول میں وہ گھڑی اپنی اصلی حالت پر ہے اور کسی قسم کا انبساط اس میں نہیں آیا۔ تو پھر ماضی و مستقبل کی گنجائش کیسے ہو سکتی ہے۔ ارباب معقول نے کہا ہے کہ ایک ہی ماہیت کے لئے بلحاظ وجود خارجی لوازمات علیحدہ ہیں اور بلحاظ وجود ذہنی صفات جدا۔ پس جب کہ ایک ہی شے میں صفات و لوازمات کا فرق بلحاظ وجود و ہویت کے تغاّر کے جائز ہے تو دل مدلول میں جو فی الحقیقت ایک دوسرے سے جدا ہیں بطریق اولیٰ جائز ہے اور یہ جو کہا ہے کہ ازل سے ابد تک ایک ہی گھڑی ہے یہ عبارت کی تنگی کی وجہ سے کہا گیا ہے ورنہ وہاں تو اس کی گنجائش نہیں۔ وہ بھی زمانے کی طرح یہاں ثقیل ہے۔

واضح رہے کہ جو ممکن مقامات قرب الہی میں دائرہ امکان سے قدم باہر رکھتا ہے وہ ازل والا کو ملا

ہوا پاتا ہے جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شب معراج مقامات عروج میں حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ میں پایا اور نوح علیہ السلام کے طوفان میں موجود اہل بہشت کو بہشت میں دیکھا اور اہل دوزخ کو دوزخ میں۔ پانچ سو سال بعد جو آدمی دن کے برابر ہے بہشت میں داخل ہونے کے بعد ایک غنی صحابی عبدالرحمن بن عوف کو بہشت میں آتے ہوئے دیکھ کر آنحضرت ﷺ نے اس سے دیر سے آنے کی وجہ پوچھی۔ تو اس نے اپنے دشوار گزار راستوں کا ذکر کیا۔ یہ سب کچھ ایک گھڑی میں مشہود ہوا۔ اس میں ماضی و مستقبل کی گنجائش نہ تھی مجھ پر بھی حبیب خدا ﷺ کے صدقے ایک وقت یہ حالت طاری ہوئی تھی۔ میں نے فرشتوں کو دیکھا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کر رہے ہیں اور ابھی انہوں نے سجدہ سے سر نہیں اٹھائے کہ ملائکہ علیین کو ان سجدہ کرنے والوں سے الگ دیکھا جنہیں سجدے کا حکم نہیں ہوا تھا وہ اپنے مشہود میں مستغرق تھے اور جن حالات کے آخرت میں گزرنے کا وعدہ کیا گیا ہے وہ بھی اسی گھڑی میں دکھائی دیئے چونکہ مجھے اپنی قوت حافظہ پر پورا بھروسہ نہیں رہا۔ لیکن اتنا سمجھ لینا چاہئے۔ کہ یہ حالت آنحضرت ﷺ کے وجود اور روح دونوں پر طاری ہوئی تھی اور آپ نے بصارت و بصیرت دونوں سے دیکھا۔ دوسرے جو طفلی ہیں ان پر اگر بطریق تبعیت یہ حالت طاری ہو۔ تو فقط روح پر ہوگی اور صرف بصیرت سے مشاہدہ کریں گے۔ ظاہری آنکھوں سے نہیں دیکھیں گے۔

در قافلہ کہ اوست دائم نرسم ایں بسکہ رسد زود در بانگ جرسم

عَلَيْهِ وَعَلَىٰ آلِهِ مِنَ الصَّلَاةِ وَالتَّسْلِيمَاتِ اَتَمُّهَا وَاَكْمَلُهَا

منہا:- تکوین واجب الوجود کی ایک حقیقی صفت ہے۔ ابوالحسن اشعریؒ کے پیروکار تکوین کو ایک اضافی صفت جانتے ہیں۔ جہاں کو وجود میں لانے کے لئے قدرت اور ارادہ ہی کو کافی خیال کرتے ہیں لیکن حق یہ ہے کہ تکوین ایک الگ حقیقی صفت ہے جو قدرت اور ارادت کے علاوہ ہے اس کا بیان یہ ہے کہ قدرت در حقیقت فعل و ترک کی صحت ہے اور ارادہ قدرت کے دونوں پہلوؤں یعنی فعل و ترک کی تخصیص ہے پس قدرت کا مرتبہ ارادہ کے مرتبہ سے مقدم ہے تکوین کا مرتبہ جسے ہم ایک حقیقی صفت خیال کرتے ہیں۔ قدرت و ارادت کے مرتبہ کے بعد ہے اس کا کام طرف تخصیص شدہ کو وجود میں لانا ہے۔ پس قدرت فعل کی معصوم ہے اور ارادت اس کی تخصیص کرنے والی تکوین اس کی موجد۔ پس قدرت اور ارادت کے علاوہ تکوین بھی ضروری ہے۔ اس کی مثال استطاعت مع الفعل کی طرح ہے جسے اہل سنت کے علمائے بندوں میں ثابت کیا ہے۔ اس میں شک نہیں۔ کہ یہ استطاعت قدرت کے ثبوت کے بعد ہے۔ بلکہ ارادت کے متعلق اور ایجاد کی تحقیق کے بعد اسی استطاعت سے

وابستہ ہے بلکہ وہ استطاعت ہی موجب فعل ہے اور ترک کا پہلو وہاں مفقود ہے۔ صفت تکوین کی بھی یہی حالت ہے کہ ایجاد اس کے ساتھ بطریق ایجاب ہے لیکن یہ ایجاب واجب تعالیٰ کو نقصان نہیں پہنچا سکتا کیونکہ وہ قدرت کے حاصل ہونے کے بعد ثابت ہوتا ہے اصل میں قدرت ہی فعل و ترک کی صحت ہے نیز ارادہ کی تخصیص کے بعد تکوین ہے اور یہ بات حکمائے فلسفہ کی رائے کے خلاف ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں۔ کہ یہ پہلا شرطیہ (اگر چاہے تو پیدا کر سکتا ہے) واجب الصدق ہے اور دوسرا شرطیہ (اگر نہ چاہے۔ تو نہیں پیدا کرتا) ممتنع الصدق ہے۔ انہوں نے ارادت کی نفی کی ہے صریحاً ایجاب میں ہے اللہ تعالیٰ اس سے بہت برتر ہے وہ ایجاب جو ارادت کے تعلق اور دونوں مقدوروں میں سے ایک کی تخصیص کے بعد پیدا ہو۔ اس کے لئے اختیار لازمی امر ہے اس کی تاکید کرنے والا اختیار کا منافی نہیں۔ صاحب فتوحات یعنی شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہ کا کشف بھی حکما کی رائے کے موافق واقع ہوا ہے یعنی قدرت میں پہلے شرطیہ کو واجب الصدق اور دوسرے شرطیہ کو ممتنع الصدق جانا ہے اور یہ جاننا ایجاب ہے ایسی صورت میں ارادہ فضول معلوم ہوتا ہے کیونکہ یہاں فعل یا ترک کی تخصیص کوئی بھی نہیں۔ ہاں اگر تکوین میں اس بات کو ثابت کریں۔ تو گنجائش ہے کیونکہ وہ ایجاب کی ملاوٹ سے مبرا ہیں۔ یہ فرق بہت ہی باریک ہے اس کے بیان کی جرأت و سبقت بہت کم اشخاص نے کی ہے۔ گو علمائے ماترید یہ نے اس صفت کو ثابت کیا ہے۔ لیکن اس قدر غور و خوض سے کام نہیں لیا سنت نبوی کی پیروی کے سبب وہ تمام متکلمین میں اس معرفت سے ممتاز ہیں یہ حقیر بھی ان بزرگوں کا خوشہ چین ہے۔ اے اللہ! ہمیں اپنے حبیب کے صدقے ان کے معتقدات پر ثابت قدم رکھنا۔

منہا: اللہ تعالیٰ جل شانہ کی رویت آخرت میں مومنوں کو اللہ تعالیٰ کی رویت کا ہونا حق بات ہے۔ یہ وہ مسئلہ ہے جس کو سوائے اہلسنت و جماعت کے کسی اسلامی فرقہ یا حکمائے فلسفہ نے جائز نہیں مانا۔ ان کے انکار کا باعث حاضر پر غائب کا قیاس ہے اور ایسا قیاس برا ہے دکھائی دینے والی چیز جب بے مثل و بے مانند ہوگی۔ اس پر ایمان لانا چاہئے۔ اس کی کیفیتوں میں مشغول نہیں ہونا چاہئے یہ بھید دنیا میں بھی خاص خاص اولیاء پر ظاہر کیا گیا ہے اگرچہ اسے رویت تو نہیں کہہ سکتے لیکن پھر بھی رویت ہی ہے گویا کہ تو اسے دیکھتا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمام مومن اسے ظاہری آنکھوں سے دیکھ لیں گے لیکن انہیں اور اک نہ ہوگا۔ کیونکہ اسے آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں صرف دو چیزیں دریافت کریں گے ایک علم یقینی کہ دیکھتے ہیں اور دور سے حظ و لذت جو رویت سے حاصل ہوگا سوائے ان دو چیزوں کے باقی تمام لوازمات دید مفقود ہوں گے یہ مسئلہ علم عقائد کا نہایت ہی دقیق مسئلہ ہے عقل اس کے اثبات و تقدیر میں عاجز ہے۔ صرف انبیاء کے پیروکار علمائے صوفیاء نے اس نور فراست سے جو

انوار نبوت سے مقبس ہے دریافت کیا ہے اسی طرح سے علم کلام کے اور مسائل کا حال ہے جن کے ثابت کرنے میں عقل عاجز و متحیر ہے علمائے اہل سنت کو صرف نور فراست حاصل ہے صوفیا کو نور فراست بھی ہے اور کشف و شہود بھی۔ کشف و فراست میں وہی فرق ہے جو بدیہی اور حسی میں ہے فراست نظریات جن کے لئے دلیل کی ضرورت ہے بدیہات بناتی ہے اور کشف نظریات کو حیات بناتا ہے اور جن مسائل کے اہلسنت قائل ہیں اور ان کے مخالف جن کا دار و مدار صرف عقل پر ہے ان مسائل کے منکر ہیں۔ وہ تمام مسائل اسی قسم کے ہیں جو نور فراست سے معلوم ہوتے ہیں اور کشف صحیح سے دیکھنے میں آئے ہیں مگر ان مسائل کو واضح طور پر بیان کیا جائے تو اس سے مقصود تصویر و تنبیہ ہے نہ کہ نظردلیل سے ان کا اثبات کیونکہ عقلی نظران کے اثبات و تصویر میں اندھی ہے مجھے ان علماء پر تعجب آتا ہے جو ان مسائل کو دلائل سے ثابت کرنا اور مخالفوں کے لئے حجت قائم کرنا چاہتے ہیں۔ نہ ہی یہ ان سے ہو سکتا ہے اور نہ ہو وہ اسے سرانجام دے سکتے ہیں اس واسطے مخالف خیال کرتے ہیں کہ ان کے مسائل بھی ان کے استدلال کی طرح بودے دادھورے ہیں۔ مثلاً علمائے اہلسنت نے استطاعت مع الفعل کو ثابت کیا ہے۔ یہ مسئلہ ایک سچا مسئلہ ہے جو نور فراست اور کشف صحیح سے معلوم ہوتا ہے لیکن جو دلائل اس کے ثبوت میں بیان کئے ہیں اور سر اسر بودے اور نامکمل ہیں۔ ان کی سب سے زبردست دلیل یہ ہے کہ جوہر کے مقابلہ میں عرض کو دو زمانوں میں عدم بقا ہے۔ کیونکہ اگر عرض باقی ہو۔ تو لازم آتا ہے کہ عرض عرض سے قائم ہو اور یہ محال ہے چونکہ اس دلیل کو مخالفوں نے بودی اور ادھوری خیال کیا ہے اس واسطے ان کا یقین ہو گیا ہے کہ یہ مسئلہ بھی ادھور ہے لیکن مخالفوں کو یہ معلوم نہیں کہ اہل سنت کا رہنما اس مسئلہ اور اسی قسم کے اور مسائل میں نور فراست ہے جو انوار نبوت سے حاصل کیا گیا ہے لیکن یہ ہماری کوتاہی ہے کہ ہم حدی و بدیہی کو مخالفوں کی نظروں میں نظری بناتے ہیں اور تکلف سے اس کے ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ آدم برسر مطلب۔ ہماری حدی و بدیہی مخالفوں کے لئے حجت نہیں اور نہ بھی ہو۔ تو بھی مضائقہ نہیں۔ ہمارا کام صرف اطلاع دینا اور پہنچانا ہے جس میں مسلمانی کی علامات ہیں وہ خود بخود اختیار قبول کرے گا اور جو بے نصیب ہے وہ انکار کرے گا علمائے اہلسنت میں شیخ الاسلام شیخ ابو منصور ماتریدی کے اصحاب کا طریقہ کیا ہی عمدہ ہے۔ جنہوں نے صرف مقاصد پر اکتفا کیا ہے اور فلسفی بدباریکیوں اور نکتہ چینیوں سے بالکل روگردانی کر لی ہے فلسفیوں کی طرح نظردستدلال کا طریقہ علمائے اہل سنت و جماعت میں شیخ ابوالحسن اشعری سے شروع ہوا ہے۔ اس کا یہ مدعا تھا کہ کسی طرح اہل سنت کے معتقدات کو فلسفی دلائل سے ثابت کرے ایسا کرنا مشکل ہے بلکہ ایک طرح سے مخالفوں کو اکابر دین پر طعن کرنے کی جرأت دلانا اور طریق سلف

کو ترک کرنا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں ان اہل حق کے معتقدات کی متابعت پر ثابت قدم رکھے جنہوں نے انوار نبوت علیٰ صا جہا الصلوٰۃ والتسلیمات اتممہا واكملہا سے نور حاصل کیا ہے۔

منہا:- میں اس آیت کریمہ ”وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ“ کے مطابق اس نعمت عظمیٰ کا اظہار کرتا ہوں۔ کہ مجھے علم کلام کے متعلقہ معتقدات کا یقین اہل یعنی اہل سنت و جماعت کی رائے کے موافق عطا ہوا ہے اور یقین آ گیا ہے کہ اس کے مقابلے میں یقینی یقین بھی جو سب سے بہتر اور ظاہر تر بدیہیات کی نسبت حاصل ہوا ہے ظن بلکہ وہم معلوم ہوتا ہے۔ مثلاً جب میں علم عقائد کے مسائل کے متعلق حاصل شدہ یقین کا مقابلہ اس یقین سے کرتا ہوں جو وجود آفتاب کی نسبت مجھے حاصل ہے اول الذکر کو موخر الذکر کی نسبت یقین جانتا ہوں اور باب عقل خواہ اس بات کو قبول کریں یا نہ کریں بلکہ بالضرور قبول نہیں کریں گے کیونکہ یہ بات عقل سے پرے ہے۔ ظاہر میں عقل کو اس مقام سے سوائے انکار کے اور کچھ حاصل نہیں اس معاملہ کی حقیقت یہ ہے کہ یقین دل کا کام ہے اور وہ یقین جو دل کو آفتاب کے وجود کی طرح حاصل ہوتا ہے وہ حواس خمسہ کے وسیلے سے ہوتا ہے جو بمنزلہ جاسوس ہیں اور جو یقین دل کو علم عقائد کے مسائل کے متعلق حاصل ہوا ہے اس میں ان حواس خمسہ میں سے کسی ایک کا بھی دخل نہیں بلکہ یہ یقین جناب باری سے بطریق الہام بلا واسطہ ہوا ہے۔ پس پہلا یقین بمنزلہ علم الیقین ہے اور دوسرا بمنزلہ عین الیقین۔ سو علم الیقین اور عین الیقین میں بڑا فرق ہے۔ مصرعہ - شنیدہ کے بودمانند دیدہ۔

منہا:- جب محض فضل الہی سے طالب کا سینہ تمام مرادات سے خالی ہو جاتا ہے اور سوائے حق کے اور کوئی اسے خواہش نہیں رہتی تو اس وقت وہ مقصود حاصل ہو جاتا ہے جو اس کے پیدا کرنے سے تھا اور وہ حقیقی بندگی بجالاتا ہے بعد ازاں اگر چاہتے ہیں تو اسے ناقصوں کی تربیت کے لئے واپس کرتے ہیں اور اپنے پاس سے اسے ارادہ عطا فرماتے ہیں اور اختیار عنایت کرتے ہیں جس کے سبب سے وہ قوی اور فعلی تصرفات میں مجاز و مختار ہوتا ہے۔ جیسا کہ اذن دیا ہوا غلام مقام تخلیق باخلاق اللہ۔ میں صاحب ارادہ جو کچھ چاہتا ہے دوسروں کے واسطے چاہتا ہے نہ کہ اپنے لئے اور دوسروں کی مصلحتیں اس کے مد نظر ہوتی ہیں نہ کہ اپنے نفس کی جیسا کہ واجب تعالیٰ کا حال ہے کہ جو کچھ کرتا ہے مخلوق کی خاطر کرتا ہے یہ نہ ضروری ہے اور نہ جائز کہ جو کچھ یہ صاحب ارادہ چاہے ظہور میں آئے کیونکہ ایسا ہونا شرک ہے اور بندگی اس کی برداشت نہیں کر سکتی چنانچہ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرمایا ”اِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ اَخْبَتَ وَلَكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِي مَنْ يُّشَاءُ“ جسے تو چاہے ہدایت نہیں کر سکتا۔ جسے اللہ تعالیٰ چاہے اسے ہدایت کرتا ہے جب آں حضرت ﷺ کا ارادہ توقف میں پڑے تو دوسروں کی کیا ہستی ہے نیز یہ بھی ضروری نہیں کہ صاحب ارادہ کی تمام مرادیں مرضی حق کے

مطابق ہوں اگر ایسا ہوتا۔ تو جناب باری سے آنحضرت ﷺ پر استراض نازل نہ ہوتا۔ قولہ تعالیٰ مَا كَانَ لَنَبِيٍّ اِلْحَ اور معافی کی گنجائش نہ ہوتی قولہ تعالیٰ "عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ" اللہ تعالیٰ نے تجھے معاف کیا۔ معافی ہمیشہ تفصیرات میں ہوتی ہے۔ تمام مرادات حق مرئیات حق نہیں مثلاً کفر و گناہ۔

منہا:- اس کام میں میرا امام کلام اللہ اور میرا پیر قرآن مجید ہے اگر قرآن شریف کی ہدایت نہ ہوتی۔ تو حقیقی مبعود کی عبادت کی راہ نہ کھلتی۔ اس راہ میں ہر ایک لطیف والطف انا اللہ پکار کر سالک راہ کو اپنی پرستش میں کر لیتا ہے اگر چوں ہے تو اپنے آپ کو بچوں ظاہر کرتا ہے اگر تشبیہ ہے تو تنزیہ کی صورت میں جلوہ گر ہوتی ہے یہاں امکان اور وجوب آپس میں خلط ملط ہیں اور حدوث و قدم گڈمڈ۔ اگر باطل ہے تو حق کی صورت میں ظاہر ہے اگر گمراہی ہے تو ہدایت کی شکل میں نمودار ہے بیچارہ سالک اندھے مسافر کی طرح ہے کہ ہر ایک کو "ہذا رہی" یہی میرا پروردگار ہے۔ لکھتا آتا ہے اللہ تعالیٰ جل شانہ اپنے آپ کو زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا اور مشرق و مغرب کا پروردگار بتاتا ہے جب مجھے عروج کے وقت یہ خیالی مبعود پیش کئے گئے تو میں نے سب سے انکار کیا اور سب زائل ہو گئے اس واسطے میں نے لَا اُحِبُّ الْاَلْبَلَيْنَ میں غروب و زائل ہونے والوں سے پیار نہیں کرتا کہتے ہوئے سب سے منہ پھیرا اور سوائے ذات واجب الوجود کے اور کسی کو قبلہ توجہ نہ بنایا۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں اس بات کی ہدایت کی اگر اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت نہ کرتا۔ تو کبھی سیدھی راہ پر نہ آتے ہمارے پروردگار کے رسول سب سچے ہیں جو کچھ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے ہیں۔ سچ اور حق ہے۔

منہا:- ہم چار شخص اپنے خواجہ صاحب کی ملازمت میں باقی تمام یاروں سے ممتاز تھے۔ ہم چاروں کا اعتقاد خواجہ صاحب کی نسبت الگ الگ تھا اور ہمارا معاملہ بھی ایک دوسرے سے نرالا تھا۔ میرا یہ یقین تھا کہ اس قسم کی صحبت و اجتماع اور اس طرح کی تربیت اور ارشاد جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے کے بعد کبھی میسر نہیں ہوئی اس نعمت کا شکر بجالایا کرتا تھا گو مجھے جناب سرور کائنات ﷺ کی صحبت کا شرف تو حاصل نہیں ہوا۔ لیکن اس صحبت کی سعادت سے محروم نہیں رہا۔ ہمارے خواجہ صاحب نے باقی تین کے احوال کی نسبت یوں فرمایا۔ کہ فلاں شخص مجھے صاحب تکمیل جانتا ہے لیکن صاحب ارشاد خیال نہیں کرتا۔ اس کے نزدیک ارشاد کا مرتبہ تکمیل کے مرتبے سے زیادہ ہے دوسرے کی نسبت فرمایا کہ اس کا ہم سے کچھ سروکار نہیں تیسرے کی نسبت فرمایا۔ کہ وہ ہمارا منکر ہے۔ ہم میں سے ہر ایک کو اعتقاد کے موافق حصہ ملا۔ واضح رہے کہ مرید کو اپنے پیر سے جو محبت ہوتی ہے اور فائدہ اٹھانے اور پہنچانے کے سبب کی مناسبت کا نتیجہ پیر کو افضل اور اکمل جاننا ہے لیکن یہ ضروری ہے کہ پیر کو ان لوگوں سے افضل نہ جانے جن کی فضیلت شرع میں مقرر ہے کیونکہ ایسا کرنا فراط میں داخل

ہے اور یہ اچھا نہیں شیعہ لوگوں کی خرابی نض اہل بیت کی محبت کی افراط سے ہوئی ہے اور عیسائیوں کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی افراط محبت سے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہتے ہیں اسی واسطے ابدی نقصان میں مبتلا ہیں لیکن اگر ان کے سوا فضیلت دے تو جائز ہے بلکہ طریقت میں واجب ہے یہ فضیلت دینا مرید کے اختیار میں نہیں۔ بلکہ اگر مرید سعادت مند ہے تو خود بخود بے اختیار اس میں یہ اعتقاد پیدا ہو جاتا ہے اور اس کے ویلے پیر کے کمالات کو حاصل کرتا ہے اگر یہ فضیلت دینا مرید اپنے اختیار اور تکلف سے پیدا کرے تو جائز نہیں اور نہ اس کا کچھ نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔

منہا:۔ نفی اثبات میں اعلیٰ درجہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کے کلمہ طیبہ میں یہ ہے کہ جو کچھ دید و دانش اور کشف و شہود میں آئے خواہ وہ محض تنزیہ و بے کیف ہو سب کچھ لاکی تحت میں داخل ہو اور اثبات کی جانب میں سوائے اللہ کہنے کے جودل کی موافقت سے کہا جائے اور کچھ نصیب نہ ہو۔

عنقا شکار کس نشود دام باز چین کایں جا ہمیشہ باد بدست است دام را

وَالسَّلَامُ عَلَى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدَىٰ وَالْتَزَمَ مُتَابِعَةَ الْمُصْطَفَىٰ عَلَيْهِ وَعَلَىٰ إِلِهِ الصَّلَوْتُ
وَالتَّسْلِيمَاتُ

منہا:۔ قرآنی حقیقت اور کعبہ ربانی کی حقیقت دونوں حقیقت محمدی سے اوپر ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآنی حقیقت حقیقت محمدی کی امام اور کعبہ ربانی کی حقیقت حقیقت محمدی کا مجود ہے باوجود اس بات کے کہ کعبہ ربانی کی حقیقت قرآنی حقیقت سے بڑھ کر ہے وہاں سر بسر بے صفتی اور بے رنگی ہے اور شیون و اعتبارات کی وہاں گنجائش نہیں تنزیہ و تقدیس کی وہاں مجال نہیں۔ مصرعہ آنجا ہمہ آنت کہ برتر زبان است۔ یہ ایسی معرفت ہے جس کے بارے میں کسی اہل اللہ نے لب کشائی نہیں کی اور رمز و اشارے کے طور پر بھی اس کے متعلق بات نہیں کی۔ مجھے اس معرفت عظمیٰ سے مشرف کیا ہے اور آبنائے جنس میں ممتاز فرمایا ہے یہ سب کچھ حبیب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے مجھے نصیب ہوا ہے۔ واضح رہے کہ جس طرح چیزوں کی صورتوں کا مجود کعبہ کی صورت ہے۔ اسی طرح ان اشیاء کے حقائق کا مجود حقیقت کعبہ ہے میں ایسی عجیب بات بیان کرتا ہوں۔ جسے نہ کسی نے کہا نہ سنا۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے اس کی خبر دی اس واسطے میں لوگوں کو اس سے آگاہ کرتا ہوں۔ یہ سب کچھ اس کے فضل و کرم سے ہے۔ کہ جناب سرور کائنات ﷺ کے عہد مبارک سے کچھ اوپر ہزار سال بعد ایسا زمانہ آرہا ہے۔ کہ حقیقت محمدی اپنے مقام سے عروج فرمائے اور حقیقت کعبہ کے مقام سے مل کر ایک ہو جائے اس وقت حقیقت محمدی کا نام حقیقت احمدی ہو اور وہ ذات احد کا مظہر بنے اور دونوں مبارک نام مسکمی کو حاصل ہوں اور پہلا مقام حقیقت محمدی سے خالی ہو جائے۔ جب تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول فرمائیں اور

شریعت محمدیہ پر عمل کریں۔ اس وقت حقیقت عیسوی اپنے مقام سے عروج کر کے حقیقت محمدی کے خالی شدہ مقام میں قرار کرے گی۔

منہا:۔ اگر کلمہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ نہ ہوتا تو جناب باری کی راہ کون دکھاتا اور توحید کے چہرہ پر سے نقاب کون اٹھاتا اور جنت کے دروازے کون کھولتا۔ بکثرت صفات بشریت اس لا کے کدال سے اکھیڑی جاتی ہیں اور بے شمار تعلقات اس نفی کے ٹکرار کی برکت سے دور ہوتے ہیں۔ اس کلمہ کی نفی باطل معبودوں کو مات کرتی ہے اور اس کلمہ کا اثبات معبود حقیقی کو ثابت کرتا ہے۔ سالک اس کی مدد سے امکانی مدارج طے کرتا ہے اور عارف اس کی برکت سے وجوبی معارج پر چڑھتا ہے یہ کلمہ طیبہ ہی ہے جو تجلیات افعال سے تجلیات صفات میں پہنچاتا ہے اور پھر تجلیات صفات سے تجلیات ذات تک لے جاتا ہے۔

تا بجا رب لا زولہ راہ نرسی در سر اے لا اللہ

وَالسَّلَامُ عَلَى مَنْ اتَّبَعَ الْهُدَىٰ وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفَىٰ عَلَيْهِ وَعَلَىٰ إِلِهِ الصَّلَواتُ
وَالتَّسْلِيمَاتُ۔

منہا:۔ مخدومی شیخ شرف الدین منیری اپنے مکتوبات میں لکھتے ہیں کہ معوذتین کو نماز میں نہیں پڑھنا چاہئے۔ کیونکہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ ان دونوں سورتوں کی قرآنیت میں جمہور کے مخالف ہیں۔ پس ان دونوں سورتوں کی قرأت کو فرض قطعی میں شمار نہیں کرنا چاہئے۔ میں بھی نہیں پڑھتا تھا حتیٰ کہ ایک روز اس فقیر پر ظاہر کیا گیا۔ کہ گویا معوذتین موجود ہیں اور مخدوم شرف الدین کی شکایت کرتے ہیں۔ کہ انہوں نے فرض میں ان کی قرأت کو کیوں ترک کیا گویا ہمیں قرآن شریف سے نکالا ہے تب سے میں نے ان کا پڑھنا شروع کیا۔ چنانچہ نماز فریضہ میں پڑھنے لگا جب ان دونوں سورتوں کو نماز فریضہ میں پڑھتا ہوں۔ تو عجیب و غریب احوال کا مشاہدہ کرتا ہوں واقعی جب علم شریعت کی طرف رجوع کیا جائے تو ان دو سورتوں کو نماز فریضہ میں نہ پڑھنے کے لئے کوئی معقول وجہ نظر نہیں آتی بلکہ اس متفق علیہ حکم کی قطعیت میں شبہ ڈالنا ہے۔ کہ جو کچھ دشمنین کے اندر ہے وہ قرآن ہے جب سورۃ فاتحہ سے سورۃ کا ملانا واجب ہے پس دونوں سورتوں کا پڑھنا خواہ وہ بالفرض و محال خواہ ظنی ہی ہوں۔ کوئی وجہ نہیں کہ انہیں فاتحہ کے ساتھ ملا کر نہ پڑھا جائے مجھے تو شیخ کے اس کلام پر سخت تعجب آتا ہے۔ وَالسَّلَامُ
عَلَى سَيِّدِ الْبَشَرِ وَاللّٰهُ الْأَظْهَرُ

منہا:۔ اس بات کی کوشش کرنی چاہئے۔ کہ سنت نبوی کے موافق عمل حاصل ہو اور بدعت سے بچنا خاص کر ایسی بدعت سے جس سے سنت رفع ہوتی ہو جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں ”مَنْ أَخَذَ فِي دِينِنَا فَهُوَ رَدٌّ“ جو نئی بات اس دین میں نکالی جائے وہ رد ہے ان لوگوں

پر مجھے تعجب آتا ہے کہ دین میں حالانکہ وہ مکمل اور پورا ہے نئی شاخیں نکالتے ہیں اور ان سے دین متین کی تکمیل کرنا چاہتے ہیں اور اس بات سے نہیں ڈرتے کہ کہیں ان بدعتوں سے سنت رفع نہ ہو جائے مثلاً شملہ دونوں کند ہوں کے بیچ رکھنا سنت ہے لیکن بہت سوں نے شملے کو بائیں طرف لٹکانا اختیار کیا ہے اس عمل سے وہ مردوں سے مشابہت پیدا کرنا چاہتے ہیں بہت سے لوگوں نے اس معاملہ میں ان کی پیروی کی ہے یہ فعل سنت سے بدعت ہیں اور بدعت سے حرمت تک پہنچاتا ہے کیا جناب سرور کائنات سے مشابہ ہونا اچھا ہے یا مردوں سے۔ جناب سرور کائنات ہی مرنے سے پہلے موت سے مشرف ہوئے ہیں اگر مردے ہی سے تشبیہ درکار ہے تو آں حضرت ﷺ سے کرو اور عجب بات یہ ہے کہ مردے کو عمامہ پہنانا ہی بدعت ہے چہ جائے کہ شملہ چھوڑا جائے۔ بعض متاخرین نے جو عالم کی میت کے لئے عمامہ کو جائز قرار دیا ہے۔ میری رائے میں زیادتی ہے اور زیادتی نسخ اور نسخ عین رفع۔ اللہ تعالیٰ ہمیں متابعت سنت نبوی پر ثابت قدم رکھے اور آمین کہنے والے بندے پر رحم کرے۔

منہا:- صوفیوں کے طریق بلکہ مذہب اسلام سے حظ وافر اسی شخص کو حاصل ہو سکتا ہے جس میں تقلید کی فطرت اور متابعت کی جبلت زیادہ ہو۔ یہاں کام کا دار و مدار تقلید پر ہے۔ اسی مقام پر کام متابعت سے وابستہ ہے انبیاء علیہم السلام کی تقلید اعلیٰ درجات پر پہنچاتی ہے اور نیک لوگوں کی متابعت اعلیٰ عروج پر پہنچاتی ہے امیر المؤمنین حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ میں چونکہ یہ فطرت زیادہ تھی اس لئے بلا توقف تصدیق نبوت کی سعادت حاصل کی اور صدیقیوں کے سردار بن گئے۔ ابو جہل لعین میں چونکہ تقلید اور متابعت کا مادہ کم تھا۔ اس واسطے اس سعادت سے مشرف نہ ہوا اور ملعونوں کا پیشوا بن گیا مرید کو جو کمال حاصل ہوتا ہے۔ اپنے پیر کی تقلید سے حاصل ہوتا ہے۔ پیر کی خطا مرید کے صواب سے بہتر ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ جناب سرور کائنات ﷺ کے سہو کو طلب کرتے تھے ”يَا لَيْتَنِي سَهُوُ مُحَمَّدٍ“ کاش مجھے محمد کا سہو نصیب ہو۔ جناب سرور کائنات ﷺ نے حضرت بلالؓ کے حق میں فرمایا ہے ”بَيْنُ بِلَالٍ عِنْدَ اللَّهِ شَيْنٌ“ بلال عجمی تھے۔ اس لئے اذان میں بجائے اشہد کے اسہد کہا کرتے تھے اللہ تعالیٰ کے ہاں انکا اسہد اشہد ہے۔ پس بلالؓ کی خطا دوسروں کی درستی سے بہتر ہے مصرعہ۔ ”بر اشہد تو خندہ زند اشہد بلال“ میں نے ایک بزرگ سے سنا ہے جو فرماتے تھے کہ بعض دعائیں جو مشائخ سے منقول ہیں اور جن میں مشائخ سے اتفاقاً غلطی ہو گئی ہے اور تلفظ بگڑ گیا ہے اگر ان کے تابعین اور پیر اپنے مشائخ کی طرح پڑھیں تو تاثیر ہوتی ہے۔ اگر درست کر کے پڑھیں تو تاثیر نہیں ہوتی۔ یا اللہ! ہمیں انبیاء کی تقلید اور اولیاء کی متابعت پر بحر مت حبیب خدا ﷺ ثابت قدم رکھنا۔

منہا:- ایک روز جنوں کا حال مجھ پر منکشف فرمایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ جن گلی کوچوں میں عام آدمیوں کی طرح چلتے پھرتے ہیں اور ہر ایک جن کے سر پر ایک فرشتہ مقرر کیا ہوا ہے کہ وہ جن اس موکل کے ڈر کے مارے سر نہیں اٹھا سکتا اور دائیں بائیں نہیں دیکھ سکتا۔ قیدیوں اور گرفتاروں کی طرح چل رہے ہیں ان میں مخالفت کی مجال بالکل نہیں۔ ہاں جب اللہ تعالیٰ چاہے تو ان سے کچھ ظہور میں آتا ہے۔ اس وقت مجھے ایسا معلوم ہوا کہ گویا موکل کے ہاتھ میں لوہے کا گرز ہے۔ کہ اگر جن ذرا بھی مخالفت کرے تو ایک ہی چوٹ سے اس کا کام تمام کر دے۔

خدائے کہ بالا و پست آفرید زبردست ہر دست دست آفرید

منہا:- عوام الناس تو درکنار تمام مرسلوں کے جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سردار ہیں اگرچہ حضرت عیسیٰ اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کو حسب درجہ مقام تجلی ذات سے کچھ حاصل ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مخاطب کر کے فرمایا ہے۔ ”اِصْطَفَعْتُكَ لِنَفْسِي اَنْى لِدَاتِي“ اور حضرت عیسیٰ السلام روح ہیں اور آپ کا کلمہ بھی آنحضرت کے کلمہ سے بہت کچھ مناسب رکھتا ہے۔ لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام حالانکہ مقام تجلی صفات میں ہیں۔ پھر بھی تیز چشم اور دور بین ہیں جو خاص شان ہمارے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تجلی ذات کے مقام میں نصیب ہوئی۔ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تجلی صفات کے مقام میں حاصل ہو گئی۔ لیکن استعداد دونوں کی مختلف ہے۔ پس اس لحاظ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام دونوں سے افضل ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام سے افضل ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا رتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بڑھ کر ہے آپ ان کی نسبت تیز نظر اور دور بین ہیں۔ ان کے بعد حضرت نوح علیہ السلام ہیں۔ آپ کا مقام مقام صفات میں اگرچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مقام سے اوپر ہے۔ لیکن حضرت ابراہیم کو اس مقام میں خاص شان حاصل ہے اور آپ کو نظر کی وہ تیزی حاصل ہے جو دوسروں کو میسر نہیں لیکن آپ کی اولاد کرام کو بھی بطور تبعیت و فریعت اس مقام سے حاصل ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے مجھے ان باتوں کے الہام سے سرفراز فرمایا علم اللہ تعالیٰ ہی کو حاصل ہے۔

منہا:- جس سالک کی سیر اسماء و صفات کی تفصیل میں ہو۔ اس کا ذات حق تک پہنچنا بند ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اسماء و صفات کی کوئی انتہا نہیں۔ نہ یہ ختم ہوتے ہیں۔ نہ وہ منزل مقصود پر پہنچتا ہے۔ مشائخ نے اس مقام کی خبر دی ہے کہ مراتب وصول کی کوئی انتہا نہیں اس واسطے کہ محبوب کے کمالات کی کوئی انتہا نہیں۔ یہاں وصول سے مراد اسمائی و صفاتی وصول ہے۔ سعادت مند وہ شخص ہے جس کی سیر اسماء

وصفات میں بطریق اجمال واقع ہوئی ہے اور جلدی خدا رسیدہ ہو گیا ہے۔ واصلان ذات جب نہایت النہایت پر پہنچتے ہیں تو دعوت کے لئے ان کا واپس آنا لازم ہے اور وہاں سے واپس نہ آنا محال ہے برخلاف اس کے متوسط کے جب اپنی استعداد کے موافق آخری مقام پر پہنچ جاتے ہیں تو ان کے لئے واپس آنا لازم نہیں۔ ہو سکتا ہے۔ کہ واپس آئیں یا وہیں ٹھہرے رہیں۔ پس منتہی کے وصل کے مراتب ختم ہو جاتے ہیں۔ بلکہ لازم ہے کہ پورے ہو جائیں۔ لیکن متوسطوں کے وصول کے مراتب کی جو اسمائی و صفاتی تفصیل میں سیر کرتے ہیں۔ کوئی انتہا نہیں یہ علم بھی میرا مخصوص علم ہے۔ وَالْعِلْمُ عِنْدَ اللَّهِ سُبْحَانَهُ۔

منہا:- مقام رضا مقامات ولایت سے بڑھ کر ہے یہ مقام تمام سلوک و جذبہ طے کر لینے کے بعد حاصل ہوتا ہے اگر یہ پوچھیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اس کی صفات اور اس کے افعال سے رضا واجب ہے اور نفس رضا میں ماخوذ جس سے عام مومنوں کو چارہ نہیں۔ تو پھر سلوک و جذبہ کے تمام پر اس کے حصول کے کیا معنی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح ہر رکن ایمان کی صورت و حقیقت ہے اسی طرح رضا کی بھی صورت ہے شروع میں صورت کا وجود ہوتا ہے اور آخر میں حقیقت حاصل ہوتی ہے۔ جب منافی رضا ظاہر نہ ہو۔ تو ظاہر شریعت حصول رضا کا حکم فرماتی ہے لیکن تصدیق قلبی کے طور پر کہ جب کوئی بات منافی تصدیق نہ پائی جائے۔ تو تصدیق حاصل ہو جاتی ہے اور ہم رضا کی صورت و حقیقت کے درپے ہیں۔ اَللّٰهُ سُبْحَانَهُ اَعْلَمُ۔

منہا:- ولی کو جو کمال حاصل ہوتا ہے یا جس درجے پر پہنچتا ہے اپنے نبی کے طفیل پہنچتا ہے۔ اگر متابعت نبوی نہ ہوتی۔ تو نفس ایمان ظاہر نہ ہوتا اور اعلیٰ درجات کی راہ نہ کھلتی پس اگر ولی کو کوئی جزوی فضل حاصل ہو جو نبی کو حاصل نہیں تھا اور کوئی ایسا خاص درجہ مل جائے جو نبی کو میسر نہیں تھا۔ تو نبی کو بھی اس جزوی فضل اور اس خاص درجہ سے حصہ ملتا ہے۔ کیونکہ ولی کو وہ کمال اس نبی کی متابعت سے حاصل ہوا ہے اور یہ اس کی سنت کی پیروی کا ایک نتیجہ ہے۔ پس لامحالہ نبی کو اس کمال سے پورا حصہ حاصل ہوتا ہے۔ جیسا کہ جناب سرور کائنات ﷺ فرماتے ہیں۔ ”مَنْ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهُ أَجْرُهَا وَأَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا“ جس نے کوئی نیک طریقہ جاری کیا۔ اسے اس طریقے پر علم کرنے والے کا بھی اجر ملتا ہے۔ لیکن اول اس کمال کے حصول میں سابق ہے اور اس درجہ کے وصول میں مقدم۔ اس قسم کی فضیلت ولی کو نبی پر جائز ہے جو جزئی ہو جو کلیہ معارض نہ ہو۔ صاحب فصوص (شیخ محی الدین ابن العربی قدس سرہ) نے جو فرمایا ہے۔ کہ خاتم انبیاء علوم و معارف کو خاتم الولایت سے اخذ کرتا ہے۔ اس سے مراد یہی معرفت ہے جس سے مجھے ممتاز فرمایا گیا ہے اور جو سراسر شریعت کے موافق ہے فصوص کے

شارحین نے اس کی تصحیح میں تکلف سے کام لیا ہے اور کہا ہے کہ خاتم ولایت خاتم نبوت کا خزانچی ہوتا ہے۔ اگر بادشاہ اپنے خزانچی سے کچھ لے تو نقص لازم نہیں آتا۔ اصل حقیقت وہی ہے۔ جو میں نے تحقیق کی ہے انہوں نے یہ تکلف اس واسطے کیا ہے کہ معاملہ کی حقیقت کو نہیں پہنچ سکے اللہ تعالیٰ امور کی اصل حقیقت سے اچھی طرح واقف ہے۔ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَيِّدِ الْبَشَرِ وَالِہِ الْاَظْہَرِ۔

منہا:۔ ولی کی ولایت اس کے نبی کی ولایت کا جزو ہوتی ہے۔ ولی کو خواہ کتنے ہی اعلیٰ درجات حاصل ہو جائیں پھر بھی وہ درجات اس نبی کے درجات کا جزو ہوتے ہیں۔ جزو خواہ کتنا ہی بڑا ہو جائے پھر بھی کل سے کم ہی رہے گا۔ کیونکہ ”کل ہمیشہ اپنے جزو سے بڑا ہوتا ہے“ ایک بدیہی قضیہ ہے۔ وہ شخص احمق ہے جو یہ خیال کرتا ہے کہ جزو کل سے بڑا ہوتا ہے اور یہ کہ کل ایک جزو ہے۔

منہا:۔ اللہ تعالیٰ کی صفات واجبی تین قسم کی ہیں۔ پہلی قسم کی صفات اضافی ہیں۔ مثلاً خالقیت اور زراقت دوسری حقیقی مثلاً زندگی اس میں اضافی ہر گز ملاوٹ نہیں اضافت سے ہماری مراد جہان کا لگاؤ ہے۔ تیسری قسم تمام اقسام سے افضل ہے اور اس میں تمام اقسام جمع ہیں۔ یہ امہات صفات سے ہے۔ علم کی صفت باجود جامعیت کے صفت حیات کی تابع ہے۔ صفات وشیونات کا دائرہ حیات پر جا ختم ہوتا ہے۔ وصول مطلوب کا دروازہ یہی ہے۔ چونکہ صفت حیات صفت علم سے بڑھ کر ہے اس واسطے ضروری ہے کہ مراتب علم طے کرنے کے بعد اس تک پہنچیں۔ علم یا ظاہری ہوتا ہے یا باطنی یا شریعت کا ہوتا ہے یا طریقت کا بہت ہی کم اشخاص اس دروازے میں داخل ہوئے ہیں صرف کوچوں کے پیچھے سے اندر دیکھتے ہیں ایسے دیکھنے والے بھی نہایت ہی کم ہیں اگر اس بھید کی رمز ظاہر کر دوں تو گلاٹ جائے۔

وَمِنْ بَعْدِ هَذَا اَيْدِیْ صِفَاتِهٖ وَمَا كُنْتُمْ اَحْظَرُ لَدُنْہِ وَاَجْمَلُ

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اَتَّبَعَ الْهُدٰی وَالتَّزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْہِ وَاَلٰہِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ
منہا:۔ حضرت حق سبحانہ تعالیٰ مثل سے منزہ ہے۔ کوئی چیز اس کی مانند نہیں لیکن مثال کو جائز قرار دیا ہے اور مثل تجویز کی ہے اللہ تعالیٰ کے لئے مثل اعلیٰ ہے ارباب سلوک اور اصحاب کشف کو مثال سے تسلی دیتے ہیں اور خیال سے آرام بخشتے ہیں بے چون کو چون کی مثال سے دکھاتے ہیں اور وجوب کو امکان کی صورت میں جلوہ گر کرتے ہیں بے چارہ سالک مثال کو عین صاحب مثال خیال کرتا ہے اور صورت کو عین ذی صورت۔ یہی وجہ ہے کہ حق سبحانہ تعالیٰ کے احاطہ کی صورت کو چیزوں میں دیکھتا ہے اور اس احاطہ کی مثال کو جہان میں مشاہدہ کرتا ہے اور خیال کرتا ہے۔ کہ احاطہ میں حق کی حقیقت دکھائی دے رہی ہے لیکن دراصل ایسا نہیں۔ بلکہ حق تعالیٰ کا احاطہ بچوں و بچکون ہے اور نہ وہ شہود میں آسکتا ہے اور نہ کسی پر ظاہر ہو سکتا ہے۔ اس بات پر ہمارا ایمان ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ ہر شے پر محیط ہے لیکن یہ ہم نہیں جاننے کہ اس

کا احاطہ کیا ہے اور جو کچھ ہمیں معلوم ہے وہ اس احاطہ کی شبہ اور مثال ہے نہ کہ حقیقت۔ بلکہ اس کی حقیقت کی کیفیت نامعلوم ہے یہ ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ قریب ہے اور ہمارے ساتھ ہے۔ لیکن یہ ہم نہیں جانتے کہ اس کا قرب و معیت کس طرح کے ہیں۔ ممکن ہے کہ جو حدیث نبوی ﷺ میں آیا ہے۔ بَشَجَلِي رَبَّنَا صَاحِبًا ہمارا پروردگار ہنستا ہوا ظاہر ہوا۔ یہ آنحضرت ﷺ نے بلحاظ صورت مثالی فرمایا ہو۔ کیونکہ شاید کمال رضا کے حصول کو مثال میں بصورت خندہ دکھایا ہو اور ہاتھ چہرے قدم اور انگلیوں کا اطلاق بھی صورت مثالی کے لحاظ سے ہو۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے اسی طرح سکھایا۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت سے مخصوص کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ صاحب فضل عظیم ہے۔ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَسَلَّمَ وَبَارَكَ۔

منہا: اگر حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی عبارات میں جو آپ نے احوال و مواجید اور علوم و معارف کے بیان میں لکھی ہیں۔ کسی قسم کا تناقض یا تدافع معلوم ہو۔ تو یہ گمان نہیں کرنا چاہئے۔ کہ واقعی ایک دوسرے کے نفیض ہیں۔ بلکہ یہ خیال کرنا چاہئے کہ مختلف اوقات میں مختلف وضع پر یہ عبارات لکھی گئی ہیں کیونکہ ہر وقت احوال و مواجید مختلف ہوا کرتے ہیں اور ہر ایک وضع میں علوم و معارف جدا ہیں۔ پس درحقیقت یہ تناقض اور تدافع نہیں اس کی مثال احکام شریعہ کی طرح ہے کہ نسخ و تبدیل کے بعد متناقض احکام جاری ہوتے ہیں۔ جب اوقات و اوضاع کے اختلاف کو ملحوظ رکھا جائے۔ تو وہ تناقض و تدافع اٹھ جاتا ہے اللہ تعالیٰ ہی کے لئے حکمت ہے۔ اس میں عین حکمت و مصلحت ہے۔ کسی قسم کا شک نہ کرنا۔ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَسَلَّمَ وَبَارَكَ۔

فَاغْفِرْ لَنَا شَيْدَهَا وَاغْفِرْ لِقَارِنِهَا
سَنَلْتُكَ الْخَيْرَ يَا ذَا الْجُودِ وَالْكَرَمِ۔
آمین